اے حمید

تاریک ڈراؤنی رات ہے۔

ایک ریل گاڑی رات کی تاریکی میں جہلم ڈومیلی کے جنگلاتی پہاڑی ٹیلوں میں سے گزر رہی ہے...... انجن کی ہیڈ لائٹ روشن ہے...... رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے...... پہاڑی ٹیلے، درخت اور جھاڑیاں اندھیرے کی چادر اوڑھے ساکت ہیں...... ایک پہاڑی موڑ کاٹتے ہوئے ٹرین کی رفتار آہستہ ہو جاتی ہے...... کمانڈو شیر خان انجن کے پائیدان پر کھڑا ہو جاتا ہے...... اس کے کندھے پر سٹین گن لٹک رہی ہے...... وہ ٹرین کے پچھلے ڈبوں کی طرف دیکھتا ہے...... اس کے ہاتھ میں چھوٹی ٹارچ ہے...... ایک خاص جگہ پر پہنچ کر وہ انجن کے ڈرائیور کو اشارہ کرتا ہے...... ڈرائیور اسی وقت انجن کی ہیڈ لائٹ بجھا دیتا ہے...... ٹرین کی رفتار اور دھیمی ہو گئی ہے...... ٹرین ایک خشک برساتی نالے کے اوپر سے گزرتی ہے تو کمانڈو شیر خان ٹارچ کا رُخ پچھلے ڈبوں کی طرف کر کے اسے تین بار جلاتا بجھاتا ہے اور فوراً انجن میں سے کود جاتا ہے...... وہ ڈھلان پر جھاڑیوں میں گرتا ہے اور اپنے آپ کو گیند کی طرح لڑھکاتا درختوں کے پاس جا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ٹرین کی طرف دیکھتا ہے...... ٹرین کی آخری بوگی گزر رہی ہے...... اس کے ایک ڈبے میں سے چھ کمانڈو ایک دوسرے کے پیچھے نیچے چھلانگیں لگاتے ہیں...... انجن ڈرائیور پیچھے دیکھ رہا ہے...... جب کمانڈو پارٹی ٹرین سے کود جاتی ہے تو ڈرائیور انجن کی ہیڈ لائٹ روشن کر کے ٹرین کی رفتار بڑھا دیتا ہے اور ٹرین آگے نکل جاتی ہے۔

کمانڈو شیر خان ایک درخت کی آڑ لئے اس طرف اندھیرے میں دیکھ رہا ہے جس طرف اس کی پارٹی کے کمانڈو ٹرین سے کودے تھے...... وہ چھوٹی ٹارچ کو ایک بار روشن کرتا ہے...... چھ کے چھ کمانڈو اندھیرے میں جھک کر چلتے، سٹین گنیں آگے کئے اپنے پارٹی کمانڈر کمانڈو شیر خان کے پاس آجاتے ہیں...... شیر خان انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے چلنے لگتا ہے...... درختوں میں ایک جگہ پہنچ کر وہ پنجوں کے بل بیٹھ جاتا ہے...... کمانڈو پارٹی کے مجاہد بھی بیٹھ جاتے ہیں۔

پارٹی کمانڈر کمانڈو شیر خان ان سے مخاطب ہو کر دھیمی مگر پر جوش آواز میں کہتا ہے۔

”ہم اسلام اور اپنے وطن کے جانباز کمانڈو ہیں...... تم کو معلوم ہے کہ دشمن ہمارے ملک میں اپنے دہشت گرد بھیج کر بموں کے دھماکے کرتا ہے اور بے گناہ عورتوں، بچوں، مردوں کو قتل کرتا ہے تاکہ پاکستان میں خوف و ہراس پھیلے...... افراتفری پھیلے...... لوگ اطمینان سے کاروبار نہ کر سکیں اور ہمارا ملک ترقی نہ کر سکے۔ ہماری ڈیوٹی اپنے ملک کو دشمن کے ان دہشت گردوں سے پاک کرنا ہے...... انہیں ختم کرنا ہے...... ہمارا نعرہ ہے ملک سے دہشت گردی اور جرائم کا خاتمہ...... تاکہ لوگ یہاں آرام چین کی زندگی بسر کر سکیں اور ہمارا ملک ترقی کرے“۔

کمانڈو شیر خان ایک سیکنڈ کے لئے رُک گیا...... اس نے اپنے اردگرد اندھیرے میں ڈوبے ہوئے درختوں، جھاڑیوں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا۔

”تم کو معلوم ہے کہ اس وقت ہم دہشت گردی کے خاتمے کے ایک خطرناک مشن پر جا رہے ہیں...... ہم کو رپورٹ ملی ہے کہ بھارت کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کی ایک پارٹی اس جنگل میں چھپی ہوئی ہے...... ہم انہیں نیست و نابود کرنے جا رہے ہیں...... ہو سکتا ہے کہ ہماری زندگیاں اس مشن میں کام آجائیں، لیکن ہمیں اس کی پروا نہیں...... ہم نے اپنی زندگیاں اپنے ملک اور اللہ کے حوالے کر دی ہوئی

ہیں...... زندہ رہے تو ٹھیک ہے...... مر گئے تو خدا ہمیں شہادت کا رتبہ عطا کرے گا“۔

کمانڈو شیر خان نے اندھیرے میں اپنی گھڑی کی چمکتی ہوئی سوئیوں کو ایک نظر دیکھ کر کہا۔

”ابھی تھوڑی دیر میں چاند نکل آئے گا...... اس کی روشنی بڑی پھیکی ہو گی لیکن ہمیں اس روشنی میں اپنا ٹارگٹ نظر آجائے گا...... تم سب کو ٹارگٹ معلوم ہے...... اللہ کا نام لے کر چل پڑو...... آپس میں بول چال بالکل بند...... کھانسی آئے...... چھینک آئے تو منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے دبا دو...... تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے...... چھ فٹ کا فاصلہ رکھ کر نصف دائرے میں سنگل لائن...... ایڈوانس!“۔

شیر خان سٹین گن کو پوزیشن میں لے کر آگے چلنے لگا...... اس کے پیچھے کمانڈو پارٹی چل پڑی...... انہوں نے ایک دوسرے کے درمیان چھ فٹ کا فاصلہ ڈال کر اپنے آپ کو نصف دائرے میں پھیلا لیا تھا اور سٹین گنوں کا رُخ آگے کئے پارٹی کمانڈر کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے...... جنگل میں کچھ دور اندھیرے میں چلنے کے بعد مغرب کی جانب زرد چاند ایک ٹیلے کے عقب سے اُبھرتا ہے...... چاروں طرف اس کی دُھندلی دُھندلی پھیکی روشنی پھیل جاتی ہے۔

پھیکی چاندنی میں دور درختوں کے درمیان ایک مکان نظر آتا ہے...... شیر خان رُک کر اپنی کمانڈو پارٹی کو وہ مکان اشارے سے دکھاتا ہے اور اپنے بازوؤں سے کراس کا نشان بناتا ہے...... یہ اشارہ پا کر تین کمانڈو ایک جانب سے اور تین کمانڈو دوسری جانب سے جھک کر آگے بڑھتے ہیں...... شیر خان پہلو کی جانب سے ہو کر ٹارگٹ کی طرف بڑھتا ہے...... چھ کے چھ کمانڈو مجاہدوں نے اپنے اپنے کمانڈو چاقو نکال کر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لئے ہیں...... انہیں کچھ فاصلے پر پھیکی چاندنی میں تین دہشت گرد سٹین گنیں اٹھائے پہرہ دیتے نظر آتے ہیں...... وہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو کر اپنے خفیہ ٹھکانے یعنی درختوں کے درمیان جو ویران مکان کھڑا ہے اس کے گرد پہرہ دے رہے

ہیں۔

انہیں دیکھ کر تین کمانڈو جھک کر چلتے مکان کے عقب کی طرف چلے جاتے ہیں...... باقی کے تین کمانڈو پہرہ دیتے دہشت گردوں کی طرف بڑھتے ہیں...... انہوں نے ایک دوسرے کو خفیہ اشارے سے بتادیا ہے کہ کون کس دہشت گرد پر حملہ کرے گا...... ایک دہشت گرد ہاتھ میں سٹین گن لئے ایک درخت کے پیچھے کھڑا ہے...... ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہے...... دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے پر بھی گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے...... دہشت گرد دو تین سیکنڈ درخت کے پاس کھڑا رہتا ہے...... پھر آہستہ سے ٹہلنے لگتا ہے...... ایک کمانڈو مجاہد اس کے عقب میں پہنچ چکا ہے اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھا دہشت گرد کی نقل و حرکت نوٹ کر رہا ہے...... دہشت گرد چند قدم چل کر رک جاتا ہے...... اس کے قریب ہی ایک کٹا ہوا درخت پڑا ہے...... وہ اس پر بیٹھ جاتا ہے...... کمانڈو مجاہد کی آنکھیں دھندلی چاندنی میں دہشت گرد پر جمی ہوئی ہیں...... وہ آواز پیدا کئے بغیر بھوکے شیر کی طرح دبے پاؤں ایک ایک انچ آگے بڑھتا ہے...... کھلا ہوا چاقو اس کے ہاتھ میں ہے...... وہ جھاڑیوں کے ساتھ جھکا ہوا ہے۔

دہشت گرد کو اپنے پیچھے آہٹ سی سنائی دیتی ہے...... یہ اس دہشت گرد کی زندگی کی آخری آواز تھی جو اس کو سنائی دی تھی...... جیسے ہی دہشت گرد نے پیچھے مڑ کر دیکھا کمانڈو نے اس کی گردن اپنے بازو کے شکنجے میں جکڑی اور بجلی کی تیزی کے ساتھ چاقو گردن پر پھیر کر اس کی شہ رگ کاٹ دی اور اسے پرے پھینک دیا...... بھارتی دہشت گرد کی گردن سے خون فوارے کی طرح نکلنے لگا اور وہ تڑپ کر وہیں ٹھنڈا ہو گیا...... کمانڈو تیزی سے پیچھے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

تیس چالیس فٹ کے فاصلے پر دوسرا بھارتی دہشت گرد درختوں کے نیچے آہستہ آہستہ چل کر پہرہ دے رہا تھا...... اس نے سٹین گن کندھے سے لٹکائی ہوئی تھی...... ٹہلتے ٹہلتے وہ کبھی رُک کر اوپر درختوں کی طرف دیکھتا...... کبھی اپنے اِرد گرد پھیلی

چاندنی میں نظر ڈالتا تھا...... اپنا ایک کمانڈو جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر اس کی نقل و حرکت کی بڑے غور سے نگرانی کر رہا تھا...... کھلا ہوا کمانڈو چاقو اس کے سیدھے ہاتھ میں تھا...... اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بھارتی دہشت گرد کتنے قدم چلتا ہے اور کہاں پہنچ کر کتنی دیر رکتا ہے اور پھر وہاں سے پلٹ کر کس جگہ آکر ٹھہر جاتا ہے...... اپنے کمانڈو سے بھارتی دہشت گرد کا فاصلہ پچیس فٹ کے قریب تھا...... وہ گھٹنوں کے بل ہو گیا اور جس طرح جنگلی چیتا اپنے شکار پر مسلسل نظریں جمائے اس کی طرف بڑھتا ہے اپنے کمانڈو نے بھی بھارتی دہشت گرد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا...... وہاں چاندنی نہیں تھی...... اوپر درختوں نے سایہ ڈال رکھا تھا...... وہ اپنے جسم کو پوری طرح سے سمیٹے اتنی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ جھاڑیوں کو بھی پتہ نہیں چل رہا تھا، اس کا اور بھارتی دہشت گرد کا درمیانی فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا...... کمانڈو مجاہد اچانک رک کر زمین کے ساتھ لگ گیا...... بھارتی دہشت گرد چند قدم چلنے کے بعد واپس آرہا تھا۔

اب اسے ایک جگہ پہنچ کر رک جانا تھا...... اپنے کمانڈو نے سانس روک لیا اور زمین پر پیٹ کے بل لیٹے لیٹے اپنے گھٹنے آہستہ آہستہ آگے کو سرکائے اور ایک دم چھلانگ لگانے کی پوزیشن میں آگیا...... دہشت گرد جس درخت کے پاس آکر رکتا تھا اس درخت کے پاس آکر رُک گیا تھا...... اب اس کی پیٹھ اپنے کمانڈو کی طرف تھی، مگر فاصلہ زیادہ تھا...... بھارتی دہشت گرد نے اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی اور اسے چہرے کے قریب لا کر غور سے دیکھنے لگا...... کمانڈو اس دوران جھاڑیوں میں گھٹنوں اور کہنیوں کے ذریعے سرکتا ہوا اس کے اتنا قریب آگیا تھا کہ جہاں سے وہ اپنے شکار پر جھپٹ سکتا تھا...... دہشت گرد نے جو چیز جیب سے نکالی تھی اسے واپس جیب میں رکھا اور چل پڑا۔

مگر اب کمانڈو اسے مزید مہلت دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا...... دہشت گرد کا بھی وقت پورا ہو چکا تھا...... دوسرے ہی لمحے ایک بجلی سی جیسے چمک جاتی ہے کمانڈو نے

اچھل کر سب سے پہلے دہشت گرد کی گردن اپنے شکنجے میں جکڑی تاکہ وہ کوئی آواز پیدا نہ کر سکے اور سیدھے ہاتھ میں پکڑا ہوا چاقو سامنے سے اس کے دل میں اوپر تلے چار مرتبہ گھونپ دیا...... پانچ سیکنڈ تک کمانڈو نے دہشت گرد کو اسی طرح جکڑے رکھا...... جب اس کا بدن ڈھیلا پڑ گیا تو اسے آہستہ سے زمین پر گرا دیا...... یہ بھارتی دہشت گرد بھی اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ چکا تھا...... کمانڈو اس ایکشن کے بعد تیزی سے ایک طرف غائب ہو گیا۔

پہرہ دینے والا تیسرا دہشت گرد جہاں آہستہ آہستہ ٹہل کر پہرہ دے رہا تھا وہاں اندھیرا تھا...... درختوں کی وجہ سے وہاں چاند کی پھیکی روشنی بھی نہیں آ رہی تھی...... یہ دہشت گرد سگریٹ پی رہا تھا اور کسی کسی وقت گنگنانے لگتا تھا...... اندھیرے میں اس کا سایہ حرکت کرتا برابر دکھائی دے رہا تھا...... اپنے تیسرے کمانڈو نے اس سائے پر نظر جمائی ہوئی تھی...... اس کی آنکھوں کی پتلیاں اسی سائے کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھیں، جس طرف دہشت گرد کا سایہ حرکت کر رہا تھا اس طرف اپنے کمانڈو کا سایہ بھی حرکت کر رہا تھا...... دہشت گرد کا سایہ ساکت ہو جاتا تو کمانڈو کا سایہ بھی وہیں ساکت ہو جاتا...... اندھیرا کمانڈو کی مدد کر رہا تھا...... اچانک دہشت گرد ایک جگہ رک کر سگریٹ پینے لگا...... تاریکی میں اس کے سگریٹ کا آگ والا سرا چمک اٹھتا تھا...... یہی کمانڈو کا ٹارگٹ تھا...... دہشت گرد مکان کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا...... ادھر اپنے باقی کے کمانڈو گئے ہوئے تھے...... شاید اس طرف سے دہشت گرد کو کوئی آہٹ سنائی دی تھی...... تیسرا کمانڈو چوکنا ہو گیا...... یہ بات خطرناک ثابت ہو سکتی تھی...... اگر وہ کسی کو آواز دیتا ہے تو ان کا آپریشن ناکام ہو سکتا تھا...... کمانڈو پارٹی کو خاموشی اور رازداری سے دہشت گردوں کے سر پر پہنچ کر انہیں فرار ہونے سے پہلے ہلاک کرنا تھا۔

دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کی جانب سے ایسی آواز آئی جیسے کسی نے

درخت کی ٹہنی توڑی ہو...... یہ آواز اپنے کمانڈو نے بھی سنی...... دہشت گرد نے یہ آواز سنتے ہی سگریٹ پھینکا اور سٹین گن سنبھال کر مکان کی طرف بڑھا...... اب اپنا کمانڈو رک نہیں سکتا تھا...... جیسے ہی دہشت گرد نے قدم اٹھایا...... کمانڈو نے پیچھے سے اس کے اوپر چھلانگ لگا دی...... کمانڈو ٹریننگ سینٹر میں انہیں صرف دشمن کے اوپر چھلانگ لگانے کی تربیت نہیں دی گئی تھی...... انہیں جس بات کی ٹریننگ دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ دشمن پر چھلانگ اسے گرانے کے لئے نہیں لگانی بلکہ اس کی گردن کی ہڈی توڑنے کے لئے لگانی ہے تاکہ وہ کوئی آواز پیدا نہ کر سکے...... اپنے کمانڈو نے عین ٹریننگ کے مطابق یہ ایکشن کیا تھا...... اس نے حقیقت میں بھارتی دہشت گرد پر نہیں بلکہ اس کی گردن پر چھلانگ لگائی تھی...... دہشت گرد جھاڑی پر منہ کے بل گرا...... وہ آواز نکالنا چاہتا تھا، لیکن آواز کے نکلنے سے پہلے ہی اس کی گردن کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ چکی تھی۔

اپنا کمانڈو دہشت گرد کے ساتھ ہی جھاڑی پر گرا تھا، مگر وہ اٹھا نہیں، اسی طرح دہشت گرد کے اوپر جھاڑی پر پڑا رہا...... اسے بہت جلد احساس ہو گیا کہ وہ زندہ نہیں بلکہ کسی مردہ دہشت گرد کے اوپر پڑا ہے...... دہشت گرد مر چکا تھا...... اپنے کمانڈو کے بازو کا آہنی شکنجہ ابھی تک دہشت گرد کی گردن میں تھا...... اس وقت پھیکی چاندنی والے سنسان جنگل کی رات کی فضا میں ایک پرندے کی مدھم سی آواز بلند ہو کر غائب ہو گئی...... یہ اس کے پارٹی کمانڈر شیر خان کا سگنل تھا کہ دیر کیوں کر رہے ہو...... فوراً ٹارگٹ کے عقبی سپاٹ پر پہنچو...... تیسرے کمانڈو نے اپنا بازو مردہ دہشت گرد کی گردن سے نکالا...... سٹین گن اٹھائی اور جھک جھک کر تیزی سے دوڑتا ہوا درختوں کی ایک خاص سمت کو غائب ہو گیا۔

اس دوران شیر خان اور پارٹی کے باقی کمانڈو دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے والے مکان کی عقبی دیوار سے پچاس فٹ کے فاصلے پر ایک گنجان درخت کے نیچے پہنچ

چکے تھے...... یہ کمانڈو پارٹی اپنے کمانڈر شیر خان کے پیچھے ٹارگٹ کی طرف بڑھی...... وہ ایک قوس بنا کر ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہے تھے...... چاند مغربی اُفق پر تھوڑا اوپر تک آنے کے بعد غروب ہونا شروع ہو گیا تھا...... وہ درختوں کے پیچھے ہو گیا تھا اور اس کی پھیکی چاندنی اور زیادہ دھندلی ہو گئی تھی...... ساتوں کمانڈو اس جگہ پر آ گئے جہاں درختوں کی آخری قطار تھی...... اس کے آگے تھوڑی سی کھلی جگہ تھی جہاں وہ کوارٹر نما شکستہ سا مکان تھا جس کے اندر ان کی اطلاع کے مطابق بھارتی دہشت گرد چھپے ہوئے تھے...... جیسے ہی کمانڈر شیر خان آخری درخت کے قریب پہنچا کوارٹر نما مکان کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا اور ایک دہشت گرد باہر نکلا۔

شیر خان نے رک کر ہاتھ کا اشارہ کیا...... باقی کمانڈو بھی وہیں رک گئے...... باہر نکلنے والا دہشت گرد جیسے ہی تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر آیا، اندر سے روشنی نظر آنے لگی...... یہ بجلی کی نہیں بلکہ لالٹین کی روشنی لگتی تھی...... دہشت گرد کے ہاتھ میں گلاس تھا...... اس نے دروازہ بند کر دیا اور سامنے والے درختوں کی طرف منہ کر کے منہ سے سیٹی کی آواز نکالی...... جب سیٹی کی آواز پر کوئی نہ آیا تو اس نے آہستہ سے آواز دی۔

"گنگا رام! چائے لے جاؤ اوئے"۔

وہ اپنے اس دہشت گرد ساتھی کو آواز دے رہا تھا جسے ہمارا ایک کمانڈو موت کی نیند سلا چکا تھا...... جب گنگا رام نے بھی کوئی جواب نہ دیا تو مکان سے باہر نکلنے والے دہشت گرد نے ذرا بلند آواز سے دوسرے دہشت گرد کو آواز دی۔

"اوئے رگھو ناتھ! بشمبر داس! اوئے سو مر گئے ہو؟"۔

اس پر بھی جب گنگا رام...... رگھو ناتھ اور بشمبر داس نے کوئی جواب نہ دیا تو اسے کچھ شک سا پڑ گیا...... اس نے فوراً چائے کا گلاس ایک طرف پھینک کر سٹین گن سنبھالی اور پوزیشن بنا کر درختوں کی طرف بڑھا...... اس دہشت گرد سے پہلے نمٹنا ضروری

ہو گیا تھا...... شیر خان نے اپنے ایک کمانڈو ساتھی کو اشارہ کیا...... کمانڈو نے اپنی جیکٹ کی سامنے والی جیب سے سائی لینسر چڑھی ہوئی پستول نکالی اور اندھیرے میں سٹین گن پکڑے درختوں کی طرف جاتے دہشت گرد کے موونگ یعنی حرکت کرتے ٹارگٹ کو نشانے میں لے کر فائر کر دیا۔

پستول پر چڑھے ہوئے سائی لینسر کی وجہ سے فائر کا دھماکہ نہ ہوا...... موونگ ٹارگٹ گر پڑا...... یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کمانڈو شیر خان موونگ یعنی حرکت کرتے ٹارگٹ پر فائر کرے اور گولی ٹارگٹ پر نہ لگے...... جیسے ہی دہشت گرد زمین پر گرا...... کمانڈر شیر خان نے خفیہ ٹھکانے پر اٹیک کا اشارہ کیا اور سب سے پہلے خود دوڑتا ہوا مکان کے دروازے کے پاس آیا...... اس نے زور سے لات مار کر دروازہ چوپٹ کھول دیا...... اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اندر گھس کر اندھادھند سٹین گن کے برسٹ فائر کرنے شروع کر دیئے...... باقی کے کمانڈو بھی کمرے میں گھس چکے تھے اور جلتی ہوئی لالٹین کی روشنی میں زمین پر بچھی ہوئی دری پر بیٹھے دہشت گردوں پر سٹین گنوں کی بوچھاڑیں فائر کر رہے تھے...... صرف چھ سات سیکنڈ کے اندر اندر بھارتی دہشت گردوں کی خون میں نہائی ہوئی لاشیں ایک دوسرے کے اوپر پڑی سسک اور تڑپ رہی تھیں...... تین کمانڈو دوڑ کر دروازے کے باہر گئے اور پوزیشنیں سنبھال لیں کہ فائرنگ کی آواز پر ان کے ساتھی کسی طرف سے نکل کر نہ آ جائیں۔

شیر خان نے جھک کر دیکھا...... دری پر ایک رجسٹر کے سائز کا مومی کاغذ پڑا ہوا تھا...... اس پر نیلی اور سرخ لکیروں اور دائروں میں نقشہ بنا ہوا تھا...... ظاہر ہے یہ ان جگہوں کا نقشہ تھا جہاں ان دہشت گردوں نے بموں کے دھماکے کرنے تھے اور دوسری تخریبی کارروائیاں کرنی تھیں...... شیر خان نے وہ نقشہ تہہ کر کے کمانڈو دلدار خان کو دیا اور کہا۔

"یہ نقشہ تم کمانڈنگ افسر صاحب کو پیش کرو گے"۔

اس کمرے یا کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی...... چارپائی اٹھا کر پرے پھینک دی گئی...... اس کے نیچے بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود کا ذخیرہ اور سات کلاشن کوفیں اور ان کے میگزین پڑے تھے...... کمانڈو شیر خان نے دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دی۔

"میاں خان...... دلدار احمد...... باہر پڑی ہوئی لاشوں کو گھسیٹ کر اندر لے آؤ...... جلدی"۔

یہ ان دہشت گردوں کی لاشیں تھیں جنہیں اپنے کمانڈوز نے ایکشن شروع ہونے سے پہلے ہلاک کیا تھا...... شیر خان نے اپنے نائب کمانڈو گل خان سے کہا۔

"لاشوں کو چیک کرو...... اگر کوئی ابھی زندہ ہے تو اس کے سر میں شوٹ کرو"۔

کمانڈو میاں خان اور کمانڈو دلدار احمد درختوں کے نیچے الگ الگ پڑی ہوئی دہشت گردوں کی لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے کوٹھڑی کے اندر لے آئے...... گل خان نے کوٹھڑی کے اندر والی دہشت گردوں کی لاشوں کو چیک کرنے کے بعد شیر خان کو رپورٹ کی۔

"سر! دشمن کا کوئی آدمی زندہ نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے...... کوٹھڑی کو بند کر کے اپنا تالا لگاؤ لالٹین کو بجھا دو"۔

لالٹین اسی وقت بجھا دی گئی...... کمانڈو پارٹی کوٹھڑی سے باہر آ گئی...... کمانڈو گل خان نے کوٹھڑی کو تالا لگا دیا...... شیر خان نے کمانڈو دلدار خان سے کہا۔

"دلدار خان! تم دن نکلنے سے پہلے پہلے ٹرک لے کر آؤ گے اور اسلحہ اور لاشیں اس میں ڈال کر ٹرک کو اچھی طرح سے ڈھک کر ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرو گے"۔

"ٹھیک ہے سر!" دلدار خان نے کہا۔

کمانڈو شیر خان نے سٹین گن والا ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔

"ہمارا مشن اللہ کے فضل سے مکمل ہو گیا ہے...... واپس ہیڈ کوارٹر کی طرف

چلو"۔

شیر خان کی کمانڈ میں یہ کمانڈو پارٹی پچھلی رات کی تاریکی میں ترکئی ڈومیلی کے جنگل سے نکل کر ایک قصبے میں پہنچی جہاں ایک چاروں طرف سے بند غیر فوجی ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ڈرائیور ان کا انتظار کر رہا تھا...... کمانڈو پارٹی وہاں پہنچتے ہی ٹرک میں سوار ہوئی اور ٹرک رات کے اندھیرے میں ایک طرف روانہ ہو گیا...... ہم یہ نہیں بتائیں گے کہ وہ کون سا قصبہ تھا اور ٹرک کس شہر کی طرف روانہ ہوا، کیونکہ مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم ان جگہوں کو صیغہ راز میں رکھیں۔

دن کافی نکل چکا تھا جب کمانڈو شیر خان اپنے نائب گل خان کے ساتھ ایک پرانی عمارت کے سادہ سے کمرے میں پہنچا جہاں ان کا کمانڈنگ آفیسر ان کا انتظار کر رہا تھا...... ہم اس کمانڈنگ آفیسر کا نام بھی نہیں لکھیں گے...... آپ انہیں سی او کہہ سکتے ہیں...... جیسے ہی کمانڈو شیر خان اپنے نائب کمانڈو گل خان کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا اور انہوں نے السلام و علیکم کہا...... سی او نے اپنے سامنے میز پر پڑے ہوئے مومی کاغذ پر بنے ہوئے نقشے پر سے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا اور اٹھ کر ان سے باری باری ہاتھ ملایا اور کہا۔

"مبارک ہو مجاہدو! تمہارا مشن کامیاب رہا...... بیٹھو"۔

شیر خان اور گل خان کرسیوں پر بیٹھ گئے، سی او نے نقشے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"اس نقشے سے ہمیں ان جگہوں کا علم ہو گیا ہے جنہیں دہشت گرد اپنا نشانہ بنانے والے تھے...... ہم نے وہاں سکیورٹی کا پورا بندوبست کر لیا ہے...... جو اسلحہ ہمیں ہائیڈ آؤٹ سے ملا ہے وہ اسرائیل کی آرڈیننس فیکٹری کا بنا ہوا ہے...... یہ اسلحہ اسرائیلی حکومت نے بھارت کو سپلائی کیا ہے...... باقی باتیں کل ہوں گی...... ابھی تم لوگ جا کر آرام کرو"۔

کمانڈو شیر خان اور کمانڈو گل خان السلام و علیکم کہہ کر سی او کے کمرے سے باہر

نکل آئے...... وہاں سے وہ واپس اپنے اپنے کوارٹر میں آ گئے...... کھانا کھانے کے بعد وہ سو گئے اور شام کو بیدار ہوئے...... رات کے کھانے کے بعد کمانڈو گل خان جو شیر خان کا نائب تھا شیر خان کے کوارٹر والے کمرے میں آ گیا...... اس نے دیکھا کہ کمرے کی بتی جل رہی تھی اور کمانڈو شیر خان چارپائی پر نیم دراز دیوار سے ٹیک لگائے ایک البم دیکھ رہا تھا...... شیر خان البم میں لگی ہوئی ایک فوٹو دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ اس نے گل خان کی طرف کوئی توجہ نہ دی...... گل خان شیر خان کا نائب بھی تھا اور اس کا دوست بھی تھا...... وہ خاموشی سے چارپائی کے ساتھ لگی ہوئی چھوٹی میز کے پاس آرام کرسی پر بیٹھ گیا...... کچھ دیر کے بعد شیر خان نے نگاہیں اٹھا کر گل خان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم نے مجھ سے کئی بار سوال کیا تھا کہ میں جو ملک کی ایک مشہور فرم میں اتنے اچھے عہدے پر ملازم تھا اور ایک ماہ بعد میری ترقی بھی ہونے والی تھی، ایک دم سب کچھ چھوڑ کر ملک میں جرائم اور دہشت گردی کے خلاف جہاد کرنے والی تنظیم کے کمانڈو ٹریننگ سینٹر میں کیوں آ گیا...... میں نے تمہیں کبھی اس سوال کا جواب نہیں دیا تھا...... آج میرا جی چاہتا ہے کہ تمہیں بتادوں کہ یہ انقلاب میرے اندر کیسے آیا اور میں نے اتنی اچھی ملازمت چھوڑ کر اس کمانڈو تنظیم میں شرکت کیوں کی"۔

شیر خان نے البم میں سے ایک فوٹو نکال کر گل خان کو دکھائی...... اس فوٹو میں ایک خوش شکل خاتون ڈھائی تین سال کے لڑکے کو اپنے ساتھ لگائے مسکرا رہی تھی...... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ میری بیوی عارفہ اور میرے اکلوتے بیٹے عامر کی فوٹو ہے...... میری شادی کو ساڑھے تین سال ہوئے تھے...... ہم دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے...... اللہ نے ہمیں عامر کی شکل میں ایک پیارا سا لڑکا عطا کیا تو ہماری محبت کے رشتے اور گہرے ہو گئے...... مجھے یاد ہے جب کبھی مجھے ملازمت کے سلسلے میں کسی دوسرے شہر جانا پڑتا تھا تو میری بیوی عارفہ خط میں لکھتی تھی...... شیری! تم گھر میں

نہیں ہوتے تو گھر کی ایک ایک چیز مجھے تمہاری یاد دلاتی ہے...... عامر بار بار مجھ سے پوچھتا ہے...... ڈیڈی کہاں ہیں ماما...... ڈیڈی کو بلاؤ میں ڈیڈی کے پاس جاؤں گا...... وہ تمہیں بہت یاد کرتا ہے...... میں اسے اِدھر اُدھر کی باتوں سے بہلانے کی کوشش کرتی رہتی ہوں...... وہ دن کب آئے گا جب تم گھر میں داخل ہو گے اور میں تمہارا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھوں گی اور تم عامر کو گود میں اٹھا کر پیار کرو گے"۔

کمانڈو شیر خان نے گہرا سانس لیا اور خاموش ہو گیا...... گل خان اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا شیر خان کا فیملی فوٹو دیکھ رہا تھا...... شیر خان کہنے لگا۔

"اس روز ہمارے بیٹے عامر کی سالگرہ تھی...... کمرہ مہمانوں سے بھرا ہوا تھا...... رنگ برنگ جھنڈیاں اور غبارے لگے تھے...... میرے بیٹے عامر نے بڑے خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے تھے...... اسے ڈھیر سارے تحفے ملے تھے...... عامر کو کھلونا مشین گن بڑی پسند تھی...... میں نے اسے کھلونا مشین گن کا ہی تحفہ دیا تھا...... وہ اپنی دادی کی گود میں بیٹھا مسکرا رہا تھا...... سارا گھر روشنیوں میں جگ مگ کر رہا تھا...... عارفہ نے بھی خوبصورت کپڑے پہن رکھے تھے وہ مہمان عورتوں سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھی...... میز پر کیک پڑا تھا جس پر ننھی ننھی موم بتیاں روشن تھیں...... پھر عارفہ نے بیٹے عامر کو گودی میں اٹھایا اور کیک کے پاس لے جا کر کہا...... عامر بیٹا! پھونک مار کر موم بتیاں بجھاؤ...... عامر نے آہستہ سے پھونک ماری...... صرف ایک موم بتی بجھی...... باقی کی موم بتیاں عارفہ نے بجھا دیں...... سب نے تالیاں بجا کر سالگرہ کی مبارک باد دی۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... مہمانوں میں کیک کاٹ کر تقسیم کیا گیا...... چائے آ گئی...... ننھا عامر دادی کی گودی میں بیٹھا کھلونا مشین گن کا ٹریگر بار بار دبانے لگا...... مشین گن کی نالی میں سے تڑ تڑ کی آواز کے ساتھ شرارے سے نکلتے جنہیں دیکھ کر عامر بہت خوش ہوتا...... سالگرہ کی تقریب رات گئے تک جاری رہی...... پھر ایک ایک

کر کے سارے مہمان سالگرہ کی مبارکیں دیتے رخصت ہو گئے...... میں، میری والدہ اور عارفہ بیٹے عامر کو لے کر اپنے بیڈ روم میں آ گئے...... بیٹا عامر بار بار کھولنا مشین گن کو چلا رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا...... پھر اچانک کھولنا مشین گن بند ہو گئی...... بیٹا عامر رونے لگا...... ڈیڈی! یہ خراب ہے...... ڈیڈی! یہ خراب ہے" عارفہ نے کہا...... لاؤ مجھے دکھاؤ...... اس نے بھی چلانے کی کوشش کی مگر کھلونا مشین گن نہ چلی...... پھر میں نے اسے چیک کیا...... معلوم ہوا کہ اس کے سیل پرانے تھے جواب کام نہیں کر رہے...... میں نے کہا...... میں ابھی مارکیٹ میں جا کر نئے سیل خرید کر لاتا ہوں...... اس وقت باہر آسمان پر بادل چھا رہے تھے اور ہلکی ہلکی بجلی بھی چمکنے لگی تھی جس کی چمک بیڈ روم کی کھڑکی میں سے نظر آ جاتی تھی...... والدہ اور عارفہ نے مجھے روکا کہ اتنی رات ہو گئی ہے...... بارش بھی آنے والی ہے...... میں نہ جاؤں...... صبح سیل آ جائیں گے، لیکن مجھے اپنے بیٹے کی خوشی منظور تھی جو کھلونا مشین گن کے نہ چلنے سے اداس ہو گیا تھا...... میں اس کی سالگرہ کے دن اسے اداس نہیں دیکھ سکتا تھا...... میں نے عارفہ سے کہا...... چوک والا سٹور کھلا ہو گا...... میں ابھی سیل لے کر آ جاؤں گا اور میں سب کے منع کرنے کے باوجود مکان سے باہر نکل آیا...... باہر بجلی کسی وقت ضرور چمک رہی تھی مگر بارش نہیں ہو رہی تھی...... مجھے کیا معلوم تھا کہ اس رات مجھ پر کتنی بڑی قیامت گزرنے والی ہے"۔

اس کے بعد المناک داستان ہم آپ کو سناتے ہیں...... شیر خان اپنے مکان سے نکل کر تیز تیز قدموں سے مارکیٹ کی طرف چل پڑا...... رات کے گیارہ بجے کا وقت ہو گا...... بجلی چمک رہی تھی...... بادلوں کی ہلکی ہلکی گرج بھی سنائی دینے لگی تھی...... شہر کی سڑک سنسان پڑی تھی...... دور کچھ فاصلے پر مارکیٹ کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں...... شیر خان اسی مارکیٹ کی طرف جا رہا تھا...... عین اس وقت شیر خان کے مکان کی کھڑکی کے پاس چار بھارتی دہشت گرد نمودار ہوئے...... انہوں نے سیاہ

چادروں میں اپنے منہ سر چھپا رکھے تھے...... ان کے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں تھیں...... بجلی چمک چمک کر ان کے خوفناک چہروں کو دکھا رہی تھی، مگر وہاں رات کے سناٹے میں انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا...... ایک دہشت گرد کھڑکی کے شیشے کے قریب منہ لے جا کر اندر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے...... کھڑکی کے اندر کی جانب پردہ لٹک رہا تھا، لیکن درمیان میں تھوڑی سی جگہ خالی ہے جہاں سے اندر کا منظر دکھائی دے رہا ہے...... کمرہ خالی ہے...... اس وقت بیڈ روم میں شیر خان کی والدہ صوفے پر بیٹھی تحفے میں ملے ہوئے ڈبوں کو کھول کر دیکھ رہی ہے...... شیر خان کی بیوی عارفہ پلنگ پر بیٹے عامر کے پاس بیٹھی اس کی طرف دیکھ رہی ہے...... عامر کھلونا مشین گن کو چلانے کی بار بار ناکام کوشش کر رہا ہے...... عارفہ کچھ کچھ پریشان ہے...... باہر بادلوں کی ہلکی گرج سنائی دیتی ہے...... شیر خان کی والدہ پریشان ہو کر کہتی ہے۔

"خدا خیر کرے...... شیر بیٹے کو اس وقت باہر نہیں جانا چاہئے تھا"۔

عارفہ پریشان سی ہو کر کہتی ہے۔

"میں نے تو انہیں منع بھی کیا تھا، مگر عامر ضد کرنے لگا"۔

اس وقت چاروں دہشت گرد ایک ایک کر کے کھڑکی میں سے کود کر بیڈ روم کے ساتھ والے کمرے میں آ چکے تھے...... دوسرے کمرے سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آتی ہے...... شیر خان کی والدہ نے گھبرا کر کہا۔

"یا اللہ! یہ کیسی آواز تھی؟"۔

ابھی یہ جملہ اس بوڑھی خاتون کی زبان پر ہی تھا کہ بیڈ روم کا بند دروازہ دھڑاک سے کھلا اور چاروں دہشت گرد اندھا دھند کلاشن کوفوں کے برسٹ فائر کرتے بیڈ روم میں داخل ہو گئے...... ایک لائن میں کھڑے ہو کر انہوں نے شیر خان کی بوڑھی والدہ، اس کی بیوی عارفہ اور بیٹے عامر پر گولیاں برسانی شروع کر دیں...... چند سیکنڈ کے اندر اندر بیڈ روم میں خون میں نہائی ہوئی تین لاشیں پڑی تھیں...... اس کے فوراً بعد

چاروں دہشت گرد جس طرف سے آئے تھے اسی طرف فرار ہو جاتے ہیں...... بیڈ روم میں موت کا سناٹا طاری ہو جاتا ہے...... شیر خان کی والدہ کی لاش صوفے پر پڑی ہے...... عارفہ کی خون میں لت پت لاش پلنگ پر اپنے بیٹے عامر کو سینے سے لگائے بے حس و حرکت پڑی ہے...... جیسے ہی دہشت گردوں نے فائرنگ شروع کی تھی عارفہ نے چیخ مار کر عامر کو اپنے سینے سے لگالیا تھا...... عامر کا جسم اپنی ماں کے جسم کے ساتھ ہی گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا۔

صرف بجلی چمک رہی ہے...... بادل گرج رہے ہیں۔

اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی...... مکان کے صدر دروازے پر شیر خان نمودار ہوتا ہے...... اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا لفافہ ہے جس میں کھلونا مشین گن کے نئے سیل پڑے ہوئے ہیں...... اسے کوئی خبر نہیں کہ اس کے خاندان پر کیا قیامت گزر گئی ہے...... وہ دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتا ہے اور وہیں سے پکار کر کہتا ہے۔

"بیٹا عامر! میں تمہارے سیل لے آیا ہوں"۔

وہ بیڈ روم کی طرف بڑھا...... اس کو عجیب قسم کی خاموشی کا احساس ہوا...... اس نے بیڈ روم کا دروازہ کھول دیا...... اندر اسے جو خونیں منظر نظر آیا اس نے شیر خان پر سکتہ طاری کر دیا...... دو سیکنڈ کے لئے وہ جیسے بالکل پتھر ہو گیا...... پھر پلاسٹک کا لفافہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ چیخ مار کر والدہ کی لاش کی طرف بڑھا...... پھر پاگلوں کی طرح پلنگ پر عارفہ اور اپنے بیٹے کی خون میں نہائی ہوئی لاشوں کے پاس آکر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا...... اس کی بیوی عارفہ مر چکی تھی...... اس کی والدہ مر چکی تھی...... اس نے بیٹے کی لاش کو اپنے سینے سے لگالیا اور پاگلوں کی طرح رونے اور بیٹے کو آوازیں دینے لگا...... اچانک اس کے بیٹے کے حلق سے ہچکی کی سی آواز نکلی...... شیر خان کو کوئی ہوش نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور جہاں ہے وہاں کیا ہو چکا ہے...... کیا ہو رہا ہے...... اس کا دماغ بند ہو گیا تھا...... اس کے کانوں میں آندھیاں چل رہی تھیں...... بیٹے کی ہچکی کی

آواز پر اس نے چیخ کر کہا۔

بیٹے عامر...... بیٹے عامر۔

اور اسے سینے سے لگا کر دیوانہ وار بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا...... وہاں سے بچے کی نیم جاں لاش کو سینے سے چمٹائے دوڑتا ہوا مکان کے دروازے سے باہر نکل کر سڑک پر آگیا...... اس نے سڑک پر ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا...... بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی...... بادل گرج رہے تھے...... پیچھے سے کسی گاڑی کی روشنی اس پر پڑی، وہ سڑک کے درمیان کھڑا ہو گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

"میرے بیٹے کو بچالو...... میرے بیٹے کو بچالو...... مجھے ہسپتال پہنچادو"۔

لیکن گاڑی اس کے پہلو سے ہو کر آگے نکل گئی...... شیر خان بچے کی لاش کو اٹھائے دوڑنے لگا...... پیچھے سے ایک اور گاڑی آرہی تھی...... شیر خان وہیں رک گیا، اس نے ہاتھ دے کر چیخ چیخ کر کہا۔

میرے بیٹے کو ہسپتال پہنچادو...... میرا بیٹا ابھی زندہ ہے...... خدا کے لئے ہمیں ہسپتال پہنچادو۔

گاڑی اس کے قریب آکر رک گئی...... ایک بزرگ خود گاڑی چلا رہے تھے...... انہوں نے دروازہ کھول کر کہا۔

"جلدی سے اندر آجاؤ"۔

شیر خان خون میں ڈوبی ہوئی اپنے بچے کی نیم جاں لاش کو لے کر گاڑی میں داخل ہو گیا...... گاڑی تیزی سے ایک ہسپتال کی طرف دوڑنے لگی...... دو تین سنسان سڑکوں پر سے گزرنے کے بعد گاڑی ایک ہسپتال کے پورچ میں آکر رک جاتی ہے...... شیر خان بچے کو سینے سے لگائے تیزی سے گاڑی میں سے نکلتا ہے اور ہسپتال کے کاریڈور میں دوڑتے ہوئے چیخ چیخ کر پکارنے لگا۔

"ڈاکٹر! ڈاکٹر! میرے بچے کو بچالو"۔

ایک کمرے میں سے ایک ڈاکٹر اور ایک نرس باہر نکل آئے...... شیر خان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر! میرے بچے کو گولیاں لگی ہیں...... یہ ابھی زندہ ہے اسے بچالو"۔

دیوار کے ساتھ ایک سٹریچر لگا ہوا تھا...... نرس جلدی سے سٹریچر کو کھینچ کر لے آئی...... ڈاکٹر نے شیر خان سے نیم مردہ عامر کو لے کر سٹریچر پر ڈالا اور نرس سے کہا۔

"نرس آپریشن تھیٹر"۔

ڈاکٹر اور نرس سٹریچر کو دیکھتے ہوئے کچھ فاصلے پر ایک کمرے میں داخل ہو گئے جس کے باہر آپریشن تھیٹر لکھا ہوا تھا...... شیر خان کے اپنے بدن سے جیسے جان نکل گئی تھی...... وہ بے جان سا ہو کر آپریشن تھیٹر کے باہر خالی بنچ پر بیٹھ گیا...... پھر جلدی سے اٹھ کر پاگلوں کی طرح اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا...... اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے...... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہر آنے جانے والے کو دیکھ رہا تھا...... بار بار اس کی نگاہیں آپریشن تھیٹر کے دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں...... اتنے میں دروازہ کھلا...... ڈاکٹر باہر نکلا...... شیر خان دوڑ کر اس کے پاس گیا...... اس نے بے تابی سے پوچھا۔

ڈاکٹر صاحب میرا بچہ زندہ ہے نا؟"۔

ڈاکٹر نے شیر خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر افسردگی سے کہا۔

"حوصلہ کرو...... خدا کو یہی منظور تھا"۔

شیر خان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا...... پھر اسے محسوس ہوا کہ وہ اندھیرے کی تاریک لہروں کے بگولوں میں پھنس گیا ہے...... وہ دیوانہ وار آپریشن تھیٹر میں گھس گیا...... سٹریچر پر اس کے اکلوتے بیٹے عامر کی لاش پڑی تھی...... نرسیں اور دوسرے ڈاکٹر اس کی طرف لپکے...... مگر شیر خان کو کسی کی کچھ خبر نہیں تھی...... اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ساری دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے اور اس کے سامنے اس کے بیٹے کی لاش ہے...... اس نے بیٹے کی لاش اٹھائی اور اسے سینے سے لگائے...... سر

جھکائے آپریشن تھیٹر سے باہر آ گیا...... نہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، نہ اس کے حلق سے کوئی آواز نکل رہی تھی...... چہرہ زرد پتھر کی طرح ساکت تھا...... وہ یوں چل رہا تھا جیسے کوئی اسے دھکیل رہا ہے...... یہ غم کی انتہائی شکل تھی...... وہ ہسپتال سے باہر آیا تو بارش ہو رہی تھی...... جیسے آسمان اس کے غم پر آنسو بہا رہا تھا۔

دوسرے روز شیر خان کی والدہ...... اس کی پیاری بیوی اور پیارے بیٹے کو اس کی آنکھوں کے سامنے قبرستان میں دفنا دیا گیا...... جب وہ اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے ساتھ اپنے پیاروں اور اپنے جگر کے ٹکڑے کی قبر پر پھول چڑھانے لگا تو اس کی چیخ نکل گئی اور وہ وہیں بیٹے کی قبر سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا...... اس کے عزیزوں اور دوستوں نے اسے سنبھالا اور حوصلہ دینے لگے...... اس سے اگلے روز شیر خان کے گھر میں سب عزیز و اقارب اور اس کے دوست جمع تھے...... سب سوگوار تھے...... کبھی کبھی کوئی اٹھ کر شیر خان کے پاس آ کر اسے حوصلہ دیتا...... شیر بھائی! حوصلہ کرو...... اللہ کو یہی منظور تھا...... خدا کی امانتیں تھیں، اس نے واپس لے لیں...... شیر خان چپ تھا...... اس کے ہونٹوں پر مہر سکوت ثبت تھی...... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہر ایک کو تک رہا تھا۔

لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے...... شیر خان کا ایک رشتے دار دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

"یہ سب دشمن کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کا کام ہے"۔

شیر خان کو اسی روز معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے بیوی بچوں کو بھارت کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں نے قتل کیا ہے...... اس لئے کہ شیر خان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی...... اس سے پہلے بھی ملک میں ایک جگہ ایسی المناک واردات ہوئی تھی جس میں بھارت کے دہشت گردوں نے پورے کے پورے خاندان کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا...... آہستہ آہستہ سب رشتے دار دوست عزیز و اقارب شیر خان کو حوصلے اور

صبر کی تلقین کرتے ہوئے چل دیئے...... شیر خان گھر میں اکیلا رہ گیا...... کچھ دیر تک وہ صوفے پر بیٹھا خالی کمرے کے درودیوار کو تکتا رہا...... پھر اسے ایسے لگا جیسے ساتھ والے بیڈ روم سے اس کے بیٹے عامر نے اسے آواز دے کر بلایا ہو...... "ڈیڈی! ڈیڈی"...... شیر خان کے منہ سے بے اختیار نکل گیا...... "عامر بیٹے! میں آرہا ہوں"۔ وہ دوڑ کر بیڈ روم میں گیا...... بیڈ روم خالی پڑا تھا...... پلنگ کے پاس میز پر اس کی بیوی عارفہ اور بیٹے عامر کی فریم کی ہوئی تصویر رکھی ہوئی تھی...... وہ اکھڑے اکھڑے قدموں سے تصویر کی طرف بڑھا...... پلنگ کے پاس جاکر اس کے پاؤں کسی چیز سے ٹکرائے...... اس نے جھک کر دیکھا...... دری پر کھلونا مشین گن پڑی تھی جو شیر خان نے اپنے بیٹے کو سالگرہ کے تحفے کے طور پر دی تھی...... شیر خان نے کھلونا مشین گن اٹھالی...... کھلونا مشین گن ہاتھ میں لے کر وہ اسے دیکھتا رہا...... اس کے دل و دماغ میں جیسے آندھیاں چلنے لگیں...... کانوں میں بادلوں کے دھماکے گونجنے لگے...... آنکھوں میں بجلیاں سی چمکنے لگیں۔

شیر خان کھلونا مشین گن لئے بیڈ روم سے باہر نکل گیا۔

یہاں سے ہم آپ کو مجاہدوں اور کمانڈوز کی الجہاد تنظیم کے اس چھوٹے سے کوارٹر میں لئے چلتے ہیں جہاں کمانڈو شیر خان اپنے نائب کمانڈو گل خان کو اپنی زندگی کی داستان غم سنا رہا تھا...... اس نے کہا۔

"مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا گیا...... میری شفیق ماں...... میری محبت کرنے والی بیوی...... میرا معصوم اکلوتا بیٹا عامر...... میرا ہنستا مسکراتا گھر دیکھتے دیکھتے برباد کردیا گیا، جس گھر میں ایک لمحہ پہلے سالگرہ کی خوشیاں منائی جارہی تھیں...... ہر طرف قہقہے گونج رہے تھے وہاں دوسرے لمحے میرے پیاروں کی خون آلود لاشیں پڑی تھیں اور جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ دشمن ملک کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کی لائی ہوئی بربادی تھی، جن کا مقصد ریلوے سٹیشنوں...... شاپنگ سنٹروں...... بسوں کے

اڈوں...... سینما گھروں...... چلتی لاریوں میں بموں کے دھماکے کرنا اور گھروں میں عبادت گاہوں میں گھس کر اندھا دھند فائرنگ کر کے بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے تاکہ ملک انتشار کا شکار ہو جائے...... ملک میں خوف و ہراس پھیل جائے اور ملک ترقی نہ کرسکے تو میری آنکھوں کے سامنے سے جیسے ایک پردہ ہٹ گیا...... میں نے اپنے اصلی دشمن کو پہچان لیا...... پھر مجھے پاکستان کی ہر ماں اپنی ماں...... ہر بہن اپنی بہن اور ہر بچہ اپنا بچہ لگنے لگا...... میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا کہ جب تک زندہ ہوں جرائم...... دہشت گردی اور دشمن کے بھیجے ہوئے دہشت گردوں کے خلاف جنگ کرتا رہوں گا اور جب تک ملک سے دہشت گردی اور جرائم کا خاتمہ نہیں کرلوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا...... اور پھر میں ایک روز اس تنظیم کے کمانڈو ٹریننگ سنٹر پہنچ گیا جس کا نعرہ ہے...... ملک سے جرائم اور دہشت گردی کا خاتمہ اور اس کے خلاف مسلسل جہاد...... یہ ہے میری داستانِ حیات اور یہ وہ وجہ ہے کہ میں نے ایک اعلیٰ ملازمت چھوڑ کر اس تنظیم میں شرکت کرلی اور قلم چھوڑ کر سٹین گن کیوں اُٹھالی"۔

شیر خان خاموش ہوگیا...... نائب گل خان پر شیر خان کی زندگی کے دردناک حادثے نے گہرا اثر کیا تھا...... چھوٹے سے کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی...... اس خاموشی میں گزرے ہوئے واقعات و حادثات کی اداسی بھی تھی اور آنے والے سنہری مستقبل کا پیغام مسرت بھی تھا...... شیر خان نے گل خان سے اپنی فیملی گروپ والی فوٹو لے کر البم میں لگائی اور البم کو بند کر کے ایک طرف رکھ دیا اور جوش لہجے میں بولا۔

"میں نے غم کی داستان کا یہ باب بند کردیا ہے...... اب میرے سامنے ایک نیا دروازہ کھل چکا ہے جس کے آسمان پر میں اپنے وطن کے سنہری مستقبل کے سورج کو طلوع ہوتے دیکھ رہا ہوں...... ہم نے اپنے اصلی دشمن کو پہچان لیا ہے...... ہمارا اصلی

دشمن بھارت ہے جس نے آج تک پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور جو پہلے دن سے پاکستان کو ختم کرنے کی سازشوں میں مصروف عمل ہے، لیکن وہ اسے نہیں معلوم کہ پاکستان اللہ اور اس کے دین اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے اور اس کے لئے ہمارے آباؤاجداد نے اپنے اور اپنے بچوں کے خون کے نذرانے پیش کئے ہیں اور وہ قربانیاں دی ہیں کہ جس کی مثال تاریخ میں بھی نہیں ملتی...... دشمن چاہے جتنے ہتھکنڈے استعمال کرلے...... جس قدر چاہے تخریبی کارروائیاں اور سازشیں کرلے، پاکستان کا بچہ بچہ ان کے خلاف جنگ کرے گا اور انہیں ناکام بنادے گا...... پاکستان کی تاریخ گواہ ہے...... دشمن نے جب بھی وطن عزیز پر حملہ کیا اسے ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا...... ہم اپنے وطن پاک کے سپاہی ہیں...... غازی ہیں...... ہم میدان جہاد میں ہیں اور جب تک زندہ ہیں دشمن کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے اور اس کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتے رہیں گے"۔

شیر خان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی...... اس نے اپنے نائب گل خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اب تم بھی جاکر آرام کرو...... صبح ہمیں اپنی تنظیم کے کمانڈنگ افسر سے ملنا ہے...... میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں کسی اہم مشن پر بھیجنے والے ہیں"۔

نائب گل خان نے بڑی گرم جوشی سے شیر خان سے ہاتھ ملایا اور خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

کمانڈو شیر خان کا اندازہ صحیح تھا...... اگلے روز تنظیم کے کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان اور گل خان کو اپنے آفس میں بلایا...... دونوں مجاہد کمانڈو سی او کے آفس میں آگئے...... اس وقت کمانڈنگ آفیسر میز پر اپنے سامنے شہر کا نقشہ پھیلائے اسے غور سے دیکھ رہے تھے...... کمانڈو شیر خان اور گل خان نے السلام و علیکم کہہ کر سلیوٹ کیا اور کھڑے رہے...... کمانڈنگ آفیسر نے ہاتھ کے اشارے سے سلیوٹ کا جواب دے

کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ شیر خان اور گل خان"۔

دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بھارت نے ہمارے ملک میں تخریبی کارروائیوں کی خاطر دہشت گردوں کی ایک پارٹی سمگل کی ہے جو ہماری رپورٹ کے مطابق اس وقت شہر کے اس علاقے میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے...... یہ دیکھو"۔

کمانڈنگ آفیسر نے شہر کا نقشہ شیر خان اور گل خان کے سامنے رکھ دیا...... دونوں نقشے پر اس گول سرخ نشان کو دیکھنے لگے جو سی او نے لگایا تھا...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"یہ دہشت گرد ہندو ہیں، مگر انہوں نے اپنا حلیہ مسلمانوں کا بنایا ہوا ہے...... تمہیں سب سے پہلے اس علاقے میں جاکر یہ سراغ لگانے کی کوشش کرنی ہے کہ اس علاقے کے کسی مکان میں کوئی نئے کرائے دار آئے ہیں یا نہیں...... اگر آئے ہیں تو کس مکان میں رہتے ہیں...... اس تصدیق کے بعد تمہیں کمانڈو پارٹی لے جاکر انہیں قابو کرنا ہوگا...... اگر وہ تم پر فائر کھول دیتے ہیں تو تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"سر! ان دہشت گردوں کی نفری کتنی ہے؟"۔

کمانڈنگ آفیسر نے جواب دیا۔

"یہ بھی تمہیں معلوم کرنا ہوگا...... ہمیں صرف یہ رپورٹ ملی ہے کہ بھارت کی یہ دہشت گرد پارٹی اس علاقے میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے...... کوئی اور سوال؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"کوئی سوال نہیں سر!"۔

کمانڈنگ آفیسر نے پوچھا۔

"کوئی اعتراض؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"کوئی اعتراض نہیں سر!"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"او کے...... جاؤ...... خدا حافظ!"۔

دونوں کمانڈو سلیوٹ کرنے کے بعد کمانڈنگ آفیسر کے دفتر سے باہر نکل آئے...... شیر خان نے گل خان سے کہا۔

"میرے کوارٹر میں آجاؤ...... ہمیں بہت سی باتوں پر غور کرنا ہے"۔

دونوں کوارٹر کے کمرے میں جاکر بیٹھ گئے...... شیر خان کہنے لگا۔

"سی او صاحب نے رپورٹ کے مطابق شہر کے جس علاقے کی نشان دہی کی ہے وہ شہر کی چار دیواری کے باہر ایک پرانی بستی ہے...... اس بستی کے گلی کوچوں سے ہم دونوں واقف ہیں"۔

نائب گل خان نے کہا۔

"لیکن ہمیں سراغ رسانی کے لئے کوئی بھیس بدل کر وہاں جانا چاہئے، لیکن بھیس ایسا ہونا چاہئے کہ کسی کو ہم پر شک نہ پڑے"۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں" شیر خان نے کہا...... "تمہارے خیال میں تمہیں کس بھیس میں وہاں جانا چاہئے۔

گل خان سوچنے لگا...... شیر خان بھی سوچنے لگا...... گل خان نے کہا۔

"بھیس ایسا ہونا چاہئے کہ جس سے ہمیں لوگوں کی ہمدردیاں بھی حاصل ہوں اور وہ کچھ بتاتے ہوئے کترانے کی کوشش نہ کریں"۔

شیر خان نے کہا۔

"تو پھر اس کے لئے سب سے اچھا بھیس ملنگوں کا ہی ہو سکتا ہے...... ملنگوں کو

ویسے بھی لوگ بے ضرر سمجھتے ہیں"۔

"یہ ٹھیک رہے گا" گل خان بولا۔

شیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں آج دوپہر کے بعد اس مہم پر نکل جانا چاہئے"۔

"او کے" گل خان نے جواب دیا۔

دوپہر کے بعد کمانڈو شیر خان اور نائب کمانڈو گل خان نے وہیں تنظیم کے ایک خاص کمرے میں جاکر ملنگوں والا حلیہ بنایا اور کمانڈنگ آفیسر کو رپورٹ کرنے کے بعد ایک خفیہ دروازے سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑے...... دونوں نے لمبے لمبے بالوں کی وگیں لگا رکھی تھیں...... لمبے چولے پہنے ہوئے تھے...... گلے میں رنگ برنگے منکوں کی مالائیں تھیں...... ہاتھوں میں چمٹے پکڑے ہوئے تھے اور سڑک کے کنارے کنارے بڑی مسکین صورتیں بنائے اس بستی کی طرف جارہے تھے جہاں رپورٹ کے مطابق بھارت کی دہشت گرد پارٹی نے کسی مکان میں اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا...... دونوں نے کندھوں کے ساتھ پرانے تھیلے لٹکائے ہوئے تھے جن میں پہلے ہی سے تھوڑا تھوڑا آٹا ڈال دیا گیا تھا...... نشان زدہ بستی مشرق کی جانب تھی اور وہاں قریب سے ریل گاڑیاں بھی گزرتی تھیں اور ایک پھاٹک بھی تھا...... چلتے چلتے دونوں کمانڈو ریلوے لائن پر آگئے اور اپنا رخ نشان زدہ بستی کے ریلوے پھاٹک کی طرف کر لیا...... موسم خوشگوار تھا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... دونوں کو ریلوے لائن پر چمٹے بجا کر گانے کی ضرورت نہیں تھی...... یہ کام انہوں نے بستی میں جاکر شروع کرنا تھا۔

ریلوے پھاٹک پر پہنچنے کے بعد دونوں کمانڈو اس کچی سڑک پر ہو گئے جو شارٹ کٹ تھی اور مطلوبہ بستی میں جاتی تھی...... یہ پرانی بستی تھی...... پرانے مکان اور حویلیاں بھی تھیں اور نئے مکان بھی بنے ہوئے تھے...... بازار میں دکانیں کھلی تھیں...... دونوں کمانڈو بستی کے ایک سرے سے اس میں داخل ہوئے...... شیر خان

نے گل خان کو بتادیا تھا کہ ہم ملنگوں کی طرح نہ تو دھمال ڈالیں گے اور نہ گانا وغیرہ گائیں گے اور نہ چمٹا بجائیں گے...... اس طرح خواہ مخواہ ہمارے اِرد گرد لوگ جمع ہو جائیں گے اور بچے ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگیں گے اور ہمیں کھوج لگانے میں دشواری ہوگی...... بہتر ہوگا کہ ہم خاموشی سے دکانداروں کی بجائے مکانوں کے آگے جاکر تھوڑا چمٹا بجاکر خیرات کے لئے آواز لگائیں گے اور دیکھیں گے کہ کس گھر میں کون رہتا ہے۔

چنانچہ وہ بستی کے بازار میں سے خاموشی سے گزر گئے...... باہر کی طرف کچھ نئے اور پرانے مکان الگ الگ کھڑے تھے...... شیر خان نے کہا۔

''پہلے ان مکانوں کا مشاہدہ کرتے ہیں''۔

چنانچہ وہ ملنگوں کے بھیس میں ہی ایک مکان کے دروازے پر آکر رک گئے...... گل خان نے تھوڑا سا چمٹا بجانے کے بعد آواز بلند کی۔

''سبز پیر کے ملنگوں کو اللہ کے نام پر کچھ خیرات مل جائے، اللہ بھلا کرے گا''۔

دوسری آواز پر ایک عورت نے دروازہ کھول کر گل خان کو ایک روپیہ دے کر کہا۔

''بابا جی! اس وقت یہی قبول کرو''۔

''اللہ بھلا کرے گا بی بی''۔

گل خان نے روپیہ لے کر دعا دی اور وہ آگے چل پڑے...... دوسرے مکان پر بھی اس نے آواز لگائی...... وہاں بھی ایک بوڑھی عورت نے انہیں خیرات میں دو روپے دیئے اور وہ اگلے مکان کی طرف چل پڑے...... شیر خان نے کہا۔

''دہشت گرد ضرور کسی ایسی جگہ اور ایسے مکان میں ہوں گے جو باہر سے پرانا لگتا ہو اور جسے دیکھ کر یہی خیال آئے کہ یہ پرانا مکان ہے اس میں جدی پشتی لوگ رہتے ہوں گے''۔

اسی دوران ان کی نگاہ کچھ فاصلے پر ایک پرانے مکان کی طرف گئی جو ایک چھوٹے

سے جوہڑ کے کنارے پر تنہا کھڑا تھا...... شیر خان نے کہا۔

''گل! مجھے یہ مکان مشکوک لگتا ہے''۔

گل خان نے کہا۔

''چلو اس مکان پر جاکر آواز لگاتے ہیں...... اندر سے کوئی نہ کوئی تو نکلے گا''۔

شیر خان نے کہا۔

''نہیں...... ہمیں یہ غلطی نہیں کرنی ہوگی...... ذرا ٹھہرو...... وہ سامنے ایک ریڑھی والا کھڑا ہے...... اس سے بات کرتے ہیں''۔

دونوں ریڑھی والے کے پاس چلے آئے...... یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جو سبزی بیچ رہا تھا...... شیر خان نے ریڑھی والے کے پاس جاکر چمٹا بجاکر خیرات مانگی...... بوڑھے نے انہیں ایک روپیہ دیا...... شیر خان نے اسے دعا دی اور پوچھا۔

''بابا جی! ہمارے پیرو مرشد اس بستی میں آئے ہیں...... کسی نے کہا ہے کہ وہ یہیں کسی مکان میں رہ رہے ہیں''۔

ریڑھی والا بولا۔

''بابا ہمیں کیا پتہ تمہارے پیرو مرشد یہاں کہاں ٹھہرے ہیں...... کسی دکاندار سے جاکر معلوم کرو''۔

شیر خان نے مشکوک مکان کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

''اس سامنے والے مکان میں کون رہتا ہے؟''۔

کہیں ہمارے پیرو مرشد اسی مکان میں ہی نہ اترے ہوں''۔

ریڑھی والے نے کہا۔

''ایک ہفتہ ہوا یہاں ایک نئے کرائے دار آئے ہیں...... آدمی ہیں...... دن کو تالا لگا کر چلے جاتے ہیں...... شام کو آتے ہیں...... جاکر معلوم کرلو شاید تمہارے پیرومرشد ہوں''۔

"یہ لوگ محلے میں کسی سے ملتے جلتے نہیں؟" گل خان نے پوچھا۔

ریڑھی والا بولا۔

"کہا نا کہ دن کے وقت تالا لگا کر چلے جاتے ہیں...... اندھیرا ہونے کے بعد آتے ہیں...... کبھی کسی سے نہیں ملتے...... تم خود جا کر معلوم کر لو"۔

"اچھا بابا! ہم خود ہی پتہ کر لیتے ہیں"۔

یہ کہہ کر شیر خان چمٹا بجاتا آگے بڑھا...... گل خان اس کے ساتھ ساتھ تھا...... گل خان نے پوچھا۔

"کیا خیال ہے؟ ابھی دن ہے...... ان لوگوں کا انتظار کر لیں...... وہ شام کو آتے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"ان کا ہر حالت میں انتظار کرنا پڑے گا...... اس طرف آجاؤ"۔

وہ پرانے جوہڑ والے اس مشکوک مکان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے دیکھا کہ مکان پر تالا پڑا ہوا تھا...... شیر خان نے کہا۔

"ریلوے لائن کے پار ایک تکیہ ہے...... وہاں چل کر بیٹھ جاتے ہیں...... سورج غروب ہونے کے فوراً بعد یہاں آکر کسی جگہ چھپ جائیں گے"۔

وہ وہیں سے ریلوے لائن کی طرف ہو گئے...... ریلوے لائن کی دوسری طرف بوہڑ کے درختوں کے سائے میں ایک پرانا تکیہ تھا جہاں پہلے ہی سے کچھ فقیر لوگ بیٹھے حقہ وغیرہ پی رہے تھے...... شیر خان اور گل خان بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور جس قسم کی باتیں ملنگ لوگ کیا کرتے ہیں ان سے اسی قسم کی باتیں کرنے لگے...... سورج غروب ہونے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا...... دونوں کمانڈو ملنگوں کے بھیس میں تکیے میں ہی بیٹھے رہے...... جب سورج مغرب کی طرف مکانوں کے پیچھے ڈوب گیا اور شام کے ہلکے ہلکے سائے اترنے لگے تو دونوں چمٹا بجاتے اٹھے اور بستی کی طرف

چل پڑے...... پرانے جوہڑ والے مشکوک مکان کے قریب آکر وہ درخت کے نیچے بیٹھ گئے...... انہوں نے ادھر ادھر سے سوکھے پتے اور جھاڑیاں اکٹھی کر کے وہاں دھونی لگالی...... چمٹے زمین میں گاڑ دیئے اور ملنگوں کی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے...... وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ ان کا رخ مشکوک مکان کی طرف تھا۔

مکان کا دروازہ اس درخت سے جس کے نیچے شیر خان اور گل خاں بیٹھے تھے...... پچاس فٹ کے فاصلے پر ہو گا...... ابھی دن کی دھندلی دھندلی روشنی باقی تھی کہ انہیں ریلوے پھاٹک کی طرف سے پانچ چھ آدمی آتے نظر آئے...... ان کا رُخ مشکوک مکان کی طرف تھا...... گل خان نے شیر خان کی توجہ اس طرف دلائی اور کہا۔

"شیر خان! اس طرف دیکھو"۔

شیر خان نے بھی دیکھا کہ کچھ آدمی مکان کی طرف چلے آرہے ہیں...... ان میں سے کچھ آدمیوں نے ٹخنوں سے اوپر تک کی شلواریں اور لمبے کرتے پہنے ہوئے تھے...... دو آدمیوں نے سفید دھوتیاں باندھ رکھی تھیں...... کچھ کی شرعی داڑھیاں بھی تھیں...... ایک آدمی کے ہاتھ میں تسبیح تھی...... شکل صورت سے وہ کسی مسجد کے امام لگتے تھے...... یہ کل پانچ آدمی تھے...... وہ لوگ شیر خان اور گل خان کے قریب سے گزر گئے...... ایک نے آگے بڑھ کر مکان کا تالا کھولا اور پھر باری باری پانچوں آدمی مکان میں داخل ہو گئے...... ان کے ساتھ ہی مکان کا دروازہ بند ہو گیا۔

گل خان نے شیر خان سے کہا۔

"کیا خیال ہے شیر خان؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے لوگ مشکوک لگتے ہیں...... عین ممکن ہے یہی بھارتی دہشت گرد ہوں...... ہمیں سی او صاحب کو رپورٹ کرنی چاہئے"۔

اسی وقت دونوں وہاں سے اٹھے اور اپنی تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کی طرف چل

پڑے...... کمانڈنگ آفیسر کو معلوم تھا کہ دونوں کمانڈو سراغ رسانی پر نکل چکے ہیں......
وہ ان کا انتظار کر رہے تھے...... کمانڈو شیر خان اور نائب گل خان نے جاتے ہی انہیں
پوری رپورٹ دے دی...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"تم لوگوں نے جس مکان کی نشان دہی کی ہے مجھے دو گھنٹے پہلے اطلاع مل چکی ہے
کہ بھارتی دہشت گرد اسی مکان میں رہتے ہیں...... اس سے پہلے کہ وہ کوئی تخریبی
کارروائی کریں...... ہمیں انہیں فوراً گرفتار کر لینا چاہئے"۔ تم آج رات پچھلے پہر اپنی
پارٹی لے کر چھاپہ مارو گے اور دشمن کے ان دہشت گردوں کا خاتمہ کرو گے...... کوئی
چانس لینے یا انتظار کرنے کا وقت نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے سر!" شیر خان نے کہا۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"مشن ہر حالت میں کامیاب ہونا چاہئے"۔

"انشاءاللہ سر!" شیر خان نے کہا۔

شیر خان نے اسی وقت اپنے اور گل خان سمیت چھ مجاہدوں کی کمانڈو پارٹی ترتیب
دی اور بتا دیا کہ سب کو رات کے پچھلے پہر اذان کے وقت کس مقام پر جمع ہونا ہوگا......
شیر خان نے کہا۔

"ہمارے پاس فل میگزین ہونا چاہئے...... وہ لوگ یونہی مکان میں نہیں رہ
رہے...... ان کے پاس بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود ہوگا...... ہو سکتا ہے دستی بم
بھی ہوں، لیکن ہم انہیں دستی بم پھینکنے کا موقع نہیں دیں گے...... اب تم لوگ جا کر
آرام کرو...... صبح اذان کے ساتھ ہی اس جگہ پہنچ جانا جہاں تمہیں کہا گیا ہے"۔

سب کمانڈو گل خان اور شیر خان سمیت اپنے اپنے کوارٹروں میں چلے گئے......
شیر خان نے رات کے چار بجے کا الارم لگایا اور سو گیا...... رات کے پچھلے پہر ٹھیک چار
بجے کلاک کے الارم نے اسے جگا دیا...... اس نے فوراً منہ ہاتھ دھویا...... کمانڈو کی سیاہ

یونیفارم پہنی...... اسلحہ نکال کر میگزین وغیرہ چیک کیا اور صبح کی اذان کا انتظار کرنے لگا،
جس وقت مسجد سے فجر کی اذان کی آواز بلند ہوئی تو شیر خان فوراً کوارٹر سے نکل کر
پچھلے پہر کے اندھیرے میں ایک طرف کو تیز تیز چلنے لگا...... یہ ایک خاص جگہ تھی
جہاں علاقہ ویران تھا...... گل خان اور ان کی پارٹی کے دوسرے کمانڈو وہاں پہلے سے
پہنچ چکے تھے...... انہوں نے مل کر فجر کی نماز پڑھی اور اپنے مشن کی کامیابی کے لئے
خدا کے حضور دعا مانگی اور اس درخت کی طرف چلے جہاں چاروں طرف سے بند جیپ
ان کا انتظار کر رہی تھی...... وہ فوراً جیپ میں سوار ہوئے اور جیپ شہر سے باہر ریلوے
لائن والی بستی کی طرف روانہ ہو گئی...... شیر خان خود جیپ چلا رہا تھا...... اس کے ساتھ
گل خان بیٹھا تھا...... سٹین گنیں انہوں نے نیچے رکھی ہوئی تھیں...... پارٹی کے باقی
چاروں کمانڈو بند جیپ کے اندر بیٹھے تھے...... رات کے پچھلے پہر شہر کے بازار خالی
پڑے تھے...... ان کی جیپ تیزی سے فاصلہ طے کرتی ہوئی ریلوے لائن کے پھاٹک پر
آ گئی...... یہاں سے وہ جیپ کو لے کر بستی کے مشکوک مکان کی طرف جانے والی کچی
سڑک پر آ گئے...... شیر خان نے جیپ کی بتیاں گل کر دی تھیں...... جیپ کی رفتار بھی
کم کر دی تھی...... جیپ آہستہ آہستہ چلتی مشکوک مکان کے عقب میں درختوں کی
ایک جانب آ کر رک گئی...... فوراً ساری کمانڈو پارٹی جیپ میں سے نکلی اور شیر خان کی
کمانڈ میں اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھی۔

ان سب کو معلوم تھا کہ انہیں کیا کیا کرنا ہے۔

چاروں طرف اندھیرا تھا...... کچھ فاصلے پر بستی کے مکانوں میں کہیں کہ
روشنی ہو رہی تھی...... خاموشی چھائی ہوئی تھی...... وہ چھ چھ فٹ کا فاصلہ ڈال کر مکا
کی عقبی دیوار کی طرف بڑھ رہے تھے...... شیر خان اور گل خان آگے آگے تھے......
خاموشی اور رازداری کے ساتھ مکان کی عقبی دیوار کے پاس آکر بیٹھ گئے...... دی
کے ساتھ ایک پائپ چھت سے نیچے تک آرہا تھا...... اس کی نشان دہی کر دی
تھی...... تین کمانڈو سب سے پہلے آہستہ آہستہ چلتے پائپ کے پاس آئے اور پائپ
ذریعے دیوار پر چڑھنے لگے...... شیر خان آگے تھا...... گل خان اس کے پیچھے تھا......
چھت پر پہنچتے ہی بیٹھ گئے...... اتنے میں باقی کے تینوں کمانڈو بھی پائپ کے ذریعے چ
کر چھت پر آگئے...... وہ بھی وہیں بیٹھ گئے...... شیر خان نے ایک خاص اشارہ کیا
پہلے خود اٹھ کر دبے پاؤں چھت کی دوسری منڈیر کی طرف چلنے لگا...... گل خان ا
کے پیچھے آرہا تھا...... وہ اس طرح پاؤں چھت پر رکھ رہے تھے کہ ذرا سی آہٹ
نہیں ہوتی تھی...... ان کے پیچھے چاروں کمانڈو بھی دبے پاؤں چلے آرہے تھے
منڈیر کے پاس آکر شیر خان نے نیچے صحن میں نگاہ ڈالی...... پچھلے پہر کے چھٹتے ہو
اندھیرے میں اس نے دیکھا کہ صحن خالی پڑا ہے...... کونے میں ایک زینہ چھت
نیچے صحن کو جاتا تھا...... شیر خان نے اس جانب اشارہ کیا اور شیر خان کے پیچھے پ

سارے کمانڈو نیچے صحن میں آگئے...... وہ صحن میں آتے ہی زینے کی دیوار کے ساتھ
لگ کر کھڑے ہوگئے...... وہاں اندھیرا تھا...... سامنے ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ بند تھا
مگر اس کی درزوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آرہی تھی...... شیر خان نے اپنے
آدمیوں کو انگلی کے اشارے سے وہ روشنی دکھائی...... سب نے اپنی اپنی سٹین گنوں کا
رخ دروازے کی طرف کرلیا اور سٹین گنوں کے بٹ اپنے کولہوں کے ساتھ
لگالئے...... وہ ایکشن سے پہلے کے جوش کو بڑی مشکل سے قابو میں کئے ہوئے تھے......
ہر ایک کمانڈو کی انگلی سٹین گن کے ٹریگر کے اوپر تھی...... شیر خان اور گل خان بھی
اندھیرے میں زینے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے...... آسمان پر صبح کی
کافوری روشنی ہونے لگی تھی...... کمرے کے اندر سے دو آدمیوں کے بولنے کی دھیمی
دھیمی آواز آنے لگی...... شیر خان نے جیب سے کانچ کی ایک گولی نکال کر صحن کے
فرش پر پھینک دی...... اس سے آواز پیدا ہوئی...... کمرے سے آدمیوں کے بولنے کی
آواز ایک دم رُک گئی...... کمانڈو پارٹی چارج کرنے کے لئے تیار ہوگئی...... ان کی
انگلیوں نے سٹین گنوں کے ٹریگر کا پہلا دباؤ لے لیا تھا۔

ان سب کو معلوم تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے...... اتنے میں کمرے کے دروازے کی
اندر والی کنڈی کھلنے کی آواز آئی...... اس کے بعد دروازے کا ایک پٹ ذرا سا کھلا اور اندر
سے ایک آدمی نے جھانک کر صحن میں نظر ڈالی...... کاؤنٹ ڈاؤن ختم ہو چکی تھی......
شیر خان کو اسی لمحے کا انتظار تھا...... جیسے ہی وہ آدمی صحن میں جھانکنے کے بعد سر اندر
کر کے دروازہ بند کرنے لگا شیر خان نے گرج کر کہا۔

"ہالٹ!"۔

"اس آدمی نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگانے کی کوشش کی مگر اسی دوران
کمانڈو پارٹی اس کے سر پر پہنچ چکی تھی...... شیر خان اور گل خان نے پاؤں کی ٹھوکر سے
دروازہ چوپٹ کھول دیا اور چلا کر کہا۔

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے"۔

گل خان اور دوسرے کمانڈو دروازے کی آڑ میں ہو کر شیر خان کو حفاظتی کور دے رہے تھے...... جیسے ہی شیر خان نے ہالٹ کیا اندر سے فائرنگ شروع ہو گئی...... شیر خان چھلانگ لگا کر ایک طرف ہو گیا...... کمرے میں اس وقت چار دہشت گرد ایک چھوٹی میز کے گرد بیٹھے ایک انتہائی طاقتور بم کو پلاسٹک کے تھیلے میں ڈال رہے تھے...... تین آدمی کمرے میں ایک طرف بنے ہوئے لکڑی کے کاؤنٹر کے پیچھے موجود تھے...... خدا جانے وہ کیا کر رہے تھے...... انہوں نے شیر خان کی آواز سنتے ہی اپنی سٹین گنوں سے دروازے کی طرف فائرنگ شروع کر دی تھی...... یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ یہ دہشت گرد ہی ہیں...... شیر خان نے اپنی پارٹی کو بلند آواز میں کہا۔

"کوئی بچ کر نہ نکلنے پائے"۔

وہاں اندھا دھند گولیاں برسنے لگیں...... جو چار دہشت گرد میز کے گرد بیٹھے تھے...... وہ سب سے پہلے شیر خان اور اس کی کمانڈو پارٹی کی فائرنگ کی زد میں آئے...... وہ اٹھ کر اپنے اپنے پستول نکالنے لگے تھے کہ مجاہدوں نے ان کے جسم گولیوں سے چھلنی کر دیئے اور وہ چاروں گر پڑے...... کاؤنٹر کے پیچھے چھپے ہوئے دو دہشت گرد ابھی تک فائرنگ کر رہے تھے...... شیر خان نے اونچی آواز میں کہا۔

"اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو...... تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو"۔

لیکن دونوں دہشت گرد برابر فائرنگ کرتے رہے...... شیر خان گل خان اور دوسرے کمانڈو مجاہد دروازے کی آڑ لے کر ان پر فائر کر رہے تھے...... شیر خان کو یقین تھا کہ جب دونوں دہشت گردوں کا میگزین ختم ہو جائے گا تو وہ انہیں زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے گا...... ان میں سے کسی ایک کا زندہ گرفتار ہونا ضروری تھا...... پوچھ گچھ کے بعد ان سے بھارت کے تخریبی عزائم کے بارے میں مفید معلومات حاصل ہو سکتی تھیں، لیکن خدا جانے ان دونوں بھارتی دہشت گردوں کو کیا

سوجھی کہ وہ فائرنگ کرتے کاؤنٹر سے باہر نکل آئے اور فائرنگ کرتے ہوئے شیر خان اور گل خان کی طرف بڑھے...... عین اس وقت پیچھے سے کمانڈو پارٹی کے مجاہدوں نے انہیں اپنی فائرنگ کی زد میں لے کر وہیں ڈھیر کر دیا...... شیر خان نے غصے میں کہا۔

"تم کو ان پر فائرنگ کا کس نے آرڈر دیا تھا؟"۔

مگر جو ہونا تھا ہو چکا تھا...... دونوں دہشت گرد مر چکے تھے...... ایک کی کھوپڑی اڑ گئی تھی...... دوسرے کی گردن میں سے نہ جانے کتنی گولیاں نکل گئی تھیں اور وہ بھی خون میں لت پت فرش پر پڑا تھا...... شیر خان نے کہا۔

"دوسری لاشوں کو دیکھو...... کوئی زندہ تو نہیں ہے؟"۔

جب فرش پر پڑی تین لاشوں کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ دو دہشت گرد تو مر چکے تھے مگر ایک دہشت گرد ابھی زندہ تھا...... سٹین گن کا برسٹ اس کے کندھے اور بازو میں سے گزر گیا تھا...... وہ شدید زخمی تھا مگر ابھی تک سانس لے رہا تھا...... شیر خان نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے فوراً جیپ میں ڈال کر تنظیم کے ہسپتال میں لے چلو...... دو کمانڈو مجاہدوں نے اسی وقت زخمی اور نیم بے ہوش بھارتی دہشت گرد کو اٹھایا اور اٹھا کر باہر لے جا کر جیپ میں ڈال دیا...... شیر خان اور گل خان کمرے سے نکلنے لگے تو انہیں کاؤنٹر کے پیچھے آہٹ سی سنائی دی...... وہ وہیں رک گئے...... شیر خان نے گل خان کو اشارہ کیا کہ وہ آگے بڑھ کر کاؤنٹر کے پیچھے دیکھے...... شیر خان نے سٹین گن کا رخ کاؤنٹر کی طرف کر دیا...... گل خان سٹین گن آگے کئے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھا...... جیسے ہی اس نے سٹین گن کاؤنٹر کی دوسری جانب نیچے کی کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک نوجوان عورت نے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے روتے ہوئے کہا۔

"خدا کے لئے مجھے نہ مارنا...... میں مسلمان ہوں...... یہ کافر مجھے اغوا کر کے لائے تھے"۔

شیر خان نے عورت سے پوچھا۔

"کیانام ہے تمہارا؟"۔

عورت نے روتے ہوئے کہا۔

"میرانام حشمت بی بی ہے"۔

"انہوں نے تمہیں کہاں سے اغوا کیا تھا؟" گل خان نے پوچھا۔

عورت نے کہا۔

"ساتھ والے گاؤں سے...... میں سکول میں استانی ہوں...... سکول جارہی
کہ انہوں نے مجھے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور یہاں لے آئے...... خدا کے لئے مجھے جا
دو...... میرے ماں باپ غم سے مر جائیں گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"فکر نہ کرو...... ہم تمہیں تمہارے گاؤں پہنچادیں گے...... آؤ ہمارے ساتھ"

شیر خان اور گل خان نوجوان عورت کو ساتھ لئے مکان سے باہر آگئے اور م
کی عقبی دیوار والے راستے سے تیز تیز چلتے ان درختوں کے پاس آئے جہاں ان کی
جیپ کھڑی تھی اور ایک مجاہد ان کا انتظار کر رہا تھا...... اس وقت صبح کی روشنی چار
طرف پھیل چکی تھی اور لوگوں کا ایک ہجوم مکان سے کچھ فاصلے پر کھڑا مکان کی طر
دیکھ رہا تھا...... یہ لوگ فائرنگ کی آواز پر وہاں جمع ہو گئے تھے...... شیر خان نے عور
کو اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھایا...... گل خان سے کہا کہ وہ پیچھے جا کر بیٹھ جائے اور
جیپ سٹارٹ کی اور جیپ کو پوری رفتار پر چلاتے ہوئے اس علاقے سے نکل آیا......
جیپ شہر کے باہر والی سڑک پر تیز رفتاری سے جارہی تھی...... شیر خان کو احساس
کہ ایک دہشت گرد زخمی حالت میں گاڑی میں بے ہوش پڑا ہے...... اسے جتنی جلد
ہو سکے تنظیم کے ہسپتال میں ابتدائی طبی امداد مہیا کرنی ہے تاکہ وہ زندہ بچ جائے ا
س سے پوچھ گچھ کی جاسکے...... سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھی...... وہ گاڑی کو تیز
ہا تھا...... نوجوان عورت جسے بقول اس کے بھارتی دہشت گرد اغوا کر کے لے آ

تھے...... شیر خان کی ساتھ والی سیٹ پر خاموش بیٹھی ہاتھ جوڑ کر خدا سے دعائیں مانگ
رہی تھی...... شیر خان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں...... ہم پہلے تمہیں تمہارے گاؤں پہنچائیں گے"۔

عورت شیر خان کو دعائیں دینے لگی۔

"اللہ تمہارا بھلا کرے...... تم نے مجھے کافروں سے بچالیا...... اللہ تمہارا بھلا
کرے"۔

جیپ ایک گاؤں کے قریب سے گزری تو عورت نے کہا۔

"بس بھائی جان مجھے یہیں اتار دیں...... وہ سامنے میرا گاؤں ہے"۔

شیر خان نے بریک لگادی اور کہا۔

"ہم تمہیں تمہارے گاؤں چھوڑ آتے ہیں"۔

عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"نہیں نہیں بھائی جان...... میں خود ہی چلی جاؤں گی آپ میرے ساتھ گئے تو
پولیس کو دیکھ کر لوگ باتیں بنائیں گے...... میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی...... اللہ تمہارا
دونوں جہان میں بھلا کرے"۔

اور عورت جلدی سے دروازہ کھول کر جیپ سے اتر گئی اور کھیتوں کے درمیان
پگ ڈنڈی پر تیز تیز چلنے لگی...... شیر خان کو خود بھی جلدی تھی، جیپ میں بھارتی
دہشت گرد زخمی حالت میں پڑا تھا...... اس نے عورت کو جانے دیا اور جیپ تیزی سے
آگے بڑھادی...... وہ عورت جس نے اپنا نام حشمت بی بی بتایا تھا کھیتوں میں کچھ دور
تک چلتی رہی...... پھر ایک جگہ رک کر اس نے پیچھے دیکھا...... سڑک پر سے کمانڈوز کی
جیپ اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی...... اس عورت نے راستہ بدل لیا اور بائیں
جانب والے کھیت کے ساتھ ساتھ چلتی اس گاؤں سے آگے نکل گئی جس کے متعلق
اس نے شیر خان کو بتایا تھا کہ وہ اس گاؤں میں رہتی ہے...... گاؤں کو پیچھے چھوڑ کر وہ

ایک سڑک پر آ گئی...... سڑک کے پار شہر کی ایک مشہور کالونی کی کوٹھیاں اور مکان دور
تک پھیلے ہوئے تھے...... عورت ایک بس سٹاپ پر آ کر بنچ پر بیٹھ گئی...... ایک خالی رکشا
قریب سے گزرا تو اس نے اسے ہاتھ دے کر روک لیا...... جلدی سے اس میں سوار
ہوئی اور رکشے والے کو ایک علاقے میں جانے کا کہا...... رکشا وہیں سے گھوم کر واپس
روانہ ہو گیا...... رکشا شہر کی کالونی کی سڑکوں پر سے گزرتا شہر کے شمالی علاقے میں آ گیا
جہاں دریا کا پل تھا...... دریا کا پل عبور کرنے کے بعد رکشا آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔
دونوں جانب کھیت شروع ہو گئے...... پھر ایک ویران میدان آ گیا...... یہاں سے
بھی رکشا آگے نکل گیا...... آگے شیشم کے درختوں کا ایک بڑا گنجان ذخیرہ شروع
ہو گیا...... عورت نے وہیں رکشا رکوا لیا...... رکشے والے کو پچاس روپے کا نوٹ دیا او
درختوں کے ذخیرے کی طرف چل پڑی...... اس علاقے میں آبادی نہ ہونے کے
برابر تھی...... عورت درختوں کے ذخیرے میں چلتی رہی...... ایک جگہ ذخیرہ خ
ہو گیا...... اب سامنے ایک ویران زمین تھی جہاں سوائے جھاڑیوں اور گھاس کے او
کچھ نہیں تھا...... عورت ان جھاڑیوں کے پاس آ کر ایک لمحے کے لئے رکی...... اس نے
گردن موڑ کر اپنے پیچھے ایک نگاہ ڈالی...... شاید وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کوئی اس کا
تعاقب تو نہیں کر رہا...... جب اسے تسلی ہو گئی کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو و
آگے کو چل پڑی...... ویران میدان میں مٹی کا ایک بہت بڑا ٹیلا تھا جس کو بھوری
جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا تھا...... اس کے عقب میں کسی پرانی عمارت کا کھنڈر تھا......
عورت اس کھنڈر کے پاس آ کر ایک پرانی اینٹوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئی...... جیسے
چلتے چلتے تھک گئی ہو اور ذرا آرام کرنے کے لئے رکی ہو، لیکن ایسی بات نہیں تھی...
وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کے پیچھے تو کوئی نہیں لگا ہوا۔

عورت چھ سات منٹ تک اسی جگہ بیٹھی رہی...... تھوڑے تھوڑے وقفے
بعد وہ پیچھے درختوں کے ذخیرے کی طرف دیکھ لیتی تھی...... وہاں دور دور تک ک

انسان نظر نہیں آ رہا تھا...... عورت اٹھ کر پرانی عمارت کے کھنڈر کی طرف چلی...... یہ
کسی قدیم تاریخی عمارت کا کھنڈر معلوم ہوتا تھا جو بہت شکستہ حالت میں تھا...... عورت
کھنڈر کے عقب میں آ گئی...... یہاں کھنڈر کی ایک دیوار میں شگاف پڑا ہوا تھا...... وہ اس
میں سے ہو کر کھنڈر میں داخل ہو گئی...... آگے کھنڈر کی عمارت کا ویران صحن تھا جہاں
اینٹ پتھر ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے...... سامنے والی شکستہ دیوار میں کھنڈر کے اندر
جانے کا تنگ سا راستہ بنا ہوا تھا...... عورت اس میں سے گزر کر کھنڈر کے اندر چلی
گئی...... جیسے ہی وہ اندر گئی دوسری جانب سے ایک آدمی اچانک نکل کر اس کے سامنے
آ گیا اور اس نے اسے وہیں دبوچ لیا...... عورت نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”بھیکو! بندے کو پہچان لیا کرو...... پیچھے ہٹو...... مکند لال اندر ہی ہے کہ کہیں گیا
ہوا ہے؟“۔

وہ آدمی جس کا نام بھیکو تھا اور جو بھارتی دہشت گردوں کے اس خفیہ ٹھکانے کا
محافظ تھا جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔

”اندر ہی ہے“۔

اس کوٹھڑی میں سے ایک زینہ نیچے تہہ خانے میں اترتا تھا...... یہ عورت اس
زینے سے اتر کر نیچے تہہ خانے میں آ گئی...... تہہ خانے میں فرش پر ایک طرف دو بڑی
موم بتیاں روشن تھیں...... دو آدمی دری کے فرش پر بیٹھے تھے...... ایک آدمی شاٹ
گن پکڑے زینے کے پاس ہی کھڑا تھا...... اس نے عورت کو زینہ اترتے دیکھ کر پہچان لیا
تھا اور پیچھے ہٹ گیا تھا، جو دو آدمی دری پر بیٹھے تھے ان میں سے ایک کلاشن کوف کو
صاف کر رہا تھا...... دوسرا سٹین گن میں میگزین ڈال رہا تھا...... اس آدمی کی چھوٹی
مسلمانوں ایسی داڑھی اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں...... اس کا نام مکند لال تھا اور یہ
پاکستان میں بھارتی تخریب کاروں کے نیٹ ورک کا سرغنہ تھا...... اس نے عورت کو
دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

"رام دُلاری تم کیسے آگئیں؟ باقی لوگ کہاں ہیں؟"۔

یہ عورت جس نے شیر خان اور گل خان کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا اور اپنا نام حشمت بی بی بتایا تھا ان بھارتی دہشت گردوں کی ساتھی تھی اور اس کا اصل نام رام دُلاری تھا...... رام دُلاری مکند لال کے پاس بیٹھ گئی، کہنے لگی۔

"پولیس کو ہمارے خفیہ ٹھکانے کا کھوج مل گیا تھا...... آج تڑ کے تڑ کے اچانک چھاپہ پڑ گیا...... باقی سارے مارے گئے ہیں...... جمنا داس بہت زخمی ہو گیا...... وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے ہیں"۔

دونوں بھارتی دہشت گرد پریشان ہو گئے...... مکند لال نے رام دُلاری سے کہا۔

"تم کیسے بچ گئی ہو؟"۔

اس عورت یعنی رام دُلاری نے کہا۔

"میں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے روتے ہوئے کہا کہ میرا نام حشمت بی بی ہے...... یہ لوگ مجھے اغوا کر کے یہاں لے آئے ہیں، اس طرح میری جان بچ گئی...... میں نے یونہی کہہ دیا کہ میرا گاؤں قریب ہی ہے...... میں وہاں سکول میں استانی ہوں...... انہوں نے مجھے جیپ میں بٹھایا اور میں ایک گاؤں کے قریب اُتر گئی اور یہاں پہنچ گئی ہوں"۔

ایک دہشت گرد نے پوچھا۔

"تمہارا پیچھا تو نہیں ہو رہا تھا؟"۔

"نہیں" رام دُلاری نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... میں نے تسلی کر لی تھی"۔

مکند لال سر ہلاتے ہوئے افسوس کے ساتھ بولا۔

"یہ بہت برا ہوا...... جمنا داس مورکھ ہے...... بے وقوف ہے...... ان لوگوں کی وجہ سے اب ہم بھی یہاں خطرے میں ہیں"۔

دوسرا بھارتی دہشت گرد جس کا نام راموتھا...... کہنے لگا۔

"مکندے! ہمیں فوراً کوئی دوسرا خفیہ ٹھکانہ تلاش کرنا ہو گا"۔

مکند لال بولا۔

"ایسا کرنا پڑے گا"۔

اس نے رام دُلاری سے پوچھا۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ وہ لوگ کون تھے...... پولیس تھی یا کمانڈو تھے؟"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ پولیس کی کمانڈو پارٹی تھی"۔

مکند لال نے دوسرا سوال کیا۔

"ان لوگوں کی باتوں سے کچھ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جمنا داس کو کہاں لے جا رہے ہیں؟"۔

رام دُلاری نے ایک سیکنڈ کے توقف کے بعد کہا۔

"وہ کسی ہسپتال کا ذکر کر رہے تھے کہ اس کافر کو جلدی ہسپتال لے چلو"۔

"ہسپتال کا نام نہیں لے رہے تھے؟" رامو نے پوچھا۔

رام دُلاری بولی۔

"نہیں...... وہ ہسپتال کا نام نہیں لے رہے تھے...... ہاں کسی تنظیم کا ذکر کر رہے تھے اور ان کے پارٹی لیڈر نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ اسے تنظیم کے ہسپتال لے جانا ہے"۔

مکند لال فوراً بولا۔

"اب میں سمجھ گیا ہو...... میں جانتا ہوں کہ یہ کون سی تنظیم ہے اور اس کا ہسپتال کس جگہ پر ہے"۔

یہاں ہم ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں...... آپ نے محسوس کیا ہو گا

کہ بھارت کے یہ ہندو دہشت گرد بڑی صحیح اُردو بول رہے ہیں...... ایسی اُردو جو پاکستان میں بولی جاتی ہے اور جس میں ہندی کے الفاظ بالکل نہیں ہوتے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت کی حکومت جن دہشت گردوں کو پاکستان میں سمگل کرتی ہے، انہیں پاکستانی مسلمانوں کے رَہن سہن کے طریقے بھی بتائے جاتے ہیں...... ان کا حلیہ بھی مسلمانوں والا بنایا جاتا ہے اور انہیں اسلام کے بارے میں ضروری معلومات بھی مہیا کی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ ایسی اُردو سکھائی جاتی ہے جس میں ہندی کے الفاظ نہیں ہوتے اور جو پاکستان میں بولی جاتی ہے...... انہیں سختی سے تاکید کی جاتی ہے کہ جب تک وہ پاکستان میں رہیں پاکستان میں بولی جانے والی اُردو پنجابی میں ہی ایک دوسرے سے بات کریں گے...... یہ سارے کے سارے بھارتی پنجاب کے رہنے والے ہندو تھے اور انہیں وہ پنجابی زبان اور لب و لہجے کی بھی ٹریننگ دی گئی تھی جو پنجابی پاکستان کے صوبہ پنجاب میں بولی جاتی ہے...... رام دُلاری بھی بھارتی پنجاب کی رہنے والی تھی...... اس نے امرتسر کے ایک کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا تھا اور دلی جا کر بھارت کی پاکستان دشمن آرگنائزیشن "را" میں شامل ہو گئی تھی...... وہ انگریزی کے علاوہ پاکستانی پنجابی اور پاکستانی اُردو میں بڑی مہارت سے بات چیت کر سکتی تھی...... جب رام دُلاری نے اپنے پارٹی لیڈر دہشت گرد مکند لال کو ساری کہانی سنا دی تو مکند لال نے رام دُلاری سے کہا۔

"میں تمہارے سپرد ایک کام کر رہا ہوں...... جسے اپنی جان پر کھیل کر تم نے کرنا ہے" اور اس کام کو کامیابی سے پورا کرنے کے واسطے جتنی آسانیاں اور سہولتیں تمہیں مل سکتی ہیں ہم میں سے کسی کو نہیں مل سکتیں"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"مکند لال جی آپ کام بتائیں"۔

مکند لال نے کہا۔

"یہ بات ہمیں بھی معلوم ہے اور تم بھی جانتی ہو کہ اس وقت ہماری پارٹی کا ایک اہم ترین آدمی پاکستانی کمانڈو پولیس کی قید میں ہے اور پولیس اس سے پوچھ گچھ ضرور کرے گی...... اگر اس کی زبان کھل گئی اور پولیس کے تشدد سے گھبرا کر اس نے ہمارے راز اُگل دیئے تو نہ صرف یہ کہ ہم میں سے کوئی زندہ بچے گا بلکہ ہمارا سارا مشن برباد ہو جائے گا اور ہمارے ملک بھارت کو زبردست دھچکا لگے گا...... اس لئے تمہیں ہر حالت میں پاکستان کی اس کمانڈو تنظیم کے ہسپتال میں جا کر اپنے آدمی جمنا داس کو قتل کرنا ہے تاکہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری اور سارا خطرہ ہمیشہ کے لئے ٹل جائے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"لیکن مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ یہ ہسپتال کہاں پر ہے"۔

"وہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں" مکند لال نے کہا...... "میں اس شہر کے بھی کونے کونے سے واقف ہوں اور میں نے یہ ہسپتال دیکھا ہوا ہے...... تم وہاں وہی مسلمان عورت حشمت بی بی بن کر جاؤ گی جس کو پولیس کمانڈوز نے بھارتی دہشت گردوں سے آزاد کرایا تھا...... وہ لوگ تمہاری شکل صورت سے واقف ہیں...... انہیں تم پر یقین ہے کہ تم ایک مسلمان عورت ہو اور دہشت گرد تمہیں اغوا کر کے لے گئے تھے...... وہ تم پر بھروسہ کریں گے...... تم ان کے اس بھروسے سے فائدہ اٹھا کر ہسپتال کے اس وارڈ یا اس کمرے تک پہنچو گی جہاں جمنا داس بستر پر زخمی حالت میں پڑا ہے"۔

رام دُلاری کہنے لگی۔

"مگر میں اسے کیسے قتل کروں گی؟"۔

مکند لال بولا۔

"اس کا طریقہ میں تمہیں بتاتا ہوں"۔

اس نے دہشت گرد راموسے کہا۔

"کونے والے بکس میں سے پلاسٹک : چھوٹا ڈبہ نکال کر میرے پاس لے آؤ"۔

دہشت گرد راموجو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اٹھ کر کونے میں گیا اور وہاں جو بکس رکھا ہوا تھا اس میں سے پلاسٹک کا نیلے رنگ کا ڈبہ نکال کر لے آیا...... دہشت گردوں کے لیڈر مکند لال نے ڈبے کو کھولا...... اس کے اندر سے ایک اور لمبی سی ڈبی نکالی...... اس ڈبی کو کھول کر اس میں سے زرد رنگ کے ٹشو پیپر میں لپٹا ہوا انگلی کے برابر سائز کا سرنج نکال کر رام دُلاری کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"تم دیکھ رہی ہو کہ اس میں پہلے ہی سے سفید رنگ کی ایک دوائی بھری ہوئی ہے...... یہ دوائی نہیں زہر ہے...... ایسا زہر جو انسان کے جسم میں داخل ہوتے ہی اس کے اعصابی نظام کو توڑ پھوڑ کر ایک سیکنڈ کے اندر اندر اسے موت کی نیند سلا دیتا ہے...... تمہیں یہ انجکشن اپنے پاس چھپا کر رکھنا ہوگا...... تم ہسپتال جا کر ان کمانڈوز کو اپنا آپ دکھاتے ہوئے ان کے سامنے سے اس طرح گزرو گی جیسے تم نے انہیں نہیں دیکھا...... اگر فرض کر لیا کہ ان میں سے جو کوئی بھی وہاں موجود ہوگا وہ تمہیں کسی وجہ سے نہیں دیکھ سکے گا تو تم خود اس کے پاس چلی جاؤ گی اور ان لوگوں کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرو گی کہ انہوں نے دہشت گردوں سے تمہاری جان بچائی...... تم ان پر اپنی باتوں سے یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرو گی کہ جیسے تمہیں بھارتی دہشت گردوں کے کئی ایک ٹھکانوں کا علم ہے جہاں وہ تمہیں اپنے ساتھ لے لے کر پھرتے رہے ہیں...... وہ لوگ ضرور تم سے یہ تمام معلومات حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہو جائیں گے اور ممکن ہے تمہیں اپنے ساتھ بھی چلنے کے لئے کہیں لیکن ان کے ساتھ جانے سے پہلے تمہیں یہ معلوم کر کے کہ جمناداس کس وارڈ میں ہے، وہاں جا کر اس کو یہ انجکشن لگا کر اس کا کام تمام کرنا ہوگا...... اگر فرض کر لیا کہ تمہیں اس وقت جمناداس کے قریب جانے اور اسے ہلاک کرنے کا موقع نہیں ملتا تو تم پولیس کمانڈو کے ساتھ جہاں وہ لے جائیں چلی جاؤ گی...... تم ایک تو ان کی دہشت گردوں یعنی ہمارے خلاف جو بھی سرگرمیاں اور سکیمیں ہیں وہ معلوم کر کے ہمیں ان سے آگاہ کرو گی اور دوسرے خود

ان کے کمانڈوز کے بارے میں معلومات حاصل کرو گی کہ وہ کہاں کہاں پر رہتے ہیں تاکہ ہم وہاں وہاں جا کر انہیں قتل کر دیں...... باقی تم تربیت یافتہ دہشت گرد عورت ہو...... تمہیں خود معلوم ہے کہ تمہیں اور کیا کیا کچھ کرنا ہوگا"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"اگر فرض کر لیا کہ ہسپتال میں مجھے ان لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں ملتا تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہوگا"۔

مکند لال نے زہریلے انجکشن کو ٹشو پیپر میں دوبارہ لپیٹتے ہوئے کہا۔

"اس صورت میں تم یہاں واپس آ جاؤ گی اور دوسرے دن پھر ہسپتال جا کر ان پولیس کمانڈوز کا سراغ لگاؤ گی...... وہ لوگ ابھی ابھی جمناداس کو ہسپتال لے کر گئے ہیں...... مجھے یقین ہے کہ جن چھ سات پولیس کمانڈوز کو تم نے دیکھا ہے اور جنہوں نے تمہیں دیکھا ہوا ہے ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہسپتال کے کسی وارڈ میں ہوگا، بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے پولیس کمانڈوز نے جمناداس کو کسی سپیشل کمرے میں سخت حفاظتی انتظامات کے تحت رکھا ہوگا...... یہ ہسپتال زیادہ بڑا ہسپتال نہیں ہے...... وہاں چھ سات ہی پرائیویٹ کمرے ہیں...... تمہیں آسانی سے پتہ چل جائے گا کہ وہ لوگ کہاں پر ہیں اور جمناداس کا کمرہ کون سا ہے...... میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ یہ ہسپتال کس جگہ پر ہے"۔

اس کے بعد مکند لال نے رام دلاری کو تنظیم کے ہسپتال کا سارا پتہ اور محل وقوع بتایا اور کہا۔

"یہ ایک نیم خیراتی ہسپتال ہے...... تم وہاں اپنی بیمار والدہ کے لئے دوائی لینے کے بہانے بھی جا سکتی ہو...... وہ لوگ تمہیں وہاں دیکھ کر تم سے ضرور پوچھیں گے کہ ابھی صبح کو وہ لوگ تمہیں تمہارے گاؤں کے پاس چھوڑ کر آئے تھے تو اب تم ہسپتال کیسے آ گئیں...... تم انہیں کہنا کہ میری ماں میری جدائی میں سخت بیمار پڑ گئی تھی...... میں

جب گھر پہنچی تو اس کی حالت خراب تھی...... میں اس کے لئے ہسپتال سے دوا لینے آئی ہوں...... یہ بھی کہنا کہ ہم غریب لوگ ہیں...... کسی ڈاکٹر کو گھر نہیں بلا سکتے...... وغیرہ وغیرہ...... آگے تم بہتر اداکاری کر سکتی ہو...... میرا خیال ہے کہ جمنا داس ابھی جیسا کہ تم نے بتایا ہے شدید زخمی حالت میں ہے...... ابھی پولیس کمانڈو نے اس سے پوچھ گچھ شروع نہیں کی ہو گی، اس لئے ہم بے خوف و خطر ہو کر اس خفیہ تہہ خانے میں رہ سکتے ہیں...... ہم اسی جگہ تمہارا انتظار کریں گے...... اس دوران اگر خطرے کی کوئی بات ہوئی تو تم ہمیں جیسے بھی ہو سکے گا فوراً اطلاع کرو گی ٹھیک ہے؟"۔

"ٹھیک ہے" رام دُلاری نے کہا۔

مکند لال نے زہریلے انجکشن کی سوئی کے اوپر پلاسٹک کی چھوٹی سی ٹوپی چڑھا کر اسے ٹشو پیپر میں لپیٹ دیا تھا...... اس کے بعد اسے کپڑے کے چھوٹے رومال میں لپیٹا اور رام دُلاری کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"اسے اپنے لباس میں کسی ایسی جگہ چھپا کر رکھ لو جہاں آسانی سے کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے"۔

رام دلاری نے رومال میں لپٹا ہوا سرنج لیا اور اسے بڑے آرام سے اپنے گریبان کے اندر انگیا میں چھپا لیا...... مکند لال نے کہا۔

"اب تم پیچھے جا کر منہ ہاتھ دھو لو...... کپڑے یہی رہنے دینا...... ان کپڑوں میں پولیس کمانڈو تمہیں جلدی سے پہچان لیں گے...... ناشتہ وغیرہ بھی کر لینا...... تمہیں معلوم ہے کہ صبح کے وقت ہم کہاں اور کس طرح ناشتہ کرتے ہیں"۔

حشمت بی بی جو اصل میں بھارتی دہشت گردوں کی ساتھی رام دُلاری تھی، اٹھ کر تہہ خانے سے باہر نکلی اور کھنڈر کے صحن میں سے ہی گزر کر پیچھے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں گھس گئی جس کے اوپر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور کوٹھڑی باہر سے بالکل دکھائی نہیں دیتی تھی...... اس کوٹھڑی میں ایک جالی دار چھوٹی الماری تھی جس

کے اندر ایک میٹھی چٹنی کا ڈبہ اور ایک آم کے اچار کا ڈبہ پڑا تھا...... ایک پتیلی کے اندر رومال میں لپٹی ہوئی چھ سات چھوٹی روٹیاں تھیں...... پاس ہی پانی سے بھری ہوئی مٹی کی جھجھری پڑی تھی...... رام دُلاری نے اس میں سے پانی ایک پیالے میں ڈال کر سب سے پہلے منہ ہاتھ دھویا...... بالوں کو انگلیوں سے کنگھی کی...... پھر وہیں بیٹھ کر آم کے اچار سے روٹی کھائی...... پانی پیا اور واپس مکند لال کے پاس تہہ خانے میں آ گئی، کہنے لگی۔

"میں جا رہی ہوں"۔

مکند لال نے بٹوے میں سے ساٹھ ستر کے قریب پاکستانی کرنسی کے نوٹ نکال کر دیئے اور کہا۔

"اسے بھی سنبھال کر رکھ لو...... میں نے تمہیں زیادہ پیسے اس لئے نہیں دیئے کہ پولیس کمانڈو کو شک پڑ سکتا ہے کہ ایک غریب استانی ہو، تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آ گئی...... اب جاؤ، بھگوان تمہاری مدد کرے گا"۔

رام دُلاری نے ہاتھ جوڑ کر مکند لال اور رامو کو پرنام کیا اور تہہ خانے کا زینہ چڑھنے لگی...... تہہ خانے سے نکل کر وہ کھنڈر کے صحن میں آ گئی...... صحن اسی طرح اُجاڑ پڑا تھا...... وہ اس راستے سے باہر نہ نکلی جس سے کھنڈر میں داخل ہوئی تھی بلکہ ایک دوسرے خفیہ راستے سے باہر نکل گئی...... اس طرف بھی ایک اُجاڑ میدان تھا...... وہ میدان کے کنارے کنارے اُگی ہوئی جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ چلتی اس کچے راستے پر آ گئی جو ٹاہلی کے درختوں کے ذخیرے کے پہلو سے ہو کر آگے سڑک پر نکل جاتا تھا...... سڑک پر ٹریفک چل رہی تھی...... یہاں سے رام دُلاری نے ایک رکشا لیا اور کمانڈو تنظیم کے نیم خیراتی ہسپتال پہنچ گئی۔

رام دُلاری کو نئی دلی میں خفیہ ایجنسی "را" کی طرف سے جو کام وہ کر رہی تھی اس کی بڑی زبردست ٹریننگ ملی ہوئی تھی...... اسے معلوم تھا کہ ایسے موقع پر اسے کیا کرنا

ہے اور کیا نہیں کرنا...... اس نے ماں کی بیماری کے بہانے ہسپتال آنے کی جگہ ایک اور
سکیم ذہن میں سوچ لی تھی...... ہسپتال ایک بڑی کوٹھی کی طرح کا تھا جس کے باہر صحن
میں ایک دو سکوٹر اور ایک دو گاڑیاں کھڑی تھیں...... وہ ہسپتال میں داخل ہو گئی
اور چہرے پر پریشانی کے آثار طاری کر کے ہسپتال کی راہ داری میں سے گزرنے
لگی...... وہ ایک وارڈ کے باہر سے بھی گزری...... ہسپتال کے کل تین وارڈ تھے...... اس
نے تینوں وارڈ پھر کر دیکھ لئے...... اسے پولیس کمانڈو کے وہ آدمی جنہوں نے خفیہ
ٹھکانے پر صبح کے وقت چھاپہ مار کر اس کے ساتھیوں کو ہلاک کیا تھا اور اسے وہاں سے
نکالا تھا یعنی شیر خان اور گل خان اور دوسرے کمانڈو کہیں نظر نہ آئے...... ان سب کی
شکلیں رام دُلاری کو اچھی طرح سے یاد تھیں...... وہ ایک دوسری راہداری میں
آ گئی...... وہاں خاموشی تھی...... ایک جگہ اسے پولیس کا ایک سپاہی کمرے کے
دروازے کے باہر سٹول پر بیٹھا نظر آیا۔

رام دُلاری فوراً سمجھ گئی کہ جمنا داس اسی کمرے میں زیر علاج ہے، ورنہ اس
کمرے کے باہر پولیس کا پہرہ بٹھانے کی ضرورت نہیں تھی...... وہاں اور کوئی نہیں
تھا...... رام دُلاری منہ لٹکائے پولیس کانسٹیبل کے پاس آ کر رک گئی...... اس نے پوچھا۔

"بھائی! میاں محمد بشیر نام کا ایک کمپوڈر ہے...... وہ کس وارڈ میں ملے گا"۔

کانسٹیبل نے کہا۔

"بی بی! ہسپتال کے کسی آدمی سے پوچھو...... مجھے معلوم نہیں ہے"۔

رام دُلاری جان بوجھ کر وہاں کھڑی رہی...... کہنے لگی۔

"محمد بشیر میرے پھوپھڑ کا بھانجا ہے...... وہ اسی ہسپتال میں کمپوڈر ہے...... سا
ہسپتال چھان مارا ہے...... خدا جانے کہاں چلا گیا ہے"۔

کانسٹیبل نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

"بی بی! وہاں ہسپتال کا دفتر ہے...... وہاں جا کر معلوم کرو"۔

اتنے میں سامنے سے سویلین کپڑوں والے دو آدمی آتے نظر آئے...... اگرچہ
رام دُلاری نے شیر خان اور گل خان کو کمانڈو کی یونیفارم میں دیکھا ہوا تھا مگر اس نے
سویلین کپڑوں میں بھی انہیں پہچان لیا...... شیر خان اور گل خان جب قریب آئے تو
انہیں دیکھ کر کانسٹیبل اٹھ کر کھڑا ہو گیا...... شیر خان اور گل خان نے بھی رام دُلاری کو
دیکھتے ہی پہچان لیا۔

"حشمت بی بی! تم یہاں کیا کر رہی ہو...... صبح تو ہم نے تمہیں تمہارے گاؤں
چھوڑا تھا"۔

رام دُلاری نے چہرے پر پریشانی طاری کرتے ہوئے شیر خان اور گل خان کو
سلام علیکم کہا، پھر بولی۔

"بھائی جان جی کیا بتاؤں ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے...... آپ نے تو خدا خوفی
کر کے مجھے ان کافرکتوں سے بچا لیا تھا لیکن جب میں گھر پہنچی تو مکان پر تالا لگا ہوا
تھا...... ایک ہمسائی نے مجھے بتایا کہ میرے گم ہو جانے کے بعد میرے بوڑھے ماں باپ
کی کمر ٹوٹ گئی...... غم سے ان کا برا حال ہو گیا...... گھر میں اور کوئی نہیں تھا...... ان
غریبوں کی کون سنتا...... گاؤں والے باتیں بنانے لگے تھے کہ لڑکی کسی کے ساتھ
بھاگ گئی ہے...... تنگ آ کر میرے ماں باپ مکان کو تالا لگا کر کہیں چلے گئے"۔

شیر خان نے کہا۔

"بی بی! تم نے معلوم نہیں کیا کہ وہ کہاں گئے ہیں؟ ہو سکتا ہے تمہارے کسی رشتے
دار کے گھر چلے گئے ہوں"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"نہیں جی! یہاں ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے...... آگے پیچھے کوئی نہیں ہے......
میں ہی ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی...... اللہ جانے میرے بوڑھے ماں باپ کہاں مارے
مارے پھرتے ہوں گے"۔

"تم یہاں ہسپتال میں کیا کر رہی ہو؟" گل خان نے پوچھا۔

رام دُلاری نے رونی صورت بناتے ہوئے کہا۔

"ماں جی نے ایک بار بتایا تھا کہ اس ہسپتال میں ہمارا ایک دور کے رشتے دار کمپوڈر لگا ہوا ہے، بس صبح سے اس کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوں"۔

"وہ ملا نہیں؟" شیر خان نے پوچھا۔

رام دُلاری نے کہا۔

"جس سے پوچھتی ہوں وہ یہی کہتا ہے کہ اس نام کا یہاں کوئی کمپوڈر نہیں ہے، اس کا نام محمد بشیر ہے...... بھائی تمہاری مہربانی ہوگی...... تم مجھے محمد بشیر کا پتہ کر دو...... اگر وہ نہ ملا تو میں کہاں جاؤں گی...... گاؤں والے تو مجھے اپنے مکان میں گھسنے نہیں دیں گے، وہ کہتے ہیں کہ میری وجہ سے سارے گاؤں کی بدنامی ہوئی ہے"۔

شیر خان نے پہرے پر کھڑے پولیس کانسٹیبل سے کہا کہ وہ ہسپتال کے دفتر میں جا کر محمد بشیر کمپوڈر کے بارے میں پتہ کرے...... کانسٹیبل رائفل سنبھالتا ایک طرف چل دیا...... شیر خان نے رام دُلاری سے کہا۔

"حشمت بی بی! یہاں سٹول پر بیٹھ جاؤ"۔

رام دُلاری یا اللہ میرے گناہ معاف کر دے کہتی ہوئی سٹول پر بیٹھ گئی اور تھوڑی سی غصیلی آواز بنا کر پوچھنے لگی۔

"وہ کتا کافر جس کو تم ہسپتال لے کر گئے تھے مرا ہے کہ نہیں؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"وہ ابھی زندہ ہے لیکن بے ہوش پڑا ہے"۔

رام دُلاری نے ہاتھ جوڑ کر واسطے ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میرے خدا کا واسطہ ہے...... اس کافر کتے کو زندہ نہ چھوڑنا"۔

پھر وہ زار و قطار جھوٹے آنسو بہانے لگی، بولی۔

"ان کافروں نے میری عزت خراب کی ہے...... خدا جانے مجھے کہاں کہاں لے کر پھرتے رہے ہیں...... ان کے آدمیوں نے ہر جگہ میری عزت لوٹی ہے...... میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی"۔

اور رام دُلاری ہچکیاں لینے لگی...... وہ بڑی ماہر اداکارہ کی طرح اداکاری کر رہی تھی...... شیر خان نے کہا۔

"بی بی! تم فکر نہ کرو...... ہم نے کچھ تو مار دیئے ہیں باقی کافروں کو بھی ختم کر دیں گے"۔

گل خان نے پوچھا۔

"بی بی! یہ لوگ تمہیں کون کون سے شہر میں لے گئے تھے...... کیا تمہیں کچھ یاد ہے؟"۔

رام دُلاری نے دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو چھپا کر رکھتے تھے...... بند گاڑی میں پھرتے رہتے تھے...... اتنا یاد ہے...... کراچی بھی گئے تھے اور ایک بار راولپنڈی بھی مجھے لے گئے تھے...... ہر جگہ ان کافروں کے ساتھی خفیہ جگہوں پر موجود ہوتے تھے"۔

شیر خان نے انگریزی میں اپنے نائب گل خان سے کہا۔

"اس عورت سے ہمیں بڑی مفید معلومات مل سکتی ہیں...... میرا خیال ہے ہمیں اسے ہیڈکوارٹر لے چلنا چاہئے"۔

رام دُلاری انگریزی زبان سمجھتی تھی...... وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ ان کے ساتھ جا کر ان کا ہیڈکوارٹر دیکھے...... ان کا بھرپور اعتماد حاصل کرے اور دہشت گردوں کے خلاف وہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں ان سے مکند لال کو آگاہ کر دے، تاکہ جہاں چھاپہ پڑنا ہو انہیں پہلے سے معلوم ہو جائے اور وہ وہاں سے فرار ہو کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں...... اتنے میں پولیس کانسٹیبل واپس آ گیا...... اس نے بتایا کہ ہسپتال کے دفتر

والے کہتے ہیں کہ محمد بشیر نام کا کوئی کمپوڈر ہسپتال میں نہیں ہے..... رام دُلاری نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور روتے ہوئے بولی۔

"ہائے اب میں کیا کروں گی..... کہاں جاؤں گی..... میرا تو اس شہر میں کوئی بھی نہیں ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں حشمت بی بی! اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ چلو..... ہماری ایک بہن یہاں قریب ہی رہتی ہے..... وہاں تمہیں رہنے کو جگہ مل جائے گی..... جب تک تمہارے ماں باپ کا کچھ پتہ نہیں چلتا تم آرام سے وہاں رہنا..... وہاں تمہارے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا"۔

رام دُلاری نے محسوس کر لیا تھا کہ اس وقت وہ جمنا داس کو زہریلا انجکشن نہیں لگا سکتی..... یہ اسے معلوم تھا کہ وہ ہسپتال کے اسی کمرے میں زیر علاج ہے، لیکن کمر کے باہر پہرہ لگا تھا..... اس نے یہی سوچا کہ فی الحال وہ شیر خان وغیرہ کے ساتھ چل جاتی ہے..... اس کے بعد دوسرے دن کوئی بہانہ بنا کر اکیلی ہسپتال آئے گی..... پولیس کانسٹیبل نے تو اسے شیر خان کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ ہی لیا ہے..... وہ ا جمنا داس کے کمرے میں جانے کی شاید اجازت دے دے..... اتنی دیر میں وہ جمنا داس زہریلا انجکشن لگا کر اس کا کام تمام کر دے گی..... شیر خان نے اسے جو پیش کش کی کے جواب میں رام دُلاری نے بڑے افسردہ لہجے میں کہا۔

"آپ میرے بڑے بھائی ہیں..... جیسا آپ کہتے ہیں ٹھیک ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"تھوڑی دیر یہیں بیٹھو..... ابھی چلتے ہیں"۔

شیر خان اور گل خان کمرے میں چلے گئے..... بھارتی دہشت گرد کو ابھی ت پوری طرح سے ہوش نہیں آیا تھا..... ایک نرس اس کے پاس بیٹھی تھی..... شیر خ

نے دھیمی آواز میں نرس سے پوچھا۔

"اب اس کا کیا حال ہے؟"۔

نرس نے کہا۔

"سر! ڈاکٹر صاحب ابھی چیک کر کے گئے ہیں..... میرا خیال ہے کل تک اسے ہوش آجائے گا"۔

شیر خان اور گل خان ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے..... شیر خان کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہم حشمت بی بی کو مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں کمرہ لے دیتے ہیں..... کیا خیال ہے"۔

"میرا خیال ہے یہی ٹھیک رہے گا" گل خان نے کہا..... جب تک شیر خان اور گل خان مریض کے کمرے میں رہے رام دُلاری باہر سٹول پر بیٹھی بڑے غور سے کمرے کے بند دروازے کا جائزہ لیتی رہی..... زہریلا انجکشن اس کے گریبان کے اندر لباس کے پیچھے موجود تھا، مگر اس وقت انجکشن کو استعمال کرنے کا موقع نہیں تھا..... شیر خان اور گل خان کمرے سے باہر آگئے..... انہوں نے دروازے کے پاس کھڑے پولیس کانسٹیبل کو ہدایت کی کہ سوائے ڈاکٹر اور نرس کے اور کسی کو کمرے کے اندر نہ جانے دیا جائے..... پھر رام دُلاری سے کہا۔

"آؤ حشمت بی بی ہمارے ساتھ"۔

باہر آکر وہ گاڑی میں بیٹھے اور سیدھے شہر کی ایک ماڈرن کالونی میں واقع مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں آگئے..... شیر خان نے رام دُلاری کو مسز انجم کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہماری مہمان ہے..... یہ کچھ دن آپ کے ہوسٹل میں رہے گی"۔

مسز انجم ادھیڑ عمر کی خاتون تھیں..... اسے معلوم تھا کہ شیر خان کون ہے.....

اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں...... انشاء اللہ اس بی بی کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی"۔

رام دُلاری بھی حشمت بی بی کی پوری پوری اداکاری کر رہی تھی...... شیر خان کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔

"بھائی جان جی! میں ہاتھ جوڑتی ہوں...... میرے ماں باپ کا ضرور پتہ کرادیں...... اللہ جانے ان پر کیا بیت رہی ہو گی...... کس حال میں ہوں گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم ان کو تلاش کرلیں گے بی بی! تم حوصلہ رکھو"۔

شیر خان اور گل خان رام دُلاری کو مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں چھوڑ کر اپنی تنظیم کے ہیڈ کوارٹر میں آگئے اور سارا واقعہ کمانڈنگ آفیسر کو بیان کیا...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"اس عورت کی مدد سے ہمیں ملک میں بھارتی دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانوں کا سراغ مل سکتا ہے"۔

گل خان نے کہا۔

"سر! ہم اسے کل یہاں لے آئیں گے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"نہیں...... یہاں اسے لایا گیا تو ہو سکتا ہے وہ گھبرا جائے...... ہم خود گرلز ہوسٹل چلے جائیں گے...... مسز انجم کے آفس میں بیٹھ کر حشمت بی بی سے بات کریں گے"۔

دوسرے دن کمانڈنگ آفیسر، شیر خان اور گل خان مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں پہنچ گئے...... کمانڈنگ آفیسر نے مسز انجم سے کہا۔

"ہمیں حشمت بی بی سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، اسے آفس میں بلا دیں"۔

مسز انجم سمجھ گئی کہ یہ کوئی نیشنل سکیورٹی کا معاملہ ہے، کہنے لگی۔

"میں اسے بلواتی ہوں...... آپ ساتھ والے کمرے میں بیٹھ جائیں"۔

تینوں مجاہد ساتھ والے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ گئے...... تھوڑی ہی دیر بعد رام دُلاری بھی آگئی...... شیر خان نے اس سے کمانڈنگ آفیسر کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"حشمت بی بی! یہ سرکاری افسر ہیں...... ان کا کام گمشدہ لوگوں کا کھوج لگانا ہے...... یہ تمہارے ماں باپ کو تلاش کرلیں گے، جو یہ پوچھیں انہیں بتاتی جاؤ"۔

"اچھا جی! اللہ آپ کا بھلا کرے"۔

رام دُلاری نے معصوم سی صورت بناتے ہوئے کہا...... اندر سے وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ ان لوگوں کی کمانڈو آرگنائزیشن کا کوئی آفیسر ہے جو اس کے ساتھی دہشت گردوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا ہے...... کمانڈنگ آفیسر پہلے تو رام دُلاری یعنی حشمت بی بی کے ماں باپ کے بارے میں پوچھتا رہا کہ ان کا حلیہ کیا ہے...... تمہارے خیال میں وہ تمہارے کن رشتے داروں کے پاس جاسکتے ہیں...... تمہارے رشتے دار کہاں کہاں پر رہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ...... رام دُلاری عرف حشمت بی بی ہر سوال کا جواب اپنے حساب سے دیتی رہی...... آخر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد کمانڈنگ آفیسر نے اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے رام دُلاری عرف حشمت بی بی سے کہا۔

"بی بی! آج کل ملک میں دشمن کے کچھ ایسے خطرناک آدمی سرحد پار کر کے آگئے ہوئے ہیں جن کا کام ملک میں دھماکے کر کے، بے گناہ لوگوں پر حملے کر کے یہاں خوف وہراس پھیلانا ہے...... یہ لوگ بچوں کے علاوہ بڑے بوڑھوں کو بھی اغوا کر کے لے جاتے ہیں...... تم ان دہشت گردوں کے ساتھ کچھ دیر رہی ہو...... کیا تمہیں یاد ہے ان لوگوں کے خفیہ ٹھکانے ملک میں کہاں کہاں تھے؟ ہو سکتا ہے تمہارے ماں باپ کو ان لوگوں نے ہی اغوا کیا ہو اور کسی خفیہ جگہ پر رکھا ہوا ہو"۔

رام دُلاری سب کچھ سمجھ رہی تھی کہ یہ آفیسر اس سے کیا معلوم کرنا چاہتا ہے...... اس نے پہلے ہی سے اپنے ذہن کو تیار کر لیا ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں کو بھول بھلیاں میں ڈال کر خود ان کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرے گی...... اس نے یہی کیا، کہنے لگی۔

"خدا ان کافروں کا بیڑا غرق کرے...... یہ مجھے اغوا کر کے سب سے پہلے کراچی لے گئے تھے...... وہاں سمندر کے کنارے ایک ویران جگہ پر ایک اصطبل میں ان کا خفیہ ٹھکانہ تھا...... وہاں پہلے سے کچھ لوگ جو ہندو تھے موجود تھے...... اس کے بعد یہ مجھے راولپنڈی لے آئے...... وہ مجھے بند گاڑی میں لاتے لے جاتے تھے...... مجھے ان کی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ یہ فلاں شہر ہے...... وہاں انہوں نے مجھے ہفتہ دس دن رکھا اس کے بعد جہلم کے قریب ایک جنگل میں لے آئے جہاں بڑے درخت تھے...... وہاں بھی پہلے سے ان کے ساتھی موجود تھے...... وہاں انہوں نے مجھے چار پانچ دن رکھا اور پھر لاہور لے آئے...... لاہور سے وہ کسی اور جگہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپ لوگوں نے مجھے ان کافروں کی قید سے رہائی دلائی...... اللہ آپ کے بال بچے سلامت رکھے...... میں تو ہمیشہ آپ کو دعائیں دیتی رہوں گی"۔

کمانڈنگ آفیسر نے پوچھا۔

"کیا تم ہمیں وہ جگہیں دکھا سکتی ہو جہاں جہاں یہ دہشت گرد تمہیں لے جاتے رہے ہیں...... ہو سکتا ہے کہ وہیں کسی جگہ سے ہمیں تمہارے ماں باپ کا سراغ مل جائے"۔

رام دُلاری کہنے لگی۔

"یہ لوگ جہاں جاتے تھے مجھے کوٹھڑی میں بند رکھتے تھے...... اتنا یاد ہے کہ یہ شہر سے باہر ویران علاقے میں ٹھہرتے تھے...... پہلی بار لاہور میں آ کر یہ ایک آباد والے علاقے میں ٹھہرے تھے...... راولپنڈی جہاں یہ مجھے لے کر گئے تھے...... وہ

مجھے یاد ہے"۔

"یہ جگہ پنڈی میں کہاں پر تھی؟" شیر خان نے پوچھا۔

رام دُلاری نے کہا۔

"کچھ کچھ یاد ہے...... وہاں ٹیلے تھے چاروں طرف...... درخت بھی تھے...... راستے میں کسی بزرگ کا مزار بھی آیا تھا...... میں نے بند گاڑی کے ایک سوراخ میں سے دیکھا تھا...... اگر آپ مجھے وہاں لے جائیں تو میں مزار شریف کو پہچان لوں گی"۔

اب کمانڈنگ آفیسر...... شیر خان اور گل خان نے ایک دوسرے سے انگریزی میں گفتگو شروع کر دی...... وہ اپنی باتیں رام دُلاری عرف حشمت بی بی سے چھپانا چاہتے تھے...... ان کو کیا معلوم کہ رام دُلاری ان کی انگریزی کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سمجھ رہی ہے۔

کمانڈنگ آفیسر شیر خان سے کہہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں سب سے پہلے جس دہشت گرد کو ہم نے پکڑا ہے اس سے پوچھ گچھ کرنی چاہئے...... یہ خاتون ہمیں جو کچھ بتا رہی ہے وہ اس کے محض اندازے ہیں...... ممکن ہے گرفتار شدہ دہشت گرد سے ہمیں ان کے ٹھکانوں کی صحیح معلومات مل جائیں"۔

شیر خان نے انگریزی میں جواب دیا۔

"ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس خاتون نے بھی سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ مسلمان خاتون ہے اور ہم سے پورا پورا تعاون کرے گی اور جو کچھ اسے معلوم ہو گا ہمیں اپنی ذمے داری سمجھ کر بتائے گی"۔

گل خان نے انگریزی میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ابھی اس خاتون کو یہاں گرلز ہوسٹل میں ہی رکھنا چاہئے اور سب سے پہلے گرفتار شدہ دہشت گرد سے پوچھ گچھ شروع کر دینی چاہئے"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ خاتون اپنے ماں باپ کی گمشدگی سے بے حد پریشان ہے...... زیادہ دن گزر گئے تو ہو سکتا ہے یہ ہماری طرف سے مایوس ہو کر خود ہی اپنے ماں باپ کی تلاش میں یہاں سے چلی جائے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"ہم اس خاتون کی نگرانی کریں گے...... آج ہی سے دو آدمی گرلز ہوسٹل کے باہر اس کی نگرانی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں"۔

"یہ ٹھیک رہے گا سر!" شیر خان نے انگریزی میں ہی کہا۔

شیر خان نے انگریزی میں اپنے سی او سے کہا۔

"سر! میرا خیال ہے کہ ہم نے جس دہشت گرد کو گرفتار کیا ہے اسے ہسپتال سے اٹھا کر اپنے سیکرٹ ہیلتھ سینٹر میں لے جاتے ہیں...... ہسپتال میں عام لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے...... خطرہ ہے کہ اس دہشت گرد کے ساتھی کہیں اسے ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں، کیونکہ انہیں اس دہشت گرد کی طرف سے خطرہ لگا ہو گا کہ اگر تشدد سے گھبرا کر اس نے زبان کھول دی تو ان کے سارے خفیہ ٹھکانوں کا ہمیں پتہ چل جائے گا"۔

گل خان کہنے لگا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا سر! کیونکہ اس کے ساتھی دہشت گرد تو ضرور اس کو قتل کرنے کے لئے اس کے پیچھے لگے ہوں گے"۔

"اچھی تجویز ہے" کمانڈنگ آفیسر نے کہا...... "تم ایسا کرو کہ اسے آج ہی ہسپتال سے اپنے سیکرٹ ہیلتھ سینٹر میں منتقل کر دو...... وہاں اس کی بہتر دیکھ بھال بھی ہو گی اور اس کی جان کو کوئی خطرہ بھی نہیں ہو گا"۔

یہ لوگ بڑی بے تکلفی سے انگریزی میں باتیں کر رہے تھے...... ان کا خیال تھا کہ

جو عورت یعنی رام دُلاری حشمت بی بی کے بھیس میں ان کے پاس بیٹھی ہے، ان کی کوئی بات نہیں سمجھ رہی ہو گی...... انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ رام دُلاری ان کی ایک ایک بات سمجھ رہی تھی...... جب رام دُلاری نے یہ سنا کہ وہ جمنا داس کو ہسپتال سے اٹھا کر اپنے کسی سیکرٹ ہیلتھ سنٹر میں لے جا رہے ہیں تو اسے فکر ہوئی...... اسے جمنا داس جس کو وہ قتل کرنے وہاں آئی تھی اپنے ہاتھ سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا...... لیکن وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کر سکتی تھی کہ کسی طریقے سے ان لوگوں سے یہ معلوم کرے کہ ان کا سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کہاں ہے جہاں وہ زخمی دہشت گرد جمنا داس کو لے جا رہے تھے...... وہ اس بات سے بھی پریشان ہو گئی تھی کہ یہ لوگ اس کی نگرانی شروع کر رہے ہیں...... اس کا مطلب تھا کہ اب اگر وہ گرلز ہوسٹل سے نکل کر اپنے ساتھیوں مکند لال وغیرہ سے ملنے جائے گی تو اس کا پیچھا کیا جا رہا ہو گا اور یہ بڑی خطرناک بات تھی...... کمانڈنگ آفیسر نے اب اردو میں رام دلاری سے کہا۔

"بی بی! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... تھوڑا وقت ضرور لگے گا لیکن ہم تمہارے ماں باپ کو تلاش کر لیں گے...... ابھی تم اطمینان سے یہاں رہو...... یہاں تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے گا...... اب ہم جاتے ہیں...... بہت جلد تمہیں کوئی خوشخبری دیں گے"۔

حشمت بی بی عرف رام دُلاری کو مسز انجم کے پاس چھوڑ کر تینوں مجاہد یعنی کمانڈنگ آفیسر، شیر خان اور گل خان واپس اپنے ہیڈ کوارٹر آ گئے...... وہاں پہنچتے ہی کمانڈنگ آفیسر نے اپنے سیکرٹ ہیلتھ سنٹر والوں کو فون کیا اور کہا کہ تنظیم کے ہسپتال میں جو بھارتی دہشت گرد زخمی حالت میں زیر علاج ہے اسے اسی وقت ایمبولینس میں ڈال کر ہیلتھ سنٹر پہنچا دیا جائے...... فون بند کر کے انہوں نے شیر خان سے کہا۔

"شیر خان! تم فوراً ہسپتال پہنچو اور اپنی نگرانی میں دہشت گرد کو وہاں سے نکال کر ہیلتھ سنٹر پہنچاؤ"۔

"او کے سر!" شیر خان نے جواب دیا۔

اس کے فوراً بعد شیر خان جیپ لے کر ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا...... کمانڈنگ آفیسر نے گل خاں سے کہا۔

"گل خان! تم ایسا کرو کہ اپنے دو کمانڈو کو سویلین کپڑوں میں مسز انجم کے گرلز ہوسٹل کے باہر ڈیوٹی لگا دو...... انہیں کسی طریقے سے حشمت بی بی کی شکل دکھا دو اور انہیں حکم دو کہ وہ اس عورت کی نگرانی کریں...... وہ اگر ہوسٹل سے نکل کر کسی طرف جاتی ہے تو اس کا پیچھا کریں گے"۔

"ٹھیک ہے سر!"۔

یہ کہہ کر گل خان بھی کمرے سے چلا گیا...... اسی وقت اس نے دو بڑے تجربہ کار سراغ رساں کمانڈوز کو اپنے ساتھ جیپ میں بٹھایا اور سیدھا مسز انجم کے گرلز ہوسٹل میں آ گیا...... اس نے اپنے ساتھ ایک لفافہ دفتر کی الماری سے نکال کر رکھ لیا تھا۔

انہوں نے گرلز ہوسٹل کے باہر ہی گاڑی کھڑی کر دی...... گل خان نے دونوں سراغ رساں کمانڈوز کو ہوسٹل کے لان میں ایسی جگہوں پر کھڑا ہونے کو کہا جہاں سے وہ حشمت بی بی (رام دُلاری) کو دیکھ کر چہرہ شناسی کر سکتے تھے...... اس کے بعد وہ سیدھا مسز انجم کے آفس میں گیا...... وہاں مسز انجم سے کہہ کر حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو کمرے سے بلوایا...... جب رام دُلاری نیچے آئی تو گل خان اس سے اس کے ماں باپ کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے اسے باہر برآمدے میں اور پھر برآمدے سے لان میں پودوں کے پاس لے آیا...... یہ وہ مقام تھا جہاں سے دونوں سراغ رساں حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو دیکھ سکتے تھے...... رام دُلاری کو کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کی چہرہ شناسی کرائی جا رہی ہے...... گل خان نے لفافے میں سے چھ سات پاسپورٹ سائز کی تصویریں نکال کر رام دُلاری کو دکھائیں...... یہ بوڑھی عورتوں اور بوڑھے مردوں کی تصویریں تھیں...... گل خان نے کہا۔

"حشمت بی بی! یہ کچھ ایسے گم شدہ افراد کی تصویریں ہیں جو پولیس نے اسی ہفتے تلاش کئے ہیں اور جنہیں پولیس نے اپنی تحویل میں رکھا ہوا ہے...... تم دیکھو ان میں تمہارے ماں باپ کی تو کوئی تصویر نہیں ہے"۔

رام دُلاری نے ایک سرسری سی نظر تصویروں پر ڈالی اور کہا۔

"نہیں بھائی جان...... ان میں میری ماں اور باپ کی کوئی فوٹو نہیں ہے"۔

اس دوران نگرانی کرنے والے سراغ رساں حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو اچھی طرح سے دیکھ چکے تھے...... گل خان نے تصویریں لفافے میں ڈال دیں اور کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں...... ہم تلاش کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں...... اللہ نے چاہا تو اسی ہفتے تمہارے ماں باپ کا بھی سراغ مل جائے گا"۔

یہ کہہ کر گل خان وہاں سے واپس آ گیا...... رام دُلاری اپنے کمرے میں چلی گئی...... اسے مکند لال نے جو زہریلا ٹیکہ دیا تھا...... وہ رام دُلاری نے اپنے کمرے میں ایک پوشیدہ جگہ پر چھپایا ہوا تھا...... وہ ایک نئی اُلجھن میں مبتلا ہو گئی تھی...... پہلی بات تو یہ تھی کہ جس آدمی یعنی جمناداس کو ہلاک کرنے کے لئے اسے بھیجا گیا تھا پولیس کمانڈو اسے ہسپتال کے کمرے سے نکال کر ہیلتھ سنٹر میں لے گئے تھے جس کا اتا پتہ رام دُلاری کو قطعی طور پر معلوم نہیں تھا...... وہ شیر خان وغیرہ سے اس ہیلتھ سنٹر کے بارے میں پوچھ بھی نہیں سکتی تھی...... اندیشہ تھا کہ اگر وہ اس کے بارے میں پوچھتی ہے تو انہیں شک پڑ سکتا تھا کہ حشمت بی بی کیوں پوچھ رہی ہے...... دوسری مصیبت یہ تھی کہ گرلز ہوسٹل کے باہر اس کی نگرانی شروع ہو چکی تھی...... اب وہ وہاں سے اگر مکند لال کے پاس اس کو سارے حالات سے باخبر کرنے کے لئے جاتی ہے تو نگرانی کرنے والے ضرور اس کے پیچھے پیچھے آئیں گے اور خود اس کا راز فاش ہو جائے گا اور پولیس کمانڈوز کو دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کا بھی علم ہو جائے گا۔

یہ بات بھارتی دہشت گردوں کی تباہی کا باعث بن سکتی تھی۔

رام دُلاری کو محسوس ہو رہا تھا کہ ایک طرف جمناداس اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور دوسری طرف وہ خود مصیبت میں پھنس گئی ہے اور شیر خان وغیرہ کی قیدی بن کر رہ گئی ہے...... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرف قدم اٹھائے...... اسے اپنے سامنے ایک ہی راستہ نظر آ رہا تھا کہ کسی طریقے سے شیر خان اور اس کے ساتھیوں سے یہ معلوم کرے کہ ان لوگوں کا سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کہاں ہے اور پھر وہاں پہنچنے کے بعد جمناداس کو انجکشن لگا کر ہلاک کرنے کی کوشش کرے...... بظاہر یہ کام بھی اسے سخت مشکل معلوم ہو رہا تھا، کیونکہ اس کے پاس شیر خان اور گل خان ہی آتے تھے جن سے ہیلتھ سنٹر کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرنا خواہ مخواہ انہیں شک میں مبتلا کرنا تھا۔

دوسری طرف جب تین دن گزر گئے تو کمانڈنگ آفیسر نے کمانڈو شیر خان سے کہا۔

"اس عورت حشمت بی بی سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے...... اگر اس کی بتائی ہوئی معلومات ہمارے کسی کام نہیں آسکتیں تو بہتر ہے کہ اسے دارالامان میں بھجوا دیا جائے...... گرلز ہوسٹل میں ہم اسے زیادہ دیر اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتے"۔

یہ حکم پا کر شیر خان گرلز ہوسٹل رام دُلاری کے پاس پہنچ گیا...... اسے مسز انجم کے ساتھ والے اکیلے کمرے میں بلوا کر اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں...... اسے بتایا کہ ابھی تک اس کے ماں باپ کا کوئی سراغ نہیں ملا...... اس کے بعد شیر خان نے اسے کہا۔

"حشمت بی بی! کیا تمہیں ان دہشت گردوں کا کوئی ایسا خفیہ ٹھکانہ معلوم ہے جہاں انہوں نے مستقل طور پر اپنا اڈہ بنایا ہوا ہو اور جہاں وہ اکثر آتے جاتے رہتے ہوں"۔

رام دُلاری بھی اب اس معاملے کو لٹکانا چاہتی تھی تاکہ وہ ان لوگوں کے قریب رہ کر جتنی جلدی ہو سکے سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کا پتہ معلوم کر سکے...... اس نے کہا۔

"ایک جگہ ضرور تھی، مگر اب یاد نہیں آ رہا کہ وہ جگہ کس شہر میں تھی...... ایک پرانا قلعہ سا تھا...... جنگل تھا...... وہاں انہوں نے ایک تہہ خانے میں اپنا اڈہ بنایا ہوا تھا...... وہاں انہوں نے گولہ بارود اور اسلحہ بھی جمع کر رکھا تھا اور دوسرے ہندو دہشت گرد بھی آتے تھے جو وہاں سے ہدایات اور اسلحہ وغیرہ لے کر واردات کرنے چلے جاتے تھے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ذہن پر زور دے کر یاد کرو کہ یہ جگہ کس شہر میں تھی اور کہاں پر تھی...... شاید تمہیں یاد آ جائے، کیونکہ اگر ہم وہاں تک پہنچ جاتے ہیں تو یقین کرو کہ تمہارے ماں باپ کا سراغ ضرور مل جائے گا...... ہمیں خفیہ ذریعوں سے یہ اطلاع مل چکی ہے کہ تمہارے ماں باپ ان کافر دہشت گردوں کی قید میں ہی ہیں"۔

رام دُلاری دل میں ہنس پڑی کہ یہ آدمی شیر خان اسے کس طرح بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے، مگر مقام ایسا تھا کہ وہ بے وقوف بن کر ہی اپنا مطلب حاصل کر سکتی تھی، جس طرح بجلی چمک جاتی ہے بالکل اسی طرح رام دُلاری کے ذہن میں ایک خیال آ گیا...... اس نے شیر خان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک دم سے کہا۔

"ایک بات ہو سکتی ہے"۔

"وہ کیا...... شیر خان نے جلدی سے پوچھا۔

❁ ❁ ❁

رام دُلاری نے کہا۔

"کسی وقت ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ آدمی کو کوئی خاص شکل یا کوئی خاص جگہ یاد نہ آ رہی ہو تو اس سے ملتی جلتی کوئی شکل یا کوئی جگہ اسے دکھادی جائے یا وہ خود دیکھ لے تو اسے ایک دم خاص شکل یا خاص جگہ یاد آجاتی ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں تمہاری بات سمجھا نہیں...... تم کیا کہنا چاہتی ہو"۔

رام دُلاری بولی۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں بھائی جان کہ تم لوگوں نے کافروں کا جو ایک آدمی پکڑا ہوا ہے اور جو زخمی حالت میں ہے، اگر میں ایک نظر اس کی شکل دیکھ لوں تو ممکن ہے اس کو دیکھ کر مجھے وہ شہر اور وہ جگہ یاد آجائے جہاں ان لوگوں نے اپنا مستقل اڈہ بنایا ہوا تھا...... کیونکہ یہ آدمی جو اس وقت زخمی حالت میں تمہاری قید میں ہے اس اڈے میں باہر سے آنے والے کافروں کو گولہ بارود اور بم وغیرہ دیا کرتا تھا اور پہلے سے وہیں رہ رہا تھا...... جب مجھے وہاں لے جایا گیا تھا تو یہ پہلے سے وہاں موجود تھا...... اس کے بعد وہ بھی ہمارے ساتھ ہی لاہور آگیا تھا...... میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتی لیکن میرا خیال ہے کہ شاید اس کی صورت دیکھ کر میرے ذہن میں وہاں کی ساری یاد اور وہاں کا سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے اور وہ شہر بھی یاد آجائے جہاں یہ خفیہ اڈہ تھا"۔

شیر خان کو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہ آئی کہ وہ حشمت بی بی کو سیکرٹ ہیلتھ سنٹر لے جاکر اسے گرفتار شدہ زخمی بھارتی دہشت گرد کی شکل دکھا دے...... پھر بھی اس نے اپنے کمانڈنگ آفیسر سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے حشمت بی بی! میں اپنے ساتھی سے مشورہ کر کے تمہیں کل بتاؤں گا"۔

شیر خان نے گرلز ہوسٹل سے واپس آکر گل خان سے مشورہ کیا...... اس نے کہا۔

"اس خاتون کو ہیلتھ سنٹر لے جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے...... ہو سکتا ہے زخمی دہشت گرد کو دیکھ کر اسے واقعی وہ شہر یاد آجائے اور وہ جگہ بھی یاد آجائے جہاں ان بھارتی دہشت گردوں نے اپنا خفیہ ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے...... اس کا یہ کہنا بہت حد تک صحیح ہے، کیونکہ عام زندگی میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک شکل کو دیکھ کر دوسری شکل یاد آجاتی ہے اور ایک شہر کی تصویر دیکھ کر کوئی اسی سے ملتا جلتا دوسرا شہر یاد آجاتا ہے...... پھر بھی ہمیں سی او صاحب سے بات کرنی ہوگی، ان کی اجازت کے بغیر ہم اس خاتون کو سیکرٹ ہیلتھ سنٹر نہیں لے جاسکتے"۔

کچھ دیر کے بعد شیر خان اور گل خان دونوں اپنے کمانڈنگ آفیسر کے سامنے ان کے آفس میں بیٹھے تھے...... کمانڈنگ آفیسر نے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

"یہ بات ہمارے ضابطے کے خلاف ہے...... ہم اپنی خفیہ جگہوں پر کسی باہر کے آدمی کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتے، لیکن یہ صورت حال ایسی بن گئی ہے کہ ہمیں تھوڑی دیر کے لئے اپنے قاعدے قانون کو بھلانا ہی پڑے گا...... صرف ایک احتیاط کرنا، حشمت بی بی کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ہیلتھ سنٹر میں لے جانا"۔

"ایسا ہی کریں گے سر!" شیر خان نے کہا۔

اس وقت رات ہو رہی تھی...... دوسرے دن شیر خان نے گل خان کو ساتھ لیا اور گرلز ہوسٹل آگیا...... رام دُلاری یعنی حشمت بی بی کو بلوا کر شیر خان نے اسے کہا۔

"بی بی! ہم نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا ہے...... ہم تمہیں اس جگہ لئے چلتے ہیں جہاں وہ دہشت گرد زیر علاج ہے، جسے ہم نے زخمی حالت میں گرفتار کیا تھا اور جسے تم ایک نظر دیکھنا چاہتی ہو...... ہو سکتا ہے اسے دیکھ کر تمہیں اور بہت کچھ یاد آجائے"۔

رام دُلاری کے دل کی مراد پوری ہو گئی تھی...... اسے ایسے لگا جیسے اندھیرے میں چلایا ہوا اس کا تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگا ہے، مگر چہرے سے اس نے کسی قسم کے خوشی کے تاثر کا اظہار نہ ہونے دیا، بلکہ الٹا غصے میں آکر بولی۔

"میں اس منحوس کتے کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی، لیکن یہ میرے ملک پاکستان کا معاملہ ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس کافر کتے کی شکل دیکھ کر مجھے وہ جگہ اور وہ شہر ضرور یاد آجائے گا جہاں ان لوگوں نے اپنا مستقل اڈہ بنا رکھا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"لیکن، تمہیں ایک تکلیف ہم ضرور دیں گے، اس کے لئے تم ہمیں ضرور معاف کر دینا"۔

رام دُلاری نے اپنے دماغ میں جو منصوبہ تیار کیا تھا اس کو دھکا تو ضرور لگا لیکن وہ انہیں ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی تھی...... یہ اس کی مجبوری تھی۔

گل خان نے کہا۔

"اگر تم تیار ہو تو اسی وقت ہمارے ساتھ چلی چلو...... ہماری گاڑی باہر کھڑی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"میں کمرے کو تالا لگا کر ابھی آتی ہوں"۔

رام دُلاری نے اپنے کمرے میں آکر جہاں اس نے زہریلے انجکشن کا سرنج رومال میں لپیٹ کر چھپایا ہوا تھا وہاں سے اسے نکالا اور اسے اپنے سینے کے اندر انگیا میں اچھی طرح سے چھپا لیا اور کمرے کو باہر سے تالا لگا کر نیچے آگئی...... باہر ان کی جیپ کھڑی تھی جو ترپال سے چاروں طرف سے بند تھی...... ایک طرف چھت کے پاس ہوا کیلئے دو

چوکور چھوٹے چھوٹے طاق رکھے گئے تھے...... شیر خان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... گل خان حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو ساتھ لے کر جیپ کے اندر بیٹھ گیا۔

گاڑی تنظیم کے سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کی طرف روانہ ہو گئی...... رام دُلاری کو باہر کا منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا...... اس نے اپنی سماعت یعنی سننے والی حس کو پوری طرح سے بیدار کر دیا، جس طرح کوئی کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے، وہ اسی طرح باہر کی آوازیں سننے لگی...... جیپ مختلف جگہوں پر سے موڑ کاٹتی ہوئی چلی جا رہی تھی...... باہر سے صرف موٹر گاڑیوں، رکشوں اور سکوٹروں وغیرہ کی آوازیں ہی آ رہی تھیں...... یہ ایسی آوازیں تھیں جو ایک بڑے شہر کے ہر بازار سے آتی ہیں...... ان آوازوں کی مدد سے وہ راستے کی نشان دہی نہیں کر سکتی تھی کہ اسے کن کن راستوں سے گزار کر سیکرٹ ہیلتھ سنٹر لے جایا گیا تھا...... یہ وہ اس لئے کر رہی تھی کہ عین ممکن تھا کہ جس وقت شیر خان وغیرہ اسے جمنا داس کے پاس لے کر جائیں اور اس کا چہرہ اسے دکھائیں تو یہ دونوں وہاں پر موجود ہوں اور جمنا داس کو زہریلا انجکشن لگانے کا موقع ہی نہ مل سکے اور اسے اس کام کے لئے وہاں خفیہ طور پر کسی نہ کسی طرح اکیلی ہی آنا پڑ جائے۔

اتنا رام دلاری نے یاد رکھا تھا کہ گرلز ہوسٹل کے احاطے سے نکلنے کے بعد ان کی گاڑی دائیں طرف کو مڑی تھی اور پھر چھ سات منٹ تک بالکل سیدھی چلتی رہی تھی اور اس کے بعد ایک بار پھر دائیں طرف کو مڑ گئی تھی...... اس کے بعد کا راستہ وہ یاد نہ رکھ سکی تھی...... جیپ کوئی پندرہ منٹ تک سڑک پر سے گزرتی رہی...... اب سڑکوں پر ٹریفک کا شور بالکل ہی کم ہو گیا تھا، جس سے رام دلاری نے اندازہ لگایا کہ یہ شہر کے باہر کا علاقہ ہے...... جیپ ایک جگہ رُک گئی...... وہ یہی سمجھی کہ سیکرٹ ہیلتھ سنٹر آگیا ہے، لیکن اندر سے گل خان نے آواز دے کر پوچھا۔

"شیر خان جی! گاڑی کیوں روک لی؟"۔

ترپال کی دیوار کے پیچھے سے شیر خان کی آواز آئی۔

"ریلوے پھاٹک بند ہے"۔

یہ ایک بہت بڑی اور مستقل نشانی تھی جسے رام دُلاری نے اسی وقت اپنے ذہن میں بٹھالیا کہ ہیلتھ سنٹر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک ریلوے پھاٹک بھی آتا ہے...... تھوڑی دیر بعد ٹرین دھڑ دھڑاتی ہوئی گزر گئی...... اس کے بعد پھاٹک کھل گیا اور ان کی جیپ آگے کو چل پڑی...... تھوڑا آگے جانے کے بعد رام دُلاری کو بڑی تیز بو محسوس ہوئی...... اس نے گل خان سے پوچھا۔

"بھائی جان جی! یہ کس چیز کی بد بو ہے؟"۔

وہاں ایک چمڑا رنگنے کی فیکٹری تھی...... یہ بو اس فیکٹری کی طرف سے آرہی تھی، لیکن گل خان نے اسے صرف اتنا ہی کہا۔

"پتہ نہیں کس چیز کی بو ہے...... کبھی کبھی یہاں سے گزرتے ہوئے آیا کرتی ہے"۔

وہ اسے چمڑا رنگنے کی فیکٹری کا بتا کر علاقے اور راستے کی نشاندہی نہیں کرانا چاہتا تھا...... اگرچہ اسے حشمت بی بی سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن یہ ان کے اصول کے خلاف تھا...... گل خان اور شیر خان کو کیا خبر تھی کہ وہ بھارت کی نمبرون جاسوسہ اور خطرناک دہشت گردوں کی ساتھی رام دُلاری کو اپنے ساتھ لئے جارہے ہیں۔

دو تین منٹ کے بعد بو آنی بند ہو گئی...... گاڑی ایک دو موڑ مڑنے کے بعد ایک جگہ رُک گئی...... گل خان نے جیب سے کپڑے کی کالی پٹی نکالتے ہوئے کہا۔

"بی بی! یہاں مجھے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھنی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اور گل خان نے اس کی آنکھوں پر اس طریقے سے پٹی باندھی کہ جب وہ گل خان کا ہاتھ پکڑ کر جیپ سے باہر دن کی روشنی میں آئی تو اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا......

شیر خان بھی گاڑی سے نکل آیا تھا...... گاڑی ایک تین چار کمروں والی اِک منزلہ عمارت کے احاطے میں کھڑی تھی جس کو چاروں طرف سے درختوں نے گھیر رکھا تھا...... گل خان نے رام دُلاری کا ہاتھ تھام رکھا تھا...... یہ تنظیم کا خصوصی خفیہ ہیلتھ سنٹر تھا جہاں ان مجاہدوں کا علاج معالجہ ہوتا تھا جن کی شناخت بعض مصلحت کے تحت خفیہ رکھنی ہوتی تھی...... عمارت کی پیشانی پر کوئی بورڈ وغیرہ نہیں لگا ہوا تھا...... دروازہ بند تھا...... اس کے باہر کوئی چوکیدار بھی نہیں تھا...... شیر خان آگے تھا...... وہ دروازہ کھول کر عمارت میں داخل ہو گئے...... یہاں پہلی مرتبہ رام دُلاری کو ڈیٹول اور دوسری دوائیوں کی بو محسوس ہوئی جس سے وہ سمجھ گئی کہ یہی سیکرٹ ہیلتھ سنٹر ہے...... رام دُلاری کو ایک کمرے میں کرسی پر بٹھادیا گیا...... پھر اس کی آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی۔

رام دُلاری نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ہے جہاں صرف ایک دھیمی روشنی والا بلب جل رہا ہے...... گل خان اس کے پاس ہی بیٹھا ہے...... شیر خان وہاں نہیں ہے...... کمرے کی صرف ایک ہی کھڑکی ہے جس کے آگے پردہ گرا ہوا ہے...... رام دُلاری نے حشمت بی بی کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خدا جانتا ہے...... اس ہندو کافر کا منحوس چہرہ میں ساری زندگی نہیں دیکھنا چاہتی، لیکن اب دیکھنا ضروری ہو گیا ہے...... کہاں ہے وہ ذلیل کافر؟"۔

گل خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ابھی تمہیں اس کے پاس لے جائیں گے"۔

رام دُلاری کو یقین ہو گیا تھا کہ جب وہ اپنے دہشت گرد ساتھی جمناداس کے قریب جائے گی تو یہ دونوں پولیس کمانڈو اس کے ساتھ ہوں گے اور اسے جمناداس کو زہریلا انجکشن لگانے کا موقع نہیں مل سکے گا...... پھر بھی اس نے اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا...... اتنے میں شیر خان کمرے میں آیا، کہنے لگا۔

"حشمت بی بی! آجاؤ...... اس بھارتی دہشت گرد کو بہت گولیاں لگی ہیں اور بہ
سا خون بہہ گیا تھا...... ابھی تک وہ پوری طرح سے بات نہیں کر سکتا"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"مجھے اس کافر سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں تو صرف اس ک
ایک نظر دیکھوں گی...... شاید اس کی مکروہ صورت دیکھ کر مجھے یاد آجائے کہ ان لوگو
کا مستقل ہیڈ کوارٹر کہاں اور کس شہر میں تھا"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں...... میرے ساتھ آؤ"۔

رام دُلاری شیر خان کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل آئی...... باہر آمنے سا
تین چار کمروں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ تھا...... ایک دروازے کے باہر
کمانڈو سٹین گن لئے کھڑا تھا...... قریب جا کر شیر خان نے اسے اشارہ کیا...... گارڈ ڈیو
پر کھڑے کمانڈو نے کمرے کا دروازہ آدھا کھول دیا...... شیر خان رام دُلاری کو لے
کمرے میں داخل ہو گیا...... گل خان ان کے پیچھے تھا...... کمرے میں گہری خامو
چھائی ہوئی تھی...... درمیان میں لوہے کے پلنگ پر دہشت گرد جمنا داس بالکل سیدھا
تھا...... اس کا بایاں بازو اور شانہ سینے تک پٹیوں میں چھپا ہوا تھا...... دائیں بازو پر ڈر
لگا تھا...... ناک میں آکسیجن کی نالی لگی تھی...... اس کی آنکھیں بند تھیں۔

رام دُلاری نے ایک سیکنڈ میں اسے پہچان لیا...... یہ ان کا دہشت گرد سا
جمنا داس ہی تھا...... ایک ادھیڑ عمر نرس پلنگ کی پائنتی کی طرف کھڑی چارٹ پر کچھ
رہی تھی...... کمرے میں ایک ہی کھڑکی تھی...... اس پر گہرے رنگ کا پردہ گرا ہوا
لیکن دونوں پردوں کے درمیان تھوڑی سی جگہ اوپر سے نیچے تک خالی تھی جس م
سے دن کی روشنی اندر آرہی تھی...... رام دُلاری ابھی تک دروازے کے پاس ہی دیو
کے ساتھ کھڑی تھی...... اس کی ایک جانب گل خان تھا اور دوسری جانب شیر خا

تھا...... شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"بی بی! اس کی شکل غور سے دیکھو...... شاید تمہیں کچھ یاد آجائے"۔

وہ رام دُلاری کو ساتھ لے کر پلنگ کے قریب آگیا...... رام دُلاری نے جمنا داس
کی شکل کیا دیکھنی تھی...... اس شکل کو تو وہ تقریباً روز ہی دیکھا کرتی تھی...... صرف
ایک بات کا اسے افسوس تھا کہ وہ جمنا داس کو زہریلا انجکشن دے کر موت کی نیند نہیں
سلا سکتی تھی، جس مقصد کو لے کر وہ وہاں آئی تھی کہ جیسے وہ دہشت گرد کی شکل کو دیکھ
کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہے...... حقیقت میں وہ کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی
جہاں پردے کے درمیان جو خالی جگہ تھی اس میں سے اسے دور کھیتوں میں کسی مسجد کا
اونچا مخروطی مینار نظر آرہا تھا...... پھر ایک ریل گاڑی دور سے گزرتی دکھائی دی......
رام دُلاری کے لئے اس خفیہ ہیلتھ سنٹر کی یہ نشانیاں کافی تھیں۔

دہشت گرد جمنا داس کا سانس آہستہ آہستہ چل رہا تھا...... نرس نے شیر خان کو
اشارہ کیا...... شیر خان نے رام دُلاری کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"اب چلو"۔

اور وہ تینوں کمرے سے باہر آگئے...... رام دُلاری کو دل میں افسوس لگ رہا تھا کہ
وہ اپنے مقصد کے بالکل قریب پہنچ کر اسے حاصل نہیں کر سکی تھی...... ساتھ والے
کمرے میں واپس آکر شیر خان نے رام دُلاری کو جسے وہ سب حشمت بی بی ہی سمجھ رہے
تھے، اپنے سامنے کرسی پر بٹھا لیا اور اس سے پوچھا۔

"کچھ یاد آیا؟"۔

جس طرح شیر خان اور گل خان اس عورت سے کچھ مفید معلومات حاصل کرنا
چاہتے تھے اسی طرح رام دُلاری بھی ان سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی، جس
میں وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہوئی تھی...... اس کو بہت جلد محسوس ہو گیا تھا کہ یہ
کمانڈو لوگ اپنے منصوبوں کے بارے میں کسی کے سامنے ایک دوسرے سے بھی کوئی

بات نہیں کرتے...... وہ انتہائی رازداری سے کام لیتے تھے...... پھر بھی رام دُلاری ابھی اپنے آپ کو ان کے ساتھ لگائے رکھنا چاہتی تھی...... اس امید پر کہ شاید کسی وقت اسے ان لوگوں کا کوئی راز ہاتھ آجائے...... اس نے کہا۔

"مجھے اس کافر کی شکل دیکھ کر کچھ کچھ یاد آرہا ہے...... میں زیادہ یاد کرنے کی کوشش کررہی ہوں"۔

گل خان نے شیر خان کو انگریزی میں کہا۔

"میرا خیال ہے اسے ایک دو دن کی مہلت دینی چاہئے، ہو سکتا ہے اسے سب کچھ یاد آجائے"۔

شیر خان نے کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو"۔

اس کے بعد گل خان نے رام دُلاری کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھی اور اسے بند گاڑی میں بٹھا کر واپس چل پڑے۔

گرلز ہوسٹل کے ایک کمرے میں آکر رام دُلاری نے جمنا داس کو قتل کرنے کی سکیم پر غور شروع کردیا...... جمنا داس کا کام تمام کرنے کے لئے اس کا گرلز ہوسٹل سے نکلنا ضروری تھا...... مصیبت یہ تھی کہ اس کی نگرانی ہو رہی تھی...... اگر وہ باہر نکلتی ہے اور ہیلتھ سنٹر کی طرف چلتی ہے تو اس کی نگرانی کرنے والے جاسوس ضرور اس کا پیچھا شروع کردیں گے...... اس کا سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں تھا کہ وہ اپنا حلیہ بدل کر ہوسٹل سے نکلے...... حلیہ بدلنے اور بھیس بدلنے کا سازوسامان ان کے مکند لال والے خفیہ ٹھکانے پر تھا...... رام دُلاری وہاں بھی نہیں جاسکتی تھی...... اس طرف جانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان لوگوں کو اپنے گروہ کے خفیہ ٹھکانے کا پتہ بتادے گی۔

رام دُلاری کے ذہن نے بڑی تیزی سے کام کرنا شروع کردیا...... اس کو گرلز ہوسٹل کے کمرے میں ہی اپنا حلیہ تبدیل کرنا تھا...... سوال یہ تھا کہ سازوسامان کے نہ

ہوتے ہوئے وہ حلیہ کیسے بدل سکتی تھی...... رام دُلاری کے عیار ذہن میں آخر ایک ترکیب آگئی...... اسے یاد آگیا کہ کسی ڈیری فارم کا ایک ٹرک گرلز ہوسٹل میں دودھ دینے صبح صبح منہ اندھیرے آتا ہے...... اگر وہ کسی طرح اس ٹرک میں چھپ کر بیٹھ جائے تو نگرانی کرنے والوں کی نظروں سے بچ کر نکل سکتی تھی...... اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ وہ کسی ایسے طریقے سے باہر نکلے کہ اس کی نگرانی کرنے والوں کو خبر نہ ہوسکے کہ وہ باہر نکل کر گئی ہے اور وہ اس کا پیچھا نہ کرسکیں...... اگر وہ ہیلتھ سنٹر پہنچ کر اپنے مقصد میں ایک بار پھر ناکام رہتی ہے تو واپسی کی اسے فکر نہیں تھی...... واپس آنے پر اگر جاسوس اسے ہوسٹل میں داخل ہوتے دیکھ بھی لیتے ہیں تو وہ کہہ سکتی ہے کہ کمرے میں بند رہ کر وہ تنگ آگئی تھی اور سیر کرنے کو نکل گئی تھی اور اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہے تو اسے گرلز ہوسٹل میں واپس آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

یہی ایک ترکیب تھی جس پر اگر وہ کامیابی سے عمل کرلیتی ہے تو گرلز ہوسٹل سے جاسوسوں کو جل دے کر نکل سکتی تھی...... اس نے ایک دو بار جبکہ وہ جاگ رہی تھی صبح صبح اس دودھ والے ٹرک کو ہوسٹل کے احاطے میں آکر ایک طرف کھڑے ہوتے اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے دیکھا ہوا تھا...... ٹرک میں دو آدمی ہوتے تھے...... ایک ڈرائیور اور دوسرا آدمی اس کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوتا تھا...... وہ ٹرک لے کر آتے تھے...... ٹرک کو احاطے کی دیوار کے پاس کھڑا کرتے تھے...... ٹرک کے پیچھے دودھ کے کپے لدے ہوتے تھے...... دونوں آدمی ایک کپا نکال کر ہوسٹل کے کچن کی طرف لے جاتے تھے...... رام دُلاری نے ایک بار یہ پورا منظر یونہی اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے کھڑے دیکھا تھا اور اب اسے سب کچھ یاد آگیا تھا، جس وقت ڈرائیور اور اس کا ساتھی دودھ کے کپے کو اٹھا کر کچن کی طرف جاتے تھے تو ٹرک کے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا اور وہاں ہلکا ہلکا اندھیرا ابھی ہوتا تھا...... رام دُلاری نے سوچا کہ وہ اس

وقت ٹرک میں کسی جگہ چھپ سکتی ہے...... اس قسم کے کئی طریقے رام دُلاری کو نئ
دہلی والوں نے ٹریننگ کے دوران سکھا رکھے تھے...... اس نے یہی طریقہ آزمانے کا
فیصلہ کر لیا...... اس وقت اندھیرا ہوتا تھا...... اس کی نگرانی کرنے والے ظاہر ہے گراز
ہوسٹل کے احاطے کے باہر گیٹ کے آس پاس کسی جگہ چھپ کر بیٹھے ہوں گے......
انہیں خبر بھی نہیں ہو گی...... رام دُلاری کو مسز انجم نے ایک نیا جوڑا پہننے کو دیا تھا......
اس نے وہی جوڑا پہن رکھا تھا...... رام دُلاری نے اپنا پرس کھول کر دیکھا...... مکند لال
نے جمنا داس کو ہلاک کرنے کی مہم پر بھیجتے ہوئے رام دُلاری کو جتنے پیسے کرنسی نوٹوں
کی شکل میں دیئے تھے وہ اس کے پاس محفوظ تھے...... زہریلے انجکشن کی سرنج اس نے
ایک الماری کے اندر پرانے کپڑوں میں چھپا کر رکھ دی تھی...... رام دُلاری نے اسے
بھی نکال کر چیک کیا اور پھر وہیں چھپا کر رکھ دی، وہ کمرے کی کھڑکی کے پاس آ گئی اور
پردہ ذرا سا ہٹا کر ہوسٹل کے احاطے میں وہ جگہ دیکھنے لگی جہاں صبح کے وقت ڈیری فارم
کا ٹرک آ کر کھڑا ہوتا تھا۔

اس نے اپنے ذہن میں ایک نقشہ تیار کر لیا کہ اسے کس طرف سے ٹرک کے
پاس جانا ہو گا...... یہ کام اسے بڑی تیزی سے کرنا تھا، کیونکہ ٹرک ڈرائیور اور اس کا کلینر
جب دودھ کا کپا اٹھا کر کچن میں رکھنے جاتے تھے تو انہیں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی......
ساری سکیم ذہن میں بنانے کے بعد رام دُلاری پلنگ پر آ کر لیٹ گئی...... دن گزر
گیا...... شام کو گل خان اکیلا ہی اس سے ملنے آ گیا...... اس نے پوچھا۔

”حشمت بی بی! اب تک تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور یاد آ گیا ہو گا کہ ان دہشت
گردوں کا مستقل ٹھکانہ کون سے شہر میں تھا اور کس جگہ پر تھا“۔

رام دُلاری نے گہرے غور و فکر کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”بھائی جان جی! بہت یاد کرتی ہوں...... بس اتنا ہی یاد آتا ہے کہ ایک جنگل تھا......
اس میں ایک جگہ زمین کے اندر راستہ جاتا تھا...... وہاں ان لوگوں نے اپنا اڈہ بنا ر

تھا...... یہ یاد نہیں آ رہا کہ وہ شہر کون سا تھا...... یہ لوگ ریل گاڑیوں میں تو سفر کرتے
نہیں تھے...... رات کے اندھیرے میں بند گاڑی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے
تھے...... کبھی کسی کے منہ سے شہر کا نام نکل جاتا تھا تو مجھے پتہ چل جاتا تھا کہ یہ فلاں شہر
ہے...... میں یاد کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہوں...... کل تک شاید کچھ یاد آ جائے“۔

گل خان کچھ دیر بیٹھ کر یہ کہتے ہوئے چلا گیا کہ وہ کل کسی وقت پھر آئے گا......
رام دُلاری کا کھانا اس کے کمرے میں ہی ایک نوکرانی لے کر آتی تھی...... شیر خان نے
مسز انجم کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ حشمت بی بی کو ہوسٹل کی دوسری لڑکیوں سے
ملنے کا موقع نہ دیا جائے...... رام دُلاری خود بھی دوسری لڑکیوں سے دور ہی رہتی اور
زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارتی تھی...... اس نے رات کا کھانا کھایا اور مسز انجم نے
اسے جو چھوٹا کلاک دیا تھا اس پر صبح کے چار بجے کا الارم لگا دیا...... رات کے دس بجے
تک وہ پلنگ پر لیٹی ایک رسالہ پڑھتی رہی...... اس کے بعد سو گئی۔

ٹھیک چار بجے اسے الارم نے جگا دیا...... اس نے اٹھتے ہی سب سے پہلے کھڑکی کا
پردہ ہٹا کر باہر دیکھا...... ابھی رات کا اندھیرا باقی تھا...... اسے احاطے میں کوئی ٹرک
دکھائی نہ دیا...... اس نے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا...... بالوں میں کنگھی کی......
اپنے کپڑوں کو درست کیا اور گہرے بادامی رنگ کی چادر اوڑھ کر الماری کے پاس
آ گئی...... الماری میں سے زہریلے انجکشن کا سرنج نکال کر اسے ایک بار پھر اچھی طرح
سے رومال میں لپیٹا اور اسے اپنے گریبان کے اندر پوری طرح سے چھپا کر رکھ لیا......
ایک بار پھر کھڑکی میں آ کر اس نے باہر جھانک کر دیکھا...... احاطہ اندھیرے میں خالی پڑا
تھا...... کسی ٹرک کی آواز بھی نہیں آئی تھی...... اس نے کمرے کی بتی بجھا دی اور پلنگ
پر بیٹھ کر ٹرک کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

رات کی تاریکی فجر کی پھیکی پھیکی سفیدی میں بدلنا شروع ہو گئی تھی، لیکن ابھی
پوری طرح سے دن کی روشنی نہیں ہوئی تھی...... وہ چاہتی تھی کہ ٹرک جلدی سے

آجائے اور وہ پچھلے پہر کے اندھیرے میں ہی وہاں سے نکل جائے...... ہوسٹل کے گیٹ کے باہر تعینات جاسوسوں کی نگاہوں سے بچنے کی صرف یہی ایک صورت تھی...... کلاک پر پونے پانچ بج رہے تھے کہ رام دُلاری کو دور سے کسی ٹرک کی آواز سنائی دی...... ایک لمحے کا انتظار کئے بغیر اس نے جلدی سے چادر کو اچھی طرح سے اپنے جسم کے گرد لپیٹا اور آہستہ سے دروازہ کھول کر زینے کی طرف بڑھی...... زینے سے اتر کر وہ پہلی منزل کے برآمدے میں آگئی...... برآمدے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... صرف دوسرے کونے میں باہر کی جانب اوپر ایک بلب روشن تھا...... رام دُلاری جہاں اندھیرا تھا اس طرف سے چلتی ہوئی برآمدے کے ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی...... وہ بہت سوچ سمجھ کر اس جگہ کھڑی ہوئی تھی...... اگر ٹرک روز کی جگہ پر آکر کھڑا ہوا تو وہ اندھیرے میں چلتے ہوئے ٹرک کے عقب میں جاسکتی تھی...... یہاں اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا...... ٹرک کی آواز قریب آگئی تھی...... اسے خیال آیا کہ شاید یہ کوئی اور ٹرک ہو، لیکن ٹرک سڑک پر آگے نکل جانے کی بجائے ہوسٹل کے گیٹ میں داخل ہوگیا...... اس کی بتیاں روشن تھیں۔

رام دُلاری ستون کے پیچھے ہوگئی...... ٹرک کی ہیڈ لائٹس کی روشنی ستون کے اوپر سے گزر کر دوسری طرف نکل گئی اور ٹرک احاطے کی دیوار کے ساتھ بیک ہو کر لگ گیا...... اس کے ساتھ ہی ٹرک کی بتیاں بجھ گئیں...... ٹرک کے اگلے حصے میں سے دو آدمی باہر نکل کر اس کے پیچھے چلے گئے...... دوسرے لمحے وہ دودھ کا کپا اٹھائے دوبارہ نمودار ہوئے...... ایک نے ایک طرف سے اور دوسرے نے دوسری طرف سے کپے کو کنڈے سے پکڑ رکھا تھا...... وہ ہوسٹل کے کچن کی طرف چل دیئے جو برآمدے کے دوسرے کونے کی طرف تھا...... رام دُلاری اسی لمحے کے انتظار میں تھی...... جیسے ہی وہ تھوڑا آگے گئے رام دُلاری خاموشی سے برآمدے سے اتری اور اندھیرے میں سے گزرتی ہوئی تیزی سے ٹرک کے پیچھے آکر اس کی لٹکتی ہوئی رسی کو پکڑ کر ٹرک کے

پچھلے حصے میں چڑھ گئی...... ٹرک کے اندر بہت سے دودھ کے کپے پڑے ہوئے تھے، جنہیں ابھی دوسری جگہوں پر سپلائی کرنا تھا...... وہ ان کپوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔

تین چار منٹ بعد اسے ان آدمیوں کی آواز سنائی دی...... وہ واپس آگئے تھے...... پھر ٹرک کے دونوں سائیڈ کے دروازوں کے بند ہونے کی آواز آئی...... ٹرک کا انجن سٹارٹ ہوا اور ٹرک ہوسٹل کے گیٹ میں سے نکل کر دائیں جانب مڑ گیا...... رام دُلاری نے کپوں کے پیچھے چھپے چھپے ہاتھ جوڑ کر اپنے بھگوان کا شکریہ ادا کیا...... وہ یہی چاہتی تھی کہ ٹرک دائیں جانب ہی مڑے...... اس کو یاد تھا کہ جب اسے شیر خان اور گل خان بند جیپ میں بٹھا کر سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کی طرف لے کر گئے تھے تو جیپ ہوسٹل سے نکل کر پہلے دائیں طرف مڑی تھی اور اس کے چھ سات منٹ کے بعد پھر دائیں جانب مڑ گئی تھی...... اس کے آگے جو نشانی اسے یاد تھی وہ ریلوے پھاٹک تھا، مگر یہ یقین سے وہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ ٹرک آگے جاکر بھی دائیں جانب مڑے گا...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ٹرک آگے نکل جائے...... اگر آگے نکل گیا تو خدا جانے وہ کہاں جاکر ٹھہرے اور ٹرک کی رفتار تیز ہو جائے اور وہ اتر نہ سکے، کہاں کی کہاں نکل جائے اور راستہ بھی بھول جائے، کیونکہ وہ اس شہر کی رہنے والی نہیں تھی...... ٹرک کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی...... اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوسٹل کے سامنے سے گزرنے والی سڑک چھوٹی اور غیر ہموار تھی، جب ٹرک ہوسٹل سے کافی آگے نکل آیا اور رام دُلاری کو یقین ہو گیا کہ وہ ہوسٹل کے باہر اس کی نگرانی کرنے والے جاسوسوں کی زد سے نکل آئی ہے تو وہ کپوں کے پیچھے سے نکل کر ٹرک کے پچھلے حصے میں آگئی۔

صبح کا نور نمودار ہو رہا تھا...... سڑک دور تک خالی تھی اور ٹرک سڑک کے کھڈوں پر ہلکے ہلکے دھچکے کھاتا گزر رہا تھا...... اس کی رفتار زیادہ نہیں تھی...... ٹرک کا عقبی حصہ کھلا تھا...... وہ بڑے غور سے سڑک کی بائیں جانب دیکھ رہی تھی...... اس کا خیال تھا کہ شاید ٹرک اگلے موڑ پر دائیں جانب مڑ جائے، لیکن ایسا نہ ہوا...... سڑک پر

سے ایک چھوٹی سڑک نکل کر اسے اپنی بائیں جانب جاتی نظر آئی...... ٹرک اس طرف
جانے کے بجائے دوسری جانب مڑ گیا...... جیسے ہی ٹرک نے دوسری جانب موڑ کاٹا،
اس کی رفتار اور دھیمی ہو گئی...... رام دُلاری نے ٹرک کے پچھلے حصے میں لٹکتی رسی کو
پکڑا اور ٹرک میں سے باہر سڑک کنارے کی جھاڑیوں میں کود گئی...... گرتے ہی
جھاڑیوں میں اس نے دو تین لڑھکنیاں کھائیں اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی...... یہ
سڑک بھی پچھلے پہر کے دھندلکے میں خالی تھی...... وہ اٹھی اور سڑک پر اس جگہ آ گئی
جہاں سے سڑک دائیں جانب دوسرا موڑ کاٹتی تھی...... اسے اس طرف جانا تھا شاید شیر
خان کی جیپ اسی طرف گھومی تھی...... وہ چھوٹی کچی سڑک پر آگے چل پڑی...... وہ
چادر لپیٹے سڑک کے کنارے کنارے تیز قدموں سے چلی جا رہی تھی...... وہ دھڑکتے
ہوئے دل کے ساتھ اس انتظار میں تھی کہ آگے ریلوے پھاٹک آتا ہے یا نہیں، کیونکہ
جب اسے بند جیپ میں بیٹھا کر لے جایا گیا تو سڑک کا دوسرا موڑ گھومنے کے دس پندرہ
منٹ کے بعد ریلوے پھاٹک آ گیا تھا...... یہی اس کا ثبوت تھا کہ وہ ٹھیک راستے پر چل
رہی ہے...... اس کی دونوں جانب کھیت بھی تھے اور دُور دُور شہر کی آبادی کے مکان
بھی دن کے اُبھرتے ہوئے اُجالے میں نظر آنا شروع ہو گئے تھے...... وہ کوئی آدھا گھنٹہ
چلتی رہی ہو گی کہ آخر اسے کچھ فاصلے پر ریلوے کا پھاٹک نظر آ گیا۔

خوش ہو کر رام دُلاری نے اپنی رفتار تیز کر دی...... ایک ٹرک اور ایک رکشا اس
کی مخالف سمت سے آتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا...... صبح ہو رہی تھی اور شہر کی
سڑکوں کی ٹریفک بیدار ہونے لگی تھی...... وہ ریلوے پھاٹک عبور کر کے آگے بڑھی تو
سڑک ایک طرف گھوم گئی...... کچھ دُور جا کر دوسری طرف مڑ گئی...... ایک بس اس
کے پیچھے سے آئی اور آگے نکل گئی...... پھر اسے فضا میں تیز بو محسوس ہوئی...... یہ بو
اسے شیر خان وغیرہ کے ساتھ بند جیپ میں جاتے ہوئے بھی آئی تھی اور گل خان نے
اسے بتایا تھا کہ پتہ نہیں یہ بو کس چیز کی ہے، مگر یہاں سے گزرتے ہوئے اکثر آیا کرتی

ہے...... رام دُلاری کو اچھی طرح یاد تھا کہ یہ بو دو تین منٹ تک آتی رہی تھی...... اس
کے بعد بند ہو گئی تھی اور پھر بند جیپ دو تین جگہوں پر چھوٹے چھوٹے موڑ مڑنے کے
بعد ایک جگہ آ کر رک گئی تھی اور گل خان نے یہ کہہ کر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی
تھی کہ وہ سیکرٹ ہیلتھ سنٹر پہنچ گئے ہیں۔

یہاں آ کر رام دُلاری رُک گئی...... اس نے اپنے اِرد گرد نگاہ دوڑائی...... اب صبح
ہو گئی تھی اور سورج مشرق میں درختوں اور مکانوں کے پیچھے سے طلوع ہو رہا تھا......
رام دُلاری کو یہ بھی یاد تھا کہ اس نے ہیلتھ سنٹر کے اس کمرے کی کھڑکی میں سے جہاں
جمنا داس زیر علاج بستر پر بے ہوش پڑا تھا، ذرا سے ہٹے ہوئے پردے میں سے دُور ایک
مسجد کا مخروطی مینار اور ٹرین گزرتی نظر آئی تھی۔

رام دُلاری کی تیز نگاہیں مسجد کے مینار کو تلاش کر رہی تھیں...... دن کی روشنی
چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی...... آخر اسے دُور ایک مینار نظر آ گیا...... وہ اس کی طرف
چل پڑی...... وہ کھیتوں میں سے گزر رہی تھی...... کچھ دُور چلنے کے بعد وہ کھیت کی اونچی
فصل سے نکلی تو سامنے زمین اونچی تھی اور کسی بند کی طرح مغرب سے مشرق کی
طرف جا رہی تھی...... وہ اس کی چڑھائی چڑھ کر اوپر آئی تو دیکھا کہ وہ ریلوے لائن
تھی...... اس نے دوسری جانب نگاہ اٹھائی...... اسے مسجد کا مخروطی مینار صاف دکھائی
دے رہا تھا...... اس نے گھوم کر اپنی بائیں جانب دیکھا...... ہیلتھ سنٹر کی عمارت اسی
طرف ہونی چاہئے تھی...... کچھ فاصلے پر اسے درختوں کا جھنڈ دکھائی دیا...... اس کے
اندر سے کسی مکان کی دیوار نظر آ رہی تھی۔

وہ اس کی طرف چلنے لگی...... اسے یقین ہو گیا کہ یہی وہ سیکرٹ ہیلتھ سنٹر ہے
جہاں اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے لایا گیا تھا...... چلتے چلتے وہ درختوں کے
درمیان آ گئی...... اب اس کے سامنے ایک پرانی سی اک منزلہ عمارت کھڑی تھی جس
کے باہر کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا...... عمارت کا دروازہ بند تھا...... رام دُلاری

دروازے کی طرف بڑھی...... اس نے دروازے کو ذرا سا کھول کر اندر جھانک کر دیکھا...... سب سے پہلے اسے ڈیٹول اور دوائیوں کی بو آئی...... اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا...... وہ اپنے ٹارگٹ پر پہنچ گئی تھی...... یہی وہ ہیلتھ سنٹر تھا جہاں اسے آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ کر لایا گیا تھا...... وہ اندر داخل ہو گئی...... یہ ایک راہ داری سی تھی...... ایک بوڑھی عورت جو نوکرانی معلوم ہوتی تھی دونوں ہاتھوں میں ایک تسلا پکڑے سامنے سے آ رہی تھی...... رام دُلاری خاموشی سے اس کے قریب سے گزر گئی...... اس کے بعد جمنا داس کے کمرے کی جو سب سے بڑی نشانی تھی وہ یہ تھی کہ اس کے کمرے کے باہر ایک پولیس کمانڈو پہرہ دے رہا تھا...... جب وہ موڑ گھوم کر راہ داری کی دوسری جانب آئی تو اس نے اس راہ داری کو پہچان لیا...... اس کی آنکھوں سے پٹی اتارنے کے بعد اس راہ داری سے جمنا داس دہشت گرد کے کمرے میں لے جایا گیا تھا...... اسے یاد تھا کہ یہاں آمنے سامنے تین چار کمرے ہی تھے اور ایک کمرے کے باہر جو دہشت گرد کا کمرہ ہی تھا پولیس کا کمانڈو سٹین گن پکڑے سٹول پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا اور جو شیر خان وغیرہ کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

رام دُلاری نے دیکھا کہ ایک کمرے کے باہر سٹول ضرور پڑا تھا مگر پہرہ دینے والا پولیس کمانڈو غائب تھا...... وہ بڑی حیران ہوئی کہ پولیس کمانڈو وہاں کیوں نہیں ہے...... جمنا داس ایک خطرناک بھارتی دہشت گرد تھا اور اس خفیہ ہیلتھ سنٹر میں اسے زبردست پہرے میں رکھا گیا تھا، مگر شاید رام دُلاری کی قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی...... پولیس کمانڈو اس وقت تھوڑی دیر کے لئے باتھ روم چلا گیا تھا...... رام دُلاری کے سامنے میدان صاف تھا...... راہ داری خالی پڑی تھی...... رام دُلاری اس کمرے کی طرف بڑھی جس کے باہر خالی سٹول پڑا تھا...... کونے والے کمرے سے ایک نرس نکلی اور تیز تیز قدموں سے اس کے قریب سے گزر گئی...... اس نے رام دُلاری کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی...... رام دُلاری کے پاس اب کسی کی طرف توجہ دینے کے لئے

وقت نہیں تھا...... اسے اب جتنی جلدی ہو سکے وہ کام کر ڈالنا تھا جس کے لئے وہ اتنا بڑا خطرہ مول لے کر وہاں تک پہنچی تھی...... اسے یہ بھی احساس تھا کہ باہر پہرہ دینے والا پولیس کمانڈو کسی بھی وقت نمودار ہو سکتا ہے...... وہ دہشت گرد جمنا داس کے کمرے کا دروازہ کھول کر چپکے سے اندر داخل ہو گئی...... اس نے دیکھا کہ بستر پر جمنا داس اسی طرح پٹیوں میں بندھا بے سدھ پڑا تھا...... یا وہ سو رہا تھا...... یا بے ہوش تھا...... وہ کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا...... اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اسے اسی طرح ڈرپ اور آکسیجن لگی ہوئی تھی...... اس کے سینے تک کمبل پڑا تھا...... اندر آتے ہی رام دُلاری نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر زہریلے انجکشن کا سرنج نکال لیا تھا...... اب ایک ایک سیکنڈ قیمتی...... بے حد قیمتی تھا...... رام دُلاری اب ایک تجربہ کار تربیت یافتہ دہشت گرد بن چکی تھی جنہیں یہ بتایا جاتا تھا اور ہدایت کی جاتی تھی کہ اپنے مشن کی کامیابی اور اپنے گروہ کو پکڑے جانے سے بچانے کے لئے اگر انہیں کسی اپنے ہی ساتھی کو ہلاک کرنا پڑے تو اسے فوراً موت کی نیند سلا دیا جائے...... رام دُلاری نے جمنا داس کے پلنگ کے پاس جاتے ہی اس کے بازو پر سے تھوڑا سا کمبل ہٹا دیا...... نیچے اس کا بازو ننگا تھا...... زہریلا سرنج رام دُلاری کے ہاتھ میں تھا...... اس نے فوراً سرنج کی سوئی جمنا داس کے بازو میں چبھوئی اور سارے کا سارا زہر اس کے جسم میں داخل کر دیا...... جمنا داس کے حلق سے ہلکی سی کراہ کی آواز نکلی...... رام دُلاری نے سرنج وہیں پلنگ کے نیچے پھینکی اور پلٹ کر دروازے کے پاس آ کر اس کا ایک پٹ ذرا سا کھول کر باہر دیکھا...... باہر کوئی نہیں تھا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے...... وہ جلدی سے باہر نکل آئی اور چادر کو جسم کے گرد اچھی طرح سے لپیٹتی ہوئی راہ داری میں جس طرف سے آئی تھی اس طرف چلنے لگی...... جہاں راہ داری کا موڑ مڑتا تھا وہ وہاں آئی تو اچانک سامنے سے وہی پولیس کمانڈو نمودار ہوا جو جمنا داس کے کمرے کے باہر اس روز

بھی پہرہ دے رہا تھا...... اس کے ہاتھ میں سٹین گن تھی...... اس نے رام دُلاری پر ایک گہری نگاہ ڈالی، مگر رام دُلاری نے اپنے حواس کو اپنے کنٹرول میں رکھا اور اس کے قریب سے گزر گئی...... پولیس کمانڈو نے رام دُلاری کو پہچان لیا تھا کہ یہ وہی عورت ہے جو دو ایک روز پہلے کمانڈر شیر خان اور گل خان کے ساتھ آئی تھی...... قدرتی طور پر وہ یہی سمجھا کہ یہ ان لوگوں کی اپنی جاننے والی عورت ہے...... اس نے بھی رام دُلاری سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی اور خاموشی سے چلتا زخمی دہشت گرد کے کمرے کے باہر آکر سٹول پر بیٹھ گیا...... پھر اچانک وہ اٹھا...... اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانک کر دیکھا...... دہشت گرد اسی طرح بستر پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا...... وہ مطمئن ہو کر واپس سٹول پر آکر بیٹھ گیا۔

اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ جس بھارتی دہشت گرد کی جان کی حفاظت کی خاطر وہ وہاں پہرہ دے رہا ہے وہ مر چکا ہے۔

رام دُلاری کا مشن پورا ہو چکا تھا...... وہ جلدی جلدی ہیلتھ سنٹر کی عمارت سے نکل کر ریلوے لائن کی طرف چلنے لگی...... ریلوے لائن کو پار کر کے دوسری طرف کھیتوں میں آگئی...... وہ کھیتوں میں سے بھی گزر گئی...... پھر ریلوے پھاٹک آگیا...... کوئی گاڑی آرہی تھی...... پھاٹک بند تھا اور پھاٹک کی دونوں جانب کچھ گاڑیاں اور رکشا وغیرہ کھڑے تھے...... پیدل چلنے والے ابھی تک ریل کی پٹڑی پر سے گزر رہے تھے...... وہ بھی پھاٹک کے چھوٹے دروازے میں سے ہو کر ریلوے لائن پر سے گزر کر پھاٹک کی دوسری طرف آکر سڑک کے کنارے کنارے شہر کی طرف روانہ ہو گئی...... اب اسے کسی رکشا ٹیکسی کی ضرورت تھی...... اسے واپس مکند لال کے پاس اپنے خفیہ ٹھکانے پر جانا تھا اور اسے جا کر یہ خوش خبری سنانی تھی کہ اس نے وہ کام کر دیا ہے جس کے لئے اسے زہریلا سرنج دے کر بھیجا گیا تھا۔

رام دُلاری چلتے چلتے سڑک کے پیچھے بھی دیکھ لیتی تھی کہ شاید کوئی خالی رکشا ٹیکسی آرہی ہو...... کافی آگے جا کر سڑک کے موڑ پر اسے ایک خالی رکشا مل گیا...... وہ رکشے میں بیٹھ گئی اور ڈرائیور کو ایک خاص جگہ چلنے کے لئے کہا...... رکشا اس طرف روانہ ہو گیا...... رکشا شہر کی آبادی کے باہر نکل چکا تھا اور ابھی تک پوری رفتار سے جا رہا تھا...... آخر وہ جگہ آگئی جہاں رام دُلاری نے رکشے والے کو چلنے کے لئے کہا تھا...... اس نے رکشا رکوا کر اسے پیسے دیئے اور پیدل ہی ایک نہر کے کنارے چل پڑی...... کافی آگے جا کر درختوں کا ایک گھنا ذخیرہ آگیا...... وہ اس میں داخل ہو گئی اور وہاں سے بھی گزرنے کے بعد اس ویران کھنڈر کی طرف چل پڑی جو کچھ فاصلے پر اجاڑ میدان میں مٹی کے ایک بہت بڑے ٹیلے کے عقب میں واقع تھا اور جس کے ایک تہہ خانے میں ان بھارتی دہشت گردوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔

ایک بھارتی دہشت گرد مسلمان فقیر کے بھیس میں کھنڈر کے قریب ہی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا...... اس نے رام دُلاری کو پہچان لیا تھا...... رام دُلاری بھی اسے پہچانتی تھی...... وہ اس کے قریب سے گزر گئی...... جب وہ پرانے تاریخی کھنڈر میں اس جگہ آئی جہاں سے کھنڈر کے اندر دیوار کے شگاف میں سے راستہ جاتا تھا تو وہاں ایک اور دہشت گرد جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا تھا...... رام دُلاری نے اسے اور اس دہشت گرد نے جو پہرہ دے رہا تھا...... ایک دوسرے کو دیکھ لیا تھا...... رام دُلاری کھنڈر میں داخل ہونے کے بعد نیچے تہہ خانے میں آئی تو وہاں ان کی پارٹی کا سرغنہ مکند لال موجود تھا...... اس کے پاس ہی دہشت گرد رامو بھی بیٹھا تھا...... دُلاری کو اپنے سامنے دیکھ کر مکند لال نے پہلا سوال یہ کیا۔

"اسے ٹھکانے لگایا کہ نہیں؟"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"اگر تمہارے دیئے ہوئے انجکشن کا زہر اصلی تھا تو جمنا داس مر چکا ہے"۔

مکند لال نے رام دُلاری کو شاباش دیتے ہوئے کہا۔

"دُلاری! تم نے ہم سب کو آنے والی مصیبت سے بچالیا ہے...... مجھے جمنا داس پر بھروسہ نہیں تھا...... وہ ایک تجربہ کار اور اپنے کام کا ماہر ضرور تھا مگر مجھے معلوم ہے کہ وہ تشدد برداشت نہیں کر سکتا تھا"۔

دہشت گرد رامو کہنے لگا۔

"جن لوگوں کے پاس تم نے اتنا وقت گزارا ہے ان کے ہمارے خلاف منصوبوں کے بارے میں تمہیں کچھ معلومات ملی ہیں یا نہیں"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"وہ لوگ اگر آپس میں انگریزی میں بھی کوئی بات کرتے تھے تو اس بارے میں میرے سامنے کوئی ایسا ذکر نہیں کرتے تھے کہ وہ ہمارے خلاف کیا کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں...... میں جتنا کرید سکتی تھی کرید کر ان سے پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے یہی کہا کہ ہمیں اوپر سے جو حکم ملے گا اس کے مطابق ایکشن لیں گے...... ہم اپنے طور پر کچھ نہیں کرتے"۔

مکند لال کہنے لگا۔

"جمنا داس کی موت کے بعد جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ تم بھی ہوسٹل سے غائب ہو گئی ہو تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اس قتل میں تمہارا ہاتھ ہے اور تم مسلمان حشمت بی بی کے بھیس میں صرف جمنا داس کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے ان کے پاس آئی ہوئی تھیں اور انٹیلی جنس تمہاری تلاش میں سارے شہر میں پھیل جائے گی...... اس لئے تمہیں کچھ دنوں کے لئے یہاں سے باہر نہیں نکلنا چاہئے"۔

دہشت گرد رامو نے کہا۔

"کیوں نہ ہم رام دُلاری کو اپنے راولپنڈی والے خفیہ ٹھکانے پر پہنچا دیں"۔

مکند لال بولا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے...... رام دُلاری کو بقول اس کے صرف شیر خان اور

اسکے ساتھی کمانڈو گل خان نے ہی غور سے دیکھا ہے...... یا پھر گرلز ہوسٹل کی عورت تھی اور یا ان کا کمانڈنگ افسر جس نے اسے دیکھا ہوا ہے...... اگر رام دُلاری یہاں کچھ دنوں کے بعد برقعہ پہن کر باہر نکلتی ہے تو یہ سی آئی ڈی والوں سے محفوظ ہو جائے گی...... ویسے بھی انٹیلی جنس والے رام دُلاری کی شکل سے ناواقف ہیں...... ان کے پاس رام دُلاری کی کوئی تصویر بھی نہیں ہے جسے وہ دوسرے شہروں کی پولیس کو سپلائی کریں یا اخباروں میں شائع کرائیں"۔

دہشت گرد رامو نے دُلاری سے پوچھا۔

"کیوں دُلاری...... تمہاری کوئی فوٹو تو ان لوگوں نے نہیں اتاری تھی؟"۔

رام دُلاری سوچنے لگی...... پھر بولی۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے میری کوئی الگ فوٹو نہیں اتاری، لیکن اتنا یاد آتا ہے کہ ایک بار جب میں شیر خان اور گل خان کے ساتھ گرلز ہوسٹل کے ایک کمرے میں بیٹھی تھی تو ایک آدمی چھوٹے کیمرے سے ہماری تصویر اتار کر چلا گیا تھا اور کمانڈو شیر خان نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا"۔

مکند لال بولا۔

"بس...... یہاں تم ان سے مار کھا گئی ہو...... انہوں نے بہانے بہانے سے تمہاری تصویر اتروالی تھی...... اگرچہ اس وقت تک ان کو تم پر کسی قسم کا شک نہیں پڑا تھا، لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ ان پولیس کمانڈوز کی ضابطے کی کارروائی کا ایک حصہ ہوتا ہے...... اب وہ اس گروپ فوٹو میں سے تمہاری تصویر کو انلارج کروا کر پاکستان کے ہر صوبے کے تھانوں میں تقسیم کر دیں گے اور ممکن ہے کہ تمہاری تصویر اخباروں میں بھی آجائے...... اب تمہیں برقعہ پہن کر بھی باہر نکلنے سے گریز کرنا ہوگا"۔

رامو نے کہا۔

"لیکن باس! ہم یہاں بند ہو کر بھی تو نہیں رہ سکتے...... ابھی ہمارے سامنے بہت

کام ہے...... ہمیں شہر کے سب سے بڑے ریلوے پل کو بھی بم سے اُڑانا ہے“۔

مکند لال بولا۔

”جمناداس کی موت کے بعد شہر کی ساری پولیس بھی چوکس ہو گئی ہو گی...... ہمیں کچھ روز انتظار کرنا پڑے گا“۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کمانڈو شیر خان اور گل خان کی کمانڈو تنظیم کے ضابطے کی کارروائی تھی کہ انہوں نے رام دُلاری کی اپنے ساتھ ایک گروپ فوٹو اتروالی تھی، حالانکہ انہیں اس وقت تک قطعی طور پر علم نہیں تھا کہ یہ عورت جو حشمت بی بی کے روپ میں ان کے سامنے بیٹھی ہے، حقیقت میں بھارت کی ایک نہایت عیار دہشت گرد عورت ہے اور اس کا اصلی نام رام دُلاری ہے“۔

تنظیم کے ہیلتھ سنٹر میں زیر علاج دہشت گرد جمناداس کی موت کا علم تھوڑی دیر بعد ہی ہو گیا تھا...... جب رام دُلاری اس کو زہریلا انجکشن لگا کر جا چکی تھی تو اس کے دس پندرہ منٹ بعد ہی ڈیوٹی نرس معمول کی چیک اپ کے لئے جمناداس کے کمرے میں آئی...... اس نے دیکھا کہ دہشت گرد کی ناک سے خون رس رہا ہے اور خون کا رنگ سیاہ ہے...... اس نے گھبرا کر جمناداس کی نبض دیکھی...... نبض بند ہو چکی تھی...... اس نے اسی وقت ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کو بلا لیا...... ڈاکٹر نے آکر دہشت گرد کو چیک کیا تو حیران ہو کر نرس سے کہنے لگا۔

”اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی ہے“۔

”مگر ڈاکٹر“ نرس نے کہا...... یہاں تو کوئی بھی نہیں آیا...... میں چھ سات منٹ کے لئے ڈسپنسری میں گئی تھی...... اس وقت تک مریض زندہ تھا...... اگرچہ بے ہوش تھا...... ابھی واپس آکر دیکھا تو یہ مر چکا تھا اور ناک سے سیاہ خون جاری تھا“۔

ڈاکٹر نے کہا۔

”ہمیں ہیڈ کوارٹر فوراً خبر کرنی ہو گی“۔

”ڈاکٹر اس وقت باہر نکل گیا اور اس نے اپنے آفس میں جا کر تنظیم کے کمانڈنگ آفیسر کو فون پر بتایا کہ جس دہشت گرد کا یہاں علاج ہو رہا تھا مر گیا ہے اور میرے خیال میں موت زہر دینے کی وجہ سے ہوئی ہے...... کمانڈنگ آفیسر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”اسے کس نے زہر دیا؟ وہاں تو سوائے آپ لوگوں کے یا نوکروں کے کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے“۔

ڈاکٹر نے فون پر کہا۔

”سر! میں اپنے آفس میں تھا...... نرس کا کہنا ہے کہ وہ تین چار منٹ کے لئے ڈسپنسری میں گئی تھی“۔

”میں آرہا ہوں“۔

یہ کہہ کر کمانڈنگ آفیسر نے فون بند کر دیا اور اسی وقت کمانڈو شیر خان اور گل خان کو آفس میں بلوا کر بتایا کہ ہیلتھ سنٹر میں زیر علاج دہشت گرد مر گیا ہے اور ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ موت زہر دینے سے ہوئی ہے...... شیر خان اور گل خان حیران ہو کر رہ گئے۔

شیر خان نے کہا۔

”مگر سر! اسے کس نے زہر دیا ہو گا...... کمرے کے باہر تو چوبیس گھنٹے پہرہ لگا ہوتا ہے“۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

”یہ وہاں چل کر معلوم ہو گا...... میرے ساتھ آؤ“۔

اور وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ کر اسی وقت ہیلتھ سنٹر کی طرف روانہ ہو گئے...... ہیلتھ سنٹر میں دہشت گرد جمناداس کی لاش زہر کے اثر سے نیلی ہو گئی تھی...... کمانڈنگ آفیسر نے لاش کو دیکھنے کے بعد ڈاکٹر سے پوچھا۔

”کہیں اسے کسی سانپ نے تو نہیں کاٹا؟“۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"نہیں سر! یہ سانپ کا زہر نہیں ہے...... اسے انجکشن کے ذریعے زہر دیا گیا ہے"۔

اور ڈاکٹر نے وہ سرنج پلاسٹک کے لفافے میں سے نکال کر سی او کو دکھایا جو اسے پلنگ کے نیچے سے ملا تھا...... زہریلے سرنج کو سی او...... شیر خان اور گل خان نے غور سے دیکھا...... سی او نے شیر خان سے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کوئی باہر سے آیا تھا"۔

اسی وقت کمرے کے باہر پہرہ دینے والے سنتری کو اندر بلا لیا گیا...... کمانڈنگ آفیسر نے اس سے پوچھا کہ صبح سے لے کر اب تک ڈاکٹر...... نرس اور ہمارے علاوہ اور کون اس کمرے میں داخل ہوا تھا...... ڈیوٹی گارڈ نے سچ بولتے ہوئے کہا۔

"سر! میں تھوڑی دیر کے لئے باتھ روم گیا تھا...... واپس آ رہا تھا کہ مجھے ایک عورت راہ داری میں ملی تھی"۔

"وہ عورت کون تھی؟" سی او نے پوچھا۔

ڈیوٹی گارڈ نے کہا۔

"سر! یہ وہی عورت تھی جو دو روز پہلے آپ کے ساتھ اس کمرے میں آئی تھی"۔

کمانڈنگ آفیسر...... شیر خان اور گل خان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں...... شیر خان نے ڈیوٹی گارڈ سے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی عورت تھی؟" اس نے گہرے رنگ کی چادر لپیٹی ہوئی تھی سر! لیکن میں نے اسے پہچان لیا تھا"۔

کمانڈنگ آفیسر نے گل خان سے کہا۔

"فوراً گرلز ہوسٹل میں مسز انجم کو فون کر کے پوچھو کہ حشمت بی بی اپنے کمرے میں ہی ہے؟ اگر وہ کمرے میں ہی ہو تو اسے کہو کہ اسے ہوسٹل سے باہر نہ جانے دے"۔

گل خان اسی وقت باہر نکل گیا۔

کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان سے کہا۔

"اگر وہ عورت حشمت بی بی ہی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ دہشت گردوں کی ساتھی تھی اور ہم اس کے فریب میں آ گئے تھے"۔

اس کے بعد کمانڈنگ آفیسر نے ڈاکٹر سے کہا۔

"ڈاکٹر! لاش کے پوسٹ مارٹم میں کتنا وقت لگے گا"۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"تین چار گھنٹے تو لگ جائیں گے"۔

"ٹھیک ہے"...... کمانڈنگ آفیسر نے کہا...... "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہمیں فوراً مل جانی چاہئے...... دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ خبر اس ہیلتھ سنٹر سے باہر نہیں نکلنی چاہئے کہ بھارتی دہشت گرد مر گیا ہے"۔

اس نے ڈیوٹی گارڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم بھی سن لو...... تم اسی طرح کمرے کے باہر پہرہ دو گے اور دہشت گرد کی موت کا کسی حالت میں کسی سے بھی ذکر نہیں کرو گے"۔

"ٹھیک ہے صاحب! ہمیں افسوس ہے صاحب کہ ہماری وجہ سے یہ سب کچھ ہوا...... اگر میں اس وقت باتھ روم نہ جاتا تو وہ عورت کمرے میں داخل نہیں ہو سکتی تھی"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"اس سلسلے میں تمہارے ساتھ قانونی کارروائی ہو گی، لیکن آئندہ باتھ روم جاؤ تو یہاں کسی آدمی کو پہرے پر بٹھا کر جانا"۔

"ٹھیک ہے صاحب"۔

اور ڈیوٹی گارڈ باہر چلا گیا...... اس کے ساتھ ہی گل خان کمرے میں داخل ہوا...... اس نے کہا۔

"مسز انجم نے بتایا ہے کہ حشمت بی بی صبح ہی سے غائب ہے...... اس کا کمرہ خالی

پڑا ہے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان سے کہا۔

"ثابت ہو گیا ہے کہ حشمت بی بی دہشت گردوں کی ساتھی تھی اور وہ ہم سے ڈرامہ کر رہی تھی اور ہم اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے...... ہمیں شرم آنی چاہیئے"۔

اس کے فوراً بعد تینوں مجاہد کمانڈو گرلز ہوسٹل میں آ گئے...... ہوسٹل کے صدر دروازے کے باہر جو دو آدمی حشمت بی بی کی نگرانی کے لئے تعینات کئے گئے تھے انہیں فوراً بلوایا گیا...... جب ان سے حشمت بی بی کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ ہوسٹل سے نکل کر چلی گئی اور انہوں نے اس کا پیچھا کیوں نہیں کیا تو ان میں سے ایک سراغ رساں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم میں سے ایک آدمی یہاں ہر آٹھ گھنٹے کے بعد نگرانی پر موجود ہوتا ہے...... ہم نے اس عورت کو باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا...... یہ کیسے ہو سکتا ہے سر کہ عورت باہر نکلتی اور ہم اس کا پیچھا نہ کرتے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے انہیں کچھ نہ کہا اور مسز انجم کو ساتھ لے کر حشمت بی بی کے کمرے میں آ گئے...... کمرہ خالی تھا...... چیزوں کی تلاشی لی گئی...... الماری میں حشمت بی بی کے ایک پرانے جوڑے کے علاوہ وہاں اس کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے انہیں کوئی مفید معلومات ملتی...... کمانڈنگ آفیسر نے دونوں کمانڈو مجاہدوں کو ساتھ لیا اور اپنے ہیڈ کوارٹر کے آفس میں آ گئے...... وہاں آتے ہی انہوں نے اپنی سپیشل انٹیلی جنس کے چیف کو فون کر کے اپنے کمرے میں آنے کو کہا...... پانچ منٹ کے اندر اندر انٹیلی جنس چیف آ گیا۔

کمانڈنگ آفیسر نے اپنے میز کے دراز سے دو گروپ فوٹو نکال کر دکھائی جو گرلز ہوسٹل کے آفس کے ساتھ والے کمرے میں اس وقت اتاری گئی تھی جب شیر خان

اور گل خان حشمت بی بی عرف رام دُلاری سے باتیں کر رہے تھے...... کمانڈنگ آفیسر نے حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کی فوٹو پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"اس گروپ فوٹو میں سے اس عورت کی تصویر کو الگ کر کے اسے انلارج کروائیں اور اس کے بہت سے پرنٹ بنوالیں اور یہ فوٹو صوبے کے تمام پولیس سٹیشنوں پر پہنچا دی جائیں...... اپنی انٹیلی جنس کے عہدے داروں کو بھی اس کی ایک ایک کاپی دے کر شہر کے اہم ناکوں اور مقامات پر تعینات کر دیں اور انہیں ہدایت کر دیں کہ جہاں اس شکل صورت کی عورت نظر آئے اسے وہیں گرفتار کر لیا جائے"۔

انٹیلی جنس چیف گروپ فوٹو لے کر فوراً چلا گیا۔

شیر خان نے کمانڈنگ آفیسر سے کہا۔

"سر! یہ میری اور گل خان کی نااہلیت ہے کہ ہم اس عورت کو پہچان نہ سکے اور اس کے دھوکے میں آ گئے"۔

سی او نے کہا۔

"اس عورت نے جس عیاری سے یہ ڈرامہ کھیلا ہے اس سے کوئی بھی دھوکا کھا سکتا تھا"۔

گل خان کہنے لگا۔

"سر! جب اس عورت نے کاؤنٹر کے پیچھے سے روتے ہوئے ایک دم ہاتھ کھڑے کر دیئے اور کہا کہ میں مسلمان ہوں اور یہ ہندو کافر مجھے اغوا کر کے لائے ہیں تو ہم دھوکا کھا گئے"۔

سی او نے کہا۔

"ان باتوں کو چھوڑو...... اس وقت ہمارے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس عورت کو جو دہشت گردوں کی ساتھی ہے اور ہندو عورت ہے، اس کو جتنی جلدی ہو سکے پکڑنے کی کوشش کی جائے...... یہ سراغ لگایا جائے کہ وہ دہشت گرد کو زہریلا

انجکشن لگانے کے بعد ہیلتھ سنٹر سے نکل کر کہاں گئی تھی...... ظاہر ہے کہ اس کے ساتھی جنہوں نے اسے زہریلا انجکشن دیا تھا وہ اسی شہر میں کسی جگہ چھپے ہوئے ہیں...... اس سے پہلے کہ یہ لوگ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں ہمیں ان کے خفیہ ٹھکانے پر چھاپہ مار کر انہیں قابو کرنا ہوگا تم دونوں بھیس بدل کر شہر کے ان علاقوں کی طرف نکل جاؤ جہاں تمہارے خیال میں دہشت گردوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا ہوگا...... شہری آبادی میں ہم چھاپہ مار کر ان کے آدمی ہلاک کر چکے ہیں...... اب انہوں نے یقیناً شہر سے باہر کسی ویران جگہ پر اپنا خفیہ ٹھکانہ بنایا ہوگا...... تمہیں اپنے خاص کمانڈوز سویلین کپڑوں میں مسلح کر کے ساتھ لے جانے ہوں گے"۔

پھر سی او نے گل خان سے کہا۔

"تم شہر کے جنوبی علاقے میں جو ویران جگہیں ہیں اس طرف نکل جاؤ اور شیر خان تم شہر کے شمالی علاقے میں جاؤ گے...... ہمیں ہر حالت میں جتنی جلدی ہو سکے ان دہشت گردوں کے ٹھکانے کا سراغ لگا کر انہیں یا تو گرفتار کرنا ہے یا انہیں وہیں گولیوں سے بھون ڈالنا ہے...... جاؤ اور فوراً اپنا کام شروع کر دو"۔

شیر خان اور گل خان سلام کر کے اسی وقت کمرے سے نکل گئے...... کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ الگ الگ ہو کر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے...... گل خان نے دیہاتی آدمی کا بھیس بدلا...... اپنے ساتھ چار مسلح کمانڈو مجاہدوں کے بھی دیہاتی حلیے بنا کر ساتھ لیا اور جیپ میں بیٹھ کر شہر کے جنوبی علاقے کی طرف نکل گئے...... شیر خان نے بھی اپنے ساتھ چار آدمی لئے...... خود بھی دیہاتی آدمیوں کے کپڑے پہنے...... اپنے مجاہدوں کا بھی دیہاتی حلیہ بنایا اور بند جیپ میں سوار ہو کر شہر کے شمالی علاقے کی طرف چل پڑے...... بھرا ہوا پستول شیر خان نے اپنے لباس کے اندر چھپا لیا تھا...... چاروں کمانڈو مجاہدوں نے بھی بھری ہوئی ایک ایک سٹین گن اپنے لمبے دیہاتی کرتوں کے اندر چھپالی تھی...... اس کے علاوہ انہوں نے فالتو میگزین بھی جیپ کے

اندر رکھ لئے تھے۔

شیر خان کو اندازہ تھا کہ دہشت گرد عام طور پر ویران علاقوں میں کس قسم کی جگہ اپنے خفیہ ٹھکانوں کے لئے پسند کرتے ہیں...... ایک گھنٹے کے اندر انہوں نے شہر کے دریا پار کا سارا اجاڑ اور غیر آباد علاقہ چھان مارا...... کئی جگہوں پر اتر کر انہوں نے لوگوں سے اپنے انداز میں پوچھا اور سراغ نکالنے کی کوشش کی مگر انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

اس دوران انٹیلی جنس چیف نے حشمت بی بی کا کلوز اپ گروپ فوٹو میں سے نکال کر اس کی ایک فوٹو کی پچاس ساٹھ کاپیاں بنوا کر ان میں سے بیس پچیس تصویریں اپنے خاص خفیہ سراغ رساں کو دے دی تھیں اور انہیں شہر کے باہر کے علاقوں میں فوری طور پر بھجوا دیا تھا...... یہ خفیہ سراغ رساں شیر خان اور گل خان کو اچھی طرح سے جانتے تھے اور شیر خان گل خان بھی اپنی انٹیلی جنس کے ان عہدے داروں سے واقف تھے...... شیر خان شمال مغربی علاقے میں اور گل خان دیہاتی حلیے میں اپنے کمانڈوز کے ساتھ شہر کے جنوب مشرقی علاقے کی چھان بین کر رہا تھا...... اتنے بڑے شہر میں ایک خاص عورت کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، لیکن جس انداز سے یہ لوگ سراغ رسانی کر رہے تھے اس میں اس بات کا امکان تھا کہ وہ دہشت گردوں کے ٹھکانے کا کھوج لگانے میں یا حشمت بی بی یعنی رام ڈلاری کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے...... یہ تجربہ کار اور تربیت یافتہ سراغ رساں کمانڈوز تھے اور بھارتی دہشت گردوں کی نفسیات کو جانتے تھے...... یہ ان دہشت گردوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر ان کا کھوج لگانے کی سر توڑ کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

شیر خان اور اس کی کمانڈو پارٹی کو حشمت بی بی عرف رام ڈلاری اور بھارتی دہشت گردوں کی تلاش میں نکلے ہوئے دن کا ایک بج گیا تھا...... انہوں نے اس دوران شہر کے نصف سے زیادہ شمالی علاقے کو چھان مارا تھا مگر ابھی تک انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی، لیکن انہوں نے اپنی تلاش جاری رکھی...... شیر خان کے ساتھ جیپ میں حسن علی

سراغ رساں کمانڈو دیہاتی کپڑوں میں بیٹھا تھا...... اس نے حسن علی سے کہا۔

"ہم سے ایک غلطی ہو گئی ہے...... ہمیں اس عورت کی فوٹو ساتھ لے کر نکلنا چاہئے تھا تاکہ کسی جگہ کسی کو دکھا کر پوچھ سکتے کہ اس شکل کی عورت یہاں سے گزری تھی یا نہیں"۔

حسن علی نے کہا۔

"سر! اس وقت تک اس عورت کی فوٹو کاپیاں اپنے ہیڈ کوارٹر میں آ چکی ہوں گی...... کیوں نہ ہم واپس ہیڈ کوارٹر جا کر ایک فوٹو کاپی لے آئیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"نہیں...... ہمیں تلاش کا کام جاری رکھنا چاہئے...... اللہ مالک ہے"۔

اور شیر خان نے شہر کے شمال مشرقی علاقے کی طرف جیپ کو موڑ دیا۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے بھارتی دہشت گردوں کے ویران کھنڈر والے خفیہ تہہ خانے میں آتے ہیں...... وہاں اس وقت تین بھارتی دہشت گرد یعنی رامو...... گنگو اور رام دُلاری اور ان کا لیڈر مکند لال موجود تھا اور شہر کے سب سے بڑے ریلوے پل کو اُڑانے کی سکیم تیار کر رہے تھے...... مکند لال ایک انتہائی طاقتور بم کی تاروں کو جوڑنے میں مصروف تھا...... اس نے رام دُلاری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے تمہیں پولیس کمانڈوز کے ہیڈ کوارٹر اور گرلز ہوسٹل کے علاقے کا ایک چکر ضرور لگانا چاہئے...... تم برقعہ اوڑھ کر جاؤ گی اور رامو تمہارے ساتھ ہو گا...... اس کی داڑھی مونچھیں مسلمانوں والی ہیں...... یہ دیہاتی لباس میں ہو گا...... تم لوگ پولیس کمانڈوز کے ہیڈ کوارٹر اور گرلز ہوسٹل کے آس پاس رہو گے...... اس کے علاوہ تم ہمارے اس ٹھکانے کے اِرد گرد کا بھی جائزہ لو گے اور معلوم کرو گے کہ جمنا داس کی موت اور تمہارا راز کھل جانے کے بعد پولیس اور پولیس کمانڈوز نے کہاں کہاں ناکے لگا رکھے ہیں...... تم اپنے کام کے ماہر ہو اور لوگوں کے ہجوم میں سے

بھی سی آئی ڈی والے کو پہچان سکتے ہو"۔

رام دُلاری کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے مجھے اتنی جلدی باہر نہیں نکلنا چاہئے...... شیر خان اور اس کے آدمیوں کو علم ہو گیا ہو گا کہ جمنا داس کو میں نے ہی حشمت بی بی بن کر ہلاک کیا ہے اور وہ بڑی سرگرمی سے مجھے تلاش کر رہے ہوں گے"۔

مکند لال نے کہا۔

"تو پھر کیا ہوا...... ہم لوگ اس قسم کے حالات سے نمٹنا جانتے ہیں...... تم بھی جانتی ہو...... ہم کل رات ریلوے پل کے نیچے یہ بم لگا کر اسے اُڑانے والے ہیں...... اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے اِرد گرد کے علاقے میں پولیس اور سی آئی ڈی والوں کی نقل و حرکت کیا ہے اور انہوں نے کہاں کہاں ناکہ بندی کر رکھی ہے...... بس تم اس وقت یہاں سے نکل جاؤ اور پورا کھوج لگا کر مجھے رپورٹ کرو"۔

رام دُلاری کا جی نہیں چاہتا تھا لیکن مکند لال ان کا لیڈر تھا...... وہ اس کے آگے انکار نہیں کر سکتی تھی...... دوسری کوٹھڑی میں جا کر رام دُلاری نے مسلمان دیہاتی عورتوں والا لمبا سفید برقعہ نکال کر پہنا...... رامو نے دیہاتی حلیہ بنا کر ہاتھ میں ڈانگ پکڑی اور اسی وقت ایک خفیہ راستے سے نکل کر دوسری طرف سے ہو کر شہر کی طرف چل پڑے۔

اِدھر رام دُلاری اور رامو خفیہ ٹھکانے سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوئے تو دوسری طرف اس وقت شیر خان اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ بند جیپ میں سوار شہر کے شمال مشرقی علاقے کی ایک ویران سی سڑک پر چلا جارہا تھا اور دونوں جانب اور سامنے کی جانب ایک ایک درخت...... ایک ایک شے کو گہری نظر سے دیکھ رہا تھا...... ایک جگہ درخت کے نیچے چائے کی ایک دکان تھی...... قریب ہی لاری کھڑی تھی...... لاری کے کچھ مسافر وہاں چائے پی رہے تھے...... شیر خان نے جیپ آہستہ کر دی...... جب وہ چائے کی دکان کے قریب سے گزرے تو حسن علی نے کہا۔

"سر! اپنا ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے"۔

"کہاں؟"۔

اور شیر خان نے جیپ روک دی...... حسن علی نے چائے کی دکان کی طرف اشارہ کیا...... شیر خان نے دیکھا کہ چائے کی دکان کے باہر سبز چولا پہنے ایک فقیر زمین پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اور چائے پیتے ہوئے لاری سے اترتے ہوئے مسافروں کو عقابی نگاہوں سے بھی دیکھ رہا تھا...... حسن علی نے کہا۔

"سر! یہ بشیر حسین سی آئی ڈی افسر ہے"۔

اب شیر خان نے بھی اسے پہچان لیا تھا...... اس نے حسن علی سے کہا۔

"سی او صاحب نے انٹیلی جنس چیف کو حشمت بی بی کی فوٹو کاپیاں تمام سی آئی ڈی

والوں کو دینے کا آرڈر کیا تھا...... ہو سکتا ہے اس کے پاس ایک فوٹو ہو...... تم جیپ میں ہی ٹھہرو میں بشیر حسین سے جا کر معلوم کرتا ہوں"۔

شیر خان نے جیپ ایک طرف کھڑی کر دی...... وہ جیپ سے اتر کر دیہاتی حلیے میں ہی سیدھا فقیر درویش کے بہروپ میں زمین پر بیٹھے بشیر حسین کے پاس جا کر بیٹھ گیا...... بشیر حسین نے دور ہی سے شیر خان کو پہچان لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ وہ بھی اپنی پارٹی کے ساتھ دہشت گرد عورت کی تلاش کی مہم پر نکلا ہوا ہے...... شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"بشیر حسین! تمہارے پاس بھارتی عورت کی فوٹو ہے؟"۔

"بشیر حسین نے بڑی رازداری سے کہا"۔

"ایک کاپی موجود ہے...... کیوں...... کیا بات ہے سر؟"۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں اس کی ضرورت ہے"۔

سی آئی ڈی آفیسر بشیر حسین نے دبی زبان میں کہا۔

"سر! میرے پاس ایک ہی کاپی ہے...... مجھے بھی اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم آگے جا رہے ہیں...... واپسی پر تمہیں فوٹو واپس کرتے جائیں گے"۔

شیر خان نے واپس جیپ میں آ کر حسن علی کو حشمت عرف رام دُلاری کی تصویر دکھائی اور کہا۔

"یہ وہ عورت ہے جس کی ہمیں تلاش ہے"۔

اور جیپ آگے بڑھا دی...... کچھ دور آگے گئے تو ان کی بائیں جانب اینٹوں کا ایک بھٹہ تھا جو ویران پڑا تھا...... بھٹے کے پیچھے بڑے درخت نظر آ رہے تھے...... حسن علی نے کہا۔

"سر! وہ درخت جو نظر آرہے ہیں یہ ٹاہلی کے درختوں کا ذخیرہ ہے...... اس کے پیچھے ایک اُجاڑ میدان ہے...... میرا خیال ہے...... اس ذخیرے میں چل کر دیکھنا چاہئے"۔

شیر خان کو حسن علی کی تجویز پسند آئی اور اس نے گاڑی کو درختوں کے ذخیرے کی طرف موڑ دیا...... عجیب اتفاق کی بات ہے کہ یہ وہی درختوں کا ذخیرہ تھا جہاں سے دو تین بار گزر کر رام دُلاری آتی جاتی رہی تھی اور اسی ذخیرے کے عقب میں جو اُجاڑ میدان تھا اس کے آخری کنارے پر وہ پراسرار ویران تاریخی کھنڈر تھا جس کے نیچے بھارتی دہشت گردوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔

ذخیرے کے کنارے پر پہنچ کر شیر خان نے جیپ روک دی اور حسن علی سے کہا۔

"تم گاڑی میں ہی بیٹھو...... میں اکیلا ذخیرے میں جاتا ہوں"۔

ذخیرے کے اندر گاڑی کے گزرنے کی جگہ بھی نہیں تھی...... ساتھ ساتھ درخت کھڑے تھے...... ان کے درمیان چھوٹی سی پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی...... شیر خان دیہاتی لباس میں اس پگ ڈنڈی پر چل پڑا...... وہ دائیں بائیں گہری نظروں سے دیکھتا جا رہا تھا...... ذخیرے میں کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا...... پگ ڈنڈی پر چلتے چلتے جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں ذخیرے کے درختوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا اور آگے اُجاڑ میدان شروع ہوتا تھا تو شیر خان کی نگاہ ایک بوڑھے پر پڑی جو ایک درخت کے نیچے کپڑا بچھائے بیٹھا اس میں سوکھی شاخیں اور پتے وغیرہ جمع کر رہا تھا۔

شیر خان نے قریب جا کر بوڑھے کو سلام کیا...... بوڑھے نے وعلیکم السلام کہہ کر شیر خان کی طرف چہرہ اٹھا کر دیکھا...... شیر خان اس کے پاس ہی بیٹھ گیا...... اس نے رام دُلاری کی فوٹو نکال کر اس بوڑھے کو دکھائی اور پوچھا۔

"بابا جی! اس عورت کو آپ نے کہیں دیکھا ہے...... یہ ہماری رشتے دار ہے...... اس کا دماغ ٹھیک نہیں، گھر سے نکل گی ہے...... ہمیں اس کی تلاش ہے"۔

بوڑھے نے تصویر کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"اس شکل کی عورت کو میں نے آج سویرے یہاں سے گزرتے دیکھا ہے"۔

شیر خان نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ کس طرف جا رہی تھی؟"۔

بوڑھے نے ویران میدان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس رڑے میدان کی طرف گئی تھی...... آگے پتہ نہیں مجھے کہاں چلی گئی"۔

شیر خان نے اُٹھتے ہوئے بوڑھے کا شکریہ ادا کر کے اسے سلام علیکم کہا اور تیز تیز قدموں سے جیپ میں واپس آگیا...... اس نے حسن علی سے کہا۔

"حسن علی! تھوڑا سا کھوج مل گیا ہے"۔

اور پھر جیپ سٹارٹ کر کے اسے ذخیرے کے ذرا آگے لے جا کر ایک طرف روک دیا اور حسن علی سے کہا۔

"اپنے آدمیوں کو لے آؤ...... جلدی"۔

حسن علی فوراً جیپ کے پیچھے چلا گیا...... شیر خان وہیں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان بیٹھ گیا...... دوسرے ہی لمحے اس کی پارٹی کے چاروں مجاہد کمانڈو جو سارے کے سارے دیہاتی لباس میں تھے جیپ سے کود کر دوڑتے ہوئے اپنے کمانڈر شیر خان کے پاس آکر بیٹھ گئے...... شیر خان نے کہا۔

"سنو جوانو! ہمیں ٹارگٹ کا سراغ مل گیا ہے...... وہ یہاں سے قریب ہی ہے...... تم میں سے ایک جوان جیپ میں ہی رہے گا اور ہمارے سگنل دینے پر موقع پر ہمارے پاس آجائے گا...... یہ سگنل فاختہ کی آواز میں ہوگا...... تم اس سے واقف ہو...... میں اور حسن علی آگے آگے جائیں گے...... تم تین جوان بکھر کر ہمارے پیچھے پیچھے آؤ گے"۔

اس کے فوراً بعد شیر خان اور حسن علی درختوں میں میدان کی طرف چلنے لگے...... کچھ فاصلہ ڈال کر تینوں مجاہد کمانڈو بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے......

ذخیرے میں سے نکلنے کے بعد سامنے ویران اُجاڑ میدان تھا۔

حسن علی نے کہا۔

"سر! ایک سیکنڈ رُکیں"۔

شیر خان وہیں رُک گیا...... انہیں رُکتا دیکھ کر ان کے پیچھے کچھ فاصلہ ڈال کر آنے والے تینوں کمانڈو مجاہد بھی رُک گئے...... حسن علی زمین کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا...... شیر خان بھی بیٹھ گیا...... زمین کی مٹی بھربھری تھی اور اس پر جوتیوں کے نشان تھے...... حسن علی بڑا ماہر کھوجی بھی تھا...... اس نے پاؤں کے ایک نشان پر انگلی رکھ کر کہا۔

"سر! یہ کسی عورت کی جوتی کے نشان ہیں...... یہ سامنے کی طرف جارہے ہیں اور اس طرف دیکھیں...... یہاں بھی اسی عورت کی جوتیوں کے نشان ہیں، مگر ان کا رُخ ذخیرے کی طرف ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ عورت میدان کی طرف سے آکر ذخیرے میں داخل ہوئی تھی اور پھر اس جگہ سے ذخیرے میں سے نکل کر میدان کی طرف گئی تھی"۔

حسن علی اٹھ کھڑا ہوا...... شیر خان بھی کھڑا ہوگیا...... حسن علی برابر جھک کر زمین کو دیکھ رہا تھا...... کہنے لگا۔

"سر! اس عورت کی جوتیوں کے نشان یہ دیکھیں آگے جارہے ہیں...... ممکن ہے یہ وہی عورت ہو جس کی ہمیں تلاش ہے اور جو بقول بوڑھے آدمی کے دن کے وقت ادھر سے گزری تھی"۔

شیر خان نے بھی جھک کر دیکھا...... زمین پر جوتوں کے دوسرے نشان بھی تھے مگر وہ نشان بڑی جوتیوں کے تھے...... حسن علی نے کہا۔

"عورت کی جوتیوں کے نشان چھوٹے ہیں"۔

اور وہ عورت کی جوتیوں کے نشان کے ساتھ ساتھ میدان میں آگے بڑھنے

لگے...... انہیں آگے بڑھتا دیکھ کر ان کے پیچھے آنے والی کمانڈو پارٹی بھی آگے چل پڑی...... میدان میں آنے کے بعد کمانڈو پارٹی کے تینوں جوان دائیں بائیں جانب اور زیادہ فاصلہ ڈال کر چل رہے تھے...... دور سے دیکھنے پر یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ دیہاتی اپنی اپنی راہ چلتے اپنے اپنے گاؤں کو جارہے ہیں...... عورت کی جوتیوں کے نشان میدان میں برابر آگے بڑھتے جارہے تھے...... آگے مٹی کا ایک ٹیلا آگیا...... وہاں سے جوتیوں کے نشان دائیں جانب مڑ گئے...... کمانڈو پارٹی بھی اسی جانب مڑ گئی...... ٹیلے سے نکل کر عورت کی جوتیوں کے نشان پھر سیدھے جانے لگے۔

یہاں آکر شیر خان نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر درختوں کے درمیان ایک عمارت اُبھری ہوئی ہے...... اس نے حسن علی کو وہ عمارت دکھائی...... یہ وہی ویران تاریخی کھنڈر تھا جس کے تہہ خانے میں دہشت گردوں کا خفیہ اڈہ تھا اور جہاں سے تھوڑی دیر پہلے رام دُلاری مسلمان عورت کا حلیہ بنا کر سفید برقعہ پہن کر اپنے دہشت گرد ساتھی رامو کے ساتھ نکلی تھی اور جہاں اس وقت مکند لال اور گنگو بیٹھے اپنا کام کر رہے تھے...... انہوں نے رات کو ریلوے پل کو اُڑانے کے واسطے ایک انتہائی خطرناک اور زبردست دھماکہ خیز بم تیار کر کے اسے ایک پرانے تھیلے میں ڈال کر کونے میں رکھ دیا تھا اور اب موم بتی کی روشنی میں ایک کاغذ پر بنے ہوئے پل کا نقشہ نکال کر دیکھ رہے تھے...... مکند لال کہہ رہا تھا۔

"ہمیں اس گندے نالے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ریلوے پل کے درمیان والے ستون کے پاس پہنچنا ہوگا"۔

ٹھیک اس وقت شیر خان اور حسن علی اپنی کمانڈو پارٹی کے ساتھ عورت کی جوتیوں کے نشان کی راہنمائی میں ان دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے...... جس عورت کی جوتیوں کے نشان پر یہ پارٹی آگے بڑھ رہی تھی وہ بھارتی دہشت گرد رام دُلاری ہی کی جوتیوں کے نشان تھے جو سیدھے پرانے تاریخی

کھنڈر کی طرف جا رہے تھے۔

کھنڈر سے ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلے پر آ کر شیر خان اور حسن علی بیٹھ گئے...... کے پیچھے آنے والے تینوں کمانڈو بھی وہیں بیٹھ گئے...... حسن علی نے پاؤں کے نش دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر! عورت کے پاؤں کے نشان سامنے والے کھنڈر کی طرف جار ہیں...... مجھے یقین ہے کہ یہ اسی عورت کے پاؤں کی جوتیوں کے نشان ہیں جس ہمیں تلاش ہے''۔

شیر خان نے کہا۔

''ٹھیک ہے...... ہم سامنے کی طرف سے کھنڈر میں جانے کی بجائے اس دائیں پہلو سے ہو کر جائیں گے''۔

اور دونوں اٹھ کر کھنڈر کی دائیں جانب سے ہو کر آگے بڑھے...... وہ کھنڈ عقب میں آ گئے...... دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی...... حسن عل جھک کر زمین کو دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

''سر! یہ دیکھیں اس عورت کے پاؤں کے نشان یہاں تک آ رہے ہیں اور سے آگے بائیں جانب کھنڈر کی طرف مڑ گئے ہیں...... اس کا مطلب ہے کہ وہ عق طرف سے کھنڈر میں داخل ہوئی ہو گی''۔

شیر خان نے گہری نظر سے تاریخی کھنڈر کی شکستہ عمارت کو دیکھا۔ صدیوں کی آسیبی خاموشی چھائی ہوئی تھی...... ان کے آس پاس کوئی انسان تو کی تک نظر نہیں آ رہا تھا...... شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

''حسن علی! پستول نہیں...... سٹین گنیں''۔

اس کے فوراً بعد دونوں نے اپنے لمبے دیہاتی کرتوں کے نیچے سے سٹی نکال لیں اور ذرا پرے پرے ہٹ کر کھنڈر کی عقبی دیوار والی جھاڑیون کی

بڑھے...... ان کے پیچھے پیچھے آنے والے تینوں مجاہدوں نے بھی اسلحہ نکال کر ہاتھوں میں لے لیا...... جھاڑیوں کے پاس جا کر شیر خان اور حسن علی ایک بار پھر بیٹھ گئے...... شیر خان نے سامنے اشارہ کیا...... سامنے کھنڈر کی عقبی دیوار میں وہی شگاف نظر آ رہا تھا جس میں سے گزر کر رام دُلاری اور دوسرے بھارتی دہشت گرد آتے جاتے تھے...... یہاں شیر خان نے اپنا منہ پیچھے کی طرف کر کے فاختہ کی آواز میں ذخیرے کے کنارے جیپ میں بیٹھے ہوئے کمانڈو کو سگنل دیا...... اس کمانڈو نے فاختہ کی آواز کے سگنل کو سنتے ہی جیپ سٹارٹ کی اور اسے آہستہ آہستہ چلاتا ویران میدان میں آگے بڑھا...... اس کو معلوم تھا کہ اس کی پارٹی اپنے کمانڈر کے ساتھ میدان میں کس طرف گئی ہے اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی پارٹی ٹارگٹ پر پہنچ گئی ہے اور اب اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ سٹین گنوں کے میگزین اور دستی بموں کا تھیلا لے کر ٹارگٹ پر جائے گا اور پارٹی کو ایمونیشن اور ہینڈ گرنیڈ پہنچائے گا...... اس کی وہاں کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی کیونکہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ٹارگٹ پر دشمن کی کتنی نفری چھپی ہوئی ہے۔

اس وقت شیر خان اور حسن علی اپنی کمانڈو پارٹی کے ساتھ دبے پاؤں کھنڈر کی دیوار کے شگاف میں سے گزر کر تاریخی عمارت کے صحن میں پہنچ چکے تھے...... صحن میں چند قدموں کے فاصلے پر ایک اور پرانی شکستہ دیوار کھڑی تھی جس کے آگے بہت گھنی جھاڑیاں تھیں...... اب کوئی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا...... شیر خان نے ان جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا اور آگے بڑھا...... جھاڑیوں کے پاس جا کر اس نے جھاڑیوں کو ایک جگہ سے ہٹایا تو ٹوٹی ہوئی شاخیں اس کے ہاتھ میں آ گئیں...... حسن علی نے بغیر آہٹ کئے اپنی طرف سے جھاڑیوں کو ہٹایا تو اس کے ہاتھ میں بھی بہت سی جھاڑیوں الگ ہو کر آ گئیں...... صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہاں دوسری جگہ سے جھاڑیاں کاٹ کر لائی گئی ہیں اور کسی خاص جگہ کو چھپانے کے لئے وہاں ڈالی گئی ہیں...... شیر خان اور حسن علی نے کچھ اور جھاڑیاں وہاں سے ہٹائیں تو ایک زینہ دکھائی دیا جو نیچے جاتا

تھا...... شیر خاں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پیچھے آنے والے تینوں کمانڈوز کو قریب بلالیا...... تینوں کمانڈو جھک کر دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے جھاڑی کے پاس پوزیشنیں سنبھال لیں۔

شیر خان نے زینے کے اوپر جھک کر کان لگا دیئے...... نیچے سے دو دہشت گردوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی...... شیر خان نے حسن علی کو اپنی دو انگلیاں کھڑی کر کے دکھائیں اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا...... چوتھا کمانڈو اس وقت کھنڈر کے صحن میں آکر ایک طرف پوزیشن لے کر بیٹھ گیا تھا...... اس کے پاس ہینڈ گرنیڈ بھی تھے اور لکڑی کے چھوٹے بکس میں میگزین بھی تھا...... وہ اپنے سامنے کمانڈر شیر خان اور حسن علی کو تہہ خانے میں اترتے اور تہہ خانے کے باہر دونوں جانب اپنے تینوں جوانوں کو پوزیشن میں بیٹھا دیکھ رہا تھا...... شیر خان بڑی احتیاط کے ساتھ زینے پر پاؤں رکھ کر نیچے اتر رہا تھا...... حسن علی اس طرح پیچھے تھا کہ اس نے سٹین گن کا رُخ شیر خان کے کندھے کے اوپر سے سامنے کی جانب کیا ہوا تھا...... آدھا زینہ دبے دبے پاؤں کے ساتھ اترنے کے بعد باقی کی سیڑھیاں طوفان کی طرح تیزی سے اترنے کے بعد شیر خان اور حسن علی سٹین گن تان کر ایک دم تہہ خانے میں آگئے اور شیر خان نے چلا کر کہا۔

"ہاتھ اوپر اٹھالو"۔

اس وقت دہشت گرد گنگو اور ان کا سرغنہ مکند لال اپنی اپنی سٹین گنیں گھٹنوں پر رکھے دری پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے...... جیسے ہی ان دونوں کو کسی کے جلدی جلدی سیڑھیاں اترنے کی آواز آئی انہوں نے اسی وقت اپنی گنیں اٹھا کر ان کا رخ زینے کی طرف کر دیا تھا اور پھر جونہی شیر خان اور حسن علی ان کے سامنے آئے انہوں نے فائرنگ شروع کر دی...... دونوں کمانڈو اس اچانک حملے کے لئے پوری طرح تیار تھے...... وہ جانتے تھے کہ بھارتی دہشت گرد انہیں دیکھتے ہی فائر کھول دیں گے، چنانچہ

دونوں دہشت گردوں کے ہاتھوں میں سٹین گنیں دیکھتے ہی دونوں کمانڈو ایک سیکنڈ میں نیچے جھک گئے تھے...... اصل میں شیر خان ان دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا کہ ان سے مزید معلومات حاصل کی جا سکیں، لیکن دشمن نے انہیں اس کی مہلت نہیں دی تھی...... دونوں مجاہد دشمن کی فائرنگ کی زد میں تھے...... اگر وہ جوابی فائر نہیں کرتے تو ان کی موت یقینی تھی...... یہ بالکل آمنے سامنے کا مقابلہ تھا، چنانچہ نیچے جھکتے ہی شیر خان اور حسن علی نے ایک ساتھ فائر کھول دیا اور ان کی سٹین گنوں کے اوپر تلے چھ سات برسٹ دہشت گرد گنگو اور مکند لال کے سینے اور پیٹ میں سے گزر گئے...... دونوں وہیں ڈھیر ہو گئے۔

شیر خان نے اپنی سٹین گن نیچے کرتے ہوئے افسوس کے ساتھ حسن علی سے کہا۔

"دہشت گرد کو زندہ پکڑنے کا یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا"

دوسرے تینوں کمانڈو بھی سیڑھیوں پر سے چھلانگیں لگا کر اترتے ہوئے نیچے تہہ خانے میں آگئے تھے...... حسن علی نے دہشت گردوں کی لاشوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی ابھی زندہ ہو"۔

اس نے اور شیر خان نے دہشت گردوں کی نبض دیکھی...... دونوں مر چکے تھے...... انہوں نے تہہ خانے کی تلاشی لی...... کونے میں ایک تھیلا رکھا ہوا تھا...... شیر خان نے بڑی احتیاط سے تھیلے کو کھولا...... اس میں وہ بم تھا جسے آج رات ان دہشت گردوں نے شہر کے سب سے بڑے ریلوے پل کے ستون کے ساتھ لگا کر اسے ریموٹ سے اُڑانا تھا...... اس نے اپنے ایک جوان کو بم والا تھیلا دیتے ہوئے کہا۔

اسے بڑی احتیاط سے لے جا کر باہر جیپ میں رکھ دو۔

مزید تلاشی کے بعد دوسری کوٹھڑی میں سے بھیس بدلنے والا سامان، نقلی داڑھیاں، ایک مسلمان عورتوں کے پہننے والا کالا برقع اور ایک ڈبے میں سے پاکستانی

کرنسی کے ہزار ہزار، پانچ پانچ سو اور سو سو کے بہت سے نوٹ ملے...... کچھ پستول اور چار سٹین گنیں بھی ملیں...... یہ سارا سامان باہر کھڑی جیپ میں رکھ دیا گیا...... شیر خان کہنے لگا۔

"افسوس کہ ہمیں وہ عورت نہیں مل سکی جس نے اپنے ساتھی دہشت گرد کو زہریلا انجکشن لگا کر ہلاک کیا تھا اور جو حشمت بی بی کے بہروپ میں ہمیں بے وقوف بناتی رہی تھی"۔

حسن علی کہنے لگا۔

"اس کی جوتیوں کے نشان تو اسی تہہ خانے کی طرف آتے تھے...... ہو سکتا ہے وہ ہمارے آنے سے پہلے یہاں سے جا چکی ہو"۔

"ایسا ہی لگتا ہے" شیر خان نے کہا۔

دونوں دہشت گردوں گنگو اور مکند لال کی لاشیں بھی الگ الگ چادروں میں لپیٹ کر جیپ میں ڈال دی گئی تھیں...... شیر خان نے تہہ خانے میں اترنے والے زینے کو اسی طرح جھاڑیاں ڈال کر چھپا دیا اور یہ پارٹی واپس اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گئی...... اس وقت دن ڈھلنا شروع ہو گیا تھا...... گل خان اپنی پارٹی کے ساتھ ناکام ہو کر واپس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر کمانڈنگ آفیسر کو اپنی رپورٹ دے چکا تھا...... ا کے کچھ دیر بعد شیر خان اور حسن علی دہشت گردوں کی لاشیں اور وہاں سے برآ ہونے والا اسلحہ اور بم کا تھیلا لے کر پہنچ گئے...... ان کے مشن کی کامیابی پر سی صاحب نے انہیں مبارک باد دی اور حشمت بی بی عرف رام دُلاری کے بارے پوچھا تو شیر خان بولا۔

"سر! مجھے دو باتوں کا افسوس رہے گا...... پہلی بات تو یہ کہ ہم دونوں میں سے ایک دہشت گرد کو بھی زندہ نہیں پکڑ سکے...... دوسری یہ کہ ہم اس مکار بھارتی دہشت گرد عورت کو بھی گرفتار نہیں کر سکے جس کی ہمیں تلاش تھی...... شاید وہ ہمارے

سے پہلے ہی وہاں سے کہیں جا چکی تھی"۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

"اگر وہ اسی شہر میں ہے تو ہماری انٹیلی جنس کے آدمیوں اور پولیس کے ہاتھوں بچ نہیں سکے گی...... ہم نے اس کی فوٹو کا اشتہار انعام کی رقم کے ساتھ اخبارات کے دفتر میں پہنچا دیا ہے...... کل کے اخباروں میں یہ اشتہار اس عورت کی تصویر کے ساتھ چھپ جائے گا اور کہیں نہ کہیں سے وہ ضرور پکڑی جائے گی"۔

"سر! یہ بھارتی دہشت گرد ہندو عورت "را" کی تربیت یافتہ لگتی ہے...... بڑی عیار ہے...... اخباروں میں اپنی فوٹو والا اشتہار دیکھنے کے بعد وہ ضرور برقعہ اوڑھ کر باہر نکلے گی"۔

کمانڈنگ آفیسر کہنے لگا۔

"کوئی بات نہیں...... ہم اس کا توڑ بھی ڈھونڈھ لیں گے"۔

پھر کچھ سوچ کر کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان سے کہا۔

"تمہیں ایک کام کرنا ہے...... پنڈی سے ہماری تنظیم کے چیف کا مجھے پیغام ملا ہے کہ وہ کسی بڑی اہم خفیہ رپورٹ کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں...... یہ رپورٹ وہ نہ ہمیں لکھ کر بھیج سکتے ہیں نہ فون پر بتا سکتے ہیں...... میں چاہتا ہوں کہ تم خود پنڈی جا کر چیف سے مل کر اس خفیہ رپورٹ کے بارے میں معلوم کرو"۔

شیر خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! میں آج صبح کی ریل کار سے راولپنڈی چلا جاتا ہوں"۔

سی او نے کہا۔

"کسی کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے...... تم اکیلے ہی جانا"۔

"او کے سر!" شیر خان نے کہا۔

کمانڈنگ آفیسر نے شیر خان کو تاکید کی کہ اس بارے میں سوائے گل خان کے

اور کسی سے کوئی ذکر نہ کرے...... شیر خان نے کہا کہ ایسا ہی ہو گا سر! اور اپنے کوارٹر میں آ گیا...... رات کو گل خان بھی اس کے کمرے میں آ گیا...... شیر خان نے اسے ساری بات بتاتے ہوئے کہا کہ وہ صبح کی ریل کار میں راولپنڈی جا رہا ہے، گل خان بولا۔

"میرا خیال ہے کوئی بے حد اہم رپورٹ ہے جس کے لئے چیف اتنی راز داری سے کام لے رہا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ تو پنڈی جا کر معلوم ہو گا...... بہر حال تم پیچھے ہوشیار رہنا اور خاص خاص جگہوں کی نگرانی کرواتے رہنا...... بہت ممکن ہے کہ وہ دہشت گرد ہندو عورت ہماری نقل و حرکت کی جاسوسی کرنے ہمارے ہیڈ کوارٹر کے اِرد گرد چکر لگائے اور یاد رکھو...... اب چونکہ اس کی فوٹو اخباروں میں چھپ گئی ہے...... اس لئے وہ برقعہ اوڑھ کر آئے گی...... اسے ہیڈ کوارٹر کا تو پتہ نہیں، لیکن اس کے آس پاس کے علاقے سے واقف ہو گئی ہے"۔

گل خان نے کہا۔

"ہم چوکنے رہیں گے...... تم فکر نہ کرو"۔

دوسرے دن صبح کی ریل کار سے شیر خان راولپنڈی روانہ ہو گیا۔

اُدھر رام دُلاری اپنے دہشت گرد ساتھی رامو کے ساتھ سفید برقعہ اوڑھ کر کمانڈو تنظیم کی سرگرمیوں کا سراغ لگانے نکلی تو بھارتی دہشت گرد جس نے دیہاتی لباس پہن رکھا تھا اور جس کی مسلمانوں ایسی چھوٹی داڑھی بھی تھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... دونوں بالکل دیہات سے آئے ہوئے لگ رہے تھے...... رام دُلاری نے وہ علاقہ دیکھ رکھا تھا جہاں کسی جگہ کمانڈو تنظیم کا ہیڈ کوارٹر تھا...... رام دُلاری اسی علاقے میں ایک جگہ آ گئی اور انہوں نے رکشا چھوڑ دیا...... یہاں زیادہ آبادی نہیں تھی...... دُور دُور ایک ہی جیسے کوارٹر بنے ہوئے تھے...... ایک دو بازار بھی

تھے...... چند ایک دکانیں تھیں...... دونوں یونہی کسی نامعلوم شخص کا پتہ پوچھتے پھرے...... اصل میں وہ اس علاقے کا جائزہ لے رہے تھے...... انہیں وہاں کوئی خاص مشتبہ شخص دکھائی نہ دیا تو رامو نے آہستہ سے کہا۔

"رام دُلاری! یہ علاقہ خطرناک ہے...... ہو سکتا ہے پولیس کمانڈو کے سی آئی ڈی والے بھی یہاں موجود ہوں...... خواہ مخواہ کسی مشکل میں نہ پھنس جائیں...... میرا خیال ہے کہ میں اکیلا ہی شام کے وقت آؤں گا"۔

رام دُلاری کو بھی احساس ہوا کہ کہیں وہ لوگوں کی نظروں میں نہ آ جائیں اور اِدھر اُدھر چلنے پھرنے سے انہیں کچھ حاصل بھی نہیں ہو رہا تھا...... چنانچہ وہیں سے وہ واپس اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل پڑے...... چوک میں آ کر وہ ایک اخبار والے کے کھوکھے کے پاس رُک کر کسی خالی رکشے کا انتظار کرنے لگے...... اخبار فروش نے کچھ اخبار دکان کے آگے لٹکا رکھے تھے...... اس روز تمام اخباروں میں رام دُلاری کی فوٹو والا انعامی اشتہار چھپ چکا تھا...... یہ اشتہار ہر اخبار کے پہلے صفحے پر شائع ہوا تھا...... رامو کی یونہی دکان کے آگے لٹکے ہوئے اخبار پر نظر پڑ گئی...... رام دُلاری کی تصویر دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا...... ذرا آگے ہو کر اخبار کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ پولیس کی طرف سے دیا گیا اشتہار ہے اور اس پر رام دُلاری کی فوٹو ہے...... ان دہشت گردوں کو اُردو زبان باقاعدہ سکھائی گئی تھی...... رامو نے پڑھا...... اشتہار میں لکھا تھا کہ یہ عورت جو اپنا نام حشمت بی بی بتاتی ہے...... ایک خطرناک مفرور قیدی ہے جو کوئی اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دے گا اسے پچاس ہزار روپے انعام دیا جائے گا...... رامو نے دُلاری سے کہا۔

"یہاں سے نکل چلو"۔

"کیا بات ہے؟" رام دُلاری نے برقعے کے اندر سے پوچھا...... رامو نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں جو کہتا ہوں وہ کرو...... آ جاؤ"۔

اور وہ بازار میں دوسری طرف چل پڑا...... رام دُلاری اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی...... دوسرے چوک میں آ کر اس نے رامو کے قریب ہو کر پوچھا۔

"کیا وہاں کوئی ہماری نگرانی کر رہا تھا؟"۔

رامو نے کہا۔

"یہ تو مجھے پتہ نہیں، لیکن اتنا ضرور پتہ ہے کہ آج کے اخباروں میں تمہاری فوٹو چھپی ہے اور تمہاری گرفتاری کے لئے پولیس نے پچاس ہزار روپے کے انعام کا اعلان کیا ہے...... میں نے اپنی آنکھوں سے اخبار پر چھپی ہوئی تمہاری فوٹو دیکھی ہے"۔

رام دُلاری نے حیران سی ہو کر کہا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا......؟"۔

وہ چلتے جا رہے تھے اور آہستہ آہستہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے...... رامو نے کہا۔

"یہ تو بڑا اچھا ہوا کہ تم نے برقعہ پہن رکھا ہے ورنہ ہم دونوں اسی جگہ پکڑے گئے تھے...... اب فوراً ہمیں اپنے اڈے پر پہنچنا چاہئے اور مکند لال کو اس اشتہار کے بارے میں بتانا چاہئے"۔

انہوں نے ایک خالی رکشا لیا اور اس علاقے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں تاریخی کھنڈر کے تہہ خانے میں ان کا خفیہ اڈہ تھا...... ایک خاص علاقے میں آ کر انہوں نے ایک جگہ رکشا چھوڑ دیا اور پیدل ہی چل پڑے...... وہ احتیاط کے طور پر ٹاہلی کے درختوں والے ذخیرے سے پرے ایک پگ ڈنڈی پر چل رہے تھے...... ایک چھوٹا سا چکر کاٹ کر وہ مٹی کے اس ٹیلے کے قریب پہنچ گئے جس کے پیچھے درختوں کے درمیان وہ تاریخی کھنڈر تھا جس کے تہہ خانے میں ان لوگوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا...... کھنڈر کے پاس آ کر وہ ایک دو منٹ کے لئے یوں بیٹھ گئے جیسے چلتے چلتے تھک گئے ہوں اور ذرا آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے ہوں...... اس دوران رامو نے اِرد گرد نگاہ ڈال کر

اچھی طرح سے تسلی کر لی کہ وہاں کوئی آدمی نہیں تھا...... اس کے بعد وہ اٹھے اور دیوار کے شگاف میں سے گزر کر کھنڈر کے صحن میں آ گئے...... رام دُلاری نے برقع کا نقاب اٹھا دیا تھا...... آگے کھنڈر کی پرانی دیوار آ گئی جہاں جھاڑیوں کے درمیان نیچے تہہ خانے کو جانے کا راستہ تھا...... رامو نے اپنی ڈانگ سے جھاڑیوں کو اِدھر اُدھر ہٹایا اور وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگے...... نیچے اترنے سے پہلے رامو نے جھاڑیوں کو دوبارہ آگے کر دیا تھا۔

رام دُلاری سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں پہنچ گئی تھی...... تہہ خانے میں اندھیرا تھا...... اس نے رامو کو آواز دی۔

"رامو! جلدی سے نیچے آؤ"۔

رامو آخری دو تین سیڑھیاں پھلانگ کر تہہ خانے میں آ گیا...... کہنے لگا۔

"یہاں اندھیرا کیوں ہے...... مکند لال اور گنگو کہاں ہیں؟"۔

رام دُلاری نے ان دونوں کو آواز دی کہ شاید پچھلی کوٹھڑی میں ہوں...... جب کوئی جواب نہ آیا تو رامو بولا۔

"ٹھہرو...... میں موم بتی جلاتا ہوں"۔

اسے معلوم تھا کہ موم بتیاں دیوار کے طاق میں ہوتی ہیں...... وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا طاق کے پاس آیا اور ماچس جلا کر موم بتی روشن کر دی...... موم بتی کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ چارپائی اُلٹی ہوئی تھی اور وہاں ایمونیشن اور اسلحہ وغیرہ غائب تھا...... رام دُلاری نے دوسری بڑی موم بتی بھی روشن کر دی...... جب دوسری موم بتی روشن ہوئی تو تہہ خانے کے فرش اور دری پر انہیں جگہ جگہ خون ہی خون بکھرا ہوا نظر آیا...... رام دُلاری نے گھبرا کر کہا۔

"رامو! پولیس کمانڈو گنگو اور مکند لال کو ہلاک کر گئے ہیں...... یہ دیکھو خون ہی خون"۔

رامو بھی خون دیکھ کر گھبرا گیا...... کہنے لگا۔

"وہ ان کی لاشیں بھی لے گئے ہیں...... یہاں سے بھاگو رام دُلاری"۔

رام دُلاری نے ابھی برقعہ نہیں اتارا تھا...... وہ اسی طرح رامو کے ساتھ تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف دوڑی...... رامو بھی اس کے پیچھے دوڑا...... تہہ خانے سے نکلتے ہی وہ کھنڈر کے خفیہ دروازے کی طرف بڑھے...... یہ دروازہ انہوں نے پچھلی دیوار توڑ کر خود بنایا تھا...... کھنڈر سے نکل کر وہ تیز تیز قدموں سے میدان کی دوسری طرف چلنے لگے...... ادھر کچھ فاصلے پر کھیت اور ان کے پیچھے مکان نظر آرہے تھے...... وہ تیز تیز چلے جا رہے تھے...... کھیتوں میں پہنچ کر رامو نے کہا۔

"ایک منٹ ٹھہرو"۔

رام دُلاری رُک گئی...... رامو نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... اسے خطرہ تھا کہ چھاپہ مارنے اور خفیہ ٹھکانے سے گنگو اور مکند لال کی لاشیں اٹھا لے جانے کے بعد پولیس کمانڈو نے اپنے ایک دو آدمی وہاں ضرور چھپا کر بٹھا دیئے ہوں گے تاکہ وہ یہ پتہ چلا سکیں کہ وہاں کون کون آتا ہے اور کدھر جاتا ہے، لیکن پیچھے میدان دور تک خالی پڑا تھا اور کوئی آدمی نظر نہیں آرہا تھا...... اس نے رام دُلاری سے کہا۔

"اب چلو"۔

وہ چلنے لگی...... اس نے کہا۔

"ان کو ہمارے ٹھکانے کا کیسے پتہ چل گیا؟"۔

رامو بولا۔

"وہ لوگ کوئی اناڑی نہیں ہیں...... ان کی سی آئی ڈی بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے...... ہو سکتا ہے جب تم جمنا داس کو ہلاک کر کے واپس آرہی تھیں تو ان کا کوئی آدمی تمہارا پیچھا کر رہا ہو"۔

رام دُلاری نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ کھیتوں میں چلتے رہے...... اب وہ عام

دیہاتی لوگوں کی طرح چل رہے تھے...... رام دُلاری نے پوچھا۔

"رامو! ہم کہاں جا رہے ہیں؟"۔

رامو نے کہا۔

"مجھے خود معلوم نہیں"۔

رام دُلاری بولی۔

"اس شہر میں تو ہمارے جتنے آدمی تھے سوائے میرے اور تمہارے، سب مارے گئے ہیں"۔

رامو بولا۔

"ہمیں راولپنڈی والے باس کے پاس جا کر اس کی رپورٹ کرنی چاہئے...... یہ ضروری بھی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"شام ہونے والی ہے...... اس وقت کوئی بس بھی نہیں ملے گی"۔

رامو بولا۔

"ہم کوئی ٹرین پکڑ لیں گے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"ہمیں لاہور سے ٹرین نہیں پکڑنی چاہئے"۔

"پھر کہاں سے پکڑنی چاہئے؟" رامو نے پوچھا۔

"ہمیں یہاں سے گوجرانوالہ جانا چاہئے اور وہاں سے پنڈی جانے والی کوئی ٹرین پکڑنی چاہئے" رام دُلاری نے کہا۔

"کیا گوجرانوالہ جانے والی لاری مل جائے گی؟"۔

رامو نے پوچھا۔

رام دُلاری نے کہا۔

"گوجرانوالہ یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے...... وہاں جانے والی لاریاں اور بسیر
شام تک چلتی رہتی ہیں"۔

رامو بولا۔

"تو پھر لاری اڈے پر چلتے ہیں"۔

"نہیں نہیں" دُلاری بولی...... "ہمیں لاری اڈے پر جانے کی بجائے لاہور سے
گوجرانوالہ جانے والی سڑک پر سے کسی لاری میں سوار ہونا چاہئے"۔

رامو کو رام دُلاری کا یہ آئیڈیا پسند آیا...... لاہور شہر کی تمام سڑکوں اور راستو
سے وہ واقف تھے...... چنانچہ وہیں سے انہوں نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور اس طرف
کو مڑ گئے جس طرف آگے جا کر جی ٹی روڈ آ جاتی تھی...... اس وقت سورج نے مغر
کی طرف چھپنا شروع کر دیا تھا اور دھوپ ختم ہو رہی تھی...... جی ٹی روڈ وہاں سے کا
دور تھی، مگر وہ چلتے گئے...... وہ کھلی جگہوں پر سے گزرنے کی بجائے آبادی کے مکانو
کے درمیان سے ہو کر جا رہے تھے...... اس طرح وہ اپنے آپ کو زیادہ محفوظ خیا
کرتے تھے...... رام دُلاری نے کہا۔

"میرے پرس میں کافی پیسے ہیں...... یہ مجھے تمہارے سامنے مکند لال نے دیئ
تھے، مگر یہ سب پاکستان کی جعلی کرنسی کے ہیں جو ہمیں ہمارے انڈین سفارت خا
کے اتاشی کی طرف سے ہمیں دیئے گئے تھے"۔

رامو نے کہا۔

"پھر کیا ہوا"۔

"اگر کسی نے پہچان لیا کہ یہ جعلی کرنسی ہے تو ہم وہیں پکڑے جائیں گے" را
دُلاری نے کہا۔

رامو بولا۔

"اب یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا...... میرے پاس بھی یہی جعلی کرن

ہے...... بغیر ٹکٹ تو جا نہیں سکتے"۔

اسی طرح باتیں کرتے اور طرح طرح کے خدشات کا اظہار کرتے وہ جی ٹی روڈ پر
آ گئے...... سڑک پر سے لاریاں بسیں وغیرہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد گزر رہی تھیں......
رام دُلاری برقعے کا نقاب ڈالے پیچھے کھڑی رہی...... رامو سڑک پر آ کر ہر لاری کو جو
گوجرانوالہ کی طرف جا رہی تھی ہاتھ دیتا...... لاری آگے نکل جاتی...... آخر ایک لاری
رُک گئی...... دونوں اس میں بیٹھ گئے...... لاری چل پڑی...... کنڈیکٹر نے رامو سے
پوچھا۔

"کہاں جاؤ گے میاں جی؟"۔

رامو نے جیب سے پیسے نکالتے ہوئے دیہاتیوں والی پنجابی میں کہا۔

"گوجرانوالہ جانا ہے"۔

کنڈیکٹر نے گوجرانوالہ کے دو ٹکٹ کاٹ کر دے دیئے...... رام دُلاری رامو کے
ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی...... اس نے برقعے کا نقاب آگے ڈال رکھا تھا...... وہ دل میں
سوچ رہی تھی کہ مسلمانوں کا یہ برقعہ بھی کتنا اچھا ہے کہ اس نے مجھے چھپا لیا ہے......
ورنہ اسے پہچانا جا سکتا تھا...... جبکہ اسی روز اخباروں میں اس کا فوٹو بھی چھپ چکا تھا......
لاری اپنی منزل کی طرف چلی جا رہی تھی...... گوجرانوالہ پہنچتے تک شام ہو گئی...... وہ
دونوں لاری اڈے سے نکل کر سیدھا ریلوے سٹیشن پر آ گئے...... ریلوے سٹیشن کی
بتیاں روشن تھیں...... رامو نے رام دُلاری کو ایک طرف کھڑا کر کے خود بکنگ آفس پر
جا کر راولپنڈی کے دو ٹکٹ لئے...... وہاں سے اسے معلوم ہوا کہ پنڈی جانے والی گاڑی
ایک گھنٹے بعد آئے گی۔

وہ پلیٹ فارم پر آ کر ایک بنچ پر بیٹھ گئے...... وہاں پہلے ہی سے ایک ادھیڑ عمر آدمی
بیٹھا تھا...... اس کے ہاتھ میں اخبار تھا اور وہ اخبار پڑھ رہا تھا...... رامو نے نگاہ پھیر کر
دیکھا...... وہ اخبار میں چھپا ہوا رام دُلاری کی فوٹو والا اشتہار پڑھ رہا تھا...... کہنے لگا۔

"ہماری پولیس نکمی ہو گئی ہے کہ اتنی خطرناک بھارتی جاسوسہ اس کی قید سے
نکل بھاگی"۔

رامو کو مجبوراً جواب دینا پڑا...... اس نے کہا۔

"ہاں بزرگو! آپ ٹھیک کہتے ہیں"۔

وہ آدمی رام دُلاری کی فوٹو کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"لگتا ہے اس عورت کو میں نے کہیں دیکھا ہے"۔

رامو اور رام دُلاری نے یہ سنا تو ان کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں...... پھ
آدمی خود ہی بولا۔

"شاید وہ اسی شکل کی عورت تھی...... میں نے کل صبح لاہور میں دیکھی تھی"۔

رامو نے کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"جی ہاں...... شاید آپ نے اسے دیکھا ہو"۔

"بالکل دیکھا ہے جی" بوڑھا کہنے لگا۔

"بالکل یہی شکل تھی اس کی...... میں کوٹ لکھپت والے ریلوے پھاٹک ک
طرف آ رہا تھا کہ میں نے اس عورت کو دیکھا وہ ریلوے لائن کی طرف سے آئی او
میرے قریب سے ہو کر گزر گئی...... بڑی گھبرائی ہوئی لگتی تھی"۔

رامو اور دُلاری نے بیک وقت محسوس کیا کہ اس بنچ پر زیادہ دیر بیٹھنا خطرے سے
خالی نہیں...... انہیں فوراً جگہ بدل لینی چاہئے، کیونکہ یہ رام دُلاری ہی تھی جسے اس
بوڑھے نے ریلوے پھاٹک پر دیکھا تھا...... اس وقت وہ جمناداس کو قتل کر کے واپ
آ رہی تھی...... اگرچہ یہ اس بوڑھے کی قیاس آرائی بھی ہو سکتی تھی لیکن اب را
دُلاری وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی...... اس نے رامو کو برقعے کے اندر سے کہنی کا ہلکا
ٹہوکا دیا۔

رامو سمجھ گیا...... اس نے رام دُلاری سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بے بے! گاڑی شاید دوسرے والے پلیٹ فارم پر آئے گی...... ادھر چل کر
بیٹھتے ہیں"۔

اور وہ دونوں جلدی سے اٹھے اور دوسرے پلیٹ فارم کا رُخ کر لیا...... رامو بولا۔

"یہ کم بخت بوڑھا ہو سکتا ہے ٹھیک کہہ رہا ہو اور اس نے تمہیں جمناداس کا کام
تمام کرنے کے بعد واپس آتے دیکھ لیا ہو"۔

"رام دُلاری بولی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے، کیونکہ وہاں راستے میں ریلوے پھاٹک آتا تھا اور بس
وہاں سے گزرتی تھی اور میں واقعی کچھ گھبرائی ہوئی تھی...... اس خیال سے نہیں کہ میں
نے اپنے ایک ساتھی کا خون کر دیا تھا بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میرا پیچھا نہ کر رہا ہو"۔

رامو نے کہا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے کم از کم اس وقت تو تمہیں اس بوڑھے نے نہیں
دیکھا...... اس برقعے نے تمہیں اور مجھے...... ہم دونوں کو بچا لیا"۔

انہیں معلوم تھا کہ پنڈی جانے والی ٹرین اسی پلیٹ فارم پر آئے گی...... چنانچہ وہ
کافی آگے جا کر جہاں کافی مسافر تھے بنچ پر بیٹھنے کی بجائے مسافروں کے پاس ہی زمین پر
بیٹھ گئے...... جب ٹرین آئی تو سب مسافر گاڑی کے ڈبوں کی طرف بڑھے...... رامو کو
معلوم تھا کہ انڈیا میں تو عورتیں اور مرد ایک ہی ڈبے میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہاں
عورتوں کا کوئی الگ ڈبہ نہیں ہوتا...... جب کہ پاکستان میں عورتوں کا الگ ڈبہ ہوتا
ہے...... چنانچہ اس نے رام دُلاری کو ایک الگ ڈبے میں بٹھا دیا...... اس نے اسے ایسی
سیٹ پر بٹھایا جو کونے میں تھی تا کہ پلیٹ فارم سے کسی کی اس پر نظر نہ پڑے اور اسے
تاکید کر دی کہ وہ برقعے کا نقاب ڈالے رکھے اور چہرہ ننگا نہ کرے...... اگر مسافر عورتوں
کے کہنے پر اسے نقاب الٹنا بھی پڑے تو اس وقت کے لئے جب ٹرین چل رہی ہو...... ٹرین
کی جگہ کھڑی ہو تو وہ فوراً نقاب ڈال لے...... رامو خود تھرڈ کلاس کے مردانہ ڈبے میں

سوار ہو گیا۔

ڈبہ مسافروں سے بھرا ہوا تھا...... ٹرین تھوڑی دیر رُک کر پھر روانہ ہو گئی...... گا
جس وقت پنڈی پہنچی تو رات کے بارہ بج چکے تھے...... رامو اور رام دُلاری سٹیشن
نکل کر ٹیکسی سٹینڈ پر آ گئے...... وہاں کئی خالی ٹیکسیاں کھڑی تھیں...... انہیں کوئی
پریشانی نہیں تھی...... سٹیشن سے انہیں سیدھا بھارتی سفارت خانے ہی جانا تھا
جہاں وہ آدھی رات کو بھی چاہیں تو جا سکتے تھے...... وہ ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھ گئے
ڈرائیور کو اسلام آباد اس سیکٹر میں چلنے کو کہا جہاں بھارت کا سفارت خانہ تھا......
نے بھارتی سفارت خانے کا نام بھی نہ لیا...... ٹیکسی اسلام آباد کی طرف چل پڑی
رامو نے ٹیکسی ڈرائیور کو مطمئن کرنے کے لئے یہی بتایا کہ اس سیکٹر میں اس کا
عبدالرحمان اپنے صاحب کی کوٹھی میں خانساماں ہے، وہ اس کے پاس جا رہے ہیں۔

اسلام آباد کی مختلف سڑکوں پر سے گزرنے کے بعد جب بھارتی سفارت خ
والا سیکٹر آیا تو رامو نے ایک خاص کوٹھی کے باہر ٹیکسی رکوائی...... اسے کرایہ د
رخصت کیا اور رام دُلاری کو لے کر آگے چلنے لگا...... اسے اور رام دُلاری دونو
معلوم تھا کہ بھارت کا سفارت خانہ وہاں سے چار پانچ کوٹھیاں چھوڑ کر ہے...
بھارت کے سفارت خانے کے باہر آ کر رُک گئے...... باہر گارڈ پہرے پر کھڑ
تھے...... رامو نے کاغذ کی چٹ پر ایک خاص نمبر لکھ کر گارڈ کو دیا اور کہا۔

"یہ اندر ڈیوٹی آفیسر کو دے دو"۔

گارڈ نے چٹ سفارت خانے کے بند آہنی دروازے کے اندر ایک اور گا
دے دی...... وہ اسے لے کر ڈیوٹی آفیسر کے کمرے میں چلا گیا جو وہاں سے قریب
تھا...... دوسرے ہی لمحے ڈیوٹی روم سے گیٹ پر فون آیا کہ جو آدمی آیا ہے اسے
بھیج دیا جائے۔

گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا گیا...... رامو اور رام دُلاری گیٹ میں سے

سفارت خانے کی عمارت کے احاطے میں داخل ہو گئے...... اندر داخل ہوتے ہی رام
دُلاری نے چہرے پر سے نقاب اُلٹ دیا...... ڈیوٹی آفیسر اس دوران اندر پریس اتاشی کو
فون کر کے رامو اور دُلاری کا نمبر بتا چکا تھا...... پریس اتاشی نے ہدایت کی تھی کہ ان
دونوں کو اگر کوئی ایمرجنسی نہ ہو تو گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا دیا جائے...... ڈیوٹی آفیسر نے
رامو سے پوچھا۔

"کوئی خاص ایمرجنسی تو نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے کیا پریس اتاشی صاحب سے
اس وقت ملنا ضروری تو نہیں ہے"۔

رامو نے کہا۔

"اتنا ضروری بھی نہیں ہے...... صبح مل لیں گے"۔

بھارتی سفارت خانے پہنچنے کے بعد رامو اور دُلاری بے فکر ہو گئے تھے...... ڈیوٹی
آفیسر نے کہا۔

"پھر آپ گیسٹ ہاؤس میں آرام کریں...... اتاشی صاحب صبح آپ سے ملاقات
کریں گے"۔

رات ان دونوں نے گیسٹ ہاؤس میں گزاری...... صبح پریس اتاشی خود ہی ان
کے پاس آ گیا...... ہم اس ہندو پریس اتاشی کا نام نہیں لکھیں گے...... آپ اسے شرما جی
کہہ سکتے ہیں...... شرما جی رامو اور دُلاری کو جانتے بھی تھے اور ان کے کارناموں اور ان
کے دہشت گردی کے مشن سے واقف بھی تھے...... رامو نے شرما کو بتایا کہ ان کے
لاہور والے دونوں خفیہ ٹھکانوں پر پولیس کمانڈوز نے چھاپہ مار کر ان کے باقی سارے
آدمیوں کو مکند لال سمیت ہلاک کر ڈالا ہے...... پریس اتاشی نے کہا۔

"ہمیں اس واقعے کی ساری اطلاع مل چکی ہے اور ہم نے اخباروں میں چھپی ہوئی
رام دُلاری کی فوٹو بھی دیکھ لی ہے...... اب آپ لوگ کیا چاہتے ہیں"۔

رامو نے کہا۔

”ہم پنڈی اس لئے آئے ہیں کہ اپنے یہاں کے باس کو رپورٹ کریں اور آ
کے پروگرام کے بارے میں ہدایات لیں“۔

پریس اتاشی شرما نے کہا۔

”رام دُلاری کی فوٹو ملک کے تمام اخباروں میں چھپ گئی ہے...... اسے سفار
خانے سے باہر نہیں جانا چاہئے...... بہتر ہے کہ تم دونوں پورا دن اسی کمرے
گزارو...... رات کا اندھیرا ہوتے ہی تمہیں تمہارے باس شیوا جی کے خفیہ ٹھکانے
پہنچا دیا جائے گا“۔

وہ سارا دن راموا ور رام دُلاری نے بھارتی سفارت خانے میں گزارا...... را
کے گیارہ بجے کے قریب انہیں ایک بند گاڑی میں بٹھا کر دہشت گردوں کے باس
”را“ کے سپیشل ایجنٹ اور تخریب کار شیوا جی کے خفیہ ٹھکانے پر پہنچا دیا گیا...... شیو
نے ان دونوں کو دیکھ کر کہا۔

”مجھے گنگو اور مکند لال کی موت کا افسوس ہے...... جمنا داس کو تم لوگوں نے
وقت پر ہلاک کیا...... اگر وہ زندہ رہتا تو پولیس کمانڈو کی پوچھ گچھ کے دوران وہ
ہمارا یہاں پنڈی کا خفیہ ٹھکانہ بھی بتا دیتا...... میں جانتا ہوں...... وہ ذرا سا تشدد
برداشت نہیں کر سکتا تھا“۔

رامو نے شیوا جی سے پوچھا۔

”اب ہمارے بارے میں کیا حکم ہے“۔

شیوا جی کہنے لگے۔

”تم لوگوں کی ساری رپورٹ مجھے مل گئی تھی...... میں نے اسے نئی دہلی
ہے...... ان کے جواب کا انتظار ہے...... اگر انہوں نے تمہیں واپس بلا لیا تو تمہیں
وقت بھارت واپس بھیج دیا جائے گا...... جب تک وہاں سے کوئی اطلاع نہیں آتی
یہیں ٹھہرنا ہوگا“۔

رام دُلاری نے پوچھا۔

”یہاں ہماری کارروائیوں کی کیا پوزیشن ہے“۔

شیوا جی نے کہا۔

”لاہور میں تم لوگوں کے خفیہ ٹھکانے پر پولیس کمانڈو کے کامیاب چھاپوں اور ہمارے اتنے سارے آدمیوں کے مارے جانے کے بعد ہم نے یہاں کچھ دیر کے لئے اپنی کارروائیاں روک دی ہیں...... ویسے بھی ہمارا اصل کام پاکستان میں اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم رکھنا ہے...... ہم دھماکے وغیرہ کم ہی کرتے ہیں“۔

پھر اس نے رام دُلاری سے کہا۔

”رام دُلاری! اخباروں میں تمہاری فوٹو آگئی ہے اور تمہاری گرفتاری کے لئے انعام بھی مقرر کر دیا گیا ہے...... اس لئے تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم یہیں رہو، اگر کسی ضرورت کی وجہ سے باہر نکلنا بھی پڑے تو برقعہ اوڑھ کر مسلمان عورت بن کر نکلنا“۔

بھارتی دہشت گرد رامو اور رام دُلاری کو ہم ان کے راولپنڈی والے خفیہ ٹھکانے پر چھوڑنے کے بعد کچھ دیر کے لئے واپس اپنے شیر دل مجاہد کمانڈو شیر خان کی طرف جاتے ہیں...... شیر خان اپنے کمانڈنگ آفیسر کے حکم کے مطابق راولپنڈی میں تنظیم کے چیف سے ملاقات کرنے پنڈی پہنچ چکا تھا...... وہ ان کے سادہ سے آفس میں ان سے ملا۔

شرعی داڑھی اور نورانی چہرے والے تنظیم کے چیف نے شیر خان کو گلے لگایا اور اپنے پاس دری پر بٹھا لیا...... چیف اپنے سادہ آفس میں دری پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے...... یہ اسلام کی حقیقی مجاہدانہ سپرٹ کے ساتھ اسلام، پاکستان اور آزادیٔ کشمیر کے لئے جہاد کر رہے تھے...... ان کا آفس اگرچہ سادگی کا مرقع تھا لیکن ساتھ والے کمرے میں جدید ترین سائنسی آلات بھی موجود تھے جن کے ذریعے وہ اپنے کشمیر کے محاذ پر جہاد کرتے، مجاہدین کے ساتھ رابطہ پیدا کر سکتے تھے...... شیر خان

نے چیف سے کہا۔

"مجھے سی او صاحب نے بتایا ہے کہ آپ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں...... میں اسی لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں"۔

چیف نے کہا۔

"شیر خان! سب سے پہلے تو میں تم لوگوں کو تمہاری مجاہدانہ کارکردگی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں...... تم لوگوں نے وہاں پاکستان کے دشمن بھارت کے دہشت گردوں کو ہلاک کر کے اور ان کے خفیہ ٹھکانوں کو تباہ کر کے صحیح مجاہدانہ سپرٹ کا مظاہرہ کیا ہے...... دشمن مزید دہشت گرد بھیجے گا، لیکن ہم انشاء اللہ انہیں بھی جہنم میں پہنچا کر دشمن کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیں"۔

"انشاء اللہ" شیر خان نے کہا۔

چیف نے تھوڑا سا توقف کرنے کے بعد کہا۔

"یہاں بھی ہماری اطلاع کے مطابق بھارت کے دہشت گردوں کا ایک چھوٹا گروہ کسی جگہ روپوش ہے، مگر ہماری ایک اور اطلاع کے مطابق یہ گروہ ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھنے کا کام کرتا ہے، لیکن ہم اس گروہ کے خفیہ ٹھکانے کا کھوج لگا رہے ہیں...... بہت جلد اس خفیہ ٹھکانے کو بھی تباہ کر کے کافروں کو واصل جہنم کر دیں گے...... یہ ہم سے بچ نہیں سکتے...... اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے تمہیں یہاں کس لئے بلایا ہے، مگر سب سے پہلے چائے کی ایک ایک پیالی پی لی جائے"۔

ایک مجاہد چائے کی ٹرے ان کے درمیان رکھ کر چلا گیا تھا...... چائے کے ساتھ ایک پلیٹ میں سادہ سے رس تھے...... چیف نے خود چینک میں سے چائے پیالی میں ڈال کر شیر خان کو دی...... پھر اپنی پیالی میں چائے ڈالی اور ایک دو گھونٹ لینے کے بعد پیالی رکھ دی اور شیر خان سے کہا۔

"شیر خان! یہ ایک حقیقت ہے کہ بھارت ہمارا دشمن نمبر ایک ہے...... وہاں کے

عوام سے ہمیں کوئی سروکار نہیں...... ہم بھارت کی حکومت کا ذکر کر رہے ہیں اور ان کی پاکستان دشمن پالیسیوں کی بات کرتے ہیں...... قیام پاکستان کے ساتھ ہی بھارتی حکومت نے باہر کے ملکوں سے دھڑا دھڑ اسلحہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا...... جب سے پاکستان ایٹمی طاقت بن کر سامنے آیا ہے بھارت نے بھی اپنی ایٹمی طاقت بڑھانے کی رفتار تیز کر دی ہے"۔

چیف ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا...... شیر خان پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا...... چیف نے کہا۔

"ہمیں اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بھارت کا دفاعی اور ایٹمی تحقیقاتی ادارہ فضائی حملوں کے سلسلے میں فوری جوابی کارروائی کے حامل دُور تک مار کرنے والے اور زمین سے فضا اور فضا سے زمین تک مار کرنے والے ترشول میزائل کے نئے ماڈل پر کام شروع کر چکا ہے اور یہ تجربات اپنے آخری مراحل میں ہیں...... یہ میزائل سطح سمندر سے ذرا اوپر سفر کرتا ہے اور کسی آبدوز یا کسی بحری جہاز سے چھوڑے گئے مخالف سمت سے آنے والے میزائل کو تباہ کر سکتا ہے...... اس میزائل کی مار دس کلومیٹر تک ہے...... بھارت کے اس پروجیکٹ کا چیف کنٹرولر اور دماغ تھانو پلائی ہے...... یہ شخص یعنی ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر پلائی حیدر آباد دکن کا ہندو برہمن ہے...... اس کا بائیو ڈیٹا ہمیں اپنے ذرائع سے موصول ہو چکا ہے...... اس کے مطابق یہ شخص اعلیٰ سائنسی صلاحیتوں کا مالک ہے اور اٹامک میزائل ٹیکنالوجی میں ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے علاوہ ایٹم برائے امن کا ایوارڈ یافتہ بھی ہے...... غیر شادی شدہ ہے...... عمر چالیس بیالیس سال ہے...... رنگ گہرا سانولا اور جسم درمیانہ ہے...... سر کے بالوں میں سفیدی آ رہی ہے...... میں تمہیں اس کی فوٹو دکھاتا ہوں"۔

چیف نے قریب پڑے ہوئے ایک رجسٹر کو کھول کر اس میں سے ایک لفافہ نکال کر شیر خان کو دیا...... شیر خان نے اسے کھولا...... اس میں ایک رنگین فوٹو تھی۔

چیف کہنے لگا۔

”یہ اس آندھرا پردیش کے رہنے والے ہندو برہمن بھارتی سائنس دان ڈا
پلائی کی فوٹو ہے“۔

شیر خان بڑے غور سے فوٹو دیکھ رہا تھا...... اس کا وہی حلیہ تھا جو چیف نے ا
بتایا تھا...... یعنی عمر چالیس بیالیس سال کے قریب ہوگی...... رنگ گہرا سانولا...... جسم
موٹا نہ پتلا...... نقش ویسے ہی جیسے آندھیرا پردیش کے لوگوں کے ہوتے ہیں......
کے بال کہیں کہیں سے سفید ہو چکے تھے۔

چیف نے کہا۔

”اس آدمی یعنی ڈاکٹر پلائی کا بائیو ڈیٹا بتاتا ہے کہ یہ شخص رنگیلے مزاج کا ہے
شراب بھی پیتا ہے اور عورتیں بھی اس کی دوست ہیں...... مجورا کے ایک ناگ مند
کی ناگ داسی اُرملا سے اس کی خاص طور پر دوستی ہے“۔

بھارت نے فضا سے زمین اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے گائیڈڈ میزائل
پر جو پراجیکٹ شروع کیا ہے اس کے پیچھے اس ڈاکٹر پلائی کا دماغ کام کر رہا ہے......
کسی طرح سے یہ آدمی غائب ہو جاتا ہے تو بھارت کے دفاعی تحقیقاتی ادارے کا یہ
اور اس پر کئے جانے والا کام کم از کم تین چار سال کے لئے ضرور رُک جائے گا“۔

شیر خان نے سوال کیا۔

”سر! کیا پاکستان اس کے جواب میں کسی پراجیکٹ پر کام نہیں کر رہا؟“۔

چیف نے کہا۔

”پاکستان کے سائنس دان دنیا کے بہترین سائنس دان ہیں اور وہ بھارت
ایٹمی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں...... اگر بھارت اس میدان میں کوئی پیش را
کرتا ہے تو پاکستان فوراً اس کا توڑ دریافت کر کے اس پر کام شروع کر دیتا ہے، کیو
پاکستان کے پاس بھی ایٹمی صلاحیت موجود ہے اور یہ دنیا بھر کے ایٹمی سائنس د

تسلیم کر چکے ہیں کہ پاکستان کی ایٹمی ٹیکنالوجی بھارت کے مقابلے میں بڑی اعلیٰ اور
بہترین ہے، لیکن اگر ہم کسی طریقے سے دشمن کے ایٹمی پروسیس کے عمل میں دو تین
سال کا وقفہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ ہماری دفاعی اعتبار سے بہت بڑی
کامیابی ہوگی...... اس سے نہ صرف دشمن ایٹمی ٹیکنالوجی میں ہم سے پیچھے رہ جاتا ہے
بلکہ اس کی افواج کے مورال پر بھی اس کا بڑا اثر پڑتا ہے“۔

شیر خان نے بھارتی ڈاکٹر پلائی کی تصویر لفافے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”سر! حکم کیجئے کہ مجھے کیا خدمت انجام دینی ہوگی...... اپنے پیارے وطن پاکستان
کے لئے میری جان بھی حاضر ہے“۔

چیف کے منہ سے بے اختیار سبحان اللہ نکل گیا...... وہ کہنے لگا۔

”شیر خان! یہی جذبہ پاکستان کے بچے بچے کے سینے میں موجزن ہے...... ہماری
ہائی کمانڈ کی مجلس مشاورت نے فیصلہ کیا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے بھارت کے
دفاعی تحقیقاتی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر پلائی کو غائب کر دیا جائے...... اس مشن
کے لئے ہماری مجلس مشاورت نے تمہیں منتخب کیا ہے...... تمہیں اس لئے چنا گیا ہے
کہ تم آزادی سے پہلے حیدر آباد دکن میں تین چار سال گزار چکے ہو...... شاید تم وہاں
جامعہ عثمانیہ میں پڑھا کرتے تھے“۔

”جی ہاں“ شیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا...... ”میں ان دنوں حیدر آباد میں
نوکری بھی کرتا تھا اور جامعہ عثمانیہ میں پڑھتا بھی تھا“۔

چیف نے کہا۔

”سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم آندھرا پردیش کی زبان تلگو بول اور سمجھ
لیتے ہو“۔

شیر خان کہنے لگا۔

”سر! میں تامل زبان بھی بول اور سمجھ لیتا ہوں جو اس سے ملحقہ صوبے تامل ناڈو

کی زبان ہے جس کا صدر مقام مدراس ہے‘‘۔

چیف نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’یہ تمہارے اور تمہارے اس مشن کے لئے اور بھی سہولت کی بات ہے‘‘۔

’’سر! اس ڈاکٹر پلائی کا ہیڈ آفس کہاں ہے؟‘‘ شیر خان نے پوچھا۔

چیف نے کہا۔

’’ان کا ہیڈ آفس یا ہیڈ پراجیکٹ تو مدراس سے دُور ساحل سمندر پر وشاکا پٹنم میں ہے، لیکن ڈاکٹر پلائی جس پراجیکٹ پر کام کر رہا ہے وہ مجورا میں واقع ہے...... تمہیں تو معلوم ہی ہوگا کہ مجورا بھارت کے جنوب میں واقع ہے‘‘۔

’’جی ہاں‘‘ شیر خان نے کہا۔

’’میں وہاں جا چکا ہوں...... مجورا مدراس اور ترچنا پلی کے جنوب میں ہے اور اسے مندروں کا شہر بھی کہا جاتا ہے...... ان میں سے بعض ناگ مندر ہیں جہاں سانپوں کی پوجا ہوتی ہے‘‘۔

’’بالکل درست‘‘ چیف نے شیر خان کی بات کاٹتے ہوئے کہا...... ’’ان ہی مندروں میں سے کسی ایک ناگ مندر میں اُرملا نام کی وہ ناگ داسی رہتی ہے جس سے ڈاکٹر پلائی کی گہری دوستی ہے، تمہیں شاید علم ہی ہوگا کہ یہ ناگ داسیاں کون ہوتی ہیں‘‘۔

شیر خان کہنے لگا۔

’’ایک دیوداسی ہوتی ہے...... اس کا کام مندر کے دیوتاؤں کی خدمت کرنا اور پوجا پاٹھ کے وقت آرتی اتارنا اور دیوتا کے بت کے آگے رقص کرنا ہوتا ہے...... ایک ناگ داسی ہوتی ہے...... یہ ناگ دیوتا یعنی سانپوں کی داسیاں اور خدمت گزار ہوتی ہیں...... ان کا کام مندر کے سب سے بڑے کوبرا سانپ کی آرتی اتارنا اس کی پوجا کرنا اور اس کے آگے رقص کرنا ہوتا ہے...... ناگ داسیاں بھارت کے جنوب میں ہی زیادہ ہوتی ہیں، کیونکہ ناگ مندر بھارت کے جنوب میں زیادہ ہیں‘‘۔

چیف نے کہا۔

’’تم نے بالکل ٹھیک کہا...... اب ایک اور بات غور سے سنو...... اس مشن میں تمہارے ساتھ ایک اور مجاہد بھی جائے گا‘‘۔

شیر خان نے چیف کے جذبہ اسلام سے تمتماتے ہوئے چہرے کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور پوچھا۔

’’میرا خیال ہے سر! کہ یہ مجاہد گل خان ہی ہو سکتا ہے‘‘۔

چیف نے کہا۔

’’نہیں...... گل خان کی ہمیں یہاں بہت ضرورت ہے تمہارے بعد وہی تمہاری جگہ پر کرے گا...... یہ مجاہد کوئی اور ہوگا جسے شاید تم نہیں جانتے‘‘۔

شیر خان نے پوچھا۔

’’سر...... وہ کون ہے؟‘‘۔

چیف نے کہا۔

’’تمہیں اس سے ملوا دیا جائے گا...... اس کا نام شاہد علی ہے...... وہ پاکستان کی ایک کمانڈو بٹالین میں حوالدار رہ چکا ہے...... فوج سے ریلیز ہونے کے بعد اس نے ہماری تنظیم جوائن کر لی اور تین سال تک کشمیر کے محاذ پر بطور ایک کمانڈو مجاہد کے نمایاں کارنامے سرانجام دے چکا ہے...... اب بھی وہ کشمیر کے کارگل محاذ پر ہی تھا، مگر چونکہ ہمیں اسے اس مشن پر تمہارے ساتھ بھیجنا تھا اس لئے اسے بلا لیا گیا ہے...... اس کا انتخاب اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ کشمیر کے محاذ پر اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کے دوران جنوبی بھارت کے تمام شہروں خاص طور پر حیدر آباد دکن میں آتا جاتا رہا ہے اور وہاں کی دونوں زبانیں تامل اور تلیگو بول بھی لیتا ہے اور سمجھ بھی لیتا ہے‘‘۔

باتوں کے درمیان چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی...... چیف نے گرم چائے کی ایک اور چینک منگوا لی اور گرم چائے کے ساتھ گفتگو جاری رہی...... شیر خان نے پوچھا۔

"سر !اس مشن پر ہمارے روانہ ہونے کی کون سی تاریخ مقرر ہوئی ہے"۔

چیف نے کہا۔

"بھارت میں اپنے آدمیوں سے ریڈیو ٹرانسمیٹر کی خفیہ فریکوئینسی پر ہمارا براہ
رابطہ ہے...... جس وقت بھی ان کی طرف سے اشارہ ملا تم لوگوں کو روانہ کر دیا جائے
گا......اس اثنا میں تم ہمارے پاس ہی رہو گے...... کمانڈو شاہد علی آج شام کسی بھی وقت
پہنچ جائے گا"۔

شیر خان کی پیالی میں گرم چائے انڈیلتے ہوئے چیف کہنے لگا۔

"جیسا کہ تم بھی جانتے ہو جنوبی بھارت میں اور خاص طور پر ان شہروں میں
جہاں تم لوگ جا رہے ہو سال کے ہر مہینے میں موسم خوشگوار رہتا ہے اور دن کے وقت
گرمی ہوتی ہے وہاں کا لباس دھوتی کرتہ اور پتلون قمیض ہے...... پڑھے لکھے بابو لوگ
وہاں بش شرٹ اور پتلون پہنتے ہیں...... تم لوگ بھی یہی لباس پہنو گے...... ضرورت
کے مطابق جیسا چاہے لباس بدل سکتے ہو"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"وہاں ہمارا رابطہ ہیڈ کوارٹر کہاں ہو گا؟"۔

چیف نے کہا۔

"جہاں تم جا کر رپورٹ کرو گے...... یہ وہی تمہیں بتائیں گے...... یہ لوگ وہاں
کے مقامی مسلمان سرفروش ہیں اور اپنے دینی حقوق کشمیر کی آزادی اور پاکستان کی
سلامتی کے لئے کام کر رہے ہیں...... مشن پر روانہ ہونے سے پہلے تمہیں بتا دیا جائے گا
کہ ان لوگوں سے تم کہاں ملو گے"۔

اتنے میں وہاں کچھ اور مجاہد آ گئے...... یہ لوگ کشمیر کے محاذ پر جا رہے تھے......
چیف نے شیر خان سے کہا۔

"اب تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو...... شام کو جب شاہد علی کمانڈو آئے گا تو

تم سے ملاقات ہو گی"۔

شیر خان سلام کر کے وہاں سے چلا آیا...... تنظیم کی سادہ سی عمارت میں اسے
ایک چھوٹا سا ہوسٹل ٹائپ کا کمرہ مل گیا تھا، جہاں اس کا بستر لگا تھا...... شیر خان کمرے
میں آ کر لیٹ گیا اور اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا...... اسے یاد آ گیا کہ اس کی ٹوتھ پیسٹ ختم
ہو چکی ہے...... اس نے سوچا کہ بیکار لیٹے رہنے سے بہتر ہے کہ مارکیٹ میں چل کر نئی
ٹوتھ پیسٹ خریدی جائے...... ذرا سیر بھی ہو جائے گی...... اخبار ایک طرف رکھ کر وہ
اٹھا اور کمرہ بند کر کے تنظیم کی عمارت سے نکل کر قریبی مارکیٹ کی طرف پیدل ہی
چل پڑا۔

❁ ❁ ❁

مارکیٹ پنڈی صدر کے علاقے میں تھی۔

اور صدر کا علاقہ وہاں سے ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھا...... دن کا و
تھا...... بازاروں میں خوب چہل پہل تھی...... مارچ اپریل کا خوشگوار موسم تھا......
خان فٹ پاتھ پر ذہن میں بہت کچھ سوچتا ہوا اپنی دُھن میں چلا جا رہا تھا...... وہ اپنے
مشن کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا...... صدر کے چوک میں ایک بہت بڑی جا
طرز کی مارکیٹ میں بڑی رونق تھی...... یہ ایک مشہور شاپنگ سنٹر بھی تھا...... دکانو
میں بلب روشن تھے...... عورتیں اور مرد ضروریات زندگی کی اشیاء خریدنے
مصروف تھے...... شیر خان ایک جنرل سٹور میں داخل ہو گیا...... یہ بہت وسیع سٹور
اور اس میں کافی لوگ تھے...... ان میں خواتین بھی تھیں اور مرد بھی تھے...... شیر خا
کو معلوم تھا کہ ٹوتھ پیسٹ کہاں سے ملے گی...... وہ اس کاؤنٹر پر آ گیا اور اپنی براند
ٹوتھ پیسٹ طلب کی...... کاؤنٹر پر موجود لڑکے نے شیشے کے شوکیس میں سے ٹو
پیسٹ نکال کر شیر خان کو دی...... ٹوتھ پیسٹ لے کر شیر خان ساتھ والے کاؤنٹر
آ گیا جہاں انگریزی اور اُردو کی کتابیں اور رسالے وغیرہ فروخت ہوتے تھے......
انگریزی کا ایک رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا...... ورق گردانی کرتے ہو
اچانک اس کی نظر کچھ فاصلے پر پڑ گئی جہاں دوائیوں کا کاؤنٹر تھا۔

اس نے ایک برقعہ پوش عورت کو کاؤنٹر کی طرف جاتے دیکھا جس کے سا

شرعی داڑھی والا ایک سفید پوش آدمی بھی تھا...... عورت سیاہ برقعہ اوڑھے ہوئے تھی
اور نقاب کی وجہ سے چہرہ ڈھکا ہوا تھا...... شیر خان کو جس چیز نے عورت کی طرف
متوجہ کیا وہ اس کی چال تھی...... اسے یہ چال کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھی...... اچانک
اسے یاد آ گیا کہ حشمت بی بی نام کی دھوکے باز بھارتی جاسوس عورت اسی طرح چلا
کرتی تھی...... عورت دوائیوں کے کاؤنٹر پر اپنے آدمی کے ساتھ کھڑی کچھ دوائیاں
خرید رہی تھی...... شیر خان نے جلدی سے رسالہ وہیں رکھا اور پہلا کام یہ کیا کہ وہاں
ڈیوٹی پر کھڑے پولیس کے سپاہی کی طرف بڑھا تاکہ اسے کہے کہ یہ مرد عورت اسے
مشکوک لگتے ہیں ان کو روک لیا جائے...... وہ جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی پولیس
کانسٹیبل کا ہونا ضروری ہے اور اس کام کا اختیار صرف پولیس کانسٹیبل کو ہی ہے۔

پولیس کانسٹیبل کے قریب آ کر اچانک شیر خان رُک گیا...... اسے خیال آیا کہ اگر
فرض کر لیا یہ عورت بھارتی جاسوسہ ہی ہوئی اور اس کا ساتھی بھارتی دہشت گرد ہی ہوا
تو اس سے زیادہ اسے کچھ حاصل نہیں ہو گا کہ پولیس کی مدد سے وہ ان دونوں کو گرفتار
کروا کر حوالات میں بند کرا دے گا اور پھر ان سے ان کے ساتھیوں اور خفیہ ٹھکانے کی
پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہو جائے گا...... یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ دونوں کچھ
بتائیں گے بھی یا نہیں...... اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان دونوں کا چھپ کر تعاقب کیا
جائے...... ظاہر ہے جہاں جائیں گے وہ ان کا خفیہ ٹھکانہ ہی ہو گا...... یوں ان دونوں
کے ساتھ ان کا پنڈی میں روپوش پورا گروہ بھی پکڑ لیا جائے گا۔

شیر خان وہیں سے ایک طرف ہو کر ستون کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا اور برقعہ پوش
عورت اور اس کے مرد کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے لگا...... عورت نے دوائیوں کا
لفافہ مرد کے حوالے کیا...... مرد نے بل ادا کیا اور دونوں دکان سے باہر کی طرف چل
...... شیر خان انہیں باہر نکلتے بڑے غور سے دیکھتا رہا...... اب اسے یقین ہو گیا تھا
یہ وہی بھارتی جاسوسہ ہی ہے...... بالکل حشمت بی بی والی چال ڈھال تھی...... اسی

طرح سے قدم اٹھا رہی تھی...... شیر خان نے ان دونوں کا تعاقب شروع کر دیا...
شاپنگ سنٹر کے باہر ایک ٹیکسی کھڑی تھی...... دونوں اس میں بیٹھ گئے...... اور ٹیکس
سڑک پر آ گئی۔

سب سے پہلے تو شیر خان نے ٹیکسی کا نمبر دیکھ کر اسے دماغ میں یاد کر لیا، اس کے
بعد کسی خالی ٹیکسی کی تلاش میں تیز تیز قدم اٹھاتا باہر سڑک پر آ گیا...... باہر تین چ
ٹیکسیاں کھڑی تھیں...... اس نے ایک ٹیکسی کا دروازہ کھولا...... اندر گھس گیا اور ڈرائ
سے کہا۔

"فوراً چلو...... اس ٹیکسی کا پیچھا کرو"۔

ساتھ ہی شیر خان نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کو پکڑا دیا......
جانتا تھا کہ اس قسم کا تعاقب کرنے سے ڈرائیور اکثر کتراتے ہیں...... سو روپے لے
ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی...... بھارتی جاسوسہ کی ٹیکسی اس وقت سیدھی سڑک
کافی آگے نکل چکی تھی...... یہ بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ سڑک سیدھی تھی...
دوسری صورت میں ٹیکسی بازاروں کی بھول بھلیوں میں گم ہو سکتی تھی...... ڈرائیور
سپیڈ تیز کر دی اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ آگے جانے والی ٹیکسی کے قریب آ گیا۔

شیر خان نے کہا۔

"گاڑی مناسب فاصلے پر رکھو...... انہیں شک نہیں ہونا چاہئے کہ ان کا پیچ
جا رہا ہے"۔

ڈرائیور نے پوچھا۔

"سر! یہ کوئی جیل سے بھاگے ہوئے قیدی ہیں؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہاں بھائی کچھ ایسی ہی بات ہے...... تم بڑی عقل مندی سے ان کا پیچھا ک
رہو"۔

ان کی ٹیکسی اس سڑک پر چل رہی تھی جو سیدھی کوہ مری کو جاتی تھی...... جب
رام دُلاری کی ٹیکسی پنڈی شہر کی آبادی سے نکل کر اونچے نیچے پہاڑی علاقے میں داخل
ہوئی تو شیر خان نے ڈرائیور سے کہا۔

"اپنی اور اگلی گاڑی کے درمیان فاصلہ اور زیادہ کر دو"۔

ڈرائیور نے ایسا ہی کیا...... شیر خان کو معلوم تھا کہ یہ ایک ہی سڑک ہے جو نیم
پہاڑی علاقے میں سے گزر رہی ہے...... بھارتی جاسوسہ کی گاڑی کسی دوسری سڑک کی
جانب نہیں مڑے گی...... وہ صرف اتنا چاہتا تھا کہ ٹیکسی دُور سے نظر آتی
رہے...... قریب ہونے سے بھارتی جاسوسہ اور اس کے ساتھی کو شک پڑ سکتا تھا کہ ان
کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور وہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر جانے کی بجائے کسی اور طرف نکل سکتے
تھے...... سامنے والے آئینے میں سے اگر رام دُلاری کے ساتھی نے دُور اپنے پیچھے
آنے والی ٹیکسی کو دیکھ بھی لیا ہو گا تو وہ یہی سمجھ سکتا تھا کہ کوئی فیملی کوہ مری کی سیر کو
جا رہی ہے...... ایک دو گاڑیاں سامنے سے آ کر اور دو گاڑیاں پیچھے سے آ کر نکل
گئیں...... کوہ مری روڈ پر ٹریفک سارا دن جاری رہتی تھی...... دونوں گاڑیاں ایک
دوسری کے آگے پیچھے مری روڈ پر چلتی جا رہی تھیں...... اب پہاڑی گھاٹیاں شروع
ہو گئی تھیں...... دونوں ٹیکسیاں بیابان علاقے سے گزر رہی تھیں...... بار بار پہاڑی موڑ
آ رہے تھے...... موڑ مڑتے ہوئے بھارتی جاسوسہ کی ٹیکسی شیر خان کی نظروں سے
اُوجھل ہو جاتی...... ان کی گاڑی موڑ کاٹتی تو وہ ٹیکسی دوبارہ نظر آنا شروع ہو جاتی......
شیر خان نے دیکھا کہ اگلی ٹیکسی کی رفتار ہلکی ہو گئی ہے...... اس نے اپنی ٹیکسی کے
ڈرائیور سے کہا۔

"سپیڈ کم کر دو"۔

بھارتی جاسوسہ کی ٹیکسی سڑک کے کنارے ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی......
برقعہ پوش بھارتی جاسوسہ اپنے آدمی کے ساتھ ٹیکسی سے باہر نکلی...... مرد نے ٹیکسی

والے کو پیسے دیئے اور ٹیکسی آگے روانہ ہو گئی...... برقعہ پوش عورت اور مرد سڑک
سے نیچے اتر گئے اور شیر خان کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گئے، اس نے ڈرائیور سے کہا۔
"جلدی سے گاڑی آگے لے جا کر کھڑی کر دو...... وہاں جہاں ٹیکسی کھڑ
ہوئی تھی"۔

ڈرائیور گاڑی کو آگے لے گیا اور جہاں پہلی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی اس جگہ
چند قدم پیچھے اپنی گاڑی کھڑی کر دی...... شیر خان نے جیب سے مزید پچاس رو
نکال کر ٹیکسی ڈرائیور کو دیئے اور کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو"۔

ڈرائیور نے وہیں سے ٹیکسی واپس موڑی...... شیر خان نے دیکھا کہ وہاں سڑک
کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر چھوٹا سا قبرستان تھا...... اس کے پہلو سے ایک پگ
ڈنڈی نیچے ڈھلان میں اترتی تھی...... شیر خان پگ ڈنڈی پر آگے نیچے اترنے لگا......
دس پندرہ قدم چلنے کے بعد موڑ مڑا تو اسے کچھ فاصلے پر وہی برقع پوش بھارتی جاسوسہ
اپنے آدمی کے ساتھ جاتی نظر آئی...... اس نے نقاب اٹھا رکھا تھا اور آدمی سے باتیں
کر رہی تھی اور آدمی کے آگے آگے چل رہی تھی...... وہاں جنگلی جھاڑیاں بہت اُگ
ہوئی تھیں...... اونچی اونچی جھاڑیاں بھی تھیں...... ان اونچی جھاڑیوں کی وجہ سے کس
وقت دونوں شیر خان کی نظروں سے اُوجھل ہو جاتے...... جھاڑیاں ہٹتیں تو وہ پھر نظ
آنے لگتے۔

شیر خان نے ان دونوں کے درمیان فاصلہ کم کر دیا تھا...... وہ جھاڑیوں کی آڑ
کر تعاقب کر رہا تھا...... ایک جگہ پہنچ کر برقعہ پوش عورت نے رُک کر پیچھے اپنے آدم
کی طرف دیکھ کر کچھ کہا...... شیر خان وہیں جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا اور بڑے غور
اس عورت کو دیکھا...... اس نے نقاب اُلٹ رکھا تھا اور دن کی روشنی میں فاصلے پر
بھی اس کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا...... شیر خان کا دل خوشی سے اُچھل سا پڑا۔

اس نے اس بھارتی جاسوسہ کو پہچان لیا تھا...... یہ وہی عورت تھی جو حشمت بی بی
بن کر ان سب کو بے وقوف بنا گئی تھی...... یہ بھارتی جاسوسہ اور بھارتی دہشت گردوں
کے گروہ کی عورت تھی اور اس کے ساتھ جو آدمی تھا وہ بھی بھارتی دہشت گرد ہی
ہو سکتا تھا...... اب شیر خان یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان کا خفیہ ٹھکانہ کہاں ہے...... ظاہر ہے
کہ وہ اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف ہی جا رہے تھے۔

یہ جان لینے کے بعد کہ یہ عورت وہی بھارتی جاسوسہ ہے جس کی انہیں تلاش
تھی، شیر خان نے درمیان میں فاصلہ زیادہ ڈال دیا...... اب وہ انہیں صرف اپنی نظروں
میں رکھنا چاہتا تھا...... اس وقت شیر خان اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اگر اسے ان کے
خفیہ ٹھکانے کا علم ہو جاتا ہے تو وہ چھاپہ مار کر دہشت گردوں کے گروہ کو گرفتار کر لے یا
اگر گرفتار نہیں کر سکتا تو انہیں وہیں ختم کر دے...... اس کے پاس پستول تو کیا پھل
کاٹنے والی چھوٹی چھری بھی نہیں تھی...... اس کو تو صرف دہشت گردوں کے خفیہ
ٹھکانے کی نشان دہی کرنی تھی...... عورت اور مرد ایک کھائی میں اتر گئے...... شیر خان
بھی تھوڑا وقفہ ڈال کر ان کے پیچھے کھائی میں اتر گیا...... وہ بڑی احتیاط سے چل رہا
تھا...... اسے دو باتوں کا خیال رکھنا پڑ رہا تھا، ایک تو یہ کہ اس کے چلنے سے پتھروں پر
آواز پیدا نہ ہو اور دوسرے وہ انہیں نظر نہ آ جائے...... اس وقت ایک طرح سے شیر
خان دشمن کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا...... وہ نہتا تھا...... اس عورت کے پاس نہیں
تو اس کے ساتھ جو دہشت گرد تھا اس نے ضرور کوئی نہ کوئی اسلحہ لباس کے اندر چھپایا
ہوا ہو گا...... یہ لوگ بغیر اسلحے کے اپنی کمیں گاہوں سے نہیں نکلا کرتے...... دوسرے
ان لوگوں کی خفیہ کمیں گاہ یا ٹھکانہ وہیں کہیں قریب ہی لگتا تھا اور اس خفیہ ٹھکانے میں
دوسرے دہشت گرد بھی ضرور موجود ہوں گے اور ان کے پاس اسلحہ بھاری مقدار اور
تعداد میں موجود ہو گا...... شیر خان کا پتہ چل جانے کی صورت میں نہ صرف یہ اس کی
جان کو خطرہ تھا بلکہ اس کا شکار بھی ہاتھ سے نکل جانا تھا...... لیکن اسے ہر حالت میں اپنی

جان کی بازی لگا کر بھی ان بھارتی دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کا سراغ لگانا تھا جو ک
اس کی اطلاع کے مطابق ان بھارتی دہشت گردوں کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا...... شیر خا
دونوں دہشت گردوں کو اپنی نظروں سے اُوجھل نہیں ہونے دے رہا تھا...... کھائی ک
جگہوں سے گھوم گئی تھی...... شیر خان کہیں رُک کر، کہیں جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ
کر ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا...... ایک جگہ پہنچ کر کھائی کے آگے دیوار آ
جس پر بے شمار جھاڑ جھنکاڑ اور گھاس اگا ہوا تھا اور جنگلی بیلیں بھی لٹک رہی تھیں...
ساری دیوار ان جنگلی بیلوں نے ڈھانپ رکھی تھی...... شیر خان ایک جگہ چھپا ان دونو
کو دیکھ رہا تھا...... مرد دہشت گرد نے ایک جگہ سے جنگلی بیلوں کو ہٹایا اور دونوں ا
کے اندر چلے گئے...... جنگلی بیلیں پھر اپنی جگہ پر آ گئیں۔

شیر خان جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھا دیوار کو دیکھ رہا تھا...... جب اسے ب
بیٹھے پانچ سات منٹ گزر گئے اور کوئی باہر نہ نکلا تو وہ سمجھ گیا کہ دہشت گردوں کا ٹ
ٹھکانہ اسی جگہ پر ہے...... وہ چپکے سے اٹھا اور دبے پاؤں کھائی کے پتھروں اور روڑو
واپس چل پڑا...... کھائی کے باہر آ کر وہ سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے...... اگر ا
وقت اس کے ساتھ کمانڈو فورس ہوتی تو وہ دہشت گردوں کے پورے گینگ کو پکڑ
تھا، لیکن وہ اکیلا تھا اور نہتا تھا...... کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ گھاٹی کی چڑھائی چڑ
لگا...... وہ جلدی جلدی چڑھائی چڑھ رہا تھا...... اس وقت اسے موبائل فون کی شد
سے کمی محسوس ہوئی...... پتہ نہیں کس وجہ سے انہیں شہر کے اِرد گرد کم از کم بیس
کے رقبے میں موبائل استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی...... شاید اس خیال سے
ان کے سگنل دشمن نہ سن لے...... وہ قبرستان کے پاس سڑک پر آ کر کھڑا ہو گیا
اس کے سامنے سے دو لاریاں اوپر کوہ مری کی طرف گزر گئیں...... کوہ مری سے
تک لاری، بس یا ٹیکسی یا کوئی پرائیویٹ کار نہیں آئی تھی، لیکن اسے زیادہ دیر انتظ
کرنا پڑا...... دور سے اسے ایک کار آتی نظر آئی...... شیر خان نے سڑک کے درم

کھڑے ہو کر کار کو ہاتھ دے دیا...... کار سڑک کے ایک طرف ہو کر رُک گئی۔

ایک نوجوان لڑکا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

اس نے بڑی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"انکل آپ کو اسلام آباد جانا ہے تو بیٹھ جائیں"۔

شیر خان جلدی سے آگے بیٹھ گیا اور کار چل پڑی...... شیر خان نے کہا۔

"برخوردار! ایک ایمرجنسی پیدا ہو گئی ہے...... اگر تم مجھے کم سے کم وقت میں پنڈی پہنچا دو تو میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں گا"۔

نوجوان لڑکے نے کہا۔

"نو پرابلم انکل...... میں تو اس قسم کے ایڈونچرز کی تلاش میں رہتا ہوں"۔

اور اس نے کار کی سپیڈ تیز کر دی...... سڑک پہلے ہی ڈھلوان تھی...... کار کی رفتار مزید تیز ہو گئی...... شیر خان کو ایک ہی ڈر تھا کہ لڑکا نوجوان اور مہم جو معلوم ہوتا ہے کہیں کسی جگہ گاڑی مار نہ دے، مگر بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ وہ بڑا اچھا ڈرائیور بھی تھا...... بیس پچیس منٹ کے بعد اس نے شیر خان کو صدر میں تنظیم کے ہیڈ آفس کے باہر پہنچا دیا...... شیر خان نے نوجوان کا شکریہ ادا کیا اور تیز تیز چلتا سیدھا چیف کے کمرے میں آ گیا۔

چیف اس وقت اکیلا ہی تھا...... اس نے شیر خان کو دیکھ کر کہا۔

"تمہارا سانس کیوں پھول رہا ہے شیر خان...... کیا کہیں جوگنگ کر کے آرہے ہو؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"سر! کمانڈو پارٹی کو تیاری کا حکم دیں...... میں نے بھارتی دہشت گردوں کے ہائیڈ آؤٹ کا پتہ لگا لیا ہے...... میں وہیں سے آرہا ہوں"۔

چیف نے اسی وقت دس مجاہد کمانڈوز کی ایک فورس شیر خان کے ساتھ روانہ

کردی...... یہ کمانڈو دو بند جیپوں میں سوار تھے...... اگلی جیپ میں شیر خان ڈرائیور مجا
کے ساتھ بیٹھا تھا...... وہ جتنی جلدی نکل سکتے تھے شہر کی ٹریفک میں سے نکل کر مر
روڈ پر آگئے اور انہوں نے گاڑیوں کی سپیڈ بڑھادی...... شیر خان کو یہی ایک فکر تھی ک
کہیں اس دوران دہشت گرد کسی وجہ سے اپنے خفیہ ٹھکانے سے نکل نہ گئے ہوں۔

تیز رفتاری سے گاڑیاں چلانے کے باوجود انہیں پرانے قبرستان تک پہنچنے میں
پینتیس چالیس منٹ لگ گئے...... شیر خان نے دونوں گاڑیوں کو قبرستان کی دیوار
اوٹ میں کھڑا کر دیا اور جوانوں کو لے کر گھاٹی کی ڈھلان اترنے لگا...... یہ تربیت یاف
سر فروش مجاہد تھے...... شیر خان نے انہیں صرف اتنا سمجھا دیا تھا کہ دہشت گردوں کے
خفیہ ٹھکانے کی پوزیشن کیا ہے...... وہ بکھر کر گھاٹی کی ڈھلان اتر رہے تھے...... تمام مجا
مسلح تھے...... ہر ایک کے پاس سٹین گن کے علاوہ چھ چھ ہینڈ گرنیڈ تھے...... وہ جنگ
جھاڑیوں کی آڑ لے کر آگے بڑھ رہے تھے...... جب شیر خان انہیں لے کر کھائی میں
اترا تو اس نے اشارے سے بتایا کہ یہی وہ کھائی ہے جس کے آخر میں دیوار کے اند
دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کو راستہ جاتا ہے۔

تمام جوان الرٹ ہو گئے...... اپنی اپنی سٹین گنوں پر ان کی گرفت مزید مضبو
ہو گئی...... پانچ کمانڈو کھائی کی ایک دیوار کے ساتھ لگے جھک کر آگے بڑھ ر
تھے...... پانچ کمانڈو دوسری دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہے تھے...... شیر خا
کے ہاتھ میں برین گن تھی اور وہ کھائی کے درمیان اونچی گھاس اور جھاڑیوں کو ایک
طرف ہٹاتا بڑھ رہا تھا...... کھائی کے تین چار موڑ گھومنے کے بعد سامنے وہ دیوار آ
جس پر جنگلی بیلیں لٹک رہی تھیں اور جس کے اندر دہشت گرد بھارتی جاسوسہ اور ا
کا... تھی داخل ہوئے تھے۔

...ان آہستہ آہستہ دیوار کے قریب آگئے تو شیر خان نے انہیں اشارہ کیا...
د... کے ... کمانڈو جوانوں نے جھاڑیوں میں گھات لگا کر پوزیشنیں سنبھال لیں...

شیر خان کو یقین تھا کہ اگر اس دیوار کے اندر ٹیلے کے نیچے دہشت گردوں کا ہائیڈ آؤٹ
ہے تو اس سے باہر نکلنے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہو گا...... اس کے باوجود وہ دہشت
گردوں کو کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا...... یہ وہ مقام تھا جہاں دشمن پر اچانک حملہ کر دیا
جاتا ہے اور دشمن کو سنبھلنے کا بھی موقع نہیں دیا جاتا...... شیر خان نے ہینڈ گرنیڈ ہاتھ
میں لے کر اس کی پن نکالی اور اس کے سپرنگ کو انگوٹھے سے دبا کر دیوار کے قریب
آگیا...... اس نے جنگلی بیل کو ایک طرف ہٹایا تو اس کے سامنے ایک قدرتی غار کا دہانہ
نمودار ہوا جس کو آدھے سے زیادہ درختوں کی شاخوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا...... اندر
سے سگریٹ کے دھوئیں کی بو بھی آرہی تھی اور کسی آدمی کے باتیں کرنے کی آواز
بھی آرہی تھی۔

شیر خان نے دستی بم غار کے اندر پھینکا اور فوراً زمین پر اوندھا لیٹ گیا...... ایک
زبردست دھماکہ ہوا اور غار کے دہانے کے آگے جو درختوں کی شاخیں تھیں وہ اس
کے اوپر سے اڑ کر دور جا گریں...... غار کے اندر سے ایک دم فائرنگ شروع ہو گئی......
ادھر سے کمانڈو جوان بھی زمین پر رینگتے ہوئے غار کے دہانے کی طرف بڑھے اور
انہوں نے بھی غار کے دہانے پر فائر کھول دیا...... شیر خان جلدی سے اٹھ کر دیوار کی
اوٹ میں ہو گیا...... اس نے اشارہ کیا اور مجاہدوں نے اوپر تلے چار دستی بم غار کے اندر
پھینک دیئے...... ایک بھیانک دھماکے کے ساتھ غار کے دہانے کا اوپر کا ایک حصہ اڑ
گیا...... شیر خان نے اپنے جوانوں کو فائرنگ روکنے کا اشارہ کیا اور اونچی آواز میں کہا۔

”تم لوگ ہمارے گھیرے میں آچکے ہو...... ہماری پوری فورس باہر موجود
ہے...... تم زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے...... بہتر یہی ہے کہ ہتھیار ڈال دو اور
اپنے دونوں ہاتھ سروں کے پیچھے رکھ کر ایک ایک کر کے باہر نکل آؤ...... ہم وعدہ
کرتے ہیں کہ تم پر فائر نہیں کیا جائے گا“۔

غار کے اندر سے دہشت گردوں نے بھی فائرنگ بند کر دی تھی...... وہاں ایک

سناٹا چھا گیا...... شیر خان نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہا۔

"میں پانچ تک گنتی گنوں گا...... اگر تم لوگ پھر بھی باہر نہ آئے تو تمہارے غا
بارود سے اُڑا دیا جائے گا...... ایک...... دو...... تین"۔

شیر خان پانچ پانچ سیکنڈ کا وقفہ ڈال کر گنتی بول رہا تھا...... جب وہ چار تک پہنچ
اندر سے ایک آدمی نکلا جس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے کئے ہوئے تھے......
جوانوں نے لپک کر اسے پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ پیچھے کر کے رسی سے باندھ دیئے۔
اس کے بعد غار کے دہانے میں سے دوسرا...... پھر تیسرا...... پھر چوتھا دہشت گرد
آ گیا...... ان سب نے اپنے اپنے ہاتھ سروں کے پیچھے کر رکھے تھے...... ان میں
داڑھی والا دہشت گرد بھی تھا جو کہ شیر خان نے پنڈی صدر کے شاپنگ سنٹر میں ب
پوش بھارتی جاسوسہ کے ساتھ دیکھا تھا اور جن کا پیچھا کرتا وہ ان کے خفیہ ٹھکانے
آیا تھا...... ان سب کو اپنے جوانوں نے قابو کر لیا...... جب اس کے بعد کوئی دہشت
باہر نہ آیا تو شیر خان نے داڑھی والے بھارتی دہشت گرد سے پوچھا۔

"اندر اور کون کون ہے؟"۔

دہشت گرد رامو بولا۔

"اندر اور کوئی نہیں...... ہم چار ہی اندر تھے"۔

شیر خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"تمہارے ساتھ جو برقعہ پوش عورت تھی وہ کہاں ہے؟"۔

دہشت گرد رامو نے شیر خان کو گہری نگاہ سے دیکھا...... وہ سمجھ گیا کہ جب
رام دُلاری کے ساتھ شہر سے واپس آ رہا تھا تو یہ شخص اس کا تعاقب کر رہا تھا......
نے دل میں اپنے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ چھاپہ پڑنے سے دس منٹ پہلے رام دُ
وہاں سے نکل کر بھارتی سفارت خانے کی طرف جا چکی تھی...... رام دُلاری ایک
دہشت گرد عورت ہوتے ہوئے بھی آخر ایک عورت تھی...... ان دہشت گرد

اس کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ اگر یہ پکڑی گئی تو پوچھ گچھ کے دوران زیادہ
تشدد برداشت نہیں کر سکے گی اور سارے راز اُگل دے گی، چنانچہ دہشت گرد ہمیشہ
اسے اپنی حفاظت میں رکھتے تھے...... شیر خان نے دوسری بار گرجدار آواز میں پوچھا۔

"وہ عورت کہاں ہے...... میں نے اسے خود تمہارے ساتھ غار میں داخل ہوتے
دیکھا تھا"۔

دہشت گرد رامو نے مسکرا کر کہا۔

"وہ تمہاری پہنچ سے بہت دُور جا چکی ہے"۔

شیر خان نے اپنے جوانوں سے کہا۔

"ان کافروں کو لے چلو اور چار جوان میرے ساتھ آؤ...... تم لوگ اوپر ہمارا
انتظار کرو گے"۔

چھ مسلح مجاہد رسیوں میں جکڑے ہوئے بھارتی دہشت گردوں کو لے کر واپس
چلے گئے اور شیر خان چار جوانوں کو لے کر غار میں داخل ہو گیا...... غار کے اندر ایک
قدرتی کشادہ کمرہ سا بنا ہوا تھا...... وہاں جتنا اسلحہ...... ہتھیار اور میگزین تھا وہ انہوں نے
اٹھا لیا اور غار سے نکل کر اوپر اپنی گاڑیوں کی طرف چل پڑے...... شیر خان کو افسوس
ہو رہا تھا کہ بھارتی دہشت گرد جاسوسہ اس کے ہاتھ سے ایک بار پھر نکل گئی تھی۔

رام دُلاری دہشت گردوں کے خفیہ اڈے پر رامو کے ساتھ آنے کے کچھ دیر
بعد کیوں نکل گئی تھی؟ اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ ابھی اس کی قسمت میں کمانڈوز کے
ہاتھوں گرفتار ہونا نہیں لکھا ہوا تھا...... جانے کیوں دہشت گرد رامو کو خیال آ گیا کہ
رام دُلاری کا اس وقت خفیہ کمیں گاہ میں رہنا ٹھیک نہیں...... اس نے اسے کہا کہ وہ
واپس بھارتی سفارت خانے چلی جائے...... رام دُلاری واپس نہیں جانا چاہتی تھی، لیکن
رامو نے اسے مجبور کر کے واپس بھیج دیا اور وہ برقعہ اوڑھ کر خفیہ اڈے سے نکل گئی......
اس وقت باہر میدان صاف تھا...... اس کا پیچھا کرنے والا کوئی نہیں تھا...... وہ ٹیکسی لے

کر بھارتی سفارت خانے آگئی...... پریس اتاشی اسے دیکھ کر بولا۔

"تم کیوں آگئی ہو؟"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"مجھے رامو نے واپس بھیج دیا ہے"۔

پریس اتاشی نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم اوپر والے کمرے میں چلی جاؤ اور سفارت خانے کی عمارت سے باہر مت نکلنا"۔

اس کے ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد بھارتی سفارت خانے کو اطلاع مل گئی کہ پولیس چھاپہ مار کر اپنے سارے آدمیوں کو پکڑ کر لے گئی ہے...... جب رام دُلاری کو اس خبر کا پتہ چلا تو وہ حیرت زدہ سی ہو گئی...... اگر رامو اسے عین وقت پر وہاں سے چلے جانے کو نہ کہتا تو وہ بھی اس وقت پنڈی کے کسی پولیس سٹیشن کی حوالات میں بند ہوتی...... ان دہشت گردوں کا پکڑے جانا بھارتی حکومت کے لئے بہت بڑا صدمہ تھا...... نئی دلی نے اسی وقت اپنے سفارت خانے کو پیغام بھیج دیا کہ کچھ دیر کے لئے تخریبی کارروائیاں بند کر دی جائیں اور رام دُلاری کو واپس نئی دلی بھیج دیا جائے...... اسی رات رام دُلاری کو سفارت خانے کی ایک گاڑی میں پشاور روانہ کر دیا گیا...... ویزا لگا بھارتی پاسپورٹ اس کے پاس تھا...... پشاور سے اسے پی آئی اے کے طیارے کے ذریعے کراچی پہنچایا گیا جہاں سے عرب امارات کی پرواز میں رام دُلاری دوبئی چلی گئی...... دوبئی سے اس نے برٹش ایئرویز کی فلائٹ پکڑی اور نئی دلی پہنچ گئی۔

تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کا چیف شیر خان کی کارکردگی سے بڑا خوش تھا...... اس کی ہوشیاری سے بھارتی دہشت گردوں کا ایک بہت بڑا گروہ پکڑ لیا گیا تھا...... چیف نے شیر خان سے کہا تھا کہ اس کے آئندہ مشن کے سلسلے میں مجاہد کمانڈو شاہد علی اس کے ساتھ بھارت جائے گا اور وہ شاہد علی سے اسے شام کے وقت ملائے گا...... چنانچہ شام

ہوتے ہی شیر خان اپنے چیف کے کمرے میں آگیا...... نورانی چہرے اور شرعی داڑھی والا چیف حسب معمول دری پر تکیے کے سہارے بیٹھا ضروری کاغذات دیکھ رہا تھا...... اس نے شیر خان کے سلام کے جواب میں وعلیکم سلام کے بعد کہا۔

"تم ٹھیک وقت پر آئے ہو...... مجاہد شاہد علی تھوڑی دیر میں آرہا ہے...... میرے پاس بیٹھ جاؤ"۔

شیر خان بڑے ادب سے چیف کے سامنے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... چیف نے کاغذات سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیئے اور شیر خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں مجاہد شاہد علی کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ چار سال سے جہاد کشمیر میں شریک ہے اور کشمیر کے تقریباً ہر محاذ پر مقبوضہ بھارتی فوج کے خلاف نمایاں کارنامے انجام دے چکا ہے...... اپنی فوج کا ریٹائرڈ کمانڈو ہے اور فوج کا تربیت یافتہ ہے...... اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کے سلسلے میں وہ سارے جنوبی بھارت میں پھرتا رہا ہے اور خاص طور پر حیدر آباد دکن میں اس نے بہت وقت گزارا ہے...... اسی وجہ سے وہ وہاں کی تامل اور تلگو زبانیں بول اور سمجھ لیتا ہے...... یہ زبانیں تم بھی جانتے ہو...... اس کا تم دونوں کو بڑا فائدہ ہوگا اور تمہیں اپنے مشن میں مدد ملے گی...... اتنے میں ایک مجاہد نے آکر اطلاع دی کہ مجاہد شاہد علی آگیا ہے...... چیف نے کہا۔

"اسے اندر بھیج دو"۔

کچھ ہی دیر بعد شاہد علی آگیا...... اس نے سلام کیا اور بولا۔

"سر! میں لیٹ تو نہیں ہوں؟"۔

چیف نے کہا۔

"کمانڈو نہ وقت سے پہلے آتا ہے نہ وقت کے بعد آتا ہے...... تم ٹھیک وقت پر آئے ہو...... ان سے ملو...... یہ کمانڈو شیر خان ہے"۔

شاہد علی نے بڑی گرم جوشی سے شیر خان سے مصافحہ کیا اور بولا۔

"شیر خان کی میں نے بڑی تعریف سن رکھی ہے...... مجھے اس شیر دل کمانڈو سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے بھی تم سے مل کر خوشی ہوئی ہے"۔

چیف نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شاہد علی! تم لوگ جس مشن پر بھارت جا رہے ہو اس کے بارے میں تمہیں پہلے سے سب کچھ بتا دیا گیا ہے...... میں نے شیر خان کو بھی پوری تفصیل سے بتا دیا ہے کہ یہ مشن کس قدر اہم ہے اور کس قدر پیچیدہ ہے...... تمہیں بھارت کے دفاعی ایٹمی تحقیقاتی ادارے کے کنٹرولر حیدر آباد دکن کے برہمن ڈاکٹر تھانو پلائی کو واصل جہنم کرنا ہے جس کی زیر کار کردگی پاکستان کے خلاف استعمال کئے جانے والے زمین سے فضا میں اور فضا سے فضا میں مار کرنے والے ترشول کے ماڈل نمبر 2 میزائلوں پر ابتدائی کام شروع ہو چکا ہے...... یہ میزائل سمندر کے نیچے آبدوز سے بھی چھوڑے جا سکیں گے اور اگر ہماری طرف سے دشمن کے کسی ٹھکانے کو تباہ کرنے کے واسطے میزائل چھوڑا جاتا ہے تو یہ راستے میں ہی اسے ختم کر سکیں گے جو ہمارے لئے ایک تشویش کی بات ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے سائنس دانوں نے اس کا بھی توڑ دریافت کر لیا ہے، لیکن ہم بھارت کے اس ایٹمی میزائل پروگرام کو کم از کم تین چار سال کے لئے موخر کرنا چاہتے ہیں...... یعنی ان میزائلوں کی تیاری میں چار ایک سال کا وقفہ ضرور پڑ جائے...... اس دوران ہمیں اپنی دفاعی صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر بنانے کا وقت مل جائے گا"۔

مجاہد شاہد علی نے پوچھا۔

"سر! اس شخص ڈاکٹر پلائی کی سکیورٹی کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہو تو وہ معلوم ہو جائے تو ہمارے لئے اچھا ہو گا"۔

چیف نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ یہ آدمی یعنی ڈاکٹر پلائی بھارت کا اہم ترین اور بڑا قیمتی انسان ہے اور اس کے گرد ہر وقت باڈی گارڈ رہتے ہوں گے...... اس بارے میں تمہیں بھارت میں اپنے آدمیوں سے ہی معلومات مل سکیں گی جن سے جا کر تم رابطہ پیدا کرو گے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"ہمارے یہ آدمی ہمیں کس شہر میں ملیں گے؟"۔

چیف نے کہا۔

"جیسا کہ تم جانتے ہی ہو یہ لوگ دکن کے مقامی مسلمان سرفروش ہیں، جو کشمیر کی آزادی، اسلام کی سربلندی اور پاکستان کی سلامتی کے لئے اپنے طور پر اپنی زندگیاں خطرے میں ڈال کر یہ دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں...... انہیں تم دونوں کی فوٹو روانہ کر دی گئی ہیں"۔

شاہد علی نے پوچھا۔

"کیا ہم انہیں خفیہ کوڈ کے تبادلے سے پہچانیں گے؟"۔

چیف نے کہا۔

"تمہیں کوڈ کا خفیہ جملہ بتا دیا جائے گا...... ان کا آدمی حیدر آباد دکن کے سٹیشن پر تمہیں لینے آیا ہو گا...... وہ تمہیں پہچان لے گا...... پھر وہ خفیہ کوڈ جملہ دہرائے گا تو تم بھی اسے پہچان لو گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں یہاں سے حیدر آباد دکن پہنچنا ہو گا"۔

"ہاں" چیف نے جواب دیا۔

شاہد علی نے سوال کیا۔

"سر! ہماری روانگی کب تک متوقع ہے؟"۔

چیف نے کہا۔

”ہمیں دکن سے خفیہ اطلاع کا انتظار ہے...... جیسے ہی وہاں سے ہمیں سگنل ملا...... تمہیں روانہ کر دیا جائے گا“۔

شیر خان کہنے لگا۔

”میرا ارادہ ہے کہ اتنی دیر میں میں لاہور جا کر اپنے کمانڈنگ آفیسر صاحب ا گل خان کو بتا آؤں کہ میں ایک ضروری مشن پر بھارت جا رہا ہوں“۔

چیف نے کہا۔

”اگر تم ضروری سمجھتے ہو تو صبح کی ریل کار سے لاہور چلے جاؤ“۔

شاہد علی نے کہا۔

”ہم تمہارا انتظار کریں گے“۔

شیر خان بولا۔

”میں کل ہی کسی گاڑی یا بس سے پنڈی واپس آ جاؤں گا“۔

اس کے بعد ان کی میٹنگ برخاست ہو گئی۔

مجاہد شاہد علی اور شیر خان دونوں نے ہیڈ کوارٹر کے مختصر مگر سادہ کچن کے با برآمدے میں بیٹھ کر روٹی کھائی پھر اپنے اپنے کمرے میں سونے کے لئے چ دیئے...... صبح اذان کے وقت شیر خان بیدار ہو گیا...... اس نے غسل کر کے وضو کیا...... نماز ادا کی اور لاہور جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے چیف کا پیغام آ گیا...... وہ ف اس کی خدمت میں حاضر ہوا...... اس کے پاس مجاہد شاہد علی پہلے سے موجود تھا۔

چیف نے کہا۔

”شیر خان! اب تمہیں لاہور جانے کی ضرورت نہیں ہے...... ہمیں رات ا بجے دکن والوں کا پیغام ملا ہے کہ تمہیں بھارت روانہ کر دیا جائے...... کمانڈنگ آفی صاحب اور گل خان کو ہم اطلاع کر دیں گے کہ تمہیں ہم نے کہاں بھیجا ہے“۔

شیر خان نے کہا۔

”ٹھیک ہے سر!“۔

مجاہد شاہد علی اور کمانڈو شیر خان کا سارا دن بعض ضروری تیاریوں میں گزر گیا...... مجاہد شاہد علی اور شیر خان کو اگرچہ جنوبی بھارت کے شہروں اور جنگلوں سے کافی واقفیت تھی، لیکن چیف نے بھارت کا نقشہ سامنے رکھ کر انہیں ایک بار پھر ان جگہوں کی نشان دہی کر دی جہاں انہیں جانا تھا جو مقامات ان کی سرگرمیوں کے مرکز بن سکتے تھے...... انہیں انڈیا کے پاسپورٹ دیئے گئے...... یہ ایسے پاسپورٹ تھے کہ ان پر نقلی ہونے کا گمان تک نہیں ہو سکتا تھا، ان پر مختلف شہروں کے ویزے بھی لگے ہوئے تھے...... یہ وہ شہر تھے جہاں وہ جا چکے تھے...... آخری ویزا برما کا تھا...... اس اعتبار سے انہیں برما کے دارالحکومت رنگون پہلے جانا تھا اور پھر رنگون سے نئی دہلی پرواز کر جانا تھا۔

یہ سارا سفر مجاہد شاہد علی اور کمانڈو شیر خان نے حیدر آباد دکن کے دو ہندو بزنس مین بن کر کرنا تھا، جن کا حیدر آباد میں واشنگ مشینوں کے فالتو پرزوں کا کاروبار تھا اور جو اپنے بزنس ہی کے سلسلے میں مشرق وسطیٰ کے مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے پاکستان گئے تھے اور اب واپس اپنے ملک بھارت جا رہے تھے...... انہیں خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ وہ رنگون سے بذریعہ طیارہ سیدھا حیدر آباد نہیں جائیں گے بلکہ صرف دلی تک ہوائی جہاز کا سفر کریں گے...... دلی سے آگے حیدر آباد وہ ٹرین میں سفر کریں گے جہاں ریلوے سٹیشن پر قطب الدین نام کا ایک آدمی ان کے انتظار میں موجود ہو گا...... چیف کہنے لگا۔

”تمہیں رنگون سے سیدھا حیدر آباد یا دلی سے حیدر آباد کی فلائٹ پکڑنے سے اس لئے منع کیا جا رہا ہے کہ ایئرپورٹ پر سی آئی ڈی شہد کی مکھیوں کی طرح موجود ہوتی ہے اور جب سے کشمیر کے محاذ پر مجاہدین نے مقبوضہ بھارتی فوجوں کے خلاف اپنی

سرگرمیاں تیز کردی ہیں تو خاص طور پر ہوائی اڈوں پر سیکورٹی کا نظام سخت کر دیا گیا
اور باہر سے آنے والوں پر کڑی نظر رکھی جا رہی ہے...... ذرا سے شک پڑنے
مسافروں کو پوچھ گچھ کے لئے روک لیا جاتا ہے...... ہم نہیں چاہتے کہ تم لوگ اس قسم
کا کوئی خطرہ مول لو...... ریلوے سٹیشنوں پر بھی اگرچہ سیکورٹی کا نظام کافی سخت ہے او
انٹیلی جنس والے بھی موجود ہوتے ہیں لیکن وہاں مسافروں کے ہجوم میں کسی ایک
پر نگاہ قائم رکھنا مشکل ہوتا ہے اور آدمی مسافروں کے ہجوم میں نکل جاتا ہے“۔

شیر خان نے کہا۔

”سر! ہم آپ کی ہدایات کے مطابق عمل کریں گے“۔

تب شاہد علی نے چیف سے پوچھا۔

”حیدر آباد (دکن) کے سٹیشن پر اپنا آدمی قطب الدین موجود ہو گا...... ذرا ہمیں
اس کا تھوڑا سا حلیہ بھی بتا دیں“۔

چیف نے کہا۔

”قطب الدین دو تین مرتبہ ہمارے پاس یہاں تنظیم کے آفس میں آکر مجھ سے
مل چکا ہے...... سانولے رنگ کا دبلا پتلا آدمی ہے...... عمر تیس کے قریب ہے...... بال
گھنگھریالے سیاہ اور گھنے ہیں...... اس کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کے ماتھے کی
بائیں جانب زخم کا ایک انچ لمبا نشان ہے“۔

شیر خان نے کہا۔

”اب ہمیں وہ کوڈ کا خفیہ جملہ بتا دیجئے جس سے ہمیں قطب الدین کے آگے اپنی
شناخت کروانی ہو گی“۔

چیف نے کہا۔

”ویسے تو وہ تم دونوں کو پہچان لے گا، کیونکہ ہماری تنظیم کی جانب سے ان لوگوں
کو تم دونوں کی تصویریں پہنچا دی گئی ہیں اور اس کی وائرلیس پیغامات پر تصدیق

ہو گئی ہے، لیکن اس کے باوجود تمہیں خفیہ کوڈ کا جملہ بولنا پڑے گا...... جب تک اس
ضابطے قانون کو پورا نہیں کرو گے قطب الدین تمہیں اسی جگہ چھوڑ کر واپس چلا جائے
گا اور واپس نہیں آئے گا“۔

اس کے بعد چیف نے شیر خان اور شاہد علی کو خفیہ کوڈ کا ایک ایک جملہ بتایا اور کہا۔

”اپنے اپنے جملے کو اچھی طرح سے یاد کر لو...... قطب الدین تم سے سوال کرے
گا...... آج کل کوہ ہمالیہ کی ترائی میں برف باری شروع ہوئی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب
میں تم باری باری اپنا اپنا خفیہ جملہ بولو گے...... اس کے ساتھ ہی تمہاری تصدیق
ہو جائے گی اور قطب الدین تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا“۔

اسی رات دس بجے ان کی اسلام آباد سے کراچی کی فلائٹ کنفرم تھی...... کراچی
سے انہیں تھائی ایئر لائنز کی فلائٹ میں رنگون کی طرف روانہ ہونا تھا...... نو بجے تک
شاہد علی اور شیر خان پوری تیاری کر چکے تھے...... انہوں نے حیدر آبادی
ہندو کاروباریوں کی طرح کا لباس پہن رکھا تھا، یعنی بغیر کالر کے کرتے...... چوڑی
موری والے پاجامے...... صدریاں اور دونوں نے ماتھوں پر آندھیرا پردیش کے
ویشنو ہندوؤں کی طرح تلک کی تین لکیریں لگا رکھی تھیں...... دونوں کے ہاتھوں میں
مختلف سائز کے معمولی سے بریف کیس بھی تھے...... انہیں اپنے آپ کو مڈل کلاس
بزنس مین ظاہر کرنا تھا...... ان کو صرف اتنی ہی بھارتی کرنسی دی گئی تھی جتنی کہ
انہیں دکن پہنچنے تک ضرورت پڑ سکتی تھی، چونکہ وہ بھارتی باشندوں کی حیثیت سے
جا رہے تھے اس لئے انہیں بھارتی کرنسی ساتھ لے جانے کی اجازت تھی...... حیدر
آباد دکن کے لوگوں کی اکثریت پان کھاتی ہے...... شاہد علی اور شیر خان پان بھی چبا
رہے تھے...... ان کے بریف کیس میں ان کی واشنگ مشینوں کے فالتو پرزوں کی
فرضی کمپنی کا ایک لیٹر پیڈ اور دوسرے ضروری کاروباری کاغذات وغیرہ بھی تیار
کروا کر رکھ دیئے گئے تھے، چنانچہ جب وہ تنظیم کے ہیڈ کوارٹر سے نکلے تو خالص

بھارت کے کسی جنوبی شہر کے ہندو کاروباری لگ رہے تھے...... تنظیم کے آفس
وہ چادریں اوڑھ کر رکشے میں بیٹھ کر ایک چوک تک گئے...... پھر وہاں سے ٹیکسی
کر ائیرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے۔

اسلام آباد سے کراچی اور کراچی سے آگے رنگون تک تھائی ایئرلائنز کے ٹک
ان کی جیبوں میں تھے...... ٹھیک دس بج کر چار منٹ پر ان کا طیارہ کراچی کی طر
پرواز کر گیا...... کراچی پہنچنے کے بعد وہ وہیں ایئرپورٹ کی کینٹین میں جا کر
گئے...... پچھلے پہر چار بجے ان کی فلائٹ کا ٹائم تھا...... انہوں نے چائے منگوالی
باتیں کرنے لگے۔

شیر خان نے کہا۔

"شاہد بھائی! چیف صاحب نے آپ کے بارے میں مجھے بہت کچھ بتایا، لیکن ا
سے پہلے ہی ایک کشمیری مجاہد کی حیثیت سے آپ کی شہرت مجھ تک پہنچ چکی تھی۔
یہ میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ آج آپ کے ساتھ ایک اہم مشن پر جانے کا مو
مل رہا ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شیر بھائی! پہلی بات تو یہ ہے کہ تم مجھے آپ بالکل نہیں کہو گے...... ہم دونوں
عمر نہ بھی ہوں تب بھی ایک دوسرے کے دوست ہیں...... ہمارے درمیان کسی قسم
تکلف نہیں ہونا چاہئے...... ویسے بھی ہم کسی شادی کی تقریب میں شرکت کر
نہیں جا رہے...... ہم ایک خطرناک اور بڑے پیچیدہ مشن پر دشمن کے ملک میں جا ر
ہیں اور جہاں ہمیں ہر قدم پر پکڑے جانے اور اذیت ناک موت کا سامنا ہوگا...... ایسا
ہو کہ ہم لکھنؤ والوں کی طرح پہلے آپ پہلے آپ ہی کرتے رہیں اور دشمن ہمارے
پر پہنچ جائے" اس پر دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے...... شیر خان نے کہا۔

"تم نے بڑی موقع کی بات کی ہے شاہد بھائی...... اب ہم ایک دوسرے کو تم

کر ہی مخاطب کریں گے"۔

شاہد علی مجاہد نے کہا۔

"حیدر آباد کی تاریخ مسلمانوں کی عالی شان خدمات اور اسلام کے سنہری
کارناموں سے بھری پڑی ہے، لیکن بھارت کی اس سب سے بڑی اور جاہ و جلال والی
اسلامی ریاست کا انجام بڑا ہی عبرتناک ہوا ہے"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"یہ تاریخ کے اپنے عمل کے فیصلے ہیں...... اندلس میں مسلمانوں کا زوال اس
سے کم اندوہناک نہیں تھا...... اسلامی تاریخ میں ایسے حادثات ہوتے ہی رہتے ہیں اس
لئے کہا گیا ہے کہ

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

"تم ٹھیک کہتے ہو" شاہد علی نے کہا...... "یہی وجہ ہے کہ آج حیدر آباد دکن کے
مسلمانوں میں اسلام کا جذبہ پہلے سے کہیں زیادہ ہے...... قطب الدین کا تعلق دکن کے
مسلمانوں کی جس خفیہ تنظیم سے ہے وہ ایک پرجوش جذبے کے ساتھ بھارتی
مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ، اسلام کی سربلندی، جہاد کشمیر اور پاکستان کی سلامتی کے
لئے اندر ہی اندر کام کر رہی ہے"۔

اس کے ساتھ ہی مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"تمہیں کوڈ کا خفیہ جملہ یاد ہے نا جو ہمیں حیدر آباد دکن کے سٹیشن پر قطب الدین
کے آگے بولنا ہوگا"۔

شیر خان نے دائیں بائیں ایک نگاہ ڈالی اور پھر شاہد علی کی طرف جھک کر آہستہ
سے وہ جملہ دہرا دیا...... شاہد علی نے کہا۔

"مجھے بھی یاد ہے"۔

اور اس نے بھی اپنا کوڈ کا خفیہ جملہ آہستہ سے دہرا دیا...... اس وقت رات کا ڈیڑھ

بج رہا تھا...... وہ اٹھ کر نیچے ایئرپورٹ کی بوتیک اور رسالے کتابوں کی دکان پر
کتابیں رسالے وغیرہ دیکھنے لگے...... اس دوران وہ دائیں بائیں سے باخبر بھی تھے
یہ ان کا اپنا ملک تھا...... یہاں انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی اور فکر نہیں تھی......
کے بعد وہ واپس ایئرپورٹ کے ریستوران میں آکر بیٹھ گئے...... انہوں نے چائے
کچھ کھانے کو منگوایا اور ایک بار پھر دھیمی آواز میں حیدر آباد، دکن اور جنوبی بھا
کے ان شہروں کی باتیں کرنے لگے جہاں جہاں ان کا جانا یقینی تھا...... وقت اسی ط
گزرتا چلا گیا...... آخر فلائٹ کا ٹائم قریب آگیا...... وہ نیچے آکر لاؤنج میں بیٹھ گئے
کسٹم اور دوسری چیکنگ شروع ہو چکی تھی...... کسٹم وغیرہ سے فارغ ہو کر انہوں
ٹکٹ چیک کروا کر بورڈنگ کارڈ لئے اور ملک سے باہر جانے والے مسافروں کے لا
میں آکر بیٹھ گئے...... جب تھائی ایئرلائنز کے جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا تو مجاہد شاہ
اور کمانڈو شیر خان بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز میں سوار ہو گئے...... کچھ
کے بعد جہاز رنگون کی طرف پرواز کر گیا۔

جہاز نے ان دونوں کو کافی دن چڑھے رنگون پہنچایا...... وہاں سے وہ انڈین
لائنز کے جہاز میں سوار ہو گئے جس نے انہیں نئی دلی کے اندرا گاندھی ایئرپور
پہنچا دیا...... اب وہ دشمن ملک کی سرزمین میں آگئے تھے...... وہ پوری طرح سے
ہو گئے...... دلی سے انہیں ٹرین پکڑ کر حیدر آباد، دکن پہنچنا تھا...... وہ ایک دوسرے
کبھی اردو اور کبھی تلگو زبان میں باتیں کرتے کسٹم کاؤنٹر پر آگئے...... یہاں ان
بریف کیس چیک کئے گئے...... ان کے پاسپورٹ بڑے غور سے دیکھے گئے......
آفیسر نے جو سکھ تھا شیر خان سے پوچھا۔

"تمہارا نام؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"سنتوش چوبے...... مہاراج!"۔

اس کا یہی نام پاسپورٹ میں درج تھا...... سکھ کسٹم آفیسر نے دوسرا سوال کیا۔

"تم پاکستان میں کتنے دن ٹھہرے؟"۔

شیر خان نے ہندو کاروباریوں کی طرح بڑی لجاجت سے کہا۔

"مہاراج! دو دن ہی ٹھہرے تھے...... یہ میرے پارٹنر دیوی لال جی بھی میرے
ساتھ ہی تھے...... دوبئی سے واپسی پر کاروباری ٹور تھا مہاراج!"۔

"ہوں" سکھ نے پاسپورٹ بند کر کے شیر خان کو دیتے ہوئے کہا...... پھر اس
نے شاہد علی کا پاسپورٹ کھول کر اس کی فوٹو دیکھی اور شاہد علی کو بھی گھور کر دیکھا اور
اس سے بھی پاکستان میں قیام کے بارے میں دو تین سوال کئے اور مہر لگا کر پاسپورٹ
واپس کر دیا...... شیر خان اور شاہد علی نے ہاتھ جوڑ کر ہندوؤں کی طرح کسٹم آفیسر کو
پرنام کیا اور آپس میں تلگو زبان میں باتیں کرتے آگے چل پڑے...... انہیں معلوم تھا
کہ ان کے پاسپورٹوں پر پاکستان کا ویزا لگا ہوا ہے اور ان سے پاکستان میں قیام کے بارے
میں ضرور پوچھا جائے گا...... یہ مرحلہ خیر و عافیت سے طے ہو گیا تھا۔

ایئرپورٹ سے باہر نکل کر انہوں نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا دلی کے ریلوے
سٹیشن پر آگئے...... معلوم ہوا کہ حیدر آباد جانے والی دکن کوئین شام کو جاتی ہے......
شیر خان نے شاہد علی سے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اتنی دیر کے لئے کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے یہیں
سٹیشن کے ویٹنگ روم میں رہنا چاہئے"۔

صورت حال کے پیش نظر یہی تجویز ان کے لئے بہتر تھی...... کیونکہ انہیں
معلوم تھا کہ ریلوے سٹیشن اور خاص طور پر بھارت کی راجدھانی کے ریلوے سٹیشن کے
آس پاس جو ہوٹل ہوتے ہیں وہاں انٹیلی جنس والے ضرور موجود ہوتے ہیں اور وہ ان
کی نظروں سے بچنا چاہتے تھے، چنانچہ وہ سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں آکر بیٹھ
گئے...... یہاں وہ محفوظ تھے اور انٹیلی جنس والوں اور پولیس کا خطرہ نہیں تھا...... دوپہر کو

انہوں نے ریفرشمنٹ روم میں جاکر کھانا کھایا اور واپس ویٹنگ روم میں ہی آگئے۔ اسی طرح دن گزر گیا...... شام ہوگئی...... شاہد علی خود باہر جاکر حیدر آباد کے لئے سیکنڈ کلاس کے دو ٹکٹ لے آیا...... ان کے لئے سیکنڈ کلاس میں سفر کرنا ہی مناسب تھا۔

سات بج کر دس منٹ پر حیدر آباد جانے والی دکن کوئین آگئی...... دونوں مجاہد کمانڈو خاموشی سے سیکنڈ کلاس کے ایک ڈبے میں جاکر بیٹھ گئے...... ڈبے میں تین چار اور سواریاں بھی بیٹھی تھیں...... دونوں مجاہد کسی کسی وقت محض دوسری سواریوں پر ظاہر کرنے کی خاطر تلگو زبان میں کاروباری گفتگو کر لیتے تھے اور ایک آدھ نظر پلیٹ فارم پر بھی ڈال لیتے تھے کہ وہ کسی کی نگاہ میں تو نہیں آگئے...... پلیٹ فارم پر مسافروں کی بڑی بھیڑ تھی...... اس شہر کی آبادی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہوا تھا...... ٹرین چلی تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

دلی سے حیدر آباد تک بڑا لمبا سفر تھا...... راستے میں بھارت کے کئی شہر آتے تھے...... دونوں کمانڈو اس روٹ پر سفر کر چکے تھے...... دلی سے ٹرین بنارس تک دلی کلکتہ روٹ پر ہی چلتی تھی...... بنارس سے ٹرین مرزا پور اور جبل پور کی طرف مڑ جاتی تھی...... جبل پور سے ناگ پور اور ناگ پور سے ورنگل اور پھر کہیں جاکر حیدر آباد آتا تھا...... دکن کوئین ایکسپریس ٹرین تھی، پھر بھی اس میں سفر کرتے ہوئے حیدر آباد تک دو راتیں اور ایک دن لگتا تھا...... دکن کوئین اپنا سفر طے کرتی چلی گئی...... راستے میں کسی جگہ کوئی خاص بات نہ ہوئی...... راجدھانی کے شمالی علاقے سے نکلنے کے بعد یہ نیچے وسطی اور جنوبی بھارت کا علاقہ ان کے لئے نسبتاً محفوظ تھا...... اس لئے کہ یہ مقبوضہ کشمیر کے حساس زون سے دور ہو جاتا تھا، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ کوئی آپ کا پیچھا نہ کر رہا ہو...... اگر انٹیلی جنس آپ کا پیچھا کر رہی ہے تو پھر یہ علاقہ بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی ہر بڑے سٹیشن پر نگاہ دوڑا کر یہ تسلی کر لیتے تھے کہ ان کا پیچھا نہیں کیا جا رہا...... دونوں بڑے تجربہ کار کمانڈو

بھی تھے اور سراغ رساں بھی تھے...... وہ انٹیلی جنس والوں کے چہرے اور ان کی نقل و حرکت سے انہیں پہچان لیتے تھے۔

آخر وہ بھارت کے صوبہ آندھرا پردیش کے صدر مقام حیدر آباد پہنچ گئے...... اب انہیں پلیٹ فارم پر اپنے آدمی قطب الدین کو تلاش کرنا تھا...... قطب الدین کا جو حلیہ انہیں بتایا گیا تھا وہ ان دونوں کو یاد تھا...... وہ خفیہ کوڈ کے جملے بھی دونوں کو یاد تھے جو انہوں نے قطب الدین کے سامنے بولنے تھے...... دوسرے مسافروں کے ساتھ وہ بھی اپنے اپنے بریف کیس اٹھائے اس پل کی طرف بڑھے جس پر سے گزر کر انہیں دوسرے پلیٹ فارم والے گیٹ سے سٹیشن کے باہر نکلنا تھا، لیکن سٹیشن سے باہر نکلنے سے پہلے قطب الدین کا ملنا لازمی تھا...... دونوں مسافروں کے درمیان چلتے پلیٹ فارم کے چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہے تھے...... شیر خان نے آہستہ سے شاہد علی کو کہنی کا ٹھوکا دیا اور آنکھوں سے ایک طرف دیکھنے کا اشارہ کیا۔

اس طرف پلیٹ فارم پر رسالے کتابوں کے سٹال کے پاس ایک سانولے رنگ کا دبلا پتلا آدمی کھڑا بڑے غور سے ایک ایک مسافر کو دیکھ رہا تھا...... شاہد علی اور شیر خان دونوں نے اسے پہچان لیا تھا...... یہ قطب الدین ہی ہو سکتا تھا...... قطب الدین نے ابھی تک انہیں نہیں دیکھا تھا...... مسافروں کے ہجوم سے نکل کر دونوں مجاہد کمانڈو کتابوں کے سٹال کی طرف بڑھے...... دونوں سٹال پر قطب الدین کے قریب کھڑے ہو کر اخبار رسالوں کو دیکھنے لگے...... اسی دوران قطب الدین نے انہیں پہچان لیا تھا...... اس نے ان دونوں کی فوٹو دیکھ رکھی تھی...... اگرچہ اس وقت دونوں مجاہد ہندوانہ بھیس میں تلک وغیرہ لگائے ہوئے تھے، لیکن قطب الدین نے اس حلیے میں بھی انہیں پہچان لیا تھا کہ یہی وہ آدمی ہیں جن کی تلاش میں وہ وہاں آیا ہے۔

ان دونوں کو دیکھ کر قطب الدین سٹال سے ہٹ کر ایک طرف آہستہ آہستہ چلنے لگا...... شیر خان اور شاہد علی بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے...... ایک خالی سی جگہ پر

آکر قطب الدین رُک گیا...... اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس میں
ایک سگریٹ لے کر یونہی اپنی جیبیں ٹٹولنا شروع کردیں، جیسے ماچس ڈھونڈھ
ہو...... اس دوران شاہد علی مجاہد اور کمانڈو شیر خان آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اس
قریب سے گزرے تو قطب الدین نے اُردو میں شیر خان سے پوچھا۔

"ماچس ہوگی آپ کے پاس"۔

شیر خان سگریٹ نہیں پیتا تھا...... اس کے پاس ماچس نہیں تھی...... مجاہد
علی بھی سگریٹ نہیں پیتا تھا، مگر وہ ایک ماچس یا کبھی کبھی ایک لائٹر اپنی جیب میں
رکھ لیتا تھا...... ان چیزوں کی کسی بھی جگہ کسی وقت ضرورت پڑسکتی تھی، چنا
ضرورت پڑگئی تھی...... شاہد علی نے جیب سے ماچس نکال کر قطب الدین کو دی۔
اب ان دونوں نے قطب الدین کو پوری طرح سے پہچان لیا تھا...... اس کے ماتھے
بائیں جانب ایک انچ کے قریب لمبا زخم کا نشان بھی دیکھ لیا تھا...... قطب الدین
سگریٹ سلگاتے ہوئے دبی زبان میں ایک فقرہ بولا۔

"آج کل کوہ ہمالیہ کی ترائی میں برف باری شروع ہوئی ہے یا نہیں؟"۔

یہ قطب الدین کا خفیہ کوڈ جملہ تھا...... شاہد علی اور شیر خان نے باری باری وہ
جملہ بول دیا جو انہیں روانہ ہونے سے پہلے چیف نے بتادیا تھا...... دونوں طرف
شناخت ہوچکی تھی...... قطب الدین نے ماچس واپس کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا
آہستہ سے کہا۔

"چار مینار کے عقب میں سیاہ رنگ کی کار میں آکر بیٹھ جانا"۔

یہ کہہ کر قطب الدین آگے چل دیا۔

چار مینار حیدر آباد کی ایک تاریخی عمارت ہے جو شہر کے ایک بہت بڑ
چوک کے وسط میں بنی ہوئی ہے اور جس کے نیچے سے سڑک گزرتی ہے......
طرح کی ٹریفک جاری رہتی ہے...... چار مینار کا چوک دونوں نے دیکھ رکھا تھا

شیر خان نے کہا۔

"قطب الدین ہمیں شاید چار مینار کے عقب میں کھڑی سیاہ رنگ کی گاڑی میں
ملے گا"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"ہوسکتا ہے وہاں ان کا کوئی ساتھی موجود ہو...... بہر حال ہمیں چار مینار جلدی
پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے"۔

سٹیشن سے باہر نکلتے ہی وہ ایک خالی آٹو رکشا میں بیٹھ گئے اور اسے چار مینار چلنے کو
کہا...... اس وقت تک دن کافی چڑھ آیا تھا...... حیدر آباد کا آسمان ابر آلود تھا اور خوشگوار
ہوا چل رہی تھی...... چوک چار مینار کے قریب آکر وہ تاریخی دروازے کی عمارت سے
کچھ فاصلے پر رکشے سے اتر گئے...... سڑک پر ٹریفک آجا رہی تھی...... انہوں نے چار
مینار کے دروازے کے عقب میں سڑک کے کنارے ایک جگہ سیاہ رنگ کی چھوٹی
ماروتی کار کھڑی دیکھی...... شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"گاڑی ہمارا انتظار کر رہی ہے...... آجاؤ"۔

وہ فٹ پاتھ پر آگئے اور گاڑی کی طرف چلنے لگے...... قریب پہنچ کر دیکھا کہ اس
میں قطب الدین ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا...... شاید وہ اسی گاڑی میں ریلوے سٹیشن
آیا تھا اور اب چار مینار چوک میں ان سے پہلے پہنچ گیا تھا...... دونوں مجاہد گاڑی میں بیٹھ
گئے...... شیر خان قطب الدین کے ساتھ بیٹھ گیا...... جیسے ہی وہ گاڑی میں سوار ہوئے
گاڑی ایک طرف کو روانہ ہوگئی۔

اس کے بعد گاڑی کہاں کہاں سے گزری اور آخر کہاں جاکر رکی؟ آپ خوب
جانتے ہیں کہ ہم مصلحت کے پیش نظر یہ سب کچھ بیان نہیں کرسکتے...... ہم اتنا ہی
کہیں گے کہ گاڑی ایک جگہ پہنچ کر رُک گئی...... قطب الدین ایک مکان کی سرنگ نما
ڈیوڑھی میں داخل ہوگیا اور اس نے شیر خان اور شاہد علی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ

کیا...... اس مکان میں شیر خان اور شاہد علی کی ملاقات اس علاقے کی زیر زمین اسلامی تنظیم کے صدر سے ہوئی جس کا فرضی نام ہم یہاں رشید احمد لکھ رہے ہیں...... رشید احمد مضبوط جسم اور پختہ عمر کا آدمی تھا...... شکل سے ظاہر ہوتا تھا کہ زمانے کے سرد گرم تھپیڑوں میں سے گزر چکا ہے...... اس نے سر پر فوجی ٹوپی پہن رکھی تھی...... شیر خان اور شاہد علی سے اٹھ کر ملا اور پوچھا۔

"راستے میں کوئی مسئلہ تو پیدا نہیں ہوا؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور پھر میں اور شاہد علی ان علاقوں سے اچھی طرح واقف ہیں"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ آپ دونوں نہ صرف یہ کہ ان شہروں سے واقف ہیں اور یہاں رہ چکے ہیں بلکہ یہاں جو زبانیں تامل اور تلیگو بولی جاتی ہیں وہ بھی جانتے ہیں...... میرا خیال ہے پہلے آپ منہ ہاتھ دھو کر کچھ کھا پی لیں...... اس کے بعد بات چیت شروع کریں گے"۔

شیر خان اور شاہد علی کو ایک چھوٹا سا کمرہ دے دیا گیا جہاں دو چارپائیوں پر بستر لگے ہوئے تھے...... انہوں نے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا...... وہیں ان کے لئے کھانا آ گیا...... کھانا سادہ چاول اور دال تھی...... ساتھ آم کی چٹنی بھی تھی...... چٹنی اچار وغیرہ ان علاقوں میں بہت استعمال ہوتے ہیں...... اس لئے کہ بنیادی طور پر یہ مرطوب خطۂ ہے...... کھانے کے بعد وہ صدر تنظیم رشید احمد کے کمرے میں آ گئے۔

رشید احمد نے ایک نقشہ کھول کر دکھایا...... کہنے لگا۔

"یہ ہمارے آدمیوں نے مجورا شہر کے مضافات میں اس علاقے کا نقشہ بنایا ہوا ہے جہاں فضا سے فضا میں مار کرنے والے اینٹی میزائلوں پر کام شروع ہے...... ابھی

صرف کاغذی تیاریاں ہو رہی ہیں...... بہت جلد بھارت کا یہ ایٹمی پراجیکٹ ایسے اینٹی میزائل کو فضا میں ہی تباہ کر دیں گے...... اس کے علاوہ ہمیں جو خفیہ اطلاعات ملی ہیں ان کے مطابق اسی پراجیکٹ کے ایک علیحدہ پلانٹ میں ایسے آتش گیر راکٹ بھی تیار کئے جا رہے ہیں جنہیں مقبوضہ کشمیر میں کشمیری حریت پسندوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا...... اس لحاظ سے بھی اس پلانٹ کو تباہ کرنا ضروری ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے پوچھا۔

"کیا یہ سب کچھ کسی خفیہ جگہ پر ہو رہا ہے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"نہیں...... انہیں خفیہ رکھنے کی بھارت کو ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے...... یہ ایک کھلی جگہ پر آرسنل فیکٹری ہے جس کے چاروں طرف خاردار تار کی دس فٹ اونچی دیوار کھڑی ہے اور جہاں دن رات فوجی جوان گشت لگاتے رہتے ہیں...... سیکورٹی کا انتظام بے حد سخت ہے...... سب کچھ فوج کے پہرے اور نگرانی میں ہو رہا ہے...... کوئی غیر متعلقہ آدمی فیکٹری میں داخل نہیں ہو سکتا"۔

شیر خان نے سوال کیا۔

"کیا ڈاکٹر پلائی اسی فیکٹری میں بیٹھتا ہے"۔

رشید احمد نے جواب میں کہا۔

"ہاں...... یہ دکن کا برہمن سائنس دان اور پاکستان کا زہریلا دشمن اسی فیکٹری میں بیٹھتا ہے...... حقیقت میں یہ شخص اس سارے پراجیکٹ کا اصل دماغ ہے اور اسی کی راہنمائی اور نگرانی میں یہاں سارا کام ہو رہا ہے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"کیا ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ یہ ڈاکٹر پلائی کس وقت فیکٹری میں آتا ہے اور کہاں رہتا ہے اور اس کے روزمرہ کے معمولات کیا ہیں؟"۔

رشید احمد بولا۔

"اس شخص کے بارے میں کچھ بریفنگ آپ کو سرحد پار پہنچادی گئی تھی...... میں
یک بار پھر بیان کئے دیتا ہوں...... یہ شخص غیر شادی شدہ ہے...... عمر چالیس سے ایک
سال اوپر ہی ہو گئی ہو گی...... عیاش طبع آدمی ہے...... اگرچہ اپنے شعبے میں بڑا ہوشیا
ہے اور پریکٹیکل نیوکلر فزکس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی لے چکا ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس کے ناگ مندر کی کسی اُرملا نامی ناگ داسی سے دوستانہ
مراسم بھی ہیں"۔

"تم لوگوں نے بالکل ٹھیک سنا ہے" رشید احمد نے کہا...... "اس شخص کے
وسری عورتوں سے بھی مراسم ہیں لیکن اُرملا نامی ناگ مندر کی ناگ داسی اس کی
نظور نظر ہے...... سب سے اہم بات جو میں آپ کو بتانے والا تھا یہ ہے کہ اس ڈاکٹر
خانو پلائی کو ہر وقت باڈی گارڈ اپنے گھیرے میں لئے رہتے ہیں...... دن ہو یا رات، ڈاکٹر
لائی جہاں جاتا ہے مسلح باڈی گارڈ اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں موجود رہتے
یں...... رات کو جہاں یہ شخص سوتا ہے وہاں بھی دس بارہ فوجی جوان پہرے پر موجود
وتے ہیں"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ڈاکٹر پلائی کہیں اور کسی جگہ بھی اکیلا نہیں جاتا"۔

"اسے اس کی اجازت نہیں ہے" رشید احمد کہنے لگا...... "یہ شخص بھارتی وزارت
فاع کے لئے بے حد قیمتی ہے...... حکومت کو یہ بھی علم ہے کہ کشمیری کمانڈوز کی
سرگرمیاں جنوبی بھارت تک پھیل چکی ہیں، چنانچہ ڈاکٹر پلائی کو کسی حالت میں بھی گھر
سے یا فیکٹری سے اکیلے نکلنے کی اجازت نہیں ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"جب یہ شخص اپنی دوست ناگ داسی اُرملا سے ملنے جاتا ہے تو کیا اس وقت بھی
فوجی جوان بطور باڈی گارڈ اس کے سر پر موجود ہوتے ہیں؟"۔

"جی ہاں" رشید احمد بولا...... "اس وقت بھی فوجی باڈی گارڈ ڈاکٹر پلائی کے آگے
پیچھے اور دائیں بائیں ہوتے ہیں...... یہ بھارتی حکومت کی مجبوری ہے...... بھارت
سرکار نے ناگ داسی اُرملا کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ ڈاکٹر پلائی کے گھر پر یا کسی دوسری
جگہ آکر ملے...... اس کی بجائے سرکار نے ڈاکٹر پلائی کو مجبوراً یہ اجازت دی ہوئی ہے کہ
وہ ناگ مندر میں جاکر ناگ داسی سے ملاقات کر سکتا ہے"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"ان حالات کے پیش نظر ہمیں اپنا دائرہ عمل ناگ مندر کے اِرد گرد کھینچنا ہوگا"۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں" رشید احمد نے کہا۔

شاہد علی جو بڑے غور سے یہ ساری بات چیت سن رہا تھا، کہنے لگا۔

"اس ناگ مندر کا حدود اربعہ کیا ہے...... کیا اس کے اِرد گرد جنگل ہے یا میدان یا
پہاڑی ٹیلے ہیں؟"۔

رشید احمد بولا۔

"یہ علاقہ تمہیں دکھا بھی دیا جائے گا...... یہ ساحل سمندر ہی ہے، لیکن یہاں
جنگل نہیں ہے...... چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے اور چٹانیں ہیں جن کے درمیان خشک
ریتلا علاقہ بھی ہے اور دلدل بھی ہے، کیونکہ پورن ماشی کے وقت سمندری لہریں اس
سارے علاقے میں آتی جاتی رہتی ہیں"۔

"ڈاکٹر پلائی کی رہائش کہاں پر ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

رشید احمد نے کہا۔

"وہ ایک فوجی کیمپ کی بیرک میں رہتا ہے...... وہاں سے وہ بکتر بند گاڑی میں
فیکٹری جاتا ہے اور اسی بکتر بند گاڑی میں واپس آتا ہے...... یہ ساری سیکورٹی کشمیری

مجاہدین کے کمانڈو ایکشن کے خوف کے مارے کی گئی ہے...... بھارت کی وزارت دفاع کم از کم اس وقت تک ڈاکٹر پلائی کی سخت حفاظت کرنا چاہتی ہے جب تک کہ ان کے ایٹمی پلانٹ کا یہ پراجیکٹ مکمل نہیں ہو جاتا"۔

ایک آدمی چائے لے کر آ گیا...... رشید احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے پہلے چائے کی ایک ایک پیالی پی جائے...... اس کے بعد باتیں ہوں گی"۔

اور وہ خاموشی سے چائے پینے لگے۔

❁ ❁ ❁

ہر شخص چائے پیتے ہوئے اپنے اپنے طور پر بہت کچھ سوچ رہا تھا...... شیر خان اپنے ذہن میں لائن آف ایکشن تیار کر رہا تھا...... اس کا ٹارگٹ مجورا کا ناگ مندر ہی تھا...... مجاہد شاہد بھی انہی خطوط پر غور کر رہا تھا...... جب رشید احمد نے شیر خان سے پوچھا کہ اس کے خیال میں انہیں کس مقام کو اپنی منصوبہ بندی کا مرکز بنانا چاہئے تو شیر خان نے کہا۔

"میرے ذہن میں تو ناگ مندر ہی ہے"۔

شاہد علی نے اس کی تائید کی اور کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں، کیونکہ صرف یہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں کسی نہ کسی وقت ڈاکٹر پلائی ناگ داسی اُرملا کے ساتھ تنہا اور باڈی گارڈ کے بغیر ہو سکتا ہے"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"لیکن اس وقت بھی مسلح فوجی باڈی گارڈ ناگ مندر کے چاروں طرف موجود ہوں گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"آخر کچھ نہ کچھ منصوبہ بندی تو ہمیں بھی کرنی ہی پڑے گی...... ہماری منصوبہ بندی یہی ہو گی کہ وہ کون سا طریقہ ہے جس پر عمل کرتے ہوئے ہم میں سے کوئی ایک کمانڈو اس فوجی حصار کو توڑ کر ڈاکٹر پلائی تک پہنچ سکتا ہے...... یہی ایک نقطہ ہے جو

ہماری تمام پلاننگ اور ہمارے تمام غور و فکر کا مرکز ہوگا"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میں بھی کچھ اسی طرح سے سوچ رہا ہوں تو پھر میرا خیال ہے سب سے پہلے ہ
لوگوں کو ناگ مندر کے آس پاس کے علاقے کا خفیہ سروے کرانا ضروری ہے"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"مجورا یہاں حیدر آباد سے کافی دور ہے...... اس شہر میں سے میں دو ایک بار گز
چکا ہوں...... اگر ہم اپنے کمانڈو ایکشن کا مرکز ناگ مندر ہی کو بناتے ہیں تو اس صورت
میں ہمیں کچھ عرصہ مجورا میں قیام کرنا پڑے گا اور ہمارا قیام بھی خفیہ ہوگا...... کیا وہا
کوئی ایسا انتظام ہو سکتا ہے؟"۔

رشید احمد مسکرائے...... کہنے لگے۔

"مسلمان بھارت کے کونے کونے میں آباد ہیں اور جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں
ان کی ہمدردیاں دل و جان سے پاکستان اور کشمیری مجاہدین کے ساتھ ہیں...... آپ
لوگ اس کی فکر نہ کریں...... ہمارے آدمی وہاں موجود ہیں...... وہاں ہمیں ہر طرح کی
سہولت میسر ہوگی، میں خود آپ لوگوں کے ساتھ وہاں جاؤں گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"تو پھر ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے...... یہ سارا مشن ایمرجنسی کا مشن ہے......
ہمیں کل ہی مجورا کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے"۔

رشید احمد بولا۔

"میں آج رات ہی وائرلیس پر اپنے خفیہ سگنل کے ذریعے مجورا میں موجود ا
آدمیوں کو پیغام پہنچا دیتا ہوں، ہم کل حیدر آباد سے چل پڑیں گے"۔

وہ دن اور رات انہوں نے حیدر آباد میں ہی گزارا...... دوسرے دن مجورا جا
کے لئے اپنی نیم خفیہ جگہ سے نکل کر ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے...... رشی

احمد ان کے ساتھ تھا...... ریلوے سٹیشن پر آکر انہوں نے مجورا شہر کے تین ٹکٹ لئے
اور پلیٹ فارم پر آکر الگ الگ ہو کر بیٹھ گئے...... یہ احتیاط اس لئے ضروری تھی کہ
جب سے مقبوضہ کشمیر کے محاذ پر مجاہدین کی سرگرمیاں تیز ہوگئی تھیں اور بھارتی فوجی
کیمپوں پر اور بھارتی فوجیوں پر مجاہدین کے حملے تیز ہو گئے تھے یہاں بھی سیکورٹی سخت
کر دی گئی تھی...... اس کی دو وجوہات تھیں...... پہلی وجہ تو یہ تھی کہ دکن مسلم
اکثریت کا علاقہ تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ آندھرا پردیش کا صدر مقام تھا......
ٹرین پیچھے ناگ پور سے آرہی تھی...... یہ ناگ پور ایکسپریس تھی اور مجورا سے آگے
بھارت کی جنوبی تکون کی مشرقی جانب واقع ترونا ویلی کے شہر تک جاتی تھی...... اس
وقت دن کے ساڑھے نو بجے کا وقت تھا...... حیدر آباد کا آسمان بدستور ابر آلود تھا اور
کافی حبس ہو رہا تھا۔

ناگ پور ایکسپریس پلیٹ فارم پر آکر رُکی تو سکیم کے مطابق تینوں مجاہد، یعنی
رشید احمد...... کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی الگ الگ ڈبوں میں سوار ہو گئے......
انہیں مجورا تک الگ الگ ڈبوں میں ہی سفر کرنا تھا...... ناگ پور ایکسپریس حیدر آباد سے
بیجواڑہ، نیلور اور ترچنا پلی سے ہوتی ہوئی مجورا پہنچتی تھی...... یہ پورے ایک دن......
ایک رات کا سفر تھا...... ٹرین کو مجورا اگلے دن دوپہر کے وقت پہنچنا تھا...... ٹرین چل
پڑی...... سارا دن گزر گیا...... ساری رات بھی گزر گئی...... راستے میں کسی کسی جگہ
اپنے ڈبوں سے اتر کر وہ ایک دوسرے کو دُور دُور سے دیکھ کر ایک دوسرے کی خیریت
معلوم کر لیتے تھے...... چونکہ یہ تینوں مجاہد اس علاقے کی تامل زبان اچھی طرح سمجھتے
اور بول لیتے تھے، اس لئے انہیں مسافروں کے ساتھ بات چیت میں کوئی دشواری پیش
نہیں آرہی تھی اور مسافروں کو بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہو رہا تھا...... تینوں مجاہدوں
کو اس طویل سفر میں اس تحفظ کی ضرورت تھی۔

دوسرے دن دوپہر کے وقت ٹرین مجورا کے سٹیشن پر پہنچی۔

"بی بی! ہم نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرلیا ہے...... ہم تمہیں اس جگہ لئے چلتے ہیں جہاں وہ دہشت گرد زیر علاج ہے، جسے ہم نے زخمی حالت میں گرفتار کیا تھا اور جسے تم ایک نظر دیکھنا چاہتی ہو...... ہو سکتا ہے اسے دیکھ کر تمہیں اور بہت کچھ یاد آجائے"۔

رام دُلاری کے دل کی مراد پوری ہو گئی تھی...... اسے ایسے لگا جیسے اندھیرے میں چلایا ہوا اس کا تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگا ہے، مگر چہرے سے اس نے کسی قسم کے خوشی کے تاثر کا اظہار نہ ہونے دیا، بلکہ الٹا غصے میں آکر بولی۔

"میں اس منحوس کتے کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی، لیکن یہ میرے ملک پاکستان کا معاملہ ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس کافر کتے کی شکل دیکھ کر مجھے وہ جگہ اور وہ شہر ضرور یاد آجائے گا جہاں ان لوگوں نے اپنا مستقل اڈہ بنا رکھا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"بیلن تہیں ایک تکلیف ہم ضرور دیں گے، اس کے لئے تم ہمیں ضرور معاف کر دینا"۔

رام دُلاری نے اپنے دماغ میں جو منصوبہ تیار کیا تھا اس کو دھکا تو ضرور لگا لیکن وہ انہیں ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی تھی...... یہ اس کی مجبوری تھی۔

گل خان نے کہا۔

"اگر تم تیار ہو تو اسی وقت ہمارے ساتھ چلی چلو...... ہماری گاڑی باہر کھڑی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"میں کمرے کو تالا لگا کر ابھی آتی ہوں"۔

رام دُلاری نے اپنے کمرے میں آکر جہاں اس نے زہریلے انجکشن کا سرنج رومال میں لپیٹ کر چھپایا ہوا تھا وہاں سے اسے نکالا اور اسے اپنے سینے کے اندر انگیا میں اچھی طرح سے چھپا لیا اور کمرے کو باہر سے تالا لگا کر نیچے آگئی...... باہر ان کی جیپ کھڑی تھی جو ترپال سے چاروں طرف سے بند تھی...... ایک طرف چھت کے پاس ہوا کیلئے دو

چوکور چھوٹے چھوٹے طاق رکھے گئے تھے...... شیر خان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... گل خان حشمت بی بی یعنی رام دُلاری کو ساتھ لے کر جیپ کے اندر بیٹھ گیا۔

گاڑی تنظیم کے سیکرٹ ہیلتھ سنٹر کی طرف روانہ ہو گئی...... رام دُلاری کو باہر کا منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا...... اس نے اپنی سماعت یعنی سننے والی حس کو پوری طرح سے بیدار کر دیا، جس طرح کوئی کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے، وہ اسی طرح باہر کی آوازیں سننے لگی...... جیپ مختلف جگہوں پر سے موڑ کاٹتی ہوئی چلی جا رہی تھی...... باہر سے صرف موٹر گاڑیوں، رکشوں اور سکوٹروں وغیرہ کی آوازیں ہی آرہی تھیں...... یہ ایسی آوازیں تھیں جو ایک بڑے شہر کے ہر بازار سے آتی ہیں...... ان آوازوں کی مدد سے وہ راستے کی نشان دہی نہیں کر سکتی تھی کہ اسے کن کن راستوں سے گزار کر سیکرٹ ہیلتھ سنٹر لے جایا گیا تھا...... یہ وہ اس لئے کر رہی تھی کہ عین ممکن تھا کہ جس وقت شیر خان وغیرہ اسے جمناداس کے پاس لے کر جائیں اور اس کا چہرہ اسے دکھائیں تو یہ دونوں وہاں پر موجود ہوں اور جمناداس کو زہریلا انجکشن لگانے کا موقع ہی نہ مل سکے اور اسے اس کام کے لئے وہاں خفیہ طور پر کسی نہ کسی طرح اکیلی ہی آنا پڑ جائے۔

اتنا رام دلاری نے یاد رکھا تھا کہ گرلز ہوسٹل کے احاطے سے نکلنے کے بعد ان کی گاڑی دائیں طرف کو مڑی تھی اور پھر چھ سات منٹ تک بالکل سیدھی چلتی رہی تھی اور اس کے بعد ایک بار پھر دائیں طرف کو مڑ گئی تھی...... اس کے بعد کا راستہ وہ یاد نہ رکھ سکی تھی...... جیپ کوئی پندرہ منٹ تک سڑک پر سے گزرتی رہی...... اب سڑکوں پر ٹریفک کا شور بالکل ہی کم ہو گیا تھا، جس سے رام دلاری نے اندازہ لگایا کہ یہ شہر کے باہر کا علاقہ ہے...... جیپ ایک جگہ رُک گئی...... وہ یہی سمجھی کہ سیکرٹ ہیلتھ سنٹر آگیا ہے، لیکن اندر سے گل خان نے آواز دے کر پوچھا۔

"شیر خان جی! گاڑی کیوں روک لی؟"۔

ترپال کی دیوار کے پیچھے سے شیر خان کی آواز آئی۔

"ریلوے پھاٹک بند ہے"۔

یہ ایک بہت بڑی اور مستقل نشانی تھی جسے رام دُلاری نے اسی وقت اپنے ذہن میں بٹھالیا کہ ہیلتھ سنٹر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک ریلوے پھاٹک بھی آتا ہے...... تھوڑی دیر بعد ٹرین دھڑ دھڑاتی ہوئی گزر گئی...... اس کے بعد پھاٹک کھل گیا اور ان کی جیپ آگے کو چل پڑی...... تھوڑا آگے جانے کے بعد رام دُلاری کو بڑی تیز بو محسوس ہوئی...... اس نے گل خان سے پوچھا۔

"بھائی جان جی! یہ کس چیز کی بدبو ہے؟"۔

وہاں ایک چمڑا رنگنے کی فیکٹری تھی...... یہ بو اس فیکٹری کی طرف سے آرہی تھی، لیکن گل خان نے اسے صرف اتنا ہی کہا۔

"پتہ نہیں کس چیز کی بو ہے...... کبھی کبھی یہاں سے گزرتے ہوئے آیا کرتی ہے"۔

وہ اسے چمڑا رنگنے کی فیکٹری کا بتاکر علاقے اور راستے کی نشاندہی نہیں کرانا چاہتا تھا...... اگرچہ اسے حشمت بی بی سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن یہ ان کے اصول کے خلاف تھا...... گل خان اور شیر خان کو کیا خبر تھی کہ وہ بھارت کی نمبرون جاسوسہ اور خطرناک دہشت گردوں کی ساتھی رام دُلاری کو اپنے ساتھ لئے جارہے ہیں۔

دو تین منٹ کے بعد بو آنی بند ہوگئی...... گاڑی ایک دو موڑ مڑنے کے بعد ایک جگہ رُک گئی...... گل خان نے جیب سے کپڑے کی کالی پٹی نکالتے ہوئے کہا۔

"بی بی! یہاں مجھے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھنی ہے"۔

رام دُلاری نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اور گل خان نے اس کی آنکھوں پر اس طریقے سے پٹی باندھی کہ جب وہ گل خان کا ہاتھ پکڑ کر جیپ سے باہر دن کی روشنی میں آئی تو اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا......

شیر خان بھی گاڑی سے نکل آیا تھا...... گاڑی ایک تین چار کمروں والی اِک منزلہ عمارت کے احاطے میں کھڑی تھی جس کو چاروں طرف سے درختوں نے گھیر رکھا تھا...... گل خان نے رام دُلاری کا ہاتھ تھام رکھا تھا...... یہ تنظیم کا خصوصی خفیہ ہیلتھ سنٹر تھا جہاں ان مجاہدوں کا علاج معالجہ ہوتا تھا جن کی شناخت بعض مصلحت کے تحت خفیہ رکھنی ہوتی تھی...... عمارت کی پیشانی پر کوئی بورڈ وغیرہ نہیں لگا ہوا تھا...... دروازہ بند تھا...... اس کے باہر کوئی چوکیدار بھی نہیں تھا...... شیر خان آگے تھا...... وہ دروازہ کھول کر عمارت میں داخل ہوگئے...... یہاں پہلی مرتبہ رام دُلاری کو ڈیٹول اور دوسری دوائیوں کی بو محسوس ہوئی جس سے وہ سمجھ گئی کہ یہی سیکرٹ ہیلتھ سنٹر ہے...... رام دُلاری کو ایک کمرے میں کرسی پر بٹھادیا گیا...... پھر اس کی آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی۔

رام دُلاری نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ہے جہاں صرف ایک دھیمی روشنی والا بلب جل رہا ہے...... گل خان اس کے پاس ہی بیٹھا ہے...... شیر خان وہاں نہیں ہے...... کمرے کی صرف ایک ہی کھڑکی ہے جس کے آگے پردہ گرا ہوا ہے...... رام دُلاری نے حشمت بی بی کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خدا جانتا ہے...... اس ہندو کافر کا منحوس چہرہ میں ساری زندگی نہیں دیکھنا چاہتی، لیکن اب دیکھنا ضروری ہوگیا ہے...... کہاں ہے وہ ذلیل کافر؟"۔

گل خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ابھی تمہیں اس کے پاس لے جائیں گے"۔

رام دُلاری کو یقین ہوگیا تھا کہ جب وہ اپنے دہشت گرد ساتھی جمناداس کے قریب جائے گی تو یہ دونوں پولیس کمانڈو اس کے ساتھ ہوں گے اور اسے جمناداس کو زہریلا انجکشن لگانے کا موقع نہیں مل سکے گا...... پھر بھی اس نے اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا...... اتنے میں شیر خان کمرے میں آیا، کہنے لگا۔

"ہمیں اسی جگہ اپنی پناہ گاہ بنانی ہو گی، ہم پر کسی کو شک بھی نہیں ہو سکتا......
کسی نے ہمیں دیکھ بھی لیا تو وہ یہی سمجھے گا کہ ہم ناگ سنیاسی ہیں اور یہاں بیٹھ کر
کرتے ہیں...... مجھے تامل زبان میں ناگ پجاریوں کے کچھ اشلوک بھی یاد ہیں"۔

ارسلان نے اس کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"یہ تو بڑے کمال کی بات ہے شاہد بھائی...... ہم اسی شہر مجورا کے تامل مسلم
ہیں، مگر ہمیں آج تک کسی ناگ اشلوک کا پتہ نہیں ہے"۔

شیر خان بولا۔

"ارسلان بھائی! اپنا مجاہد شاہد بڑا کمال کا آدمی ہے...... اس کی خوبیوں کا تو تم
آہستہ آہستہ پتہ چلے گا اور بھی سنو...... شاہد بھائی سانپوں کو پکڑنے اور انہیں سدھا
کا گر اور منتر بھی جانتے ہیں"۔

"کیا واقعی؟" ارسلان نے حیرانی سے شاہد علی کو دیکھا...... مجاہد شاہد علی کہنے لگ

"دراصل کشمیر کے محاذ پر میں جموں توی کے جنگلوں میں کافی دیر پھرتا
ہوں...... وہاں ایک مسلمان سپیرے سے ملاقات ہو گئی تھی...... اس نے مجھے سا
پکڑنے، انہیں سدھانے کے طریقے بھی بتائے تھے اور ان کے کچھ منتر بھی زبانی
کرائے تھے...... یہ منتر تامل زبان میں تھے، کیونکہ وہ سپیرا مدراس کے قریبی گاؤ
رہنے والا تھا"۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے" ارسلان بولا...... تمہاری یہ خوبی ہمارے اس
میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے"۔

پھر اس نے شیر خان سے پوچھا۔

"یہاں آپ لوگوں کو جس جس چیز کی ضرورت ہے وہ مجھے بتادیں...... آپ
مہیا کر دی جائے گی"۔

شیر خان نے جواب دیا۔

"ابھی ہمیں صرف دو پرانے کمبلوں، دو گیروے رنگ کی چادروں اور ایک دری
کی ضرورت ہو گی...... یہ سب چیزیں کافی پرانی اور استعمال شدہ ہونی چاہئیں"۔

شاہد علی بولا۔

"اس کے علاوہ پانی رکھنے والے دو پرانے ڈول اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر
سپیروں والی ایک بین کہیں سے مل جائے تو بہت ہی بہتر ہو گا"۔

ارسلان ہنس پڑا...... کہنے لگا۔

"کیا یہاں سانپوں کا تماشہ دکھانے یا سانپ نکالنے کا ارادہ ہے؟"۔

شاہد علی مجاہد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ضرورت پڑی تو ایسا بھی کر لیں گے...... ہمیں تو اپنے مشن کو دیکھنا ہے......
اپنے مشن کے لئے جو کام کرنا پڑا کریں گے"۔

"اس میں کیا شک ہے" ارسلان نے کہا...... "ٹھیک ہے، اگر آپ لوگوں نے یہ
جگہ اپنی پناہ گاہ کے لئے پسند کر لی ہے تو یہ تمام چیزیں آج شام ہی کو یہاں لا کر رکھ دی
جائیں گی...... کسی اسلحے وغیرہ کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتادیں...... آپ کو ہر قسم کا اسلحہ
مل جائے گا"۔

شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی یہ نوبت نہیں آئے گی، جب وقت آیا تو اسلحہ بھی لے
لیں گے"۔

ارسلان کہنے لگا۔

"کمبل شاہد بھائی نے بالکل ٹھیک طلب کئے ہیں کیونکہ سمندر قریب ہونے کی
وجہ سے یہاں رات کو خنکی ہو جاتی ہے...... پینے کا پانی آپ کو ان چٹانوں میں کہیں نہیں
ملے گا...... پانی رکھنے کے لئے آپ کو مٹی کا ایک مٹکا بھی پہنچا دیا جائے گا"۔

اس کے بعد وہ وہاں سے واپس اپنی خفیہ پناہ گاہ میں آ گئے...... جہاں تنظیم کا صدر

رشید احمد ان کا انتظار کر رہا تھا...... شیر خان نے اسے ساری صورت حال بیان کی اور بتایا کہ انہوں نے نہ صرف ناگ مندر کے اِرد گرد کا گہری نظر سے جائزہ لیا ہے بلکہ ایک غار بھی دیکھ لیا ہے جہاں وہ اپنی عارضی خفیہ پناہ گاہ بنانا چاہتے ہیں۔

"اس کی وجہ یہ ہے رشید بھائی کہ...... شاہد علی نے کہا" اگر ہم اپنی سراغ رسانی کا مرکز ناگ مندر کو بناتے ہیں تو ہمیں اس کے قریب رہنا ہوگا اور ہم ناگ سنیاسیوں کے بھیس میں ہی وہاں رہیں گے تاکہ کسی کو ہم پر شک شبہ نہ ہو سکے...... ہم یہی ظاہر کریں گے کہ شمالی یا وسطی بھارت سے ناگ دیوتا کے درشن کرنے اور یہاں بیٹھ کر کچھ راتیں تپسیا کرنے آئے ہیں...... اس طریقے سے ہمیں نہ صرف یہ کہ ناگ مندر کے اندر جانے اور وہاں کے خاص خاص پجاریوں سے میل ملاقات بڑھانے کا موقع مل جائے گا بلکہ ہم ناگ داسی اُرملا تک بھی آسانی سے پہنچ سکیں گے اور اس کے ذریعے ہمارے ہاتھ اپنے ٹارگٹ یعنی ڈاکٹر پلائی کی گردن تک آسانی سے پہنچ جائیں گے"۔

رشید احمد اور ارسلان دونوں نے اس خیال کو پسند کیا...... رشید احمد کہنے لگا۔

"لیکن اس خطرناک بھیس میں تمہیں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوگی...... تم دونوں پنجابی ہو...... یہاں کے لوگوں اور خاص طور پر ناگ مندر کے پجاریوں کے سامنے تمہارے منہ سے پنجابی کا ایک لفظ بھی نہیں نکلنا چاہئے"۔

شیر خان نے کہا۔

"اس کی ہمیں خاص ٹریننگ بھی ملی ہوئی ہے اور ہم خاص طور پر اس کا خیال بھی رکھیں گے"۔

جب ارسلان نے رشید احمد کو بتایا کہ شاہد علی کو سپیروں والی ایک بین کی بھی ضرورت ہے تو رشید احمد مسکرانے لگا۔

"ارے شاہد بھائی! سپیروں والی بین کیا تم بجالو گے؟"۔

مجاہد شاہد نے کہا۔

"جموں توی میں مجھے جو تامل سپیرا ملا تھا اس سے میں نے بین بجانی بھی سیکھ لی تھی"۔

رشید احمد نے پوچھا۔

"یہ تمہیں مل جائے گی...... یہ بتاؤ کہ اب تمہارا پلان اور تمہاری سکیم کیا ہے"۔

شیر خان بولا۔

"اس پر میں اور شاہد علی آج رات غور کرنے کے بعد انشاء اللہ کل آپ کو بتادیں گے"۔

"بالکل ٹھیک ہے......اس موضوع پر انشاءاللہ کل بات ہوگی"۔

رات کو شیر خان اور مجاہد شاہد علی دیر تک غور کرتے رہے کہ انہیں اپنی سراغ رسانی اور اُرملا ناگ داسی کے توسط سے اپنے ٹارگٹ ڈاکٹر پلائی تک پہنچنے کی مہم کا آغاز کہاں سے اور کس طریقے سے کرنا چاہئے...... آخر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے اور انہوں نے ایک پورا منصوبہ تیار کر لیا...... اگلے روز صبح انہوں نے مجورا کے مجاہد ارسلان اور حیدر آباد دکن کے مجاہد رشید احمد کو اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

ارسلان نے انہیں بتایا کہ ان کی ضرورت کی ساری چیزیں ناگ مندر کی چٹانی غار میں رات کو پہنچادی گئی تھیں۔

"مگر تمہاری سپیروں والی بین ہم نے اپنے پاس ہی رکھ لی تھی...... وہ تم جاتے ہوئے یہاں سے اپنے ساتھ لیتے جانا"۔

شاہد علی بولا۔

"وہ میں ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"جہاں تک تمہارے کھانے پینے کا تعلق ہے...... ہمارا ایک خاص آدمی جو خود بھی سادھو جوگی کے بھیس میں ہوگا...... دونوں وقت تمہیں کھانا پہنچادیا کرے گا...... وہ

اس علاقے کا ہی آدمی ہے اور چٹانوں کے تمام خفیہ راستوں سے واقف ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم کمانڈو ٹائپ کے جفاکش مجاہد ہیں، تھوڑا سا کھا کر بھی گزارہ کر سکتے ہیں...... آپ لوگ ہمیں صرف خشک چیزیں اور وہ بھی دن میں ایک بار بھجوا دیا کریں...... اول تو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے...... میرا خیال ہے کہ ناگ مندر میں جو باہر سے جوگی سادھو وغیرہ آتے ہیں وہ مندر کے لنگر ہی سے کھا پی لیتے ہوں گے"۔

"ہاں ایسا بھی ہے" ارسلان بولا...... "مندر میں ہر وقت دال چاول کا لنگر جاری رہتا ہے...... لیکن میرا خیال ہے کہ جب تک آپ لوگ وہاں کے ماحول کے عادی نہیں ہو جاتے ہمارا آدمی دن میں ایک بار آپ کو خشک چاول وغیرہ دے جایا کرے گا"۔

شاہد علی نے کہا۔

"ہم آج شام سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی اپنی مہم پر ناگ مندر کی طرف چل دیں گے...... ہم مندر میں بیٹھ کر وہاں کے ماحول کا پورا جائزہ لیں گے اور ناگ داسی اُرملا کا کھوج لگانے کی کوشش کریں گے...... رات کو ہم اپنی چٹانی غار والا خفیہ پناہ گاہ میں ہی آرام کریں گے...... کل کسی وقت آکر ہم میں سے کوئی ایک آپ کو رپورٹ دے گا کہ ہمیں ناگ داسی کا سراغ لگانے میں کچھ کامیابی ہوئی ہے یا نہیں"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میرا خیال تم میں سے کسی کو ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں...... میں خود کل کسی وقت تمہارے پاس آجاؤں گا"۔

"یہ اچھی بات ہے" شیر خان بولا...... "ہمیں کچھ دیر مندر میں ہی رہنا چاہئے...... اس لئے کہ ہماری تمام سرگرمیوں کا مرکز اب یہ ناگ مندر ہی ہے...... یہی ایک جگہ ہے جہاں ہم ڈاکٹر پلائی کو ہلاک کرنے کے کسی منصوبے پر عمل کر سکتے ہیں، کیونکہ نہ ہم ایٹمی میزائل فیکٹری میں اس کے قریب جا سکتے ہیں اور نہ رات کے وقت

فوجی چھاؤنی میں اس پر حملہ کر سکتے ہیں جہاں وہ رات کو پوری فوجی بٹالین کی موجودگی میں ہوتا ہے...... صرف یہی ایک ناگ مندر ایسی جگہ ہے جہاں ہم اسے قابو کر سکتے ہیں...... اگرچہ یہاں بھی اس کے ساتھ فوجی باڈی گارڈ ہوتے ہیں، لیکن یہاں وہ اپنی دوست ناگ داسی اُرملا سے ملنے ناگ دیوتا کی پوجا کے بہانے آتا ہے اور اُرملا ناگ داسی سے تنہائی میں ضرور ملتا ہوگا۔ بس ہمیں اسی جگہ اس پر فیصلہ کن حملہ کرنا ہوگا"۔

مجاہد ارسلان نے کہا۔

"میں یہی مشورہ دوں گا کہ آپ لوگ غار والی پناہ میں تھوڑا بہت اسلحہ ضرور ساتھ رکھیں...... کوئی پتہ نہیں اس کی کس وقت ضرورت پڑ جائے"۔

شیر خان نے شاہد علی کی طرف دیکھا...... دونوں کچھ سوچ رہے تھے...... پھر شاہد علی بولا۔

"بہتر ہے...... آپ ایسا کریں کہ دو چھوٹے پستول جن پر سائی لینسر چڑھے ہوئے ہوں کچھ فالتو گولیوں کے ساتھ ہمیں غار میں پہنچا دیں"۔

ارسلان نے کہا۔

"یہ چیزیں ہمارا آدمی آج رات آپ کو پہنچا دے گا"۔

دن کے وقت شیر خان اور مجاہد شاہد علی مجورا کی خفیہ کمیں گاہ میں ہی تیاریوں میں مصروف رہے...... جب سورج غروب ہو گیا تو وہ ناگ مندر کی طرف چل پڑے...... دونوں ناگ سنیاسیوں یعنی اس علاقے کے سادھوؤں کے بھیس میں تھے...... کمانڈو شیر خان کے ہاتھ میں پانی وغیرہ پینے کے کام آنے والا کرمنڈل تھا، جبکہ شاہد علی نے سپیروں والی بین ہاتھ میں لے رکھی تھی...... ان کے سروں کے بال پہلے ہی کافی لمبے اور سادھوؤں والے تھے...... انہوں نے ایک جگہ سے رکشا لیا اور ناگ مندر کے قریب اتر گئے...... وہاں سے پیدل ہی مندر کی طرف چلنے لگے۔

مجاہد شاہد نے کہا۔

"یاد رکھنا...... مندر میں پہنچ کر ہم صرف یہاں کی تامل زبان میں ہی زیادہ تر بات کریں گے...... موقع کی مناسبت سے کسی کسی وقت اُردو ہندی میں بھی بول لیں گے، کیونکہ ہم نے یہی ظاہر کرنا ہے کہ ہم مدھیہ پردیش کے یاتری ہیں...... لیکن تامل زبان بھی بول لیتے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"میں سمجھ گیا ہوں"۔

یونہی باتیں کرتے ہوئے وہ مندر کی حدود میں داخل ہو گئے...... اس وقت شام کا دُھندلا دُھندلا سا اندھیرا چھانا شروع ہو گیا تھا...... ناگ مندر کی بتیاں روشن تھیں...... باہر اور اندر خوب روشنی ہو رہی تھی...... ناگ دیوتا کے پجاری مرد اور عورتیں مندر میں پوجا کرنے آ رہی تھیں...... مندر کے دروازے کی دونوں جانب سادھو جوگی سنیاسی لوگ اِدھر اُدھر دھونی رمائے بیٹھے گانجے اور چرس کے لمبے لمبے کش لگا رہے تھے...... ان کے عقیدت مند ہندو ان کے آگے مٹھائی اور پھل رکھ رہے تھے...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی خاموشی سے مندر میں داخل ہو گئے۔

یہ کافی بڑا مندر تھا...... جہاں ناگ دیوتا کی بڑی مورتی رکھی تھی، وہ ایک اونچے چبوترے پر گپھا سی بنی ہوئی تھی جہاں سیڑھیاں چڑھ کر لوگ جا رہے تھے...... وہ بھی دوسرے پجاریوں کے ساتھ ناگ دیوتا کی گپھا میں آ گئے...... یہاں آرتی اتاری جا رہی تھی...... گھنٹیاں بج رہی تھیں...... کچھ پجاری ایک طرف بیٹھے بھجن کیرتن کر رہے تھے...... شردھالو ناگ دیوتا کی مورتی کے سامنے بیٹھے ہوئے موٹے پیٹ والے کالے کلوٹے مہنت کے پاس آ کر مورتی کو پرنام کرتے...... مہنت ان کے ماتھے پر انگلی سے کیسر لگاتا اور وہ آگے چل دیتے...... کمانڈو شیر خان اور شاہد نے بھی ناگ کی مورتی کے سامنے جا کر اسے پرنام کیا...... مہنت نے ان کے ماتھوں پر باری باری کیسر میں بھگوئی ہوئی انگلی لگائی اور وہ آگے بڑھ گئے...... وہاں سے سیڑھیاں اتر کر وہ مندر

کے بڑے ہال کمرے میں آ گئے...... یہاں بے شمار ستون تھے جن پر دیوی دیوتاؤں اور سانپوں کی مورتیاں تراشی ہوئی تھیں...... وہ ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے...... شیر خان نے کہا۔

"سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ یہاں ناگ داسیاں کہاں ہوتی ہیں اور وہ کس وقت ناگ دیوتا کی مورتی کے آگے رقص کرتی ہیں"۔

شاہد علی نے آہستہ سے کہا۔

"یہ تو یہاں آنے جانے والے لوگوں میں سے ہی کسی سے معلوم کرنا چاہئے"۔

اتنے میں ایک بوڑھا تامل ان کے پاس ہی آ کر بیٹھ گیا...... شاید وہ مندر میں مورتیوں کے درشن کرتے کرتے تھک گیا تھا...... کمانڈو شیر خان کو موقع مل گیا...... اس نے تامل زبان میں بوڑھے سے پوچھا۔

"آقا! ناگ داسیاں پوجا پاٹھ کرنے کب آتی ہیں"۔

بوڑھے نے میلے سے کپڑے سے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"وہ سامنے والے بھون میں آدھی رات کے بعد آتی ہیں...... وہاں ناگ دیوتا کی بڑی مورتی ہے...... وہ ناگ بھگوان کے آگے نرت کرتی ہیں"۔

دونوں مجاہدوں کو ان کی مطلوبہ معلومات مل گئی تھیں...... وہ یہی معلوم کرنا چاہتے تھے...... جب بوڑھا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تو دونوں مجاہد بھی وہاں سے اٹھے اور اس بھون کی طرف چل پڑے جس کی طرف بوڑھے تامل نے اشارہ کیا تھا...... اس بھون یا چھوٹے ہال کمرے میں چھت کے ساتھ پیتل کی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں...... ایک چبوترے پر کوبرا سانپ کا کافی بڑا بت پڑا تھا...... یہ ان لوگوں کے ناگ دیوتا کا بت تھا...... اس کا پھن پھیلا ہوا تھا اور آگے پھولوں...... پھلوں اور مٹھائیوں کی تھالیاں سجی ہوئی تھیں...... ایک بڑا پجاری یہاں بھی بت کے پاس بیٹھا شردھالوؤں سے پیسے اور مٹھائیاں وغیرہ لے کر ان کے ماتھوں پر تلک لگا رہا تھا...... شیر خان نے کہا۔

"یہاں بیٹھنا بیکار ہے...... ہم آدھی رات کو آئیں گے، جب ناگ داسیاں مورتی کے آگے رقص کرنے کے لئے آتی ہیں...... ان میں سے اُرملا نام کی دیوداسی کا سراغ لگانے کی کوشش کریں گے"۔

دونوں ناگ بھون سے نکلے اور مندر کے صحن میں آکر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے...... اچانک کالے رنگ کے دو سانپ ان کے قریب سے ہو کر نکل گئے...... شیر خان چونک کر ایک طرف ہو گیا...... شاہد علی نے اسے خبردار کیا۔

"ایسا پھر نہ کرنا شیر خان! نہیں تو یہاں کے لوگوں کو ہم پر شک پڑ جائے گا...... یہاں جو بھی ناگ جوگی آتے ہیں انہیں علم ہوتا ہے کہ یہاں کے سانپ بے ضرر ہیں...... کسی کو کچھ نہیں کہتے"۔

شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"سوری شاہد علی! میں آئندہ خیال رکھوں گا"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"یہاں کے سانپ زہریلے بالکل نہیں ہوتے...... یہ سانپ تو ان لوگوں کے گھروں میں بھی آزادی سے رینگتے پھرتے ہیں اور کبھی کسی کو نہیں ڈستے...... اگر کسی میں زہر ہو بھی تو وہ کسی کو کچھ نہیں کہتا...... یہاں کے بچے تو سانپوں کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں اور تم ان کے سامنے کبھی کسی سانپ کو مارنے کی کوشش بھی نہ کرنا...... یہاں کے سانپ ان لوگوں کے لئے دیوتا کا درجہ رکھتے ہیں"۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی...... مندر میں سے بھی عقیدت مندوں کا ہجوم چھٹ گیا تھا...... مندر کے پجاری...... بھکشو...... سادھو اور کچھ دوسرے لوگ ہی وہاں نظر آ رہے تھے...... اس دوران کچھ عقیدت مند عورتیں اور مرد کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کے آگے بھی انہیں ناگ سادھو سمجھ کر مٹھائی کے ڈونے اور پھل رکھ گئے تھے، جنہیں انہوں نے مزے سے کھایا...... جب رات آدھی گزر گئی تو وہ اٹھ کر بڑے

ناگ دیوتا کے بھون میں آگئے...... یہاں ناگ داسیوں کے رقص کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں...... ناگ کی مورتی کے آگے موم بتیاں روشن کر دی گئی تھیں...... لوبان سلگ رہے تھے...... لوگ دو قطاریں بنا کر بیٹھ گئے تھے...... ان میں سادھو لوگ اور چھوٹے پجاری بھی تھے...... کچھ عورتیں بھی تھیں...... ناگ کی بڑی مورتی کے آگے مہنت پجاری بیٹھ گیا تھا...... ڈھولک اور شہنائیاں بجانے والے بھی آکر مورتی کے چبوترے کے پاس بیٹھ چکے تھے، اب صرف ناگ داسیوں کا انتظار تھا۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بھی ایک جگہ بیٹھ گئے...... وہ ناگ سادھوؤں کے بھیس میں تھے اور سب انہیں ناگ سادھو یا ناگ سنیاسی ہی سمجھ رہے تھے...... اتنے میں ہال کمرے کا بڑا فانوس روشن ہو گیا...... پجاری مہنت نے ہاتھ میں گھنٹی لے کر اسے بجاتے ہوئے ناگ مورتی کی آرتی اتاری اور بلند آواز میں تامل زبان میں کہا۔

"ناگ دیوتا کی ناگ داسیاں حاضر ہوں"۔

اسی وقت ساز بجانے والوں نے ساز چھیڑ دیئے...... ڈھولک بجنے لگا...... شہنائیاں بجنے لگیں...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی نے دیکھا کہ سامنے والی دیوار کا پردہ ایک طرف ہٹا اور اندر سے چھ سات ناگ داسیاں رقص کے انداز میں دوڑتی ہوئی آئیں اور سب سے پہلے ناگ مورتی کے آگے آکر ماتھا ٹیکا...... پھر مہنت پجاری کے پاؤں چھوئے اور رقص شروع کر دیا۔

کمانڈو شیر خان نے شاہد علی کے کان میں کہا۔

"کیسے پتہ چلے گا کہ ان میں اُرملا نام کی ناگ داسی کون ہے؟"۔

مجاہد شاہد علی نے آہستہ سے کہا۔

"پتہ چلانے کی کوشش کریں گے"۔

ناگ داسیوں نے سرخ اور سبز رنگ کی ریشمی ساڑھیاں پہن رکھی تھیں...... پاؤں میں جھانجریں تھیں...... وہ موسیقی کی تال پر چاروں طرف چکر لگا کر رقص

کر رہی تھیں...... مجاہد شاہد علی نے بھی محسوس کیا کہ اس طرح سے تو اسے اس ناگ داسی کا کچھ پتہ نہ چل سکے گا جس کی انہیں تلاش ہے اور جس کی خاطر وہ بھیس بدل کر وہاں آئے ہوئے ہیں، لیکن ان کا مسئلہ بڑے پجاری نے اپنے آپ ہی حل کر دیا...... کچھ دیر کے بعد بڑے پجاری نے ہاتھ بلند کیا اور اونچی آواز میں بولا۔

"ناگ داسی رانی اُرملا کو حاضر کیا جائے...... دیوتا اس کے رقص سے پرسن ہوں گے"۔

دونوں کمانڈو مجاہدوں کی نگاہیں سامنے والی دیوار کی طرف اٹھ گئیں...... سب اسی طرف دیکھ رہے تھے...... وہاں پردہ گرا دیا گیا تھا...... ایک دم سے پردہ ہٹ گیا اور ایک ناگ داسی رقص کرتی باہر نکلی...... اس نے زرق برق لباس پہنا ہوا تھا...... بڑی خوبصورت تھی...... وہ واقعی رانی لگ رہی تھی...... بالوں میں پھولوں کے گجرے تھے...... کلائیوں پر بھی گجرے بندھے تھے...... آنکھیں ہیرے موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں...... وہ درمیان میں آکر ناچنے لگی...... شاہد علی نے کمانڈو شیر خان کے کان میں سرگوشی کی۔

"قدرت نے ہمارا کام آسان کر دیا...... یہی ناگ داسی اُرملا ہے"۔

ناگ داسی اُرملا نے ناگ کی مورتی کے آگے اوندھے منہ لیٹ کر ڈنڈوت کیا اور پھر اٹھی اور اس نے سانپ ڈانس شروع کر دیا...... ایسا سانپ ڈانس دونوں مجاہدوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا...... رقص کرتے کرتے ایک بار وہ کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کے قریب آئی تو انہوں نے اسے بڑے غور سے دیکھا...... ناگ داسی اُرملا کی عمر بیس برس سے زیادہ کی نہیں تھی...... اس کی آنکھیں سیاہ تھیں اور ایک طرف رخسار پر سیاہ تل بھی تھا...... ہال کمرے کی روشنیوں میں یہ تل صاف نظر آ رہا تھا...... ناگ داسی اپنی سہیلیوں کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔

پھر اس کی سہیلیاں ایک ایک کر کے اس سے الگ ہوتی گئیں...... اب ناگ داسی

اُرملا اکیلی رہ گئی تھی...... وہ اکیلی ہی سانپ ڈانس کر رہی تھی...... اتنے میں ناگ دیوتا کی مورتی کے پیچھے سے گلابی رنگ کا ایک سانپ پھن اٹھائے پھنکاریں مارتا رینگتا ہوا ناگ داسی کے قریب آیا اور وہ بھی ناگ داسی کے ساتھ رقص کرنے لگا...... رقص کرتے کرتے ناگ داسی نے سانپ کو اٹھا لیا اور اسے ہاتھ میں لے کر رقص کرنے لگی...... کبھی وہ سانپ کو اپنے منہ کے قریب لاتی...... کبھی اپنے گلے میں لپیٹتی...... کبھی اسے ہوا میں اچھال کر دوبارہ پکڑ لیتی...... یہ رقص ڈھولک اور گھنٹیوں کی آوازوں میں آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔

اس کے بعد ناگ داسی سانپ کو گلے میں لپیٹ کر رقص کرتی چلی گئی...... رقص ختم ہو گیا...... کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد بھی دوسرے پجاریوں اور ناگ سادھوؤں کے ساتھ مندر سے باہر آ گئے...... مندر سے نکل کر وہ سیدھے سمندر کی طرف چل پڑے جہاں ان کی خفیہ پناہ گاہ تھی...... اس وقت رات کے دو ڈھائی بجے کا وقت ہو گا...... ہر طرف خاموشی تھی...... جس چھوٹی سی سڑک پر وہ جا رہے تھے وہ دور تک سنسان پڑی تھی...... دونوں کمانڈو باتیں بھی کر رہے تھے...... شیر خان کہہ رہا تھا۔

"ہمیں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہو گا کہ ناگ داسی اُرملا کہاں رہتی ہے...... کہاں رات کو سوتی ہے، کیونکہ اسی جگہ ہمارا دشمن ڈاکٹر پلائی رات کو ناگ داسی سے ملاقات کرنے آئے گا اور اسی جگہ یعنی ناگ داسی کے گھر کو اپنا ٹارگٹ بنا کر ہمیں منصوبہ بندی کرنی ہو گی"۔

کمانڈو شاہد علی بولا...... ہو سکتا ہے ناگ داسی مندر میں ہی رہتی ہو۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اگر وہ ناگ مندر میں ہی رہتی ہے تو ہمیں اس کا بھی سراغ لگانا ہو گا"۔

اسی طرح باتیں کرتے وہ سمندر کے کنارے کی چٹانوں میں پہنچ گئے...... وہ چٹانوں میں سے گزرتے چلے گئے...... اپنی خفیہ غار والی پناہ گاہ میں آ کر انہوں نے موم

بتی روشن کی تو دیکھا کہ فرش کی ایک جانب دری بچھی ہوئی تھی...... یہ میلے رنگ
پرانی دری تھی...... ایک طرف دو پرانے کمبل...... دو گیروے رنگ کی چادریں
کر کے رکھی تھیں...... پانی سے بھرا ہوا مٹی کا بڑا مٹکا اور پانی پینے اور باہر سے پانی لا
والا درمیانے سائز کا ڈول بھی پڑا تھا...... ایک دیگچی بھی تھی...... انہوں نے دیگچ
ڈھکن اٹھا کر دیکھا...... اس میں کھچڑی تھی جس کے اوپر آم کا اچار رکھا ہوا تھا...... م
شاہد علی اپنی بین اور کرمنڈل ایک طرف رکھتے ہوئے دری پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"مجاہد ارسلان نے ہماری ضرورت کی ساری چیزیں پہلے سے یہاں رکھوا
ہیں...... ہم نے انہیں سائی لینسر والے دو پستول اور فالتو گولیوں کے لئے بھی کہا تھا"

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میں دیکھتا ہوں...... یہ چیزیں بھی ضرور یہیں کہیں ہوں گی"۔

وہ دوسرے کونے کی طرف بڑھا جہاں دو چار پرانی چادریں تہہ کر کے ر
تھیں...... اس نے انہیں اٹھایا تو نیچے دو پستول اور گولیوں کا ایک ڈبہ رکھا ہوا تھا......
نے شاہد علی سے کہا۔

"وہ لوگ اسلحہ بھی رکھ گئے ہیں"۔

"وہیں پڑا رہنے دو" شاہد علی نے کہا...... "جس وقت ضرورت ہوگی تو نکال
چیک کرلیں گے"۔

وہ مندر سے کھا پی کر آئے تھے...... انہیں بھوک بالکل نہیں تھی...... موم
بجھا کر وہ سو گئے...... صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو غار کے دہانے میں سے دن کی رو
اندر آرہی تھی...... وہ اٹھ کر چٹانوں کے پیچھے اس جگہ آگئے جہاں سمندر کا پانی جمع ہو
ہوا تھا اور ایک تالاب سا بن گیا تھا...... یہاں وہ نہائے...... نہا دھو کر انہوں
سادھوؤں والا لباس پہنا اور واپس غار میں آکر کھچڑی نکال کر کھائی اور باتیں کر
لگے...... پھر انہوں نے پروگرام بنایا کہ مندر کے آس پاس کے علاقے کا دن کی رو

یں جائزہ لینا چاہئے...... شاید ناگ داسی اُرملا کے ٹھکانے کا کوئی سراغ مل جائے......
غار کے دہانے کے آگے جھاڑیاں وغیرہ لگا کر انہوں نے اسے چھپا دیا اور مندر کی طرف
چل پڑے۔

وہ ناگ سادھوؤں کے بھیس میں کافی دیر تک مندر کے آس پاس کے علاقے
میں پھرتے رہے...... مندر کے آس پاس رہائشی مکان کہیں نہیں تھے...... ایک دو
بڑے بڑے ڈھلوان چھتوں والے گودام ضرور تھے جن کے دروازوں پر تالے لگے
ہوئے تھے اور باہر چوکیدار بیٹھے تھے...... کہیں کوئی کوارٹر ٹائپ کے مکان بھی نظر
نہیں آرہے تھے۔

شیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے ناگ داسی مندر کی چاردیواری کے اندر ہی رہتی ہے...... ہمیں
مندر کے احاطے میں چل کر دیکھنا ہوگا"۔

وہ مندر کے احاطے میں آکر ادھر اُدھر منڈلانے اور گہری نظروں سے ایک
ایک چیز کا جائزہ لینے لگے...... مندر کے احاطے میں ایک طرف ساتھ ساتھ اک منزلہ
کوارٹر بنے ہوئے تھے...... شیر خان بولا۔

"شاہد علی! مجھے یقین ہے کہ ناگ داسی انہی کوارٹروں میں سے کسی میں رہتی
ہوگی"۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے کوارٹروں کے قریب سے گزرنے لگے...... ان کی نظریں
ایک ایک کوارٹر کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں...... کوارٹروں کے دروازے کھلے بھی
تھے اور بند بھی تھے...... کہیں کہیں کسی بوڑھی عورت کی جھلک نظر آجاتی تھی...... کسی
کوارٹر کے باہر کوئی بوڑھا آدمی بیٹھا ناریل کی گڑگڑی پی رہا تھا...... ایک دو کوارٹروں
کے باہر کچھ جوان لڑکیاں بھی دکھائی دیں...... ان کو دونوں کمانڈوز نے غور سے دیکھا،
مگر ان میں ناگ داسی اُرملا کوئی نہیں تھی۔

تھک ہار کر وہ مندر کے اندر آ گئے۔

مندر میں ایک بوڑھا پجاری ستون کے پاس سر جھکائے بیٹھا تھا...... مجاہد شاہد علی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں شیر خان کو اشارہ کیا اور وہ اس بوڑھے کے قریب آ کر بیٹھ گئے اور تامل زبان میں آہستہ آہستہ ناگ دیوتا کے اشلوک پڑھنے لگے...... یہ اشلوک مجاہد شاہد کو یاد تھے اور اس نے کمانڈو شیر خان کو بھی یاد کرا دیئے تھے...... کچھ دیر اشلوک پڑھنے کے بعد مجاہد شاہد علی بوڑھے سے تامل زبان میں باتیں کرنے لگا...... باتوں ہی باتوں میں اس نے بوڑھے سے کہا۔

"ہم مدراس اور ترچنا پلی کے ناگ مندروں کی یاترا کر کے آ رہے ہیں...... وہاں کی ناگ داسیاں بڑا اچھا نرت (ڈانس) کرتی ہیں...... یہاں مجورا کے ناگ مندر کی ناگ داسیاں اتنا اچھا نرت نہیں کرتیں"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"اصل میں مدراس اور ترچنا پلی کے ناگ مندروں کی ناگ داسیوں کو بڑے مہا تما لوگ نرت (ڈانس) سکھاتے ہیں اور ان ناگ داسیوں کے آرام وغیرہ کا خیال بھی رکھا جاتا ہے، جبکہ یہاں مجورا کے ناگ مندر کی داسیوں کو شاید کوئی نہیں پوچھتا رات کو وہ سوتی بھی جھونپڑیوں میں ہوں گی"۔

یہاں بوڑھے تامل نے کہا۔

"تم لوگوں کو کسی نے غلط بتایا ہے...... ہمارے مندر کی ناگ داسیاں جھونپڑیوں میں نہیں رہتیں...... مندر کے احاطے میں بنے ہوئے اپنے کوارٹروں میں رہتی ہیں"۔

شیر خان اور شاہد علی بوڑھے تامل کو جس نقطے پر لانا چاہتے تھے وہ اس طرف آ رہا تھا...... شاہد علی کہنے لگا۔

"تو پھر سب سے بڑی ناگ داسی بھی کوارٹر میں ہی رہتی ہو گی، جبکہ ترچنا پلی کے ناگ مندر کی بڑی ناگ داسی کے لئے ایک الگ شاندار مکان بنایا ہوا ہے"۔

شیر خان نے بوڑھے تامل سے پوچھا۔

"کیا یہاں بڑی ناگ داسی اُرملا کے لئے کوئی الگ مکان نہیں بنایا گیا؟"۔

بوڑھے تامل نے کہا۔

"کہتے ہیں کہ ناگ داسی اُرملا ایک شاندار مکان میں رہتی ہے، جہاں وہ صرف رات کو سونے کے لئے جاتی ہے، لیکن کسی کو نہیں پتہ کہ وہ مکان کہاں پر ہے...... مندر کا بڑا پجاری جس رات اُرملا نے ناگ نرت کرنا ہوتا ہے، اسے اپنے ساتھ اندھیرے میں اس کے مکان تک چھوڑ آتا ہے...... سوائے بڑے پجاری کے کسی کو معلوم نہیں کہ بڑی ناگ داسی کا مکان کہاں پر ہے"۔

شیر خان نے شاہد علی کی طرف دیکھا...... معاملہ مزید پراسرار ہوتا جا رہا تھا...... شاہد علی نے تامل زبان میں ہی بوڑھے سے پوچھا۔

"اُرملا ناگ داسی کے لئے اتنی رازداری کیوں برتی جا رہی ہے؟"۔

بوڑھے نے کہا۔

"اس لئے کہ کہیں دوسرے شہروں کے ناگ مندر کے پجاری اسے اغوا کر کے اپنے مندر میں نہ لے جائیں، کیونکہ اُرملا ناگ داسی کی وجہ سے اس مندر کو بہت آمدنی ہوتی ہے"۔

شیر خان اور شاہد علی۔ نے اس بوڑھے سے جو معلوم کرنا تھا وہ انہیں معلوم ہو گیا تھا...... وہ اٹھ کر مندر کے احاطے میں آ گئے...... شیر خان نے کہا۔

"معاملہ اور اُلجھ گیا ہے...... ناگ داسی کے مکان کا کیسے سراغ لگایا جائے...... اس کا مطلب ہے کہ جس رات ڈاکٹر پلائی اس کے پاس آتا ہو گا تو وہ بھی بڑی رازداری سے آتا ہو گا...... اس کے باڈی گارڈ مکان کے اِرد گرد پوشیدہ جگہوں پر چھپ کر بیٹھ جاتے ہوں گے...... سائنس دان ڈاکٹر پلائی خود بھی رازداری سے کام لینا چاہتا ہو گا تا کہ کسی کو علم نہ ہو کہ وہ رات کو مندر کی ناگ داسی سے ملنے آیا ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"ڈاکٹر پلائی بکتر بند گاڑی میں آتا ہے..... رات کے وقت کسی نہ کسی جگہ اس کی
گاڑی کھڑی ہوتی ہوگی..... ہم اسے تلاش کر کے ناگ داسی کے مکان پر پہنچ کر ڈاکٹر
پلائی کا کام تمام کر سکتے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم کیسے تلاش کریں گے کہ ڈاکٹر پلائی کی بکتر بند گاڑی رات
کے اندھیرے میں کس جگہ کھڑی ہے..... مندر کے آس پاس کا علاقہ تو بہت وسیع
علاقہ ہے..... ہمیں کوئی دوسری تدبیر سوچنی پڑے گی"۔

ان ہی خیالوں میں اُلجھے دونوں کمانڈو مجاہد مندر کے لنگر کی طرف آگئے.....
دوپہر ہوگئی تھی..... لنگر تقسیم ہو رہا تھا..... انہوں نے لنگر کے دال چاول کھائے اور
کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد واپس اپنی غار والی پناہ گاہ میں آگئے..... اس کے بعد وہ شام
تک غار سے باہر نہ نکلے اور ہر قسم کے منصوبے سوچتے رہے، مگر ان کی سمجھ میں کچھ
نہیں آتا تھا کہ کون سی ایسی ترکیب ہو کہ ناگ داسی کے پراسرار مکان کا کھوج لگا
سکے..... رات ہوگئی..... شیر خان نے کہا کہ مندر کا ایک چکر لگانا چاہئے..... شاہد علی
نے کہا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں..... اب ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے کہ جس رات
ناگ داسی اُرملا نے رقص کرنا ہوتا ہے، ہم اس رات مندر میں جا کر بیٹھ جائیں.....
جب ناگ داسی رقص کے بعد واپس جائے تو چھپ کر اس کی نگرانی کی جائے اور جب
رات کے اندھیرے میں مندر کا بڑا پجاری اسے اس کے گھر چھوڑنے جائے تو اس کا
پیچھا کیا جائے"۔

شیر خان نے کہا۔

"مگر جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے ناگ داسی اُرملا سات دنوں کے وقفے کے بعد

کسی رات رقص کرتی ہے"۔

"یہ ہم پتہ کر لیں گے کہ وہ کس رات رقص کرنے والی ہے" مجاہد شاہد علی نے
جواب دیا..... "اس رات کو ہم اس کا پیچھا کریں گے"۔

اپنے اسی منصوبے پر وہ دیر تک غار کے اندر بیٹھے سوچ بچار کرتے رہے..... پھر
کچھ دیر ٹہلنے کے لئے غار سے نکل کر چٹانوں کے پیچھے آگئے..... چاندنی رات تھی......
چاند نکلا ہوا تھا..... سمندر میں جوار بھاٹا کا منظر تھا..... سمندر کافی آگے تک آگیا ہوا
تھا..... سمندر کی موجیں دُور دُور آ کر چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں..... چاندنی میں
سمندر چمک رہا تھا..... دونوں مجاہد ناگ سادھوؤں کے لباس میں سمندری ہوا میں
آہستہ آہستہ ریت پر سیر کرتے رہے..... وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے اور اسی
نقطے پر غور کر رہے تھے کہ جب انہیں اُرملا ناگ داسی کے خفیہ مکان کا سراغ مل جائے
گا اور جس رات سائنس دان ڈاکٹر پلائی اس کے مکان پر موجود ہوگا تو انہیں کس
طریقے سے کمانڈو ایکشن کر کے اسے ہلاک کرنا ہوگا۔

سیر کرنے کے بعد وہ غار میں آگئے..... انہوں نے دیگچی میں سے تھوڑی سی
کھچڑی نکال کر کھائی اور شیر خان نے تھیلے میں سے کلائی کی گھڑی نکال کر وقت دیکھا
اور بولا۔

"رات کے بارہ بجنے والے ہیں..... میرا خیال ہے اب ہمیں سو جانا چاہئے"۔

موم بتی جل رہی تھی..... غار کے دہانے کو انہوں نے جھاڑیوں سے ڈھانپ دیا
تھا..... سمندر کی مرطوب ہوا کی وجہ سے کافی خنکی ہوگئی تھی..... وہ دری پر کمبل
اوڑھ کر لیٹ گئے..... لیٹے لیٹے بھی وہ آپس میں باتیں کرنے لگے..... اچانک شاہد علی
نے کہا۔

"کیا تم ایک آواز سن رہے ہو؟"۔

شیر خان بات کرتے کرتے خاموش ہو گیا..... اس نے کان لگا دیئے..... باہر سے

سمندر کی لہروں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی...... اس آواز کے ساتھ ایک اور آواز ب
آ رہی تھی...... شیر خان بولا۔

"یہ تو سپیرے کے بین کی آواز ہے"۔

"ہاں" مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"میں یہی آواز تمہیں سنانا چاہتا تھا"۔

"اس وقت باہر کون بین بجا رہا ہے؟ میرا خیال ہے کوئی سپیرا ہوگا" شیر خا
نے کہا۔

مجاہد شاہد علی اٹھ کر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"کسی سپیرے کا ہماری پناہ گاہ کے آس پاس آنا ہمارے لئے خطرے کا باع
ہو سکتا ہے...... میرے ساتھ آؤ...... باہر چل کر دیکھتے ہیں"۔

وہ دونوں اٹھ کر غار سے باہر آگئے...... وہ چٹانوں کے درمیانی راستے سے گزر
لگے...... یہاں اندھیرا تھا...... چاندنی کی کرنیں ترچھی ہو کر چٹانوں کے اوپر پڑ ر
تھیں...... چٹانوں کے باہر آ کر وہ محتاط ہو گئے اور رک کر یہ دیکھنے لگے کہ بین کی آو
کس طرف سے آ رہی ہے...... مجاہد شاہد علی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بین کی آواز ان چٹانوں کے پیچھے سے آ رہی ہے...... میں آگے آگے چ
ہوں...... تم میرے پیچھے پیچھے آؤ، جہاں میں اشارہ کروں وہاں رُک جانا"۔

مجاہد شاہد علی ان چٹانوں کی طرف چلنے لگا جہاں سے سپیرے کے بین بجانے ک
آواز آ رہی تھی...... ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور سمندر کی لہریں دُور دُور
آ کر چٹانوں سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی تھیں...... مجاہد شاہد علی سیدھا جانے کی بجا
پہلو کی طرف سے ہو کر چٹانوں کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

کمانڈو شیر خان اس سے چند قدم پیچھے چلا آ رہا تھا...... جیسے جیسے وہ آگے بڑ
رہے تھے بین کی آواز زیادہ صاف سنائی دینے لگی تھی۔

آخر وہ اس چٹان کے پاس آ گئے جس کی دوسری جانب سے کسی سپیرے کے بین
بجانے کی آواز اب بڑی صاف سنائی دے رہی تھی...... مجاہد شاہد علی چٹان کی اوٹ میں
ہو گیا جہاں اندھیرا تھا...... اس نے ہاتھ سے پیچھے اشارہ کیا...... شیر خان دوڑ کر اس کے
پاس آ گیا...... دونوں مجاہد چٹان کی پتھریلی دیوار کے پاس بیٹھ گئے۔

مجاہد شاہد علی نے سب سے پہلے گردن آگے کر کے دیکھا...... اسے سامنے ایک
عجیب منظر نظر آیا...... اس نے شیر خان کو اشارہ کیا...... شیر خان نے بھی آگے ہو کر
چٹان کی دوسری طرف دیکھا۔

چٹان کی دوسری طرف ایک جگہ اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان سمندر کے پانی
نے ایک تالاب بنا دیا ہوا تھا...... چاندنی پوری طرح سے کھلی ہوئی تھی اور ایک ایک
شئے صاف دکھائی دے رہی تھی...... انہوں نے دیکھا کہ تالاب کے کنارے پتھر کی
ایک بہت بڑی سل پر ایک عورت بیٹھی بین بجا رہی ہے اور اس کے سامنے ایک کوبرا
سانپ پھن کھولے بین کی دھن پر ناچ رہا ہے...... عورت نوجوان تھی...... اس نے
اپنے جسم کے گرد گیروے رنگ کی ساڑھی اس طرح سے لپیٹ رکھی تھی کہ اس کے
جسم کا اوپر کا حصہ کئی جگہوں سے نظر آ رہا تھا...... وہ دونوں ہاتھوں سے والہانہ انداز میں
بین بجا رہی تھی اور سانپ بھی بے خود سا ہو کر بین کی لے پر رقص کر رہا تھا...... سانپ
کبھی ناچتے ناچتے عورت کے بالکل قریب آ جاتا اور پھن اوپر اٹھا کر اسے تکنے لگتا......
کبھی وہ ناچتے ناچتے عورت کے گرد دائرے کی شکل میں چکر لگاتا اور سامنے آ کر اسی
طرح رقص کرنے لگتا...... شاہد علی نے شیر خان کے کان میں سرگوشی کی۔

"شیر خان! کیا اس عورت کو پہچانتے ہو؟ میں نے اسے پہچان لیا ہے"۔

شیر خان نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"لگتا ہے اسے کہیں دیکھا ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"غور سے دیکھو...... یہ ناگ مندر کی ناگ داسی اُرملا ہے"۔

اب شیر خان نے اس عورت کو غور سے دیکھا تو اس نے بھی پہچان لیا...... عورت واقعی ناگ داسی اُرملا تھی...... شیر خان نے سرگوشی میں کہا۔

"یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟"۔

شاہد علی نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"ناگ داسیوں کی عجیب عجیب رسمیں ہوتی ہیں، شاید یہ کوئی رسم ادا کر رہی ہے...... یہ جب یہاں سے واپس جائے گی تو ہم اس کا پیچھا کریں گے...... اگر یہ اپنے خفیہ گھر کی طرف گئی تو ہمیں اس کے گھر کا سراغ مل جائے گا"۔

شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ حیران تھا اور خوش بھی تھا کہ قدرت نے اپنے آپ ان کے لئے ایک موقع پیدا کر دیا ہے۔

ناگ داسی نے اچانک بین بجانی بند کر دی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی...... اس نے کوبرا سانپ کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور سل کے بالکل درمیان میں رکھ دیا...... کوبرا سانپ کو جیسے پہلے سے پتہ تھا کہ اسے کیا کرنا ہے...... وہ سل کے وسط میں کنڈلی مار کر پھن اٹھائے بیٹھ گیا...... اب ناگ داسی نے ایک عجیب حرکت کی...... ایسی حرکت کہ جس کی وجہ سے شیر خان اور شاہد علی نے ایک بار تو شرم کے مارے آنکھیں نیچی کر لیں، مگر وہ دونوں خوب جانتے تھے کہ ان مندروں کی ناگ داسیاں اور دیوداسیاں اس قسم کی رسمیں عام ادا کرتی رہتی ہیں اور ان کی بعض رسمیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں اپنا سارا لباس اتار دینا پڑتا ہے...... ناگ داسی نے بھی یہی کیا تھا...... اس نے جسم کو جس ساڑھی سے لپیٹ رکھا تھا وہ اتار کر ایک طرف رکھ دی اور اسی بے حیائی کے عالم میں کوبرا سانپ کے اِرد گرد رقص کے انداز میں چکر لگانے لگی...... پورے چاند کی چاندنی میں ناگ داسی کا عریاں جسم لہراتے ہوئے شعلے کی طرح لگ رہا تھا...... دائرے میں رقص کرتے کرتے ناگ داسی کسی وقت جھک کر اپنا منہ کوبرا سانپ کے بالکل

قریب لے آتی...... سانپ پھنکار مارتا تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ جاتی اور اسی طرح دائرے میں رقص شروع کر دیتی۔

دس پندرہ منٹ تک وہ اسی طرح کوبرا سانپ کے گرد دائرے میں رقص کرتی رہی...... پھر اس نے جھک کر سانپ کو اٹھا کر اپنے گلے میں ڈال لیا اور اسے گلے میں لٹکائے ہوئے دوبارہ رقص شروع کر دیا...... سانپ ناگ داسی کے جسم پر رینگتے ہوئے کبھی ایک طرف چلا جاتا...... کبھی دوسری طرف چلا جاتا...... بے حیائی کا یہ رقص بھی چھ سات منٹ تک جاری رہا...... مجاہد شاہد علی اور کمانڈو شیر خان کبھی دیکھ لیتے تھے اور کبھی آنکھیں نیچی کر لیتے تھے...... آخر یہ رقص بھی ختم ہو گیا...... ناگ داسی نے کوبرا سانپ کا منہ اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگا لیا اور دیر تک لگائے رکھا...... ایسے لگ رہا تھا جیسے کوبرا سانپ اور ناگ داسی دونوں ایک دوسرے کے اندر کا زہر پی رہے ہیں......

ناگ داسی نے ایک دم کوبرا ناگ کا منہ اپنے ہونٹوں سے الگ کر لیا اور اسے پتھر کی سل پر بٹھا کر اپنی ساڑھی کو جسم کے گرد لپیٹنے لگی...... اس کے بعد ناگ داسی نے سانپ کو اپنی گردن میں ہار کی طرح ڈالا اور ایک طرف کو چل پڑی۔

شیر خان اور شاہد علی چٹان کی اوٹ میں سے اسے دیکھ رہے تھے...... چاندنی میں ناگ داسی بالکل صاف دکھائی دے رہی تھی...... وہ پتھروں کے درمیان چلتی اس چھوٹی سی پگ ڈنڈی پر چلنے لگی جو اس چٹان کے قریب سے گزرتی تھی جہاں دونوں کمانڈو چھپ کر اسے دیکھ رہے تھے...... مجاہد شاہد نے کہا۔

"شیر خان! یہ تو سیدھی ہماری طرف آ رہی ہے"۔

شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"ہم ذرا پیچھے ہٹ جاتے ہیں...... اگر ہم یہاں سے اس وقت باہر نکلے تو وہ ہمیں دیکھ لے گی اور ہم اس کا تعاقب نہ کر سکیں گے"۔

دونوں مجاہد جلدی سے چٹان کی آڑ لے کر اور پیچھے ہٹ گئے...... اب وہ ایسی جگہ

چھپ کر کھڑے ہوگئے جہاں سے وہ تو ناگ داسی کو گزرتے دیکھ سکتے تھے مگر وہ انہیں نہیں دیکھ سکتی تھی...... ناگ داسی بڑے آرام سے چلی آ رہی تھی...... وہ کچھ گنگنا بھی رہی تھی...... شاید کوئی اشلوک پڑھ رہی تھی...... وہ بالکل قریب آ گئی...... جب وہ دونوں مجاہدوں کے قریب سے گزری تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی گردن میں جو سانپ لپٹا ہوا تھا اس کا رنگ گلابی تھا...... یہ وہی سانپ تھا جو پچھلی رات جب وہ ناگ دیوتا کی مورتی کے آگے ڈانس کر رہی تھی تو اس کے ساتھ ہی ناچ رہا تھا...... جب ناگ داسی چٹان کے قریب سے گزر کر کچھ دُور چلی گئی تو شیر خان اور شاہد علی چٹان کی آڑ میں سے نکل آئے...... مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"تم نے ایک چیز ضرور نوٹ کی ہو گی کہ ناگ داسی کے گلے میں لپٹا ہوا سانپ وہی تھا جس کے ساتھ وہ کل رات ناگ بھون میں ڈانس کر رہی تھی"۔

شیر خان بولا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... میں نے بھی یہ بات نوٹ کی ہے...... یہ وہی گلابی سانپ تھا، اب ہمیں اس کا تعاقب شروع کر دینا چاہئے"۔

اور وہ دونوں کچھ فاصلہ ڈال کر ناگ داسی کے پیچھے چل پڑے...... دونوں ناگ سادھوؤں کے بھیس میں تھے...... ان پر کوئی شک بھی نہیں کر سکتا تھا...... مدورا مندروں کا شہر تھا اور وہاں دن کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی سادھو سنیاسی لوگ اِدھر اُدھر چلتے پھرتے اور خاص طور پر سمندر کے کنارے اکثر نظر آ جاتے تھے...... وہ صرف اتنی احتیاط برت رہے تھے کہ اگر ناگ داسی پیچھے مڑ کر دیکھے تو وہ اسے نظر نہ آئیں...... چاندنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی...... ناگ داسی چٹانوں والے علاقے سے نکل کر اس طرف چلنے لگی جدھر تاڑ اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے...... دونوں مجاہد کمانڈو کافی فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کر رہے تھے...... جب ناگ داسی درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئی تو انہیں تعاقب کرنے میں آسانی

ہو گئی...... انہیں درختوں کی آڑ مل گئی تھی۔

شیر خان نے شاہد علی سے کہا۔

"یہ کس طرف جا رہی ہے؟"۔

شاہد علی آہستہ سے بولا۔

"میرا خیال ہے جہاں یہ رہتی ہے اسی طرف جا رہی ہے"۔

ایک درخت کے پاس گھاس پھونس کا چھوٹا سا جھونپڑا تھا...... ناگ داسی وہاں آ کر رُک گئی...... اس نے اپنی گردن کے گرد لپٹے ہوئے گلابی رنگ کے سانپ کو اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور جھونپڑے میں داخل ہو گئی...... شیر خان اور شاہد علی کچھ فاصلے پر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر دیکھ رہے تھے...... چند لمحوں کے بعد ناگ داسی جھونپڑے سے باہر نکلی تو اس کے پاس سانپ نہیں تھا...... سانپ نہ اس کی گردن میں لپٹا ہوا تھا اور نہ اس کے ہاتھ میں تھا...... شاہد علی نے شیر خان کے کان میں سرگوشی کی۔

"اس نے سانپ جھونپڑے میں کسی پٹاری میں بند کر دیا ہے"۔

ناگ داسی اب درختوں کی مخالف سمت کو جا رہی تھی...... کچھ دور چلنے کے بعد وہ درختوں میں گھری ہوئی ایک چار دیواری کے پاس آ کر رُک گئی...... دیوار میں ایک دروازہ تھا جو بند تھا...... ناگ داسی نے رُک کر ایک لمحے کے لئے اپنے ارد گرد دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر اس کے اندر چلی گئی...... دروازہ اس نے اندر جاتے ہی بند کر دیا۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"اگر یہ عورت کچھ دیر کے بعد باہر نہ نکلی تو اس کا مطلب ہو گا کہ وہ اسی جگہ رہتی ہے"۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں ذرا آگے چل کر اس جگہ کا جائزہ لینا چاہئے"۔

وہ درخت کی آڑ سے نکلے اور چار دیواری کے قریب آ کر دائیں طرف گھوم

گئے...... چار دیواری کے اندر ایک کوارٹر سا دکھائی دے رہا تھا...... دیوار زیادہ اونچی نہیں
تھی...... وہ دیوار کے اوپر سے اندر جھانکے...... چار دیواری کے درمیان میں ایک کمرہ
ہوا تھا جس کی چھت ناریل کے پتوں کی بنی ہوئی تھی اور دیواریں پتھر کی تھیں...... صحن
میں ایک جانب ایک گائے بندھی ہوئی تھی...... ایک درخت کے نیچے تخت پوش پڑا
تھا...... کونے میں بھی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا...... شاید یہ غسل خانہ یا باورچی خانہ تھا......
ناگ داسی صحن میں نہیں تھی...... شاید وہ کمرے میں داخل ہو گئی تھی...... اتنے میں
کمرے کے روشن دان اور کھڑکی میں اچانک بجلی کی روشنی ہو گئی...... کسی نے اندر جا کر
بجلی کا بلب روشن کر دیا تھا...... یہ ناگ داسی ہی ہو سکتی تھی...... کھڑکی پر پردہ گرا ہوا
تھا...... شیر خان نے شاہد کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میرا خیال ہے ناگ داسی یہیں رہتی ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"پھر بھی میرا خیال ہے ہمیں کچھ دیر رک کر انتظار کر لینا چاہئے"۔

اور وہ چار دیواری کے دروازے سے ہٹ کر درختوں کے نیچے آ کر بیٹھ گئے۔

❁ ❁ ❁

وہ دس پندرہ منٹ وہاں بیٹھے رہے۔

دروازہ اسی طرح بند رہا...... کوئی باہر نہ نکلا...... وہ اٹھ کر کوارٹر کی دیوار کے
قریب آئے...... انہوں نے دیوار کے اوپر سے اندر نگاہ ڈالی...... کوارٹر کے کمرے کی
بتی بجھ چکی تھی...... شاہد علی نے آہستہ سے کہا۔

"یقین کرنا ہی پڑے گا کہ ناگ داسی اسی جگہ رہتی ہے اور ہمارا دشمن ڈاکٹر پلائی
اسے ملنے رات کو اسی جگہ آتا ہو گا"۔

وہ دونوں وہاں سے واپس چل پڑے...... شیر خان بولا۔

"اپنی طرف سے مندر کے ہیڈ پجاری نے ناگ داسی کے اس مکان کو خفیہ رکھا
ہوا ہے...... یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ جب سائنس دان ڈاکٹر پلائی ناگ داسی سے رات
کو ملنے آئے تو کسی کو خبر نہ ہو"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا...... بات جو میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ بھارت کے
دفاعی ایٹمی تحقیقاتی ادارے کا یہ ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر تھانو پلائی حکومت کے لئے بڑی
اہمیت رکھتا ہے...... جو کام ڈاکٹر پلائی کر رہا ہے یہ کوئی دوسرا بھارتی سائنس دان نہیں
کر سکتا، چنانچہ بھارتی حکومت کو اس کے تمام ناز نخرے اٹھانے پڑ رہے ہیں...... یہ
حکومت کو بھی معلوم ہے کہ ڈاکٹر پلائی رنگین مزاج آدمی ہے اور یہ ناگ داسی پر
فریفتہ ہے اور اس سے ملنے جاتا ہے...... ڈاکٹر پلائی سے چونکہ بھارتی حکومت کے

انتہائی قیمتی مقاصد وابستہ ہیں اس لئے وہ چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے اسے کھل کھیلنے کا
موقع بہم پہنچاتی ہے...... مندر کے ہیڈ پجاری سے مل کر صرف اتنا خیال حکومت ضرور
رکھتی ہے کہ ڈاکٹر پلائی کی ناگ داسی سے ملاقات کو جتنا خفیہ رکھا جاسکتا ہے خفیہ رکھا
جائے، کیونکہ یہ شخص حکومت کے ایک ذمہ دار ادارے کا سربراہ بھی ہے“۔

شیر خان کہنے لگا۔

”اگر یہ بات طے ہے کہ ہمارا دشمن ڈاکٹر پلائی اسی مکان میں رات کو آکر ناگ
داسی سے ملاقات کرتا ہے تو قدرتی طور پر یہ جگہ ہمارے کمانڈو ایکشن کا ٹارگٹ ہوگی
اور ہمیں دن کے وقت آکر اس کا مشاہدہ کرنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ جب ڈاکٹر پلائی
مکان کے اندر ہوگا تو ہمیں کمانڈو ایکشن کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی،
کیونکہ ظاہر ہے کہ اس آدمی کی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ بھی اس کے ساتھ ہوں
گے اور وہ چار دیواری کے ارد گرد درختوں میں چھپے ہوں گے...... ہمیں ان کا بھی خیال
رکھنا ہوگا کہ ہم ان کی نگاہ میں نہ آجائیں“۔

”ٹھیک ہے“ مجاہد شاہد علی بولا۔

”ہم دن میں کسی وقت یہاں آکر ماحول کا پوری طرح سے جائزہ لیں گے“۔

شیر خان نے کسی قدر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ڈاکٹر پلائی کس رات کو ناگ داسی
کے پاس آتا ہے...... اس کا کھوج لگائے بغیر تو ہم کوئی قدم آگے نہیں بڑھا سکتے“۔

شاہد علی نے کہا۔

”اس مسئلے کا حل تو یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک ہر رات یہاں آکر معلوم
کرے کہ ہمارا دشمن ناگ داسی سے ملنے آیا ہوا ہے یا نہیں“۔

شیر خان بولا۔

”یہ کیسے پتہ چلے گا کہ اس وقت ڈاکٹر پلائی ناگ داسی کے کوارٹر میں ہی ہے“

ظاہر ہے اس کے باڈی گارڈ بھی چھپے ہوئے ہوں گے...... وہ ہمیں رات کو دکھائی نہیں
دیں گے“۔

”یہ تو ہے“ شاہد علی نے کہا۔

”پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے“۔

شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ابھی تو ہمیں اپنے ٹھکانے پر جاکر سو جانا چاہئے...... اس بارے
میں کل تازہ دم ہو کر سوچیں گے“۔

وہ باتیں کرتے جب اس جھونپڑے کے قریب سے گزرے جہاں ناگ داسی نے
گلابی رنگ کے سانپ کو چھپایا تھا تو شاہد علی رُک گیا، کہنے لگا۔

”ذرا اس جھونپڑے میں آؤ...... دیکھتے ہیں اس عورت نے سانپ کہاں چھپایا ہے“۔

”اس کی کیا ضرورت ہے؟“ شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی بولا۔

”تم آؤ تو سہی“۔

اور وہ دونوں جھونپڑے میں داخل ہو گئے...... باہر چاندنی کھلی ہوئی تھی...... اس
کی ہلکی ہلکی روشنی میں انہیں جھونپڑے کے کونے میں ایک مٹی کا مٹکا پڑا ہوا نظر آیا......
شاہد علی یہ کہہ کر مٹکے کی طرف بڑھا۔

”میرا خیال ہے سانپ اس مٹکے میں ہے“۔

”دھیان سے مٹکے کو ہاتھ لگانا...... مجھے یہ سانپ بڑا زہریلا لگتا ہے“ شیر خان نے
شاہد علی کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔

شاہد علی نے کہا۔

”مجھے سانپ پکڑنے کا گر آتا ہے...... ویسے میں اسے پکڑوں گا نہیں“۔

وہ مٹکے کے قریب آ گئے...... مٹکے کا منہ کپڑے سے بند کیا ہوا تھا...... شاہد علی نے مٹکے کے منہ پر بندھے ہوئے کپڑے پر ہاتھ مارا...... مٹکے کے اندر سے سانپ کی پھنکار سنائی دی...... شاہد علی بولا۔

"سانپ مٹکے کے اندر موجود ہے"۔

اس کے بعد وہ جھونپڑے سے نکلے اور چٹانوں کی تنگ راہ داریوں میں سے گزر کر اپنی غار والی خفیہ پناہ گاہ میں آ گئے...... تھوڑی دیر آپس میں کچھ باتیں کرتے رہے پھر سو گئے۔

دوسرے روز انہوں نے ناگ سادھوؤں والا لباس پہنا...... شاہد علی مجاہد نے ہاتھ میں بین پکڑلی اور تاڑ ناریل کے ان درختوں کی طرف چل پڑے جہاں ناگ داسی ارملا کا گھر تھا...... دن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ مکان پتھر کی چار دیواری میں گھرا ہوا تھا...... اس کے ارد گرد درخت بہت تھے جو انہیں اچھی آڑ مہیا کر سکتے تھے...... وہ آہستہ آہستہ چلتے مکان کے پیچھے آ گئے...... بظاہر وہ سادھو سنیاسیوں کی طرح درختوں اور جھاڑیوں کو دیکھتے بھالتے جا رہے تھے جیسے جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ہوں لیکن ان کی تیز نظریں ماحول کا بھرپور جائزہ لے رہی تھیں، کیونکہ اگر ناگ داسی کی رہائش گاہ وہی تھی تو پھر کمانڈو ایکشن اسی جگہ ہونے والا تھا جس کے واسطے ضروری تھا کہ اس جگہ کا اچھی طرح سے مشاہدہ کیا جائے...... مکان کی چار دیواری کے پچھواڑے بیس پچیس قدموں کے فاصلے پر ایک کھائی تھی جس میں پانی تو نہیں تھا...... لیکن جھاڑ جھنکاڑ بہت اگی ہوئی تھی...... دونوں مجاہد کھائی کے کنارے بیٹھ گئے...... انہوں نے دیکھا کہ کھائی آگے سمندری چٹانوں کی طرف چلی گئی تھی...... اس کھائی کو انہوں نے اپنے ذہن میں رکھ لیا اور وہاں سے سیدھا ناگ مندر میں آکر مندر کے صحن میں ایک چبوترے کے پاس بیٹھ گئے...... پوجا کرنے والی عورتیں اور مرد چلے آ رہے تھے...... ایک عورت ان کے آگے لڈوؤں کا ڈونا اور ایک مرد ان کے آگے دہی سے بھرا ہوا

مٹی کا پیالہ رکھ گیا...... مجاہد شاہد علی نے ہنس کر کہا۔

"شیر خان! لگتا ہے آج کا ناشتہ تو آ گیا ہے"۔

انہوں نے دہی اور لڈوؤں سے ناشتہ کیا اور اٹھ کر مندر کے اندر آ گئے...... مندر میں صبح ہی سے رونق شروع ہو گئی تھی...... ناگ دیوتا کے استھان کی جانب آرتی اتاری جا رہی تھی اور بھجن کیرتن ہو رہا تھا...... مندر کے بڑے پجاریوں کو چھوڑ کر ایک دو پجاری تھے جو مندر کے چھوٹے موٹے کام کرتے تھے...... وہ سیوادار قسم کے لوگ تھے...... ان میں بوڑھے بھی تھے اور نوجوان بھی تھے...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی ایک جگہ ستونوں کے پاس بیٹھ گئے...... ان دونوں مجاہدوں کے رنگ ذرا گورے گورے تھے...... وہاں جتنے لوگ تھے ان سب کے رنگ کالے...... سانولے اور گہرے سانولے تھے...... گورے رنگ کا ان میں کوئی نہیں تھا...... دونوں مجاہد اپنی شکل اور رنگ روپ سے ہی لگتے تھے کہ یہ شمالی بھارت کے ناگ سادھو ہیں اور جنوب کی تامل زبان نہیں جانتے ہوں گے...... ستونوں کے پاس بیٹھے وہ باتیں بھی اردو ہندی میں کر رہے تھے۔

ان کے قریب ہی دو کالے رنگ کے دبلے پتلے نوجوان سیوادار تامل پجاری بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے...... وہ تامل زبان میں بول رہے اور مندر کے لنگر سے ملنے والی ناقص غذا کی شکایت کر رہے تھے...... شیر خان اور شاہد علی دونوں تامل زبان سمجھتے تھے، مگر ان کی توجہ ان دونوں پجاریوں کی طرف نہیں تھی...... وہ ہندی ملی ہوئی اردو میں جنوب کے موسم وغیرہ کی بات کر رہے تھے...... اچانک ان دونوں تامل پجاریوں میں سے ایک پجاری نے کہا۔

"میں تو ناگ داسی ارملا جی پر عاشق ہو گیا ہوں"۔

دونوں مجاہدوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور زیر لب ہنس پڑے کہ یہ بھی ناگ داسی کے تیر نظر کا شکار ہیں...... دوسرے سیوادار پجاری نے تامل زبان میں

ہی کہا۔

"ارے تو کسی دوسری ناگ داسی سے جی لگالے..... اُرملا ناگ داسی تیرے ہاتھ آنے والی نہیں ہے"۔

پہلا پجاری بولا۔

"کیوں؟ مجھ میں کس چیز کی کمی ہے"۔

دوسرے پجاری نے کہا۔

"تجھ میں کمی یہ ہے کہ تو آندھیرا پردیش کا ڈاکٹر پلائی نہیں ہے"۔

یہ سن کر شیر خان اور شاہد علی کے کان کھڑے ہوگئے..... پہلا پجاری بولا۔

"ہاں کرشن جی! یہ بات تو ہے..... یہ ڈاکٹر پلائی سالا ہماری اُرملا جی پر مرمٹا ہے جس رات آتا ہے اس رات اُرملا جی مندر میں ناگ نرت بھی نہیں کرتیں"۔

دوسرا پجاری ہنس کر بولا۔

"سنا ہے وہ آج رات تمہاری اُرملا ناگ داسی سے ملاقات کرنے آرہا ہے..... آج کی رات بھی اُرملا کی نرت نہ دیکھ سکو گے"۔

پہلے پجاری نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟ اس یم دوت ڈاکٹر پلائی کے آنے کی تو یہاں کسی کو خ نہیں ہوتی"۔

دوسرے پجاری نے کہا۔

"ارے ایسی باتیں چھپی نہیں رہ سکتیں..... لوگوں میں کھسر پھسر تو ہوتی رہتی ہے..... یہ الگ بات ہے ڈر کے مارے کوئی بات نہیں کرتا..... اسی لئے پجاری نے اُرملا کو الگ مکان دے رکھا ہے"۔

اس کے بعد دونوں وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔

جس چیز کی دونوں مجاہدوں کو تلاش تھی وہ انہیں مل گئی تھی، شیر خان کہنے لگا۔

"شاہد علی بھائی! لگتا ہے قدرت ہمارے ساتھ ہے اور ہماری مدد کر رہی ہے، ورنہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ہم اتفاق سے یہاں آکر بیٹھیں اور ہمیں پتہ چل جائے کہ ناگ داسی کس رات ڈاکٹر پلائی سے ملنے والی ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"اور ان تامل پجاریوں کی باتوں سے یہ بھی تصدیق ہوگئی ہے کہ ڈاکٹر پلائی ناگ داسی اُرملا سے اسی ناریل کے درختوں والے مکان میں رات کو ملنے آئے گا...... تم نے سنا نہیں..... تامل پجاری کہہ رہا تھا کہ بڑے پجاری نے اسی لئے ناگ داسی کو لگ مکان دے رکھا ہے..... وہ الگ مکان وہی ہوسکتا ہے جہاں رات کو ہم نے اسے جاتے دیکھا تھا۔

شیر خان نے کہا۔

"یقیناً وہی مکان ہے..... یہ بڑی اچھی بات ہوئی ہے..... ہمیں ابھی سے رات کے کمانڈو ایکشن کی منصوبہ بندی شروع کر دینی چاہئے..... اس سلسلے میں اُرملا کے کان کے پچھواڑے والی کھائی ہمارے لئے بڑی مددگار ثابت ہوگی..... ہم اس میں سے زر کر ٹارگٹ پر آئیں گے"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"یہ ساری منصوبہ بندی اپنے مجورا کے باس رشید احمد صاحب کے خفیہ ٹھکانے ہوگی..... آجاؤ، وہیں چلتے ہیں"۔

دونوں اٹھے اور مندر سے نکل آئے۔

"اسی ناگ سادھوؤں والے حلیے میں وہ مجورا شہر کی طرف چل پڑے..... یہ حلیہ ن کے لئے اس لئے بھی موزوں تھا کہ وہ کسی خفیہ والے کی نظروں میں نہیں آسکتے تھے..... ناگ سادھو مجورا شہر میں چلتے پھرتے عام نظر آتے تھے۔ مجورا شہر کے باہروں کے ٹھکانے پر اتفاق سے رشید احمد اور مجورا حلقے کا ماسٹر سپائی قطب الدین وہاں

پر موجود تھے...... کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی نے انہیں سارے واقعات بیان کیے
اور ان سے کمانڈو ایکشن کے بارے میں مشورہ طلب کیا...... سپائی ماسٹر قطب الدین
کہنے لگا۔

"یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ ڈاکٹر پلائی آج رات ہی ناگ داسی کے
پاس آئے گا...... اس صورت میں آپ کو ناگ داسی کے مکان کے آس پاس کے
علاقے کی رات کے وقت نگرانی کرنی ہو گی، لیکن اپنی تیاری آپ لوگوں کو کر رکھنی
ہو گی تاکہ اگر رات کے وقت ڈاکٹر پلائی وہاں آ جائے تو آپ اپنے منصوبے پر عمل
کر سکیں"۔

رشید احمد نے قطب الدین کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر آج رات ڈاکٹر پلائی ناگ داسی کے پاس
آ جاتا ہے تو اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کتنے دنوں کے بعد وہاں آئے" مجاہد
شاہد علی کہنے لگا۔

"ہم نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے...... ہم اپنی تیاری اور ایکشن پلان پوری طرح سے
تیار رکھیں گے اور ناگ داسی کے مکان کی چھپ کر نگرانی کریں گے...... اگر وہ آ جاتا
ہے تو ہم دس منٹ کے اندر اندر اپنے ایکشن پلان پر عمل درآمد شروع کر سکتے ہیں"۔

ماسٹر سپائی قطب الدین نے کہا۔

"آپ کو کمانڈو ایکشن کے واسطے جن جن ضروری چیزوں کی ضرورت ہے ہمیں
بتا دیں، ہم آپ کو مہیا کر دیں گے...... اس کی بالکل فکر نہ کریں...... اگر آپ اپنے
ساتھ کچھ مجاہد لے جانا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس ایسے تربیت یافتہ کمانڈو موجود ہیں"
کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اس مشن کے لئے ہم دو ہی کافی ہیں...... کسی تیسرے آدمی کی ضرورت نہیں
پڑے گی، کیونکہ یہ ڈاکٹر پلائی کے سکیورٹی گارڈز کے دستے پر کھلا حملہ نہیں ہو گا

ہمیں چھپ کر شب خون مارنا ہو گا اور سکیورٹی گارڈز کی نظروں میں آئے بغیر پاکستان
دشمن ڈاکٹر پلائی کو ہلاک کرنا ہو گا...... باقی دو تین چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے، وہ میں
آپ کو بتائے دیتا ہوں"۔

کمانڈو شیر خان نے مجاہد رشید احمد اور ماسٹر سپائی قطب الدین کو اپنی ضرورت کی
چیزیں بتائیں جو اس نے اسی وقت نوٹ بک پر لکھ لیں اور کہا۔

"یہ چیزیں آپ کو کس وقت درکار ہیں؟"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"شام ہونے سے پہلے پہلے یہ ہمارے خفیہ غار میں پہنچ جانی چاہئیں"۔

"پہنچ جائیں گی انشاءاللہ! آپ بے فکر رہیں"۔

مجاہد قطب الدین نے جواب دیا...... اس کے بعد دوپہر تک شیر خان اور شاہد علی
وہیں پر رہے...... دوپہر کے بعد وہ اپنے خفیہ غار میں واپس آ گئے...... ابھی کافی دن باقی
تھا...... دونوں نے آپس میں مشورہ کیا اور دس منٹ غار میں ٹھہرنے کے بعد ناگ
داسی اُرملا کے خفیہ مکان کی طرف روانہ ہو گئے...... شاہد علی نے سپیروں کی بین ہاتھ
میں لے لی تھی...... شیر خان کے ہاتھ میں ایک پرانا تھیلا تھا...... ناگ داسی اُرملا کے
مکان کے قریب آ کر شاہد علی نے یونہی بین بجانی شروع کر دی اور شیر خاں جھاڑیوں
کو چھڑی سے اِدھر اُدھر ہٹانے لگا...... وہ یہ ظاہر کر رہے تھے کہ کسی خاص قسم کے
سانپ کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں...... حقیقت میں وہ بڑی تیز نگاہوں سے ناگ داسی
کے مکان کی چار دیواری کا جائزہ لے رہے تھے۔

مکان کی پچھلی دیوار سے تھوڑے فاصلے پر جہاں نیچے کھائی کی ڈھلان شروع ہوتی
تھی، جھاڑی کے پاس بیٹھ گئے...... وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں تھے اور سامنے سے انہیں
کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا...... کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"مکان کی عقبی دیوار کے ساتھ لگا ہوا پائپ تم بھی دیکھ رہے ہو گے"۔

"ہاں...... دیکھ رہا ہوں" شاہد علی نے جواب دیا۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم اس کے ذریعے چھت پر سے مکان کے صحن میں اتریں گے"۔

اس کے بعد وہ اٹھ کر مکان کی مغربی دیوار کے پاس درختوں کے نیچے آ کر بیٹھ گئے...... وہاں اس وقت نزدیک اور دُور کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا، شاہد علی کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ مکان میں اس وقت کوئی نہیں ہے...... ارد گرد بھی کوئی آدمی نہیں...... کیا خیال ہے...... ہم مکان کے صحن میں کود کر اس کمرے کا جائزہ نہ لیں جہاں ہمیں شب خون مارنا ہو گا"۔

شیر خان نے ایک لمحے کے لئے سوچا...... پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے ناگ داسی مکان کے اندر ہی ہو"۔

ابھی یہ فقرہ شیر خان کی زبان پر ہی تھا کہ مکان کے دروازے میں سے ناگ داسی بانس کی چھوٹی سی ٹوکری ہاتھ میں لئے باہر نکل آئی...... دونوں کمانڈو وہیں سمٹ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئے...... انہوں نے ناگ داسی اُرملا کو دن کی روشنی میں پہچان لیا تھا۔

"یہ کدھر جا رہی ہے؟" شیر خان نے سرگوشی کی، شاہد علی نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"اس کا رخ سانپ والی جھونپڑی کی طرف ہے"۔

"ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہئے" شیر خان بولا۔

جب ناگ داسی ان سے ذرا دور ہو گئی تو دونوں درختوں کے نیچے سے نکلے اور ناگ داسی کو نگاہ میں رکھ کر اس کے پیچھے چلنے لگے...... ناگ داسی سانپ والی جھونپڑی کی طرف ہی جا رہی تھی...... سانپ والی جھونپڑی اس کے مکان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی...... وہ جھونپڑی کے پاس آ کر رُک گئی...... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا......

دونوں کمانڈو جلدی سے نیچے جھاڑیوں میں بیٹھ گئے۔

ناگ داسی نے انہیں نہیں دیکھا تھا...... وہ جھونپڑی میں داخل ہو گئی...... دونوں کمانڈو وہیں بیٹھے رہے۔

"یہ کیا کرنے اندر گئی ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی بولا۔

"ہو سکتا ہے اپنے گلابی سانپ کی دیکھ بھال کرنے گئی ہو"۔

دو تین منٹ کے بعد ناگ داسی جھونپڑی سے نکل آئی...... اس کی گردن کے ساتھ گلابی سانپ لپٹا ہوا تھا...... گلابی سانپ نے اپنا پھن ناگ داسی کے کندھے سے اوپر اٹھا رکھا تھا...... اسے آتا دیکھ کر شیر خان اور شاہد علی سرکتے ہوئے دوسری طرف جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے...... ناگ داسی جس راستے سے گئی تھی اسی راستے سے واپس آئی اپنے مکان میں چلی گئی۔

دونوں کمانڈو جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھے مکان کے دروازے کی طرف دیکھنے لگے جسے ناگ داسی بند کر گئی تھی۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا؟" مجاہد شاہد علی نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"اس وقت مکان کے اندر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... اس لئے ہمیں واپس چلے جانا چاہئے"۔

دونوں اٹھے اور عقب کی جانب جو گہری کھائی تھی اس میں اتر گئے...... یہ کھائی آگے جا کر سمندری چٹانوں کی طرف نکل گئی تھی...... وہ کھائی کے اندر چلتے ایک جگہ کھائی سے باہر نکل آئے...... تھوڑی دیر بعد وہ اپنی خفیہ غار میں بیٹھے اپنے مشن کے بارے میں باتیں کر رہے تھے...... شیر خان کہہ رہا تھا۔

"ہمیں ہر رات یہاں سے نکل کر ناگ داسی کے مکان کا جائزہ لینا ہو گا...... اگر

آج رات واقعی ڈاکٹر پلائی آیا ہو گا تو ہمیں اس کا سراغ مل جائے گا"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"سکیورٹی گارڈز کے آدمی ادھر ادھر درختوں، جھاڑیوں مین چھپے ہوئے ہوں گے...... وہ ہمیں نظر نہیں آئیں گے...... بہتر یہی ہو گا کہ ہم میں سے کوئی ایک ہر روز رات ہوتے ہی ناگ داسی کے مکان کے قریب کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جائے، جس وقت ڈاکٹر پلائی اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ بند گاڑی میں وہاں آئے تو وہ غار میں آکر خبر کر دے"۔

"ٹھیک ہے" شیر خان بولا۔

"آج کی رات میں پہرہ دوں گا"۔

شاہد علی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر پلائی اگر آیا تو وہ آدھی رات سے پہلے ہی آئے گا"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"لیکن میں رات کے پچھلے پہر تک نگرانی کروں گا...... اس کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے"۔

چنانچہ یہ فیصلہ ہو گیا کہ اس رات کمانڈو شیر خان ناگ داسی کے مکان کی نگرانی کرے گا...... شام ہو گئی...... اندھیرا ہوتے ہی ان کا ایک مجاہد وہ چیزیں لے کر آگیا جس کی دونوں کمانڈوز کو ضرورت تھی...... رضا کار مجاہد نے تھیلا ان کے سامنے رکھ کر کھول دیا اور کہا۔

"قطب الدین نے کہا ہے کہ اگر کسی اور شے کی بھی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دیں"۔

شیر خان اور شاہد علی نے تھیلے میں سے ساری چیزیں نکال کر دیکھیں اور کہا۔

"نہیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے"۔

رضا کار مجاہد ان کے لئے تازہ پکا ہوا کھانا بھی لایا تھا...... کھانا وہاں رکھ کر وہ

اجازت لے کر چلا گیا...... دونوں مجاہد ان چیزوں کا جائزہ لینے لگے جو قطب الدین ماسٹر پائی نے بھیجیں تھیں...... ان میں دو سٹین گنیں اور ان کے فالتو میگزین تھے...... ہر ایک سٹین گن کی نالی پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا تا کہ فائرنگ کے دھماکوں کی زیادہ آواز پیدا نہ ہو...... اس کے علاوہ کچھ دستی بم تھے...... دو سائی لینسر والے نئے پستول بھی تھے...... نائیلون کا مضبوط رسی کا گچھا تھا جس کے سرے پر لوہے کی ہک لگی ہوئی تھی...... انہوں نے سارے سامان کی اچھی طرح سے چیکنگ کی اور اسے تھیلے میں ڈال کر کونے میں رکھ دیا۔

اس کے بعد انہوں نے وہیں بیٹھ کر کھانا کھایا اور غار کے باہر آکر پتھروں پر بیٹھ کر کچھ دیر باتیں کرتے رہے...... پھر شاہد علی نے کہا۔

"تمہیں دو گھنٹے بعد نگرانی کی ڈیوٹی پر جانا ہے...... میرا خیال ہے تم اتنی دیر آرام کر لو"۔

شیر خان نے جواب دیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے...... میں اس قسم کی سختیوں کا عادی ہوں"۔

جب رات کے دس بج گئے تو شیر خان اسی ناگ سادھو کے حلیے میں رات کی ڈیوٹی دینے ناگ داسی کے مکان کی طرف چل پڑا...... صرف ایک سائی لینسر لگا پستول اس نے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا...... ٹارگٹ پر جا کر وہ ناگ داسی کے مکان کے سامنے کی جانب کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا...... چاند نکلا ہوا تھا اور چاروں طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی...... شیر خان تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کچی سڑک کی طرف دیکھ لیتا تھا جو آگے جا کر ناگ مندر کی طرف مڑ جاتی تھی...... اس کے خیال میں اگر سائنس دان ڈاکٹر پلائی آیا تو اس کی بند گاڑی اسی راستے سے گزر کر ناگ داسی کے مکان پر آئے گی۔

شیر خان نے کلائی پر گھڑی باندھی ہوئی تھی...... رات گزرتی جا رہی تھی...... چاند آسمان کے وسط میں آکر آہستہ آہستہ ڈھل رہا تھا...... آدھی رات گزر گئی...... پھر

رات کا ایک بج گیا...... وہاں کوئی نہ آیا...... ناگ داسی کے مکان کی چار دیواری کے اندر جو روشنی ہو رہی تھی وہ بھی بجھ گئی...... ہر طرف خاموشی تھی...... جب رات کے ڈھائی بج گئے اور ڈاکٹر پلائی کی گاڑی نہ آئی تو شیر خان اُٹھ کر واپس چل پڑا...... غار میں آیا تو مجاہد شاہد علی سو رہا تھا...... شیر خان بھی خاموشی سے سو گیا...... اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب شاہد علی اسے جگا رہا تھا...... معلوم ہوا کہ دن کا ایک بج چکا ہے۔

بیدار ہونے کے بعد شیر خان نے بتایا کہ وہ رات کے ڈھائی بجے تک جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھا رہا تھا، مگر ڈاکٹر پلائی نہیں آیا تھا...... مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"آج رات میں ڈیوٹی دوں گا"۔

اسی طرح باری باری ڈیوٹی دیتے انہیں چار دن گزر گئے...... پانچویں رات کو شیر خان کی ڈیوٹی تھی...... وہ حسب معمول ناگ داسی کے مکان سے کچھ دُور جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھا تھا کہ اس کے کان میں کسی گاڑی کے انجن کی دھیمی آواز سنائی دی...... وہ اسی لمحے چوکنا ہو گیا اور اس نے اپنی نظریں کچی سڑک پر جما دیں...... اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے اور چاند کچی سڑک والے درختوں کے پیچھے جا چکا تھا...... کچی سڑک پر اس کی مدھم چاندنی درختوں سے چھن چھن کر پڑ رہی تھی...... گاڑی کے انجن کی آواز تھوڑی دیر کے بعد رُک گئی...... اس کے بعد کوئی آواز نہ آئی...... شیر خان گھور کر دُور کچی سڑک کو دیکھ رہا تھا...... معلوم ہوتا تھا کہ گاڑی سڑک پر آگے آنے کی بجائے پیچھے ہی کسی جگہ رُک گئی تھی...... اس کے بعد خاموشی چھا گئی...... تھوڑی دیر بعد شیر خان نے دیکھا کہ مدھم چاندنی میں کچھ انسانی سائے کچی سڑک کی دونوں جانب دوڑتے ہوئے آئے اور پھر درختوں کے اندھیرے میں گم ہو گئے...... شیر خان سمجھ گیا کہ یہ ڈاکٹر پلائی کے حفاظتی دستے کے کمانڈوز ہیں اور اس کے تحفظ کے لئے اِرد گرد کے درختوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے ہیں...... یہ کمانڈو اس طرف بھی آ سکتے تھے، جہاں شیر خان چھپا ہوا تھا...... یہ سوچ کر شیر خاں جلدی سے اٹھ کر پیچھے چلا گیا۔

وہ اپنی پہلی پوزیشن سے پندرہ قدم پیچھے آکر کھائی کے کنارے ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے وہ ناگ داسی کے مکان کو دیکھ سکتا تھا...... وہ یہ یقین کرنے کے بعد وہاں سے واپس جا کر شاہد علی کو بتانا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر پلائی ناگ داسی کے مکان میں داخل ہو گیا ہے...... اس دوران وہ جہاں تک ہو سکتا تھا سکیورٹی گارڈ کمانڈو کے بارے میں بھی یہ معلوم کر لینا چاہتا تھا کہ انہوں نے کس کس جگہ پوزیشنیں سنبھالی ہوئی ہیں، مگر مدھم چاندنی اور درختوں، جھاڑیوں کی بھرمار میں یہ سراغ لگانا مشکل تھا...... شیر خان کی نظریں ناگ داسی کے مکان کے دروازے اور اس کے آگے کچی سڑک پر لگی ہوئی تھیں...... وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکٹر پلائی کے باڈی گارڈ پہنچ گئے ہیں اور اب وہ بھی تھوڑی دیر میں آنے والا ہے۔

جہاں کمانڈو شیر خان چھپا ہوا تھا وہاں آگے ایک فٹ اونچی گھاس اور جھاڑیاں تھیں...... ان کے اوپر پھیکی چاندنی میں درختوں نے اندھیرا کر رکھا تھا...... کمانڈو شیر خان کی عقابی نگاہیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں...... اچانک اسے کچھ فاصلے پر تین انسانی سائے ایک طرف سے نکل کر دوسری طرف جدھر ناریل کے درخت تھے دوڑ جاتے نظر آئے...... وہ سمجھ گیا کہ ڈاکٹر پلائی کے سیکورٹی گارڈ پوزیشنیں سنبھال رہے ہیں...... اس کا مطلب تھا کہ سیکورٹی گارڈ کے کمانڈوز نے ناگ داسی کے مکان کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور مکان کے سامنے کی طرف خاص طور پر ان لوگوں نے مورچے سنبھال لئے تھے۔

اتنے میں کچی سڑک پر کچھ اور انسانی سائے نظر آئے...... یہ تیز تیز ناگ داسی کے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے...... چاندنی بہت پھیکی تھی...... یہ غروب ہوتے چاند کی روشنی تھی جو درختوں کے پیچھے سے کچی سڑک پر پڑ رہی تھی...... یہ انسانی سائے ناگ داسی کے مکان کے قریب آنے کے بعد رُک گئے...... ان میں سے ایک سایہ مکان کے دروازے کی طرف بڑھا...... کمانڈو شیر خان نے اسے بڑے غور سے

دیکھا...... یہ درمیانے قد کا آدمی تھا...... ایک باڈی گارڈ مکان کے دروازے تک اس کے ساتھ آیا...... جب درمیانے قد کا آدمی دروازے کے اندر چلا گیا تو باڈی گارڈ سایہ دوڑ کر مکان کے بالکل سامنے درختوں میں غائب ہو گیا...... ان لوگوں نے ناگ داسی کے مکان کے چاروں طرف اپنا جال پھیلا دیا تھا...... اس جال سے بچ کر نکلنا اور ناگ داسی کے مکان تک پہنچنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی...... شیر خان خاموشی سے اٹھا اور نیچے کھائی میں اتر گیا...... اسے یقین ہو گیا تھا کہ پاکستان کا دشمن ڈاکٹر پلائی ناگ داسی کے مکان میں جا چکا ہے اور اب وہ پو پھٹنے سے پہلے باہر نہیں آئے گا...... وہ تیز تیز قدموں سے کھائی میں سے گزر رہا تھا...... آخر وہ اپنی خفیہ غار میں پہنچ گیا۔

مجاہد شاہد علی جاگ رہا تھا۔

کمانڈو شیر خان کو دیکھتے ہی بولا۔

"ضرور ہمارا شکار پنجرے میں داخل ہو چکا ہے"۔

شیر خان بولا۔

"شکار تو پنجرے کے اندر موجود ہے، لیکن پنجرے کے باہر ایک ایک درخت اور جھاڑی کے پیچھے ایک ایک سیکورٹی گارڈ پوزیشن لئے بیٹھا ہے"۔

اور پھر شیر خان نے اسے ساری بات بیان کر دی...... مجاہد شاہد علی نے تھیلے میں سے ایک سٹین گن نکال کر شیر خان کی طرف اچھالی...... ایک سٹین گن اپنے کندھے سے لٹکائی...... تین دستی بم شیر خان کو دیئے...... تین دستی بم لمبے کرتے میں ڈالے اور بولا۔

"شیر خان! مزا اسی میں ہے کہ دشمن کے مورچے میں گھس کر اس کو نیست و نابود کیا جائے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"لیکن شاہد علی! ہمیں سارا کام خاموشی اور خفیہ طریقے سے کرنا ہے...... دشمن کا

کوئی ایک مورچہ نہیں ہے...... اس کے مورچے ٹارگٹ کے چاروں طرف ہیں...... ہماری طرف سے ایک فائر بھی غلط جگہ پر ہو گیا تو ہم دشمن کا مقابلہ تو ضرور کریں گے مگر ہمارا مشن فیل ہو جائے گا اور ڈاکٹر پلائی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا جو ہمارا اصل دشمن ہے"۔

مجاہد شاہد علی جذباتی ہو رہا تھا...... اس کے جذبات شیر خان کے نزدیک انتہائی قابل قدر تھے، مگر یہاں صورت حال دوسری تھی...... یہاں شیر کی طرح سامنے سے آ کر حملہ کرنے والی بات نہیں تھی، بلکہ یہاں چیتے کی طرح درخت کی شاخ پر سے نیچے دشمن پر چھلانگ لگا کر اسے اس طرح دبوچ لینا تھا کہ اس کی آواز بھی نہ نکل سکے...... شیر خان نے مجاہد شاہد علی کو صورت حال کی نزاکت اور تقاضے سے آگاہ کیا تو وہ بولا۔

"میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کروں گا"۔

انہوں نے ایک ایک کمانڈو چاقو بھی لے لیا تھا...... وہ خاموشی سے غار میں سے نکلے اور چٹانوں کی تاریک راہ داری میں سے ہوتے ہوئے آگے جا کر اس کھائی میں اتر گئے جو ناگ داسی کے مکان کے عقب سے ہوتی ہوئی آگے نکل جاتی تھی...... جب انہیں غروب ہوتی پھیکی چاندنی میں ناگ داسی کے مکان کی چار دیواری نظر آئی تو وہ ڈھلان چڑھ کر کھائی سے باہر آ کر وہیں بیٹھ گئے۔

ناگ داسی کے مکان کی عقبی دیوار ان سے زیادہ دُور نہیں تھی...... وہ وہیں دبک کر بیٹھے ماحول کا عقابی نظروں سے جائزہ لیتے رہے...... اتنے میں چاند مغربی اُفق میں غروب ہو گیا...... اس کے ساتھ ہی رات کی تاریکی گہری ہو گئی، لیکن اس تاریکی میں بھی دونوں مجاہدوں کی نگاہیں کافی کچھ دیکھ سکتی تھیں...... کچھ دیر تک وہ مکان کی دیوار کو تکتے رہے...... پھر شیر خان نے شاہد علی کو ہاتھ سے اشارہ کیا...... مجاہد شاہد علی نے وہیں دیوار کی طرف رُخ کر کے سٹین گن سیدھی کر کے پوزیشن لے لی اور شیر خان آہستہ آہستہ جھک کر مکان کی دیوار کی طرف بڑھا...... وہ نائیلون کی رسی اس لئے اپنے

ساتھ نہیں لائے تھے کہ اتنے سارے سیکورٹی گارڈز کے گھیرے میں کمند چھت پر پھینکنے سے اس کے آہنی ہک کی آواز پیدا ہو سکتی تھی اور سیکورٹی والوں کو خبردار کر سکتی تھی، چنانچہ انہوں نے دیوار کے ساتھ چمٹے ہوئے پائپ کے ذریعے ہی اوپر چڑھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دیوار کے قریب آکر شیر خان پائپ کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ اسے انسانی قدموں کی دھمک سنائی دی...... وہ وہیں نیچے ہو گیا...... یہ ایک نہیں دو آدمی تھے...... ان کے ہاتھوں میں گنیں تھیں اور وہ دیوار کی طرف آ رہے تھے...... دیوار کے پاس آکر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے...... پھر ایک سیکورٹی گارڈ دیوار کے ایک کونے کی طرف اور دوسرا دیوار کے دوسرے کونے کے پاس جاکر کھڑا ہو گیا...... صورت حال تبدیل ہو گئی تھی...... شیر خان ایک فٹ اونچی گھاس اور جھاڑیوں کے درمیان سمٹ کر بیٹھا دونوں کو غور سے دیکھ رہا تھا...... دونوں سیکورٹی گارڈ جم کر جیسے پہرے پر کھڑے ہو گئے تھے، خطرہ تھا کہ یہ شیر خان کو دیکھ لیں گے...... شیر خان کا ان سے فاصلہ زیادہ نہیں تھا...... ان کی موجودگی میں دیوار کی طرف بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... شیر خان نے فیصلہ کیا کہ پیچھے جاکر ان دونوں کے یہاں سے ہٹ جانے کا انتظار کیا جائے۔

چنانچہ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے گھاس میں پیٹ کے بل آہستہ سے لیٹ گیا اور کھائی کی طرف جہاں مجاہد شاہد علی پوزیشن لئے بیٹھا تھا رینگنے لگا...... رات کے وقت شبنم کے گرنے سے گھاس اور جھاڑیاں گیلی ہو رہی تھیں جس کی وجہ سے گھاس میں رینگنے سے سرسراہٹ کی آواز نہیں آ رہی تھی...... شیر خان آہستہ آہستہ رینگتا ہوا شاہد علی کے پاس آ گیا اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور شاہد علی کو اور پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا...... وہ کھائی کے کنارے پر آ گئے...... شاہد علی نے سرگوشی میں کہا۔

"سیکورٹی گارڈ کے دو آدمی دیوار کی نگرانی کر رہے ہیں...... میں نے دیکھ لیا تھا"۔

شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"ہمیں انتظار کرنا ہو گا...... نیچے کھائی میں آ جاؤ"۔

وہ ڈھلان اتر کر نیچے کھائی میں آکر ایک طرف جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ گئے...... مجاہد شاہد علی نے بے چینی سے کہا۔

"یہاں ہم کب تک بیٹھے رہیں گے؟"۔

شیر خان بولا۔

"جب تک دونوں گارڈ دیوار کے قریب سے ہٹ نہیں جاتے، ہمیں یہیں بیٹھ کر انتظار کرنا ہو گا"۔

شیر خان محسوس کر رہا تھا کہ مجاہد شاہد علی دھاوا بولنے کے لئے بے قرار ہو رہا ہے، مگر یہ مقام صبر کرنے اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مناسب وقت تک انتظار کرنے کا تھا...... کچھ دیر کے بعد شیر خان اٹھ کر کھائی کے اوپر گیا اور اس نے دیکھا کہ دونوں گارڈ اپنی جگہ پر کھڑے تھے...... وہ نیچے آ گیا...... دوسری بار شاہد علی حالات کا جائزہ لینے اوپر گیا...... وہ بھی نیچے آ گیا اور بولا۔

"یہ لوگ تو یہاں سے نہیں ہلیں گے...... تو کیا ہم یہ موقع ہاتھ سے نکل جانے دیں گے؟"۔

شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"شاہد علی! مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان کے وہاں سے چلے جانے کا انتظار کریں"۔

"اور اگر وہ نہ گئے تو؟" شاہد علی نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"تو پھر ہمیں اگلے کسی موقع کا انتظار کرنا ہو گا اور کوئی اور حکمت عملی مرتب کرنی ہو گی"۔

مجاہد شاہد علی نے کوئی جواب نہ دیا، مگر شیر خاں اندھیرے میں بھی دیکھ رہا تھا کہ شاہد علی پیچ و تاب کھا رہا ہے...... دس پندرہ منٹ کے بعد وہ دونوں کھائی میں سے نکل کر اوپر آگئے...... انہوں نے دیکھا کہ سیکورٹی گارڈ اپنی پوزیشنوں پر نہیں تھے...... شیر خان ذرا توقف کر کے یقین کر لینا چاہتا تھا کہ دونوں گارڈ وہاں سے دُور جا چکے ہیں لیکن مجاہد شاہد علی سے صبر نہیں ہو رہا تھا...... مجھے کور دو"۔

اس سے پہلے کہ شیر خان اسے پکڑ کر روکتا شاہد علی پیٹ کے بل دونوں کہنیوں کے بل رینگتا تیزی سے دیوار کی طرف نکل گیا تھا...... شیر خان نے مشین گن کا رخ دیوار کی طرف کر کے سٹین گن سیدھی کر لی...... اس کے دل میں برابر خطرہ لگا ہوا تھا کہ مجاہد شاہد علی کہیں کوئی غلطی نہ کر بیٹھے...... شیر خان نے محسوس کر لیا تھا کہ اس قسم کے کمانڈو ایکشن میں جن مضبوط اعصاب اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے اس کا مجاہد شاہد علی کو تجربہ نہیں تھا...... وہ دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ مجاہد شاہد علی کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے...... آخر وہی ہوا جس کا شیر خان کو ڈر تھا...... ہوا یوں کہ ایک سیکورٹی گارڈ گشت لگاتا ایک بار پھر ناگ داسی کے مکان کی عقبی دیوار کے قریب نمودار ہو گیا...... شاید اسے کچھ شک پڑ گیا تھا...... وہ رُک گیا اور اس نے سٹین گن سیدھی کر کے جھک کر سامنے والی جھاڑیوں میں دیکھا، اسی جگہ مجاہد شاہد علی چھپا ہوا تھا...... خدا جانے شاہد علی کو کیا سوجھی یا اس کو ایسے لگا کہ سیکورٹی گارڈ اس پر فائر کرنے والا ہے کہ اس نے سیکورٹی گارڈ پر فائر کھول دیا...... گارڈ پورا برسٹ کھا کر گر پڑا، لیکن اس کے ساتھ ہی مکان کی دوسری طرف اور درختوں کے پیچھے سے فائرنگ شروع ہو گئی...... مجاہد شاہد علی برسٹ فائر کرتا اٹھ کر پیچھے ہٹنے لگا...... شیر خان اب اس کے سوائے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ شاہد علی کو کور دے...... اس نے بھی شاہد علی کے سر کے اوپر سے مکان اور درختوں کی طرف فائرنگ شروع کر دی اور چلا کر شاہد علی سے کہا۔

"پیچھے کی طرف دوڑو"۔

مجاہد شاہد علی پیچھے کی طرف دوڑ پڑا...... شیر خان اس کے اوپر سے فائر کر رہا تھا...... اب دونوں درختوں کی آڑ لیتے اور اندھا دھند فائر کرتے پیچھے کھائی کی طرف ہٹتے جا رہے تھے...... ناگ داسی کے مکان کے باہر اور آس پاس جتنے سیکورٹی گارڈ تھے انہوں نے گولیوں کا مینہ برسانا شروع کر دیا تھا...... شیر خان اور مجاہد شاہد کی سٹین گنوں سے فائرنگ کرتے وقت رات کی تاریکی میں جو شرارے چمک کر نکل رہے تھے سیکورٹی گارڈ فائرنگ کرتے اسی طرف آگے بڑھ رہے تھے...... وہ اتنے قریب آگئے کہ شیر خان کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب یا تو وہ دونوں مر جائیں گے اور یا پکڑے جائیں گے...... اس نے فوراً جیب میں سے دستی بم نکال کر اس کا پن ہٹایا اور اپنی طرف بڑھتے ہوئے سیکورٹی گارڈز کی طرف پھینک دیا...... مجاہد شاہد علی نے بھی ایسا ہی کیا۔

یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے اور ان دھماکوں کی روشنی میں انہوں نے سیکورٹی گارڈ کے جسموں کو فضا میں اچھلتے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا...... اس کے فوراً بعد انہوں نے کھائی میں چھلانگیں لگا دیں اور کھائی کے اندر دوڑنا شروع کر دیا...... اب وہ فائرنگ نہیں کر رہے تھے...... کھائی کے باہر سے فائرنگ کی مسلسل آوازیں آ رہی تھیں...... دونوں مجاہد کھائی کے اندر بھاگتے جا رہے تھے...... یہ راستہ ان کا دیکھا بھالا تھا...... دوڑتے دوڑتے وہ بائیں جانب کو کھائی کے ساتھ ہی مڑ گئے...... دو ڈھائی سو گز آگے جا کر وہ ایک خاص جگہ سے کھائی کی ڈھلان چڑھ کر باہر سمندری چٹانوں کے پاس نکل آئے...... شیر خان نے کہا۔

"دوڑتے چلو"۔

دوڑتے دوڑتے وہ چٹانوں کے درمیان جو تنگ راستہ تھا وہاں پہنچ گئے...... وہاں اندھیرا تھا...... اب وہ دوڑنے کی بجائے تیز تیز چل رہے تھے...... اپنے خفیہ غار میں آکر شیر خان نے غار کا دہانہ جھاڑیوں کو آگے لگا کر ڈھانپ دیا اور موم بتی روشن کر دی...... اس نے کہا۔

"یہاں جو باقی کا اسلحہ پڑا ہے وہ بھی سمیٹ کر ایک چادر میں لپیٹ دو...... ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے...... وہ لوگ ہماری تلاش میں اس طرف آ سکتے ہیں۔"

مجاہد شاہد علی کو احساس ہو گیا تھا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے...... اس نے شیر خان کے آگے معذرت کا اظہار کیا تو شیر خان بولا۔

"ایسا کبھی کبھی ہو جاتا ہے...... کوئی بات نہیں...... ہم دوسری بار اس سے بہتر حکمت عملی تیار کریں گے"۔

دونوں نے مل کر غار کی کوٹھڑی میں چھپایا ہوا اسلحہ یعنی پستول، فالتو میگزین کمانڈو چاقو، دستی بم اور اپنی سٹین گنیں ایک بڑی چادر میں لپیٹ کر اس کی گٹھڑی بنائی...... شیر خان نے گٹھڑی کندھے پر ڈالی اور شاہد علی کو لے کر غار کے دہانے سے باہر آ گیا...... فائرنگ کی آواز اب نہیں آ رہی تھی...... شیر خان نے کہا۔

"لگتا ہے وہ ہماری تلاش میں نکل پڑے ہیں اور ان چٹانوں کی طرف وہ ضرور آئیں گے...... ہمیں سمندر کی طرف نکل جانا چاہئے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"سمندر کا ساحل کھلا ہے...... وہاں چھپنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملے گی...... میرے خیال میں ہمیں یہ اسلحہ کسی جگہ چھپا کر ناگ مندر میں چلے جانا چاہئے...... ہم ناگ سادھوؤں کے لباس میں ہیں...... وہاں ہم پر کسی کو شک نہیں پڑے گا"۔

شیر خان کو شاہد علی کا مشورہ پسند آیا...... وہ تیز تیز چلتے غار والی چٹانوں کے سلسلے سے باہر نکل کر دوسری طرف والی چٹانوں کے درمیان آ گئے...... یہاں انہیں ایک گڑھا نظر آ گیا...... انہوں نے اسلحے والی گٹھڑی اس گڑھے میں ڈال کر اوپر ریت وغیرہ ڈال کر گڑھے کو بھر دیا...... نشانی کے طور پر اس کی ایک جانب پتھر کی ایک سل رکھ دی اور اس پر بھی تھوڑی سی ریت ڈال دی...... اس کام سے فارغ ہونے کے بعد شاہد علی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہمیں اس طرف سے ناگ مندر کی جانب چلنا چاہئے"۔

مجاہد شاہد علی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مجورا شہر کے اس علاقے سے پوری طرح واقف تھا...... وہ ایک دلدلی میدان سے گزرے...... پھر ریتلا میدان آ گیا...... اس کے بعد ناریل کے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... اس کے بعد انہیں دُور سے ناگ مندر کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔

ناگ مندر میں کافی رونق تھی...... آرتی اتاری جا رہی تھی...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد سنکھ اور گھنٹیاں بج اٹھتی تھیں...... ناگ دیوتا کی پوجا کرنے والے اس وقت بھی مندر میں موجود تھے...... ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے اپنی کوئی منت مانی ہوئی تھی اور صرف رات کو پوجا کے لئے آتے تھے...... ناگ سادھو سنیاسی بھی مندر کے باہر آگ کے الاؤ روشن کئے بیٹھے تھے...... کمانڈو شیر خاں اور مجاہد شاہد بھی ان کے درمیان ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔

دوسری طرف سیکورٹی گارڈ کے کمانڈر نے پہلا کام یہ کیا کہ ڈاکٹر پلائی کو فوراً بکتر بند گاڑی میں سوار کروا کر اس کو مجورا کے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ کر دیا اور خود چار آدمیوں کو لے کر حملہ آوروں کی تلاش میں سمندری چٹانوں کی طرف آ گیا...... یہ ان کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ اور ان کی بہت ذلت آمیز شکست تھی کہ کشمیری مجاہد ڈاکٹر پلائی کو ہلاک کرنے کے لئے بھارت کے جنوبی شہر مجورا میں بھی پہنچ گئے تھے...... وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کام کشمیری مجاہدوں کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا...... مجورا پولیس کا ایس پی اور ڈی ایس پی بھی پولیس کی گارد لے کر موقع واردات پر پہنچ گیا تھا...... اس کمانڈو ایکشن کے بعد اگرچہ ڈاکٹر پلائی کی جان بچ گئی تھی لیکن پولیس افسروں اور سیکورٹی گارڈ کے سارے عملے کی نوکری خطرے میں پڑ گئی تھی، کیونکہ سائنس دان ڈاکٹر پلائی بھارتی حکومت کے لئے انتہائی اہم اور قیمتی سائنس دان تھا......

شیر خان ٹھیک وقت پر شاہد علی کو لے کر خفیہ غار سے نکل آیا تھا...... سیکورٹی گارڈ کا

کمانڈر ایک ریٹائرڈ سی آئی ڈی آفیسر تھا...... وہ ساحل سمندر کی چٹانوں میں سے ہوتا ہوا
اس غار میں آگیا جہاں سے کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کچھ دیر پہلے فرار ہو چکے تھے۔
وہاں سیکورٹی گارڈ کے کمانڈر نے پانی کا مٹکا...... کھانے پینے کے برتن...... پرانے
کمبل وغیرہ دیکھے تو فوراً سمجھ گیا کہ مجاہدین کا یہی خفیہ ٹھکانہ تھا...... اس نے وائرلیس پر
علاقے کی پولیس کو خبردار کر دیا اور حکم دیا کہ اس سارے علاقے کا محاصرہ کر کے ایک
ایک جگہ کی تلاشی لی جائے...... اس سارے علاقے میں ناگ مندر بھی آتا تھا......
شیر خان محتاط ضرور تھا لیکن اسے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ راتوں رات سیکورٹی گارڈ کا
عملہ ان کا کھوج لگاتے ناگ مندر میں بھی پہنچ جائے گا...... دونوں مجاہد ناگ مندر کے
دروازے سے کچھ دُور صحن میں آگ کے الاؤ سے ذرا ہٹ کر بیٹھے تھے...... دوسرے
ناگ سادھو بھی الاؤ کے پاس بیٹھے تھے اور بھجن کیرتن وغیرہ کر رہے تھے...... اچانک
ناگ مندر کے دروازے سے ہٹ کر ایک جگہ ایک گاڑی آکر کھڑی ہو گئی...... شیر
خاں نے گاڑی کو دیکھا تو اس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی...... جب اس نے گاڑی میں سے
کچھ وردی پوش آدمیوں کو نکل کر ناگ مندر کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس نے مجاہد شاہد
علی سے کہا۔

"شاہد! وہ لوگ ہماری تلاش میں آگئے ہیں...... یہاں سے نکل چلو...... جلدی"۔

مجاہد شاہد علی نے بھی ان وردی پوش فوجی ٹائپ کے آدمیوں کو گاڑی سے اتر کر
مندر کے دروازے کی طرف آتے دیکھ لیا تھا...... وہ دونوں خاموشی سے اٹھ کر پیچھے کی
طرف آہستہ آہستہ چل پڑے...... مندر کے بڑے ہال کمرے تک وہ بڑے آرام سے
چلتے رہے تا کہ کسی کو شک نہ پڑے...... اس کے بعد وہ تیز قدموں سے ہال کمرے میں
سے نکل کر مندر کی دوسری جانب صحن میں آگئے...... یہاں بھی مندر کا ایک عقبی
دروازہ تھا جس کا شاید سیکورٹی گارڈ کو علم نہیں تھا ورنہ وہ ادھر بھی اپنے کچھ آدمی ضرور
بھیج دیتے۔

کافی رات گزر چکی تھی...... مندر کے عقبی دروازے پر بھی روشنیاں ہو رہی
یں...... شیر خان اور شاہد علی مندر کے دروازے سے نکلتے ہی کچھ فاصلے پر دکھائی
تی آبادی کی جھلملاتی روشنیوں کی طرف چل پڑے...... مجاہد شاہد علی اس راستے سے
اقف تھا...... وہ مندر سے کافی دُور نکل آئے...... شیر خان نے پوچھا۔

"ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں کیا؟"۔

"بالکل ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں" شاہد علی نے جواب دیا۔

ایک نیم تاریک ویران میدان میں سے گزرتے ہوئے وہ مجورا شہر کے گنجان
بادی والے علاقے میں داخل ہو گئے...... کچھ دیر تک وہ اس علاقے کے خالی خالی
زاروں اور گلیوں میں چلتے چلے گئے...... آبادی کی دوسری جانب نیم پہاڑی سلسلہ
روع ہو جاتا تھا...... بس انہی پہاڑی ٹیلوں میں ایک جگہ مجورا کے رضاکار مجاہدوں کا
فیہ ٹھکانہ تھا جس کی تفصیل ہم یہاں بیان نہیں کریں گے۔

بہر حال دونوں کمانڈو رضاکاروں کی خفیہ پناہ گاہ میں پہنچ گئے...... رشید احمد اس
ت وہاں نہیں تھا...... مجاہد اور ماسٹر سپائی قطب الدین موجود تھا...... شیر خان نے
سے سارا واقعہ بیان کیا...... وہ بولا۔

"آپ لوگ اس وقت آرام کریں...... صبح بات کریں گے"۔

شیر خان اور شاہد علی نے رات کا باقی حصہ سوتے جاگتے گزار دیا...... صبح رشید احمد
ی آگیا...... مشن کی ناکامی پر دیر تک باتیں ہوتی رہیں...... قطب الدین کہنے لگا۔

"اس حادثے کے بعد ڈاکٹر پلائی کا ناگ داسی کے مکان پر آنا مشکوک ہو گیا
ے...... میرا خیال ہے کہ حکومت کا متعلقہ محکمہ اسے اب وہاں جانے کی اجازت نہیں
ے گا"۔

رشید احمد نے پوچھا۔

"تو پھر تمہارے خیال میں اب ہمیں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے"۔

قطب الدین بولا۔

"سب سے پہلے ہم یہ معلوم کریں گے کہ ڈاکٹر پلائی مجورا کے ریسرچ سنٹر میں ہی ہے یا اسے کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دیا گیا ہے، کیونکہ بھارتی حکومت مجورا میں مجاہد کمانڈوز کی موجودگی سے چوکس اور محتاط ہو گئی ہو گی اور وہ ڈاکٹر پلائی کی زندگی کے بارے میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے گی...... مجاہدین کی بھارتی حکومت پر بہت دہشت ہے"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"ہم اپنا سارا اسلحہ اور ہتھیار سمندری چٹانوں میں ایک جگہ زمین میں دفن کر آئے ہیں...... وہ ہمیں واپس لے آنا چاہئے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"کیا یہ جگہ جہاں تم لوگوں نے اسلحہ دبایا ہے خفیہ غار کے قریب ہی ہے؟"۔

"وہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے" مجاہد شاہد علی نے جواب دیا۔

رشید احمد بولا۔

"پھر ہم میں سے کسی کو ابھی اس طرف نہیں جانا چاہئے...... اسلحہ اور ہتھیار ہمارے پاس بہت ہیں...... تم لوگوں کو ابھی یہاں سے باہر نہیں جانا چاہئے"۔

اس کے بعد رشید احمد نے ماسٹر سپائی قطب الدین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"قطب الدین! تم ایسا کرو کہ میزائل فیکٹری میں اپنا جو خاص آدمی ملازم ہے اس کو ابھی پیغام بھجوا دو کہ وہ معلوم کرے کہ ڈاکٹر پلائی ابھی تک میزائل فیکٹری میں ہی ہے یا اسے یہاں سے کسی دوسری جگہ بھیج دیا گیا ہے"۔

قطب الدین نے کہا۔

"یہ آج شام تک معلوم ہو جائے گا...... میں اپنے آدمی کو ابھی پیغام بھجواتا ہوں وہ ابھی فیکٹری نہیں گیا ہوا ہو گا"۔

قطب الدین نے اسی وقت ایک مجاہد کو اپنے خاص آدمی کی طرف روانہ کر دیا...... شیر خان اور مجاہد شاہد علی خفیہ پناہ گاہ میں ہی چھپے رہے...... رشید احمد حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکل گئے...... دن گزر گیا...... شام ہوئی تو رشید احمد بھی آ گیا...... اس نے بتایا کہ سارے شہر میں پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی ہے...... ریلوے سٹیشن اور ایئرپورٹ پر سیکورٹی سخت کر دی گئی ہے۔

"ڈاکٹر پلائی کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟" رشید احمد نے پوچھا۔

قطب الدین نے کہا۔

"اپنے آدمی کو پیغام پہنچا دیا تھا، وہ آج رات کسی وقت آ کر صورت حال سے آگاہ کرے گا"۔

رات کا کھانا سب نے مل کر کھایا...... اس کے بعد اپنے خاص جاسوس کا انتظار شروع ہو گیا...... یہ خاص آدمی یا خاص جاسوس میزائل فیکٹری میں ایک عرصے سے ملازم تھا اور مجورا کے مجاہدوں کی تنظیم کو فیکٹری میں تیار کئے جانے والے ایٹمی اور غیر ایٹمی اسلحہ کی تیاری کے بارے میں باخبر کرتا رہتا تھا...... یہ خاص آدمی رضاکارانہ طور پر ڈیوٹی انجام دے رہا تھا...... رات کے دس بجے یہ خاص آدمی خفیہ پناہ گاہ پر پہنچ گیا...... اُدھیڑ عمر کا دُبلا پتلا آدمی تھا...... ہم اس کا نام نہیں بتائیں گے...... قطب الدین...... رشید احمد...... شیر خاں اور مجاہد شاہد علی وہاں موجود تھے...... قطب الدین نے پوچھا۔

"کیا خبر لائے ہو کاکا؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"خبر یہ ہے کہ اس واقعے کے بعد حکومت نے ڈاکٹر پلائی کو رام پٹی کے خفیہ ریسرچ سنٹر میں منتقل کر دیا ہے"۔

"یہ رام پٹی کس جگہ پر ہے؟" رشید احمد نے پوچھا۔

قطب الدین جو اسی علاقے کا رہنے والا تھا بولا۔

"رام پٹی ایک جنگل ہے جو مجورا سے اوپر کی جانب ترچنا پلی جانے والی ریلوے لائن کی دونوں جانب واقع ہے اور یہاں سے اس کا فاصلہ پچاس کلو میٹر کے قریب ہے"۔

قطب الدین نے خاص آدمی سے پوچھا۔

"یہ ریسرچ سنٹر رام پٹی جنگل میں کس جگہ پر واقع ہے...... کیا تم کبھی وہاں گئے ہو؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"فیکٹری کے بعض ضروری امور سر انجام دینے کے لئے مجھے صرف دو بار ہی وہاں جانے کا موقع ملا ہے...... ویسے حکومت نے اس ریسرچ سنٹر کو بے حد خفیہ رکھا ہوا ہے...... میری ڈیوٹی اس نوعیت کی ہے کہ مجھے وہاں بھیجنا ضروری ہو گیا تھا، چونکہ یہ خفیہ جگہ تھی اس لئے میں نے پوری تفصیل سے اس کا جائزہ لیا تھا کہ شاید کبھی ہمیں اس کی ضرورت پڑ جائے...... جیسے آج ضرورت پڑ گئی ہے"۔

اس کے بعد خاص آدمی نے کاغذ پر اس خفیہ ریسرچ سنٹر کا پورا نقشہ بنایا اور ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔

"یہ ریلوے لائن ہے...... یہاں سے اس طرف یہ نشان جو میں نے لگایا ہے یہ ایک بہت پرانا تاریخی قبرستان ہے...... یہ قبرستان شروع ہی سے ویران پڑا ہے...... یہاں نہ کوئی گورکن ہے نہ یہاں میتیں دفن کی جاتی ہیں، کیونکہ اِرد گرد کوئی آبادی نہیں ہے...... قبرستان کے شمال میں قبرستان کی ٹوٹی پھوٹی دیوار ہے...... دیوار کے قریب ہی یہ جہاں میں نے گول نشان لگایا ہے یہاں برگد کا ایک گھنا درخت ہے...... اس درخت کی دوسری طرف خفیہ ریسرچ سنٹر ہے...... ریسرچ سنٹر کی پچھلی دیوار درخت سے پانچ فٹ کے فاصلے پر ہے...... درخت کی گھنی شاخیں ریسرچ سنٹر کی چھت پر لٹکتی ہیں، جس چھت پر درخت کی شاخوں کا سایہ ہے اسی چھت کے نیچے ڈاکٹر

پلائی کا کمرہ ہے...... کمرے کے آگے چھوٹا صحن ہے جہاں پودے اُگے ہوئے ہیں"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"وہاں سیکورٹی کا کیا انتظام ہے؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"چونکہ یہ سارا علاقہ شہر سے دُور ایک سنسان جنگل میں ہے اور ریسرچ سنٹر کو بھی خفیہ رکھا گیا ہے اور وہاں کسی غیر آدمی کو جانے کی اجازت بھی نہیں ہے اس لئے خصوصی طور پر ریسرچ سنٹر کے اندر سیکورٹی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی، البتہ جنگل میں داخل ہونے والے سارے راستوں پر سیکورٹی گارڈ کے دستے تعینات ہیں اور سوائے جنگلی جانوروں کے کوئی انسان سیکورٹی گارڈز کی اجازت کے بغیر جنگل میں داخل نہیں ہو سکتا...... جنگل کے اِرد گرد چھ سات جگہوں پر واچ ٹاور بنے ہوئے ہیں جہاں سے رات کو سرچ لائٹ اِدھر اُدھر گھومتی رہتی ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اگر ایک آدمی کسی طرح جنگل میں داخل ہو جائے تو پھر وہ بلا روک ٹوک ریسرچ سنٹر تک پہنچ سکتا ہے"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"ایسی بھی بات نہیں؟ ریسرچ سنٹر کے گرد خاردار باڑھ لگی ہے...... گیٹ پر ہر وقت پہرہ لگا ہوتا ہے...... جنگل میں بھی سیکورٹی والوں کے مسلح دستے دن رات گشت کرتے رہتے ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"ڈاکٹر پلائی جس کمرے میں سوتا ہے وہاں بھی رات کو سیکورٹی گارڈز پہرے پر موجود ہوتے ہوں گے"۔

خاص آدمی بولا۔

"اس کی مجھے ابھی پوری طرح سے خبر نہیں ہے...... ایک بار پہلے بھی ڈاکٹر پلائی جب اس ریسرچ سنٹر میں کچھ دن رہا تھا تو وہ اسی کمرے میں رات کو سوتا تھا...... تب اس کے کوارٹر کے باہر سیکورٹی گارڈ موجود ہوتے تھے...... ہو سکتا ہے اب بھی وہاں پہرہ لگا دیا گیا ہو"۔

"اب تو پہرہ ضرور لگا دیا گیا ہو گا" رشید احمد نے کہا...... "کیونکہ اب تو اس پر قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا ہے"۔

خاص آدمی بولا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو...... میں نے جو کچھ وہاں دیکھا ہے اور جو کچھ میں نے اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم کیا ہے وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے"۔

قطب الدین نے شیر خان سے پوچھا۔

"شیر خان! کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

شیر خان نے خاص آدمی سے کہا۔

"میرے بھائی! ہمیں دو باتوں کی تصدیق شدہ رپورٹ ملنی بہت ضروری ہے...... ایک تو یہ کہ اس دفعہ بھی ڈاکٹر پلائی کو اسی برگد کے درخت والے کمرے میں رکھا گیا ہے اور دوسری یہ بات کہ ڈاکٹر پلائی کے کمرے کے باہر کتنے جوان رات کو پہرے پر ہوتے ہیں"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"یہ میں آپ کو کل پتہ کر کے بتا سکتا ہوں"۔

خاص آدمی دوسرے دن رات کو آنے کا کہہ کر چلا گیا...... قطب الدین کہنے لگا۔

"اس دشمن اسلام کو اسی جگہ قابو کیا جا سکتا ہے...... اگر یہ یہاں سے بھی نکل گیا تو پھر اس کو ہلاک کرنا دشوار ہو جائے گا"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"اگر تو یہ ڈاکٹر پلائی اسی جگہ رات کو سوتا ہے جہاں اپنے آدمی نے بتایا ہے تو پھر اسے ہلاک کرنا کوئی ناممکن کام نہیں ہے...... صرف سمجھداری اور عقل مندی سے کام لینے کی ضرورت ہو گی"۔

اب انہیں اپنے خاص آدمی کا انتظار تھا، کیونکہ اس کی تصدیق شدہ رپورٹ ملنے کے بعد ہی کوئی حکمت عملی تیار کی جا سکتی تھی...... شیر خاں نے صرف اتنا پوچھا۔

"رام پٹی کے جنگل تک لے جانے کے لئے ہمیں کسی گائیڈ کی ضرورت ہو گی"۔

قطب الدین نے کہا۔

"یہ کام اپنا خاص آدمی ہی کرے گا وہ رام پٹی جنگل کے کنارے تک تم لوگوں کے ساتھ جائے گا"۔

رات کو اپنا خاص آدمی پوری رپورٹ لے کر عین وقت پر آ گیا...... اس نے بتایا کہ اس دفعہ بھی ڈاکٹر پلائی کو ریسرچ سنٹر کے برگد کے درخت والے کمرے میں ہی رکھا گیا ہے، کیونکہ اس خفیہ ریسرچ سنٹر میں اس سے زیادہ آرام دہ کمرہ اور کوئی نہیں ہے...... دوسرے یہ کہ ڈاکٹر پلائی کے کمرے کے لان میں صرف رات کو دو سیکورٹی گارڈ پہرے پر ہوتے ہیں...... یہ دو آدمی رات ایک بجے تک ڈیوٹی دیتے ہیں، اس کے بعد دوسرے دو آدمی ڈیوٹی دینے آ جاتے ہیں۔

جب مطلوبہ اطلاعات کی تصدیق ہو گئی تو اس کے بعد ڈاکٹر پلائی کو ٹھکانے لگانے کے اہم مشن پر غور و فکر شروع ہو گیا...... خاص آدمی مطلوبہ اطلاعات بہم پہنچا کر چلا گیا تھا...... خفیہ پناہ گاہ کے چھوٹے سے کمرے میں رشید احمد...... قطب الدین اور شیر خان اور شاہد علی ہی تھے...... شیر خان کہنے لگا۔

"ہمیں اس مشن پر عمل کرنے کے سلسلے میں میرے خیال میں اس پرانے

قبرستان کو بیس کیمپ کے طور پر استعمال کرنا ہوگا جس کا ذکر اپنے آدمی نے کیا ہے اور
جو ریسرچ سنٹر کی عقبی دیوار سے تھوڑے فاصلے پر ہی واقع ہے"۔

رشید احمد نے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے لئے تو پھر آپ لوگوں کو ایک دن پہلے وہاں جا کر قبرستان کا مشاہدہ کر
پڑے گا"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"میرے خیال میں اس کی نہ تو کوئی خاص ضرورت ہے اور نہ ہمارے پاس ا
وقت ہے...... جس رات ہم اپنے مشن پر نکلیں گے اسی وقت قبرستان کا بھی جائزہ ل
لیں گے"۔

قطب الدین نے شاہد علی کے خیال کی تائید کی اور کہا۔

"شاہد علی ٹھیک کہہ رہا ہے...... ہمیں اس کام کو زیادہ لٹکانا نہیں چاہئے...... کوئی پ
نہیں کہ بھارتی حکومت ڈاکٹر پلائی کو وہاں سے بھی کسی دوسری جگہ منتقل کر دے"۔

شیر خان بولا۔

"اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ مزید تاخیر کے بغیر ہمیں اس مہم پر نکل پ
چاہئے...... انشاءاللہ اس بار ہم ضرور کامیاب ہوں گے چاہے ہماری اپنی جان کیوں ن
چلی جائے، لیکن اس دشمن اسلام کو ضرور جہنم رسید کریں گے"۔

وہاں ایک دم خاموشی چھا گئی، جس اسلامی جذبے میں سرشار ہو کر کمانڈو شی
خان نے یہ بات کہی تھی وہی جذبہ وہاں پر موجود تمام مجاہدوں کے سینوں میں
موجزن تھا۔

❁ ❁ ❁

وہ رات گزر گئی۔

اگلے دن صبح صبح شیر خان نے قطب الدین سے کہا کہ اپنے خاص آدمی کو بلوا کر یہ
کہا جائے کہ جیسے بھی ہو وہ ہمیں آج شام سے پہلے پہلے اس کی تصدیق کر دے کہ ڈاکٹر
پلائی ریسرچ سنٹر میں ہی موجود ہے اور وہ کہیں جا نہیں رہا...... یہ بہت ضروری
ہے...... شیر خان نے کہا۔

"ڈاکٹر پلائی کی وہاں پر موجودگی کی تصدیق کے بعد ہی ہم آج رات اپنے مشن پر
نکلیں گے"۔

قطب الدین نے اسی وقت ایک مجاہد کے ہاتھ اپنے خاص آدمی کو شیر خان کا
پیغام پہنچا دیا...... آدھ گھنٹے بعد مجاہد نے آ کر بتایا کہ پیغام پہنچا دیا گیا ہے اور اپنے خاص
آدمی نے کہا ہے کہ وہ شام کو آ کر رپورٹ دے گا...... اس کے بعد شیر خان اور مجاہد
شاہد علی نے مہم کی تیاریاں شروع کر دیں...... پہلے ان کا خیال تھا کہ وہ سادھوؤں کے
بھیس میں ہی جائیں گے، لیکن قطب الدین اور رشید احمد سے مشورے کے بعد یہ ارادہ
ترک کر دیا گیا اور یہ طے پایا اور شیر خان اور شاہد علی شکاریوں کے لباس میں جائیں
گے...... شکاریوں کی وردی میں انہیں اسلحہ اور دیگر ہتھیار ساتھ رکھنے میں بھی آسانی
ہو گی اور کوئی اگر پوچھے تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم جنگل میں شکار کھیلنے آئے تھے مگر راستہ
بھٹک کر ادھر آ نکلے ہیں۔

قطب الدین نے کہا۔

"رام پٹی کے جنگل میں داخل ہوتے وقت تمہیں بے حد محتاط رہنا ہوگا...... میں تمہارے ساتھ ہوں گا، لیکن میں تمہیں جنگل کے کنارے تک ہی لے جاسکوں گا...... اس کے آگے واچ ٹاور کی سرچ لائٹوں کی گھومتی پھرتی روشنی بھی ہوگی اور گشت کرتے فوجی جوانوں کے دستے بھی ہوں گے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"ہم ان باتوں کو ذہن میں رکھیں گے"۔

"تم لوگ اپنے ساتھ کیا کیا لے جانا چاہو گے؟" رشید احمد نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں زیادہ اسلحہ اپنے ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم کھلی جنگ لڑنے نہیں جارہے...... ہمیں چھپ کر شب خون مارنا ہے اور دشمن اسلام ڈاکٹر پلائی کو ختم کرنا ہے۔

میرا خیال ہے دو سٹین گنیں، کچھ فالتو میگزین صرف ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اور تین تین دستی بم کافی ہوں گے"۔

"اور کمانڈو چاقو؟" قطب الدین نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"وہ تو ہر حالت میں ہمارے پاس رہیں گے"۔

تیسرے پہر تک تمام ضروری انتظامات کر لئے گئے...... شیر خان اور شاہد علی نے شکاریوں والی خاکی بش شرٹ اور پتلونیں اور فوجی ٹائپ کے بوٹ پہن لئے...... چمڑے کے چھوٹے تھیلوں میں شکاری یعنی کمانڈو چاقو اور فالتو میگزین رکھ لئے...... تین تین دستی بم انہوں نے اپنی بش شرٹ کی جیبوں میں رکھنے تھے...... دونوں سٹین گنوں کی نالیوں پر سائی لینسر چڑھا دیئے گئے تھے...... جب شام کا اندھیرا چھانے لگا تو ان

کا خاص آدمی رپورٹ دینے وعدے کے مطابق آ گیا۔

قطب الدین نے پوچھا۔

"کیا رپورٹ لائے ہو؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"آج شام تک کی رپورٹ یہ ہے کہ ڈاکٹر پلائی ریسرچ سنٹر میں ہی ہے اور ایسے کوئی آثار نہیں تھے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ اسے آج رات کہیں باہر جانا ہے...... مجھے یقین ہے کہ رات کو وہ اپنے کمرے میں ہی سوئے گا"۔

پروگرام یہ طے پایا کہ رات کے ٹھیک گیارہ بجے کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی ایک بند جیپ میں بیٹھ کر قطب الدین کے ساتھ خفیہ پناہ گاہ سے نکل پڑیں گے...... ان کی پناہ گاہ اور مجوراشہر سے رام پٹی کا جنگل تقریباً پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے جو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں طے ہو جائے گا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد قطب الدین، شیر خان اور مجاہد شاہد علی نے اپنی اپنی گھڑیوں پر وقت ملا لیا...... رات کے ٹھیک گیارہ بجے یہ تینوں مجاہد پناہ گاہ سے نکل کر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے...... موسم ٹھیک تھا...... تین دن پہلے بارش ہو چکی تھی...... آسمان پر ستارے نکلے ہوئے تھے...... چاند نے آدھی رات کے بعد طلوع ہونا تھا...... ان کی بند جیپ شہر سے نکلنے کے بعد اور ترچناپلی کی طرف جانے والی ریلوے لائن کے ساتھ کچی سڑک پر چل پڑی...... شہر کی روشنیاں آہستہ آہستہ بہت پیچھے رہ گئیں...... کچی سڑک خالی پڑی تھی...... رات کی تاریکی اور سناٹے میں بند جیپ کافی رفتار سے اپنے ٹارگٹ کی طرف دوڑتی چلی جارہی تھی۔

آدھ گھنٹے کے بعد ریلوے لائن کی دونوں جانب کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ویران علاقہ آ گیا...... قطب الدین جیپ چلا رہا تھا...... کمانڈو شیر خان اس کے ساتھ بیٹھا تھا...... قطب الدین کہنے لگا۔

"رام پٹی کا جنگل اب زیادہ دُور نہیں"۔

کچھ دیر کے بعد شیر خان کو ستاروں کی دُھندلی روشنی میں دُور ایک سیاہ دیوار سی دکھائی دی...... قطب الدین نے کہا۔

"وہاں سے رام پٹی کا جنگل شروع ہو جاتا ہے"۔

قطب الدین نے جیپ کی رفتار آہستہ کر دی تھی اور وہ ریلوے لائن سے ہٹ کر ایک میدان میں سے گزر رہے تھے جہاں جھاڑیاں اور گھاس کے علاوہ کہیں کہیں ناریل اور تاڑ کے درختوں کے جھنڈ بھی نظر آرہے تھے...... جنگل کی سیاہ دیوار قریب آگئی تھی...... یہ دیوار نہیں تھی بلکہ جنگل کے گھنے درختوں کی قطار تھی جو نصف دائرے کی شکل میں مشرق سے مغرب کی طرف چلی گئی تھی...... جیپ کی بتیاں گل کر دی گئی تھیں اور وہ جھاڑیوں کے درمیان آہستہ آہستہ چل رہی تھی...... ایک جگہ آکر انہیں جنگل کی ایک جانب روشنی کا گول دائرہ سا دکھائی دیا...... یہ چھوٹا گول دائرہ درختوں کے تنوں کے اوپر سے ہو کر دوسری طرف نکل گیا...... قطب الدین نے جیپ روک لی اور انجن بند کر دیا...... کہنے لگا۔

"اس سے آگے جیپ کو لے جانا خطرے کا باعث ہو سکتا ہے"۔

تینوں مجاہد جیپ سے اتر پڑے...... قطب الدین نے گول روشنی کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

"یہ واچ ٹاور کی سرچ لائٹ کی روشنی ہے...... تمہیں اس روشنی سے ہر صورت میں اپنے آپ کو بچانا ہوگا...... اگر تم اس روشنی کی زد میں آگئے تو تم پر گولیوں کی بوچھاڑیں پڑنی شروع ہو جائیں گی...... اپنا اسلحہ وغیرہ ایک بار پھر چیک کر لو...... یہاں سے آگے تمہیں اکیلے ہی جانا ہوگا"۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی نے اپنا اسلحہ وغیرہ فوراً چیک کیا...... شیر خان نے قطب الدین سے کہا۔

"میرا خیال ہے تم اب واپس چلے جاؤ...... تمہیں ہمارا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ کچھ پتہ نہیں آگے کیا صورت حال بن جائے، جو کچھ بھی ہوگا ہم اس سے خود ہی نمٹ لیں گے...... اگر ہم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو خود ہی واپس آجائیں گے...... اگر مر گئے تو ہمارا کہا سنا معاف کر دینا...... خدا حافظ!"۔

اتنا کہہ کر کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی جنگل کی طرف چل پڑے...... قطب الدین وہیں سے واپس ہو گیا...... قطب الدین نے ان دونوں کو جنگل کے اس کونے کی طرف اتارا تھا جہاں بالکل سیدھ میں جنگل کے اندر سب سے پہلے پرانا ویران قبرستان آتا تھا اور اس کے بعد وہ برگد کا درخت جس کے پانچ دس فٹ کے فاصلے پر خفیہ ریسرچ سنٹر کے اس کمرے کی عقبی دیوار واقع تھی جس میں ڈاکٹر پلائی رات کو سوتا تھا۔

ابھی دونوں کمانڈو جنگل کے کنارے والے درختوں کی قطار سے کافی فاصلے پر تھے کہ مغرب کی جانب پہاڑی ٹیلے کے پیچھے سے چاند نکل آیا...... چاند کی پھیکی پھیکی روشنی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ انہیں دُور سے دیکھا جا سکتا...... پھر بھی دونوں ہوشیار ہو گئے، کیونکہ دُور سے اور کچھ نہیں تو ان کے ہلتے جلتے سائے ضرور نظر آسکتے تھے اور دشمن کو خبردار کرنے کے لئے یہی کافی تھا...... وہ خاموشی سے ایک دوسرے کے پیچھے چلے جا رہے تھے...... شیر خان آگے آگے تھا...... سٹین گنیں انہوں نے کاندھوں سے لٹکا رکھی تھیں...... وہ آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے...... جنگل قریب ہوتا جا رہا تھا...... دونوں جانب سے سرچ لائٹوں کی روشنیوں کے چھوٹے دائرے دائیں سے بائیں اور پھر بائیں سے دائیں جانب تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گھوم جاتے تھے۔

شیر خان نے شاہد علی سے کہا۔

"ہمیں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنی ہوگی کہ سرچ لائٹ کی روشنیاں کتنے وقفے کے بعد درختوں کے نیچے پڑتی ہیں"۔

شاہد علی نے چلتے چلتے کہا۔

"میں نے جو اندازہ لگایا ہے اس کے مطابق ہر سرچ لائٹ کی روشنی میں پندرہ یا سولہ سیکنڈ کا وقفہ ہوتا ہے"۔

"اس کا مطلب ہے" شیر خان بولا...... "کہ ہمیں ان پندرہ یا سولہ سیکنڈوں میں ہر حالت میں جنگل کے اندر داخل ہو جانا چاہئے...... اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں گشتی دستوں سے بھی خبردار رہنا ہو گا...... قطب الدین نے کہا تھا کہ رات کے وقت فوجی سپاہیوں کی پٹرولنگ پارٹی بھی گشت لگاتی رہتی ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"اپنی طرف سے تو ہم پھونک پھونک کر قدم رکھیں گے...... باقی اللہ مالک ہے"۔

دبی آواز میں باتیں کرتے وہ جنگل کے قریب آ کر ایک جگہ اونچی جنگلی جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ گئے اور نظریں جما کر جنگل کے کنارے والے درختوں کی اونچی سیاہ دیوار کو اور ان کے تنوں کے آگے گردش کرنے والی سرچ لائٹ کی روشنیوں کو دیکھنے لگے۔

شیر خان نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

"شاہد علی! ہم اس جگہ سے جنگل میں داخل ہوں گے"۔

جس طرف شیر خان نے اشارہ کیا تھا اس جگہ ایک چھوٹا سا ٹبہ تھا...... پھیکی چاندنی میں ٹبے کا سایہ دُور تک پڑ رہا تھا...... وہ جھک کر ٹبے کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگے...... ٹبے کے سائے میں آ کر وہ ٹبے کی ڈھلواں دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے اور ماحول کا تیز نگاہوں سے جائزہ لینے لگے...... سرچ لائٹ کی روشنی کا دائرہ ان سے کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر سے گزر جاتا تھا...... ایک دائرے کے بعد دوسرا دائرہ آ جاتا تھا...... روشنی کے دونوں دائروں کے درمیان بمشکل تین سیکنڈ کا وقفہ ہوتا تھا، لیکن جب ایک بار سرچ لائٹ کی روشنی بجھ جاتی تھی تو پندرہ سولہ سیکنڈ کے بعد پھر سے سرچ لائٹ روشن ہو جاتی تھی اور اس کے روشن دائرے درختوں کے آگے سے گزرنے لگتے تھے...... ان کی وجہ سے درختوں کے نیچے اور آس پاس کی تمام جھاڑیاں اور

گھاس صاف نظر آنے لگتی تھی...... اس وقت اگر کوئی خرگوش بھی وہاں سے گزرتا تو دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔

سرچ لائٹ کے واچ ٹاور ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے، لیکن انہیں بتا دیا گیا تھا کہ دونوں واچ ٹاوروں پر مشین گنوں کی پوسٹیں ہیں اور جنگل کا یہ سارا علاقہ ان کی فائرنگ کی زد میں ہے...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"روشنی کے دائروں کے درمیان صرف تین سیکنڈ کا وقفہ ہوتا ہے...... ہمیں روشنی کے دائروں کے درمیان سے گزرنے کی بجائے اس وقت جنگل میں گھسنا چاہئے جب پندرہ سولہ سیکنڈ کے وقفے کے لئے سرچ لائٹ بجھی ہوتی ہے"۔

شاہد علی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"ہمیں ایسا ہی کرنا چاہئے"۔

شیر خان نے شاہد علی کو انسٹرکشن دیتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھنا...... جنگل میں گھسنے اور سرچ لائٹ کی رینج سے دُور ہوتے ہی ہم فوراً زمین پر اوندھے لیٹ جائیں گے اور جب تک میں کوئی اشارہ نہ کروں ہم اسی طرح لیٹے رہیں گے"۔

ناگ مندر کے ناکام تجربے اور شاہد علی کے جذباتی پن کی وجہ سے شیر خاں اب اس کے بارے میں بہت محتاط ہو گیا تھا اور اسے اپنی زیر ہدایت رکھنا چاہتا تھا...... دوسری جانب مجاہد شاہد علی کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ اسے اس قسم کے کمانڈو آپریشن کے سلسلے میں ابھی شیر خان سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے...... چنانچہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی برا مانے بغیر شیر خاں کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔

دونوں کی نظریں سرچ لائٹ کے آہستہ آہستہ گردش کرتے دائروں پر لگی ہوئی تھیں...... روشنی کے دونوں دائرے ایک دوسرے کے پیچھے کچھ دُور تک جا کر پھر

واپس آجاتے تھے...... اسی طرح دوسرے واچ ٹاوروں کی روشنیوں کے دائرے اس سے آگے کے حصے میں گردش کر رہے تھے...... یوں ان واچ ٹاوروں کی سرچ لائٹوں نے جنگل کے اِردگرد کے سارے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا، جب ایک دم سے سرچ لائٹ کی روشنیاں بجھ گئیں تو شیر خاں نے شاہد علی کو سرگوشی میں کہا۔

"سیکنڈ گنتے جانا"۔

شیر خان نے بھی سیکنڈ گننے شروع کر دیئے...... ٹھیک سترہ سیکنڈ کے وقفے کے بعد سرچ لائٹیں دوبارہ روشن ہو گئیں...... شاہد علی نے سرگوشی میں کہا۔

"سترہ سیکنڈ"۔

شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"سترہ سیکنڈ" اب دوسری بار روشنیاں بجھیں گی تو ہم جنگل میں گھس جائیں گے......او کے"۔

"او کے" مجاہد شاہد علی نے سرگوشی میں جواب دیا۔

روشنی کے دائروں کی چمک میں جنگل کے اندر درختوں کے درمیان کا علاقہ بہت حد تک دکھائی دے رہا تھا...... درختوں کے تنے جنگل کے اندر دُور تک چلے گئے تھے...... ان کے درمیان اونچی گھاس بھی تھی اور اُونچی اُونچی جھاڑیاں بھی تھیں...... شیر خان نے قطب الدین کی ہدایت کے مطابق سمت کا تعین ذہن میں کر لیا تھا...... دونوں اس انتظار میں تھے کہ سرچ لائٹوں کی روشنیاں گل ہوں تو وہ جنگل میں گھس جائیں...... اپنا معین وقت پورا کرنے کے بعد روشنیاں بجھ گئیں۔

جیسے ہی روشنیاں بجھیں دونوں کمانڈو جھک کر دوڑتے ہوئے جنگل کے درختوں میں گھس گئے اور چند قدم اندر دوڑنے کے بعد ایک دم زمین پر اوندھے لیٹ گئے...... اچانک سرچ لائٹ کی روشنیاں پھر سے بیدار ہو گئیں اور جہاں سے دونوں کمانڈو دوڑ کر آئے تھے وہ سارا علاقہ دن کی طرح روشن ہو گیا...... دونوں جھاڑیوں اور گھاس میں

بے حس و حرکت پڑے رہے...... جب ایک بار پھر روشنیاں بجھ گئیں تو وہ اوندھے لیٹے آگے کو رینگنے لگے...... جس وقت جنگل میں روشنی ہو رہی تھی تو شیر خان نے دیکھ لیا تھا اور تسلی کر لی تھی کہ وہاں آس پاس کوئی گشتی پارٹی نظر نہیں آ رہی تھی...... کافی دُور تک دونوں کمانڈو مجاہد جھاڑیوں میں کہنیوں کے بل رینگتے رہے...... اب وہ اندھیرے میں تھے...... ان کے عقب میں جو سرچ لائٹ کی روشنی تھی وہ ان تک نہیں پہنچ رہی تھی...... شیر خان نے اپنے پیچھے شاہد علی کو ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا...... دونوں اٹھ بیٹھے اور چاروں طرف اپنی عقابی نگاہوں سے اندھیرے میں دیکھنے لگے۔

آدمی ایک دم اندھیرے میں آ جائے تو پہلے پہل اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا، لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد اندھیرے میں بھی چیزوں کے دُھندلے دُھندلے خاکے دکھائی دینے لگتے ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ اندھیرے کی بھی اپنی ایک روشنی ہوتی ہے...... جنگلی درندے اندھیرے کی اسی روشنی میں اپنے شکار کو دیکھ لیتے ہیں...... کمانڈو کو اس اندھیرے میں دیکھنے کی خاص طور پر تربیت دی جاتی ہے اور یہ جانباز اندھیرے میں واضح طور پر نہیں لیکن تھوڑا تھوڑا ضرور دیکھ لیتے ہیں اور سایوں کی نقل و حرکت سے بخوبی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ آگے کیا ہو رہا ہے...... کمانڈو شیر خان نے بھی دیکھ لیا تھا کہ آگے گھنے درختوں کے درمیان سے ایک تنگ سا راستہ سامنے کی طرف جاتا ہے...... اسے یقین تھا کہ وہ اس راستے سے گزر کر پرانے ویران قبرستان میں پہنچ جائیں گے...... اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شاہد علی کے کان میں سرگوشی میں کہا۔

"ہمیں ان درختوں کے بیچ میں سے گزرنا ہے، ہمارے درمیان فاصلہ بیس فٹ کا ہو گا...... گشتی پارٹی سے ہوشیار رہنا، آ جاؤ"۔

اور شیر خان اٹھ کر سامنے والے درختوں کے درمیان چلنے لگا...... وہ جھاڑیوں سے بچ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ صرف اس کا پاؤں گیلی گھاس پر پڑے اور

سر سراہٹ پیدا نہ ہو...... یہ صرف تربیت یافتہ کمانڈو یا فوجی ہی کر سکتے ہیں...... ہر آدمی ایسا نہیں کر سکتا...... کچھ دُور تک چلتے رہنے کے بعد وہ درختوں کی اوٹ میں چھپ کر اِدھر اُدھر اندھیرے میں دیکھنے لگتے کہ کہیں کسی طرف سے کوئی گشتی پارٹی یا اس پارٹی کا کوئی فوجی جوان تو گشت کرتا نہیں آ رہا، اسی طرح وہ جنگل میں آگے ہی آگے چلتے گئے

آخر ایک جگہ انہیں اُونچی نیچی ڈھیریاں سی دکھائی دیں...... شیر خان وہیں رُک کر بیٹھ گیا...... اس نے شاہد علی کو بھی اپنے قریب بلا لیا...... شیر خان نے اُونچی نیچی ڈھیریوں کی طرف اشارہ کیا اور دھیمی آواز میں کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ ہم پرانے قبرستان میں آ گئے ہیں“۔

وہ پرانا ویران قبرستان ہی تھا...... وہ اندھیرے میں جھک کر چلتے ہوئے قبرستان کی شکستہ دیوار کے پاس آ گئے...... یہ پرانی تاریخی دیوار تھی اور جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی...... وہ دیوار کی آڑ لے کر بیٹھ گئے اور سامنے کی طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگے...... قطب الدین نے انہیں بتایا تھا کہ قبرستان کی شکستہ دیوار سے تھوڑے فاصلے پر برگد کا گھنا درخت اور خفیہ ریسرچ سنٹر میں اس کمرے کی پچھلی دیوار ہے جس میں ڈاکٹر پلائی رات کو سوتا ہے...... برگد کا درخت انہیں نظر آ رہا تھا جو اتنا بڑا تھا کہ اس کی گھنی شاخیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں...... دیوار کے پاس وہ کچھ دیر بیٹھ کر ماحول کا جائزہ لیتے رہے...... انہیں دیوار کی دوسری جانب سے کسی گاڑی کے انجن کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی...... پھر یہ آواز دُور ہوتے ہوتے گم ہو گئی۔

اس کے بعد پھر خاموشی ہو گئی۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو کیا کرنا تھا...... یہ انہوں نے پہلے سے سوچ رکھا تھا اور طے بھی کر لیا ہوا تھا...... اپنے منصوبے کے مطابق جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ اس طرف کوئی گارڈ وغیرہ نہیں ہے تو وہ آہستہ آہستہ ایک ایک قدم کر کے جسم کو جھکائے برگد کے درخت کی طرف بڑھے...... برگد کا تنا بہت موٹا تھا...... گھنی

شاخوں میں سے درخت کی جڑیں رسیوں کی طرح نیچے لٹک رہی تھیں...... پروگرام کے مطابق مجاہد شاہد علی لٹکتی ہوئی جڑوں کو پکڑ کر درخت پر چڑھ گیا...... پھر درخت کی شاخوں کے اندر ہی اندر رینگتا درخت کے اس بڑے تنے پر آ گیا جس کی شاخیں کمرے کی چھت پر لٹکی ہوئی تھیں...... وہ آہستہ آہستہ ان شاخوں کے سہارے آواز پیدا کئے بغیر چھت پر اتر کر وہیں بیٹھ گیا...... جب شیر خاں نے اسے چھت پر اترتے دیکھ لیا تو وہ دیوار کے ساتھ کھسکتا خاردار تاروں والی دیوار کے پاس آ گیا۔

اس نے جیب سے چھوٹا پلاس نکالا اور خاردار تاروں کو بڑی احتیاط کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں دبا کر تاکہ آواز پیدا نہ ہو...... ایک جگہ سے کاٹ کر اتنی جگہ بنا لی کہ وہ اندر جا سکتا تھا...... تاروں کے شگاف میں سے اس نے دوسری جانب دیکھا...... اس کے سامنے بہت پھیکی دُھندلی چاندنی میں دو سپاہی کسی سٹول قسم کی چیز پر بیٹھے تھے...... وہ آپس میں کسی کسی وقت کوئی بات بھی کر لیتے تھے جو فاصلہ ہونے کی وجہ سے شیر خان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی...... شیر خان نے سٹین گن اپنی پشت پر لٹکا لی اور جیب سے کمانڈو چاقو نکالا...... پھر وہ تاروں کے شگاف میں سے دبے پاؤں نکل کر کمرے کی دیوار کے کونے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے سر ذرا سا آگے کر کے دیکھا۔

دونوں پہرے داروں میں سے ایک پہرے دار جو وردی میں تھا اٹھ کھڑا ہوا تھا...... دوسرا اپنی جگہ پر اسی طرح بیٹھا تھا...... رائفل اس نے گھٹنوں پر رکھی ہوئی تھی، جو سپاہی کھڑا ہو گیا تھا اس کی رائفل سلنگ کے ساتھ اس کے کندھے پر لٹک رہی تھی...... یہ مکان کا لان تھا جس کے بارے میں قطب الدین کے خاص آدمی نے کہا تھا کہ ڈاکٹر پلائی کے کمرے کے باہر لان میں رات کو بھی دو سپاہی پہرے پر موجود ہوتے ہیں...... شیر خان نے یہ بھی دیکھا کہ ڈاکٹر پلائی کے کمرے کے روشن دان اور بند دروازے کی ایک لمبی درز میں سے روشنی باہر آ رہی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ ڈاکٹر

پلائی ابھی تک جاگ رہا تھا...... شیر خان کو کوئل کی بڑی دھیمی سی آواز سنائی دی جیسے
دُور کے درخت پر کوئل بول کر اُڑ گئی ہو، لیکن یہ کوئل کی آواز نہیں تھی...... یہ اس
کے ساتھی کمانڈو مجاہد شاہد علی کا سگنل تھا کہ میں تمہیں حفاظتی کور دینے کی پوزیشن
میں ہوں تم اپنا کام شروع کرو۔

شیر خان نے ایک بار پھر دیوار کے کونے سے سر ذرا سا آگے کر کے دیکھا، جو
سپاہی سٹول پر بیٹھا تھا اس کا سر جھکا ہوا تھا...... شاید وہ اُونگھنے لگا تھا...... دوسرا پہرے دار
سنتری ابھی تک لان میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا...... اب اس نے سگریٹ سلگا لیا تھا
اور ٹہلتے ہوئے سگریٹ بھی پی رہا تھا...... کمانڈو ایکشن کے لئے فضا بڑی ہموار ہو گئی
تھی...... شیر خان نے زمین پر سے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور اسے قریب کی جھاڑیوں
میں زور سے پھینک دیا...... پتھر کے گرنے سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ ٹہلتے ہوئے
سنتری کو چوکنا کرنے کے لئے یہ آواز کافی تھی۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رُک گیا اور جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا...... پھر وہ ٹہلتے ٹہلتے
جھاڑیوں کی طرف بڑھا کہ دیکھے یہ آواز کس چیز کی تھی...... شیر خان جلدی سے پیچھے
ہو گیا...... اس نے چاقو پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی...... سنتری ٹہلتے ٹہلتے جھاڑیوں
کے قریب ہوتا گیا...... جھاڑیوں کے پاس پہنچنے کے لئے اس دیوار کے کونے کے
قریب سے گزرنا تھا...... جیسے ہی وہ دیوار کے کونے کے قریب سے گزرا شیر خان نے
چیتے کی طرح اُچھل کر سب سے پہلے اپنے بائیں بازو کے شکنجے میں سنتری کی گردن اس
طرح دبوچ لی کہ وہ کوئی آواز نہ نکال سکے...... اس کے ساتھ ہی اس کے سیدھے ہاتھ
میں پکڑے ہوئے تیز دھار اور دندانے دار چاقو کا پھل سنتری کے حلق کے نیچے ایک
جھٹکے سے اس طرح پھر گیا کہ اس کی شہ رگ کٹ گئی...... شیر خان نے سنتری کے
کانپتے اور ٹھنڈے ہوتے جسم کو آہستہ سے زمین کے ساتھ لگا کر لاش کو پیچھے کھینچ
لیا...... اب اسے دوسرے سنتری کو ٹھکانے لگانا تھا، کیونکہ اس کی موجودگی میں

شیر خان کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے دیوار کی اوٹ میں سے جھانک کر دیکھا...... دوسرا سنتری سٹول پر سر کو
جھکائے شاید سو گیا تھا...... اس کو بیدار کرنا ضروری تھا...... لان کی دوسری جانب ایک
زینہ اوپر چھت پر جاتا تھا...... شیر خان نے چھت پر نگاہ ڈالی...... اسے ایک دُھندلا
انسانی سایہ حرکت کرتا نظر آیا...... یہ مجاہد شاہد علی تھا...... وہ چھت کی منڈیر کے پیچھے
بیٹھ گیا...... شیر خان کو اس کا سر نظر آ رہا تھا...... دوسرا سنتری ابھی تک سو رہا تھا......
وقت گزرتا جا رہا تھا...... کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا...... شیر خان نے پہلے سنتری
والی ترکیب پر عمل کرنے کے خیال سے زمین پر سے ایک روڑا اٹھایا...... وہ اسے
جھاڑیوں میں پھینکنے ہی والا تھا کہ سنتری نے ایک دم سے سر اٹھا کر دائیں بائیں
دیکھا...... جب اسے اپنا ساتھی نظر نہ آیا تو اس نے اس کا نام لے کر آواز دی، جس نے
جواب دینا تھا اس کی لاش شیر خان کے قریب جھاڑیوں میں پڑی تھی۔

سنتری سامنے والے زینے کی طرف گیا...... اِدھر اُدھر دیکھا...... پھر اس دیوار
کی طرف آیا جس کی اوٹ میں شیر خان گھات لگائے کھڑا تھا...... سنتری نے ایک بار پھر
اپنے ساتھی کو آواز دی...... کوئی جواب نہ ملنے پر وہ دیوار کے قریب آ گیا...... کمانڈو شیر
خان کے جسم کے پٹھے تن گئے...... اس فوجی کو ہلاک کرنا ضروری تھا...... یہاں ایک
بات یاد رکھیں کہ ایک عام آدمی وہ کام نہیں کر سکتا جو ایک کمانڈو کرتا ہے...... کمانڈو
جب دشمن کی گردن کو اچانک بازو کے شکنجے میں لیتا ہے تو اس نے ایک ایک سینٹی میٹر کا
حساب لگایا ہوتا ہے کہ اسے دشمن کی گردن کو بازو کے شکنجے میں جکڑتے ہی کیا کرنا ہے
تاکہ اس کی آواز نہ نکل سکے...... اس کے ساتھ ہی دشمن کی شہ رگ کو کمانڈو چاقو پھیر
کر کاٹنا ہوتا ہے...... دیکھنے میں یہ دو الگ الگ عمل لگتے ہیں، لیکن ایک تجربہ کار کمانڈو
کے لئے یہ ایک ہی عمل ہوتا ہے...... ایک ہی وقت میں دشمن کی گردن دبوچی جاتی ہے
اور اسی لمحے اس کی شہ رگ کاٹ دی جاتی ہے...... اگر کوئی کمانڈو ایسا نہیں کرتا تو وہ

نااہل کمانڈو ہے اور پھر اس کی اپنی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

کمانڈو شیر خان کے سیدھے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا اور اپنا دوسرا بازو اس نے تھوڑا سا اوپر اٹھایا ہوا تھا...... جیسے ہی دوسرا سنتری اپنے ساتھی کی تلاش میں دیوار کے کونے سے نکل کر سامنے آیا جس طرح بجلی چمک جاتی ہے...... بالکل اسی طرح کمانڈو شیر خان نے اپنا بازو سنتری کی گردن میں ڈال کر شکنجے میں لیا اور اوپر کو زور سے جھٹکا دے کر اس کی شہ رگ پر پوری طاقت سے چاقو پھیر دیا اور پھر اسے زمین پر ڈالا اور لاش کو پیچھے کھینچ کر ڈال دیا...... دوسرے سنتری کا اسی وقت کام تمام ہو گیا جب شیر خان کے بازو کے جھٹکے سے اس کی گردن کے مہرے ٹوٹ کر الگ ہو گئے تھے۔

شیر خان دوڑ کر دیوار کے پاس آیا اور دوسری طرف لان میں دیکھا...... لان خالی پڑا تھا...... اس نے چھت پر نگاہ ڈالی...... اسے اپنے ساتھی شاہد علی کا سر منڈیر سے ذرا اوپر اٹھا ہوا نظر آ رہا تھا...... یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ یہ اس کا اپنا ساتھی ہی ہے شیر خان نے بڑی دھیمی آواز میں کوئل کی آواز نکالی...... اس کے جواب میں چھت کے اوپر سے بھی کوئل کی مدھم آواز میں مجاہد شاہد علی نے جواب دیا...... شیر خان دیوار سے ہٹ کر لان میں پودوں کے پیچھے جھک کر چلتا کمرے کے بند دروازے کے پاس آ گیا...... دروازے کی درز میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی...... اس نے درز کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھا...... کمرے میں ڈاکٹر پلائی پلنگ پر ایک عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا تھا...... کمرے میں بلب جل رہا تھا...... اس کی روشنی میں شیر خان ڈاکٹر پلائی کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا...... عورت کو اس نے پہچان لیا تھا...... وہ ناگ مندر کی ناگ داسی اُرملا تھی...... شیر خان یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ آدمی ڈاکٹر پلائی ہی ہے...... فوراً اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی...... اس کے پاس اپنی ترکیب پر مزید سوچ بچار کرنے کے لئے وقت نہیں تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا بس اسی لمحے کرنا تھا...... اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی...... ڈاکٹر پلائی نے دروازے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کون ہے باہر؟"۔

شیر خان نے بولنے کی بجائے پھر دستک دے دی...... ڈاکٹر پلائی اٹھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا...... اس کے قدم صحیح نہیں پڑ رہے تھے...... صاف لگتا تھا کہ وہ نشے میں ہے...... شیر خان دروازے کے باہر ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا...... اوپر سے مجاہد شاہد علی اسے دیکھ رہا تھا...... دروازہ کھلا...... ڈاکٹر پلائی نے غصے میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"۔

کمانڈو شیر خان شکاریوں کی خاکی وردی میں تھا...... باہر اندھیرا بھی تھا...... اس کی وردی فوجی وردی ہی لگ رہی تھی...... سٹین گن بھی اس کے کندھے سے لٹکی ہوئی تھی...... شیر خان نے ایڑیاں جوڑ کر سلیوٹ کیا اور کہا۔

"ڈاکٹر پلائی صاحب کے لئے سیکورٹی کمانڈر کا ضروری پیغام ہے"۔

ڈاکٹر پلائی نے ذرا سا جھومتے ہوئے سیکورٹی کمانڈر کو انگریزی میں گالی دی اور کہا۔

"میں ہی ڈاکٹر پلائی ہوں...... کیا کہا ہے اس باسٹرڈ نے؟"۔

کمانڈو شیر خان کو آگے کچھ کہنے اور کچھ سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... وہ تو صرف اس دشمن اسلام کے منہ سے یہ سننا چاہتا تھا کہ میں ہی ڈاکٹر پلائی ہوں...... یہ اس نے سن لیا تھا...... جیسے ہی ڈاکٹر پلائی نے اپنا فقرہ پورا کیا شیر خاں نے گن سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا...... گن کی نالی پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا...... سٹین گن کے برسٹ کے دھماکوں کی آواز تو آنی نہیں تھی...... ٹھک ٹھک کی مسلسل آواز کے ساتھ شیر خان نے دو برسٹ فائر کر کے ڈاکٹر پلائی کا سینہ اور پیٹ چھلنی کر دیا...... وہ گرا تو شیر خان نے تیسرا برسٹ بھی اس کے سینے اور کھوپڑی پر فائر کر دیا، تاکہ اس کے زندہ بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہے۔

مصیبت یہ ہوئی کہ کمرے میں ناگ داسی موجود تھی...... اس نے یہ خونی منظر

دیکھا تو اس کی چیخیں نکل گئیں...... شیر خان کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ناگ داسی کو بھی ہلاک کرے، جس کو اس نے ہلاک کرنا تھا اسے ہلاک کر دیا تھا...... وہ لان میں پیچھے کی جانب دوڑا...... اس کے ساتھ ہی ناگ داسی چیختی چلاتی دروازے پر آ گئی...... اس کی چیخوں کی آواز پر نہ جانے کہاں سے گشت لگاتا ایک سنتری ادھر آ گیا...... اس نے چیخوں کی آواز پر ہوائی فائر کر دیئے...... اس کے فائر کے دھاکوں نے وہاں پر موجود سیکورٹی والوں کو بیدار کر دیا...... اب چاروں طرف سے ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی...... ایک گشتی پارٹی کے چھ سات سنتری دوڑتے ہوئے لان میں آ گئے۔

شیر خان دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... وہ نکل گیا ہوتا اگر مجاہد شاہد علی چھت پر نہ ہوتا...... شیر خان اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا...... خدا جانے کس نے ایک جانب سے اوپر تلے دو روشنی راؤنڈ فائر کر دیئے...... سارا لان روشن ہو گیا...... ایک سپاہی نے چھت پر مجاہد شاہد کو دیکھتے ہی اندھا دھند اوپر فائرنگ شروع کر دی...... شیر خان نے شاہد علی کو دیوار کی دوسری جانب چھلانگ لگاتے اور چار پانچ فوجیوں کو اس کے پیچھے دوڑتے دیکھا...... اب خود شیر خان خطرے میں گھر چکا تھا...... اسے یقین تھا کہ شاہد علی فرار ہو گیا ہو گا...... شیر خاں تیزی سے اٹھا اور پیچھے جنگل کی طرف اندھا دھند بھاگنے لگا...... روشنی راؤنڈ آہستہ آہستہ نیچے آ کر بجھ چکے تھے...... شیر خان بھاگتے ہوئے پرانے قبرستان سے بھی نکل گیا...... پیچھے فائر کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر یہ آوازیں دوسری جانب سے آ رہی تھیں...... شیر خان کے پیچھے کوئی نہیں تھا...... اس لئے کہ کسی سپاہی نے اسے فرار ہوتے نہیں دیکھا تھا...... وہ جتنی تیز دوڑ سکتا تھا دوڑتے ہوئے جنگل کے کنارے والے درختوں کے پاس آ کر چھپ گیا...... اب اسے ایک خطرناک مرحلے سے گزرنا تھا...... یہ دونوں واچ ٹاور کی سرچ لائٹوں کی روشنیاں تھیں۔

دونوں واچ ٹاوروں پر جو مشین گنوں کے مورچے تھے فائرنگ کی آوازیں سن کر وہ بھی چوکس ہو گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ پیچھے کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی مشین گنوں کے برسٹ فائر کرنے شروع کر دیئے...... گولیاں درختوں کی ٹہنیوں سے ٹکراتی اور انہیں چیرتی ہوئی نیچے گرنے لگیں...... شیر خان سمجھ گیا کہ مشین گن پوسٹوں سے نیچے فائر آ رہا ہے...... سرچ لائٹ کی روشنیوں کے دائرے بھی تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کرنے لگے تھے، لیکن کمانڈو شیر خان کو ہر حالت میں وہاں سے نکلنا تھا...... وہ درختوں کی آڑ لیتا جنگل کے آخری کنارے پر اس جگہ آ گیا جہاں ایک چھوٹا ٹیلہ تھا...... روشنیوں کے دائرے جلدی جلدی ایک دوسرے کے آگے پیچھے سامنے سے گزر رہے تھے...... اوپر سے فائرنگ بھی ہو رہی تھی...... کمانڈو شیر خان اس صورت حال میں جتنا اندازا لگا سکتا تھا اس نے اپنے ذہن میں اندازہ لگایا اور پیٹ کے بل رینگتا آگے بڑھا...... ایک بار جب روشنی کے دائرے دائیں جانب کو جانے کے بعد واپس بائیں جانب کو آتے ہوئے اس کے سامنے سے گزر گئے تو شیر خان کہنیوں کے بل بڑی تیزی سے رینگتا ہوا سرچ لائٹ کی زد سے باہر نکل گیا۔

چاند غروب ہو چکا تھا...... سامنے ویران میدان تھا جس پر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... کمانڈو شیر خان نے دوڑنا شروع کر دیا...... وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اب تک ریسرچ سنٹر کی آرمی سیکورٹی کمانڈو بٹالین کو ڈاکٹر پلائی کے قتل کا علم ہو چکا ہو گا اور بہت جلد فوج اس سارے علاقے کی ناکہ بندی کر لے گی، چنانچہ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا...... وہ جس راستے سے آیا تھا اسی راستے پر واپس جا رہا تھا...... دوڑتے ہوئے ہی اس نے میدان عبور کر لیا...... سامنے زمین سے اونچائی پر ریلوے لائن گزرتی تھی...... اسے اسی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چل کر اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچنا تھا۔

ریلوے لائن بھی رات کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی...... جنگل کی طرف سے

ناأہل کمانڈو ہے اور پھر اس کی اپنی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

کمانڈو شیر خان کے سیدھے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا اور اپنا دوسرا بازو اس نے تھوڑا سا اوپر اٹھایا ہوا تھا...... جیسے ہی دوسرا سنتری اپنے ساتھی کی تلاش میں دیوار کے کونے سے نکل کر سامنے آیا جس طرح بجلی چمک جاتی ہے...... بالکل اسی طرح کمانڈو شیر خان نے اپنا بازو سنتری کی گردن میں ڈال کر شکنجے میں لیا اور اوپر کو زور سے جھٹکا دے کر اس کی شہ رگ پر پوری طاقت سے چاقو پھیر دیا اور پھر اسے زمین پر ڈالا اور لاش کو پیچھے کھینچ کر ڈال دیا...... دوسرے سنتری کا اسی وقت کام تمام ہو گیا جب شیر خان کے بازو کے جھٹکے سے اس کی گردن کے مہرے ٹوٹ کر الگ ہو گئے تھے۔

شیر خان دوڑ کر دیوار کے پاس آیا اور دوسری طرف لان میں دیکھا...... لان خالی پڑا تھا...... اس نے چھت پر نگاہ ڈالی...... اسے اپنے ساتھی شاہد علی کا سر منڈیر سے ذرا اوپر اٹھا ہوا نظر آ رہا تھا...... یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ یہ اس کا اپنا ساتھی ہی ہے شیر خان نے بڑی دھیمی آواز میں کوئل کی آواز نکالی...... اس کے جواب میں چھت کے اوپر سے بھی کوئل کی مدھم آواز میں مجاہد شاہد علی نے جواب دیا...... شیر خان دیوار سے ہٹ کر لان میں پودوں کے پیچھے جھک کر چلتا کمرے کے بند دروازے کے پاس آ گیا...... دروازے کی درز میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی...... اس نے درز کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھا...... کمرے میں ڈاکٹر پلائی پلنگ پر ایک عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا تھا...... کمرے میں بلب جل رہا تھا...... اس کی روشنی میں شیر خان ڈاکٹر پلائی کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا...... عورت کو اس نے پہچان لیا تھا...... وہ ناگ مندر کی ناگ داسی اُرملا تھی...... شیر خان یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ آدمی ڈاکٹر پلائی ہی ہے...... فوراً اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی...... اس کے پاس اپنی ترکیب پر مزید سوچ بچار کرنے کے لئے وقت نہیں تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا بس اسی لمحے کرنا تھا...... اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی...... ڈاکٹر پلائی نے دروازے کی طرف دیکھ کر پوچھا

"کون ہے باہر؟"۔

شیر خان نے بولنے کی بجائے پھر دستک دے دی...... ڈاکٹر پلائی اٹھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا...... اس کے قدم صحیح نہیں پڑ رہے تھے...... صاف لگتا تھا کہ وہ نشے میں ہے...... شیر خان دروازے کے باہر ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا...... اوپر سے مجاہد شاہد علی اسے دیکھ رہا تھا...... دروازہ کھلا...... ڈاکٹر پلائی نے غصے میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"۔

کمانڈو شیر خان شکاریوں کی خاکی وردی میں تھا...... باہر اندھیرا بھی تھا...... اس کی وردی فوجی وردی ہی لگ رہی تھی...... سٹین گن بھی اس کے کندھے سے لٹکی ہوئی تھی...... شیر خان نے ایڑیاں جوڑ کر سلیوٹ کیا اور کہا۔

"ڈاکٹر پلائی صاحب کے لئے سیکورٹی کمانڈر کا ضروری پیغام ہے"۔

ڈاکٹر پلائی نے ذرا سا جھومتے ہوئے سیکورٹی کمانڈر کو انگریزی میں گالی دی اور کہا۔

"میں ہی ڈاکٹر پلائی ہوں...... کیا کہا ہے اس باسٹرڈ نے؟"۔

کمانڈو شیر خان کو آگے کچھ کہنے اور کچھ سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... وہ تو صرف اس دشمن اسلام کے منہ سے یہ سننا چاہتا تھا کہ میں ہی ڈاکٹر پلائی ہوں...... یہ اس نے سن لیا تھا...... جیسے ہی ڈاکٹر پلائی نے اپنا فقرہ پورا کیا شیر خاں نے گن سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا...... گن کی نالی پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا...... سٹین گن کے برسٹ کے دھماکوں کی آواز تو آنی نہیں تھی...... ٹھک ٹھک کی مسلسل آواز کے ساتھ شیر خان نے دو برسٹ فائر کر کے ڈاکٹر پلائی کا سینہ اور پیٹ چھلنی کر دیا...... وہ گرا تو شیر خان نے تیسرا برسٹ بھی اس کے سینے اور کھوپڑی پر فائر کر دیا، تاکہ اس کے زندہ بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہے۔

مصیبت یہ ہوئی کہ کمرے میں ناگ داسی موجود تھی...... اس نے یہ خونی منظر

دیکھا تو اس کی چیخیں نکل گئیں...... شیر خان کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ناگ داسی کو بھی ہلاک کرے، جس کو اس نے ہلاک کرنا تھا اسے ہلاک کر دیا تھا...... وہ لان میں پیچھے کی جانب دوڑا...... اس کے ساتھ ہی ناگ داسی چیختی چلاتی دروازے پر آ گئی...... اس کی چیخوں کی آواز پر نہ جانے کہاں سے گشت لگاتا ایک سنتری ادھر آ گیا...... اس نے چیخوں کی آواز پر ہوائی فائر کر دیئے...... اس کے فائر کے دھماکوں نے وہاں پر موجود سیکورٹی والوں کو بیدار کر دیا...... اب چاروں طرف سے ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی...... ایک گشتی پارٹی کے چھ سات سنتری دوڑتے ہوئے لان میں آ گئے۔

شیر خان دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... وہ نکل گیا ہوتا اگر مجاہد شاہد علی چھت پر نہ ہوتا...... شیر خان اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا...... خدا جانے کس نے ایک جانب سے اوپر تلے دو روشنی راؤنڈ فائر کر دیئے...... سارا لان روشن ہو گیا...... ایک سپاہی نے چھت پر مجاہد شاہد کو دیکھتے ہی اندھا دھند اوپر فائرنگ شروع کر دی...... شیر خان نے شاہد علی کو دیوار کی دوسری جانب چھلانگ لگاتے اور چار پانچ فوجیوں کو اس کے پیچھے دوڑتے دیکھا...... اب خود شیر خان خطرے میں گھر چکا تھا...... اسے یقین تھا کہ شاہد علی فرار ہو گیا ہو گا...... شیر خاں تیزی سے اٹھا اور پیچھے جنگل کی طرف اندھا دھند بھاگنے لگا...... روشنی راؤنڈ آہستہ آہستہ نیچے آ کر بجھ چکے تھے...... شیر خان بھاگتے ہوئے پرانے قبرستان سے بھی نکل گیا...... پیچھے فائر کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر یہ آوازیں دوسری جانب سے آ رہی تھیں...... شیر خان کے پیچھے کوئی نہیں تھا...... اس لئے کہ کسی سپاہی نے اسے فرار ہوتے نہیں دیکھا تھا...... وہ جتنی تیز دوڑ سکتا تھا دوڑتے ہوئے جنگل کے کنارے والے درختوں کے پاس آ کر چھپ گیا...... اب اسے ایک خطرناک مرحلے سے گزرنا تھا...... یہ دونوں واچ ٹاور کی سرچ لائٹوں کی روشنیاں تھیں۔

دونوں واچ ٹاوروں پر جو مشین گنوں کے مورچے تھے فائرنگ کی آوازیں سن کر وہ بھی چوکس ہو گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ پیچھے کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی مشین گنوں کے برسٹ فائر کرنے شروع کر دیئے...... گولیاں درختوں کی ٹہنیوں سے ٹکراتی اور انہیں چیرتی ہوئی نیچے گرنے لگیں...... شیر خان سمجھ گیا کہ مشین گن پوسٹوں سے نیچے فائر آ رہا ہے...... سرچ لائٹ کی روشنیوں کے دائرے بھی تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کرنے لگے تھے، لیکن کمانڈو شیر خان کو ہر حالت میں وہاں سے نکلنا تھا...... وہ درختوں کی آڑ لیتا جنگل کے آخری کنارے پر اس جگہ آ گیا جہاں ایک چھوٹا ٹیلہ تھا...... روشنیوں کے دائرے جلدی جلدی ایک دوسرے کے آگے پیچھے سامنے سے گزر رہے تھے...... اوپر سے فائرنگ بھی ہو رہی تھی...... کمانڈو شیر خان اس صورت حال میں جتنا اندازہ لگا سکتا تھا اس نے اپنے ذہن میں اندازہ لگایا اور پیٹ کے بل رینگتا آگے بڑھا...... ایک بار جب روشنی کے دائرے دائیں جانب کو جانے کے بعد واپس بائیں جانب کو آتے ہوئے اس کے سامنے سے گزر گئے تو شیر خان کہنیوں کے بل بڑی تیزی سے رینگتا ہوا سرچ لائٹ کی زد سے باہر نکل گیا۔

چاند غروب ہو چکا تھا...... سامنے ویران میدان تھا جس پر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... کمانڈو شیر خان نے دوڑنا شروع کر دیا...... وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اب تک ریسرچ سنٹر کی آرمی سیکورٹی کمانڈو بٹالین کو ڈاکٹر پلائی کے قتل کا علم ہو چکا ہو گا اور بہت جلد فوج اس سارے علاقے کی ناکہ بندی کر لے گی، چنانچہ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا...... وہ جس راستے سے آیا تھا اسی راستے پر واپس جا رہا تھا...... دوڑتے ہوئے ہی اس نے میدان عبور کر لیا...... سامنے زمین سے اونچائی پر ریلوے لائن گزرتی تھی...... اسے اسی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چل کر اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچنا تھا۔

ریلوے لائن بھی رات کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی...... جنگل کی طرف سے

فائرنگ کی آوازیں اب بند ہو گئی تھیں...... فوج کے کمانڈو دستے اور انٹیلی جنس والے شیر خان اور شاہد علی کی تلاش میں نکل آئے ہوں گے...... وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کافی تیز رفتاری سے چلا جا رہا تھا...... اس کی پناہ گاہ تک کا فاصلہ کافی طویل تھا...... تقریباً پچاس کلومیٹر کا فاصلہ تھا...... یہ پیدل چل کر یا دوڑ کر طے نہیں ہو سکتا تھا...... شیر خان یہی سوچ رہا تھا کہ اگر وہ کسی چھوٹے مضافاتی سٹیشن تک پہنچ جائے تو ہو سکتا ہے اسے کوئی گاڑی مل جائے جو مجورا شہر کی طرف جا رہی ہو...... مجورا شہر کے نام کا تلفظ مدورا اور مدورائی بھی کیا جا سکتا ہے...... ہم نے مجورا لکھا ہے تو اب اسے اسی طرح پکاریں گے...... یہ وضاحت میں نے اس لئے ضروری سمجھی تھی کہ جو لوگ اس شہر سے واقف ہیں کہیں وہ میرے مجورا لکھنے پر اعتراض نہ کریں اور میں تو جنوبی ہندوستان کے شہر میں نہ صرف کئی بار جا چکا ہوں بلکہ میں نے یہاں کے ناگ مندر بھی دیکھے ہیں۔

دستی بم ابھی تک شیر خان کی جیب میں تھے...... سٹین گن بھی اس کے پاس ہی تھی...... یہ اسلحہ اسے کسی بھی جگہ پولیس کے ہاتھوں پکڑوا سکتا تھا، چنانچہ اس سے وقتی طور پر نجات حاصل کرنی بہت ضروری تھی...... ایک جگہ ریلوے لائن کے ساتھ سگنل کا کھمبا آ گیا...... کھمبے پر سگنل کی سرخ بتی روشن تھی...... وہاں ڈھلان پر ایک جگہ اینٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا...... شیر خان کو اسلحہ چھپانے کے لئے وہ جگہ موزوں دکھائی دی...... اس نے جلدی جلدی اینٹوں کو ایک جگہ سے ہٹا کر اندر کافی جگہ بنالی...... اس میں اپنی سٹین گن اور دستی بم اور فالتو میگزین چھپا کر اس پر اینٹیں اس طرح رکھ دیں کہ کسی کو شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ اس کے اندر کوئی شے چھپائی گئی ہے...... سگنل کے کھمبے کی نشانی جگہ تلاش کرنے کے لئے کافی تھی...... اس نے یہی سوچا کہ بعد میں قطب الدین وغیرہ اپنا کوئی آدمی بھیج کر وہاں سے اسلحہ نکال کر لے جائے گا۔

اس کے پاس صرف کمانڈو چاقو ہی رہ گیا تھا، چونکہ اس کی وردی شکاریوں والی تھی، اس لئے کسی کو اس کے چاقو پر اعتراض نہیں ہو سکتا تھا...... ایک جگہ ریلوے

پھاٹک آ گیا...... وہاں سے ایک سڑک ریل کی پٹڑی سے اتر کر اس طرف جاتی تھی جس طرف شہر تھا۔

کمانڈو اس خیال سے ریلوے لائن سے اتر کر سڑک پر چل پڑا کہ شاید یہ سڑک آگے جا کر شہر کو جانے والی بڑی سڑک کے ساتھ مل جاتی ہو اور وہاں سے اسے شہر کو جاتا کوئی ٹرک وغیرہ مل جائے...... رات کے اندھیرے میں ریلوے پھاٹک والی سڑک سنسان پڑی تھی...... کچھ دُور تک کھیتوں اور درختوں کے ساتھ چلتے رہنے کے بعد اس سڑک نے شیر خان کو بڑی سڑک پر پہنچا دیا...... شیر خان کو معلوم تھا کہ شہر کس سمت پر ہے...... یہ بڑی سڑک اسی سمت کو جا رہی تھی اور اس پر بجلی کی بتیاں بھی فاصلے فاصلے پر روشن تھیں...... وہ سڑک سے تھوڑا ہٹ کر شہر کی جانب پیدل ہی چلنے لگا...... شہر کی طرف سے ایک دو ٹرک آ کر گزر گئے...... پیچھے سے بھی ایک ٹرک آیا...... شیر خان نے اسے ہاتھ دیا مگر وہ نہ رُکا...... پھر ایک پرائیویٹ گاڑی آئی اور وہ بھی اس کے اشارے پر نہ رکی اور آگے نکل گئی...... کچھ دیر کے بعد پیچھے سے پھر کسی گاڑی کی روشنی دکھائی دی تو شیر خان نے ہاتھ کا اشارہ دیا...... یہ ایک ٹرک تھا جس پر لکڑیوں کے شہتیر لدے ہوئے تھے...... خدا جانے ڈرائیور کے ذہن میں کیا آیا کہ اس نے ٹرک آگے جا کر سڑک کے کنارے روک لیا۔

کمانڈو شیر خان دوڑ کر ٹرک کے پاس گیا...... اس کا ڈرائیور نوجوان تامل تھا...... اس نے تامل زبان میں ہی پوچھا۔

"کہاں جانا ہے بابو؟"۔

شیر خان نے بھی تامل زبان میں جواب دیا۔

"مجورا جانا ہے"۔

ڈرائیور نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ"۔

شیر خان ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا...... ٹرک چل پڑا...... ڈرائیور نے پوچھا۔

''اس وقت رات کو تم کہاں سے آ رہے ہو؟''۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

''ایک شکار پارٹی کے ساتھ ہرن کا شکار کھیلنے جنگل میں گیا تھا...... پارٹی سے بچھڑ کر جنگل میں بھٹک گیا''۔

ٹرک پر بڑا بھاری بوجھ لدا ہوا تھا...... اس کی رفتار ہلکی تھی...... اس نے مجورا شہر میں پہنچتے پہنچتے دو گھنٹے لگا دیئے...... رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا...... شہر کی مارکیٹوں، شاپنگ سنٹروں اور بلند عمارتوں پر نیون سائن کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں مگر سڑکیں تقریباً خالی پڑی تھیں...... کسی کسی وقت کوئی گاڑی گزر جاتی تھی...... ٹرک شہر میں داخل ہو گیا تھا...... کمانڈو شیر خان یک خاص جگہ پر اتر گیا...... وہاں سے پیدل ہی مجورا کے مجاہدوں کے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل پڑا، جس وقت وہ وہاں آسمان پر صبح کاذب کی نیلاہٹ جھلملانے لگی تھی۔

دکن کا ماسٹر سپائی رشید احمد اور مجورا کا ماسٹر سپائی مجاہد قطب الدین دونوں خفیہ ٹھکانے پر موجود تھے اور دونوں ہی چائے کی چینک اور پیالیاں سامنے رکھے جاگ رہے تھے...... کمانڈو شیر خان کو اکیلا آتے دیکھ کر رشید احمد نے پہلا سوال ہی یہی کیا۔

''کیا ہوا؟''۔

کمانڈو شیر خان نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر پلائی کا قصہ پاک کر دیا ہے...... گن کے دو برسٹ اس کے سینے اور پیٹ اور ایک برسٹ اس کی کھوپڑی سے پار کر دیا تھا''۔

''زندہ باد؟''۔

قطب الدین اور رشید احمد نے بیک وقت کہا۔

''لیکن شاہد علی کہاں ہے؟'' قطب الدین نے پوچھا۔

کمانڈو شیر خان نے اسے ساری کہانی سنا دی اور کہا۔

''میں نے اسے ڈاکٹر پلائی کے کمرے کی چھت سے دوسری طرف چھلانگ لگاتے دیکھا تھا...... گارڈ کے سنتری فائرنگ کرتے اس کے پیچھے ضرور بھاگے تھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ مجاہد شاہد علی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہو گا...... وہ صبح تک یہاں پہنچ جائے گا''۔

لیکن کمانڈو شیر خان کو معلوم نہیں تھا کہ مجاہد شاہد علی کے ساتھ کیا گزری تھی...... یہ ہم آپ کو بتاتے ہیں...... مجاہد شاہد علی نے چھت پر سے دیکھ لیا تھا کہ شیر خان نے ڈاکٹر پلائی کا کام تمام کر دیا ہے، لیکن ناگ داسی کی چیخوں کی وجہ سے وہاں سیکورٹی گارڈ کے سنتریوں اور فوجی سپاہیوں کی جانب سے جو اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی تھی اور جس کے جواب میں شیر خان نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی تھی اس کے بعد شاہد علی نے بھی اوپر سے شیر خان کو تحفظ مہیا کرنے کے لئے فائر کھول دیا...... سپاہیوں نے اسے دیکھ لیا اور اس کو پکڑنے یا ہلاک کرنے کے لئے گولیاں برساتے اس زینے کی طرف دوڑے جو چھت پر جاتا تھا...... اب شاہد علی کے لئے وہاں سے فرار ہونا لازمی ہو گیا تھا، چنانچہ اس نے چھت کی دوسری طرف جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی...... جھاڑیاں کافی گھنی تھیں...... وہاں گرنے سے اسے کوئی چوٹ وغیرہ نہ لگی...... وہ جھاڑیوں سے نکل کر اندھیرے میں جنگل کی طرف دوڑ پڑا...... سپاہیوں نے اسے چھلانگ لگاتے دیکھ لیا تھا...... انہوں نے اس پر گولیاں برسانی شروع کر دیں...... گولیاں درختوں کے پتوں اور شاخوں کو اڑاتی ہوئی گزر رہی تھیں، لیکن شاہد علی ان کی زد سے نکل گیا۔

سمت کا اسے اندازہ تھا...... کشمیر کے جنگلوں میں وہ بھارتی فوجیوں کے خلاف اس قسم کے کئی معرکے انجام دے چکا تھا...... وہ جنگلی پودوں اور جھاڑیوں میں سے بھاگتا ہوا اس سمت کو جا رہا تھا جدھر جنگل کا کنارہ تھا اور جہاں سے وہ شیر خان کے ساتھ جنگل

میں داخل ہوا تھا...... رات کے اندھیرے میں جنگل کے راستے کو پہچاننا اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی...... اس کے پیچھے فائرنگ کے دھاکے ضرور ہو رہے تھے مگر گولیاں اس کے اوپر سے ہی گزر رہی تھیں...... دوڑتے دوڑتے وہ جنگل کے اس تنگ راستے پر آ گیا جو درختوں کے نیچے سے ہوتا ہوا جنگل کی سرحد تک چلا گیا تھا...... اب وہ دوڑ نہیں رہا تھا...... اندھیرے میں زیادہ سے زیادہ تیز تیز چلنے کی کوشش کر رہا تھا...... اس کے پیچھے اب فائرنگ کی آواز کبھی کبھی آ جاتی تھی لیکن یہ آوازیں بہت دُور رہ گئی تھیں...... اسے دُور درختوں کے تنوں کے درمیان روشنیاں اِدھر سے اُدھر گردش کرتی نظر آئیں...... وہ سمجھ گیا کہ یہ جنگل کے کنارے والے واچ ٹاوروں کی سرچ لائٹوں کی روشنیاں ہیں...... اسے ان روشنیوں کے درمیان سے گزر کر جنگل کی سرحد پار کرنی تھی...... وہ محتاط ہو کر چلنے لگا...... روشنیوں کے قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ روشنیاں بڑی تیز تیز گردش کر رہی تھیں۔

اچانک فائرنگ کے دھاکے ہونے لگے...... شاہد علی وہیں ایک درخت کے پیچھے ہو گیا اور سامنے کی طرف دیکھنے لگا...... یہ فائرنگ واچ ٹاوروں کی مشین گن پوسٹوں سے کی جا رہی تھی...... اس کو شیر خان کا خیال آ گیا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ بھی اس جگہ سے جنگل عبور کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور اسے دیکھ کر سپاہیوں نے فائرنگ شروع کر دی ہو...... اس نے اس جگہ سے جنگل سے باہر نکلنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جنگل کی دوسری سمت کی جانب چل پڑا...... جنگل کے اس علاقے سے وہ واقف نہیں تھا، لیکن اسے یقین تھا کہ وہ جنگل سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا...... آخر جنگل کسی نہ کسی جگہ جا کر تو ختم ضرور ہو گا...... اس بات کی اسے خوشی تھی کہ ان کا مشن ناکام نہیں رہا تھا اور انہوں نے دشمن اسلام اور دشمن پاکستان ڈاکٹر پلائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا...... جنگل کے جس علاقے میں وہ داخل ہوا تھا وہاں کھائیاں اور گھاٹیاں بہت تھیں چنانچہ اندھیرے میں اسے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑ رہا تھا، مگر وہ

کہیں رُکنے کی بجائے چلتا رہا...... اسے اُمید نہیں تھی کہ جنگل ختم ہو جائے گا، لیکن وہ خلاف توقع جنگل کے مشرقی کنارے کی طرف پہنچ گیا تھا۔

اسے درختوں کے درمیان سے بہت فاصلے پر دو تین روشنیاں جھلملاتی نظر آ رہی تھیں...... یہ کسی سڑک پر لگے ہوئے کھمبوں کی روشنیاں ہو سکتی تھیں...... شاہد علی جلدی جلدی چلنے لگا...... اس کا خیال تھا کہ خفیہ ریسرچ سنٹر والوں نے اس طرف کوئی واچ ٹاور نہیں بنایا، کیونکہ اس طرف سرچ لائٹ کی روشنی کہیں بھی نہیں تھی...... لیکن یہ اس کا خیال غلط تھا...... ریسرچ سنٹر والے اتنے احمق نہیں تھے کہ جنگل کے ایک کنارے پر تو انہوں نے زبردست سیکورٹی کا انتظام کر رکھا ہو اور دوسرا کنارا کھلا چھوڑ دیا ہو...... واچ ٹاور جنگل کے اس کنارے پر بھی تھا اور سرچ لائٹ بھی موجود تھی مگر اسے جان بوجھ کر بجھا دیا گیا تھا...... واچ ٹاور والوں کو وائرلیس پر اطلاع مل چکی تھی کہ ڈاکٹر پلائی کو کشمیری مجاہدین نے قتل کر دیا ہے اور وہ جنگل میں فرار ہوئے ہیں اور جنگل کے اسی علاقے میں سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے، چنانچہ اس اطلاع کے ملتے ہی اس علاقے کی سرچ لائٹ گل کر دی گئی تھیں...... یہ کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو پکڑنے کے لئے ایک ٹریپ تھا...... ایک جال تھا...... واچ ٹاور کی مشین گن پوسٹ سے اندھیرے میں بھی چیزوں کے دُھندلے خاکے دکھانے والی دُوربین سے جنگل کے اس کنارے کے باہر نکلنے والے راستوں کی مسلسل نگرانی ہو رہی تھی۔

مجاہد شاہد علی اس جال سے بے خبر یہ سوچ کر کہ راستہ صاف ہے جلدی جلدی آگے بڑھ رہا تھا...... جنگل کا یہ کنارا جہاں ختم ہوتا تھا وہاں آگے ایک میدان تھا...... ہر طرف خاموشی تھی...... شاہد علی ان درختوں سے باہر نکل آیا اور سامنے کھلے میدان کی طرف بڑھا...... جیسے ہی وہ درختوں سے باہر کھلی جگہ میں آیا اسے مشین گن پوسٹ کے کمانڈر نے اپنی دوربین میں دیکھ لیا...... اس نے فوراً اشارہ کیا...... ایک دم سے سرچ

لائٹ روشن ہو گئی اور اس کی روشنی میں شاہد علی صاف نظر آنے لگا...... شاہد علی دوڑ پڑا، مگر اس کے آگے فوجی پٹرول پارٹی کے چھ مسلح سپاہی پہلے سے گھات لگائے بیٹھے ہوئے تھے...... وہ ایک سیکنڈ میں باہر نکل آئے...... ان سب کی سٹین گنوں کا رُخ شاہد علی کی طرف تھا...... وہ پوری روشنی میں تھا۔

"گن پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھالو...... بھاگنے کی کوشش کی تو چھلنی کر دیں گے"۔

مجاہد شاہد علی سمجھ گیا کہ وہ پھنس گیا ہے اور اب دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے...... اس نے سٹین گن نیچے رکھ دی اور ہاتھ اوپر اٹھالئے...... مشین گن پوسٹ کے کمانڈر کو ریسرچ سنٹر سیکورٹی فورس کے کمانڈر کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ مفرور کمانڈو کو زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے...... اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو بے شک اسے گولی مار دی جائے...... ایسی صورت میں کسی کمانڈو کو زندہ پکڑنا بڑا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس سے اس کے مشن اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی جاسکے اور معلومات حاصل کی جاسکیں۔

مجاہد شاہد علی پکڑا گیا تھا اور زندہ پکڑا گیا تھا۔

فوراً شاہد علی کے دونوں بازو پیچھے سے رسی سے کس کر باندھ دیئے گئے...... اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے شکاری کپڑوں کی جیب میں سے دستی بم اور کمانڈو چاقو بھی برآمد ہو گیا...... اسے پوری طرح حراست میں لینے کے بعد سیکورٹی فورس کے سپاہی اسے دھکیلتے ہوئے لے کر واچ ٹاور کی گن پوسٹ پر لے آئے...... یہاں لا کر انہوں نے مجاہد شاہد علی کے پاؤں میں بھی اس طرح رسی باندھ دی کہ وہ بمشکل چل تو سکتا تھا مگر دوڑ نہیں سکتا تھا...... اسی وقت واچ ٹاور سے پیچھے جنگل کے خفیہ ریسرچ سنٹر میں وائرلیس کر دیا گیا کہ ڈاکٹر پلائی کے قاتلوں میں سے ایک کشمیری کمانڈو کو پکڑ لیا گیا ہے...... ریسرچ سنٹر سے اسی وقت ایک ہیلی کاپٹر اُڑ کر جنگل کے کنارے میدان میں واچ ٹاور کے سامنے آکر اتر گیا...... اس میں ریسرچ سنٹر کی سیکورٹی فورس کا کمانڈر چار

سپاہیوں کے ساتھ بیٹھا تھا...... اس نے واچ ٹاور کو پیغام دیا کہ کشمیری کمانڈو کو ہیلی کاپٹر میں لایا جائے...... شاہد علی کو واچ ٹاور سے اتار کر ہیلی کاپٹر میں بٹھادیا گیا اور ہیلی کاپٹر اسے لے کر پچاس میل کے فاصلے پر مجورا شہر کے فوجی کیمپ میں آ گیا...... وہاں شاہد علی کو کوارٹر گارڈ میں زبردست پہرے کے ساتھ بند کر دیا گیا...... صبح ہوتے ہی اسے فوجی کمانڈوز کی حراست میں ایک فوجی طیارے کے ذریعے حیدر آباد پہنچادیا گیا۔

حیدر آباد کے نواح میں گیارہ مدراس آرٹلری رجمنٹ کا ہیڈکوارٹر تھا...... یہاں مجاہد شاہد علی کو ملٹری انٹیلی جنس کے ٹارچر سیل میں لا کر اس سے پوچھ گچھ اور تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اُدھر جب دوسرے روز بھی مجاہد شاہد علی مجورا کے رضا کاروں کے خفیہ ٹھکانے پر نہ پہنچا تو قطب الدین اور ماسٹر سپائی رشید احمد اور کمانڈو شیر خان کو فکر لگ گئی...... رشید احمد کہنے لگا۔

"کہیں شاہد علی شہید نہ ہو گیا ہو"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں نے اسے ڈاکٹر پلائی کے کمرے کی چھت سے دوسری طرف چھلانگ لگاتے خود دیکھا تھا...... اس کے بعد اگر وہ سیکورٹی گارڈز کے ساتھ جھڑپ میں شہید ہو گیا ہو تو کچھ نہیں کہا جاسکتا"۔

قطب الدین بولا۔

"اس بارے میں پوری تحقیقات کرنی پڑے گی...... اگر وہ شہید ہو گیا ہے تو ہم جنگل سے اس کی میت اٹھالانے کی کوشش کریں گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہوسکتا ہے بھارتی سنتریوں نے شہید کی میت کو کسی گہری کھائی یا گڑھے میں پھینک دیا ہو"۔

قطب الدین کہنے لگا۔

"تلاش کرنے میں کیا حرج ہے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"جنگل کا وہ علاقہ بے حد حساس اور خطرناک علاقہ بن چکا ہے...... وہاں جو رضاکار جائے گا وہ بھی پکڑ لیا جائے گا"۔

قطب الدین نے بڑی جرات مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کام میں خود کروں گا...... میں اپنے شہید ساتھی کی میت پورے احترام کے ساتھ سپرد خاک کروں گا"۔

شیر خان اور رشید احمد خاموش ہو گئے...... وہ قطب الدین کو روک بھی نہیں سکتے تھے...... جب شیر خان نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا تو قطب الدین بولا۔

"تمہارا چہرہ مہرہ پنجاب کے رہنے والوں کا ہے...... تم خواہ کتنی مہارت سے یہاں کی تامل زبان بولو تمہارا لہجہ صاف پہچانا جاتا ہے کہ تم تامل نہیں ہو...... میں یہاں کا باشندہ ہوں...... تامل مسلمان ہوں...... میں اس جنگل کی ایک ایک جگہ سے واقف ہوں...... میں جنگل میں آدھی باسیوں کے بھیس میں بھی جاسکتا ہوں اور جنگلی دیہاتیوں کی زبان اچھی طرح سے بول لیتا ہوں...... بہر حال یہ سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو...... میں آج ہی اپنے مجاہد ساتھی شاہد علی کی تلاش میں جاؤں گا...... اگر وہ شہید ہو گیا ہے تو میں اس کی میت تلاش کرنے کی کوشش کروں گا...... شہید کی میت کسی گہری سے گہری کھڈ میں ہو گی تو میں اس تک پہنچ جاؤں گا...... یاد رکھو...... شہید کی میت سے جنت کی خوشبو آیا کرتی ہے"۔

قطب الدین کے قابل احترام جذبات کے آگے سب نے اپنے سر جھکا دیئے...... اب اسے خفیہ ریسرچ سنٹر کے خطرناک جنگل میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

بھارت کے وسطی اور جنوبی علاقے کے دیہات میں آدھی واسیوں کا ایک ایسا قبیلہ بھی آباد ہے جس کے مرد بندروں کا تماشہ دکھا کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں...... یہ جنگل سے بندر پکڑ کر لاتے ہیں...... انہیں سدھاتے ہیں اور پھر ان کا تماشہ دکھا کر لوگوں، خاص طور پر بچوں کو خوش کرتے ہیں اور لوگ انہیں پیسے...... آٹا وغیرہ دیتے ہیں۔

دن کے ٹھیک ایک بجے قطب الدین نے اپنا حلیہ بندروں کا تماشہ دکھانے والے آدھی باسیوں والا بنایا...... ایک چھوٹا بندر ساتھ لیا...... کپڑے کا میلا سا تھیلا بغل میں لٹکایا...... ہاتھ میں چھڑی پکڑی اور مجورا سے لاری میں سوار ہو کر ریسرچ سنٹر والے جنگل کی طرف چل پڑا...... یہ لاری آگے کسی دوسرے شہر کو جاتی تھی...... پچاس کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جب وہ جگہ آئی جہاں سے ریسرچ سنٹر والا جنگل شروع ہوتا تھا تو قطب الدین لاری سے اتر پڑا اور اس میدان میں چلنے لگا جس کے دوسرے کنارے پر سے جنگل شروع ہوتا تھا اور جہاں دونوں جانب واچ ٹاور بنے ہوئے تھے۔

بندر رسی کے ساتھ بندھا قطب الدین کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... قطب الدین کے ایک ہاتھ میں چھوٹا سا ڈمرو تھا جس کو بجا کر بندروں والے تماشہ دکھاتے اور بندروں کو نچاتے ہیں، مگر وہ ڈمرو بجا نہیں رہا تھا...... اس نے سب کچھ سوچ رکھا تھا کہ جب کوئی فوجی سپاہی اس سے پوچھ گچھ کرے گا تو وہ کیا جواب دے گا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... آسمان بالکل صاف تھا...... قطب الدین کو جنگل سامنے نظر آ رہا تھا...... یہ جنگل خاص طور پر اس کے لئے کوئی نئی جگہ نہیں تھی...... اسے یہ بھی علم تھا کہ سیکورٹی فورس کے واچ ٹاور کس طرف ہیں اور اگر شاہد علی کے ساتھ سیکورٹی گارڈز کے سپاہیوں کی جھڑپ ہوئی ہو گی تو وہ ان دونوں واچ ٹاوروں کے درمیان ہی ہوئی ہو گی اور اگر شاہد علی شہید ہو گیا ہے تو اس کی لاش بھی اسی علاقے میں کسی جگہ پر ملے گی۔

قطب الدین واچ ٹاوروں کے درمیان سے گزرنے کی بجائے ایک واچ ٹاور کے
پہلو سے ہو کر جنگل میں داخل ہو گیا...... احتیاط کے طور پر کہ اس پر کوئی شک نہ کرے
اس نے جنگل کے قریب آتے ہی ڈمرو بجانا شروع کر دیا تھا اور بندر کو اپنے کاندھے
بٹھالیا تھا...... واچ ٹاور کی گن پوسٹ سے سپاہیوں نے قطب الدین کو دیکھا مگر اسے
بندروں کا تماشہ دکھانے والا سمجھ کر اس طرف توجہ نہ دی...... قطب الدین کو اپنے
خاص آدمی کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ جنگل میں ریسرچ سنٹر کس مقام پر ہے، چنانچہ وہ
اسی طرف چلنے لگا...... جنگل کے اندر آکر اس نے ڈمرو بجانا بند کر دیا تھا...... بندر ابھی
تک اس کے کاندھے پر بیٹھا ہوا تھا...... وہ اس سے اپنی آدھی باسی بولی میں بندر نچانے
والوں کی طرح باتیں بھی کرتا جا رہا تھا تاکہ آس پاس اگر کوئی سپاہی موجود ہو تو وہ اس پر
کوئی شک نہ کرے اور اسے بندر نچانے والا ہی سمجھے۔

چلتے چلتے وہ اس پرانے قبرستان تک آگیا جس کی دوسری جانب ریسرچ سنٹر کی
خاردار دیوار اور قتل ہونے والے ڈاکٹر پلائی کے کمرے کی عقبی دیوار تھی...... وہ یہ
سوچنے کے لئے کہ اب اسے کس طرف جانا چاہئے قبرستان میں ایک قبر کے پاس بیٹھ
گیا...... رسی سے بندھا ہوا بندر بھی اس کے سامنے دونوں ہاتھ بغلوں میں دے کر بیٹھ
گیا...... قطب الدین نے تھیلے میں سے چنے نکال کر بندر کے آگے ڈالے اور اس سے
باتیں شروع کر دیں...... اتنے میں اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی
دی...... اس نے پلٹ کر دیکھا...... دو فوجی سپاہی سٹین گنیں کاندھوں سے لٹکائے اس کی
طرف آرہے تھے...... قریب آکر ایک فوجی نے تامل زبان میں پوچھا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

قطب الدین جلدی سے ہاتھ باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا...... بڑی عاجزی سے تامل
دیہاتیوں کی بولی میں بولا۔

"مہاراج! میں راجہ بندر والا ہوں"۔

دوسرے فوجی نے رعب دار آواز میں کہا۔

"وہ تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں کہ تو بندر والا ہے، مگر یہاں کیا کر رہا ہے؟"۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! غریب آدمی ہوں...... بازار سے بندر خرید نہیں سکتا...... جنگل میں
آکر بندر بندریا پکڑتا ہوں اور اسے سدھا کر بچوں کو تماشہ دکھاتا ہوں...... اس وقت
بھی میں کوئی بندر بندریا پکڑنے آیا ہوں"۔

دونوں فوجی تامل ناڈو کے رہنے والے تھے...... انہیں یقین آگیا کہ یہ بندر والا ہی
ہے...... وہ اس کے قریب آگئے اور زمین پر بیٹھے چنے کھاتے بندر کو دیکھنے لگے......
ایک نے پوچھا۔

"کیوں...... یہ بندر ہے یا بندریا؟"۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! یہ بندر ہے...... ہنومان جی کے بنش سے ہے...... بڑا بھاگوان ہے......
جب سے میرے پاس آیا ہے لوگ بڑا دان پن کرتے ہیں"۔

دونوں بھارتی فوجی وہاں پڑے پتھروں پر بیٹھ گئے اور بڑی دلچسپی سے بندر کو تکنے
لگے...... قطب الدین بھی بیٹھ گیا...... اس نے ڈمرو بجا کر کہا۔

"مہاراج بندر کا تماشہ دیکھیں گے؟"۔

ایک فوجی نے اسے سختی سے منع کرتے ہوئے کہا۔

"خبردار یہاں ڈمرو مت بجانا"۔

قطب الدین نے فوراً ڈمرو بجانا بند کر دیا۔

"جو حکم مہاراج!"۔

دوسرے فوجی نے بندر کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم نے سنا ہے کہ جو بندر ہنومان جی کے بنش (خاندان) سے ہوتا ہے اس کے

پاس بڑی زبردست طاقت ہوتی ہے"۔

قطب الدین فوراً سمجھ گیا کہ طاقت سے اس فوجی کی کیا مراد ہے...... ان فوجیوں پر اپنا اثر ڈالنے کے لئے قطب الدین کے ہاتھ ایک بڑا اچھا نقطہ آ گیا تھا...... اس نے فوراً کہا۔

"ہاں مہاراج! اس بندر میں بھی بڑی زبردست طاقت ہے...... جب یہ مستی میں ہوتا ہے تو اس کے جسم سے ایک خاص بو نکلتی ہے جس کی بو سونگھ کر جنگل کی بندریاں دُور دُور سے بھاگ کر اس کے پاس آ جاتی ہیں"۔

"اچھا؟" ایک فوجی نے بڑی دلچسپی سے کہا۔

قطب الدین نے ان بھارتی فوجیوں کی دُکھتی رگ پکڑ لی تھی...... کہنے لگا۔

"ہاں مہاراج! جنگل کی ساری بندریاں خواہ چھ ہوں خواہ دس ہوں اس بندر کے آگے پیچھے پھرنے لگتی ہیں"۔

دوسرے فوجی نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"پھر تمہارا بندر کیا کرتا ہے؟"۔

قطب الدین ہنس پڑا، کہنے لگا۔

"مہاراج! پھر میرا بندر تمام بندریوں سے بیاہ رچا لیتا ہے"۔

"سب بندریوں سے؟" پہلے فوجی نے حیران ہو کر کہا۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! میرا بندر ہنومان جی کے بنش سے ہے، اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ دنیا کی ساری بندریوں کو اپنی پتنی بنا سکتا ہے"۔

دوسرے فوجی نے للچائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دوست! یہ بتاؤ...... اس کی یہ طاقت ہمیں نہیں مل سکتی؟"۔

قطب الدین ان بھارتی سپاہیوں کو جس مقام پر لانا چاہتا تھا وہ اس جگہ پر آ گئے

تھے...... اس نے ٹال مٹول کرنے کے انداز میں جواب دیا۔

"یہ بڑا مشکل کام ہے مہاراج...... یہ بندر ہر ماہ پہاڑیوں میں نکل جاتا ہے اور پہاڑیوں کا ست سلاجیت کھاتا ہے"۔

"یہ سلاجیت کیا ہوتی ہے؟" ایک فوجی نے پوچھا۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! یہ پہاڑوں کی مستی ہوتی ہے، پہاڑیوں میں یہ ایسی جگہوں پر پتھروں کے ساتھ چمٹی ہوتی ہے کہ جہاں کسی انسان کا گزر نہیں ہوتا...... صرف یہ خاص بندر ہی اس کی بو سونگھ کر اس تک پہنچ جاتا ہے"۔

دوسرے فوجی نے بے چین ہو کر کہا۔

"راجہ! اگر تم ہمیں یہ سلاجیت لا دو تو ہم تمہیں منہ مانگے پیسے دیں گے...... تمہارا گھر کہاں ہے؟"۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! یہاں قریب ہی ہے"۔

اس کے فوراً بعد قطب الدین نے اپنے اصل مطلب پر آتے ہوئے بڑا انجان بن کر پوچھا۔

"مہاراج کل رات کو ادھر بڑی گولیاں چلنے کی آواز آئی تھی...... کوئی ڈاکو آ گئے تھے کیا مہاراج؟"۔

پہلے فوجی نے بے نیازی سے کہا۔

"ڈاکو نہیں ایک اٹنک وادی (دہشت گردی) آ گیا تھا"۔

قطب الدین نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"سالے کو مار ڈالنا تھا وہیں"۔

فوجی نے کہا۔

"ارے بے وقوف اٹنک وادی (دہشت گرد) زندہ ہاتھ آجائے تو اس کی گردن دبا کر پوچھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں...... اس طرح ہم اس کے باقی ساتھیوں کو بھی پکڑ لیتے ہیں"۔

قطب الدین نے احمقوں کی طرح گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی...... یہ تو آپ نے ٹھیک کہا...... تو کیا آپ نے اس دہشت گرد کو پکڑ لیا تھا نا؟"۔

"کیوں نہیں" دوسرے فوجی نے بڑی شان سے کہا...... "پکڑ بھی لیا اور اسے حیدر آباد کے فوجی کیمپ میں بھی پہنچا دیا...... تم ان باتوں کو چھوڑو اور ہماری بات کا جواب دو...... کیا تم ہمیں وہ سلاجیت لا کر دے سکتے ہو جو ہنومان جی کے بندر کھاتے ہیں؟ ہم تمہیں بڑے روپے دیں گے"۔

سارا منصوبہ قطب الدین کے دماغ میں آ چکا تھا...... اس نے کہا۔

"مہاراج! ہمارے قبیلے میں کسی باہر کے آدمی کو ہنومان جی کے بندر کی سلاجیت دینا بہت بڑا پاپ سمجھا جاتا ہے...... میں نے آپ کو سلاجیت دی اور قبیلے والوں کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

دونوں فوجی اور زیادہ بے تاب ہو گئے...... ایک نے کہا۔

"راجہ! ہم سے بھگوان کی شپت لے لو...... ہم تمہارا راز کسی کو نہیں بتائیں گے...... بس تم ہمیں ہنومان جی کی سلاجیت لا کر دے دو...... کہو کب لاؤ گے؟ ہم تمہیں ایک ہزار روپیہ دیں گے؟ کیا ہم تمہارے گاؤں آ جائیں"۔

قطب الدین نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"نا مہاراج نا...... یہ کام نہ کرنا...... میرے گاؤں آئے تو سب کو شک پڑ جائے گا کہ راجہ سے سلاجیت لینے آئے ہیں"۔

دوسرے فوجی نے کہا۔

"تو پھر تم کل اسی وقت سلاجیت لے کر یہاں آ جاؤ...... ہم ایک ہزار روپیہ لے کر اسی جگہ تمہارا انتظار کریں گے"۔

قطب الدین نے ترپ کا پتہ پھینکتے ہوئے کہا۔

"مگر مہاراج! ہنومان جی کی سلاجیت میرے بھائی کے پاس ہے...... اس کے پاس اتنی سلاجیت ہے کہ آپ دونوں کو ساری عمر کام آئے گی"۔

"تو پھر اپنے بھائی سے لے آؤ، یار ہمیں اس کے پاس لے چلو" پہلے فوجی نے کہا۔

قطب الدین بولا۔

"مہاراج! میرا بھائی حیدر آباد میں رہتا ہے...... میں آپ کے لئے یہ کر سکتا ہوں کہ آپ وہاں پہنچ جائیں...... میں آپ کو اپنے بھائی سے سلاجیت لے کر دے دوں گا...... اکیلے آپ جائیں گے تو وہ آپ سے بات بھی نہیں کرے گا"۔

پہلا فوجی بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات تم نے کی...... میرا ایک دوست حیدر آباد میں آرٹلری رجمنٹ کا حوالدار ہے، اس کا نام حوالدار رام جی ہے...... وہ میرا بچپن کا یار ہے...... میں اس کے نام پرچہ لکھ کر تمہیں دے دیتا ہوں...... تم اسے سلاجیت دے دینا...... وہ تمہیں ہزار روپے دے دے گا، مگر یاد رکھنا...... اگر نقلی سلاجیت دی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا...... قطب الدین کا کام عین اس کے منصوبے کے مطابق ہو رہا تھا...... اس نے کہا۔

"مہاراج! ہم ہنومان جی کے بھگت ہیں...... ان کے نام کی چیز نقلی دی تو ہمیں ان کا سراپ (بددعا) لگے گی...... آپ پرچہ لکھ دیں...... میں حیدر آباد جا کر آپ کے دوست حوالدار رام جی سے مل لوں گا"۔

پہلے فوجی نے کہا۔

"میرا نام لانس نائیک بھگت رام ہے، یاد رکھنا"۔

لانس نائیک بھگت رام نے جیب سے پاکٹ بک نکالی...... پنسل اس کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی...... بھگت رام نے ایک رقعہ لکھ کر قطب الدین کے حوالے کیا اور پوچھا۔

"تم پڑھ لیتے ہو؟"۔

قطب الدین نے ہنس کر کہا۔

"نہیں مہاراج...... ہم تو ان پڑھ ہیں"۔

لانس نائیک بھگت رام نے کہا۔

"پرچے پر میں نے اپنے دوست حوالدار رام جی کا پتہ لکھ دیا ہے...... میں تمہیں سمجھا بھی دیتا ہوں کہ وہ تمہیں کہاں ملے گا"۔

بھگت رام نے قطب الدین کو حیدر آباد میں اپنے دوست حوالدار رام جی کے کوارٹر کا پورا پتہ سمجھایا اور کہا۔

"میں تمہیں حیدر آباد آنے جانے کا ریل کا کرایہ بھی دے دیتا ہوں...... تم آج ہی حیدر آباد چلے جاؤ"۔

سلاجیت کا ان دونوں بھارتی سپاہیوں پر کچھ ایسا نشہ چڑھ گیا تھا کہ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ بندر والا مداری کہیں ان کے پیسے لے کر بھاگ نہ جائے...... بھگت رام نے قطب الدین کو چالیس روپے بٹوے سے نکال کر دیئے، کہنے لگا۔

"یاد رکھو راجہ...... اگر تم نے ہمیں دھوکا دیا تو تم جہاں بھی ہو گے ہم تمہیں تلاش کر لیں گے اور پھر کوارٹر گارڈ میں بند کر دیں گے"۔

قطب الدین نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"نہیں مہاراج نہیں...... ہم ایسا نہیں کر سکتے...... ہم آج ہی حیدر آباد جا کر آپ کے دوست کو یہ پرچہ پہنچا دیں گے"۔

پہلے فوجی نے کہا۔

"بس اب جاؤ...... اس طرف سے باہر نکلنا"۔

قطب الدین نے بندر کو کاندھے پر بٹھایا اور رام رام کہہ کر جس طرف فوجی نے اسے کہا تھا اس طرف چل دیا...... اسے یہاں آنے کی وجہ سے دو کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں...... پہلی کامیابی یہ ہوئی تھی کہ اسے یہ پتہ چل گیا تھا کہ مجاہد شاہد علی شہید نہیں ہوا بلکہ پکڑا گیا ہے اور فوجی اسے حیدر آباد فوجی کیمپ میں لے گئے ہیں...... دوسری کامیابی یہ حاصل ہوئی تھی کہ اسے حیدر آباد کے بھارتی فوجی کیمپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہاتھ آ گیا تھا...... یہ ذریعہ حیدر آباد میں مقیم آرٹلری رجمنٹ کا حوالدار رام جی تھا جسے قطب الدین نے ملنا تھا اور اسے لانس نائیک بھگت رام کا خط پہنچانا تھا...... یہ خط تامل زبان میں لکھا ہوا تھا...... قطب الدین نے اسے پڑھ لیا تھا...... اس میں حوالدار رام جی کو تاکید کی گئی تھی کہ مداری راجہ کا بھائی تمہیں جو سلاجیت دے گا اسے اچھی طرح سے پرکھنا اور اگر وہ اصلی ہوئی تو مداری راجہ کو ایک ہزار روپے دے دینا۔

قطب الدین اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

اس نے ماسٹر سپاہی رشید احمد کو اور شیر خان کو ساری داستان سنائی اور کہا۔

"مجھے اُمید نہیں تھی کہ مجھے اتنی بڑی کامیابی اچانک حاصل ہو جائے گی"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"مجھے یقین ہے کہ حیدر آباد میں حوالدار رام جی سے مل کر تمہیں مجاہد شاہد علی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو جائے گا"۔

قطب الدین بولا۔

"میں زیادہ سے زیادہ سراغ رسانی کرنے بلکہ اس حوالدار کے ذریعے شاہد علی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا...... اس کے بعد دیکھوں گا کہ میں اسے کیمپ سے نکالنے کے لئے کیا کر سکتا ہوں"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا...... شیر خان بھی ہمارے ساتھ جائے گا...... حیدر آباد میرا ہیڈ کوارٹر ہے...... وہاں ہمیں ہر قسم کی سہولت میسر آ سکتی ہے"۔

قطب الدین بولا۔

"تمہارا ساتھ جانا بہت ضروری ہے...... ہم آج ہی کسی گاڑی سے حیدر آباد روانہ ہو جائیں گے"۔

شام کے وقت ایک گاڑی حیدر آباد جاتی تھی...... تینوں مجاہد رشید احمد، شیر خان اور قطب الدین گاڑی میں سوار ہو کر حیدر آباد روانہ ہو گئے...... کافی لمبا سفر تھا...... انہیں ساری رات اگلا سارا دن اور اگلی ساری رات ٹرین میں گزر گئی...... اگلے دن صبح کے وقت وہ حیدر آباد پہنچے۔

حیدر آباد پہنچتے ہی وہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر آ گئے...... وہاں دوسرے مجاہدوں اور رضاکاروں سے بھی ملاقات ہو گئی...... قطب الدین کہنے لگا۔

"اس وقت حوالدار رام جی فوجی کیمپ میں ڈیوٹی پر ہو گا...... میں اسے شام کو اس کے کوارٹر میں جا کر ملوں گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"مگر اس کا کوارٹر بھی تو کیمپ کے اندر ہی ہو گا...... کیا سنتری تمہیں اندر جانے کی اجازت دیں گے...... تم آدھی باسی دیہاتیوں کے حلیے میں ہو گے"۔

قطب الدین نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... میں اس کا بندوبست کر لوں گا"۔

شام ہوتے ہی قطب الدین نے تامل ناڈو کے دیہاتیوں ایسا حلیہ بنایا اور حوالدار رام جی کے کوارٹر کی طرف چل پڑا جو مدراس آرٹلری رجمنٹ کے کیمپ میں تھا...... کیمپ شہر سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں تھا...... چاروں طرف خاردار تاروں کی دیوار تھی...... گیٹ پر ایک فوجی سنتری پہرہ دے رہا تھا...... قطب الدین نے سنتری کو جا کر دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور کہا۔

"مہاراج! میرا نام راجہ بھیکو ہے...... مجھے حوالدار رام جی سے ملنا ہے...... میں اس کے چچا جی کا بڑا ضروری سندیسہ لے کر گاؤں سے آیا ہوں"۔

سنتری نے قطب الدین کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور کہا۔

"اس طرف ہو کر بیٹھ جاؤ...... میں اس کو خبر کرتا ہوں"۔

قطب الدین ایک طرف ہو کر زمین پر ہی بیٹھ گیا...... سنتری نے گارڈ روم میں جا کر ٹیلی فون پر کسی سے کچھ دیر بات کی اور باہر آ کر بولا۔

حوالدار رام جی آ رہا ہے...... یہیں بیٹھے رہو۔

"بہت اچھا مہاراج" قطب الدین نے عاجزی سے کہا۔

کچھ دیر کے بعد ایک گہرے سانولے رنگ کا آدمی فوجی وردی میں چلتا گیٹ پر آ گیا......اس نے سنتری سے پوچھا۔

"کون آیا ہے میرے گاؤں سے جوان؟"۔

سنتری نے کہا۔

"سر! وہ آدمی آیا ہے"۔

اس نے قطب الدین کی طرف اشارہ کیا...... حوالدار رام جی گیٹ سے نکل کر قطب الدین کی طرف بڑھا...... قطب الدین بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا......اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر حوالدار کو پرنام کیا...... حوالدار رام جی نے تلگو زبان میں پوچھا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"۔

حوالدار رام جی اسی صوبے یعنی آندھرا پردیش کا رہنے والا تھا...... قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج! آپ کے نام ایک ضروری خط لایا ہوں"۔

"کس نے دیا ہے خط؟" حوالدار نے پوچھا۔

قطب الدین نے جیب سے خط نکالتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! آپ کے دوست لانس نائیک بھگت رام نے دیا ہے جو مجورا کیمپ میں ہے"۔

بھگت رام کا نام سن کر حوالدار رام جی کی حیرانی ذرا کم ہو گئی...... کہنے لگا۔

"تم اسے کہاں ملے تھے؟"۔

قطب الدین بولا۔

"مہاراج! آپ خط پڑھ لیں...... آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا"۔

حوالدار رام جی نے کھڑے کھڑے سارا خط پڑھ ڈالا...... خط پڑھنے کے بعد اس کے چہرے پر ایک خوشگوار سی تبدیلی نمودار ہو گئی تھی...... لگتا تھا کہ وہ خود ہنومان جی کی سلاجیت کا ضرورت مند تھا اور اسے اس کی تلاش تھی...... وہ قطب الدین کو کیمپ کے گیٹ سے ذرا پرے ایک درخت کے نیچے لے آیا اور پوچھا۔

"یہ سلاجیت تمہارے بھائی کے پاس ہے؟"۔

قطب الدین بولا۔

"ہاں مہاراج! میرے بھائی کے پاس ہے اور وہ حیدر آباد میں ہی رہتا ہے"۔

حوالدار نے کہا۔

"کان کھول کر سن لو...... مجھے سلاجیت کی بڑی پہچان ہے...... اگر تمہاری سلاجیت نقلی ہوئی تو تم جہاں بھی ہو گے تمہاری گردن پکڑ لوں گا"۔

قطب الدین بولا۔

"مہاراج! ہم ہنومان جی کے بھگت ہیں، ہنومان جی کے مال میں ملاوٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے...... آپ کو مال بالکل کھرا ملے گا"۔

حوالدار رام جی کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے تم آج رات کے گیارہ بجے چوک چار مینار میں آ جانا...... وہاں ایک چائے کا ہوٹل ہے جس کا نام کرشنا ریسٹورنٹ ہے...... میں تمہیں وہیں ملوں گا...... تمہاری رقم میں اپنے ساتھ لیتا آؤں گا، مگر یاد رکھو مال اصلی ہونا چاہئے"۔

قطب الدین کو معلوم تھا کہ وہ رات کو سلاجیت نہیں لا سکتا تھا...... سلاجیت کا بندوبست ماسٹر سپائی رشید احمد نے دوسرے دن کرنا تھا، چنانچہ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مہاراج شما کر دیجئے...... مجھے دُور سے آنا پڑتا ہے، رات کو نہیں آ سکوں گا......

آپ کل دن کے وقت وہاں آ جائیں"۔

حوالدار رام جی سوچ میں پڑ گیا...... کہنے لگا۔

"کل دن کے وقت ہمیں ایک خطرناک قیدی کو جھومر پٹی کیمپ لے جانا ہے...... نہیں نہیں...... میں کل دن میں نہیں آ سکتا"۔

قطب الدین کے کان کھڑے ہو گئے...... اس نے انجان سا بن کر کہا۔

"مہاراج! کیا یہ خطرناک قیدی کوئی قاتل ڈاکو ہے"۔

حوالدار رام جی کل دن میں کوئی وقت نکالنے کی سوچ میں اُلجھا ہوا تھا...... اس نے بغیر سوچے سمجھے کہا۔

"ارے نہیں...... یہ کشمیری جاسوس ہے"۔

"مہاراج پھر ضرور یہ شاہد علی ہی ہو گا"۔

قطب الدین نے گنواروں کی طرح گردن ہلاتے ہوئے کہا...... حوالدار رام جی نے چونک کر قطب الدین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟"۔

قطب الدین بولا۔

"مہاراج اس کشمیری جاسوس کا نام تو ہمارے گاؤں میں سب کو معلوم ہے...... ہمارے گاؤں کا مکھیا شام کو ہمیں اخبار کی خاص خاص خبریں سنایا کرتا ہے...... اس میں اس کشمیری اٹنک وادی (دہشت گرد) کی خبریں بھی ہوتی ہیں کہ اس نے فلاں جگہ بم کا دھماکہ کیا...... فلاں جگہ ہمارے جوانوں کے کیمپ پر حملہ کیا...... میں نے سوچا کہ ضرور یہ وہی اٹنک وادی ہو گا"۔

حوالدار رام جی کو قطب الدین کی وضاحت پر یقین سا ہو گیا تھا...... اس نے بے دلی سے کہا۔

"ہاں وہی مصیبت ہے...... پوری رجمنٹ اس کی نگرانی کے لئے ساتھ جارہا

ہے...... ایسا کرو تم کل اسی وقت یعنی شام کا ٹائم رکھ لو"۔

اب قطب الدین کو کوئی ٹائم طے کرنے یا نہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی...... اسے اب صرف خانہ پری ہی کرنی تھی...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج! ہم کل شام ٹھیک چھ بجے چار مینار والے کرشنا ریسٹورنٹ میں آپ کا مال لے کر پہنچ جائیں گے"۔

حوالدار رام جی بولا۔

"مجھے پہچان لو گے نا؟ میں وردی میں نہیں ہوں گا...... سویلین ڈریس میں ہوں گا"۔

قطب الدین نے کہا۔

"مہاراج پہچانوں گا کیوں نہیں...... اچھا مہاراج اب چلتا ہوں...... کل شام کو ملاقات ہو گی"۔

"سلاجیت لانا مت بھولنا" حوالدار بولا۔

"کیوں نہیں مہاراج! بے فکر ہو کر جائیں" قطب الدین نے کہا۔

اس کے بعد حوالدار رام جی کیمپ کے گیٹ کی طرف چلا گیا اور قطب الدین واپس اپنی تنظیم کے حیدر آباد والے خفیہ ہیڈ کوارٹر کی طرف چل پڑا۔

ماسٹر سپائی، شیر خان اور دوسرے ضاکار اس کا انتظار کر رہے تھے...... قطب الدین نے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ کر ماسٹر سپائی رشید احمد کو ساری کہانی بیان کر دی اور کہا۔

"شاہد علی کو کل دن کے وقت جھومر پٹی کے فوجی کیمپ میں لے جایا جارہا ہے...... یہ فوجی کیمپ کس جگہ پر ہے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"یہ حیدر آباد سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ایک نیم پہاڑی علاقے میں ہے...... یہ کوئی اتنا بڑا کیمپ نہیں ہے...... کانٹے دار تاروں کی دیواریں کھڑی کر کے اندر دو چار

بیر کیس بنادی گئی ہیں...... پرانا کیمپ ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"کیا ہم راستے میں حملہ کر کے شاہد علی کو نہیں چھڑا سکتے؟"۔

قطب الدین نے جواب میں کہا۔

"حوالدار رام جی نے بتایا تھا کہ پوری ایک رجمنٹ شاہد علی مجاہد کی نگرانی کے لئے ساتھ جا رہی ہے...... ہم پوری رجمنٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتے"۔

کچھ دیر کے لئے وہاں سب خاموش ہو گئے...... رشید احمد کہنے لگا۔

"لیکن اس بات کی تصدیق کرنی ضروری ہے کہ یہ لوگ کمانڈو شاہد علی کو ہی جھومر پٹی لے کر جا رہے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"شہر سے باہر باہر ایک سڑک جھومر پٹی کے پرانے کیمپ کو جاتی ہے...... ہم وہاں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور دیکھیں گے کہ وہاں سے یہ فوجی شاہد علی کو لے کر گزرتے ہیں کہ نہیں"۔

قطب الدین نے کہا۔

"لیکن انہوں نے کمانڈو شاہد علی کو کسی کھلی جیپ میں تھوڑی بٹھایا ہوا ہو گا...... وہ تو ہمیں دکھائی نہیں دے گا"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن فوج کی رجمنٹ کے گزرنے سے کم از کم اس بات کی تصدیق ضرور ہو جائے گی کہ کل دن کے وقت ایک فوجی رجمنٹ جھومر پٹی کیمپ میں جائے گی اور ننانوے فی صد اس بات کا امکان ہے کہ شاہد علی اس رجمنٹ کی حراست میں ہی ہو"۔

قطب الدین بولا۔

"تو پھر ٹھیک ہے...... ہم جھومر پٹی کو جانے والی سڑک پر کسی خاص جگہ چھپ کر بیٹھ جائیں گے...... لیکن ہمیں یہ کیسے معلوم ہو گا کہ یہ فوجی دن میں کس وقت وہاں سے گزریں گے؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"فوجی کانوائے عام طور پر صبح صبح ہی روانہ ہوتے ہیں"۔

رشید احمد بولا۔

"مجھے سو فیصد یقین ہے کہ فوجی صبح صبح ہی شاہد علی کو لے کر جائیں گے...... ہم صبح کی اذان کے ساتھ ہی اپنے سپاٹ کی طرف چل پڑیں گے"۔

چنانچہ اگلے روز صبح کی اذان کے ساتھ ہی ماسٹر سپائی رشید احمد جنوبی بھارت کے شہر مجورا کا چیف قطب الدین، شیر خان کو لے کر خفیہ ٹھکانے سے نکل پڑے اور اس سڑک پر آ کر جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے جو آگے جھومر پٹی کے فوجی کیمپ کو جاتی تھی...... ابھی سورج نہیں نکلا اور رات کا ہلکا پھلکا اندھیرا ہی تھا...... قطب الدین اور رشید احمد ساتھ ساتھ ہی تھے...... شیر خان ذرا دور ایک جھاڑی کے پیچھے چھپا ہوا تھا...... سڑک خالی پڑی تھی...... آہستہ آہستہ دن کا اُجالا نمودار ہو رہا تھا...... قطب الدین نے رشید احمد سے کہا۔

"کہیں فوجی کمانڈو شاہد علی کو لے کر ہم سے پہلے نہ نکل گئے ہوں"۔

رشید احمد نے کہا۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا...... بہر حال ہم انتظار کریں گے"۔

"چونکہ یہ سڑک آگے جھومر پٹی کیمپ پر جا کر ختم ہو جاتی تھی، اس لئے اس پر کوئی ٹریفک نہیں تھی...... صرف ایک فوجی ٹرک گزر گیا تھا...... اس کے بعد سڑک پھر خالی ہو گئی تھی...... مشرق کی جانب پہاڑی ٹیلوں کے پیچھے سے سورج کی طلوع ہوتی کرنوں نے آسمانوں کو روشن کر دیا...... عین اس وقت ایک جیپ بڑی تیزی سے شہر کی

طرف سے آتی ہوئی کیمپ کی طرف نکل گئی۔

رشید احمد بولا۔

"لگتا ہے کوئی کانوائی آرہا ہے"۔

اس کے بعد ایک اور جیپ گزر گئی جس میں مسلح بھارتی فوجی بیٹھے تھے...... اس جیپ کے گزر جانے کے بعد دو جیپیں ایک دوسرے کے آگے پیچھے آئیں...... ان کے پیچھے ایک بکتر بند گاڑی تھی...... بکتر بند گاڑی کے پیچھے پھر دو فوجی جیپیں تھیں جن میں مسلح فوجی کھڑے تھے...... بکتر بند گاڑی اور چاروں جیپیں بڑی تیزی سے سڑک پر سے گزر گئیں...... اس کے بعد سڑک پر خاموشی چھا گئی...... رشید احمد نے کہا۔

"قطب الدین! مجھے یقین ہے کہ اس بکتر بند گاڑی میں کمانڈو شاہد علی کو لے جایا گیا ہے"۔

قطب الدین بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

اس دوران شیر خان بھی جھاڑی کے پیچھے سے اٹھ کر ان دونوں کے پاس آگیا اور کہنے لگا۔

"شاہد علی کو اسی بکتر بند گاڑی میں کیمپ لے جایا گیا ہے...... مجھے پورا یقین ہے؟"۔

وہ تینوں کچھ دیر وہاں چھپ کر بیٹھے رہے...... جب کوئی فوجی گاڑی وہاں سے نہ گزری اور دن بھی کافی نکل آیا تو وہ اٹھے اور واپس چل پڑے...... شیر خان نے قطب الدین سے پوچھا۔

"اب تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

قطب الدین بولا۔

"پہلے تو ہمیں یہ پتہ چلانا ہوگا کہ اس فوجی بکتر بند گاڑی میں کمانڈو شاہد علی کو

تھا...... اس کے بعد یہ کھوج لگانا ہوگا کہ اگر شاہد علی کو جھومر پٹی کیمپ میں ہی لایا گیا ہے تو اسے کس جگہ پر رکھا گیا ہے...... اس کے بعد ہی ہم کوئی ایکشن پلان بنانے کی پوزیشن میں ہوں گے"۔

رشید احمد اور شیر خان خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے...... شیر خان نے رشید احمد سے سوال کیا۔

"یہ بتائیں کہ اس جھومر پٹی فوجی کیمپ میں آپ کا کوئی ایسا آدمی ہے جو ہمیں یہ معلومات فراہم کر سکے کہ شاہد علی کو کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے اور دوسرے یہ بتا سکے کہ اس کیمپ میں فوج کی نفری کتنی ہے اور سیکورٹی کا کیا انتظام ہے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا...... اس سلسلے میں مجھے اپنے رضاکار امجد خان سے بات کرنی ہوگی...... اسے اپنے ان آدمیوں کا سارا پتہ ہے جو مختلف فوجی اور سرکاری محکموں میں ہمیں معلومات فراہم کرنے کے فرائض انجام دے رہے ہیں"۔

اپنے خفیہ ٹھکانے پر واپس آکر رشید احمد نے ایک آدمی بھیج کر رضاکار امجد خان کو بلا لیا...... امجد خان سے پوری بات ہوئی تو اس نے کہا۔

"ہمارا ایک آدمی جھومر پٹی کے فوجی کیمپ میں ضرور موجود ہے...... میں آج رات اسے ساتھ لے کر یہاں آجاؤں گا...... "وہ اس بارے میں بہت کچھ بتا سکے گا...... وہ پچھلے پانچ سال سے اس فوجی کیمپ میں ملازم ہے"۔

رات کے نو بج رہے تھے جب رضاکار امجد خان فوجی کیمپ والے اپنے آدمی کو لے کر آگیا...... ہم اس خاص آدمی کا نہ تو نام بتائیں گے اور نہ اس کا حلیۂ بیان کریں گے، کیونکہ یہ مجاہد آج بھی وہاں اپنے فرائض ادا کر رہا ہے...... رشید احمد نے اس خاص آدمی سے سارا مدعا بیان کیا تو وہ بولا۔

"آج صبح ایک کشمیری مجاہد کو قید کر کے کیمپ میں لایا ضرور گیا ہے مگر نہ تو میں

نے اسے دیکھا ہے اور نہ مجھے یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس کا نام کیا ہے...... یہ میں کل معلوم کرنے کی کوشش کروں گا"۔

رشید احمد نے کہا۔

"کوشش ہی نہیں کرنی بلکہ اس کشمیری مجاہد کا نام ہر حالت میں معلوم کرنا ہے اور یہ بھی پتہ چلانا ہے کہ اسے کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے"۔

شیر خان نے سوال کیا۔

"اس کیمپ میں فوج کی نفری کتنی ہے اور سیکورٹی کے انتظام کی کیا پوزیشن ہے؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"عام حالات میں تو سیکورٹی نارمل ہی ہوتی ہے، یعنی گیٹ پر ایک سنتری ہر وقت پہرے پر موجود ہوتا ہے...... رات کو ایک دو فوجی کبھی کبھی کیمپ کی چار دیواری کا چکر لگا لیتے ہیں، لیکن اب ایک کشمیری مجاہد کو وہاں گرفتار کر کے لایا گیا ہے اس لئے سیکورٹی کا نظام سخت کر دیا گیا ہے...... آج دوپہر کو ہی کیمپ کے گیٹ کی دائیں جانب ایک مشین گن پوسٹ بن گئی تھی اور میرا خیال ہے کہ رات کو بھی پہرے دار سنتریوں کی تعداد بڑھا دی گئی ہوگی"۔

"اور فوج کتنی ہے یہاں پر؟" قطب الدین نے پوچھا۔

خاص آدمی کہنے لگا۔

"یہ انڈین آرمی کی ساتویں انفنٹری ڈویژن کا سپلائی کیمپ ہے...... یہاں انفنٹری کی صرف چار پلاٹون تعینات ہیں...... جن کا پلاٹون کمانڈر ایک مرہٹہ کرنل واڈیکر ہے"۔

"کیا اس کیمپ میں ایمونیشن ڈمپ بھی ہے؟"۔

شیر خان نے پوچھا۔

خاص آدمی نے جواب میں کہا۔

"نہیں نہیں...... یہ کوئی ایمونیشن سپلائی کیمپ نہیں ہے...... یہ فوڈ راشن کا سپلائی کیمپ ہے اور یہاں سے آگے اورنگ آباد قلعے کی فوجی پلاٹونوں کو ہفتے میں ایک بار راشن سپلائی ہوتا ہے......ایمونیشن کی پوزیشن یہ ہے کہ ایک سٹور ہے جس میں عام حالات میں استعمال کئے جانے والا اسلحہ ہر وقت موجود رہتا ہے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"دوست! اب تمہاری یہ ڈیوٹی ہے کہ تم یہ پتہ کرو کہ جو کشمیری مجاہد آج کیمپ میں لایا گیا ہے اس کا نام کیا ہے اور اسے کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے"۔

خاص آدمی نے جواب دیا۔

"یہ میں انشاءاللہ معلوم کر کے کل رات کو اسی وقت آپ کو بتا دوں گا"۔

جب خاص آدمی چلا گیا تو شیر خان نے رشید احمد سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں یہ آدمی معاملے کی پوری سراغ رسانی کر سکے گا؟"۔

ماسٹر سپائی رشید احمد بولا۔

"مجھے اس آدمی پر پورا بھروسہ ہے تم بے فکر رہو...... یہ اپنے محدود وسائل میں رہ کر جتنی جاسوسی کر سکے گا اتنی ضرور کرے گا"۔

وعدے کے مطابق خاص آدمی دوسری رات مجاہدوں کے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا......ماسٹر سپائی رشید نے پوچھا۔

"کہو...... کیا خبر لائے ہو؟"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کشمیری مجاہد کو گرفتار کر کے سپلائی کیمپ میں لایا گیا ہے اس کا نام شاہد علی ہی ہے"۔

ماسٹر سپائی رشید نے شیر خان سے کہا۔

"مجھے پہلے ہی یقین تھا"۔

پھر اس نے خاص آدمی سے پوچھا۔

"شاہد علی کو کہاں رکھا گیا ہے؟"۔

خاص آدمی ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا، پھر کہنے لگا۔

"مجاہد شاہد علی کو جہاں رکھا گیا ہے وہاں کسی باہر کے آدمی کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... کیمپ کا کوئی فوجی بھی کیمپ کمانڈر کی اجازت کے بغیر وہاں نہیں جا سکتا...... اس کے علاوہ کیمپ کے اندر اور باہر سیکورٹی اتنی سخت کر دی گئی ہے کہ کوئی پرندہ بھی اڑتا ہوا وہاں آ جائے تو سیکورٹی کو معلوم ہو جاتا ہے"۔

ماسٹر سپائی رشید اور شیر خان چپ تھے...... خاص آدمی نے پوچھا۔

"سر! یہ کشمیری مجاہد کوئی زبردست کمانڈو لگتا ہے...... اس سے پہلے بھی کیمپ میں کچھ قیدی لائے گئے تھے مگر تب سیکورٹی کا اتنا سخت انتظام نہیں تھا"۔

ماسٹر سپائی رشید نے کہا۔

"شاہد علی سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی ہو گی"۔

خاص آدمی کہنے لگا۔

"میری سراغ رسانی کے مطابق جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اسی کوٹھڑی میں ہو رہا ہے جہاں مجاہد شاہد علی کو بند کیا گیا ہے...... پوچھ گچھ کرنے والے دو فوجی کیمپ کمانڈر واڈیکر کے ساتھ شام کو پوچھ گچھ کے لئے آتے اور گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد واپس چلے جاتے ہیں"۔

خاص آدمی خاموش ہو گیا۔

آخر اس خاموشی کے طلسم کو توڑتے ہوئے کمانڈو شیر خان نے سوال کیا۔

"تم نے تو وہ ساری جگہ دیکھی ہوئی ہے جہاں کمانڈو شاہد علی کو قید میں رکھا ہوا ہے...... یہ بتاؤ کہ یہ کوٹھڑی یا جیل خانہ کیمپ میں کس جگہ پر ہے اور اس کے ارد گرد کیا ہے؟"۔

خاص آدمی بولا۔

"یہ پتھر کی دیواروں والی کوٹھڑی کیمپ کے جنوب کی طرف ہے...... اس کے پیچھے کانٹے دار تاروں والی سات فٹ اونچی دیوار کوٹھڑی سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر ہے"۔

رشید نے شیر خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کانٹے دار تار کی دیوار کو کسی جگہ سے کاٹ کر کیمپ کے اندر پہنچا جا سکتا ہے"۔

یہ سن کر خاص آدمی نے کہا۔

"ان کانٹے دار تاروں میں شام ہوتے ہی بجلی کی رو چھوڑ دی جاتی ہے...... اس کے ان تاروں کے ساتھ خطرے کے سائرن منسلک کر دیئے گئے ہیں...... اس کا دن میں ایک بار میری موجودگی میں تجربہ بھی ہو چکا ہے...... کانٹے دار تار سے کوئی بھی چیز ٹکرائے تو یہ سائرن چیخنے لگتے ہیں"۔

رشید نے کہا۔

"پہلے تو کیمپ میں ایسا انتظام نہیں تھا"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"کشمیری مجاہد کے کیمپ میں لائے جانے کے بعد ہی یہ سارا انتظام کیا گیا ہے تاکہ قیدی کسی حالت میں بھی فرار نہ ہو سکے"۔

کمانڈو شیر خان اس دوران کسی گہری سوچ میں گم بھی تھا اور خاص آدمی کی باتیں بھی سن رہا تھا...... جب اسے معلوم ہوا کہ کیمپ کی کانٹے دار تار والی دیوار میں بھی شگاف نہیں ڈالا جا سکتا تو اس نے خاص آدمی سے پوچھا۔

"کمانڈو شاہد علی کی کوٹھڑی کے باہر پہرے کی کیا پوزیشن ہے"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"کوٹھڑی کے باہر رات کے وقت ایک مسلح فوجی ہر لمحے موجود رہتا ہے......

ایک فوجی رات بارہ بجے تک پہرہ دیتا ہے...... بارہ بجے کے بعد دوسرا فوجی آ کر ڈیوٹی سنبھال لیتا ہے...... کیمپ کے اندر اور باہر سیکورٹی کا نظام اس قدر سخت ہے کہ کوٹھڑی کے باہر صرف ایک گارڈ کو ہی ڈیوٹی پر کافی سمجھا گیا ہے"۔

"کیا کوٹھڑی کو باہر سے تالا لگا ہوتا ہے؟"

کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

خاص آدمی بولا۔

"جی ہاں...... باقاعدہ تالا لگا ہوتا ہے اور اس کی ایک چابی پہرے پر موجود فوجی جوان کے پاس ہوتی ہے اور دوسری چابی کیمپ کمانڈر کے پاس ہوتی ہے...... پہرے پر کھڑے سنتری کے پاس چابی اس لئے رکھی جاتی ہے کہ اگر دن بھر کے تشدد کے باعث قیدی کی حالت رات کو بگڑ جائے اور درد کی شدت سے قیدی کی چیخ و پکار میں اضافہ ہو جائے تو فوجی جوان کیمپ کے میڈیکل افسر کو فوراً اطلاع دے کر اسے قیدی تک فوجی گارڈ کی موجودگی میں پہنچا سکے، کیونکہ کیمپ کمانڈر کو اوپر سے ہدایات ملی ہوئی ہیں کہ کشمیری مجاہدین کو ہر قسم کی اذیت دی جائے مگر اسے ہر حالت میں زندہ رکھا جائے تاکہ اس سے کشمیری کمانڈوز کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جا سکیں"۔

رشید احمد نے پوچھا۔

"کمانڈو شاہد علی کو کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو تو دیتے ہی ہوں گے...... وہ کھانا وغیرہ کون اسے دینے جاتا ہے"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"یہ ڈیوٹی ایک حوالدار کے سپرد ہے جو بڑا متعصب برہمن ہے اور جب وہ ٹین کے ڈبے میں دال اور ایک دو چپاتیاں لے کر شاہد علی کی کوٹھڑی میں جاتا ہے تو دو مسلح سپاہی اس کے ساتھ ہوتے ہیں"۔

ان سب باتوں کو سننے کے بعد ماسٹر سپائی رشید احمد نے کمانڈو شیر خان سے کہا۔

"اب تو ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ شاہد علی کی کوٹھڑی تک ایک سرنگ کھودی جائے"۔

خاص آدمی بولا۔

"یہ بھی ناممکن ہے، کیونکہ یہ کیمپ پتھریلی زمین پر بنا ہوا ہے...... شاید اسی وجہ سے اس فوجی کیمپ میں خطرناک قیدی لا کر رکھے جاتے ہیں کیونکہ اس کیمپ کے نیچے سرنگ نہیں کھودی جا سکتی...... کہتے ہیں کہ گندے پانی کے نکاس کے لئے کیمپ کے نیچے پائپ بچھاتے وقت پورے چھ ماہ لگ گئے تھے...... جدید مشینوں کی مدد سے زمین کے نیچے پتھروں کو توڑ کر پائپ بچھایا گیا تھا"۔

زمین دوز پائپ کے نام پر کمانڈو شیر خان کچھ چونکا...... اس نے خاص آدمی سے کہا۔

"اس پائپ کی لمبائی کتنی ہے؟ کیا تم بتا سکتے ہو؟"۔

خاص آدمی بولا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ لمبائی کتنی ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ کیمپ کا گندا پانی ایک بڑے پائپ کے ذریعے کیمپ کے جنوب میں کوئی ڈیڑھ دو سو فٹ دور جا کر ایک کھائی میں گرتا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے رشید احمد سے کہا۔

"اس پائپ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جا سکتی ہے"۔

شیر خان نے رشید احمد کے جواب کا انتظار کئے بغیر خاص آدمی سے پوچھا۔

"کیمپ کے گٹر کا پانی پائپ کے ذریعے جس کھائی میں گرتا ہے وہ کس جگہ پر واقع ہے؟"۔

خاص آدمی نے بتایا کہ کھائی کیمپ کے عقب کے ٹیلوں میں ایک جگہ پر ہے اور کیمپ کا پانی ایک عرصے سے وہاں گرنے سے ایک نالہ بن گیا ہے...... اس کے بعد

کمانڈو شیر خان نے خاص آدمی سے کہا۔

"دوست! اب تمہیں دو باتیں معلوم کر کے ہمیں بتانی ہیں...... پہلی بات یہ معلوم کرنی ہے کہ ہمارے مجاہد کمانڈو شاہد علی کو اس کیمپ میں زیادہ سے زیادہ کتنے دنوں تک رکھے جانے کا امکان ہے...... دوسری بات یہ معلوم کر کے بتانی ہے کہ کیمپ کے اندر گٹر کے ڈھکن کہاں کہاں پر ہیں"۔

ماسٹر سپائی سمجھ گیا تھا کہ کمانڈو شیر خان کے ذہن میں کون سا منصوبہ ہے...... چنانچہ اس نے خاص آدمی کو تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دونوں باتیں تمہیں کل ہی معلوم کر کے ہمیں بتانی ہیں...... یوں سمجھ لو کہ ہمارے سارے مشن کا دارومدار ان دو باتوں پر ہی ہے"۔

"آپ فکر نہ کریں" خاص آدمی نے کہا...... "میں دونوں باتیں معلوم کر کے آپ کو کل رات اسی وقت آکر بتاؤں گا...... یہ پتہ چلانا کہ کشمیری مجاہد کو کیمپ میں کب تک رکھا جائے گا مشکل کام ہے، لیکن میں کچھ نہ کچھ ضرور کھوج لگا لوں گا"۔

خاص آدمی کے جانے کے بعد رشید احمد اور شیر خان آپس میں باتیں کرنے لگے...... اتنے میں قطب الدین بھی آ گیا...... خاص آدمی نے جو باتیں بیان کی تھیں وہ سب اس کے گوش گزار کر دی گئیں...... قطب الدین بولا۔

"میں ان پہاڑی ٹیلوں سے واقف ہوں جہاں فوجی کیمپ کا پانی کھائی میں گرتا ہے...... ہم کبھی کبھی جنگلی ہرن کا شکار کرنے ادھر جایا کرتے تھے"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کل دن میں کسی وقت ان ٹیلوں میں جا کر یہ دیکھنا چاہئے کہ جس پائپ میں سے کیمپ کا پانی کھائی میں گرتا ہے اس کی چوڑائی یعنی اس کا قطر کتنا ہے"۔

قطب الدین بولا۔

"ہم صبح سویرے ہی نکل چلیں گے"۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا...... دوسرے دن صبح سویرے قطب الدین اور کمانڈو شیر خان اس علاقے کے دیہاتیوں کا بھیس بنا کر خفیہ ٹھکانے سے نکل کھڑے ہوئے...... ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا...... پہاڑی ٹیلوں تک پہنچتے پہنچتے سورج نکل آیا اور چاروں طرف روشنی پھیل گئی...... وہ چھوٹے بڑے پہاڑی ٹیلوں میں جا رہے تھے...... ان ٹیلوں کو جنگلی جھاڑیوں نے چھپا رکھا تھا...... کہیں کہیں تاڑ کے درخت بھی نظر آ رہے تھے...... زمین کہیں پتھریلی تھی اور کہیں سرخ مٹی کی تھی...... گھاس بہت اگا ہوا تھا...... قطب الدین نے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کھائی اس ٹیلے کے پیچھے ہے"۔

وہ آگے چل پڑے...... ٹیلے کے پاس آ کر کمانڈو شیر خان نے دیکھا کہ وہ فوجی کیمپ کے عقب میں آ گئے تھے...... فوجی کیمپ وہاں سے کافی فاصلے پر تھا...... قطب لدین شیر خان کو لے کر کھائی میں اتر گیا...... یہ ایک تنگ کھائی تھی جس کی دونوں ڈھلانوں پر خود رو گھاس اور جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں...... کھائی کے درمیان کہیں ہیں پانی دکھائی دے رہا تھا...... وہ کھائی کی ڈھلان پر چل رہے تھے...... یہاں جھاڑیوں ور گھاس کے درمیان چھوٹی سی پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی...... لگتا تھا کہ دیہاتی لوگ یہاں سے ہی گزرا کرتے ہیں۔

ایک جگہ انہیں پانی گرنے کی آواز سنائی دی...... چند قدم چلنے کے بعد انہوں نے یکھا کہ کھائی کی ڈھلان میں ذرا اندر کر کے ایک گٹر میں سے تھوڑا تھوڑا پانی نیچے پتھروں پر گر رہا تھا...... گٹر کے اوپر لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی...... شیر خان اور قطب لدین اس کے پاس بیٹھ گئے اور غور سے گٹر کے پائپ کو دیکھنے لگے...... پائپ کا قطر انیس یس انچ ہو گا...... کمانڈو شیر خان نے پائپ کی جالی کو پکڑ کر اسے اپنی طرف ہلکا سا جھٹکا یا...... جالی اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی...... اس نے قطب الدین سے کہا۔

"اس جالی کو پلاس سے کاٹنا پڑے گا، لیکن یہ ہم اسی صورت میں کریں گے جب

ہمیں یہ پتہ چلے گا کہ اس پائپ کے گٹر کے ڈھکن فوجی کیمپ کے اندر کہاں کہاں کھلتے ہیں"۔

قطب الدین بولا۔

"شیر بھائی! میں تمہارے منصوبے کو سمجھ گیا ہوں، لیکن کیا تمہارے خیال میں ہم اس منصوبے پر عمل کر سکیں گے؟"۔

"عمل نہ کر سکنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے ڈھکن کیمپ کے اندر کوارٹر گارڈ یا مشین گن پوسٹ کے آگے کھلتے ہوں" شیر خان نے جواب دیا۔

قطب الدین نے کہا۔

"اس منصوبے میں ایک اور رکاوٹ بھی ہے"۔

"مثلاً وہ کیا؟" شیر خان نے پوچھا۔

قطب الدین بولا۔

"وہ یہ کہ جہاں تک میرا خیال ہے سالہا سال سے اس ڈیڑھ سو فٹ لمبے پائپ میں شاید ہی کوئی صفائی کی غرض سے داخل ہوا ہو...... اس پائپ کو پریشر پمپ سے ہی کبھی کبھی صاف کیا جاتا ہوگا جس طرح کہ حیدر آباد کے سرکاری اور فوجی علاقوں کے گٹر صاف کئے جاتے ہیں...... ظاہر ہے اتنی مدت سے بند پڑے رہنے کے بعد پائپ کے اندر زہریلی گیس ضرور پیدا ہو گئی ہوگی، جس کی تھوڑی بہت مقدار پائپ کے اندر ہر وقت موجود رہتی ہوگی"۔

کمانڈو شیر خان نے اس کی بات کو درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا۔

"قطب بھائی! ان باتوں پر بھی غور ہو جائے گا...... پہلے آج رات اپنا آدمی آکر ہمیں یہ تو بتادے کہ کیمپ کے اندر مین ہول کی صورت حال کیا ہے"۔

"یہ تو ہے" قطب الدین نے شیر خان کی تائید کی۔

اس کے بعد وہ اٹھے اور واپس چل پڑے۔

کھائی سے باہر آکر کمانڈو شیر خان نے اس علاقے کا طائرانہ نگاہ سے جائزہ لیا اور قطب الدین سے کہا۔

"میں حیدر آباد میں ضرور رہا ہوں، مگر اس طرف آنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا...... یہ تو بتاؤ کہ جنوب کی طرف یہ پہاڑی ٹیلوں کا سلسلہ کس طرف کو جاتا ہے؟"۔

قطب الدین بولا۔

"زیادہ دُور تک نہیں جاتا...... آگے ایک ویران علاقہ ہے، اس کے بعد جنگل شروع ہو جاتا ہے"۔

"اس جنگل کے آگے کیا ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

قطب الدین بولا۔

"آگے ایک بڑی شاہراہ ہے جو رائے پور شہر' سے ہوتی ہوئی آگے بلادی تک چلی جاتی ہے"۔

کمانڈو شیر خان کو یاد آگیا کہ وہ ایک بار رائے پور کے سٹیشن سے گزرا تھا...... اس نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ رائے پور سے اوپر شمال کی طرف ریل گاڑی کون کون سے شہر کو جاتی ہے"۔

وہ باتیں بھی کر رہے تھے اور پہاڑی ٹیلوں میں سے گزرتے بھی جا رہے تھے...... قطب الدین کہنے لگا۔

"رائے پور سے ٹرینیں مغرب کی جانب شولا پور اور ممبئی تک جاتی ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے اس کے آگے کوئی سوال نہ کیا اور خاموشی سے قطب الدین کے ساتھ چلتا رہا...... قطب الدین نے بھی شیر خان سے اس کے منصوبے کے بارے میں زیادہ تفصیل نہ پوچھی کیونکہ ابھی تک یہ طے نہیں ہو سکا تھا کہ ان کا منصوبہ قابل عمل بھی ہے کہ نہیں۔

وہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچے تو ماسٹر سپائی رشید احمد ان کے انتظار میں تھا...... کمانڈو شیر خان نے اسے پہاڑی ٹیلوں اور اس کھائی کے بارے میں بتایا جس میں فوجی کیمپ کا پانی پائپ کے ذریعے گرتا تھا...... رشید احمد نے شیر خان سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں یہ منصوبہ کامیاب ہو سکے گا؟"۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"اس کا فیصلہ اسی وقت ہو گا جب اپنا خاص آدمی رات کو یہ بتائے گا کہ گٹر کے ڈھکن کیمپ کے اندر کہاں کہاں پر ہیں"۔

رات کے دس بجے کا عمل ہو گا کہ خاص آدمی خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا...... وہ کاپی سائز کے کاغذ کے ورق پر پنسل سے ایک خاکہ سا بنا کر لایا تھا...... اس نے وہ کاغذ شیر خان قطب الدین اور رشید احمد کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔

"یہ کیمپ کے اندر ان جگہوں کا رف سا خاکہ ہے جہاں جہاں سیوریج پائپ کے ڈھکن یعنی مین ہول ہیں"۔

اس نے چار پانچ جگہوں پر چھوٹے گول دائرے بنائے ہوئے تھے...... وہ ایک ایک گول دائرے پر انگلی رکھ کر بتاتا جاتا تھا۔

"یہ مین ہول کیمپ کے کچن کے پیچھے ہے...... یہ مین ہول کا ڈھکن کیمپ کے ایمونیشن سٹور کے عقب میں ہے...... یہ مین ہول کوارٹر گارڈ کے سامنے ہے...... یہ مین ہول اس کوٹھڑی کے عقب میں ہے جہاں کشمیری مجاہد قید ہے"۔

کمانڈو شیر خان اس مین ہول کے دائرے کو غور سے دیکھنے لگا...... اس نے خاص آدمی سے پوچھا۔

"یہ مین ہول جو شاہد علی کی کوٹھڑی کے عقب میں ہے اس کا کوٹھڑی سے فاصلہ کتنا ہے؟ کیا تم اندازے سے بتا سکتے ہو؟"۔

خاص آدمی اپنے ذہن میں اندازہ لگانے لگا...... پھر بولا۔

"میرے اندازے کے مطابق یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ بیس فٹ ہو سکتا ہے"۔

یہ سن کر کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

"کمانڈو شاہد علی کو تمہاری معلومات کے مطابق کب تک اس کیمپ میں رکھا جائے گا"۔

خاص آدمی نے کہا۔

"میں نے جو کھوج لگایا ہے اس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کشمیری مجاہد کو ابھی کم از کم دس پندرہ دن اور کیمپ میں رکھا جائے گا، کیونکہ اس نے ابھی تک ملٹری انٹیلی جنس کو کچھ نہیں بتایا"۔

شیر خان کو اب خاص آدمی سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی...... اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے اسے جتنی معلومات کی ضرورت تھی وہ اسے مل گئی تھیں...... رات گیارہ بجے خاص آدمی واپس چلا گیا...... اس کے بعد تینوں مجاہد یعنی ماسٹر سپائی رشید احمد، قطب الدین اور شیر خان سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

رشید احمد نے شیر خان سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اب تمہیں اپنے منصوبے کی تفصیلات سے ہمیں آگاہ کر دینا چاہئے"۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"میرا منصوبہ یہ ہے کہ ہم جنگلی ٹیلوں میں رات کی تاریکی میں جائیں گے اور کھائی میں کھلنے والے پائپ میں داخل ہو کر پائپ کے اندر ہی اندر سے پہلے مین ہول میں سے کیمپ کے اندر نکل آئیں گے...... خاکے کے مطابق یہ پہلا مین ہول وہ ہے جو اس کوٹھڑی سے بیس پچیس فٹ پیچھے کھلتا ہے جہاں شاہد علی قید ہے...... ہم رات کے اندھیرے میں مین ہول کا ڈھکن الگ کر کے باری باری اس میں سے باہر نکل آئیں گے اور خاموش کمانڈو ایکشن سے کوٹھڑی کے دروازے پر پہرے دینے والے سنتری کو

ہلاک کردیں گے...... اس کے بعد اس کی جیب میں سے کوٹھڑی کی چابی نکالیں گے...... اس چابی کی مدد سے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر شاہد علی کو اپنے ساتھ لے کر دوبارہ مین ہول میں اتر کر پایپ کے اندر ہی اندر کھائی میں آجائیں گے اور کوشش یہی ہوگی کہ کمانڈو شاہد علی کو یہاں اپنے ٹھکانے پر لانے کی بجائے راتوں رات حیدر آباد دکن کی سرحدوں سے نکال کر لے جائیں“۔

رشید احمد نے فوری طور پر کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا...... کمانڈو شیر خاں نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

”شاید تم یہ سوچ رہے ہو کہ یہ منصوبہ ناقابل عمل ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم نے پوری احتیاط اور ہوشیاری سے کام لیا تو اپنے مجاہد شاہد علی کو دشمن کی قید سے نکال لائیں گے“۔

رشید احمد کہنے لگا۔

”مجھے اس منصوبے کی کامیابی کا پورا یقین نہیں ہے...... گندے پانی کے دو ڈھائی سو فٹ لمبے پایپ میں سے گزر کر مین ہول تک جانا کوئی آسان کام نہیں ہے...... پایپ میں زہریلی گیس ضرور بھری ہوئی ہوگی، اس گیس کا ایک سانس انسان کو موت کی نیند سلا دینے کے لئے کافی ہوتا ہے“۔

شیر خان بولا۔

”اس کا علاج ایک چھوٹے آکسیجن ماسک سے کیا جاسکتا ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس قسم کے چھوٹے آکسیجن ماسک ہمیں کسی نہ کسی ہسپتال یا سٹور سے ضرور مل جائیں گے“۔

”ان کا انتظام ہو جائے گا“ قطب الدین نے کہا۔

رشید احمد کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے ابھی تک اس منصوبے کی کامیابی پر شک ہے...... کمانڈو شیر خان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”بھائی رشید احمد! میں نے اور قطب الدین نے اس منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، کیونکہ اس کے سوا دوسرا کوئی منصوبہ ان حالات میں قابل عمل نہیں ہے“۔

رشید احمد نے کہا۔

”اگر تم لوگ فیصلہ کر ہی چکے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...... پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں...... تمہیں جس جس چیز کی اس مشن کے لئے ضرورت ہے مجھے بتادو...... وہ تمہیں مہیا کر دی جائیں گی“۔

شیر خان نے کہا۔

”سب سے پہلے تو ہمیں تین آکسیجن ماسک کی ضرورت ہوگی...... یہ آکسیجن ماسک ایسے ہونے چاہئیں جن میں مائع آکسیجن کی مقدار کم از کم چھ گھنٹوں کے لئے کافی ہو“۔

رشید احمد بولا۔

”اس کا بندوبست ہو جائے گا“۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

”باقی ہمیں معمول کی چیزیں ہی درکار ہوں گی جو پہلے ہی سے ہمارے پاس موجود ہیں...... مثلاً کمانڈو چاقو، سائی لینسر والے تین پستول، لیکن ان کے علاوہ جس شے کی ہمیں منصوبے کی کامیابی کے بعد ضرورت ہوگی وہ درست حالت میں ایک جیپ ہے جو مجھے قطب الدین اور کمانڈو شاہد علی کو راتوں رات رائے پور سے بھی آگے شولاپور ممبئی لائن پر جس قدر دُور تک لے جاسکتی ہے لے جاسکے...... ہم دن نکلتے ہی ریلوے ٹریک پر کسی بھی سٹیشن سے شولاپور ممبئی جانے والی کوئی بھی مسافر گاڑی یا مال گاڑی پکڑ لیں گے...... یہ جیپ پہاڑی ٹیلوں میں ایک جگہ موجود ہونی چاہئے اور اس میں کمانڈو شاہد علی کے لئے ایک کرتہ پاجامہ ضرور رکھ دیا جائے...... قید میں اس کے کپڑوں کی حالت خستہ ہو چکی ہوگی“۔

رشید احمد نے کہا۔

"جو جیپ تم لوگوں کو ٹارگٹ پر لے کر جائے گی وہی تمہیں آگے بھی لے جائے گی...... مجاہد شاہد علی کے لئے کپڑوں کا جوڑا بھی رکھ دیا جائے گا، لیکن آگے تمہارا کس طرف جانے کا پروگرام ہے؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں منصوبے کی کامیابی کی صورت میں شاہد علی کو یہاں سے نکال کر ممبئی کی طرف لے جانا چاہتا ہوں...... اس کو ساتھ لے کر یہاں رہنا یا اوپر دلی کی طرف جانا خطرناک ثابت ہوگا، کیونکہ اس کے فرار کے فوراً بعد فوج اس سارے علاقے کو گھیرے میں لے لے گی اور دلی بھارت کی راجدھانی ہے وہاں تک ایک ایک سٹیشن پر پولیس ناکہ بندی کرے گی"۔

"ممبئی میں تم کہاں جا کر چھپو گے؟" رشید احمد نے پوچھا۔

شیر خان نے کندھوں کو سکیڑتے ہوئے کہا۔

"ممبئی میں اپنے کسی آدمی کا مجھے علم نہیں، یہی ہو سکتا ہے کہ شاہد علی کے ساتھ ہم کسی جنگل میں چھپ جائیں اور موقع پا کر وہاں سے کشمیر کی طرف نکل جائیں"۔

قطب الدین نے کہا۔

"ممبئی میں اپنا ایک آدمی ہے...... وہ ہمیں کسی خفیہ جگہ پر چھپا دے گا"۔

رشید احمد بولا۔

"یہ ٹھیک ہے"۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"دشمن اسلام ڈاکٹر پلائی کے قتل کے بعد ایک طرح سے ہمارا یہ مشن ختم ہو چکا ہے...... اب صرف اپنے ساتھی کو دشمن کی قید سے چھڑانا ہی باقی ہے...... اس کے بعد ہم کشمیر کے محاذ پر جا کر جہاد کشمیر میں شامل ہو جائیں گے"۔

رشید احمد کہنے لگا۔

"ہماری دعا ہے کہ تم دونوں مجاہد کشمیر کے محاذ پر قابض بھارتی فوج کے ظلم و ستم کا مقابلہ کرنے کے لئے کشمیر خیر و عافیت سے پہنچ جاؤ"۔

اس کے بعد رشید احمد نے قطب الدین سے پوچھا۔

"ممبئی میں تم جس آدمی کے ہاں جا کر چھپو گے وہ بھروسے کا آدمی ہے ناں؟"۔

قطب الدین بولا۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ہم بڑی جانچ پڑتال کے بعد کسی کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں...... یہ آدمی بھی سر فروش مجاہد ہے"۔

"بس میں یہی تسلی چاہتا تھا" رشید احمد نے کہا۔

اس کے بعد رشید احمد نے شیر خان سے پوچھا۔

"تم کب اپنے منصوبے پر عمل کرنا چاہتے ہو؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... ابھی تک تو شاہد علی اسی فوجی کیمپ میں ہے...... کوئی پتہ نہیں اسے کس وقت یہاں سے نکال کر کس جگہ پہنچا دیا جائے...... اس لئے میرا پروگرام کل رات کو حملہ کرنے کا ہے"۔

"ٹھیک ہے" رشید احمد بولا...... "تمہاری مطلوبہ تمام چیزیں کل شام سے پہلے پہلے مہیا کر دی جائیں گی...... کیوں قطب الدین تمہارا کیا مشورہ ہے؟"۔

قطب الدین نے کہا۔

"شیر خان نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے...... ہمیں وقت ضائع کئے بغیر کل کمانڈو ایکشن کر ڈالنا چاہئے...... اللہ نے چاہا تو ہم اس مشن میں کامیاب ہوں گے"۔

"انشاء اللہ" کمانڈو شیر خان نے کہا۔

چنانچہ دوسری رات ٹھیک ایک بجے کمانڈو شاہد علی کو فوجی کیمپ کی جیل سے

نکالنے کا پروگرام طے ہو گیا...... اگلے روز شاہد علی کے لئے ایک کرتہ پاجامہ چپل اور تین آکسیجن ماسک کا بھی انتظام کر دیا گیا...... یہ گیس ماسک چھوٹے سائز کے تھے اور اس سے صرف منہ اور ناک ڈھانپا جاتا تھا...... رشید احمد نے بتایا کہ ہر گیس ماسک میں اتنی آکسیجن ہے کہ جو کم از کم آٹھ گھنٹے تک ان کے کام آسکتی ہے...... تین کمانڈو چاقو اور تین سائی لینسر چڑھی پستولیں بھی ایک چھوٹے سے تھیلے میں رکھ لی گئیں...... دو مختلف سائز کے بڑے پلاس بھی رکھ لئے گئے جن کی مدد سے کھائی میں نکلنے والے پائپ کے منہ پر لگی جالی کو کاٹنا تھا...... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"گٹر کے پائپ کا دہانہ اگرچہ انیس انچ کا ہے، پھر بھی اس میں سے فوجی کیمپ کے اندر تک جاتے ہوئے ہمارے کپڑوں کا خراب ہو جانا یقینی ہے...... اس لئے بہتر ہے کہ ہم اپنے لئے بھی پتلون بش شرٹ کا ایک ایک فالتو جوڑا رکھ لیتے ہیں"۔

چنانچہ قطب الدین اور شیر خان کے لئے ایک ایک دھلی ہوئی پرانی پتلون، بش شرٹ بھی تھیلے میں ڈال دی گئی...... دونوں نے ڈھائی ڈھائی سو کی رقم بھی اپنے پاس رکھ لی تاکہ ضرورت کے وقت اسے استعمال کیا جاسکے۔

رات کے ٹھیک آٹھ بجے تینوں سرفروش مجاہد ایک جیپ میں بیٹھ کر اپنے خطرناک مشن پر نکل پڑے...... رشید احمد خود جیپ ڈرائیو کر رہا تھا...... قطب الدین اس کے ساتھ اور شیر خان پیچھے بیٹھا تھا...... جیپ کی پٹرول کی ٹینکی فل کروالی گئی تھی...... رات کی تاریکی میں جیپ سنسان سڑک پر تیز رفتاری سے جا رہی تھی...... بیس منٹ کے بعد وہ شہر سے باہر ویران نیم پہاڑی علاقے میں سے گزر رہے تھے...... قطب الدین رشید احمد کو راستہ بتاتا جا رہا تھا...... وہ سیدھے راستے سے جانے کی بجائے ایک نصف دائرے کا چکر کاٹ کر ان چھوٹے ٹیلوں میں آگئے جو فوجی کیمپ کا عقبی علاقہ تھا اور جہاں ایک کھائی میں کیمپ کے گٹر کا پائپ کھلتا تھا...... اس خطرناک حساس علاقے میں داخل ہوتے ہی جیپ کی بتیاں بجھا دی گئی تھیں اور اس کی رفتار بھی بہت آہستہ

کر دی تھی...... قطب الدین نے جیب سے چھوٹی ٹارچ نکال کر ایک طرف روشنی ڈالی اور رشید احمد سے کہا۔

"یہاں گاڑی کھڑی کر دیں"۔

جیپ ٹیلے کی اوٹ میں روک دی گئی۔

قطب الدین اور کمانڈو شیر خان جیپ سے اتر آئے...... قطب الدین نے رشید احمد سے کہا۔

"جب تک ہم واپس نہ آجائیں آپ اسی جگہ کھڑے رہیں گے"۔

رشید احمد بولا۔

"بے فکر رہو"۔

شیر خان نے کہا۔

"اگر اندر فائرنگ شروع ہو گئی تو آپ انجن اسٹارٹ کر کے رکھیں...... فائرنگ رُک گئی اور ہم میں سے کوئی واپس نہ آیا تو آپ گاڑی لے کر یہاں سے نکل جائیں گے...... ہمارا انتظار نہیں کریں گے"۔

"میں سمجھ گیا ہوں" رشید احمد نے جواب دیا۔

تھیلے میں سے شیر خان اور قطب الدین نے اپنا اپنا کمانڈو چاقو اور سائی لینسر والا پستول نکال کر جیپ میں رکھ لیا...... چھوٹا پلاس شیر خان نے جیپ میں ہی رہنے دیا...... بڑا پلاس ساتھ لے لیا...... اس کے بعد دونوں سرفروش مجاہد اندھیرے میں اس طرف چل پڑے جدھر کھائی تھی...... آکسیجن ماسک ان کے گلے میں لٹک رہے تھے...... رات تاریک اور سنسان تھی...... درختوں، جھاڑیوں اور ٹیلوں نے اندھیرے کی چادر اوڑھ رکھی تھی...... دونوں سرفروش خاموشی سے چاروں طرف سے چوکنے ہو کر آہستہ آہستہ چل رہے تھے...... کھائی آگئی...... وہ اس میں اتر گئے...... پھر کھائی کی ڈھلان پر چلنے لگے...... کچھ دُور تک چلتے رہے...... پھر پانی گرنے کی آواز آنے لگی......

قطب الدین نے اشارے سے شیر خان کو بتایا کہ ہم پائپ کے دہانے پر پہنچ گئے ہیں...... اندھیرے میں دو سایوں کی طرح نظر آرہے تھے...... گٹر کے دہانے کے پاس بیٹھ کر انہوں نے جالی کو ٹٹول کر دیکھا...... کمانڈو شیر خان نے جیب سے پلاس نکالا اور جالی کو ایک طرف سے کاٹنے کی کوشش کرنے لگا...... اسے دس منٹ لگ گئے...... اس نے جالی کو ایک طرف سے اتنا کاٹ دیا کہ اس میں سے ایک آدمی پائپ میں داخل ہو سکتا تھا۔

شیر خان نے چھوٹی ٹارچ کی روشنی گٹر کے اندر ڈالی...... پائپ منہ کے پاس سے انیس بیس انچ قطر میں تھا لیکن اندر سے تقریباً تین فٹ کے قریب تھا...... گندے پانی کی نالی درمیان میں بہہ رہی تھی...... نالی کی ایک جانب چلنے کے لئے چھوٹا سافٹ پاتھ بنا ہوا تھا...... پائپ میں انہیں ایک تیز بو کا احساس ہوا...... دونوں نے ناک منہ پر آکسیجن ماسک چڑھا لئے اور پائپ کے اندر آہستہ آہستہ چل پڑے...... پائپ زیادہ اونچا نہیں تھا...... انہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا...... دونوں اپنی اپنی چھوٹی ٹارچ کی روشنی ڈال رہے تھے...... اس روشنی میں وہ سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے آگے بڑھ رہے تھے...... اس گٹر پائپ کی چونکہ پریشر پمپ سے صفائی ہوتی رہتی تھی، اس لئے پائپ میں جالے وغیرہ کہیں نہیں تھے...... انہیں پائپ کے پہلے مین ہول سے باہر نکلنا تھا...... کمانڈو شیر خان آگے تھا...... پائپ کے اندر کی فضا گرم تھی...... آکسیجن ماسک کی وجہ سے انہیں گھٹن کا احساس تو بالکل نہیں ہو رہا تھا لیکن ان کے جسم حبس کو ضرور محسوس کر رہے تھے...... پائپ ڈھلان پر نیچے کی طرف آ رہا تھا، لیکن چڑھائی معمولی تھی...... آکسیجن ماسک ناک اور منہ پر چڑھے ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ آسانی سے بات نہیں کر سکتے تھے...... کسی کسی وقت وہ اشاروں سے ایک دوسرے سے کوئی بات کر لیتے تھے۔

پائپ کے اندر وہ جب کافی دُور تک آگے نکل گئے تو ٹارچ کی روشنی میں کمانڈو شیر خان کو ایک جگہ دیوار کے ساتھ لوہے کی سیڑھی اوپر جاتی دکھائی دی...... اس نے

اشارے سے قطب الدین کو جو پیچھے آرہا تھا بتایا کہ یہ سیڑھی گٹر کے پہلے مین ہول کی طرف جاتی ہے...... یہاں سے پائپ آگے ایک طرف کو مڑ گیا تھا...... وہ لوہے کی سیڑھی کے پاس آکر رُک گئے...... اوپر ٹارچ کی روشنی ڈالی...... یہ کنوئیں کی طرح کا ایک گول شگاف تھا جس کی چھت تک سیڑھی چلی گئی تھی...... کمانڈو شیر خان نے قطب الدین کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور سیڑھی پر چڑھنے لگا...... سیڑھی دس بارہ فٹ بلند تھی، آخری سیڑھی پر پہنچ کر شیر خان نے قطب الدین کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور ٹارچ کی روشنی میں پائپ کی چھت کو ٹٹولا...... یہ مین ہول کا ڈھکن تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد مین ہول کا ڈھکن ایک طرف سے کھل گیا...... شیر خان نے ٹارچ جیب میں رکھ لی تھی اور دونوں ہاتھوں سے بڑی احتیاط کے ساتھ کہ آواز پیدا نہ ہو ڈھکن کو آدھے سے زیادہ ایک طرف کر دیا...... اوپر ڈھکن کے سوراخ میں سے روشنی اندر آنے لگی...... شیر خان نے زینے کے آخری پائیدان پر پاؤں جما کر اپنا سر باہر نکالا...... اسے اپنے سامنے پچیس تیس فٹ کے فاصلے پر ایک دیوار نظر آئی جس کے کونے پر ایک بلب روشن تھا...... یہ وہی کوٹھڑی ہو سکتی تھی جس کے اندر شاہد علی قید تھا...... شیر خان گٹر سے باہر نکل کر وہیں بیٹھ گیا...... اس نے قطب الدین کو اشارہ کیا...... قطب الدین بھی مین ہول میں سے باہر نکل آیا اور وہیں بیٹھ گیا...... پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ اپنے اپنے گیس ماسک اتارے اور انہیں جیب میں ڈال لیا...... شاہد علی کے لئے وہ جو آکسیجن ماسک لائے تھے وہ شیر خان کی جیب میں محفوظ پڑا تھا۔

وہ آواز پیدا کئے بغیر رات کی شبنم میں بھیگی ہوئی گھاس پر دوڑ کر سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے...... یہاں انہوں نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لئے...... کمانڈو شیر خان نے دیوار کے کونے میں سے سر ذرا سا آگے نکال کر دیکھا اور فوراً سر پیچھے کر لیا اور قطب الدین کو اشارے سے بتایا کہ کوٹھڑی کے باہر ایک سنتری پہرہ دے رہا ہے...... وہ گھٹنوں کے بل چلتے دیوار کے دوسرے کونے کے پاس آکر زمین پر

اوندھے لیٹ گئے...... شیر خان نے قطب الدین کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہی کوٹھڑی ہے"۔

کوٹھڑی پتھر کی دیواروں والی تھی اور اس میں نہ کوئی کھڑکی تھی اور نہ باہر کی جانب کوئی روشن دان ہی تھا...... دروازے کے اوپر شاید ہوا کے آنے جانے کے لئے کوئی روشن دان ہو، مگر دروازے کے باہر مسلح فوجی پہرہ دے رہا تھا...... یہ فوجی ٹریننگ والا فوجی تھا...... ہو سکتا ہے کمانڈو بٹالین کا جوان ہی ہو...... ایسے فوجی پر قابو پانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا...... ایک تربیت یافتہ کمانڈو کو بھی ایسے فوجی پر قابو پانے کے لئے بڑی عقل مندی اور چالاکی سے کام لینا پڑتا ہے۔

کمانڈو شیر خان گھاس پر پیٹ کے بل لیٹا یہی سوچ رہا تھا ایسا کون سا حربہ استعمال کیا جائے کہ فوجی پہرے دار کوئی آواز بھی نہ نکال سکے...... دُور سے اگر اس پر پستول کا فائر کیا جاتا تو عین ممکن تھا کہ فوجی صرف زخمی ہو کر گر پڑتا...... ایسی صورت میں وہ فائرنگ کر کے سارے کیمپ کو بیدار کر سکتا تھا...... اگرچہ شیر خان کی پستول پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا اور اس کے فائر کا دھماکہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن اگر وہ فوجی سنتری کے سر کا نشانہ بھی لیتا ہے تو نشانہ خطا جا سکتا تھا اور فوجی ہوشیار ہو کر جوابی حملہ کر سکتا تھا، کیونکہ وہ یقینی طور پر سائی لینسر والے پستول کی ٹھک کی آواز پہچان سکتا تھا...... شیر خان کو قطب الدین کی مہارت پر زیادہ بھروسہ نہیں تھا...... اسی لئے اس نے اسے پیچھے رکھا ہوا تھا۔

شیر خان نے پیٹ کے بل لیٹے لیٹے اپنی بائیں جانب اور سامنے کی جانب دیکھا...... اسے کچھ فاصلے پر بجلی کے بلب کی روشنی میں دو ٹینک کھڑے نظر آئے...... سامنے درختوں کے پیچھے شاید کیمپ کا آفس تھا جہاں روشنی ہو رہی تھی اور تین چار چھوٹی بڑی فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں...... شیر خان کو جو کچھ بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا...... ان کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا...... انہیں اپنی جان کی فکر نہیں تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ اپنی کسی غیر ذمے دارانہ حرکت سے خود ہلاک ہو جائیں اور

کمانڈو شاہد علی دشمن کی قید میں ہی پڑا رہے...... شیر خان کا دماغ پوری تیز رفتاری سے سوچ رہا تھا...... اسے یہی ایک ترکیب قابل عمل نظر آ رہی تھی کہ کسی طرح فوجی سنتری کو پہرے کی پوزیشن سے ہٹا کر دیوار کی اوٹ میں بلایا جائے...... یہ حکمت عملی پہلے دو تین بار کامیاب ہو چکی تھی...... قطب الدین پستول ہاتھ میں لئے شیر خان کے ساتھ ہی زمین پر اوندھا لیٹا ہوا تھا، شیر خان نے اس کے کان میں سرگوشی کر کے کہا۔

"تم ذرا پیچھے ہو کر جھاڑیوں میں گھات لگاؤ"۔

قطب الدین فوراً پیچھے کو کھسکتا ہوا جھاڑی کی اوٹ میں آ گیا اور اس نے وہیں لیٹے لیٹے دونوں ہاتھوں میں پستول لے کر پوزیشن سنبھال لی...... کمانڈو شیر خان کہنیوں کے بل تیزی سے آگے کو کھسکتا ہوا دیوار جہاں مڑتی تھی وہاں بالکل سیدھا ہو کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے کمانڈو چاقو کی بجائے پستول کے خاموش فائر سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا...... کمانڈو چاقو سے حملہ کرنے کی صورت میں بھارتی فوجی جو پوری طرح سے چاق و چوبند اور ہوشیار نظر آ رہا تھا آواز نکال سکتا تھا...... مقابلہ بھی کر سکتا تھا اور فائر کر کے کیمپ کے فوجیوں کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتا تھا...... کمانڈو شیر خان نے وہی کارگر حربہ استعمال کرتے ہوئے زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور اسے زور سے اپنے قریب ہی زمین پر پھینک دیا...... اس سے آواز پیدا ہوئی...... شیر خان نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا کر پستول کے ٹریگر پر انگلی رکھ دی، لیکن فوجی سنتری نہ آیا...... شیر خان نے سر ذرا سا باہر نکال کر دیکھا...... فوجی اسی طرح پہرے پر کھڑا تھا...... شاید اس نے پتھر کی آواز نہیں سنی تھی...... شیر خان نے دوسری بار پتھر اٹھا کر اپنی دیوار پر زور سے مارا۔

اس کے ساتھ ہی اسے فوجی بوٹوں کی ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دی...... فوجی سنتری نے یہ آواز سن لی تھی اور برین گن تانے دیوار کی طرف آ رہا تھا...... شیر خان جلدی سے دیوار کے ساتھ ایک قدم آگے کو کھسک کر آ گیا...... اس کے دونوں ہاتھ

اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور دیوار سے پانچ فٹ کی بلندی پر تھے...... پستول اس کے دونوں ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں تھا...... سیدھے ہاتھ کی انگلی پستول کے ٹریگر پر تھی...... اس نے بھارتی فوجی کے سر پر فائر کرنا تھا...... تین سیکنڈ کے بعد بھارتی فوجی دیوار کے پیچھے سے نمودار ہوا...... دیوار کے کونے پر جلتے ہوئے بلب کی روشنی اس پر پڑ رہی تھی...... شیر خان کی طرف اس کا بایاں پہلو تھا...... آنکھوں کے کونے سے اسے شیر خان بڑی آسانی سے نظر آ سکتا تھا...... شیر خان کا کام یہ تھا کہ وہ بھارتی فوجی کو اتنی مہلت ہی نہ دے کہ وہ اسے دیکھ سکے...... جیسے ہی بھارتی فوجی برین گن پکڑے دیوار کی اوٹ سے نکل کر شیر خان کے نشانے کی زد میں آیا۔

شیر خان نے اُس کی کھوپڑی پر اوپر تلے تین فائر کر دیئے۔

کمانڈو شیر خان کا نشانہ اتنے قریب سے کبھی خطا نہیں گیا تھا۔

پستول سے نکلی ہوئی تین گولیوں کی ٹھک ٹھک کی آواز کے ساتھ ہی بھارتی فوجی لڑکھڑا کر آگے کو گر پڑا...... شیر خان کو معلوم تھا کہ تینوں گولیاں بھارتی فوجی کی کھوپڑی کو اُڑاتی ہوئی نکل گئی ہیں اور اب وہ زمین سے کبھی نہیں اُٹھے گا...... وہ دوڑ کر بھارتی فوجی کی لاش کے پاس گیا اور سب سے پہلے اس کی برین گن اس کی اکڑی ہوئی انگلیوں میں سے جدا کر کے ایک طرف جھاڑیوں میں پھینک دی اور وہیں اوندھا لیٹ کر پیچھے قطب الدین کو اشارہ کیا...... قطب الدین نے یہ سارا منظر دیکھ لیا تھا...... وہ کہنیوں کے بل تیزی سے رینگ کر شیر خان کے پاس آ گیا۔

اس وقت شیر خان اوندھے لیٹے لیٹے بھارتی فوجی کی لاش کی تلاشی لے رہا تھا...... اسے کال کوٹھڑی کی چابی کی تلاش تھی...... آخر اسے لاش کی پتلون کی چھوٹی جیب میں سے ایک چابی مل گئی...... شیر خان نے لیٹے لیٹے قطب الدین کو پیچھے جھاڑیوں کی پوزیشن میں جانے کو کہا اور خود کال کوٹھڑی کے دروازے کی طرف کھسکنے لگا...... وہ دروازے کے پاس آ کر رُک گیا...... لیٹے لیٹے اس نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف درختوں کے پیچھے کچھ فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں...... وہاں روشنی ہو رہی تھی مگر کوئی فوجی دکھائی نہیں دے رہا تھا...... شیر خان اٹھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا...... بند دروازے پر تالا لگا ہوا تھا...... اس نے چابی تالے کے سوراخ میں ڈال کر گھمائی...... تالا

کھل گیا۔

شیر خان دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ پاک اپنا آدمی شاہد علی اس کال کوٹھڑی میں ہی موجود ہو...... شیر خان نے صرف اتنا ہی دروازہ کھولا جس میں سے وہ اندر داخل ہو سکے...... کوٹھڑی میں اندھیرا تھا...... نیم کھلے دروازے میں سے اندر آتی روشنی میں شیر خان نے زمین پر کسی کو سوتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اس کے پاس جا کر دیکھا...... وہ کمانڈو شاہد علی ہی تھا...... اس نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا اور کہا۔

"یہاں سے نکل چلو...... میں شیر خان ہوں"۔

شاہد علی اٹھ کر بیٹھ گیا...... شیر خان نے اس کے بازو کو پکڑ کر کہا۔

"چل سکتے ہو؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"ہاں"۔

شیر خان دروازے کی طرف دوڑا...... باہر نکلتے ہی وہ جھک گیا تاکہ دُور سے دیکھا نہ جا سکے...... شاہد علی نے بھی جو اس کے پیچھے تھا ایسا ہی کیا...... قطب الدین جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپا انہیں دیکھ رہا تھا...... دونوں دوڑتے ہوئے اس کے قریب سے گزرے تو قطب الدین بھی اٹھ کر ان کے پیچھے دوڑ پڑا...... گٹر کا مین ہول زیادہ دُور نہیں تھا...... وہاں پہنچتے ہی پہلے قطب الدین نیچے اترا...... اس نے آکسیجن ماسک چڑھایا اور لوہے کی سیڑھی اترنے لگا...... شیر خان نے فالتو آکسیجن ماسک شاہد علی کو دیا...... اس نے اور شیر خان دونوں نے ماسک منہ پر چڑھا لئے...... شیر خان نے شاہد علی کو اپنے اور قطب الدین کے درمیان کر لیا...... سب سے آگے قطب الدین تھا جس نے ٹارچ روشن کر لی تھی...... ٹارچ کی روشنی میں وہ سیڑھیاں اتر کر بڑے پائپ کی گولائی والی دیوار کے ساتھ چلنے لگے...... ایک ٹارچ شیر خان نے بھی روشن کر لی تھی...... شیر خان نے مین ہول میں سے نیچے اترنے کے بعد ڈھکن سے مین ہول کا منہ بند کر دیا

تھا...... اس طرح وہ کسی حد تک محفوظ ہو گئے تھے، کیونکہ اگر اس دوران کیمپ میں کمانڈو شاہد کے فرار کا علم بھی ہو جاتا تو شاید ہی کسی کا اس طرف دھیان جاتا کہ قیدی گٹر میں اتر کر فرار ہوا ہے۔

واپسی پر انہوں نے بڑے پائپ کے اندر اپنی رفتار تیز کر لی تھی...... آخر وہ گٹر کے پائپ میں سے باہر نکل گئے...... گیس ماسک اتار کر انہوں نے وہیں کھائی میں پھینک دیئے اور ڈھلان کی پگ ڈنڈی پر دوڑ پڑے...... ماسٹر سپائی رشید احمد بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا...... جیپ سے اتر کر وہ اندھیرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا...... تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ نگاہیں اٹھا کر دُور فوجی کیمپ کی روشنیوں کی طرف دیکھ لیتا تھا...... کسی بھی وقت وہاں خطرے کا الارم چیخ چیخ کر قیدی کے فرار کا اعلان کر سکتا تھا، مگر ابھی تک کیمپ پر خاموشی طاری تھی، لیکن شیر خان اور قطب الدین بھی نظر نہیں آرہے تھے...... اچانک رشید احمد کو دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی...... وہ جلدی سے پستول نکال کر جیپ کی اوٹ میں ہو گیا...... آوازیں اس کی طرف ہی آرہی تھیں...... جب اندھیرے میں سے تین انسانی سائے نکل کر اس کی طرف بڑھے تو رشید احمد نے اپنے مجاہدوں کو پہچان لیا...... تیسرے مجاہد کو دیکھ کر رشید احمد لپک کر جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور انجن سٹارٹ کر دیا۔

شیر خان نے آتے ہی کہا۔

"رشید احمد! نکل چلو...... بریک گاڑی کو کہیں نہ لگانا"۔

قطب الدین اور شاہد علی جیپ میں پیچھے اور شیر خان آگے بیٹھ گیا اور جیپ تیزی سے آگے کو نکل گئی...... رشید احمد کو معلوم تھا کہ اسے جنگل اور ٹیلوں میں سے نکل کر رائے پور شہر کو جانے والی سڑک پر جانا ہے...... جیپ کی بتیاں اس نے روشن کر دی تھیں...... راستے سے پوری طرح واقف تھا...... جیپ دیکھتے دیکھتے پہاڑی ٹیلوں سے نکل کر ایک چھوٹی کچی سڑک پر آ گئی۔

جیپ کے اندر قطب الدین اور کمانڈو شاہد علی بیٹھے تھے...... قطب الدین نے تھیلے میں سے کرتہ پاجامہ اور چپل نکال کر شاہد علی کو دی اور کہا۔

"کپڑے بدل لو"۔

شاہد علی نے اپنے گندے کپڑے اتار کر دوسرا کرتہ پاجامہ پہن لیا...... قطب الدین نے پوچھا۔

"تم ٹھیک ہوناں؟"۔

"ہاں" شاہد علی نے کہا۔

کچی سڑک جنگل کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ جاتی آگے جاکر مڑ گئی تھی...... شیر خان نے کہا۔

"ہم رائے پور والی سڑک پر جائیں گے"۔

رشید احمد نے جیپ کے سٹیرنگ کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں"۔

جیپ کچی سڑک پر کافی تیز جارہی تھی اور دھچکے لگ رہے تھے...... دُور سے دو تین جھلملاتی بتیاں نظر آنے لگیں...... رشید احمد نے کہا۔

"یہ بڑی سڑک کی بتیاں ہیں"۔

چار منٹ کے بعد جیپ رائے پور جانے والی پکی اور کشادہ سڑک پر ہوا سے باتیں کر رہی تھی...... رائے پور روڈ پر آدھے گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد رشید احمد نے اس سڑک کو چھوڑ دیا اور جیپ کو ایک چھوٹی سڑک پر ڈال دیا...... ساتھ ہی انجن کے شور میں اس نے بلند آواز میں شیر خان سے کہا۔

"ہم شاہ آباد سے تاندور اور آگے گلبرگہ سے ہوتے ہوئے شولا پور جائیں گے"۔

شاہ آباد اور آگے تاندو، پہنچتے پہنچتے آسمان پر صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"ابھی تک ہم گلبرگہ نہیں پہنچے...... شولا پور کسی وقت پہنچیں گے"۔

رشید احمد نے کہا۔

"شولا پور یہاں سے بہت دُور ہے...... ہم گلبرگہ سے آگے اکال کوٹ کے جنگل میں رُکیں گے...... وہاں جاکر سوچیں گے کہ شولا پور کیسے جایا جائے، کیونکہ اس وقت تک شاہد علی کے فرار کا کیمپ والوں کو پتہ چل چکا ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ پولیس اور فوج نے اکال کوٹ گلبرگہ اور شولا پور جانے والی سڑکوں کی بھی ناکہ بندی کر رکھی ہو"۔

رشید احمد نے بڑی سڑکوں اور شاہراہوں کو چھوڑ کر جیپ کو ان راستوں پر ڈال لیا تھا جو پہاڑی ٹیلوں اور دیہاتوں میں سے گزرتے تھے...... گلبرگہ پہنچتے پہنچتے دن نکل آیا...... رشید احمد گاڑی کو گلبرگہ کے مقامات میں سے نکال کر اکال کوٹ جانے والی چھوٹی سڑک پر لے آیا...... یہ ایک ذیلی سڑک تھی جو ویران پہاڑی ٹیلوں میں سے ہو کر اکال کوٹ کو جاتی تھی۔

دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی...... رشید احمد نے ایک ٹیلے کے پاس جیپ روک دی...... یہاں ایک چھوٹا سا جھرنا بہہ رہا تھا...... جیپ کا انجن بھی گرم ہو گیا تھا...... رشید احمد، شیر خان، شاہد علی اور قطب الدین جیپ میں سے نکل آئے...... شیر خان نے شاہد علی کو گلے لگا لیا اور کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ حالت میں ہمارے پاس واپس آگئے"۔

شاہد علی کی شیو کافی بڑھی ہوئی تھی...... چہرہ بھی پہلے سے ذرا کمزور ہو گیا تھا...... کہنے لگا۔

"زندگی باقی تھی بچ گیا ورنہ بھارتیوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی"۔

جھرنے کا پانی ایک چھوٹے سے تالاب میں گر رہا تھا...... وہاں انہوں نے منہ ہاتھ دھویا...... پانی پی کر تازہ دم ہوئے...... قطب اور رشید احمد نے ریڈی ایٹر کا گرم پانی

بدلا...... پہیوں پر ٹھنڈا پانی ڈالا...... پٹرول چیک کیا اور قطب الدین سے کہا۔

"تیل زیادہ نہیں ہے"۔

"اکال کوٹ تو پہنچ جائیں گے نا؟" قطب الدین نے پوچھا۔

رشید احمد نے کہا۔

"میرا خیال ہے پہنچ جائیں گے"۔

اکال کوٹ کا چھوٹا سا شہر گلبرگہ اور شولا پور کے درمیان واقع ہے...... یہ جنگلاتی ٹیلوں والا علاقہ ہے اور اس کے جنگلوں میں ہر قسم کے درندوں کی بہتات ہے...... رشید احمد نے شیر خان کو بتایا کہ ہم کسی زمانے میں گلبرگہ سے اس جنگل میں شکار کھیلنے آیا کرتے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"جیسا کہ تم نے بتایا کہ ہمارے پاس صرف اکال کوٹ تک کا پٹرول ہے تو اس کے آگے شولا پور تک کیسے پہنچیں گے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا...... تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں"۔

دس پندرہ منٹ وہاں رُکنے کے بعد وہ لوگ آگے روانہ ہو گئے...... دو گھنٹے بعد ان کی جیپ اکال کوٹ کے شہر کو بائیں جانب چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی...... چھ سات کلو میٹر کے بعد دُور سے دن کی روشنی میں درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے...... رشید احمد نے شیر خان کو بتایا کہ یہ اکال کوٹ کے جنگل ہیں...... یہاں سڑک ختم ہو گئی تھی اور اب ان کی گاڑی گھاس اور جھاڑیوں کے ایک ویرانے میں سے گزر رہی تھی...... جیپ آخر کار جنگل میں داخل ہو گئی۔

یہ وہی جنگل تھا جہاں ماسٹر سپائی رشید احمد کسی زمانے میں اپنے دوستوں کے ساتھ شکار کھیلنے آیا کرتا تھا...... وہ اس جنگل کے نشیب و فراز سے واقف تھا...... جنگل کے اندر جا کر ایک جگہ سیاہ رنگ کی اونچی اونچی چٹانیں کھڑی تھیں...... ان کے درمیان

ایک چشمہ بہہ رہا تھا...... رشید احمد نے جیپ ایک طرف کھڑی کر دی...... قطب الدین نے تیل چیک کرنے کے بعد کہا۔

"دس بارہ کلو میٹر کا تیل باقی بچا ہے"۔

رشید احمد بولا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس جنگل تک پہنچ گئے ہیں"۔

اس نے قطب الدین شاہد علی اور شیر خان سے کہا۔

"تم لوگ یہاں آرام کرو...... میں کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں"۔

شیر خان بولا۔

"اس جنگل میں کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو سکے گا"۔

"یہاں قریب ہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے...... وہاں سے کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جائے گا...... میں ابھی آتا ہوں"۔

رشید احمد چلا گیا...... قطب الدین شاہد علی اور شیر خان چشمے کے پاس بیٹھ گئے...... شاہد علی نے شیر خان سے پوچھا۔

"یہاں سے آگے ہم ممبئی کیسے پہنچیں گے؟ قطب الدین نے بھی مجھے یہی بتایا ہے کہ ہم ممبئی جا رہے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"ممبئی ایک تو بہت بڑا شہر ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے بہت محفوظ جگہ ہو گی...... دوسرے ممبئی میں قطب الدین کے مطابق ان کا ایک آدمی موجود ہے جس کی مدد سے ہم ممبئی میں روپوش ہو کر رہ بھی سکیں گے اور وہاں سے کشمیر کی طرف جانے کا انتظام بھی ہو جائے گا"۔

شاہد علی نے کہا۔

"یہاں سے آگے شولا پور ہے...... پھر اس سے بھی آگے کافی دُور ممبئی کا شہر

ہے...... یہ ساری مسافت ہم کس طرح طے کریں گے؟"۔

قطب الدین کہنے لگا۔

"شولا پور تک ہم کسی لاری وغیرہ میں جائیں گے...... شولا پور سے آگے ہمارا پروگرام پونا تک ٹرین میں سفر کرنے کا ہے...... اس کے بعد صورت حال کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے...... اگر حالات موافق ہوئے تو ہم پونا سے ممبئی بذریعہ ریل ہی جائیں گے...... اگر راستے میں کوئی خطرہ ہوا تو ہم کوئی دوسرا فیصلہ کریں گے"۔

ماسٹر سپائی رشید احمد کچھ کھانے کو لے آیا جو انہوں نے وہیں بیٹھ کر کھایا...... چشمے میں شاہد علی نہا دھو کر تازہ دم ہو گیا...... رشید احمد نے کہا۔

"گاؤں سے ہمیں ایک بیل گاڑی مل جائے گی، جو ہمیں آگے ایک قصبے میں پہنچا دے گی...... وہاں سے ہمیں شولا پور جانے والی لاری مل سکے گی"۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد یہ سرفروش جنگل سے نکل کر اس چھوٹے سے گاؤں میں آ گئے جہاں سے رشید احمد کھانے پینے کا سامان لایا تھا...... وہاں وہ ایک بیل گاڑی میں سوار ہو کر اگلے قصبے کی طرف روانہ ہو گئے...... یہ سفر کافی طویل تھا...... بیل گاڑی کی سست رفتاری نے اسے اور زیادہ طویل بنا دیا تھا۔

بہر حال وہ شام ہونے سے پہلے پہلے اگلے قصبے میں پہنچ گئے...... وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شولا پور جانے والی لاری صبح کو جائے گی...... رات انہوں نے وہیں ایک کھیت میں لیٹ کر گزاری...... اگلے دن شولا پور جانے والی لاری میں سوار ہو گئے...... دیہاتی علاقہ ہونے کی وجہ سے وہاں حالات نارمل تھے اور کسی قسم کا کوئی خطرہ ان سرفروشوں کو محسوس نہیں ہوا تھا...... شولا پور بڑا شہر تھا، وہاں وہ خطرے سے دوچار ہو سکتے تھے...... سارا دن لاری میں گزر گیا...... شام ہو گئی...... رات کے پہلے پہر لاری شولا پور پہنچی...... لاری کے سٹینڈ سے اترنے کے فوراً بعد ماسٹر سپائی رشید احمد ان سب کو اپنے ساتھ شہر سے باہر ایک غیر آباد جگہ پر لے گیا جہاں درختوں کے گھنے جھنڈ تھے

ور ایک ندی ان کے درمیان بہہ رہی تھی...... ان کا پروگرام وہاں سے آگے پونا تک ٹرین میں سفر کرنے کا تھا، رشید احمد بولا۔

"رات ہم یہیں گزاریں گے...... صبح سٹیشن پر جا کر میں صورت حال کا جائزہ لوں گا"۔

رات ندی کے کنارے ہی انہوں نے کچھ دیر سو کر اور کچھ دیر باتیں کرتے گزار دی...... صبح صبح رشید احمد شولا پور کے ریلوے سٹیشن کی طرف چلا گیا...... واپس آ کر اس نے بتایا کہ شولا پور سے دوپہر کے بعد ایک ایکسپریس ٹرین پونا سے ہوتی ہوئی سیدھی ممبئی جاتی ہے...... شیر خان نے رشید احمد ہی سے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

رشید احمد بولا۔

"ہم کسی ٹرین سے بھی جائیں خطرہ تو ہمارے سر پر منڈلاتا ہی رہے گا...... اس ٹرین کا یہ فائدہ ہے کہ یہ ہمیں سیدھی ممبئی پہنچا دے گی، میرا تو خیال ہے کہ تمہیں یہی ٹرین پکڑنی چاہئے"۔

شاہد علی نے پوچھا۔

"تو کیا تم ہمارے ساتھ ممبئی نہیں جاؤ گے؟"۔

رشید احمد نے کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے ٹرین میں سوار کرا کر واپس حیدر آباد چلا جاؤں گا...... میرا وہاں پہنچنا بھی بہت ضروری ہے"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"جس طرح تم بہتر سمجھتے ہو ویسے ہی کرو"۔

قطب الدین نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں دوپہر تک اسی جگہ چھپے رہنا ہوگا"۔

"بالکل یہیں رہنا ہوگا" رشید احمد نے کہا...... "میں اپنے ساتھ کچھ کھانے پینے کو لے آیا ہوں"۔

شولا پور سے ممبئی کو میل ٹرین دوپہر دو بجکر پندرہ منٹ پر چلتی تھی...... درختوں کے جھنڈ سے وہ ایک ایک کر کے دن کے ڈیڑھ بجے نکل پڑے...... ان کے پاس جو اسلحہ وغیرہ تھا وہ رشید احمد کے مشورے پر انہوں نے وہیں ندی کنارے درختوں کے درمیان ایک جگہ گڑھا کھود کر چھپا دیا تھا۔

سب الگ الگ چل کر سٹیشن پر پہنچے...... رشید احمد پہلے پہنچ چکا تھا...... اس نے شولا پور سے ممبئی تک کے تین ٹکٹ خرید کر اپنے پاس رکھ لئے تھے...... جب قطب الدین، شاہد علی اور شیر خان سٹیشن پر آئے تو رشید احمد نے انہیں ٹکٹ دیئے اور کہا۔

"قطب الدین! شاہد علی اور شیر خان اور تم الگ الگ ڈبوں میں سفر کرو گے، لیکن راستے میں تم دونوں ساتھیوں کی خیریت معلوم کرتے رہنا تمہاری ذمہ داری ہوگی"۔

قطب الدین بولا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو"۔

رشید احمد نے شیر خان اور شاہد علی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"یہاں میں تم سے جدا ہو جاؤں گا...... ویسے میں پلیٹ فارم پر ہی رہوں گا...... جب تمہاری ٹرین چل پڑے گی تو میں واپس جاؤں گا...... اب تم لوگ جاؤ، اللہ کے سپرد"۔

پلیٹ فارم پر ممبئی جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی...... شیر خان، شاہد علی اور قطب الدین الگ الگ ڈبوں میں سوار ہو گئے...... رشید احمد ماسٹر سپائی پلیٹ فارم پر ایک جگہ دور کھڑا تینوں سرفروشوں کو ٹرین میں سوار ہوتے دیکھ رہا تھا...... پلیٹ فارم پر ریلوے پولیس کے دو چار سنتری اور ملٹری پولیس کے تین جوان بھی موجود تھے، مگر حالات نارمل تھے۔

جب ٹرین چل پڑی اور پلیٹ فارم سے نکل گئی تو رشید احمد وہاں سے واپس روانہ

ہو گیا...... شولا پور سے پونا اور وہاں سے ممبئی تک کا سفر بھی خاصا لمبا تھا...... پورا آدھا دن اور ساری رات ٹرین سفر کرتی رہی...... قطب الدین درمیان میں کسی نہ کسی سٹیشن پر اتر کر اپنے ساتھیوں کو دور سے دیکھ کر حالات معلوم کر لیتا تھا...... پونا کے ریلوے سٹیشن پر ملٹری پولیس کی نفری کچھ زیادہ ہی تھی، مگر مسافروں کا رش بھی بہت تھا...... کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی اور ٹرین ممبئی کی طرف روانہ ہو گئی...... دن ڈھل رہا تھا جب یہ لوگ ممبئی پہنچے...... قطب الدین نے شیر خان اور شاہد علی کو راستے میں الگ الگ کر کے بتا دیا تھا کہ انہیں ممبئی کے سٹیشن سے نکل کر کس طرف جانا ہے اور کہاں کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنا ہے...... وہ ممبئی کے سٹیشن سے اکٹھے نہیں نکلنا چاہتے تھے...... انہوں نے ایسا ہی کیا...... شاہد علی الگ ہو کر اور شیر خان الگ ہو کر ایک آٹو رکشے میں بیٹھ کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لئے قطب الدین نے انہیں کہا تھا...... قطب الدین پہلے ہی سے وہاں پر ایک ٹیکسی لے کر موجود تھا۔

شیر خان اور شاہد علی نے قطب الدین کو دیکھ لیا تھا...... وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی چل پڑی...... شاہد علی اور شیر خان پہلے بھی دو تین مرتبہ ممبئی آ چکے تھے، مگر ممبئی بھارت کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے...... وہ اس شہر کے کچھ علاقے ہی دیکھ سکتے تھے...... قطب الدین ممبئی شہر کے تمام علاقوں سے واقف تھا...... ممبئی اب ارد گرد میلوں تک پھیل چکا تھا...... آبادی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا اور غریبی اور مفلسی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ہر علاقے میں گندی جھونپڑیوں کی بستیاں آباد تھیں...... جہاں لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح زندہ رہنے پر مجبور تھے...... دوسری طرف فائیو سٹار ماڈرن ہوٹلوں میں اضافہ ہو گیا تھا جہاں راتوں کو شراب کے جام لنڈھائے جاتے تھے...... جرائم بڑھ گئے تھے...... قطب الدین انہیں شہر سے کافی دور ایک جگہ لے گیا جہاں اس کا خاص آدمی رہتا تھا...... یہ جگہ شہر سے دور ہونے کی وجہ سے محفوظ تھی۔

رات انہوں نے وہاں آرام سے گزاری...... دوسرے روز شہر کی فضا کا جائزہ لینے نکل گیا...... دوپہر کو واپس آکر اس نے شیر خان اور شاہد علی کو بتایا کہ بظاہر خطرے کی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی...... وہ کہنے لگا۔

"ویسے بھی یہ ایک کشمیری مجاہد کے فرار کا واقعہ ہے...... کسی ایمونیشن ڈمپ یا کسی فوجی تنصیب کو نہیں اُڑایا گیا...... اس وجہ سے یہاں پولیس وغیرہ کی کوئی خاص سرگرمی دکھائی نہیں دے رہی، لیکن سی آئی ڈی ضرور الرٹ ہوگی اور ریلوے سٹیشنوں اور شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی خفیہ طور پر نگرانی ضرور کی جارہی ہوگی...... اس لئے تمہیں ہر حالت میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں رُکنا چاہئے...... بہتر یہی ہے کہ ہم دو ایک دن میں ہی یہاں سے کشمیر کی طرف روانہ ہوجائیں"۔

جس خاص آدمی کے ہاں یہ سرفروش پناہ لئے ہوئے تھے اس کا نام تو کچھ اور تھا مگر ہم اسے کمال احمد کے نام سے پکاریں گے...... کمال احمد نے کہا۔

"ممبئی سے کشمیر تک بڑا لمبا سفر ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو ہر طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد قدم باہر نکالنا چاہئے"۔

شیر خان بولا۔

"کچھ بھی ہو ہمارا اس جگہ زیادہ دیر پڑے رہنا بھی ہمارے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے"۔

کمال احمد کہنے لگا۔

"یہاں سے آپ ریل گاڑی کے ذریعے ہی اپنا سفر شروع کریں گے...... ممبئی کے دو ریلوے سٹیشن ہیں...... دونوں جگہوں سے دلی پنجاب کی طرف گاڑیاں جاتی ہیں...... دونوں سٹیشنوں میں سے ممبئی کے بوری بندر کے سٹیشن پر سے زیادہ گاڑیاں

چلتی ہیں اور وہاں پولیس بھی بھاری تعداد میں ہر وقت موجود ہوتی ہے...... اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو بمبے سنٹرل کے سٹیشن سے دلی یا پنجاب کو جانے والی کوئی گاڑی پکڑنی چاہئے"۔

قطب الدین نے کہا۔

"میری تجویز یہ ہے کہ شیر خان اور شاہد علی دونوں مجاہدوں کو کوئی ایسا بھیس بدل کر یہ طویل سفر کرنا چاہئے کہ جس کی وجہ سے نہ تو انہیں کوئی آسانی سے پہچان سکے اور نہ ان پر کوئی شک ہی پڑ سکے"۔

شیر خان بولا۔

"ہم دیہاتی لباس پہن کر نکلیں گے"۔

کمال احمد نے کہا۔

"ممبئی کے علاقے کا دیہاتی لباس تو مہاراشٹر کے صوبے تک ہی تمہارا ساتھ دے سکے گا...... اس کے آگے مدھیہ پردیش شروع ہوجاتا ہے...... وہاں کا دیہاتی لباس دوسرا ہوتا ہے...... اس کے بعد پھر اتر پردیش آجائے گا...... اس کے آگے پنجاب شروع ہوجائے گا...... ان صوبوں کا دیہاتی لباس یہاں کے دیہاتی لباس سے بالکل مختلف ہوتا ہے...... ان صوبوں میں پہنچنے کے بعد لوگ ضرور آپ کو دیکھ کر شک کریں گے کہ یہ مہاراشٹر کے دیہاتی یہاں کیا کر رہے ہیں"۔

"یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا" قطب الدین بولا۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"پھر تو ایک ہی بھیس ایسا ہے کہ جو ہر صوبے میں تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے"۔

"وہ کیا ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی بولا۔

"سانپ کا تماشہ دکھانے والے سپیروں کا بھیس"۔

شیر خان نے قطب الدین کی طرف دیکھا...... قطب الدین نے کمال احمد کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

کمال احمد کہنے لگا۔

"شاہد بھائی کی تجویز تو بڑی معقول ہے...... سپیروں کا بھیس بھارت کے شمالی اور شمال مغربی علاقے میں ایک جیسا ہی ہوتا ہے، لیکن اس کے لئے آدمی کو سانپوں کی تھوڑی بہت سمجھ بوجھ ضرور ہونی چاہئے، کیونکہ اگر آپ لوگ سپیروں کے بھیس میں ہوں گے تو آپ کو اپنے پاس دو چار سانپ ضرور رکھنے پڑیں گے...... ان میں زہریلے سانپ بھی ہو سکتے ہیں"۔

شیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاید آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ شاہد علی کو سانپوں کی بہت سمجھ بوجھ ہے...... یہ جموں کے ایک سپیرے کی شاگردی بھی کر چکا ہے"۔

کمال احمد خوش ہو کر بولا۔

"جب تو فکر مند ہونے کی کوئی بات ہی نہیں ہے، لیکن آپ دونوں کو حلیہ بھی سپیروں والا ہی بنانا ہوگا...... سر کے بال تو آپ دونوں کے کافی بڑھے ہوئے ہیں...... شاہد علی کی داڑھی بھی بڑھ چکی ہے...... باقی شیر خان کو اب شیو نہیں کرنی چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ لوگ راستے میں کسی جگہ ٹھہریں گے نہیں...... اس سفر کو جلدی سے جلدی طے کرنے کی کوشش کریں گے"۔

قطب الدین کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے سپیروں کا لباس یہاں سے مہیا ہو جائے گا"۔

کمال احمد بولا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے...... ہمارے خفیہ سٹور میں ہر قسم کا بھیس بدلنے

کے لئے لباس موجود رہتا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"تو پھر ہم کل رات کو یہاں سے چل پڑتے ہیں"۔

کمال احمد کچھ سوچ کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے یہاں سے نکلنے کی اطلاع نئی دہلی والے اپنے چیف کو بھی کر دوں...... تمہارے آنے کی اطلاع میں نے اسے دے دی تھی"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"کیا یہ ضروری ہے؟"۔

کمال احمد بولا۔

"یہ ضابطے کی کارروائی ہے جسے ہم ضرور پورا کرتے ہیں"۔

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ نئی دہلی سے آپ کے نام وائرلیس پر کوئی خاص پیغام ہے...... کمال احمد اسی وقت اٹھ کر اس خفیہ کمرے میں چلا گیا جہاں وائرلیس کا سارا نظام موجود تھا جس کے ذریعے دلی ممبئی اور جموں کی حریت پسند تنظیموں کے خفیہ چیف ایک دوسرے سے خفیہ پیغام رسانی کرتے تھے...... کچھ دیر کے بعد کمال احمد واپس آیا تو کہنے لگا۔

"خفیہ چیف کا شیر خان اور شاہد علی کے نام خاص پیغام تھا"۔

شیر خان اور شاہد علی ایک دم متوجہ ہو گئے...... شیر خان نے پوچھا۔

"کیا پیغام ہے"۔

کمال احمد بولا۔

"خفیہ چیف نے کہا ہے کہ تم دونوں کشمیر کے محاذ پر جانے سے پہلے دلی میں اس سے ضرور ملاقات کریں...... یہ بہت ٹاپ سیکرٹ پیغام ہے"۔

قطب الدین نے کہا۔

"پھر تو انہیں کل رات کو یہاں سے نکل جانا چاہئے"۔

"ایسا ہی کریں گے" شیر خان بولا۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں سپیروں کا بھیس بدلنے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم ان عام کپڑوں میں دلی تک سفر کر سکتے ہیں...... ایک رات تو ٹرین کے سفر میں ہی آجائے گی...... ایک دن کے سفر کی بات ہے"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" کمال احمد نے کہا۔

چنانچہ دوسرے دن رات کے وقت شاہد علی اور کمانڈو شیر خان بمبے سنٹرل کے سٹیشن سے ایک ٹرین میں سوار ہو کر دلی کی طرف روانہ ہو گئے...... قطب الدین اسے سٹیشن تک چھوڑنے ساتھ آیا تھا...... کمال احمد نے رازداری سے شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو بتا دیا تھا کہ دلی پہنچ کر اسے کس جگہ جانا ہو گا اور جس آدمی سے ملاقات کرنی ہو گی وہ کس حلیے میں ہو گا...... اپنی شناخت کے لئے کمال احمد نے شیر خان کو خفیہ کوڈ الفاظ بھی بتا دیئے تھے۔

ساری رات اور اگلا سارا دن خیریت کے ساتھ سفر میں گزر گیا...... دوسرے دن شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے کہ کمانڈو شیر خان اور شاہد علی دلی پہنچ گئے...... جیسا کمال احمد نے انہیں کہا تھا انہوں نے ویسے ہی کیا اور دلی کے ریلوے سٹیشن سے نکل کر ایک طرف کو چل پڑے...... دلی اور نئی دلی کا شہر ان دونوں کا دیکھا بھالا تھا، جہاں انہیں کمال احمد نے جانے کو کہا تھا وہ جگہ بھی ان دونوں کو معلوم تھی...... ہم اس جگہ کا حدود اربع مصلحتاً یہاں درج نہیں کریں گے...... یوں سمجھ لیں کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں درختوں کے درمیان ایک مزار پر روشنیاں ہو رہی تھیں...... ایک طرف قوال قوالی کر رہے تھے...... عقیدت مند بڑے ادب سے بیٹھے قوالی سن رہے تھے۔

کمانڈو شیر خان نے مجاہد شاہد علی سے کہا۔

"یہی وہ مزار ہے ناں؟"۔

شاہد علی بولا۔

"بالکل یہی ہے"۔

وہ جہاں قوالی ہو رہی تھی وہاں کافی پیچھے ہٹ کر ایک درخت کے نیچے دری پر بیٹھ گئے...... اتنے میں ایک لمبے بالوں والا درویش صورت آدمی ان کے قریب سے ہو کر انہیں غور سے دیکھتا ہوا آگے نکل گیا...... اس درویش نے سیاہ لمبا چغہ پہن رکھا تھا...... شاہد علی نے شیر خان کو آہستہ سے کہا۔

"مجھے یہی آدمی لگتا ہے"۔

وہ درویش چند قدم آگے جا کر واپس پلٹا اور شاہد علی اور شیر خان کے پاس آکر بیٹھ گیا...... دونوں خاموش بیٹھے رہے...... درویش بھی کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا...... پھر اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"پردیسی معلوم ہوتے ہو"۔

شیر خان نے مختصر سا جواب دیا۔

"جی ہم گوالیار سے حاضری دینے آئے ہیں"۔

درویش نے کہا۔

"حاضری دینے آئے ہو یا کسی سے ملنے آئے ہو"۔

شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

درویش بولا۔

"تمہارے چہرے اور لباس بتا رہا ہے کہ تم ممبئی سے آئے ہو"۔

شاہد علی نے بھی ہلکا سا اشارہ دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یہی سمجھ لیں"۔

درویش نے صاف لفظوں میں کہا۔

"تو پھر چپ کیوں ہو؟ خفیہ کوڈ بتاؤ"۔

شیر خان اور شاہد علی کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ آدمی ہے جس سے ملنے کے لئے کمال احمد نے کہا تھا، لیکن کوڈ کے بغیر اس کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی...... شیر خان بولا۔

"ہم کوڈ بتائیں گے تو پھر آپ کو بھی اس کے جواب میں خفیہ کوڈ بتانا ہو گا"۔

درویش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہ تو میں ضرور بتاؤں گا مگر پہلے تم خفیہ کوڈ بتاؤ"۔

شاہد علی نے خفیہ کوڈ کا وہ جملہ دہرا دیا جو کمال احمد نے اسے بتایا تھا...... اس کے جواب میں درویش نے بھی اپنا کوڈ بتا دیا...... یہ بھی وہی جملہ تھا جو کمال احمد نے انہیں بتایا تھا...... جب اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہی وہ آدمی ہے جس سے انہوں نے دلی میں ملاقات کرنی تھی تو مجاہد شاہد علی نے درویش سے کہا۔

"ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"۔

درویش نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھا کر اسے توڑتے ہوئے کہا۔

"چیف تمہارا انتظار کر رہا ہے...... تم میرے ساتھ جاؤ گے، لیکن میرے پیچھے پیچھے کچھ فاصلہ ڈال کر چلو گے"۔

درویش اٹھ کر ایک طرف چل پڑا۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بھی دس سیکنڈ کے بعد اٹھے اور جس طرف درویش گیا تھا اس طرف چل پڑے...... اس وقت تک رات کا اندھیرا ہو گیا تھا...... درویش ایک میدان کی طرف جا رہا تھا جہاں اندھیرے میں ایک جگہ کچھ درخت اور ان کے درمیان ایک مکان نظر آ رہا تھا...... مکان سے کچھ فاصلے پر درویش ایک درخت کی اوٹ میں رُک گیا...... شیر خان اور شاہد علی اس کے قریب آئے تو وہ بولا۔

"تم لوگ یہیں میرا انتظار کرو...... اِدھر اُدھر مت ہونا"۔

اور درویش درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا اس مکان کے اندر چلا گیا جس

کے باہر کوئی روشنی وغیرہ نہیں ہو رہی تھی...... یہ ایک منزلہ پرانا سا مکان لگتا تھا، جس پر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد درویش مکان سے نکل کر شیر خان اور شاہد علی کے پاس آ گیا اور بولا۔

"ایک ایک کر کے مکان میں چلے جاؤ...... ڈیوڑھی میں سے گزرنے کے بعد بائیں جانب ایک کمرہ آئے گا...... اس کا آدھا پٹ کھلا ہوا ہو گا...... تم اس کے اندر چلے جانا"۔

اتنا کہہ کر درویش واپس مزار کی طرف چلا گیا۔

پہلے شیر خان اور اس کے پیچھے کوئی دس قدموں کا فاصلہ ڈال کر شاہد علی چل پڑا...... مکان کی ڈیوڑھی میں آ کر شیر خان رُک گیا اور شاہد علی کا انتظار کرنے لگا...... جب وہ آ گیا تو دونوں ڈیوڑھی میں سے گزرتے ہوئے بائیں جانب اس جگہ آ گئے جہاں ایک کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا...... اندر روشنی ہو رہی تھی...... وہ ابھی اندر جانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ایک آدمی دروازے میں نمودار ہوا اور بولا۔

"شاہ جی اندر دوسرے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

دونوں سرفروش درمیانے کمرے میں سے گزر کر دوسرے کمرے کے بند دروازے کے پاس جا کر رُک گئے...... شیر خان نے آہستہ سے دستک دی...... اندر سے کسی مرد کی بھاری آواز سنائی دی۔

"آ جاؤ"۔

شیر خان اور شاہد علی کمرے میں داخل ہو گئے۔

یہ چھوٹا کمرہ تھا...... دیوار کے ساتھ ایک تخت پوش پر قالین بچھا تھا...... گاؤ تکئے لگے تھے اور ایک سفید ریش بزرگ گاؤ تکئے کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے...... دونوں مجاہدوں نے سلام کیا اور تخت پوش کے آگے جو مونڈھے پڑے تھے ان پر بیٹھ گئے...... کمرے میں بجلی کی روشنی ہو رہی تھی...... شاہ جی نے دونوں پر گہری نگاہ ڈالی...... اس کے بعد کہا۔

"میں نے تم دونوں کو پہچان لیا ہے...... تمہاری دو تصویریں مجھے مل چکی ہیں...... وہاں سے اٹھ کر میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ"۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی اٹھ کر شاہ جی کے پاس تخت پوش پر بیٹھ گئے...... شاہ جی نے اپنے تکئے کے نیچے سے ایک لفافہ نکال کر کھولا...... اس میں ایک زرد رنگ کا موٹا کاغذ تہہ کیا ہوا تھا...... اسے کھول کر شیر خان اور شاہد علی کے آگے رکھ دیا اور کہا۔

"اسے غور سے دیکھو...... اس کے بعد بات کریں گے"۔

شیر خان اور شاہد علی نے دیکھا کہ کاغذ پر سیاہ پنسل سے ایک نقشہ بنا ہوا تھا جس میں کہیں کہیں سرخ نشان لگے تھے...... کہیں پہاڑی ٹیلوں کا ابھار دکھایا گیا تھا...... ایک دو منٹ اسے غور سے دیکھنے کے بعد کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ کسی جگہ کا نقشہ لگتا ہے"۔

شاہ جی بولے۔

"ہاں! اس نقشے کی تفصیل بتانے سے پہلے تم سے دو ایک ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی شاہ جی کی طرف متوجہ ہو گئے...... شاہ جی نے کہا۔

"تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ بھارت پاکستان کا ازلی دشمن ہے اور جب سے پاکستان کا قیام وجود میں آیا ہے بھارت اس کو ختم کرنے کی ناکام اور ناپاک کوشش میں لگا ہوا ہے...... اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ پاکستان پر تین چار بار حملہ بھی کر چکا ہے جس میں اسے ہر بار شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے...... تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ پاکستان کی سالمیت پر بھارت ایک دوسرے محاذ سے بھی برابر حملے کر رہا ہے...... یہ محاذ فوجی محاذ سے زیادہ خطرناک محاذ ہے اور یہ محاذ اس کی بدنام زمانہ سیکرٹ ایجنسی "را" کا محاذ ہے...... یہ خفیہ ادارہ براہ راست بھارت کی مرکزی وزارت دفاع کی زیر نگرانی کام کر رہا ہے اور بھارت کا پردھان منتری یعنی وزیراعظم اس ادارے کا سربراہ ہوتا ہے...... اب میں دوسری بات کرتا ہوں...... دوسری بات یہ ہے کہ

بھارت میدان جنگ میں پاکستان کی دلیر اور بہادر فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا...... بھارت کے پاس جنگی سازوسامان کا ڈھیر لگا ہے اور جدید سے جدید ترین اسلحہ اور توپیں موجود ہیں، لیکن جنگی سازوسامان اور اسلحہ خود نہیں لڑا کرتا...... انسے آدمی لڑاتے ہیں...... بھارت کی فوج کا کوئی دین مذہب نہیں ہے...... ان میں مسلمانوں والا وہ جذبہ نہیں ہے کہ جو ہر مسلمان کا ایمان ہے...... یعنی اللہ کی راہ میں جان قربان کر دینا...... میں بھارت کی فوج کا ایک ریٹائرڈ صوبیدار میجر ہوں...... میں نے انڈین آرمی کو بڑے قریب سے دیکھا ہے...... میدان جنگ میں بھارتی فوجی مورچے کے اندر بیٹھ کر لڑتا ہے...... وہ کمپنی کمانڈر کے حکم پر ایڈوانس بھی کرتا ہے اور دشمن کے مورچوں پر اٹیک بھی کرتا ہے، لیکن اپنی جان بچانے اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کے پاس واپس جانے کا خیال ہر وقت اس کے دل و دماغ پر حاوی رہتا ہے...... چنانچہ جہاں پاک فوج کا جوان دشمن سے لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے وہاں بھارتی فوجی جان بچا کر بھاگ جاتا ہے...... اگر بھاگ نہ سکے تو یا قید ہو جاتا ہے یا پیچھے یا سامنے سے آنے والی کسی گولی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس طرح مر جاتا ہے جس طرح کوئی کیڑا مکوڑا جان بچانے کی کوشش کرتے ہوئے پاؤں کے نیچے آ کر کچلا جاتا ہے...... بھارتی فوج کی ہائی کمانڈ کو اپنی فوج کی اس بزدلی کا پورا علم ہے مگر بھارتی فوجی ہائی کمانڈ کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے...... ماسوائے اس کے کہ بھارت کوئی ایسی شے ایجاد کرے کہ جو توپ، مشین گن اور رائفل کے مقابلے میں کئی ہزار گنا زیادہ تباہی پھیلا سکے اور جس کو چلانے کے لئے بزدل بھارتی فوجیوں کی ضرورت ہی نہ پڑے اور صرف ایک بٹن ہی دبانا پڑے، چنانچہ بھارت نے خفیہ طور پر ایٹمی پروگرام پر عمل شروع کر دیا اور پھر ایٹمی دھماکہ کر کے ایٹمی طاقت بن گیا، اس کا خیال تھا کہ پاکستان اس میدان میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا، لیکن پاکستان نے اس کے جواب میں ایٹمی دھماکہ کر دیا...... اب ایک بار پھر بھارت کی فوجی ہائی کمانڈ کے آفیسرز سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ اب کیا کیا جائے، چنانچہ اب انہوں نے پاکستان پر فیصلہ کن حملہ کرنے کے لئے ایک نئے خفیہ پراجیکٹ پر کام کرنا شروع کر دیا ہے"۔

اتنا کہہ کر شاہ جی خاموش ہو گئے...... کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

"سر! یہ خفیہ پراجیکٹ کیا ہے؟"۔

شاہ جی نے انگلی اپنے ہونٹوں سے لگا کر شیر خان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا...... اتنے میں ایک مجاہد چائے کے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے کر آ گیا۔

"پہلے کچھ کھا پی لیں...... پھر باتیں کریں گے"۔

جب مجاہد چلا گیا تو شاہ جی بولے۔

"ہماری تنظیم کے مجاہد اسلام اور پاکستان کے سچے جانثار ہیں...... ان کی وفاداری شک وشبے سے بالاتر ہے، اس کے باوجود بعض معاملات میں مجھے ان سے بھی رازداری سے کام لینا پڑتا ہے...... اس لئے میں اپنے مجاہد کے قدموں کی آہٹ سن کر خاموش ہو گیا تھا...... اب کھانا پینا شروع کرو"۔

کھانا سادہ مگر بڑا لذیذ تھا...... کھانا کھانے کے بعد چائے کا دور چل پڑا...... اس دوران شاہ جی شیر خان اور مجاہد شاہد علی کے ساتھ ان کے دلیرانہ معرکوں اور کشمیری مجاہدین کی جانبازی کے بارے میں باتیں کرتے رہے...... کہنے لگے۔

"وہ وقت اب زیادہ دُور نہیں ہے، جب بھارت کو کشمیر خالی کرنا پڑے گا اور کشمیریوں کو ان کا حق مل کر رہے گا"۔

جب چائے پی جا چکی اور مجاہد آ کر برتن وغیرہ لے گیا تو شاہ جی نے کہا۔

"میں تم سے بھارت کے نئے خفیہ فوجی پراجیکٹ کی بات کر رہا تھا...... پاکستان کے خلاف بھارت کا یہ نیا پراجیکٹ لیزر سیٹلائٹ سسٹم کا نظام ہے...... اس سے پہلے جیسا کہ سب جانتے ہیں بھارت نے اپنا ایک سیٹلائٹ یعنی مصنوعی سیارہ فضا میں چھوڑ رکھا ہے جو کمرشل سیٹلائٹ ہے جو بھارت کے ٹیلی ویژن نیٹ ورک سے منسلک ہے...... اب بھارت اپنے جنگی عزائم کو پورا کرنے کی خاطر اور خاص طور پر پاکستان پر وار کرنے کے لئے ایک فوجی سیٹلائٹ خفیہ طور پر فضا میں چھوڑنے کے پروگرام پر عمل کر رہا ہے جو لیزر سیٹلائٹ ہے اور جو زمین کے مدار کے گرد گردش کرتے ہوئے پاکستان کے کسی بھی شہر کو انتہائی تباہ کن لیزر شعاع سے اپنا نشانہ بنا سکے گا...... اس لیزر

شعاع کی تباہی ایٹم بم سے کہیں زیادہ ہلاکت خیز ہو گی"۔

یہاں مجاہد شاہد علی نے سوال کیا۔

"کیا بھارت کو یہ معلوم نہیں کہ مدار میں اس کے لیزر سیٹلائٹ کا علم امریکہ اور یورپ کی خلائی ایجنسیوں کو فوراً ہو جائے گا؟"۔

شاہ جی نے کہا۔

"چونکہ امریکہ اور یورپ کی بڑی طاقتیں اسلام اور مسلمان ممالک خاص طور پر پاکستان کی دشمن ہیں اس لئے بھارت درپردہ امریکہ، روس اور یورپ کے دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی مرضی سے اس پراجیکٹ پر کام شروع کر رہا ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری انٹیلی جنس اور ہماری حکومت بھارت کے ان عزائم سے بے خبر نہیں ہے اور پاکستان یقینی طور پر اس لیزر سیٹلائٹ کا توڑ ایجاد کرنے میں تاخیر سے کام نہیں لے گا، لیکن بھارت اس کام میں پہل کر چکا ہے اور جونہی اس نے لیزر سیٹلائٹ فضا میں چھوڑا وہ پاکستان پر حملہ کرنے میں دیر نہیں کرے گا...... چنانچہ ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ بھارت کے لیزر سیٹلائٹ سسٹم کے پراجیکٹ کو جتنی جلدی ممکن ہو سکے تباہ کر دیا جائے...... اس بھارتی لیزر پراجیکٹ کی مکمل تباہی کے بعد ہماری حکومت کو موقع مل جائے گا کہ جب تک بھارت لیزر سیٹلائٹ پر دوبارہ کام شروع کرتا ہے اس دوران پاکستان بھی جوابی کارروائی کے لئے اس کا توڑ تیار کر چکا ہو گا...... پھر بھارت پاکستان پر لیزر سیٹلائٹ سے حملہ کرنے کی کبھی جرات نہیں کرے گا...... یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ بھارت پاکستان پر ایٹمی حملہ کر چکا ہوتا...... وہ صرف اس لئے یہ جرات نہیں کر رہا کہ اسے معلوم ہے کہ پاکستان بھی جوابی کارروائی کے طور پر بھارت کے کسی بھی شہر پر ایٹمی حملہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے"۔

جب مجاہد چائے وغیرہ لے کر آیا تھا تو شاہ جی نے نقشے والا کاغذ بھی تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا تھا...... جب انہوں نے اپنی تفصیلی گفتگو ختم کی تو تہہ کیا ہوا نقشہ دوبارہ کھول کر سامنے رکھ دیا اور کہا۔

"ہمارے مجاہدوں نے شب و روز کی محنت اور طرح طرح کے بھیس بدل کر

علاقے کی چھان بین کرنے کے بعد اس مقام کا یہ ایک دُھندلا سا نقشہ تیار کیا ہے جہاں بھارت کے خفیہ لیزر سیٹلائٹ کے پروجیکٹ پر ابتدائی کام ہو رہا ہے...... اس نقشے میں یہ اُبھرے ہوئے نشان پہاڑیاں ہیں...... سرخ نشان سیکورٹی سسٹم کے ہیں...... ہماری اطلاع کے مطابق جہاں سرخ نشان لگے ہیں وہاں اس علاقے کے تحفظ کی خاطر بھاری مشین گنوں کے مورچے بنے ہوئے ہیں...... یہ مورچے خفیہ ہیں اور باہر سے صرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن ان جھاڑیوں کے اندر ہیوی مشین گنیں نصب ہیں...... ان مورچوں کے جوانوں کو واضح احکامات دیئے گئے ہیں کہ اگر انہیں وہاں سے گزرنے والے دیہاتی یا کسی دوسرے آدمی پر ذرا سا بھی شبہ ہو تو اسے فوراً شوٹ کر دیں"۔

کمانڈو شیر خان نے نقشے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ علاقہ کون سا ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

"یہی میں بتانے والا تھا...... دلی سے جب آپ ممبئی بروڈہ کی طرف جاتے ہیں تو جھانسی بھوپال سے وسطی بھارت کے جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے...... جھانسی اور بھوپال کے درمیان جھانسی سے ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر روہت گڑھ کا اسٹیشن ہے...... روہت گڑھ کے اسٹیشن پر اگر تم اتر جاؤ تو وہاں سے دیوگری کا پرانا قلعہ جنگل کے اندر دو تین کلومیٹر پر واقع ہے...... یہ تین سو سال پرانا قلعہ ہے اور اسے پرتگالیوں نے تعمیر کروایا تھا...... انڈیا میں جب پرتگال کی نو آبادی گوا اور دمن تک محدود ہو کر رہ گئی تو یہ قلعہ ویران ہو گیا...... اس قلعے کی طرز قدیم پرتگالی رومن کیتھولک گرجاؤں ایسی ہے، لیکن یہ گرجا نہیں ہے...... اس قلعے کے بارے میں میں تمہیں بعد میں کچھ باتیں جو ضروری ہیں بتاؤں گا...... اس قلعے کے عقب میں ٹیلوں کے درمیان ایک چھوٹی سی وادی ہے جہاں پرتگالیوں نے معلوم نہیں کس مقصد کے پیش نظر زمین کے نیچے خفیہ پناہ گاہیں بنا رکھی تھیں...... ایک زمانے تک ان زیر زمین خفیہ پناہ گاہوں کو ڈاکوؤں، قاتلوں اور ٹھگوں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا...... جب ہندوستان آزاد ہوا تو

حکومت نے ان زمین دوز تہہ خانوں کو بند کرا دیا...... اب بھارت کی حکومت ہی نے انہیں دوبارہ کھلوا کر وہاں خفیہ طور پر ایسی لیبارٹریز بنائی ہیں جہاں بھارت کی وزارت دفاع کی نگرانی میں لیزر سیٹلائٹ سسٹم پر کام ہو رہا ہے۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"جن لوگوں نے یہ زیر زمین خفیہ پناہ گاہیں بنائی تھیں ظاہر ہے انہوں نے ان کے اندر آنے جانے کے لئے خفیہ راستے بھی رکھے ہوں گے"۔

شاہ جی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا...... ان لوگوں نے خفیہ راستے ضرور رکھے تھے اور یہ جو اس نقشے پر تم سبز نشانات دیکھ رہے ہو یہ ان ہی خفیہ راستوں کی نشان دہی کرتے ہیں...... یہ پانچ خفیہ راستے ہیں جن کے باہر سیکورٹی کی خاطر مشین گنوں کے پانچ خفیہ مورچے بنے ہوئے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

"حکومت نے ان خفیہ راستوں کو بند کیوں نہیں کیا؟ وہ ایک دو خفیہ راستے چھوڑ کر باقیوں کو پتھروں اور گارے سے بند کر سکتے تھے"۔

شاہ جی بولے۔

"یہ خفیہ راستے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان ہیں اور اس نوعیت کے قدرتی طور پر بنے ہوئے راستے ہیں کہ انہیں بند کرنے پر کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں...... ان کو بند کرنے کی اس لئے بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ ایک تو وہاں فوج کا چوبیس گھنٹے زبردست پہرہ رہتا ہے، دوسرے ان دروازوں میں سے چار دروازوں کو کانٹے دار تار لگا کر بند کر دیا گیا ہے اور صرف جس دروازے کا منہ مشرق کی سمت ہے اسے کھلا رہنے دیا گیا ہے...... لیزر میزائل ورکشاپ کے مختصر سے سٹاف کا آنا جانا اسی دروازے سے ہوتا ہے...... تیسری بات یہ ہے کہ ان خفیہ راستوں کی حفاظت کے لئے وہاں مشین گنوں کی پوسٹیں بنا دی گئی ہیں جو دن رات ان کی حفاظت اور نگرانی کرتی ہیں، لیکن تمہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں"۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" شیر خان بولا۔

کمانڈو شیر خان کی تائید کرتے ہوئے مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"جب تک ہمیں وہاں کے سیکورٹی نظام کے بارے میں ضروری معلومات میسر نہیں ہوں گی ہم اپنے مشن کو کیسے شروع کر سکتے ہیں"۔

شاہ جی مسکرائے...... کہنے لگے۔

"بات یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا اور ہمارا ٹارگٹ یہ زیر زمین پناہ گاہیں ہی ہیں لیکن آپ لوگوں کو کمانڈو ایکشن اس زیر زمین میزائل فیکٹری میں نہیں بلکہ وہاں سے کسی دوسری جگہ کرنا ہوگا"۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کسی قدر تعجب کے ساتھ شاہ جی کو دیکھنے لگے...... اپنے طویل کمانڈو کیریئر میں انہوں نے یہ بات پہلی بار سنی تھی کہ ٹارگٹ کسی اور جگہ پر ہو اور کمانڈو ایکشن کسی دوسری جگہ پر شروع کیا جائے...... شیر خان نے کہا۔

"شاہ جی! میں آپ کی بات سمجھا نہیں"۔

شاہ جی نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں انڈین گورنمنٹ نے ایک بہت بڑا ڈیم بنایا ہوا ہے جہاں ایک بجلی گھر بھی ہے جہاں سے اس سارے علاقے کی بجلی کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں...... یہ ڈیم لیزر میزائل کی وادی یعنی اس خفیہ زیر زمین میزائل فیکٹری سے مشرق کی جانب قدرے اونچائی پر صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے...... یہ ڈیم پہاڑیوں کے درمیان پیالے کی شکل کی قدرتی وادی میں دو دریاؤں کا پانی ذخیرہ کر کے بنایا گیا ہے اور یہاں ہر وقت وسیع و عریض جھیل کی شکل میں بہت بڑا پانی کا ذخیرہ موجود رہتا ہے...... اس ڈیم کو تین اطراف سے قدرتی پہاڑیوں نے بند کر رکھا ہے...... چوتھی طرف اسے پتھروں اور چٹانوں کی ایک بہت بڑی دیوار بنا کر بند کیا گیا ہے...... یہ دیوار اتنی اونچی ہے کہ اگر اس کے اوپر بنے ہوئے جنگلے پر کھڑے ہو کر کوئی شخص نیچے دیکھے تو اسے نیچے چلتے پھرتے آدمی کیڑے مکوڑوں کی طرح نظر آئیں گے...... یہ دیوار چوڑی بھی کافی ہے اور یہ اتنی مضبوط ہے کہ اس نے ڈیم کے کروڑوں ٹن سے بھی زیادہ آبی ذخیرے کے،

دباؤ کو بڑی خوبی سے سنبھال رکھا ہے اور آج تک وہاں دیوار میں کبھی کوئی دراڑ تک نہیں پڑی...... اس علاقے میں زلزلے بھی آئے مگر اس دیوار پر کوئی اثر نہیں ہوا...... یہ دیوار انجینئرنگ کے کمال کا نمونہ بھی ہے اور خطرے کی گھنٹی بھی ہے...... ایک طرح سے یہ دیوار تلوار بن کر علاقے کے تمام دیہات اور چھوٹے بڑے شہروں کے سر پر لٹکتی رہتی ہے، کیونکہ اگر کسی وجہ سے یہ دیوار ٹوٹ جاتی ہے تو ڈیم کی وسیع و عریض مصنوعی جھیل کا سارا پانی بپھرے ہوئے سمندر کی طرح غضبناک موجوں کی طرح نکل کر سارے علاقے کے دیہات اور قریبی شہروں کو اس طرح غرق کر دے گا کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا"۔

کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی شاہ جی کی بات بڑے غور سے سن رہے تھے، لیکن ابھی تک وہ سمجھ نہیں سکے تھے کہ شاہ جی اس ڈیم کے بارے میں اتنی تفصیل سے سب کچھ کیوں بیان کر رہے ہیں...... آخر شیر خان سے نہ رہا گیا...... اس نے پوچھ ہی لیا۔

"شاہ جی! اس ڈیم کو اور خاص طور پر اس کی دیوار کو اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے...... بہتر ہوگا کہ آپ ہمیں وہ خاص جگہ بتائیں جہاں سے ہمیں اپنا کمانڈو ایکشن شروع کرنا ہوگا"۔

شاہ جی نے بغیر کسی توقف کے کہا۔

"آپ کو اسی دیوار سے اپنا کمانڈو ایکشن شروع کرنا ہوگا"۔

دونوں سرفروش شاہ جی کا منہ تکنے لگے...... مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا"۔

شاہ جی نے کہا۔

"آپ کو ڈیم کی یہ دیوار توڑنی ہوگی"۔

اس جملے کے ساتھ ہی کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے...... وہ سمجھ گئے کہ انہیں کیا کرنا ہے...... یہ اپنی نوعیت کا ایک مختلف کمانڈو مشن تھا...... اس مشن کے ضروری لوازمات بھی مختلف تھے...... اتنے بڑے ڈیم کی اتنی مضبوط دیوار میں شگاف کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا اور شگاف بھی تین جگہوں پر

کرنے کی ضرورت تھی..... صرف ایک جگہ شگاف ڈالنے سے دیوار نہیں ٹوٹ سکتی تھی، جس دیوار نے ڈیم کے کروڑوں ٹن وزنی آبی ذخیرے کو سنبھالا ہوا تھا وہ کوئی معمولی دیوار نہیں ہو سکتی تھی..... اسے تین چار جگہوں سے اُڑانے کے لئے انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مواد کی ضرورت تھی، چنانچہ جب کمانڈو شیر خان نے شاہ جی سے ایسے طاقتور دھماکہ خیز مواد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"آپ کو اس مشن کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہو گی وہ ساری چیزیں آپ کو مل جائیں گی..... ہم نے تمام انتظام کر کے رکھا ہوا ہے..... آپ کو صرف ایک جامع اور کارگر حکمت عملی تیار کرنی ہو گی..... پورے غور و فکر کے بعد ایک ایسا منصوبہ بنانا ہو گا جس میں ناکامی کا ذرا سا بھی امکان نہ ہو، کیونکہ پاکستان کے خلاف بھارت کے انتہائی خطرناک منصوبے کو خاک میں ملانے کے لئے یہی ایک آخری حربہ ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اگر ہم نے عقل سے کام لیا اور پوری سوچ سمجھ کے ساتھ ہر پہلو کو ذہن میں رکھتے ہوئے کوئی منصوبہ تیار کیا تو انشاءاللہ ہم اپنے مشن میں ضرور کامیاب ہوں گے"۔

شاہ جی کہنے لگے۔

"اب میں آپ کو دو تین باتیں دیوگری کے تین ساڑھے تین سو سال پرانے قلعے کے بارے میں بتانی ضروری سمجھتا ہوں، کیونکہ اس قلعے کو آپ نے اپنے کمانڈو مشن میں بطور بیس کیمپ کے استعمال کرنا ہو گا..... اپنے منصوبے کے مطابق آپ کو اسی پرانے قلعے میں سے نکل کر ڈیم کی دیوار میں دھماکہ خیز مواد بھرنے کے واسطے سوراخ ڈالنے جانا ہو گا اور اسی پرانے قلعے میں آپ واپس آجایا کریں گے..... ہو سکتا ہے اس کام میں آپ کو ایک ہفتہ لگ جائے، کیونکہ ڈیم کی دیوار میں سوراخ چھ سات جگہوں پر ڈالنے ہوں گے اور اس بات کا خیال رکھ کر دیوار میں سوراخ کرنے ہوں گے کہ جس چیز سے بھی آپ پتھر کی دیوار میں سوراخ ڈالیں اس کی آواز اتنی زیادہ نہ ہو کہ دیوار کے اوپر جنگلے پر گشت کرتے سنتری کو ہوشیار کر دے اور وہ ایمرجنسی روشنیاں جلا کر اوپر سے آپ پر فائرنگ شروع کر دے اور اس کے ساتھ ہی خطرے کا سائرن بھی بجنے

لگے..... اگر ایسا ہو گیا تو پھر آپ کے لئے دوبارہ اس علاقے میں داخل ہونا ناممکنات میں سے ہو گا..... یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ آپ کا پہلا چانس ہی آخری موقع ہو گا..... آپ کو ڈیم کی دیوار کی پوری تصویریں مل جائیں گی جو ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے دیوار کے اوپر سے اور اس کے پہلو سے اتاری گئی ہیں..... فی الحال میں آپ کو دیوگری کے قلعے کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں..... یہ بتائیں کیا آپ بھوت پریت پر یقین رکھتے ہیں؟"۔

یہ ایک ایسا سوال تھا جس کی شیر خان اور شاہد علی کو بالکل ہی توقع نہیں تھی..... شاہد علی نے کہا۔

"بھوت پریت سے آپ کی کیا مراد ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

"میری مراد یہ ہے کہ کیا تمہیں کبھی ویران حویلیوں، بے آباد گھروں اور پرانے قلعوں میں کسی بھوت یا بدروح سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے"۔

شاہد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کم از کم مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا"۔

شیر خان بولا۔

"مجھے بھی نہیں ہوا"۔

شاہ جی بھی مسکرائے، کہنے لگے۔

"بہر حال ایسا اتفاق مجھے بھی نہیں ہوا، لیکن دیوگری کے اس پرانے قلعے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں کوئی بھٹکی ہوئی رُوح رہتی ہے..... رات کے وقت قلعے میں سے کسی عورت کے رونے کی آواز بھی آتی ہے..... میں یہ تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ اگر تم لوگوں کو ایسی آوازیں آئیں تو گھبرانا نہیں سمجھ لینا کہ یہ بھٹکی ہوئی رُوح یا بدرُوح کی آوازیں ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے"۔

یہاں شاہد علی بولا۔

"ان توہمات کو چھوڑ کر میرا خیال ہے ہمیں اپنے اصل موضوع پر آجانا چاہئے...... یہ بتائیے کہ ڈیم کی دیوار میں سوراخ ڈالنے کے لئے ہمیں کوئی ایسا اوزار دستیاب ہو سکے گا جس کی آواز بھی زیادہ نہ ہو لیکن جو دیوار کے چٹانی پتھروں کو تیزی سے کاٹ بھی سکے"۔

شاہ جی بولے۔

"جھانسی میں ہمارے رضاکار مجاہد موجود ہیں...... وہ تمہاری مدد کریں گے...... دلی سے ہمارا ایک آدمی تم لوگوں کے ساتھ جھانسی تک جائے گا، وہ تمہیں جھانسی میں مجاہدوں کی خفیہ پناہ گاہ میں قاسم جان سے ملادے گا...... قاسم جان انڈین کمانڈو فورس کا سابقہ فوجی ہے اور جھانسی میں ہماری خفیہ تنظیم کا انچارج ہے...... اس مشن میں تم لوگوں کو جس قسم کی بھی مدد درکار ہو گی قاسم جان تمہاری رہنمائی کرے گا...... اب تم یہ بتاؤ کہ اس مشن پر روانہ ہونے کا تمہارا کب ارادہ ہے؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ ہماری زندگی اور موت کا مشن ہے، ہم اس مشن پر روانہ ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہیں"۔

"ٹھیک ہے" شاہ جی بولے...... "میں آج ہی جھانسی میں قاسم جان کو اطلاع کرتا ہوں اور انہیں ساری تفصیل بیان کر دیتا ہوں...... صبح صبح دلی سے ایک گاڑی جھانسی کی طرف روانہ ہوتی ہے...... تم اس گاڑی میں چلے جانا...... رحمت خان تمہارے ساتھ جائے گا"۔

اسی رات شاہ جی نے اپنے خفیہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے جھانسی میں قاسم جان کو مکمل تفصیل کے ساتھ شیر خان اور شاہد علی کی آمد کی اطلاع کر دی...... صبح منہ اندھیرے شاہ جی نے رضاکار مجاہد رحمت خان کو ساتھ کر دیا شیر خان اور شاہد علی خفیہ پناہ گاہ سے نکل کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑے...... رحمت خان نوجوان مجاہد تھا اور بڑا ذہین اور تجربے کار تھا...... شیر خان اور شاہد علی کو اسٹیشن کی عمارت کی ایک

جانب روک کر خود جھانسی تک کے تین ٹکٹ لے آیا...... جب ٹرین پلیٹ فارم پر آگئی تو وہ تینوں اسٹیشن میں داخل ہوئے اور پلیٹ فارم پر آکر مسافروں کے ہجوم کے ساتھ ہی ایک ڈبے میں سوار ہو گئے۔

پسنجر ٹرین تھی...... راستے میں ایک جگہ اس کا انجن بھی خراب ہو گیا...... ایک جگہ ریلوے ٹریک مرمت ہو رہا تھا...... وہاں بھی تین چار گھنٹے ضائع ہو گئے...... یہ لوگ جھانسی پہنچے تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا...... رحمت خان انہیں شہر کے باہر باہر سے لے کر جھانسی رضاکاروں کی تنظیم کے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گیا...... قاسم جان ان کے انتظار میں تھا...... وہ شیر خان اور مجاہد شاہد علی سے گلے لگ کر ملا اور کہنے لگا۔

"تم لوگوں کی بڑی تعریف سنی تھی...... آج ملاقات کر کے بڑی خوشی ہوئی ہے...... میرا خیال ہے ابھی تم لوگ آرام کرو...... باقی باتیں صبح کو ہوں گی"۔

دوسرے روز قاسم جان شیر خان اور شاہد علی ایک جگہ بیٹھ گئے...... قاسم جان بولا۔

"جس مشن پر آپ لوگ یہاں آئے ہیں اس کی اہمیت کا مجھے پورا احساس ہے...... شاہ جی کی زبانی بھی مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ آپ لوگ اپنے ٹارگٹ کے علاقے کا ایک خفیہ دورہ کریں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ آپ کہاں کہاں کیا کیا کچھ کر سکتے ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا...... ہم ایسا ہی کرتے ہیں"۔

قاسم جان بولا۔

"اپنا ایک مجاہد بشیر علی تمہیں دیوگری کے قلعے تک اپنے ساتھ لے جائے گا...... یہ ایک طرح سے سروے مشن ہو گا"۔

دوپہر کے وقت کمانڈو شیر خان اور شاہد علی مجاہد بشیر علی کے ہمراہ جھانسی سے ٹرین میں سوار ہو کر روہت گڑھ کی طرف چل پڑے جو وہاں سے ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا...... سوا گھنٹے میں ٹرین روہت گڑھ پہنچ گئی...... اسٹیشن پر اترنے کے بعد وہ بشیر علی مجاہد کی رہنمائی میں دیوگری کے پرانے قلعے کی جانب روانہ ہو گئے...... جھانسی

سے آگے وسطی ہندوستان کے گھنے جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے...... روہت گڑھ سے دیوگری کا تین سو سال پرانا قلعہ دو تین کلو میٹر کے فاصلے پر ایک گھنے جنگل میں واقع تھا...... تینوں مجاہدوں نے شکاریوں کا لباس پہن رکھا تھا...... شیر علی کے پاس ایک پرانی دونالی بندوق بھی تھی...... ایک بڑا تھیلا بھی اس نے ساتھ رکھ لیا تھا، تاکہ پورے شکاری معلوم ہوں...... شیر علی کو قلعے کا راستہ معلوم تھا...... چاروں طرف جنگل کے گھنے درخت ہی درخت تھے...... کہیں کہیں بھورے رنگ کی پہاڑیاں بھی دکھائی دے جاتی تھیں...... دلی سے چلتے وقت ہی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے...... قلعے کے قریب پہنچے تو تیز ہوا چلنے لگی...... ان کے سروں پر درختوں کے جھنڈ تیز ہوا میں لہرانے لگے...... ایک بار بادلوں کی گرج سنائی دی تو بشیر علی بولا۔

"لگتا ہے بارش کا طوفان آرہا ہے...... ہمیں جلدی قلعے میں پہنچ جانا چاہئے"۔

انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی...... آخر شیر خان اور شاہد علی کو درختوں کے آگے ایک تھوڑی کھلی جگہ پر ایک عظیم الشان دیو ہیکل پرانے قلعے کا بلند دروازہ نظر آیا...... بشیر علی بولا۔

"یہی دیوگری کا قلعہ ہے"۔

قلعے کا دروازہ قدیم پرتگالی گرجا گھروں کی طرز پر بنایا گیا تھا...... قلعے کے دیو پیکر پرانے دروازے کا ایک پٹ غائب تھا...... دوسرا پٹ زمین میں دھنسا ہوا تھا...... یہاں تک آتے آتے بارش شروع ہو گئی...... وہ دوڑ کر قلعے کے دروازے میں داخل ہو گئے...... بارش واقعی بڑی موسلا دھار تھی...... تیز ہوائیں درختوں میں چیخ رہی تھیں...... سیاہ بادلوں نے شام ہونے سے پہلے ہی جنگل میں اندھیرا کر دیا تھا...... بارش کے شور میں کچھ سنائی نہ دیتا تھا...... بشیر علی، شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو قلعے کی گرد آلود پرانی ڈیوڑھی میں سے گزار کر ایک زینے کے پاس جا کر رُک گیا، کہنے لگا۔

"ہم قلعے کی دوسری منزل پر جائیں گے...... وہاں ایک جھروکا ہے جہاں سے وہ سنگلاخ پیالہ نما وادی صاف نظر آتی ہے جس کے نیچے زیر زمین پرانی پناہ گاہوں میں بھارت کے لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ پر کام ہو رہا ہے"۔

وہ قلعے کی دوسری منزل پر آگئے...... وہاں دیوار میں ایک جانب محرابی جھروکہ تھا...... شیر خان اور شاہد علی نے وہاں کھڑے ہو کر دوسری طرف وادی میں نگاہ دوڑائی...... بارش میں وادی دُھندلی دُھندلی دکھائی دے رہی تھی...... بشیر علی نے دور اشارہ کر کے کہا۔

"وہ سیاہی مائل چوڑی پٹی ڈیم کی دیوار ہے...... وہاں تک وادی سے ہٹ کر بھی ایک راستہ جاتا ہے...... قلعے سے ڈیم کی دیوار تک آپ لوگوں کا اس خفیہ راستے سے آنا جانا ہو گا"۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بڑے غور سے بارش کی دھندلی چادر میں سے نیچے خفیہ پناہ گاہوں والی وادی اور دُور آبی ڈیم کی دیوار کو دیکھ رہے تھے...... اس کے بعد انہوں نے قلعے کی دوسری منزل میں ہی چل پھر کر قلعے کی بارہ دریاں جھروکے اور ویران کمروں کو دیکھا...... بارش تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

شام کا اندھیرا چھانے لگا...... بارش اسی طرح موسلا دھار ہو رہی تھی...... بشیر علی کہنے لگا۔

"لگتا ہے آج کی رات ہمیں اس قلعے میں ہی گزارنی پڑے گی"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کچھ دیر میں بارش تھم جائے گی اور ہم روہت گڑھ پہنچ کر جھانسی کی ٹرین پکڑ لیں گے"۔

بشیر علی بولا۔

"آپ لوگ شاید ان جنگلوں کی بارش سے واقف نہیں ہیں...... جیسی یہ بارش ہے ایسی بارش جب شروع ہوتی ہے تو جب تک جل تھل ایک نہ ہو جائے رُکنے کا نام نہیں لیتی"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"دیکھ لیتے ہیں...... اگر بارش رُک گئی تو واپس نکل چلیں گے نہیں تو رات یہیں بسر کر لیں گے"۔

بشیر علی مجاہد اسی علاقے کا باشندہ تھا...... اس کی بات سچ نکلی...... بارش پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی...... قلعے کی دوسری منزل میں ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا جھروکا جنوب میں کھلتا تھا...... انہوں نے وہیں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا...... رات ڈیڑھ دو بجے کے قریب جا کر کہیں بارش کا زور ٹوٹا اور طوفان تھم گیا...... مجاہد شاہد علی نے تجویز پیش کی کہ بارش ہلکی ہو گئی ہے، ہمیں نکل چلنا چاہئے...... بشیر علی بولا۔

"اتنی زبردست بارش کے بعد جنگل میں ہر طرف پانی ہی پانی ہو گا...... روہت گڑھ تک پیدل چلنا مشکل ہو گا"۔

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ رات قلعے میں ہی بسر کی جائے، جس کمرے میں وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے...... وہ بالکل خالی تھا، کمرے میں اندھیرا بھی تھا...... ان کے پاس کوئی موم بتی نہیں تھی...... اگر انہیں قلعے میں رات بسر کرنے کا پتہ ہوتا تو اپنے ساتھ چار پانچ موم بتیاں ہی لے آتے...... اندھیرے کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے...... شیر خان کی عادت بن گئی تھی کہ وہ اپنے پاس ایک سگریٹ لائٹر یا ماچس ضرور رکھتا تھا...... اس وقت بھی ایک ماچس اس کے پاس موجود تھی...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ ماچس کی تیلی جلا کر اس کی روشنی میں ایک دوسرے کو پل بھر کے لئے دیکھ لیتے تھے...... مجاہد بشیر علی تو ایک طرف فرش پر پڑ کر سو گیا...... شاہد علی اور شیر خان ابھی تک جاگ رہے تھے...... دونوں سخت جان کمانڈو تھے اور وقت پڑنے پر راتوں کو جاگ سکتے تھے...... شیر خان نے شاہد علی سے کہا۔

"تم یہاں بیٹھو میں قلعے کے دوسرے کمروں میں جا کر دیکھتا ہوں شاید کہیں کسی طاق میں رکھی ہوئی موم بتی یا دیا مل جائے...... اسے جلا کر کم از کم روشنی تو کر سکیں گے"۔

شاہد علی بولا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے...... بیٹھے رہو اور تین گھنٹے رات باقی رہ گئی ہے"۔

مگر کمانڈو شیر خاں نہ مانا...... کہنے لگا۔

"میں ایک منٹ میں آ جاؤں گا"۔

یہ کہہ کر کمانڈو شیر خان کمرے سے نکل کر باہر راہداری میں آ گیا...... یہاں اس

نے ماچس کی تیلی جلا کر اس کی روشنی میں دیواروں کو دیکھا کہ شاید کسی طاق میں کوئی موم بتی وغیرہ پڑی ہو، مگر طاق خالی پڑے تھے...... وہ ماچس کی تیلیاں جلاتے ہوئے آگے کو چلا...... راہداری جہاں ختم ہوئی تھی وہاں سے ایک پتھر کا زینہ اوپر کو جاتا تھا...... شیر خان زینہ چڑھ کر اوپر گیا تو ماچس جلا کر دیکھا کہ یہ ایک کھلا سا کمرہ ہے جس کا ایک جھروکا جنگل کی طرف کھلتا ہے...... اس جھروکے میں سے ابر آلود رات کی بہت ہی دھندلی سی روشنی اندر آ رہی تھی...... ماچس جلا کر شیر خان آگے بڑھا تو اسے کمرے کے وسط میں چھوٹے سے چبوترے پر ایک صندوق سا پڑا ہوا دکھائی دیا...... قریب آ کر دیکھا تو وہ ایک بوسیدہ تابوت تھا جس کے ساتھ جالے لپٹے ہوئے تھے...... جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ اسے تابوت کے سرہانے کی جانب پتھر کی ایک اونچی چوکی پر رکھی ہوئی مل گئی...... یہ ایک آدھی استعمال شدہ موم بتی تھی۔

شیر خان نے پہلا کام یہ کیا کہ موم بتی کو ماچس کی تیلی جلا کر روشن کر دیا...... اب اس نے جھک کر تابوت کو دیکھا...... تابوت پر گرد اور لکڑی کے جالوں کی تہہ جمی ہوئی تھی...... شیر خان سمجھ گیا کہ یہ قلعے میں رہنے والے کسی پرانے خاندان کے فرد کا تابوت ہے...... اس نے موم بتی ہاتھ میں لے لی اور اس خیال سے واپس ہوا کہ چل کر اس کمرے کو روشن کرتے ہیں جہاں شاہد علی اندھیرے میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہے...... جیسے ہی وہ موم بتی تھام کر واپس مڑا اسے ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دی......

شیر خان وہیں رُک گیا...... اس نے پلٹ کر دیکھا...... وہاں کچھ بھی نہیں تھا...... یہ سوچ کر جنگل کے کسی درخت پر ہدہد پرندے نے اپنی چونچ ٹہنی پر مار کر ٹھک ٹھک کی آواز پیدا کی ہو گی شیر خان واپس چل پڑا...... اس نے ابھی ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ وہی ٹھک ٹھک کی آواز دوبارہ سنائی دی...... اب شیر خان واپس مڑ کر تابوت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا...... اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ ٹھک ٹھک کی آواز تابوت میں سے آ رہی ہے...... پھر اسے خیال آیا کہ اس تابوت میں تو صدیوں پرانے کسی مردے کا پنجر پڑا ہو گا...... اندر سے آواز کیسے آ سکتی ہے...... وہ یہی سوچ رہا تھا کہ وہی آواز پھر سنائی دی...... تین بجے رات کا سماں...... اندھیرے سنسان جنگل میں پراسرار قلعے کا آسیبی

ماحول...... شیر خان آخر انسان تھا، ایک لمحے کے لئے اس کے جسم میں خوف کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی، لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے اندر ایک مسلمان کمانڈو مجاہد کی جرات و بے خوفی غالب آ گئی...... جب تیسری بار تابوت کے اندر سے ٹھک ٹھک کی آواز آئی تو صاف معلوم ہو رہا تھا کہ تابوت کے اندر سے کوئی ٹھک ٹھک کر رہا ہے...... کمانڈو شیر خان نے موم بتی پتھر کی چوکی پر لگا دی اور دونوں ہاتھوں سے تابوت کا ڈھکنا اٹھانے لگا...... تھوڑی سی کوشش کے بعد اس نے تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا...... موم بتی کی روشنی میں شیر خان نے تابوت کے اندر ایک حیرت انگیز دہشت ناک منظر دیکھا۔

❁ ❁ ❁

تابوت کے اندر دہشت ناک منظر کیا تھا؟ یہ راز معلوم کرنے کے لئے "کشمیر کے شاہین" کی دوسری جلد "کشمیر کے آتش فشاں" پڑھئے۔

کشمیر کے آتش فشاں
اے حمید
کشمیر کے شاہین

تابوت کے اندر ایک عورت کا کٹا ہوا سر تھا۔

یہ کٹا ہوا سر ایک طشت میں رکھا ہوا تھا...... طشت میں خون ہی خون تھا...... عورت کی آنکھیں بند تھیں...... نیلے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے...... کمانڈو شیر خان نے اس قسم کا ڈراؤنا منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا...... اس نے جلدی سے تابوت بند کر دیا...... جلتی ہوئی موم بتی اٹھائی اور ویران قلعے کے اس آسیب زدہ کمرے سے نکل کر سنسان راہ داری میں سے گزرتا ہوا اس چھوٹے سے کمرے میں آ گیا جہاں مجاہد شاہد علی دیوار سے ٹیک لگائے اُونگھ رہا تھا...... جھروکے میں سے بارش کے درختوں پر گرنے کی ہلکی ہلکی پراسرار آواز آ رہی تھی...... ہوا اور تیز بارش کا طوفان گزر چکا تھا...... اب صرف ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی...... جھروکے کے باہر جنگل میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا...... کمانڈو شیر خان کے قدموں کی آہٹ سے شاہد علی نے چونک کر دیکھا...... شیر خان نے موم بتی فرش پر لگا دی...... ان کا گائیڈ مجاہد بشیر علی قریب ہی فرش پر گہری نیند سو رہا تھا...... شیر خان مجاہد شاہد علی خان کے پاس بیٹھ گیا...... شاہد علی نے پوچھا۔

''یہ موم بتی تمہیں کہاں سے ملی؟''۔

شیر خان بولا۔

''ایک تابوت کے پیچھے پتھر کی چوکی پر پڑی تھی''۔

"تابوت؟" شاہد علی نے حیرانی سے پوچھا...... "یہ تابوت یہاں کہاں سے آ گیا؟"۔
کمانڈو شیر خان نے اسے ساری کہانی سنادی...... یہ آسیب زدہ کہانی سننے کے بعد مجاہد شاہد علی مسکراتے ہوئے بولا۔

"بھائی شیر خان! لگتا ہے تم نے غنودگی کے عالم میں چلتے ہوئے کوئی خواب دیکھا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہم لوگ خواب کی دُنیا میں نہیں حقیقت کی دُنیا میں رہتے ہیں...... اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو چل کر خود اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لو جو میں نے تمہیں بتایا ہے"۔

مجاہد شاہد کہنے لگا۔

"اس وقت ہمیں کوئی کام تو ہے نہیں...... چلو تھوڑی دیر کے لئے چل کر یہی تماشہ دیکھتے ہیں"۔

شیر خان نے موم بتی پکڑلی اور راستہ دکھاتا شاہد علی کو اس کمرے میں لے آیا جہاں اس نے تابوت کے اندر کسی عورت کا کٹا ہوا سر دیکھا تھا...... تابوت اسی طرح چبوترے پر پڑا تھا...... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ وہ تابوت ہے جس کے اندر ایک عورت کا کٹا ہوا سر طشت میں پڑا ہے...... تم خود تابوت کھول کر دیکھ لو"۔

توہمات اور ڈر خوف سے کمانڈو مجاہد شاہد علی کا دل بھی پاک تھا...... اس نے فوراً آگے بڑھ کر تابوت کا ڈھکنا کھول کر اندر جھانک کر دیکھا اور ہنس کر بولا۔

"کہاں ہے عورت کا کٹا ہوا سر؟ یہاں تو کسی مردے کی ہڈیوں کے سوائے اور کچھ بھی نہیں ہے"۔

اب کمانڈو شیر خان نے بھی جھک کر دیکھا...... واقعی تابوت میں سوائے مردے

کی ہڈیوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا...... عورت کا کٹا ہوا سر بمع طشت کے غائب تھا...... شیر خان نے حیرت سے کہا۔

"یقین کرو شاہد بھائی! میں نے عورت کا کٹا ہوا سر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔

شاہد علی بولا۔

"تو پھر کہاں چلا گیا؟"۔

یہ کہہ کر مجاہد شاہد علی نے تابوت بند کر دیا اور بولا۔

"یہ تمہارا وہم بھی ہو سکتا ہے...... آئیں اپنے کمرے میں چل کر کچھ دیر آرام کرتے ہیں...... صبح ہونے والی ہے...... ہمیں واپس جھانسی بھی جانا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے سر کھجاتے ہوئے دل میں سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ اس کا وہم ہی ہو اور اس کے نیم خوابیدہ تھکے ہوئے ذہن نے اسے تابوت کے اندر کسی عورت کا سر دکھا دیا ہو...... بہر حال اس کے پاس اس قسم کی توہماتی اور غیر فطری باتوں پر غور کرنے کے لئے نہ تو وقت تھا اور نہ یہ اس کے مجاہدانہ کمانڈو مزاج کے مطابق ہی تھیں...... دونوں تابوت والے آسیب زدہ کمرے سے نکل کر اپنے ٹھکانے کی طرف چلنے لگے۔

جب وہ پرانے قلعے کے اس آسیب زدہ تابوت والے کمرے سے نکل رہے تھے تو عین اس وقت تابوت کے پاس ایک عورت کا ہیولا نمودار ہوا...... عورت نے دلہنوں والا ریشمی لباس پہن رکھا تھا...... اس نے کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کو آسیب زدہ کمرے سے باہر جاتے دیکھا...... ایک ہلکی سی آہ بھری اور غائب ہو گئی۔

قلعے کی دوسری منزل والے چھوٹے کمرے میں آ کر شیر خان اور شاہد علی پراسرار تابوت کے بارے میں باتیں کرنے لگے...... شیر خان بولا۔

"تم مانو چاہے نہ مانو، مگر یہ قلعہ آسیب زدہ ہے"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"بھائی! اس قسم کے پرانے سبھی قلعے آسیب زدہ ہوتے ہیں...... ہوتے ہیں تو

ہوتے رہیں...... ہمیں کیا؟"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"شاہد بھائی! مجھے اب بھی یقین ہے کہ میں نے اپنی ان آنکھوں سے تابوت کے اندر ایک عورت کا کٹا ہوا سر دیکھا ہے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"بھائی دیکھا ہے تو ہمیں اس سے کیا لینا دینا...... تم یہ بتاؤ کہ واپس نکلنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے...... میرا تو خیال ہے کہ دن نکلنے والا ہے ہمیں یہاں سے چل پڑنا چاہئے"۔

کمانڈو شیر خان نے جھروکے میں سے باہر نگاہ دوڑائی...... ابر آلود آسمان پر سحر کی دھیمی دھیمی سفیدی جھلکنے لگی تھی...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... ہمیں جھانسی جانے والی صبح کی گاڑی مل جائے گی...... میں بشیر کو اٹھاتا ہوں"۔

اس نے بشیر علی گائیڈ کو جگادیا...... وہ کلمہ شریف پڑھتا ہوا اٹھ بیٹھا...... جھروکے میں سے آتی سحر کی دھیمی دھیمی روشنی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"صبح ہو رہی ہے"۔

مجاہد شاہد نے کہا۔

"بارش بھی ہلکی ہوگئی ہے...... ہمیں واپس چل پڑنا چاہئے"۔

"ہاں" بشیر علی نے کہا...... "روہت گڑھ سے ہمیں بمبئی سے جھانسی جانے والی صبح کی گاڑی مل جائے گی...... چلو"۔

تینوں مجاہد قلعے سے نکل آئے...... اب صرف بارش کی پھوار سی پڑ رہی تھی...... شاہد علی اور شیر خان نے اپنے گائیڈ اور مجاہد بشیر علی کو قلعے کے پراسرار تابوت کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی...... رات بھر کی طوفانی بارش

ے جگہ جگہ گڑھوں میں پانی بھر دیا تھا...... رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ سحر کی سفیدی ں تحلیل ہو رہا تھا...... گائیڈ مجاہد بشیر علی انہیں ایک دوسرے راستے سے جنگل سے ہر لے آیا...... وہ جب روہت گڑھ کے ریلوے سٹیشن کو جانے والی کچی سڑک پر آئے صبح کے اجالے میں سڑک دُور تک خالی نظر آ رہی تھی...... سڑک پر بے شمار چھوٹے چھوٹے پتھروں کی بجری سی جمع تھی...... وہ پیدل چلتے روہت گڑھ کے سٹیشن پر گئے...... یہاں سے انہیں جھانسی جانے والی صبح کی گاڑی مل گئی اور وہ جھانسی پہنچ ئے...... مجاہد قاسم جان جھانسی کے مجاہدوں کی تنظیم کی خفیہ پناہ گاہ میں بے چینی سے ن لوگوں کا انتظار کر رہا تھا...... انہیں دیکھتے ہی بولا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں کو دیکھا...... میں تو یہی سمجھا تھا کہ تم بھارت کی سی ئی ڈی کے ہتھے چڑھ گئے ہو"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"رات بارش کا اس قدر زوردار طوفان تھا کہ ہمیں رات دیوگری کے قلعے میں بسر کرنی پڑی"۔

"ٹھیک ہے" قاسم جان بولا...... "یہ بتاؤ کہ تم لوگوں کو ٹارگٹ کو قریب سے یکھنے کا بھی موقع ملا یا نہیں؟"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"جتنا دیکھنا ضروری تھا اتنا ہم نے دیکھ لیا ہے...... اب ہمیں اپنا مشن شروع دینا چاہئے"۔

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں" قاسم جان نے کہا۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ڈیم کی چٹانی دیوار ہمارا اصل ٹارگٹ ہے...... ہمارے پیش نظر اس وقت دو حلے ہیں...... پہلے مرحلے میں ہمیں ڈیم کی دیوار میں سوراخ ڈالنے ہیں...... دوسرا

مرحلہ ان سوراخوں میں ایسا بارود بھرنا ہے جو مقدار میں کم ہو لیکن تباہی میں انتہائی دھماکہ خیز ہو، سب سے اہم مسئلہ اس وقت ڈیم کی دیوار میں سوراخ کرنے کا ہے..... یہ سوراخ کسی پریشر ڈرل کے بغیر نہیں ڈالے جا سکیں گے اور پریشر ڈرل خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اس کی آواز ضرور پیدا ہو گی جو ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے..... اس مسئلے کا حل سب سے پہلے سوچنا ہے"۔

قاسم جان بڑے غور سے شیر خان کی بات سن رہا تھا، کہنے لگا۔

"سمجھو کہ یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے"۔

اس کے بعد قاسم جان نے کونے میں پڑے صندوق میں سے چھوٹے سائز کی ایک موٹر نکال کر شیر خان اور شاہد علی کو دکھائی اور کہا۔

"یہ موٹر بیٹری سے چلتی ہے.....اس کے آگے بے حد مضبوط فولادی کٹر لگا ہوا ہے جو سخت سے سخت پتھر میں بھی بڑی تیزی سے سوراخ ڈال سکتا ہے"۔

شیر خان اور شاہد علی موٹر کو غور سے دیکھنے لگے..... یہ مختصر سے سائز کی موٹر تھی.....اس کے ایک خانے میں بیٹری لگی تھی..... موٹر کے آگے تین بلیڈوں والا نوکیلا کٹر لگا ہوا تھا.....ان فولادی بلیڈوں کا سائز نوک کے پاس آدھ انچ سے بھی کم تھا لیکن پیچھے ان کا سائز دو انچ تھا..... قاسم جان کہنے لگا۔

"یہ جرمنی کی بنی ہوئی قابل اعتماد اور طاقتور موٹر ہے.....اس میں جو بیٹری فٹ ہے وہ چارج کی ہوئی ہے اور چھ گھنٹے تک کام دے سکتی ہے..... میرے ساتھ باہر آؤ"۔

قاسم جان نے کٹر موٹر اپنے ہاتھ میں اٹھائی اور شاہد علی اور شیر خان کو لے کر پناہ گاہ کے باہر آ گیا جہاں بائیں جانب ایک چٹان زمین سے تقریباً دس فٹ باہر نکلی ہوئی تھی..... قاسم جان نے ڈرل کی نوک چٹان پر ایک جگہ لگائی اور اس کا بٹن دبا دیا..... بڑی دھیمی آواز کے ساتھ ڈرل نے چلنا شروع کر دیا..... ڈرل کی نوک دیکھتے دیکھتے چٹان کی دیوار میں گھس گئی.....اس کے بعد ڈرل کے دو انچ چوڑے مضبوط بلیڈ بھی

چٹان کے سوراخ کے اندر چلے گئے اور دو منٹ کے اندر اندر چٹان میں تین انچ چوڑا اور تقریباً دس انچ گہرا شگاف ڈال دیا..... قاسم جان نے ڈرل باہر نکال لی.....ڈرل کی موٹر چل رہی تھی.....اس نے کہا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی آواز اتنی دھیمی ہے کہ ڈیم کے اوپر سکیورٹی گارڈز تک اس کے پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

قاسم جان نے ڈرل کی موٹر بند کر دی..... مجاہد شاہد علی جھک کر چٹان کے تین نچ دہانے کے سوراخ کو دیکھنے لگا.....شیر خان نے ڈرل کو لے کر اس کا اچھی طرح سے بائزہ لیا..... پھر اس نے بھی چٹان کے سوراخ کو غور سے دیکھا..... قاسم جان بولا۔

"ڈرل کا سائز لمبائی میں پورے بارہ انچ ہے..... یہ بڑی آسانی سے چٹان میں س انچ لمبا شگاف ڈال سکتی ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"لیکن قاسم بھائی! ڈیم کی دیوار بہت بڑی ہے، اس کو دھماکے سے اڑانے کے لئے ں میں کم از کم دو فٹ تک گہرا سوراخ ڈالنا ضروری ہے"۔

قاسم جان نے جواب دیا۔

"یہ میں جانتا ہوں، لیکن اس سے بڑی ڈرل کی موٹر کی آواز بہت زیادہ ہو گی جو رے مشن کے لئے خطرناک ہو گی..... باقی جہاں تک ڈیم کی مضبوط دیوار میں دھماکہ نے کا سوال ہے اس کا بھی حل ہمارے پاس موجود ہے.....اندر آجاؤ"۔

وہ لوگ اندر چھوٹے سے کمرے میں آ گئے..... قاسم جان نے کونے والے ندوق میں سے ہی سٹیل کا ایک چوکور ڈبہ نکال کر کھولا، اس میں انجکشن کے سرنج ئز کی شیشے کی نلیاں ایک دوسری کے اوپر رکھی ہوئی تھیں..... قاسم جان نے ایک ا بڑی احتیاط سے اٹھا کر شیر خان اور شاہد علی کو دکھائی اور بولا۔

"دیکھنے میں یہ ایک نازک سی نلکی ہے، لیکن اس میں جو کیمیاوی سیاہ رنگ کا مواد

بھرا ہوا ہے اس میں اتنی طاقت ہے کہ اس کا دھماکہ بارہ فٹ مربع چٹان کو ریزہ ریز
کر سکتا ہے"۔

شاہد علی نے پوچھا۔

"کیا آپ نے اس کا تجربہ کیا ہے؟"۔

قاسم جان نے کہا۔

"اس کا پہلا تجربہ ہم نے آج سے چھ ماہ پہلے جموں پٹھان کوٹ ریلوے لائن
ایک پل اُڑا کر کیا تھا...... یہ پل سارے کا سارا چٹانی پتھروں سے بنا ہوا تھا اور اس قد
مضبوط تھا کہ عام بارود وہاں کام نہیں دے سکتا تھا...... ہمارے مجاہدوں نے صرف ایک
نلکی پل کے درمیان میں اسی ڈرل سے شگاف ڈال کر لگائی تھی...... جب ریموٹ
اس کا دھماکہ کیا تو شاید تمہیں یقین نہ آئے، اتنا بڑا اور طاقتور پل آدھے سے زیادہ اُڑ
تھا...... اس کے بعد بھی ہم نے تین چار جگہوں پر اس دھماکہ خیز کیمیاوی مواد کو آز
اور اس کے انتہائی حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوئے...... مجھے یقین ہے کہ ڈیم کی دیوار میں
اگر پانچ پانچ فٹ کے فاصلے پر دس شگاف ڈال کر ان میں یہ نلکیاں لگا کر ریموٹ سے
کا ایک ہی دفعہ دھماکہ کیا جائے گا تو دیوار میں کم از کم سو فٹ چوڑا شگاف ضرور
ہو جائے گا...... جب ڈیم کی جھیل میں کروڑوں سے بھی زیادہ ٹن پانی ایک ہی دفعہ
فٹ شگاف سے باہر کو زور مارے گا تو پانی کے بے پناہ دباؤ سے باقی کی دیوار بھی ٹو
جائے گی...... مجھے پورا یقین ہے کہ یہ فارمولا کام کر جائے گا"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"قاسم بھائی آپ اس قدر اعتماد کے ساتھ کہہ رہے ہیں اور آپ اس کا تجر
بھی کر چکے ہیں تو ہمیں ان نلکیوں میں بھرے ہوئے کیمیاوی محلول پر بھروسہ کرنا
پڑے گا"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈیم کی دیوار میں شگاف ڈالنے کے لئے اس پر چڑھا
کیسے جائے گا...... ہمارے مشاہدے کے مطابق ڈیم کی دیوار کئی سو فٹ بلند ہے......
دیوار ہموار ہو گی، ظاہر ہے دیوار پر چڑھنے کے لئے کوئی سیڑھی وغیرہ کسی بھی جگہ
نہیں بنائی گئی ہو گی اور ہمیں دیوار میں زمین سے کم از کم پچاس فٹ کی بلندی پر جا کر
شگاف ڈالنے ہوں گے......اس کے بارے میں ہمیں سوچنا ہے"۔

جھانسی رضاکار تنظیم کے قاسم جان نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ان لوگوں نے دیوار کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کے لئے
دیوار کے ساتھ کہیں کہیں لوہے کی سیڑھیاں بنائی ہوئی ہیں، مگر اس کی تصدیق کے
لئے تم لوگوں کا خود وہاں جا کر ایک بار مشاہدہ کرنا بہت ضروری ہے"۔

اگلے دن تینوں سرفروش مجاہد جھانسی کا بشیر علی، شیر خان اور شاہد علی ایک بار پھر
دیوگری قلعے کے جنگل کی طرف چل پڑے...... دن کا وقت تھا...... دھوپ خوب نکلی
ہوئی تھی...... موسم تھوڑا تھوڑا گرم تھا...... شیر خان بکریاں چرانے والے اور شاہد علی
اپنے پسندیدہ بھیس سپیرے کے حلیے میں تھا...... بشیر علی نے وہاں کے عام دیہاتیوں کا
لباس پہن رکھا تھا...... دیوگری کے قلعے تک جنگل میں وہ ساتھ ساتھ چلتے رہے، قلعے
سے آگے وہ الگ الگ ہو گئے...... یہ انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ ان میں کون کہاں اور
کون کس جگہ پر ایک دوسرے سے ملے گا...... کمانڈو شیر خان جو بکریاں چرانے والے
کے بھیس میں تھا آگے آگے تھا اور وہ جنگل کی دوسری طرف سے ایک لمبا چکر کاٹ کر
اپنے طے شدہ نشان پر پہنچ گیا۔

مجاہد شاہد علی جو سپیرے کے لباس میں تھا دس منٹ بعد وہاں پہنچا...... دس پندرہ
منٹ بعد بشیر علی بھی دیہاتیوں کی طرح چھوٹی سی گٹھڑی سر پر رکھے آ گیا...... تینوں
ایک چٹان کی اوٹ میں جھاڑیوں کے پاس چھپ کر بیٹھ گئے...... ذرا آگے نیچے کو جاتی
وادی کے پیالے کی ڈھلان تھی......اس کے پہلو میں کوئی تین سو فٹ کے فاصلے پر ڈیم

کی دیو پیکر زمین سے اوپر تک جاتی ہوئی مضبوط اور یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی چٹانی دیوار تھی...... تینوں بڑے غور سے ڈیم کی اس عقبی دیوار کو دیکھ رہے تھے جس نے ڈیم کے آبی ذخیرے کے کروڑوں ٹن پانی کی جھیل کو نیچے وادی میں جانے سے روک رکھا تھا...... دیوار پر باہر کو نکلی ہوئی کہیں کہیں پتلی جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں...... ایک دو جگہوں پر انہیں دیوار کے ساتھ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک جاتی بھوری اور سیاہ لکیریں سی دکھائی دیں...... شیر خان نے اپنے ساتھیوں کو وہ لکیریں دکھاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے یہی وہ لوہے کی سیڑھیاں ہیں جو دیوار کی جانچ پڑتال کے لئے بنائی گئی ہیں"۔

بشیر علی بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"ان لکیروں کو قریب سے جا کر دیکھنا ہوگا"۔

بشیر علی بولا۔

"یہ علاقہ بڑا حساس علاقہ ہے اور یہاں یقینی طور پر انٹیلی جنس کے آدمی بھیس بدل کر موجود ہوں گے...... ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہم ہر طرح سے محتاط رہیں گے، مگر قریب جا کر ان سیڑھیوں کو دیکھنا ضروری ہے"۔

اس نے بشیر علی سے کہا۔

"بشیر علی! تم اسی جگہ رہو گے...... میں اور شاہد علی آگے جائیں گے"۔

چنانچہ بشیر علی کو وہیں چھوڑ کر شیر خان اور شاہد علی جھاڑیوں میں سے نکل کر پیالہ نما وادی کی ڈھلان اترنے لگے...... نیچے وادی میں جانے کی بجائے وہ ڈھلان کے

درمیان میں آ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں ڈیم کی دیوار کی طرف بڑھ رہے تھے...... ان کے نیچے جو سنگلاخ اور ویران وادی تھی اس کے زیر زمین خفیہ پناہ گاہوں میں میزائل سیٹلائٹ پروگرام پر کام ہو رہا تھا...... اس بات کا قوی امکان تھا کہ وادی میں سکیورٹی اور خفیہ نگرانی کا زبردست انتظام کیا گیا ہوگا، اسی وجہ سے دونوں کمانڈو ڈھلان پر متوازی چل رہے تھے اور وادی میں نیچے نہیں آئے تھے...... ڈھلان پر بے شمار اونچی جنگلی گھاس، جھاڑیاں اور درخت اُگے ہوئے تھے...... یہ چیزیں انہیں بڑی اچھی آڑ مہیا کر رہی تھیں ...... اس کے باوجود وہ بے حد محتاط ہو کر چل رہے تھے اور ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں بول رہے تھے۔

شاہد علی جو سپیرے کے بھیس میں تھا اس کے ہاتھ میں بانس کی لمبی چھڑی تھی اور اس نے گیروے رنگ کا پرانا سا چولا پہن رکھا تھا...... وہ تھوڑی دیر بعد جھک کر اور بانس کی چھڑی سے جھاڑیوں کو اِدھر اُدھر ہلا کر کچھ دیکھ لیتا تھا کہ اگر دُور سے اسے کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ یہ سپیرا سانپوں کو پکڑنے جنگل میں آیا ہے...... شیر خان بکریاں چرانے والے کے بھیس میں تھا اور ایک چھوٹا بکری کا بچہ اس نے گودی میں اٹھایا ہوا تھا...... بکری کا یہ بچہ وہ جھانسی ہی سے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا...... وہ ایک دوسرے کے درمیان بیس پچیس فٹ کا فاصلہ ڈال کر جا رہے تھے۔

وہ اس جگہ آ کر رُک گئے جہاں سے ڈھلان ڈیم کی دیوار کے عین ساتھ لگ کر نیچے جاتی تھی...... شیر خان نے دُور ہی سے شاہد علی کو اشارہ کیا...... اس کا مطلب تھا کہ تم دوسری طرف سے ہو کر ڈیم کی دیوار کے پاس پہنچو...... مجاہد شاہد علی اشارہ پاتے ہی ایک طرف کو مڑ گیا...... شیر خان جہاں آ کر رکا تھا، وہیں سے نیچے اترنے لگا...... بکری کا بچہ اس نے گود میں ہی لے رکھا تھا...... ڈیم کی دیوار کے پاس جہاں زمین کی ڈھلان ختم ہو گئی تھی اور وادی کی جھاڑیاں شروع ہو جاتی تھیں، وہاں آ کر شیر خان بیٹھ گیا...... اس نے بکری کے بچے کو نیچے اتار دیا اور اس کی گردن میں بندھی ہوئی رسی کا سرا اپنے ہاتھ

میں پکڑ لیا اور اپنے دائیں بائیں دیکھا۔

اسے وہاں اپنے سوا کوئی انسان دکھائی نہ دیا۔

کسی طرف سے کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی...... اس نے اپنی دائیں جانب اوپر کو اٹھتی ہوئی سینکڑوں فٹ اونچی ڈیم کی دیوار کو دیکھا...... دیوار کو دیکھ کر دل پر ایک ہیبت سی طاری ہوتی تھی...... یہ دیوار چین سے بھی اونچی دیوار تھی...... اس وقت شیر خان کے دل میں شک پیدا ہوا کہ قاسم جان نے اسے جو طاقتور دھماکہ خیز محلول والی سرنج ٹائپ کی نلکیاں دکھائی تھیں، وہ اگر ساری کی ساری اس دیوار میں لگا کر ان کا دھماکہ کیا جائے تو اس دیو ہیکل دیوار کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔

بکری کے بچے کو شیر خان نے وہیں ایک جھاڑی میں باندھا اور خود بڑی احتیاط کے ساتھ چاروں طرف سے چوکنا ہو کر ڈیم کی دیوار کے پاس آ گیا...... اس نے دیوار کو ہاتھ لگا کر محسوس کیا کہ دیوار جیسے لوہے کی بنی ہوئی تھی...... ذرا آگے وہ سیاہ لکیر دکھائی دی جو دیوار کے اوپر تک جا رہی تھی...... شیر خان نے چرواہوں کی اداکاری کرتے ہوئے زمین پر سے سوکھی ٹہنیاں اٹھا کر ایک رسی سے باندھ کر انہیں اپنے سر پر رکھ لیا تھا...... سیاہ لکیر کے پاس آ کر اس نے دیکھا کہ واقعی یہ ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا آہنی زینہ تھا جو دیوار کے ساتھ چمٹا اوپر تک چلا گیا تھا...... اوپر جا کر ایک چھوٹی سی گیلری بنی ہوئی تھی جو دائیں سے بائیں دیوار کے متوازی دوسرے زمینوں کی طرف چلی گئی تھی...... اس گیلری پر کھڑے ہو کر شاید ڈیم کی دیوار کی جانچ پڑتال کی جاتی اور جہاں کہیں کسی جگہ مرمت کی ضرورت ہو تو وہاں مرمت کر دی جاتی ہو گی۔

یہ گیلری اور لوہے کی سیڑھی شیر خان کے مشن کے لئے ایک بہت بڑی نعمت تھی...... صرف ایک خطرہ تھا کہ اگر رات کے اندھیرے میں ان پر سرچ لائٹ کی روشنی پڑے تو انہیں دیکھا جا سکتا تھا...... شیر خان ایک جگہ بیٹھ گیا...... اس کو کچھ فاصلے پر جہاں دوسری آہنی سیڑھی ڈیم کی دیوار کے ساتھ اوپر کو جاتی تھی، شاہد علی دکھائی

دیا...... شاہد علی بھی آہنی سیڑھی کے پاس آ کر رک گیا تھا...... پھر وہ وہیں بیٹھ گیا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھا اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف کو واپس چلا گیا...... اس کے واپس مڑتے ہی کمانڈو شیر خان بھی وہاں سے واپس ہو گیا...... جہاں اس نے بکری کے بچے کو باندھا ہوا تھا وہاں آ کر بکری کے بچے کو کھول کر گود میں اٹھایا اور ڈھلان کے اوپر چڑھنے لگا...... ڈھلان چڑھ کر وہ اوپر درختوں میں اسی جگہ آ کر بیٹھ گیا جہاں سے دونوں کمانڈو ایک دوسرے سے جدا ہوئے تھے۔

اتنے میں شاہد علی بھی سپیرا بنا کندھے پر بانس رکھے آ گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی شاہد علی بھی اسی طرف کو چل پڑا...... دونوں ایک دوسرے سے فاصلے پر چل رہے تھے...... وہ جنگل کے مغربی حصے میں سے ہوتے ہوئے دیوگری کے پرانے قلعے کی دیوار کے پاس آ کر بیٹھ گئے...... مجاہد شاہد علی نے آہستہ سے کہا۔

"ڈیم کی دیوار کے ساتھ لوہے کی سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں...... اوپر جا کر دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی سی لمبی گیلری بھی بنی ہوئی ہے"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میں نے بھی سب کچھ دیکھ لیا ہے...... ان سیڑھیوں کی وجہ سے دیوار پر چڑھ کر اس میں شگاف ڈالنے کا کام آسان ہو گیا ہے...... پھر بھی ہمیں ایک ایک قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہو گا...... اگرچہ قاسم جان نے جو ہمیں جرمنی کی بنی ہوئی ڈرل دکھائی ہے اس کی آواز بہت دھیمی ہے، اس کے باوجود رات کی خاموشی میں اس کی آواز ڈیم کی دیوار کے اوپر گشت کرنے والے فوجیوں کے کان میں پڑ سکتی ہے"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"ہماری کوشش یہی ہو گی کہ ڈرل کی آواز اوپر تک نہ جائے...... یہی ہو سکتا ہے کہ ہم وقفے وقفے کے بعد ڈرل کو استعمال کریں"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں نے دیوار کی مضبوطی سے اندازہ لگایا ہے کہ ہمیں اس میں شگاف ڈالنے میں دو راتیں ضرور لگ جائیں گی..... ہمیں کم از کم دس شگافوں میں دھماکہ خیز محلول رکھنا ہوگا، لیکن ایک بات ہے"۔

"وہ کیا؟" شاہد علی نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"ڈیم کی دیوار اتنی سخت اور مضبوط ہے کہ مجھے شک ہے کہ جو دھماکہ خیز محلول ہمیں دیا جا رہا ہے وہ دھماکے کے بعد شاید ہی دیوار میں اتنا شگاف ڈال سکے کہ ڈیم کی جھیل کا پانی وادی کو غرق آب کر دے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"شیر خان! اگر ہم ڈیم کی دیوار میں دھماکوں کے بعد پانچ پانچ فٹ کے حجم کے شگاف بھی ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یقین کرو پانی کا بے پناہ دباؤ باقی دیوار کو خود ہی توڑ ڈالے گا"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہو" شیر خان نے جواب دیا..... "بہر حال ہمیں دو راتیں دیوگری کے قلعے میں ضرور رہنا ہوگا"۔

شاہد علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اس طرح شاید قلعے کی بھٹکی ہوئی بدروح سے بھی تفصیلی ملاقات ہو جائے گی"۔

شیر خان سنجیدہ ہو گیا، کہنے لگا۔

"شاہد بھائی! تم چاہے میرا مذاق اڑاؤ، لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میں نے قلعے کے اندر جو تابوت تھا اس میں ایک عورت کا کٹا ہوا سر دیکھا ہے"۔

"چھوڑو شیر بھائی ان باتوں کو" شاہد علی بولا۔

چلو اب واپس چلتے ہیں اور اس بکری کے بچے کو یہیں جنگل میں چھوڑ دو"۔

شیر خان بکری کے بچے کو گود میں سنبھالتے ہوئے اٹھا اور بولا۔

"ابھی ہمیں جنگل کے اس علاقے سے گزرنا ہے جہاں ملٹری انٹیلی جنس والوں کی موجودگی کا امکان ہے"۔

وہ دونوں واپس چل پڑے..... جب وہ جنگل میں اس جگہ پر پہنچے جہاں جنگل کی سرحد ختم ہوتی تھی اور روہت گڑھ کے سٹیشن کو جانے والی سڑک انہیں درختوں کے درمیان سامنے نظر آنے لگی تھی تو کمانڈو شیر خان نے بکری کے بچے کو وہیں چھوڑ دیا..... شاہد علی نے کہا۔

"بشیر علی کو یہاں رکنے کے لئے کہا تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہا"۔

شیر خان اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ بشیر علی کہاں چلا گیا ہے"۔

اتنے میں درختوں کے درمیان سے بشیر علی دیہاتی لباس میں نکل کر ان کے پاس آ گیا..... کہنے لگا۔

"جہاں تم لوگ مجھے چھوڑ کر گئے تھے وہاں ایک آدمی نے گزرتے ہوئے مجھے گھور کر دیکھا تھا..... مجھے شبہ ہوا کہ یہ انٹیلی جنس کا آدمی ہی ہو سکتا ہے، چنانچہ میں وہاں سے غائب ہو گیا اور جنگل کے اس کنارے پر آ کر چھپ کر تمہارا انتظار کرنے لگا..... مجھے معلوم تھا کہ تم اسی جگہ جنگل میں سے باہر نکلو گے"۔

اب مجاہد بشیر علی بھی ان کے ساتھ چلنے لگا..... وہ روہت گڑھ کے سٹیشن کو جانے والی سڑک پر چل رہے تھے..... بشیر علی نے پوچھا۔

"تمہاری مشاہداتی مہم کیسی رہی؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہم نے ڈیم کی دیوار کو بڑے قریب سے جا کر دیکھا ہے..... قاسم جان کا خیال

درست تھا...... ڈیم کی دیوار پر لوہے کی تین چار سیڑھیاں اوپر تک چلی گئی ہیں...... دیوار میں سوراخ ڈالنے اور دھماکہ خیز مواد بھرنے میں ہماری مدد کریں گی"۔

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے" بشیر علی نے کہا۔

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے تینوں سرفروش روہت گڑھ کے سٹیشن پر آگئے...... وہاں سے ٹرین پکڑی اور ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کے سفر کے بعد جھانسی کے سٹیشن پر اتر گئے...... وہاں سے وہ الگ الگ ہو گئے اور ایک ایک کر کے تنظیم کے خفیہ ٹھکانے پر آگئے...... قاسم جان کو تمام حالات سے آگاہ کیا گیا...... قاسم جان کو بھی یہ سن کر اطمینان ہوا کہ ڈیم کی دیوار پر لوہے کی چھوٹی سیڑھیاں موجود ہیں، کہنے لگا۔

"ان سیڑھیوں نے ہمارے مشن کا ایک بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے"۔

وہ دن اور اس سے اگلا دن مشن کی ضروری تیاریوں میں گزر گیا...... دوسرے دن تینوں سرفروش یعنی جھانسی کا مجاہد بشیر علی، کمانڈو شیر خان اور شاہد علی اپنے اہم ترین مشن پر روانہ ہونے کے لئے بالکل تیار تھے...... انہیں دو راتیں اور ایک دن دیوگری کے قلعے میں گزارنا تھا...... تھوڑا بہت خشک راشن اور پانی کی بڑی تھرمس کے علاوہ دو ڈرل مشینیں، دھماکہ خیز کیمیاوی محلول کی بیس عدد نلکیاں تین برین گنیں، تین سائی لینسر چڑھے پستول، ایک ایک کمانڈو چاقو اور ایک ریڈیو الیکٹرک لہروں والا ریموٹ کنٹرول یہ ایک رات پہلے تنظیم کے تربیت یافتہ رضاکاروں نے دیوگری قلعے کے اس کمرے میں پہنچا دیا تھا جہاں شیر خان وغیرہ بارش کے طوفان میں ایک رات بسر کر چکے تھے۔

بشیر علی، شاہد علی اور کمانڈو شیر خان اس علاقے کے دیہاتیوں کے بھیس میں تھے...... بشیر علی سورج غروب ہونے سے پہلے ہی خفیہ پناہ گاہ سے نکل کر دیوگری کے قلعے میں پہنچ گیا تھا...... سورج غروب ہونے کے بعد کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بھی اپنے مشن پر روانہ ہو گئے...... جگہ انہوں نے دیکھی ہوئی تھی...... ویران قلعے تک

جانیوالا جنگل کا راستہ انہیں معلوم تھا...... ایک ایک چھوٹی کلہاڑی اور درختوں کی سوکھی ٹہنیوں کا ایک ایک گٹھا انہوں نے کلہاڑی کے دستے میں اڑا کر کندھوں پر رکھ لیا تھا...... جنگل میں اندھیرا چھانے سے پہلے پہلے دونوں کمانڈو بھی ویران قلعے میں پہنچ گئے...... بشیر علی پہلے سے وہاں موجود تھا...... قلعے کی دوسری منزل والے کمرے میں اس نے ایک بڑی موم بتی روشن کر رکھی تھی...... اس نے شیر خان سے کہا۔

"قلعے کے عقب میں میں نے ایک چھوٹا سا چشمہ دیکھا ہے...... وہاں سے ہم تازہ پانی تھرمس میں لا سکتے ہیں"۔

شیر خان اور شاہد علی نے موم بتی کی روشنی میں اسلحہ اور دوسرے سامان کو چیک کیا...... ہر شے درست حالت میں تھی...... وہ راستہ بھی انہوں نے متعین کر لیا تھا جس راستے سے گزر کر انہیں ڈیم کی دیوار تک پہنچنا تھا...... شیر خان ویران کمرے کے جھروکے میں سے وادی کی طرف دیکھنے لگا، دور کچھ فاصلے پر ڈیم کی عقبی دیوار شروع رات کے اندھیرے میں سائے کی طرح دکھائی دے رہی تھی...... شاہد علی بھی اس کے پاس آگیا...... انہیں کسی ٹرک کے انجن کی آواز سنائی دی...... آواز دور سے آ رہی تھی...... شیر خان نے چونک کر شاہد علی سے کہا۔

"تم یہ آواز سن رہے ہو؟"۔

"ہاں" شاہد علی بولا...... "یہ کسی بھاری فوجی ٹرک کی آواز ہے"۔

انہوں نے غور سے سنا تو ایک اور ٹرک کی آواز بھی آنے لگی...... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ فوجی نقل و حرکت لگتی ہے"۔

شاہد علی بولا۔

"یہاں زمین کے نیچے جو کام ہو رہا ہے وہ سارا فوج کی نگرانی میں ہو رہا ہے...... چنانچہ فوجی ٹرکوں کی آمد کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"وہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ فوجی نقل و حرکت اس وقت نہیں ہونی چاہئے تھی جبکہ ہم رات کو کمانڈو ایکشن شروع کرنے والے ہیں"۔

نیچے وادی میں اندھیرا تھا...... وہ اندھیرے میں بڑے غور سے دیکھ رہے تھے...... ایک جگہ انہیں ایک ٹرک کی بتیوں کی روشنی ایک لمحے کے لئے دکھائی دی اور پھر یہ روشنی دوسری طرف گھوم گئی...... دونوں ٹرکوں کی آواز آہستہ آہستہ غائب ہو گئی...... شاہد علی بولا۔

"معلوم ہوتا ہے فوجی ٹرک نیچے تہہ خانوں میں اتر گئے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان خاموش تھا...... وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا...... اس نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی، کہنے لگا۔

"ابھی رات کے آٹھ بجے ہیں...... ہمیں ٹھیک گیارہ بجے اپنے ٹارگٹ کی طرف چل پڑنا چاہئے...... ڈیم کی دیوار میں دس شگاف ڈالنے ہیں...... ہمیں کافی وقت لگ جائے گا"۔

بشیر علی قلعے کے پیچھے جو چشمہ تھا وہاں پانی لینے گیا ہوا تھا...... وہ بڑی تھرمس پانی کی بھر کر لے آیا...... انہوں نے وہیں قلعے کے ویران کمرے میں بیٹھ کر گُڑ کے ساتھ بھنے ہوئے چنے کھا کر پانی پیا اور رات کے گیارہ بجنے کا انتظار کرنے لگے...... طے یہ ہوا تھا کہ مجاہد بشیر علی پیچھے قلعے میں ہی رہے گا...... موم بتی جل رہی تھی...... انہوں نے ڈرل کی چھوٹی مشینیں نکال کر انہیں ایک بار پھر صاف کیا اور بیٹھ کر اپنے مشن ہی کے بارے میں دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگے...... رات گہری ہوتی جا رہی تھی...... جھروکے کے باہر اندھیرا تھا...... جنگل پر سناٹا طاری تھا...... کسی وقت دُور جنگل میں کسی پرندے کے بولنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی...... لگتا تھا کہ کوئی بھٹکا ہوا پرندہ ہے جو اپنے علاقے سے نکل کر اس جنگل میں آ گیا ہے...... رات کے گیارہ بجنے میں دس منٹ

باقی تھے کہ کمانڈو شیر خان اور شاہد علی چل پڑے...... دونوں کے پاس ایک ایک ڈرل مشین، ایک ایک پستول اور کمانڈو چاقو کے علاوہ کیمیاوی محلول والی نلکیوں کا لفافہ تھا جسے شیر خان نے اپنے پاس رکھا تھا...... جنگل میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی...... وہ پہلے سے معلوم راستے پر بڑی احتیاط کے ساتھ دائیں بائیں سے باخبر رہتے ہوئے سنبھل سنبھل کر راستہ طے کر رہے تھے...... وہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے سے اشاروں میں بات کر لیتے تھے...... چلتے چلتے وہ اس مقام پر آ کر رُک گئے جہاں سے زمین ڈھلان کی صورت میں نیچے وادی تک چلی گئی تھی...... اسی ڈھلان کی بائیں جانب سے ڈیم کی دیوار شروع ہو جاتی تھی...... دونوں اندھیرے میں بیٹھ گئے اور ڈیم کی دیوار کے اوپر دیکھنے لگے جہاں دیوار پر لگا ہوا جنگلا شمال سے جنوب تک چلا گیا تھا...... جنگلے پر کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی...... ڈیم کا بجلی گھر دوسری طرف تھا...... اس جانب ڈیم کی کوئی اہم تنصیبات نہیں تھیں...... جنگلے کے ساتھ کسی وقت کوئی سنتری گشت لگاتا گزر جاتا تھا۔

شاہد علی نے شیر خان کے کان میں سرگوشی کی۔

"بڑی سرچ لائٹیں ڈیم کی دیوار کے شمالی اور جنوبی کونے میں لگی ہوئی ہیں...... وہاں واچ ٹاور بھی ہیں"۔

شیر خان نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

"دن کے وقت میں نے یہ واچ ٹاور دیکھ لئے تھے...... ہمیں ان سے خبردار رہنا ہو گا...... دوسری بات جو اہم ہے یہ کہ ڈرل چلاتے وقت موٹر کی آواز مسلسل نہیں آنی چاہئے، درمیان میں ایک ایک منٹ کا وقفہ ڈالنا ہو گا"۔

شاہد علی بولا۔

"ایسا ہی ہو گا"۔

ڈیم کی دیوار کے ساتھ اوپر تک گئی ہوئی آہنی سیڑھیوں کی نشان دہی ہو چکی تھی...... دونوں کو معلوم تھا کہ کسے کس جگہ سے اپنا کام شروع کرنا ہے...... فیصلہ یہی

ہوا تھا کہ دیوار پر زیادہ اوپر جانے کی بجائے زمین سے صرف بیس فٹ کی بلندی پر دیوار میں سوراخ ڈالے جائیں گے...... اس کے دو فائدے تھے...... پہلا فائدہ تو یہ تھا کہ دیوار کے نیچے رہنے سے ڈرل موٹر کی آواز اوپر ڈیم کے جنگلے تک نہیں جاسکتی تھی۔ دوسرا اہم فائدہ یہ تھا کہ ڈیم کی دیوار کے پیندے میں اندر کی جانب پانی کا دباؤ بے پناہ ہوگا، جب وہاں سے دیوار میں ایک ساتھ دھماکے سے دس شگاف پیدا ہوں گے تو پانی کا بے پناہ دباؤ ان شگاف میں سے وادی کی جانب نکلتے ہوئے اس قدر دباؤ ڈالے گا کہ اس دباؤ سے دیوار اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکے گی...... یہ سارا منصوبہ پہلے سے طے شدہ تھا۔

جب دونوں مجاہدوں کی گھڑیوں نے رات کے گیارہ بجائے تو کمانڈو شیر خان نے شاہد علی کو آہستہ سے کہا۔

"اللہ کا نام لے کر چل پڑو"۔

اشارہ ملتے ہی شاہد علی تیزی سے ڈیم کی ڈھلان میں اتر گیا...... جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو کمانڈو شیر خان بھی ڈیم کی دیوار کی طرف سے ڈھلان پر اترنے لگا...... وہ دیوار کے بالکل ساتھ لگ کر سنبھل سنبھل کر اتر رہا تھا...... شاہد علی کو دیوار کے شمال کی جانب جا کر دیوار میں پانچ شگاف ڈالنے تھے، جبکہ شیر خان کو اپنی طرف سے دیوار میں پانچ شگاف ڈالنے تھے...... دونوں جانب آہنی سیڑھیاں دیوار سے چمٹی ہوئی تھیں...... ان دونوں سیڑھیوں کے درمیان کوئی دو سو فٹ کا فاصلہ تھا...... جو کچھ ہونا تھا اسی دو سو فٹ کے درمیان ہی ہونا تھا اور یہ فاصلہ ڈیم کی دیوار کے پیندے کا وسطی حصہ تھا...... کمانڈو شیر خان دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا اس جگہ آ گیا جہاں آہنی سیڑھی دیوار کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی...... سیڑھی کی دونوں جانب سہارا دینے کے لئے لوہے کے راڈ لگے ہوئے تھے...... شیر خان نے ایک لمحے کے لئے دیوار کے اوپر دور جنگلے پر نگاہ ڈالی...... وہاں ایک کھمبے پر بجلی کا بلب جل رہا تھا جس کی روشنی جنگلے کے ارد گرد تک ہی محدود تھی...... شیر خان اللہ کا نام لے کر آہنی زینے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا......

مقررہ بلندی پر جا کر اس نے اپنی بائیں طرف دیکھا...... اندھیرے میں اسے شاہد علی نظر نہ آیا، لیکن کچھ ہی دیر بعد اسے دور سے ڈرل مشین کی بہت ہی دھیمی دھیمی گونج سی سنائی دینے لگی...... وہ سمجھ گیا کہ شاہد علی نے اپنا کام شروع کر دیا ہے...... ایک منٹ بعد ڈرل مشین کی دھیمی آواز رک گئی...... اس کے ایک منٹ بعد پھر مشین کی آواز آنے لگی...... یہ آواز اتنی مدھم تھی کہ شیر خان کو یقین تھا کہ آواز اوپر جنگلے تک نہیں سنی جاسکتی۔

اب شیر خان نے بھی آہنی زینے میں اچھی طرح سے اپنے پاؤں کو پھنساتے ہوئے ایک جگہ دیوار میں سوراخ ڈالنا شروع کر دیا...... ڈرل مشین کی آواز اگرچہ دھیمی تھی مگر شیر خان کو ڈر ضرور تھا کہ کہیں اوپر گشت کرتا سنتری اس آواز کو نہ سن لے...... ایک منٹ تک دیوار میں ڈرل مشین چلانے کے بعد شیر خان نے ڈرل کو بند کر دیا اور اوپر نگاہ ڈالی...... دور اوپر جنگلے پر اسے کوئی سنتری دکھائی نہیں دے رہا تھا...... ایک ڈیڑھ منٹ کے وقفے کے بعد وہ دوبارہ ڈرل چلانے لگا...... ڈیم کی دیوار بہت پختہ تھی...... ڈرل بڑی سست رفتاری سے اس کے اندر سوراخ ڈال رہا تھا...... یہ بڑے صبر آزما لمحات تھے...... ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی فوجی ٹرک زیرزمین لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ سے باہر نکلا تو ممکن ہے اس کی روشنیاں اس پر پڑیں اور وہ دیوار میں ڈرل سے سوراخ ڈالتا نظر آجائے۔

ان تمام خدشات کے باوجود وہ اور مجاہد شاہد علی پوری توجہ اور انہماک سے دیوار میں سوراخ ڈالنے میں مصروف تھے...... وقفے وقفے سے وہ گھڑی پر بھی نگاہ ڈال لیتے تھے...... رات کا ڈیڑھ بج گیا...... اس دوران کمانڈو شیر خان مطلوبہ گہرائی اور چوڑائی کے صرف دو سوراخ ہی ڈال سکا تھا...... شاہد علی دوسرا سوراخ ڈال رہا تھا...... وہ ارد گرد بھی ایک نظر ڈال کر دیکھ لیتے تھے...... آہنی زینے پر جھک کر کھڑے کھڑے اور دونوں ہاتھوں سے ڈرل مشین کو مضبوطی سے پکڑے سخت جان ہونے کے باوجود ان کے

جسم کسی وقت اس طرح سن ہو جاتے کہ انہیں اپنے آپ کو نیچے گرنے سے بچانے کے لئے سنبھالنا پڑتا...... انہیں ہر ایک منٹ کے بعد ڈرل مشین کو ایک دو منٹ کے لئے روکنا پڑتا تھا...... یوں بھی وقت ضائع ہو رہا تھا۔

جب رات کے تین بجے کا عمل ہوا تو اچانک ڈیم کی دیوار کے اوپر گاڑیوں کا ہلکا ہلکا شور بلند ہونے لگا...... شیر خان نے ڈرل مشین کو روک کر اوپر دیکھا...... دیوار کے اوپر کافی بلندی پر جنگلے پر گاڑیوں کی روشنیاں پڑ رہی تھیں...... شاید ڈیم پر رات بھر کام کرنے والے واپس جا رہے تھے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ آ رہے تھے...... یہ شور اور روشنیاں شاہد علی نے بھی دیکھ لی تھیں...... شیر خان نے اپنے حلق سے کوئل کی مخصوص آواز نکالی...... اس علاقے میں رات کے وقت کوئل کی آواز عام طور پر سنائی دے جاتی تھی...... یہ آواز شاہد علی نے سنی تو سمجھ گیا کہ شیر خان نے واپسی کا سگنل دیا ہے...... وہ سیڑھیاں اترنے لگا...... کمانڈو شیر خان نے بھی ڈرل مشین کو کمر کی بیلٹ کے ساتھ لٹکایا اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔

نیچے اتر کر کمانڈو شیر خان ڈھلان کی چڑھائی چڑھانے کے بعد اوپر جنگل کے مخصوص درختوں کے نیچے آ کر بیٹھ گیا...... تھوڑی دیر بعد شاہد علی بھی اندھیرے میں نمودار ہوا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"کتنا کام ہوا؟" شیر خان نے سرگوشی میں پوچھا۔

"صرف ڈھائی سوراخ ڈال سکا ہوں" شاہد علی نے جواب دیا۔

شیر خان بولا۔

"میں نے پونے تین ڈالے ہیں...... اب واپس چلو"۔

"یہ اوپر گاڑیوں کا شور اور روشنیاں کیسی تھیں؟"۔

شاہد علی کے سوال پر شیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے ڈیم پر کام کرنے والوں کی شفٹ بدل رہی تھی"۔

اس کے بعد وہ دیوگری کے قلعے کی جانب رات کے اندھیرے میں چل پڑے...... اس بات سے وہ مطمئن بھی تھے اور حیران بھی تھے کہ اتنا مشکل بلکہ سب سے مشکل مرحلہ اتنی آسانی سے طے ہو رہا ہے اور اتنی سکیورٹی کے باوجود وہاں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکی کہ دو خطرناک ترین کمانڈو ملک کے اتنے بڑے ڈیم کی اتنی مضبوط دیوار کو اڑانے کے لئے اس میں سوراخ ڈال رہے ہیں...... حقیقت یہ تھی کہ وہاں سکیورٹی کی ساری توجہ کا مرکز وادی کا علاقہ تھا جہاں زیر زمین تہہ خانوں میں لیزر شعاعوں کے سیٹلائٹ پراجیکٹ پر خفیہ طور پر کام ہو رہا تھا...... ڈیم کی دیوار کی طرف سے وہ لوگ مطمئن تھے کہ اس طرف جانے کی کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے...... یہ بات تو سکیورٹی والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ کو تباہ کرنے کے لئے اس بار کمانڈو ایک بالکل ہی نیا داؤ آزما رہے تھے۔

قلعے کی دوسری منزل والے چھوٹے سے ویران کمرے میں ان کا ساتھی بشیر علی سو رہا تھا...... شیر خان اور شاہد علی کے قدموں کی آواز سے وہ جاگ پڑا۔

"سب خیر ہے ناں؟" اس نے اٹھتے ہی پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے" شیر خان نے کہا...... "سوئے رہو"۔

بشیر علی دوبارہ سو گیا...... ان کا تھوڑا بہت جو اسلحہ تھا وہ کونے میں ایک چادر میں لپیٹ کر رکھا ہوا تھا...... وہاں کسی کے آنے کا احتمال نہیں تھا...... یہ قلعہ شہر سے دور جنگل میں تھا...... دوسرے اس کی شہرت اچھی نہیں تھی...... اس قلعے کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں کسی عورت کی بدروح بھٹکتی پھرتی ہے...... اس کے ڈر سے اس طرف کوئی نہیں آتا تھا، چنانچہ اب اس قلعے میں یا کوئی کمانڈو چھپنے کے لئے آ سکتا تھا یا کوئی بھوت یا بدروح ہی آ سکتی تھی...... شیر خان نے کیمیاوی محلول والا پلاسٹک کا لفافہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اسے ہم یونہی اپنے ساتھ لے گئے تھے...... آج تو دھماکہ خیز مادہ سوراخوں میں

لگانے کا وقت ہی نہیں تھا"۔

شاہد علی بولا۔

"میں بھی یہی محسوس کر رہا تھا...... یہ کام دیوار میں پورے سوراخ ڈالنے کے بعد اطمینان سے ہی کیا جا سکتا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈیم کی دیوار تو جیسے فولاد کی بنی ہوئی ہے...... اس میں چھوٹی ڈرل مشین سے سوراخ ڈالنا بڑا جان جوکھوں کا کام ہے...... خدا کا شکر ہے کہ ڈرل مشین کی آواز زیادہ نہیں تھی"۔

شاہد علی بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ کل رات تک ہم پانچ پانچ سوراخ ڈال سکیں گے"۔

"انشاء اللہ" شیر خان بولا...... اب ہمیں بھی سو جانا چاہئے اور وہ وہیں فرش پر لیٹ گئے۔

دوسرے روز بشیر علی پہلے جاگا...... شیر خان اور شاہد علی دوپہر تک سوئے رہے...... بشیر علی نے اس دوران قلعے کی راہداری میں آگ جلا کر ایک کیتلی میں ان کے لئے چائے بھی بنا ڈالی تھی اور تھوڑے سے چاولوں کی کھچڑی بھی تیار کر لی تھی...... دوپہر کو اٹھ کر شیر خان اور شاہد علی نے کھچڑی کھا کر چائے پی اور قلعے کے جھروکے کے پاس کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے...... جھروکے میں سے دن کی روشنی اس چھوٹے سے کمرے میں آ رہی تھی...... جھروکا قلعے کی دوسری منزل والے کمرے میں تھا...... جھروکے سے باہر درختوں کے اوپر سے دور ڈیم کی دیوار دن کی روشنی میں دکھائی دے رہی تھی...... شیر خان نے کہا۔

"آج کی رات ہم جتنے بھی سوراخ ڈال سکے ان میں دھماکہ خیز محلول ضرور لگا دینا چاہئے...... جتنا جتنا کام ختم ہوتا جائے اچھا ہے...... دو تین سوراخ اگر رہ بھی جائیں تو

کل رات ان میں دھماکہ خیز مواد بھر دیں گے"۔

شاہد علی نے جیب سے نسواری رنگ کا چھوٹا سا ریڈیو ریموٹ کنٹرول نکال کر شیر خان کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"اس ریموٹ کنٹرول کی ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی...... اس ریموٹ کنٹرول میں بٹن صرف ایک ہے جس کو دبانے سے ڈیم کی دیوار میں لگائے گئے کیمیاوی محلول میں دھماکہ ہوگا، لیکن دیوار میں ہم دس جگہوں پر یہ محلول لگا رہے ہیں...... سوال یہ ہے کہ کیا بٹن دبانے سے دس کے دس سوراخوں میں ایک ساتھ دھماکہ ہوگا یا ہمیں باری باری ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر دھماکے کرنے ہوں گے؟"۔

شیر خان بولا۔

"یہ ٹیکنالوجی میری سمجھ سے بھی باہر ہے...... بہرحال قاسم جان نے یہی کہا تھا کہ جب دیوار میں کیمیاوی دھماکہ خیز محلول کی نلکیاں لگا چکو تو قلعے میں واپس آکر ریموٹ کنٹرول کا رُخ ڈیم کی دیوار کی طرف کر کے اس کا بٹن دبا دینا...... اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ بٹن کو بار بار دبانا...... میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا بھی نہیں...... میرا خیال ہے کہ ایک بار بٹن دبانے سے ہمارے لگائے ہوئے دس کے دس سوراخوں میں ایک ساتھ دھماکہ ہوگا"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو" شاہد علی نے کہا۔

سارا دن انہوں نے قلعے کے اس دوسری منزل والے کمرے میں گزار دیا...... سورج غروب ہو گیا...... جنگل میں شام کا اندھیرا چھانے لگا...... بشیر علی کھچڑی گرم کر کے لے آیا...... انہوں نے سرِ شام ہی کھانا کھا لیا...... اس کے بعد چائے تیار کی گئی...... سارے کا سارا قلعہ ویران پڑا تھا...... وہاں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا...... وہ جس کمرے میں چاہے آگ جلا کر کیتلی میں چائے بنا سکتے تھے...... بشیر علی نے شیر خان سے کہا۔

"آپ لوگ تھوڑی دیر آرام کرلیں...... میں رات کے گیارہ بجے آپ کو جگادوں گا"۔

شیر خان بولا۔

"کمانڈو جب اپنے مشن پر نکلتے ہیں تو سونے اور آرام کرنے کے خیال کو پیچھے ہی چھوڑ آتے ہیں......اس وقت ہماری ساری توجہ اپنے مشن پر لگی ہوئی ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"گیارہ تو باتیں کرتے کرتے بج جائیں گے...... لاؤ برین گنوں ہی کی صفائی کرلیتے ہیں"۔

شیر علی کونے سے چادر میں لپٹا ہوا اسلحہ اٹھالایا......انہوں نے موم بتی کی روشنی میں برین گنوں کی چیکنگ وغیرہ کرنی شروع کردی......اس کے بعد ڈرل مشینوں کی صفائی کرنے لگے، اسی طرح رات گزرتی چلی گئی...... سوادس بجے رات انہوں نے ٹارگٹ پر جانے کی تیاری شروع کردی...... گیارہ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے کہ وہ قلعے سے نکل کر ڈیم کی دیوار کی طرف روانہ ہوگئے...... جنگل کا راستہ ان کا دیکھا بھالا تھا......ڈیم کی دیوار تک وادی میں سے جاتا سیدھا راستہ پانچ منٹ کا تھا مگر وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر جنگل کے ایک ایسے علاقے سے گزر کر جاتے تھے جس طرف سکیورٹی والوں کی موجودگی کا امکان نہیں تھا......ڈیم کی دیوار کے پاس طے شدہ درختوں کے جھنڈ میں پہنچ کر وہ بیٹھ گئے...... سب سے پہلے شاہد علی دیوار کی جانب اپنے سپاٹ پر گیا......اس کے بعد کمانڈو شیر خان اٹھا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا...... قلعے سے چلتے وقت ہی شیر خان نے دھماکہ خیز مواد کی پانچ نلکیاں مجاہد شاہد علی کو دے دی تھیں کہ اگر وہ اپنے حصے کے پورے سوراخ ڈالنے میں کامیاب ہوجائے تو ان میں دھماکہ خیز نلکیاں فٹ کرکے ان کے مخصوص بٹن اندر کو دبادے...... یہ بٹن مونگ کی دال کے دانے کے برابر تھے اور ان کا تعلق ریڈیو الیکٹرک لہروں سے تھا اور انہوں نے ریموٹ کنٹرول کی

لہروں کو پکڑ کر دھماکہ کرنا تھا۔

پانچ دھماکہ خیز سرنج یعنی نلکیاں شیر خان نے اپنے پاس رکھ لی تھیں......وہ آج یہ طے کرکے نکلے تھے کہ سارا کام ختم کرکے ہی واپس لوٹیں گے، کیونکہ دوسری کے بعد تیسری رات کا خطرہ مول لینا عقلمندی نہیں تھی...... ڈیم کی دیوار کے ساتھ ساتھ رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے دونوں کمانڈو مجاہد اپنے اپنے ہدف پر پہنچ کر اپنے زینے پر چڑھ گئے اور انہوں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ دیوار میں سوراخ ڈالنے کا کام شروع کردیا...... چاروں طرف سے چوکنے اور چوکس ہو کر وہ رات کے تین بجے تک اپنے کام میں لگے رہے...... کمانڈو شیر خان نے دیوار میں پانچوں سوراخ ڈال کر اس کے اندر دھماکہ خیز مواد کے سرنج لگادیئے تھے اور ان کے ریموٹ بٹن بھی دبادیئے تھے......اس کام سے فارغ ہو کر وہ آہنی زینے سے نیچے اترا اور اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ کر چلتا واپس درختوں کے جھنڈ میں آکر بیٹھ گیا...... پندرہ بیس منٹ کے بعد شاہد علی بھی آگیا۔

آتے ہی بولا۔

"میں نے پانچوں سوراخوں میں نلکیاں فٹ کردی ہیں اور ریموٹ کنٹرول کے بٹن بھی دبادیئے ہیں"۔

"میں نے بھی یہ سب کچھ کردیا ہے......اب یہاں سے نکل چلو"۔

دونوں اٹھے اور جنگل کے اندھیرے میں واپس روانہ ہوگئے...... پچھلی رات کی گہری خاموشی میں جنگل سنسان پڑا تھا...... دونوں اکٹھے چل رہے تھے......اب انہیں صرف قلعے میں پہنچ کر سورج کے نکلنے کا انتظار کرنا تھا، کیونکہ ریموٹ کنٹرول کی لہریں سورج کی روشنی میں ہی ڈیم کی دیوار میں لگائے ہوئے دھماکہ خیز کیمیاوی مادے میں دھماکہ پیدا کرسکتی تھیں...... اس ریموٹ کنٹرول کی شعاعیں بادلوں میں یا رات کے وقت بے اثر ہوجاتی تھیں۔

بیس پچیس منٹ کے بعد دونوں کمانڈو دیوگری قلعے کی عقبی دیوار کے پاس پہنچ گئے...... یہاں سے انہیں پرانے قلعے کی دیوار کے کونے والے برج سے مڑ کر قلعے کے بڑے دروازے کی طرف جانا تھا...... کمانڈو شیر خان آگے آگے تھا...... وہ جیسے ہی قلعے کی دیوار کے کونے والے برج سے مڑا اس نے دیکھا کہ ایک عورت جس نے دلہنوں والا لباس پہن رکھا ہے قلعے کے دروازے کے باہر کھڑی ہے...... اس کا رُخ شیر خان کی طرف تھا...... شیر خان وہیں رُک گیا اور جلدی سے پیچھے ہو گیا...... پیچھے شاہد علی تھا...... اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"کیا ہوا؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"عجیب بات ہے...... قلعے کے دروازے کے باہر ایک عورت دلہن کا لباس پہنے کھڑی ہے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" شاہد علی نے کہا۔

شیر خان بولا۔

"لگتا ہے انٹیلی جنس والوں کو شک ہو گیا ہے کہ قلعے میں کچھ تخریبی کام ہو رہا ہے...... انہوں نے اس جاسوس عورت کو دُلہن کے لباس میں بھیجا ہے"۔

شاہد علی بولا۔

"ذرا پیچھے ہٹو...... میں دیکھتا ہوں"۔

شاہد علی نے آگے بڑھ کر دیوار کے کونے میں سے سر باہر نکال کر دیکھا...... قلعے کے دروازے کے باہر کوئی عورت نہیں تھی...... اس نے شیر خان سے دھیمی آواز میں کہا۔

"وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے؟"۔

اب شیر خان نے سر آگے کو کر کے دیکھا...... واقعی قلعے کے دروازے کے باہر

ئی نہیں تھا...... اس نے شاہد علی سے کہا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے ایک عورت کو دُلہن کے کپڑوں میں کھڑے دیکھا ہے...... وہ میری طرف دیکھ رہی تھی"۔

شاہد علی بولا۔

"شیر بھائی! یہ تمہارا وہم ہے...... تم نے پہلے بھی کہا تھا کہ قلعے کے بڑے کمرے کے تابوت میں تمہیں ایک عورت کا کٹا ہوا سر نظر آیا تھا...... جب میں نے تمہارے ساتھ جا کر تابوت کھول کر دیکھا تو تابوت سوائے مردے کی ہڈیوں کے کچھ بھی نہیں تھا...... چلو اوپر اپنے ٹھکانے پر چلتے ہیں...... بشیر علی ہمارا انتظار کر رہا ہو گا"۔

کمانڈو شیر خان عجیب ذہنی اُلجھن کی حالت میں شاہد علی کے ساتھ قلعے کے دروازے کی طرف بڑھا...... جب وہ قلعے کے دروازے میں داخل ہونے لگا تو اسے ایسی خوشبو محسوس ہوئی جو عام طور پر دُلہنوں کے لباس سے آیا کرتی ہے...... یہ خوشبو اسی جگہ سے آ رہی تھی جہاں شیر خان نے ایک عورت کو دُلہن کے لباس میں دیکھا تھا...... اس نے شاہد علی سے اس خوشبو کا ذکر نہ کیا...... اس خیال سے کہ وہ اس کا مذاق بنائے گا کہ تم ایک بہادر کمانڈو ہو کر اس قسم کی توہمات کی باتیں کر رہے ہو...... شیر خان نے بھی اپنے آپ کو یقین دلا دیا کہ ہو سکتا ہے یہ اس کی نظر کا فریب ہو اور اس نے کسی عورت کو نہیں دیکھا...... وہ ڈیوڑھی کی اندھیری سیڑھیاں چڑھ کر قلعے کی دوسری منزل والے چھوٹے سے کمرے میں آ گئے جہاں بشیر علی موم بتی روشن کئے بڑی بے تابی سے ان کا انتظار کر رہا تھا...... اس کو دیکھتے ہی بولا۔

"مشن کیسا رہا؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"سارا کام بخیر و خوبی ہو گیا ہے، اب صرف ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبانا باقی ہے"۔

بشیر علی نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

"سورج نکلتے ہی انشاء اللہ یہ کام بھی ہو جائے گا"۔

شیر خان نے ریموٹ کنٹرول نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور تینوں کمرے کے جھروکے کے پاس بیٹھ کر سورج نکلنے کے انتظار میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے...... جیسے جیسے رات گزر رہی تھی اور سورج نکلنے کا وقت قریب آ رہا تھا ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی...... یہ بڑے صبر آزما لمحات تھے...... ان کی ساری جدوجہد ا ساری کامیابی کا دارومدار ریموٹ کنٹرول کے سرخ بٹن پر تھا جس کے دبانے سے بار باری ڈیم کی دیوار میں لگائے ہوئے دھماکہ خیز کیمیاوی مواد نے پھٹنا تھا۔

یہ ریموٹ کنٹرول سورج کی شعاعوں میں زیادہ کارگر ثابت ہوتا تھا اور اس کامیابی کے سو فیصد امکانات تھے...... کم از کم شیر خان کو قاسم جان نے یہی بتایا تھا، لیکن عین وقت پر کچھ بھی ہو سکتا تھا...... ریموٹ کنٹرول کا بٹن جام ہو سکتا تھا...... ڈیم دیوار میں لگایا ہوا دھماکہ خیز مواد ریموٹ کی شعاعوں کو بے اثر کر سکتا تھا...... اسی کے خدشات بار بار شیر خان کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے...... مجاہد شاہد علی بھی کچھ اسی قسم کے خیالات میں اُلجھا ہوا تھا...... ایک بار اس نے کمانڈو شیر خان کے آگے ا خدشات کا اظہار بھی کیا جس کے جواب میں شیر خان نے کہا۔

"ہمیں جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے ہیں...... آگے سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے...... دعا کرو کہ ہماری محنت رائیگاں نہ جائے"۔

بشیر علی موم بتی کی روشنی میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا...... شیر خان اور شاہد علی تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنی گھڑیوں پر وقت دیکھ لیتے تھے۔

آخر جھروکے کے باہر آسمان پر صبح کا ہلکا ہلکا نور جھلکنے لگا...... تینوں مجاہد ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے...... اس وقت رات کے چار بج کر دس منٹ ہوئے تھے...... جھروکے کا رُخ ڈیم کی دیوار کی جانب تھا...... سورج کو بھی اسی رُخ پر طلوع ہونا تھا...... وہ جھروکے کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے...... دُور مشرقی افق پر طلوع آفتاب سے پہلے کی سرخ

پھیلنا شروع ہو گئی تھی...... نیچے پیالہ نما وادی کے درخت اور جھاڑیاں نظر آنے لگی تھیں...... دو ٹرک نظر آئے...... ایک ٹرک زیر زمین لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ کے سرنگ نما دروازے میں سے نکل کر اوپر کچی سڑک کی طرف جا رہا تھا...... دوسرا ٹرک سڑک کی ڈھلان سے اتر کر پراجیکٹ کی سرنگ کی طرف بڑھ رہا تھا...... ڈیم کی دیو پیکر دیوار اب صاف نظر آ رہی تھی...... شیر خان اور شاہد علی کی نگاہیں مشرقی اُفق پر لگی ہوئی تھیں...... مجاہد شاہد علی بے اختیار بولا۔

"یا اللہ پاک! ہماری لاج رکھ لینا"۔

کمانڈو شیر خان خاموش تھا اور اُفق کے کناروں کو دیکھ رہا تھا، جہاں سورج کی اولیں کرنیں مشرقی آسمان کو روشن کر چکی تھیں...... شاہد علی نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیا ہمیں پورا سورج نکلنے کا انتظار کرنا ہوگا؟"۔

شیر خان نے سورج کے روشن سرخ کنارے کو نمودار ہوتے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم اس وقت بٹن دبائیں گے جب سورج پورے کا پورا آسمان پر نمودار ہو چکا ہوگا"۔

سورج کا سرخ تھال آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا...... اس کی سرخ روشنی جھروکے میں کھڑے تینوں مجاہدوں پر پڑ رہی تھی...... جب سورج پورے کا پورا آسمان پر نکل آیا تو کمانڈو شیر خان نے ریموٹ کنٹرول کا رُخ ڈیم کی دیوار کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"میں بٹن دبانے لگا ہوں...... بسم اللہ"۔

اور کمانڈو شیر خان نے بسم اللہ پڑھ کر ریموٹ کا سرخ بٹن دبا دیا...... اس وقت طلوع ہوتے سورج کی سرخ کرنیں ریموٹ پر پڑ رہی تھیں...... ان کو یقین تھا کہ بٹن کے دباتے ہی ڈیم کی دیوار پر پہلا دھماکہ ہوگا، لیکن کچھ نہ ہوا...... شیر خان اور شاہد علی مایوسی اور حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے...... شاہد علی نے کہا۔

"شیر خان! ایک بار پھر کوشش کرو"۔

شیر خان نے ریموٹ کا رُخ ڈیم کی دیوار کی طرف کر کے دوسری بار سرخ ب
دبادیا......اس کے ساتھ ایک کڑاکے کی آواز آئی جس سے ساری وادی گونج اٹھی۔
یہ ایسی آواز تھی جیسے کسی جگہ آسمانی بجلی گری ہو...... مجاہدوں کے چہرے خوشی س
چمک اٹھے......شاہد علی نے کہا۔

"شیر خان! دوسرے ٹارگٹ کو اُڑادو"۔

شیر خان نے ریموٹ کا رُخ بائیں طرف کیا اور سرخ بٹن دبادیا...... اس بار ک
وہی کڑاکا پیدا ہوا اور پھر زبردست دھماکے کی آواز آئی......ڈیم کی دیوار کے دو شگافو
میں لگایا ہوا کیمیاوی مواد پھٹ کر دیوار کو دو جگہوں سے توڑ چکا تھا، مگر دیوار اتنی مضبو
تھی کہ ابھی تک ڈیم سلامت تھا۔

شاہد علی نے پریشان سا ہو کر کہا۔

"دیوار نہیں ٹوٹی شیر خان، کام غلط ہو گیا ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا اور تیسری بار بٹن دبادیا...... تیسرا کڑاکے کے دا
دھماکہ ہوا......اب ساری وادی ڈیم کے خطرے کے الارم سے گونج اٹھی تھی اور واد
میں کئی فوجی گاڑیاں اِدھر سے اُدھر دوڑتی بھاگتی نظر آنے لگی تھیں...... دن کی روش
چاروں طرف پھیل چکی تھی......ڈیم کی دیوار اسی طرح کھڑی تھی اور کسی شگاف میں
سے پانی دیوار کو توڑ کر باہر نہیں نکلا تھا...... کمانڈو شیر خان نے باری باری سار
شگافوں میں لگے ہوئے دھماکہ خیز کیمیاوی مواد کو بٹن دبا کر اُڑادیا...... کیمیاوی موا
ضرور اُڑ گیا تھا مگر ڈیم کی دیوار اسی طرح کھڑی تھی اور کسی جگہ سے پانی دیوار توڑ کر با
نکلتا دکھائی نہیں دے رہا تھا، لیکن ایسی بات نہیں تھی۔

یہ مجاہد ڈیم کی دیوار سے بہت دُور قلعے کے کھنڈر کے جھروکے میں کھڑے
تھے......ڈیم کی دیوار کے ساتھ ان دھماکوں اور کڑاکوں نے جو سلوک کیا تھا اسے ڈیم ک
سکیورٹی کے فوجی اور حفاظتی عملے کے لوگ ڈیم کی دیوار کے اوپر جنگلے کے ساتھ اِدھ

اُدھر دیوانہ وار بھاگتے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ دیوار کئی جگہوں سے تڑخ چکی ہے اور
دیوار گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ لرزنا شروع ہو گئی ہے...... ڈیم کے سارے کے
سارے عملے میں افراتفری کا سا عالم تھا...... ہنگامی حفاظتی تدابیر اختیار کی جا رہی
تھیں...... خطرے کا الارم مسلسل چیخ رہا تھا۔

پھر ایک بھیانک آواز بلند ہوئی...... یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی بہت بڑا پہاڑ اپنی
جگہ سے اُچھل کر سمندر میں جا گرا ہو......اس وقت شیر خان بشیر علی اور مجاہد شاہد علی
نے دیکھا کہ دُور ڈیم کی دیوار میں ایک جگہ سے پانی کی کئی سو فٹ لمبی دھار دیوار توڑ کر
باہر کو نکل آئی تھی...... اس کے فوراً بعد ایک اور دھماکہ ہوا اور ڈیم کی دیوار کے
دوسرے شگاف کو توڑ کر پانی کی طوفانی اور بہت موٹی اور لمبی دھار باہر کو نکل آئی......
مجاہد شاہد علی نے کمانڈو شیر خان کے دونوں ہاتھوں سے کندھے پکڑتے ہوئے کہا۔

"شیر خان! خدا نے ہماری دُعا سن لی ہے......ڈیم ٹوٹ رہا ہے"۔

جھانسی کی خفیہ تنظیم کا رضاکار مجاہد بشیر علی بھی یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، کہنے لگا۔

"ہمیں اب زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے...... فوج اس سارے علاقے کو
گھیرے میں لے لے گی"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"جب تک ڈیم ٹوٹ نہیں جاتا اور پانی کا سمندر زیرِ زمین پراجیکٹ میں داخل
نہیں ہو جاتا ہمیں اس جگہ ٹھہرنا ہوگا"۔

انہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا......ڈیم کی دیوار دس جگہوں سے ٹوٹ چکی تھی اور
ذخیرے کئے ہوئے کروڑوں ٹن پانی کا دباؤ جب دیوار پر پڑا تو دیوار اس دباؤ کو برداشت
نہ کر سکی اور دیکھتے ہی دیکھتے ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ گئی اور کروڑوں ٹن پانی طوفانی
سمندر کے ریلے کی طرح دیوار کے چٹانی پتھروں کو خس و خاشاک کی طرح اُڑاتا ہوا
طوفانِ نوحؑ کی طرح وادی کی طرف بڑھا...... یہ ایک قیامت خیز طوفانی منظر تھا جس

میں پانی کی طوفانی موجوں کا شور ڈیم کے الارم فوجی گاڑیوں کی بھاگ دوڑ اور فوجیوں کی چیخ و پکار کے شور میں گڈ مڈ ہو رہا تھا۔

ڈیم کا پانی طوفان خیز سمندر بن کر وادی میں آ گیا اور شور مچاتا، جھاگ اُڑاتا، جھاڑیوں اور درختوں کو اُکھاڑتا زیر زمین لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ کی سرنگ کی ڈھلان پر کئی سو فٹ فی سیکنڈ کی رفتار کے ساتھ چیختا چنگھاڑتا سرنگ میں داخل ہوا اور اس نے سرنگ کو فرش سے لے کر چھت تک اپنی لپیٹ میں لے لیا اور زیر زمین تہہ خانے اور پراجیکٹ کی لیبارٹریاں اور ان کا ساز و سامان وہاں پر کام کرتے عملے کے لوگ چند سیکنڈ کے اندر اندر ڈیم کے سیلاب میں غرق ہو گئے اور وہ کسی کو مدد کے لئے بھی نہ بلا سکے۔

ڈیم کے سیلاب نے چند لمحوں میں پیالہ نما وادی کو پانی سے لبریز کر دیا...... جہاں پہلے درخت جھاڑیاں اور فوجی گاڑیاں دوڑتی بھاگتی نظر آ رہی تھیں اب وہاں پانی ہی پانی تھا...... سمندر ہی سمندر تھا...... اپنے مشن کو اپنی آنکھوں کے سامنے کامیاب ہوتے دیکھ کر تینوں مجاہد، کمانڈو شیر خان، بشیر علی اور مجاہد شاہد علی قلعے کے دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کے مشرقی کنارے کی طرف چلنے لگے...... ڈیم کے پانی کا سیلاب اب قلعے کے بڑے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا...... جنگل سے نکل کر وہ روہت گڑھ کے سٹیشن کو جانے والی سڑک پر آئے تو وہاں دُور انہیں کئی فوجی گاڑیاں کھڑی نظر آئیں...... بشیر علی نے کہا۔

''ہمیں اس طرف سے نہیں جانا چاہئے...... میرے ساتھ آؤ''۔

اور وہ شیر خان اور شاہد علی کو لے کر ایک گھاٹی میں اُتر گیا۔

✿✿✿

تینوں مجاہد مشرقی ٹیلوں میں سے ہوتے ہوئے روہت گڑھ کے سٹیشن پر پہنچ گئے...... بشیر علی اور شیر خان دیہاتی لباس میں تھے جبکہ مجاہد شاہد علی سپیرے کے بھیس میں تھا...... سٹیشن پر بھی عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی...... ڈیم کی تباہی کی خبر یہاں پہنچ چکی تھی...... ریلوے پولیس کے علاوہ ملٹری پولیس کے جوان بھی اِدھر اُدھر دوڑ بھاگ کر رہے تھے...... تینوں کمانڈو مجاہد منصوبے کے مطابق ایک دوسرے سے الگ ہو کر پلیٹ فارم پر بیٹھے جھانسی کی طرف جانے والی ٹرین کا انتظار کر رہے تھے...... ٹکٹ انہوں نے خرید کر رکھ لئے تھے...... دُور بیٹھ کر بھی وہ ایک دوسرے کی خبر گیری کر رہے تھے...... جگہ جگہ پلیٹ فارم پر مسافر ٹولیوں میں ڈیم کی تباہی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے...... یہ بہت بڑی تباہی تھی، بہت بڑا سانحہ تھا...... یہ بات شیر خان اور شاہد علی سے پوشیدہ نہیں تھی کہ جھانسی تک اس سارے علاقے میں پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس اور فوجی چوکس ہو گئے ہوں گے...... اگرچہ وہ سپیرے اور دیہاتی لباس میں تھے، اس کے باوجود بے حد محتاط رہ کر جھانسی تک سفر کرنا تھا۔

ٹرین آ کر رُکی...... تینوں کمانڈو مجاہد الگ الگ ڈبوں میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے سوار ہو گئے...... ٹرین چل پڑی...... جھانسی تک پچاس کلو میٹر کا سفر تھا...... ٹرین جھانسی پہنچی تو کمانڈو شیر خان کو پلیٹ فارم پر کچھ خلاف معمول سا ماحول محسوس ہوا...... ٹرین کے رکتے ہی وہ ڈبے سے نکل کر ان ڈبوں کی طرف دیکھنے لگا جہاں مجاہد

شاہد اور بشیر علی سوار ہوئے تھے...... دوسرے مسافروں کے ساتھ وہ بھی ڈبوں سے باہر آگئے...... انہوں نے بھی دُور سے کمانڈو شیر خان کو دیکھ لیا تھا اور پہلے کی طرح یہاں بھی الگ الگ ہو کر پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف بڑھے۔

کمانڈو شیر خان کے تجربے نے بتا دیا تھا کہ یہاں معاملہ کچھ گڑبڑ ہے، چنانچہ اس نے پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف جانے کی جلدی نہ کی اور دوسرے مسافروں کے پیچھے رُک رُک کر چلنے لگا...... اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا...... وہ بھی کچھ فاصلے پر مسافروں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے...... ان کے آگے بڑھنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کمانڈو شیر خان کی طرح ان میں سے کسی نے خطرے کی بو محسوس نہیں کی ...... پلیٹ فارم کے گیٹ کے قریب آکر اچانک کمانڈو شیر خان نے فوج کے دس بارہ سپاہیوں کو گیٹ کی دوسری طرف ڈیوڑھی میں کھڑے دیکھا...... دو فوجی افسر گیٹ سے نکلنے والے مسافروں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے جس مسافر پر انہیں ذرا سا بھی شک پڑتا اسے روک کر ڈیوڑھی میں فوجی جوانوں کے حوالے کر دیتے...... فوجی سپاہیوں کے پاس پہلے سے دو مسافر چپ چاپ مگر گھبرائے ہوئے کھڑے تھے...... ظاہر ہے ان سے پوچھ گچھ کی جانے والی تھی۔

بھارت کے ایک بہت بڑے ڈیم کے ساتھ ان کے ایک اہم ترین زیر زمین خفیہ لیزر سیٹلائٹ پراجیکٹ کی تباہی ہوئی تھی...... پولیس اور فوج کی انٹیلی جنس جس قدر سخت اقدامات کرتی وہ حق بجانب تھی...... یہ ٹرین روہت گڑھ سے آرہی تھی اور اسی جگہ ڈیم غرق ہوا تھا...... فوج کی سخت سکیورٹی کو دُور ہی سے دیکھ کر کمانڈو شیر خان ایک طرف ہو کر کھسک گیا اور ایک لوہے کے چوکور ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر بشیر علی اور مجاہد شاہد علی کو تکنے لگا، کیونکہ وہ گیٹ کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے...... وہاں پہنچ کر ان کی نظر فوجی سپاہیوں پر پڑی تھی، مگر اب دیر ہو چکی تھی...... وہ گیٹ پر آگئے تھے اور فوجی افسر نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا...... بشیر علی تو عام دیہاتیوں کے لباس میں تھا اور

چونکہ اس علاقے کا رہنے والا تھا اس لئے وہاں کے دیہاتیوں کی زبان آسانی سے بول لیتا تھا۔

مجاہد شاہد علی سپیرے کے بھیس میں تھا اور اس علاقے کی دیہاتی زبان سے اتنا واقف نہیں تھا...... فوجی افسر نے بشیر علی کو گہری نگاہ سے دیکھا اور اسے دیہاتی سمجھ کر جانے دیا...... جب شاہد علی سپیرے کے بھیس میں اس کے قریب سے گزرنے لگا تو فوجی افسر نے اسے روک دیا...... اس نے شاہد علی سے پوچھا۔

"کہاں سے آرہے ہو؟"۔

"روہت گڑھ سے آرہا ہوں حجور" شاہد علی نے اس علاقے کے سپیروں کی زبان بولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا...... ہندو فوجی افسر بھی اسی علاقے کا رہنے والا تھا اور وہاں کے سپیرے کس لہجے میں بات کرتے ہیں یہ وہ جانتا تھا...... اس نے شاہد علی سے دوسرا سوال کیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

شاہد علی نے اپنا جو نام پہلے سے سوچ رکھا تھا وہ بتا دیا...... فوجی افسر نے پوچھا۔

"روہت گڑھ میں تم کیا کرنے گئے تھے؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"مہاراج جی! وہاں جنگل میں سانپ پکڑنے گیا تھا جی"۔

فوجی افسر بھی ملٹری انٹیلی جنس کا افسر تھا...... سمجھ گیا کہ یہ سپیرا نہیں ہے بلکہ سپیرے کے بھیس میں کوئی اور ہی شخص چھپا ہوا ہے...... اس نے کہا۔

"تمہارا لہجہ سپیروں والا نہیں ہے...... سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو"۔

شاہد علی نے کہا۔

"مہاراج جی! میں سپریا منگلا ہوں حجور جا کر میرے ڈیرے والوں سے پوچھ لیں"۔

ہندو فوجی افسر نے فوجی جوانوں کو اشارہ کیا...... دو فوجی ایک دم آگے بڑھے اور انہوں نے مجاہد شاہد علی کو اسی وقت ہتھکڑی لگادی...... شاہد علی احتجاج کرنے لگا...... ہندو فوجی افسر نے سپاہیوں سے کہا۔

"اسے لے چلو"۔

دو فوجی سپاہی شاہد علی کو لے کر سٹیشن کی ڈیوڑھی سے باہر نکل کر ایک فوجی گاڑی میں سوار ہو گئے اور فوجی گاڑی آگے کو روانہ ہو گئی...... یہ سارا منظر کمانڈو شیر خان گیٹ سے دُور پلیٹ فارم پر آہنی ستون کی آڑ میں چھپ کر کھڑا دیکھ رہا تھا...... دوسری بار ایسا ہوا تھا کہ مجاہد شاہد علی اپنی ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے، دشمن کے ہتھے چڑھ گیا تھا، لیکن اس بار شاہد علی کا اتنا قصور نہیں تھا پلیٹ فارم کی فضا میں جو خطرے کی ہلکی اور بے معلوم سی بو رچی ہوئی تھی اس کو کمانڈو شیر خان ایسا کمانڈو ہی محسوس کر سکتا تھا۔

جھانسی کی خفیہ تنظیم کا مجاہد بشیر علی نکل گیا تھا...... مجاہد شاہد علی ملٹری پولیس کے قابو آگیا تھا...... یہ ایک افسوس ناک بات ہوئی تھی...... شیر خان جانتا تھا کہ شاہد علی موت کو سینے سے لگالے گا لیکن اپنے ساتھیوں اور جھانسی کی خفیہ تنظیم کے قاسم جان اور بشیر علی وغیرہ کا کبھی نام نہیں لے گا...... اس کے باوجود شیر خان کو اس کی زندگی کی فکر تھی...... شاہد علی کشمیر کے محاذ پر لڑنے والا ایک شیر دل مجاہد تھا...... اسے ہر حالت میں زندہ رہنا چاہئے تھا...... وہ دل میں دعا مانگنے لگا کہ شاہد علی کسی طرح دشمن کے چنگل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے۔

کمانڈو شیر خان اپنے بارے میں فکر مند تھا، کیونکہ وہ ابھی تک جھانسی ریلوے سٹیشن کی حدود کے اندر تھا اور اس نے محسوس کر لیا تھا کہ سٹیشن کے اِرد گرد جگہ جگہ ملٹری انٹیلی جنس اور سول پولیس کے سپاہی موجود تھے اور ہر آنے جانے والے سے سوال جواب کر رہے تھے...... جھانسی ریلوے سٹیشن کے گردونواح سے کمانڈو شیر خان

اتنا واقف نہیں تھا...... اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ اگر وہ ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ بمبئی ریلوے لائن پر میل ڈیڑھ میل تک چلتا رہے تو ایک چھوٹی نہر کا پل آتا ہے...... یہ نہر شہر جھانسی کی طرف جاتے ہوئے جھانسی کی مشہور رانی جھانسی کے قلعے کے عقب سے ہو کر گزرتی ہے...... وہاں شہر کا وہ مندر تھا جہاں سے ایک راستہ ان ٹیلوں کی طرف جاتا تھا جہاں مجاہدین جھانسی کا عارضی خفیہ ٹھکانہ تھا، چنانچہ وہ چپکے سے پلیٹ فارم کے نیچے ریل کی پٹڑی پر اتر گیا اور پیچھے پیچھے بمبئی روہت گڑھ کی طرف چلنے لگا۔

وہ دیہاتی لباس میں تھا...... اس طرف پولیس کا کوئی سپاہی بھی نظر نہیں آرہا تھا...... انٹیلی جنس والا اگر کوئی تھا تو شیر خان بڑا محتاط ہو کر دیہاتیوں والی بے نیازی سے چل رہا تھا...... تاکہ کسی کو اس پر شک نہ پڑے...... ٹکٹ اس کی پرانی صدری کی جیب میں تھا...... کسی کے پوچھنے پر وہ ٹکٹ دکھا سکتا تھا...... اس نے ذہن میں یہ بھی سوچ لیا تھا کہ کسی کے پوچھنے پر اسے کیا کہنا ہوگا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔

وہ سٹیشن کی عمارت سے باہر نکل آیا تھا اور بمبے ریلوے لائن سے اتر کر کھیت کی پگ ڈنڈی پر چل رہا تھا...... سامنے سے آتی ہوئی ایک بیل گاڑی گزری...... دیہاتی گاڑی بان نے کمانڈو شیر خان کو رام رام بھیا کہا تو اس نے بھی جواب میں رام رام بھیا کہہ دیا...... ایک سوا ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ندی کا پل آگیا...... شیر خان ریلوے لائن سے اترا اور ندی کے ساتھ ساتھ رانی جھانسی کے تاریخی قلعے کی طرف چلنے لگا۔

اب وہ خطرے کے مقام سے کافی حد تک دُور ہو گیا تھا۔

پھر بھی وہ بہت محتاط تھا اور چاروں طرف سے باخبر ہو کر چل رہا تھا...... آدھ گھنٹہ چلنے کے بعد وہ تاریخی قلعے کی عقبی دیوار کے پاس پہنچ گیا...... یہاں سے اس نے ندی کو خدا حافظ کہا اور قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ایک بڑی سڑک پر آگیا جس کی دوسری طرف مندر تھا...... سڑک پر ٹریفک گزر رہی تھی...... پولیس کا کوئی سپاہی

نظر نہیں آرہا تھا۔

کمانڈو شیر خان نے ایک جگہ سے سڑک عبور کی اور مندر کی طرف چلا...... مندر میں پجاری لوگ آجا رہے تھے...... ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی تھے...... دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی مندر میں داخل ہو گیا اور تلاش کرتے کرتے اس نے مندر کا پچھلا دروازہ تلاش کر لیا اور اس میں سے گزر کر وہ سامنے جہاں دُور اونچے نیچے بھورے رنگ کے ٹیلے دکھائی دے رہے تھے، کی طرف چلنے لگا...... ان ٹیلوں کے درمیان ایک جگہ جھانسی کے مجاہدوں کا خفیہ ٹھکانہ تھا۔

کمانڈو شیر خان خفیہ ٹھکانے پر پہنچ کر مجاہد قاسم جان کو سارے حالات سے باخبر کرنا چاہتا تھا...... اسے یقین تھا کہ مجاہد بشیر علی بھی وہاں پہنچ چکا ہو گا...... جب وہ ٹیلوں کے خفیہ راستوں سے گزرتا ہوا خفیہ ٹھکانے پر پہنچا تو سب سے پہلے اسے بشیر علی ہی ملا...... اس نے پہلا جملہ یہ کہا۔

"شاہد علی کو فوج پکڑ کر لے گئی ہے...... میں نے خود اسے فوجی سپاہیوں کے ساتھ جیپ میں سوار ہوتے دیکھا ہے"۔

شیر خان نے جواب میں کہا۔

"میں نے بھی دیکھ لیا تھا...... سکیورٹی بڑی سخت تھی...... تم خوش قسمت تھے کہ گیٹ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے...... میں تو ڈیوڑھی میں فوج کو دیکھ کر وہیں رُک گیا تھا اور ایک ستون کی اوٹ میں چھپ کر شاہد علی کو فوجی افسر کے سوالوں کا جواب دیتے دیکھ رہا تھا...... بس کہیں نہ کہیں شاہد علی سے کوئی غلطی ہو گئی ہو گی اور فوجی اسے پکڑ کر لے گئے...... بشیر علی شیر خان کو کمانڈو قاسم جان کے پاس لے گیا...... قاسم جان نے شیر خان کو مشن کی کامیابی کی مبارک باد دی اور اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ شاہد علی کو فوج پکڑ کر لے گئی ہے...... شیر خان قاسم جان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

اس نے پوچھا۔

"آپ کے خیال میں فوج شاہد علی کو کہاں لے گئی ہو گی؟"۔

قاسم جان کچھ سوچ کر بولا۔

"فوج کا ہیڈ کوارٹر تو قلعے میں ہی ہے...... وہیں لے گئی ہو گی، کیونکہ ملٹری انٹیلی جنس کا انٹیروگیشن سینٹر بھی قلعے ہی میں ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"ہمیں شاہد علی کو وہاں سے نکالنے کی بھرپور کوشش کرنی ہو گی"۔

قاسم جان بولا۔

"تم فکر کیوں کرتے ہو...... شاہد علی کی حفاظت ہمارا فرض ہے...... ہم سب سے پہلے یہ کھوج لگائیں گے کہ اسے کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے...... اس کے بعد اپنے تمام وسائل کو کام میں لاتے ہوئے اسے وہاں سے نکالنے کی کوشش کریں گے"۔

اس کے بعد قاسم جان کہنے لگا۔

"آج صبح صبح مجھے کشمیر کے محاذ سے کمانڈو ترابی کا خفیہ پیغام موصول ہوا ہے جس میں اس نے تمہیں اور مجاہد شاہد علی کو کسی اہم مشن کی خاطر کشمیر بلایا ہے...... شاہد علی تو اب تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا...... میں چاہتا ہوں کہ تم کمانڈو ترابی سے جتنی جلدی جا کر مل سکتے ہو ملو...... یہ کوئی ایمرجنسی مشن ہے جس کے لئے اس نے خاص طور پر تم دونوں کو بلایا ہے"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میں آج رات ہی یہاں سے نکل جاؤں گا لیکن شاہد علی کی مجھے فکر رہے گی"۔

قاسم جان نے کہا۔

"اس کی فکر نہ کرو...... اگر شاہد علی زندہ ہے تو ہم کسی نہ کسی طرح اس کا کھوج لگا کر اسے چھڑا لائیں گے، لیکن تمہیں بھی یہاں سے نکلتے وقت بڑا ہوشیار رہنا پڑے گا...... تم لوگوں نے جو کام کر دکھایا ہے اس نے انڈین گورنمنٹ کو ہلا کر رکھ دیا ہے......

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فوج نے شہر کو گھیرے میں نہ لے لیا ہو...... شاہد علی کا پکڑ جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ فوج اور انٹیلی جنس مکھیوں کی طرح شہر کے اندر اور باہ بھنبھنا رہی ہے“۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

”آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں...... مجھے ٹرین کے ذریعے سفر کرنا چاہئے نہیں؟“۔

قاسم جان نے کہا۔

”ٹرین میں سفر کرنا خطرناک ہوگا...... بشیر علی تمہارے ساتھ جائے گا...... رات کو جھانسی سے باربردار ٹرک مال لے کر گوالیار آگرہ کی طرف چلتے ہیں...... بشی علی تمہیں کسی ٹرک میں بٹھادے گا...... گوالیار یا آگرہ پہنچ کر تم بے شک دلی تک کو ٹرین پکڑ لینا“۔

رات کے گیارہ بجے بشیر علی کے ساتھ شیر خان خفیہ کمین گاہ سے نکل کر ٹرک اڈے کی طرف چل پڑا...... بشیر علی کی ٹرک اڈے پر ایک ٹھیکیدار سے اچھی خا واقفیت تھی...... اس نے کمانڈو شیر خان کو ایک بہت بڑے مال بردار ٹرک پر بٹھادیا گوالیار جارہا تھا...... اس کا ڈرائیور بھی مسلمان تھا...... اس نے شیر خان کو اپنی ساتھ وا سیٹ پر بٹھالیا...... ٹرک گوالیار آگرہ دلی جانے والی شاہراہ پر روانہ ہوگیا۔

ٹرک پر بہت بوجھ لدا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کی رفتار زیادہ نہیں تھی...... کمانڈو شیر خان ٹرک میں بیٹھ تو گیا تھا لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھا کہ ٹر دہلی بمبئی شاہراہ پر چل رہا ہے اور اس علاقے میں انتہائی خطرناک ہنگامی صورت حا پیدا ہوگئی ہے اور کسی بھی جگہ کم از کم گوالیار تک فوج یا پولیس ٹرک روک کر چیکنگ کر سکتی ہے، مگر شیر خان کے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا...... ایک مسئلہ یہ بھی کہ ٹرک صرف گوالیار تک جارہا تھا...... وہاں سے شیر خان کو دلی تک کے لئے کو

ٹرین وغیرہ پکڑنی تھی اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ آدھی رات کے وقت کوئی ٹرین ملے گی بھی یا نہیں۔

ٹرک اگر عام رفتار سے چل رہا ہوتا تو وہ ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کے اندر جھانسی پہنچ جاتا، لیکن زیادہ بوجھ کی وجہ سے اس کی رفتار کم ہوگئی تھی...... گوالیار تک خیریت رہی...... راستے میں کسی جگہ کسی فوجی یا پولیس کی چیک پوسٹ سے واسطہ نہ پڑا...... شیر خان نے مسلمان ٹرک ڈرائیور کو کہہ دیا تھا کہ وہ اسے گوالیار کے ریلوے سٹیشن کے قریب اتار دے...... اس نے ایسا ہی کیا...... ٹرک سے اُتر کر کمانڈو شیر خان سڑک پر ایک طرف ہوگیا...... اس نے بڑے غور سے سڑک کا جائزہ لیا...... رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا...... سڑک ویران اور خالی پڑی تھی...... کچھ فاصلے پر ریلوے سٹیشن کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

شیر خان خاموشی سے سڑک کے کنارے کنارے چلتا سٹیشن پر آگیا...... سٹیشن پر بھی زیادہ لوگ نہیں تھے...... بکنگ آفس کی کھڑکی کھلی تھی، اس وقت شیر خان عام لباس یعنی قمیض پتلون میں تھا اور پاؤں میں بوٹ پہن رکھے تھے...... کسی قسم کا اسلحہ یا چاقو وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا...... جیب میں دو ڈھائی سو روپے تھے...... معلوم ہوا کہ صبح چھ بجے ایک ٹرین بھوپال سے آئے گی وہی دلی جائے گی...... شیر خان دلی کا ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم پر آکر کونے کے بنچ پر بیٹھ گیا...... اسے کم از کم ڈھائی تین گھنٹے انتظار کرنا تھا...... پلیٹ فارم پر چونکہ چند ایک مسافر ہی بیٹھے تھے اور پولیس کا کوئی سپاہی بھی نہیں تھا اس لئے شیر خان کو یہ جگہ محفوظ نظر آئی تھی...... اسے کیا معلوم تھا کہ جس جگہ کو وہ محفوظ سمجھ رہا تھا وہی اس کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔

اسے پلیٹ فارم پر بیٹھے دس پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ اچانک پولیس کی پوری گارد پلیٹ فارم پر نمودار ہوئی...... اس کے ساتھ ایک پولیس انسپکٹر بھی تھا...... کمانڈو شیر خان نے پولیس کو دیکھا تو خاموشی سے بنچ پر سے اٹھا اور دوسرے سرے کی طرف

چل پڑا...... وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی۔

"ٹھہر جاؤ...... کون ہو تم؟"۔

کمانڈو شیر خان بھاگنے کی پوزیشن میں نہیں تھا...... اس کے پیچھے پوری مسلح پولیس پارٹی تھی جو اس پر فائر کر سکتی تھی، کیونکہ حالات غیر معمولی اور ہنگامی تھے۔

شیر خان رُک گیا...... اس نے پیچھے دیکھا...... پولیس انسپکٹر تین سپاہیوں کے ساتھ اس کے پاس آکر بولا۔

"کون ہو تم؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"مسافر ہوں...... دلی جانے والی ٹرین کے انتظار میں ہوں"۔

"کہاں سے آئے ہو؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

کمانڈو شیر خان نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

"گوالیار میں رات کی ٹرین سے آیا تھا...... یہاں ایک دوست سے ملنا تھا...... یہاں آکر پتہ چلا کہ میرا دوست بمبئی گیا ہوا ہے، چنانچہ واپس سٹیشن پر آگیا ہوں اور دلی جانے والی ٹرین کے انتظار میں ہوں"۔

پولیس انسپکٹر نے ایک سپاہی سے شیر خان کی تلاشی لینے کو کہا...... اس نے شیر خاں کی تلاشی لی اور بولا۔

"سر! دوڈھائی سو روپے ہیں اور گوالیار سے دلی تک کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ ہے"۔

پولیس انسپکٹر شیر خان کو بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... ایسے لگ رہا تھا کہ اسے شیر خان پر کچھ شک پڑ چکا ہے...... اس نے شیر خان سے اس کا نام پوچھا تو شیر خان نے کہا۔

"میرا نام عبدالغنی ہے...... میرا دلی میں سرجری کے سامان کا چھوٹا سا بزنس ہے"۔

"مگر تم دلی کے نہیں لگتے...... تمہارا اُردو بولنے کا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم پنجابی ہو"۔

پولیس انسپکٹر یہ کہہ کر شیر خان کو گھورنے لگا...... شیر خان بولا۔

"میں اصل میں پنجاب کے شہر امرتسر میں پیدا ہوا تھا...... میرے والد صاحب کاروبار کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے"۔

پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"تمہیں ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چلنا ہوگا"۔

شیر خان نے ایک عام بھارتی شہری کی طرح احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے کس جرم میں پولیس سٹیشن لے جا رہے ہیں"۔

پولیس انسپکٹر بولا۔

"یہ تمہیں تھانے پہنچنے کے بعد معلوم ہو جائے گا"۔

اور اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ شیر خان کو پولیس سٹیشن لے چلو...... پولیس کی گاڑی گوالیار سٹیشن کے باہر کھڑی تھی...... شیر خان احتجاج کرتا چلا گیا مگر اس پر کسی نے دھیان نہ دیا...... سپاہیوں نے جو رائفلوں سے مسلح تھے شیر خان کو حراست میں لے کر پولیس وین میں بٹھایا اور گاڑی پولیس سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی...... شیر خان سمجھ گیا تھا کہ وہ مصیبت میں پھنس چکا ہے اور اگر اس نے راستے میں فرار ہونے کی کوشش نہ کی تو پھر اس کا بچنا محال ہو جائے گا۔

مگر پولیس کی ویگن بالکل بند تھی...... اس کے دائیں بائیں مسلح سپاہی بیٹھے تھے...... ویگن کا ایک ہی دروازہ تھا جو بند کر دیا گیا تھا اور وہاں بھی ایک رائفل بردار سپاہی بیٹھا پہرہ دے رہا تھا...... فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا...... کمانڈو شیر خان کو اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ بھارتی فوجی پوچھ گچھ کے دوران اس پر تشدد کریں گے...... تشدد کو صبر اور استقامت سے برداشت کرنا کمانڈو شیر خان کی تربیت کا حصہ تھا اور اس نے دشمن کے ہر قسم کے تشدد کو ہمیشہ صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا تھا اور کبھی کوئی راز دشمن کو نہیں بتایا تھا...... اسے اگر پریشانی تھی تو صرف اس بات کی

تھی کہ کشمیر کے محاذ پر اس کی ضرورت تھی...... اور کمانڈو ترابی نے خاص طور پر خف
پیغام جھانسی بھیج کر اسے اور مجاہد شاہد علی کو بلوایا تھا...... یقیناً یہ کوئی اہم ترین ا
خطرناک مشن تھا جس کی خاطر ان دونوں کمانڈوز کو محاذ پر بلوایا جارہا تھا...... مجاہد شا
علی تو دشمن کی حراست میں تھا...... اب کمانڈو شیر خان کے لئے لازمی ہو گیا تھا کہ
جتنی جلدی ہو سکے کشمیر کے محاذ پر کمانڈو ترابی سے جاکر ملاقات کرے، لیکن بد قسمت
سے شیر خان خود پولیس کے پھندے میں پھنس گیا تھا...... ان ہی خیالوں میں اُلجھ
کمانڈو شیر خان بھارتی پولیس کے نرغے میں بیٹھا تھا اور فرار کی ترکیبوں پر غور کرر
تھا...... پولیس کی ویگن گوالیار شہر کی سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی پولیس سٹیشن کی طرف
جارہی تھی...... پولیس سٹیشن پہنچنے کے بعد کمانڈو شیر خان کو ایک کمرے میں لے جایا گ
جہاں پولیس انسپکٹر نے اس سے ابتدائی پوچھ گچھ شروع کر دی...... شیر خان نے اپ
زبان بند رکھی اور اس کے سوائے کچھ نہ بتایا کہ وہ کشمیری مجاہد نہیں ہے اور دلی میں
کاروبار کرتا ہے اور اپنے دوست سے ملنے گوالیار آیا تھا...... پولیس انسپکٹر نے شیر خان
سے اس کا دلی کا ایڈریس پوچھا...... شیر خان کے گرد تفتیش کا دائرہ تنگ ہو رہا تھا...... و
جانتا تھا کہ اس کے بتائے ہوئے جعلی پتے پر دلی پولیس تحقیقات کرے گی اور انہیں
معلوم ہو جائے گا کہ یہ پتہ نقلی ہے...... لیکن کمانڈو شیر خان کو ہر حال میں کوئی نہ کوئی
پتہ بتانا ہی تھا۔

اس نے ایک جھوٹا پتہ بتادیا...... یعنی جس نام کا کوئی محلّہ دلی میں نہیں تھا......
پولیس انسپکٹر نے ایڈریس نوٹ کیا اور چلا گیا...... اسی وقت اس نے دلی سی آئی ڈی
پولیس ہیڈ کوارٹر میں فون کیا اور شیر خان کا بتایا ہوا پتہ لکھوا کر ہدایت کی کہ اس پتے پر
معلوم کیا جائے کہ کوئی عبدالغنی نام کا بزنس مین رہتا ہے یا نہیں...... دوپہر سے پہلے
پہلے دلی پولیس ہیڈ کوارٹر سے فون آگیا اور پولیس انسپکٹر کو بتایا گیا کہ ایڈریس جھوٹا
ہے...... دلی میں اس نام کا کوئی محلّہ نہیں ہے اور عبدالغنی نام کا کوئی بزنس مین نہیں

رہتا...... اس اطلاع کے بعد گوالیار کے ہندو پولیس انسپکٹر کو یقین ہو گیا کہ یہ آدمی یعنی
کمانڈو شیر خان پاکستانی جاسوس ہے...... وہ شیر خان کی کوٹھڑی میں آکر کہنے لگا۔

"تمہارے جھوٹ کا پول کھل گیا ہے...... بہتر یہی ہے کہ تم سیدھی طرح ہمیں
بتادو کہ ڈیم کی تخریب کاری میں تمہارے ساتھ اور کون کون تھا اور یہ دہشت گرد کہاں
روپوش ہیں"۔

کمانڈو شیر خان سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو گیا ہے، لیکن اس نے یہ موقف اختیار کیا
کہ وہ کشمیری مجاہد ہے، پاکستانی جاسوس نہیں ہے اور گوالیار میں سیر وسیاحت کرنے آیا
تھا، مگر یہ کوئی مضبوط دلیل نہیں تھی...... کمانڈو شیر خان کو کوئی مضبوط دلیل دینے کی
ضرورت ہی نہیں تھی...... وہ جانتا تھا کہ بھارتی پولیس اس کی کسی بات کا یقین نہیں
کرے گی...... اب شیر خان کی ساری توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ فرار کیسے ہوا جائے۔

دوسری طرف ہندو پولیس انسپکٹر کو جب یقین ہو گیا کہ شیر خان پاکستانی جاسوس
ہی ہے تو اس نے بہتر یہی سمجھا کہ اسے ملٹری انٹیلی جنس کے حوالے کر دیا جائے،
کیونکہ یہ بڑا اہم کیس بن گیا تھا، چنانچہ پولیس انسپکٹر نے گوالیار ملٹری انٹیلی جنس کے
ڈائریکٹر کیپٹن بدری پرشاد کو فون کر کے اسے ساری بات بیان کی اور کہا کہ یہ بڑا
خطرناک پاکستانی جاسوس لگتا ہے اور اس کی زبان صرف ملٹری انٹیلی جنس ہی کھلوا سکتی
ہے...... کیپٹن بدری پرشاد نے جواب میں کہا۔

"تم لوگوں نے اگر کوئی پاکستانی جاسوس پکڑا تھا تو اسے فوراً فوج کے حوالے کیوں
نہیں کیا؟ اتنی دیر کیوں لگادی؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حالات کس قدر سنگین
صورت اختیار کر چکے ہیں؟"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے ڈرتے ہوئے معذرت پیش کی اور کہا۔

"سر! مجھ سے غلطی ہو گئی...... میں ابھی پاکستانی جاسوس کو آپ کے ہیڈ کوارٹر
بھجوا رہا ہوں"۔

"پاکستانی جاسوس کو مسلح گارد کی حراست میں ہتھکڑی لگا کر بھیجنا..... اگر وہ راستے میں فرار ہو گیا تو تمہیں اور تمہارے سارے سٹاف کو جیل بھجوا دوں گا"۔

اور ملٹری انٹیلی جنس کے کیپٹن بدری پرشاد نے ٹیلی فون بند کر دیا..... ہندو پولیس انسپکٹر نے اسی وقت کمانڈو شیر خان کو ہتھکڑی لگوائی اور اسے پوری مسلح پولیس گارڈ کے ساتھ خود اپنی نگرانی میں لے کر ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گیا..... گوالیار میں ملٹری پولیس کا ہیڈ کوارٹر بھی گوالیار کے قلعے میں ہی تھا..... کمانڈو شیر خان کو قلعے کی ایک کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا..... چھوٹی سی اندھیری کوٹھڑی..... دیوار پر ایک بتی جل رہی تھی..... اس کی روشنی کوٹھڑی کے اندھیرے کو دور نہیں کر رہی تھی..... فرش پر ایک طرف گھاس پھونس بچھا تھا..... شیر خان کی ہتھکڑی اتار دی گئی تھی مگر اس کے پاؤں میں لوہے کے دو کڑے ڈال دیئے گئے تھے جس سے چلنے میں اسے سخت دقت ہو رہی تھی۔

سنتری دروازے کو باہر سے تالا لگا کر شاید چلا گیا تھا یا باہر ہی بیٹھا پہرہ دے رہا تھا..... باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی..... کوٹھڑی میں چھت کے پاس ایک روشن دان تھا جس میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں..... ان میں سے دن کی پھیکی پھیکی روشنی اندر آ رہی تھی..... اس سے کمانڈو شیر خان نے اندازہ لگا لیا کہ اس کوٹھڑی کی دوسری طرف کوئی اور کوٹھڑی نہیں ہے بلکہ کھلی جگہ ہے..... وہ دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ اچانک کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے، اس پر جو تشدد کیا جانے والا تھا شیر خان اس سے نہیں گھبراتا تھا..... اسے صرف اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ اس کا کشمیر کے محاذ پر پہنچنا ضروری تھا..... کمانڈو ترابی نے اسے کسی نہایت اہم مشن کے لئے پیغام بھجوایا تھا، لیکن اب وہ دشمن کی قید میں تھا جہاں سے اسے ہر حالت میں فرار تو ضرور ہونا تھا لیکن اتنی جلدی فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے قلعے کے ملٹری انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر کے کیپٹن بدری

پرشاد کو جا کر رپورٹ کی کہ پاکستانی جاسوس کو بحفاظت قلعے میں پہنچا دیا گیا ہے..... اس وقت کیپٹن بدری پرشاد فون پر کسی سے بات کر رہا تھا..... چند لمحوں کے بعد اس نے فون بند کیا اور پولیس انسپکٹر سے کہا۔

"جھانسی میں بھی ایک پاکستانی جاسوس پکڑا گیا ہے..... لگتا ہے ان دونوں پاکستانی جاسوسوں کا تعلق اس گروہ سے ہے جس نے روہت گڑھ کا ڈیم اُڑایا ہے"۔

پولیس انسپکٹر بولا۔

"سر! ہم ان پاکستانی جاسوسوں سے ان کے گروہ کا پتا لگا لیں گے"۔

کیپٹن بدری پرشاد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"بھگوان جانے یہ پاکستانی اور کشمیری مجاہد کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں..... ٹارچر سہتے سہتے مر جاتے ہیں مگر زبان نہیں کھولتے..... کچھ نہیں بتاتے"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"سر! ہمیں کوئی ایسی ترکیب سوچنی ہو گی جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"۔

کیپٹن بدری پرشاد نے پولیس انسپکٹر کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہم نے ان لوگوں پر سب طریقے آزما کر دیکھ لئے ہیں..... یہ کچھ نہیں بتاتے"۔

پولیس انسپکٹر بولا۔

"سر! آپ دو دن کے لئے اس پاکستانی جاسوس کو میرے سپرد کر دیں..... میں اس سے سارے راز اُگلوا لوں گا"۔

کیپٹن بدری پرشاد نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں..... تم اپنا سیکرٹ آپریشن آج ہی سے شروع کر سکتے ہو"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے کمانڈو شیر خان کو اپنی عملداری میں لے لیا اور ایک گھنٹے

کے اندر اندر اسے پولیس ہیڈ کوارٹر کے خفیہ ٹارچر سینٹر میں پہنچادیا...... یہ ٹارچر سینٹر گوالیار شہر سے کچھ فاصلے پر جنگل میں ایک ٹیلے پر واقع تھا...... یہ ٹارچر سینٹر خفیہ پولیس والوں میں مردہ خانے کے نام سے مشہور تھا......اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں جس شخص کو بھی پوچھ گچھ کے لئے لایا جاتا تھا اس کی لاش ہی وہاں سے باہر نکلتی تھی...... ہندو پولیس انسپکٹر جس نے کمانڈو شیر خان کو گرفتار کیا تھا اس ٹارچر سینٹر کا انچارج تھا...... یہاں ایک خفیہ ٹارچر سیل تھا...... سیل ایک کوٹھڑی کی شکل کا تھا......اس کے اندر کیا ہوتا تھا...... سوائے چند ایک پولیس عہدیداروں کے اور کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا...... رات کے وقت لوگوں نے اس کوٹھڑی سے انسانوں کی بڑی دردناک چیخیں بلند ہوتی ہی سنی تھیں۔

کمانڈو شیر خان کو گوالیار کے قلعے سے نکال کر اس نئے خفیہ ٹارچر سینٹر کے ٹارچر سیل میں لا کر بند کر دیا گیا...... شیر خان نے دیکھا کہ اس کشادہ کال کوٹھڑی کے کونے میں ایک قبر نما گڑھا کھودا ہوا تھا...... دیوار کے ساتھ تین چار آہنی زنجیریں لٹک رہی تھیں جن کے سروں پر لوہے کے کڑے لگے ہوئے تھے...... شیر خان سمجھ گیا کہ یہ اذیت دینے کے آلات ہی ہیں......اس نے اپنے آپ کو ہر قسم کے تشدد کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار کر لیا ہوا تھا...... اگر وہ کچھ سوچ رہا تھا تو یہی سوچ رہا تھا کہ وہاں سے فرار ہو کر کشمیر کے محاذ پر کیسے پہنچا جائے۔

اس خوفناک ٹارچر سیل میں شیر خان کو آئے دس پندرہ منٹ ہی گزرے تھے کہ پولیس انسپکٹر دو ہٹے کٹے آدمیوں کے ساتھ کوٹھڑی میں آ گیا...... ایک مسلح سنتری رائفل لئے کوٹھڑی کے دروازے پر کھڑا ہو گیا...... ہندو پولیس انسپکٹر دیوار کے ساتھ لگے سٹول کو کھینچ کر کمانڈو شیر خان کے قریب ہو کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"دیکھو بھائی! میں جانتا ہوں کہ تم لوگ اپنی جنم بھومی کی رکھشا کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو...... تم کو میں برا نہیں کہتا...... تم اپنا فرض پورا کر رہے ہو، لیکن ذرا سوچو

کہ ہمیں بھی اپنی دھرتی ماتا کی رکھشا کرنی ہے...... ہمیں بھی اپنا فرض پورا کرنا ہے...... تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں؟"۔

اس نے کمانڈو شیر خان کی جانب ذرا جھک کر پوچھا...... کمانڈو شیر خان سب سمجھ رہا تھا کہ اس ہندو پولیس انسپکٹر کا اصل مطلب کیا ہے...... اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں"۔

پولیس انسپکٹر بظاہر خوش ہو کر بولا۔

"بس میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ہماری مجبوری کو سمجھ جاؤ...... اب دیکھو ناں، ہم بڑی آسانی سے تمہیں گولی مار کر اس گڑھے میں دبا سکتے ہیں...... ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں...... یہاں سے تم فرار بھی نہیں ہو سکتے...... ہم تمہیں اس طرح بھی ہلاک کر سکتے ہیں کہ ایک دن تمہارا ایک بازو کاٹ دیں...... دوسرے دن دوسرا بازو کاٹ ڈالیں...... تیسرے دن تمہاری ایک ٹانگ کاٹ دیں...... چوتھے دن اگر تم زندہ رہے تو تمہاری دوسری ٹانگ بھی کاٹ ڈالیں...... تم کچھ نہیں کر سکتے...... کیا تم کچھ کر سکتے ہو؟"۔

ہندو پولیس انسپکٹر ایک بار پھر کمانڈو شیر خان کی جانب جھک گیا تھا...... کمانڈو شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"میں تو کچھ نہیں کر سکتا...... لیکن میرا خدا جو چاہے کر سکتا ہے"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے کمانڈو شیر خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شاباش! تم نے بالکل ٹھیک کہا...... خدا اگر چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن شاید تم بھول گئے ہو کہ بھارت میں تمہارے خدا کا نہیں ہمارے بھگوان کا حکم چلتا ہے اور ہمارے بھگوان نے ہی ہمیں حکم دیا کہ اگر تم ہمیں کچھ نہیں بتاؤ گے تو ہم تمہارے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اس گڑھے میں پھینک دیں، لیکن مجھے تم سے ہمدردی ہے...... تم نوجوان ہو...... ابھی تم نے جوانی کی کئی بہاریں دیکھنی ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو وہ تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا چاہے تم میرے جسم کے ایک ہزار ایک ٹکڑے کر دو...... اب آگے بات کرو"۔

ہندو پولیس انسپکٹر نے بڑی مکاری کے ساتھ کہا۔

"نہیں نہیں بھیا! میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا...... میں تو تمہارا ہمدرد ہوں...... میں تو تمہیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں...... بس میری ایک چھوٹی سی بات مان لو...... مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہارے دوسرے ساتھی روہت گڑھ کا ڈیم تباہ کرنے کے بعد کہاں چھپے ہوئے ہیں"۔

پولیس انسپکٹر نے شیر خان کے شانے کو آہستہ سے دباتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں اپنا وچن دیتا ہوں کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ تم نے اپنے ساتھیوں کے نام پتے مجھے بتائے تھے...... میں تمہیں اسی وقت آزاد کر دوں گا اور میرے آدمی خود تمہیں پاکستان کا بارڈر کراس کرا دیں گے"۔

کمانڈو شیر خان مسکرا دیا...... کہنے لگا۔

"تم جس مکر و فریب سے کام لے رہے ہو میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں...... یاد رکھو...... تمہارا کوئی ہتھکنڈا مجھ پر نہیں چلے گا"۔

پولیس انسپکٹر نے سٹول پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں"۔

اس نے قریب کھڑے ہٹے کٹے آدمیوں کو اشارہ کیا...... انہوں نے اسی لمحے شیر خان کو پکڑ کر اس کے دونوں ہاتھوں میں زنجیر کے ساتھ لگے ہوئے آہنی کڑے ڈالے اور اسے دیوار کے ساتھ لٹکا دیا...... کمانڈو شیر خان اس سے بھی زیادہ اذیت ناک تشدد برداشت کرنے کے لئے تیار تھا...... شیر خان دیوار کے ساتھ اسی طرح لٹکا ہوا تھا کہ اس کے دونوں پاؤں فرش سے دو فٹ اونچے تھے...... اس کے دونوں بازو پھیلے

ہوئے تھے...... ایک ہٹے کٹے آدمی نے اپنی کمر کے گرد لپٹا ہوا چمڑے کا ہنٹر کھولا اور اسے شیر خان کے جسم پر برسانا شروع کر دیا۔

شیر خان خاموشی سے ہنٹر کی ضربیں سہتا رہا...... تربیت کے مطابق اس نے سانس کو کنٹرول میں کر کے اپنے جسم کو سن کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ تشدد کی اذیت کا احساس کم سے کم ہو...... جب ہٹا کٹا آدمی کافی ہنٹر برسا چکا تو پولیس انسپکٹر نے اشارے سے اسے روک دیا اور وہ لوگ شیر خان کو دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا چھوڑ کر چلے گئے......

شیر خان کے جسم کا سارا بوجھ اس کی کلائیوں پر پڑ رہا تھا جو آہستہ آہستہ سن ہونے لگی تھیں، لیکن سن ہونے کے علاوہ یہ خطرہ بھی تھا کہ دونوں کلائیاں شیر خان کے بازو سے الگ ہو سکتی تھیں، لیکن ہندو پولیس انسپکٹر شیر خان پر ایک اور ترکیب بھی آزمانا چاہتا تھا...... کچھ دیر بعد وہ دوبارہ کوٹھڑی میں آ گیا...... دونوں جلاد اس کے ہمراہ تھے...... شیر خان کو ایسے لگ رہا تھا کہ اس کی دونوں کلائیاں اس کے بازوؤں سے الگ ہونے ہی والی ہیں...... پولیس انسپکٹر نے اشارہ کیا...... ہٹے کٹے جلاد نما آدمی نے آگے بڑھ کر شیر خان کو دیوار سے اتار دیا اور اس کی کلائیاں لوہے کے کڑوں میں سے نکال دیں...... شیر خان بے بسی کی حالت میں فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

پولیس انسپکٹر اس کے پاس بیٹھ کر شیر خان کی کلائی کو بڑی محبت سے سہلاتے ہوئے بولا۔

"بھائی! میں اتنے خوبصورت صحت مند ہاتھوں کو تمہارے بازوؤں سے الگ ہوتے نہیں دیکھ سکتا، لیکن اگر تم نے مجبور کیا تو پھر تمہارے ہاتھوں کے ساتھ تمہارا سر بھی تمہاری گردن سے الگ کیا جا سکتا ہے...... کیا خیال ہے؟"۔

اس نے شیر خان کا چہرہ تھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

شیر خان کی توانائی واپس آ چکی تھی...... اس نے کہا۔

"تم میری گردن ایک بار تو کیا اگر دس بار بھی میرے جسم سے الگ کر دو گے تب

بھی میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

پولیس انسپکٹر مکاری سے مسکرانے لگا، بولا۔

"بھائی میں تو تمہاری بھلائی کے لئے ہی کہہ رہا تھا..... اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو پھر میں کیا کہہ سکتا ہوں..... تم جانو تمہارا خدا جانے"۔

پولیس انسپکٹر اپنے جلادوں کو لے کر کوٹھڑی سے نکل گیا۔

کوٹھڑی کو بند کر دیا گیا..... کمانڈو شیر خان کی کلائیوں کی ہڈیاں پھوڑے کی طرح دُکھ رہی تھیں..... اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھوں کو اپنی بغلوں میں دبایا او مزید سمٹ کر بیٹھ گیا اور خدا کو یاد کرنے لگا..... اس وقت بھی شیر خان کے ذہن میں یہی ایک سوال گردش کر رہا تھا کہ وہ وہاں سے کس طرح فرار ہونے کے بعد کشمیر ک محاذ پر پہنچ سکتا ہے؟"۔

دو گھنٹوں کے بعد شیر خان کو کھانے کے لئے دو سوکھی روٹیاں اور پانی کا ایک کٹو دیا گیا..... شیر خان نے خاموشی سے روٹیاں زہر مار کیں اور سوچنے لگا کہ اس عذاب گ سے کیسے فرار ہوا جائے، لیکن وہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا..... سارا دن گز گیا..... رات کو اسے پھر دو سوکھی روٹیاں اور پانی کا کٹورا دیا گیا..... رات کا پہلا پہر گز رہا ہو گا کہ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور وہی دو جلاد ایک سٹریچر گھسیٹتے کوٹھڑی میں داخل ہوئے..... سٹریچر کے اوپر ایک بے حس و حرکت انسانی جسم پڑا تھا جس پر چادر ڈال ہوئی تھی..... یہ کوئی لاش ہی ہو سکتی تھی..... شیر خان نے سوچا..... سٹریچر کے اند آتے ہی کوٹھڑی میں ایک ناگوار بو پھیلنے لگی تھی..... دونوں جلادوں نے لاش کے او سے چادر ہٹا دی..... بجلی کی مدہم روشنی میں کمانڈو شیر خان نے دیکھا کہ یہ کسی مرد ک بالکل عریاں لاش تھی جس نے پھولنا شروع کر دیا ہوا تھا اور یہ بدبو اس کے جسم می سے ہی نکل رہی تھی..... دونوں آدمیوں نے لاش کو گڑھے میں اتر کر لٹا دیا..... ا کے بعد شیر خان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھے اور اسے اٹھا کر گڑھے می

ش کے اوپر پھینک دیا۔

کمانڈو شیر خان پھولی ہوئی لاش کے اوپر جا کر گرا..... اس کے فوراً بعد دونوں بلادوں نے ایک طرف سے پتھر کی بھاری سل کو کھینچ کر گڑھے کے اوپر رکھ کر گڑھے بند کر دیا..... پتھر کی بھاری سل کے رکھنے کے بعد اس قبر نما گڑھے میں اندھیرا ھا گیا..... کمانڈو شیر خان پھولی ہوئی بدبودار لاش کے اوپر پڑا تھا..... ہاتھ پیر بندھے ونے کی وجہ سے وہ لاش پر سے اٹھ نہیں سکتا تھا..... بڑی مشکل سے وہ کھسک کھسک ر گڑھے کی دیوار کے ساتھ لگ گیا، مگر اس کا آدھا جسم لاش کے اوپر ہی تھا..... پتھر کی سل کے بند ہو جانے کے بعد گڑھے میں اتنی بو جمع ہونے لگی تھی کہ شیر خان کے لئے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا..... اس قسم کی اذیت اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، لیکن سے اس اذیت کو بھی صبر و استقامت سے برداشت کرنا تھا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ کمانڈو شیر خان فرار کے بارے میں بھی مسلسل سوچ رہا تھا..... ایک لمحے کے لئے بھی اس کے ذہن میں سے یہ خیال محو نہیں ہوا تھا کہ اسے کشمیر کے محاذ پر پہنچنا ہے..... حالانکہ وہاں سے فرار بظاہر ناممکن لگتا تھا، لیکن ایک جانباز کمانڈو سچے مسلمان کی طرح اپنی صلاحیتوں اور اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتا..... ہر مسلمان کی طرح ایک مسلمان کمانڈو کا بھی یہ ایمان ہوتا ہے کہ حالات خواہ کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو جائیں، اگر دل میں ایمان کی شمع روشن ہے اور روح کی قوت عمل زندہ ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ جس کا انسان کو وہم و گمان تک نہیں ہوتا..... شرط صرف یہ ہے کہ انسان کا عمل اللہ اور صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو اپنی غرض اور مفاد کے واسطے نہ ہو۔

کمانڈو شیر خان بھی ایک سچا مسلمان کمانڈو تھا..... اس کا کردار ہمیشہ بے داغ اور پاک رہا تھا..... وہ صرف اللہ اور اس کے دین اسلام کی سربلندی کے لئے مصروف جہاد تھا..... جب سے وہ جہاد میں شریک ہوا تھا اس نے ہر عمل اللہ کے لئے کیا تھا اور اس

کے کسی بھی عمل میں اس کی ذاتی غرض شامل نہیں ہوئی تھی...... یہی وجہ تھی کہ ا
نے مشکلات پر ہمیشہ فتح پائی تھی...... اسے اب بھی یقین تھا کہ اللہ کا حکم اسے کافرو
کے خلاف لڑنے کے لئے کشمیر کے محاذ پر بلا رہا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے وہا
جانے سے نہیں روک سکتی۔

کمانڈو شیر خان قرآن پاک میں اللہ کے اس فرمان کو بھی نہیں بھولا تھا کہ خ
صرف ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں...... اللہ پاک کے اس فرمان
عمل کرتے ہوئے کمانڈو شیر خان نے اپنی تمام کھوئی ہوئی توانائیوں کو یکجا کیا...... د
میں کلمہ پاک پڑھا اور لاش کے اوپر دیوار سے لگ کر بیٹھے بیٹھے اندھیرے میں اوپر
جانب دیکھا۔

اوپر گڑھے کا منہ پتھر کی بھاری سل سے بند تھا اور گڑھے میں گھپ اند
تھا...... شیر خان کی کلائیاں ابھی تک دور کر رہی تھیں، مگر اسے اس درد کو بھول
ہمت سے کام لینا تھا...... وہ لاش پر گھٹنے ٹکا کر بیٹھ گیا...... اس نے سب سے پہلے ایک
خاص تکنیک سے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ آزاد کئے پھر اپنے پاؤں کھولے، اس کے بع
شیر خان نے دونوں ہاتھوں سے پتھر کی سل کو ہلانے کی کوشش کی...... پتھر کی سل ا
جگہ سے ذرا بھی نہ ہلی...... کمانڈو شیر خان ہمت ہارنے والے لوگوں میں سے نہ
تھا...... کلائیوں کی درد کی وجہ سے وہ جسم کی پوری طاقت سے کام نہیں لے رہا تھا...
اس کے باوجود وہ مسلسل کوشش کرتا رہا۔

آخر کار پتھر کی سل اپنی جگہ سے کھسکنے لگی۔

سل کو کھسکتا دیکھ کر کمانڈو شیر خان کے اندر ایک نیا حوصلہ ایک نیا ولولہ پ
ہو گیا تھا...... کافی دیر تک کوشش کرنے کے بعد وہ پتھر کی سل کو اتنا کھسکانے م
کامیاب ہو گیا کہ وہ گڑھے سے باہر نکل سکتا تھا...... گڑھے سے باہر نکلتے ہی اسے کا
حد تک لاش کی تیز بو سے نجات مل گئی، لیکن اس کے ذہن میں کچھ اور ہی پروگر

تھا...... اس کا یہ منصوبہ کامیاب ہو چاہے نہ ہو، لیکن اس نے اپنے سوچے ہوئے
منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا۔

گڑھے سے باہر آنے کے بعد اس نے پتھر کی سل کو گڑھے کے منہ سے مزید
کھسکانا شروع کر دیا...... وہ جان بوجھ کر سل کو اس طرح کھسکا رہا تھا کہ اس کی آواز پیدا
ہو...... کوٹھڑی میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا...... صرف سلاخ دار روشن دان میں سے
تاروں کی بہت پھیکی بے معلوم سی روشنی اندر آرہی تھی جو چھت کے نیچے آتے آتے
غائب ہو جاتی تھی...... کوٹھڑی میں بمشکل کچھ دکھائی دیتا تھا...... دو تین مرتبہ جب سل
کے کھسکانے کی آواز پیدا ہوئی تو کوٹھڑی کے بند دروازے کے باہر جو سنتری پہرے پر
کھڑا تھا اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا...... آواز کوٹھڑی کے اندر سے
آرہی تھی...... کوٹھڑی میں بند قیدی کی نگرانی کی ذمے داری اس کی تھی...... سنتری یہ
بھی جانتا تھا کہ قیدی کو لاش والے گڑھے میں بند کیا گیا ہے...... تیسری بار اس نے اندر
سے آتی آواز کو سنا تو دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے...... اندر سے ایک بار پھر ہلکے
ہلکے شور کی آواز آئی...... سنتری نے دروازہ کھولا اور رائفل سیدھی کئے کوٹھڑی میں
داخل ہو کر آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا۔

کمانڈو شیر خان اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا...... وہ سنتری کے اندر داخل ہونے سے
پہلے ہی دروازے کے پاس دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا تھا...... سنتری اندھیرے
میں اس کے بالکل قریب سے ہو کر گزرا...... اس کی آنکھیں گڑھے پر لگی ہوئی
تھیں...... کوٹھڑی کی تاریکی میں سنتری گڑھے کے منہ سے تھوڑی سی کھسکی ہوئی سل
ابھی نظر نہیں آئی تھی...... کمانڈو شیر خان اس سے زیادہ سنتری کو مہلت نہیں دے
سکتا تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا اسی لمحے اسی گھڑی کر گزرنا تھا۔

جیسے ہی سنتری جھک کر اس کے قریب سے گزرا کمانڈو شیر خان نے اپنے جسم کی
پوری طاقت کو جمع کرتے ہوئے سنتری کی گردن پر پیچھے سے اتنی زور سے ہاتھ مارا کہ

وہ منہ کے بل آگے جاگرا...... رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی...... شیر خان نے
اس پر چھلانگ لگادی...... اس کا ٹارگٹ سنتری کی گردن تھا جو شیر خان کے بائیں بازو
کے شکنجے میں تھی اور وہ اسے زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا...... دبلے پتلے سنتری کی
گردن دوسرے جھٹکے ہی سے ٹوٹ گئی تھی...... جب شیر خان کو یقین ہو گیا کہ سنتری
کے جسم میں جان نہیں رہی تو اس نے اسے گھسیٹ کر گڑھے میں پھینکا...... پتھر کی
سل سے گڑھے کو بند کیا اور اس کی رائفل اٹھا کر ادھ کھلے دروازے میں سے جھانک
کر باہر دیکھا۔

باہر ایک بلب روشن تھا جس کی روشنی زیادہ نہیں تھی...... یہ آمنے سامنے کی
دو تین کوٹھڑیوں کے درمیان کی جگہ تھی...... وہاں کوئی نہیں تھا...... شیر خان رائفل
ایک ہاتھ میں پکڑے کوٹھڑی سے باہر نکلا اور بائیں جانب جو گلی سی تھی ادھر دبے پاؤں
چلنے لگا، ہر طرف خاموشی تھی...... دس پندرہ قدم چلنے کے بعد ایک زینہ آگیا جو اوپر
جاتا تھا...... زینے کی بائیں جانب ایک کوٹھڑی تھی جس کے باہر ایک بڑا ڈرم پڑا تھا......
شیر خان آہستہ آہستہ زینے پر چڑھنے لگا...... زینے کے اوپر ایک دروازہ تھا جو بند تھا......
شیر خان نے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا...... دروازے کی کنڈی لگی ہوئی تھی...... اس نے
بڑی احتیاط سے کنڈی اتار کر دروازے کے ایک پٹ کو کھولا تو اسے ٹھنڈی ہوا کے
جھونکے کے ساتھ آسمان پر چمکتے تارے دکھائی دیئے...... یہ اس خفیہ ٹارچر سینٹر کی
چھت تھی...... وہ چھت پر دبے پاؤں چلتا اس کی پچھلی منڈیر تک گیا اور دیکھا کہ
دوسری جانب ٹیلے کی ڈھلان تھی جس پر اُگی ہوئی جنگلی جھاڑیاں نیچے تک چلی گئی
تھیں...... تاروں کی روشنی میں شیر خان اس منظر کو صاف دیکھ رہا تھا...... چھت کی
دیوار ٹیلے کی ڈھلان سے پندرہ بیس فٹ ہی اونچی تھی۔

اس کے پاس سوچنے غور کرنے اور اندازے لگانے کا وقت نہیں تھا...... اس نے
سب سے پہلے رائفل اوپر سے نیچے جھاڑیوں پر پھینکی اور پھر اللہ کا نام لے کر خود بھی

چھلانگ لگادی...... وہ اس طرح سے کودا تھا جیسے اس کو اس قسم کی جگہوں پر سے کودنے
کی تربیت دی گئی تھی...... وہ جھاڑیوں پر گرا اور گرتے ہی گیند کی طرح لڑھکتا چلا گیا......
چھ سات جھاڑیوں کے اوپر سے لڑھکتا ہوا وہ کافی نیچے جا کر رُک گیا...... اس نے ایک
جھاڑی کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا...... وہ کھڑا ہوا اور اس جانب دیکھنے لگا جس طرف
اس نے رائفل گرائی تھی...... رائفل کی اسے ابھی ضرورت تھی...... دس پندرہ سیکنڈ
کی تلاش کے بعد اسے ایک جھاڑی میں اُلجھی ہوئی رائفل مل گئی...... اس نے رائفل
اٹھائی اور تیزی سے ڈھلان پر سے اترتا ہوا زمین پر آیا اور ٹیلے والے ٹارچر سینٹر کی مخالف
سمت کو دوڑنا شروع کر دیا۔

شیر خان کو اس قدر معلوم تھا کہ یہ ٹارچر سینٹر گوالیار شہر سے کچھ فاصلے پر واقع
تھا...... آگے کیا تھا اور وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس کی اسے کچھ خبر نہیں تھی...... اس نے
دوڑتے دوڑتے بائیں جانب دیکھا...... کافی فاصلے پر اسے گوالیار شہر کی روشنیاں دکھائی
دے رہی تھیں...... وہ کھیتوں میں دوڑ رہا تھا...... کھیت ختم ہوئے تو آگے ایک ندی
آگئی...... تاروں کی روشنی میں ندی کا پاٹ چمکیلا خاکستری رنگ کا نظر آ رہا تھا...... ندی
کافی چوڑی تھی...... شیر خان نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی...... اسے وہاں کوئی پل وغیرہ
دکھائی نہ دیا...... اس نے رائفل پھینکی اور ندی میں چھلانگ لگادی...... وہ تیزی سے
دوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگا۔

دوسرے کنارے کے درختوں کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے خاکے اس کے قریب
ہوتے جا رہے تھے...... تیرتے تیرتے وہ ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر ندی سے
باہر نکل آیا اور سامنے والے درختوں میں گھس گیا...... یہ کوئی گھنا جنگل نہیں تھا......
درختوں کے دو تین جھنڈ ہی تھے...... شیر خان ان درختوں میں سے بھی دوسری
طرف نکل آیا...... آگے پھر کھیت اور اونچی نیچی جھاڑیاں تھیں...... وہ ایک بار پھر
دوڑنے لگا...... اس کا خیال تھا کہ آگے ضرور کوئی گھنا جنگل ہوگا...... وہاں وہ چھپ کر

رات گزار دے گا اور پھر دوسرے دن کسی طرف نکل جانے کی کوشش کرے گا
دوڑتے دوڑتے وہ تین چار کھیتوں میں سے نکل گیا...... اچانک اس کے کانوں میں
گاڑی کے انجن کی سیٹی کی آواز پڑی...... یہ آواز کافی دُور سے آئی تھی...... دوڑ
دوڑتے وہ ریلوے لائن پر پہنچ گیا...... وہاں ریل کی دو پٹڑیاں بچھی ہوئی تھیں......
یہ ڈبل ٹریک تھا...... اس نے بائیں جانب دیکھا۔

دُور بہت ہی روشنیاں جھلملا رہی تھیں...... یہ گوالیار کا ریلوے سٹیشن ہی ہو
تھا...... اس نے دائیں جانب دیکھا، اس جانب بھی کافی فاصلے پر ریلوے انجن کی
لائٹ کی روشنی دکھائی دی...... شیر خان وہاں رُک نہیں سکتا تھا...... وہ ریلوے لا
کے ساتھ ساتھ دائیں جانب یعنی سٹیشن کی مخالف سمت کو چل پڑا...... ریل گاڑی ا
طرف سے آ رہی تھی...... ایک دوبار پھر انجن کی سیٹی کی آواز آئی...... آواز دُور
آ رہی تھی...... گاڑی ابھی کافی دُور تھی...... شیر خان اب دوڑنے کی بجائے تیز تیز چ
رہا تھا...... تاروں کی دُھندلی مدروشنی میں ریلوے ٹریک کی دونوں جانب کھیت ہی کھی
تھے...... جنگل شاید آگے جا کر شروع ہوتا تھا...... شیر خان چلتا چلا جا رہا تھا کہ جیسے
کہیں سے جنگل شروع ہو گا وہ اس میں گھس کر کسی درخت پر رات بسر کر دے گا یا
ایسا نہ کر سکا تو جنگل میں جتنا آگے نکل سکتا ہے نکل جائے گا...... ریلوے لائن پر ا
انجن کی روشنی پڑنے لگی تھی...... لیکن یہ روشنی بڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہ
تھی...... کوئی ٹرین بڑی دھیمی رفتار سے آ رہی تھی۔

جب ریلوے انجن کی روشنی اور قریب آ گئی تو شیر خان لائن سے نیچے اتر گیا تاکہ
وہ انجن کی روشنی میں کسی کو نظر نہ آ جائے...... اب انجن کے چھک چھک کی آواز بھی
آنے لگی تھی...... انجن آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا...... اس خیال سے کہ جب ٹرین اس کے
قریب سے گزرے گی تو ڈبوں کی روشنی اس پر پڑے گی اور وہ مسافروں کو دکھائی دینے
لگے گا...... شیر خان ریلوے لائن کے قریب ہی ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا

کہ گاڑی گزر جائے تو پھر آگے بڑھے گا...... انجن لائن پر بڑی تیز روشنی ڈالتا اور شور
مچاتا معمولی رفتار کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر گیا۔

اس وقت کمانڈو شیر خان کو معلوم ہوا کہ یہ مسافر گاڑی نہیں تھی بلکہ مال گاڑی
تھی...... گاڑی کی سپیڈ بھی ہلکی تھی...... اچانک شیر خان کے دماغ میں ایک خیال
آ گیا...... وہ اٹھا اور ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ جس طرف گاڑی جا رہی تھی اس
طرف دوڑنے لگا...... وہ بڑے غور سے مال گاڑی کے ڈبوں کو دیکھ رہا تھا...... مال گاڑی
اس سے تھوڑے فاصلے پر اونچی جگہ پر چلی جا رہی تھی...... مال گاڑی کے ڈبے بند
تھے...... شیر خان نے تاروں کی روشنی میں دیکھ لیا کہ مال گاڑی کے ایک ڈبے کا آدھا
دروازہ کھلا تھا...... وہ دوڑتا ہوا ریلوے لائن پر چڑھ گیا اور مال گاڑی کے بالکل ساتھ
ساتھ دوڑنے لگا...... جب کھلے دروازے والا ڈبہ اس کے سامنے سے گزرنے لگا تو
شیر خان نے دیکھا کہ لوہے کی ایک زنجیر ڈبے کے باہر لٹک رہی تھی۔

ٹرین کی رفتار اتنی زیادہ نہیں تھی کہ وہ اس پر چڑھ نہ سکتا...... شیر خان زنجیر کو پکڑ
کر ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا...... دوڑتے دوڑتے وہ ڈبے کے اور قریب ہو گیا اور پھر زنجیر
کو کمند بنا کر اس کے ذریعے ڈبے میں گھس گیا...... ڈبے میں گھستے ہی وہ آہنی فرش پر بیٹھ
گیا اور آنکھیں پوری طرح سے کھول کر اندر جائزہ لینے لگا...... ڈبے کے کونے میں
ایک جانب کچھ سامان بھرا ہوا تھا...... شیر خان اٹھ کر اس کے قریب گیا...... یہ بانس
کے بڑے بڑے گٹھے تھے جو فرش سے لے کر آدھی دیوار تک اوپر کو چلے گئے تھے......

شیر خان دوڑ کر مال گاڑی کے دروازے میں آ گیا...... ڈبے کا آدھا دروازہ بند تھا......
آدھا کھلا تھا...... معلوم نہیں اس آدھے دروازے کو کیوں کھلا رکھا گیا تھا...... یہ لوہے کا
کافی بڑا دروازہ تھا اور اس کا پٹ اندر کو آیا ہوا تھا...... پہلے شیر خان کو خیال آیا کہ وہ کسی نہ
کسی طرح آدھے دروازے کو بھی بند کر دیتا ہے...... پھر یہ سوچ کر اس نے ایسا نہ کیا کہ
گاڑی کے ساتھ گارڈ ضرور ہو گا...... دروازے کو بند دیکھ کر اس کو شک پڑ سکتا ہے کہ

گاڑی چلی تھی تو آدھا دروازہ کھلا تھا...... پھر یہ کس نے بند کر دیا۔

اس نے دروازہ کھلا ہی رہنے دیا۔

دراصل کمانڈو شیر خان نے مال گاڑی کے ڈبے میں ہی چھپے رہنے کا فیصلہ کر تھا...... اس کے خیال میں یہ ایک محفوظ جگہ تھی اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر مال گاڑی گوالیار تک نہیں جا رہی تو وہ اس کے ذریعے گوالیار شہر کی خطرناک حدود سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا...... اس نے دروازے میں سے سر نکال کر سٹیشن کی طرف دیکھا...... سٹیشن کی روشنیاں آہستہ آہستہ قریب ہوتی جا رہی تھیں...... کمانڈو شیر خا کے لئے یہ بات بھی تسلی کا باعث تھی کہ مال گاڑیاں ریلوے سٹیشنوں کے عام بارونق پلیٹ فارموں پر کھڑی نہیں ہوا کرتیں بلکہ ریلوے یارڈ میں ایک الگ تھلگ ایسے پلیٹ فارم پر کھڑی ہوتی ہیں جہاں کوئی پولیس والا بھی نہیں ہوتا اور سی آئی ڈی والوں کی موجودگی کا بھی امکان نہیں ہوتا۔

اب وہ دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ یہ گاڑی صرف گوالیار تک ہی نہ جا رہی ہو...... گاڑی کی رفتار ویسی ہی دھیمی تھی جس رفتار سے وہ چلی آ رہی تھی...... خدا جانے اس کے انجن میں کوئی خرابی تھی یا اس کے ڈرائیور کو ہدایت کی گئی تھی کہ گوالیار اسٹیشن کے قریب پہنچ کر رفتار کو آہستہ کر دے...... مال گاڑی کی رفتار سے شیر خان اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ گاڑی گوالیار کے سٹیشن پر رکتی ہے یا نہیں، مگر اسے کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا...... مال گاڑی اسی ایک رفتار سے چلی جا رہی تھی...... نہ وہ تیز ہوئی تھی نہ ہلکی ہوئی تھی...... گوالیار کا سٹیشن قریب آتا جا رہا تھا...... شیر خان بانس کے گٹھوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا...... مال گاڑی ریلوے یارڈ میں داخل ہو گئی...... ریل کی پٹڑیوں پر سے گاڑی کے پہیوں کے کراس کرنے کی گڑگڑاہٹ کی آواز آنے لگیں...... اس کے ساتھ ہی ریلوے یارڈ کے کھمبوں پر چلتے مرکری لیمپوں کی روشنی بھی ڈبے کے دروازے میں سے اندر پڑنے لگی۔

کافی دیر تک گاڑی یارڈ میں بچھی ہوئی ریل کی پٹڑیوں پر سے گزرتی رہی...... پھر بے میں بہت سی روشنیاں پڑنے لگیں...... مال گاڑی گوالیار کے سٹیشن کے قریب سے گزر رہی تھی...... گاڑی کی رفتار ویسی کی ویسی تھی...... وہ مدہم نہیں ہو رہی تھی...... اس سے شیر خان کو حوصلہ ہوا کہ ٹرین گوالیار سے گزر جائے گی، لیکن اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی...... مال گاڑی کی رفتار مزید کم ہونا شروع ہو گئی تھی...... اب ڈبے کے دروازے میں سے روشنیاں اندر سے ہو کر نہیں گزر رہی تھیں...... شیر خان اٹھ کر دروازے میں آ گیا...... اس نے دیکھا کہ گاڑی ریلوے سٹیشن کے شمالی یارڈ میں سے گزر رہی تھی اور اس کی رفتار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ یارڈ میں اپنے مخصوص پلیٹ فارم پر جا کر کھڑی ہونے والی ہے۔

شیر خان سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے؟

پہلے اسے خیال آیا کہ مال گاڑی کے ڈبے کے اندر ہی بانس کے گٹھوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا رہے...... مال گاڑی زیادہ دیر تو وہاں رکے گی نہیں...... پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ گاڑی صرف گوالیار تک ہی آ رہی ہو اور جب گاڑی رُکے تو مزدور اندر سے بانس کے گٹھے اتارنے آ جائیں گے اور اسے دیکھ لیں گے...... آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ گاڑی کے رُکتے ہی اسے ڈبے سے چھلانگ لگا کر اتر جانا چاہئے اور کسی جگہ چھپ کر گاڑی کے دوبارہ چلنے کا انتظار کرنا چاہئے۔

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک انجن نے اوپر تلے دو تین بار سیٹی دی، گاڑی کی سپیڈ آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی...... شیر خان خوش ہوا کہ ٹرین یہاں نہیں رُکے گی...... آگے نکل جائے گی...... اور یوں وہ خطرے کے علاقے سے دُور سے دُور ہوتا چلا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا...... مال گاڑی کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئی اور وہ گوالیار کے سٹیشن کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی...... گوالیار کے بعد اگلا بڑا اسٹیشن آگرہ تھا جس کے درمیان دھولپور کا جنکشن آتا تھا...... دھولپور بھی گوالیار سے کافی فاصلے پر تھا......

شیر خان نے سوچ لیا تھا کہ اگر یہ ٹرین صرف دھولپور تک ہی جائے گی، جس کا امکان نہیں تھا تو پھر بھی وہ گوالیار سے کافی آگے نکل چکا ہو گا اور وہاں سے آگرہ اور دلی پہنچنے کا کوئی نہ کوئی انتظام کرے گا۔

شیر خان تین کپڑوں میں تھا...... جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں تھا، جو کچھ تھا وہ ہندو پولیس انسپکٹر نے گوالیار کے پولیس سٹیشن میں رکھوالیا تھا، مگر شیر خان کو اس کی فکر نہیں تھی...... فکر اگر تھی تو صرف یہ تھی کہ کہیں وہ اپنی کسی غلطی سے دوبارہ پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے...... اس لئے اسے بے حد محتاط رہنے کی ضرورت تھی...... مال گاڑی کی ایک نپی تلی رفتار ہوتی ہے...... وہ اس رفتار پر جا رہی تھی۔

ابھی رات آدھی بھی نہیں گزری تھی...... اس کا اندازہ شیر خان نے آسمان پر نکلے ہوئے ستاروں کو دیکھ کر لگا لیا تھا...... دھولپور تک کئی چھوٹے چھوٹے سٹیشن آئے اور گزر گئے...... دھولپور بڑا شہر تھا...... کافی دیر کے بعد اس شہر کی روشنیاں نظر آنا شروع ہو گئیں...... مال گاڑی دھولپور کو بھی پیچھے چھوڑ کر نکل گئی...... اب آگے آگرے کا مشہور تاریخی شہر تھا۔

آخر آگرہ بھی آ گیا...... ٹرین آگرہ سٹیشن پر بھی نہ رُکی...... شیر خان سمجھ گیا کہ گاڑی اب دلی پہنچ کر ہی رُکے گی...... یہ اس کے لئے امید افزا بات تھی...... وہ بانسوں کے گٹھوں کے پیچھے بیٹھا سوچتا رہا کہ دلی پہنچنے کے بعد اسے کیا کرنا چاہئے...... دلی میں مجاہدین کی تنظیم کے آدمی ضرور تھے مگر ان کا شیر خان کو علم نہیں تھا...... کافی سوچ بچار کے بعد شیر خان نے دل میں ایک منصوبہ بنا لیا تھا...... متھرا کے سٹیشن کے یارڈ میں ٹرین کچھ دیر کے لئے رُک گئی...... شاید انجن پانی وغیرہ لے رہا تھا...... شیر خان ڈبے کے اندر ہی چھپا رہا...... مال گاڑی نے وہاں کافی دیر لگا دی...... پھر کہیں جا کر آگے روانہ ہوئی...... اب وہ چلتی چلی گئی...... رات ڈھل چکی تھی اور آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تھا کہ گاڑی دلی کے مضافات میں داخل ہو گئی۔

دلی بہت بڑا جنکشن تھا...... مال گاڑی نے رُکتے رُکتے بھی آدھا گھنٹہ لگا دیا...... اس وقت تک صبح ہو چکی تھی...... سورج نکل آیا تھا...... گاڑی ایک بہت بڑے شیڈ کے باہر خالی پلیٹ فارم پر آ کر ٹھہر گئی...... شیر خان جلدی سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا اور باہر جھانک کر دیکھا...... اس وقت وہاں قریب قریب کوئی آدمی نہیں تھا...... شیر خان چپکے سے ڈبے سے اتر آیا اور دوڑ کر سامنے لگے تاروں کے جنگلے میں سے گزر کر دوسری طرف یارڈ کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا...... ایک جگہ سے اسے باہر جانے کا راستہ مل گیا اور وہ باہر سڑک پر آ گیا۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کم از کم دلی خیریت سے پہنچ گیا تھا...... اب یہاں سے اسے آگے جموں کشمیر جانا تھا...... یہ اپنی جگہ پر ایک الگ مشکل مرحلہ تھا...... مشکل اس وجہ سے تھا کہ شیر خان کی جیب خالی تھی...... نہ بس کا کرایہ تھا نہ ریل کا کرایہ تھا اور ریل میں بغیر ٹکٹ سفر کرنے میں پکڑے جانے کا خطرہ تھا...... دلی شہر کی سڑکوں پر بے پناہ ٹریفک رواں دواں تھی...... یہ شہر بھارت کا دارالحکومت تھا...... اس کی آبادی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا تھا...... زندگی بے حد تیز ہو گئی تھی...... کمانڈو شیر خاں کچھ دُور تک تو سڑک کے کنارے کنارے چلتا رہا...... جب سامنے بڑا چوک آ گیا تو وہ ایک جگہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے...... اچانک اسے سردار لاہوری سنگھ کا خیال آ گیا...... سردار لاہوری سنگھ کا تعلق بھارت میں خالصتان کی تحریک کے اہم کارکنوں سے تھا اور کشمیری مجاہدین کے ساتھ مل کر بھی کام کرتا رہا تھا...... دلی میں ایک بار شیر خان کی اس سے ملاقات ہو چکی تھی...... یہ ملاقات ایک گردوارے میں ہوئی تھی...... اس گردوارے کا شیر خان کو علم تھا کہ وہ دلی میں کس جگہ پر واقع ہے...... اس وقت سردار لاہوری سنگھ ہی اس کے کام آ سکتا تھا...... شیر خان اٹھا اور اس علاقے کی طرف چل پڑا جہاں گردوارہ تھا۔

✿ ✿ ✿

اس گردوارے کا محل و قوع ہم مصلحتاً صیغہ راز میں ہی رکھنا چاہتے ہیں اور یہ بالکل نہیں بتائیں گے کہ وہ دلی کے کس علاقے میں تھا...... بہر حال وہ دلی ریلوے سٹیشن سے کافی دُور تھا...... شیر خان کی جیب خالی تھی...... وہ رکشا ٹیکسی پر نہیں جا سکتا تھا...... پیدل ہی چل پڑا...... اسے گردوارے میں پہنچتے پہنچتے ایک گھنٹہ لگ گیا...... گردوارے کو دیکھتے ہی اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی گردوارہ ہے...... اس وقت گردوارے کے اندر پوتر گردبانی کا پاٹھ ہو رہا تھا...... شیر خان نے جوتے اتار کر ایک جگہ پاؤں دھوئے اور گردوارے کے صحن میں چل پھر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا...... اسے ایک جگہ ایک سکھ سیوادار دکھائی دیا جو فرش دھو رہا تھا...... شیر خان نے اس کے پاس جا کر ست سری اکال کہا اور سردار لاہوری سنگھ کے بارے میں پوچھا...... سکھ سیوادار نے مشکوک نگاہوں سے شیر خان کو دیکھا اور بولا۔

"تمہیں لاہوری سنگھ سے کیا کام ہے؟ تم کہاں سے آئے ہو"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"میں اس کا دوست ہوں اور اس سے بڑا ضروری ملنا ہے...... فکر نہ کرو...... میں سی آئی ڈی کا آدمی نہیں ہوں"۔

سیوادار نے ایک چوبارے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہاں چلے جاؤ"۔

شیر خان برآمدے میں آ کر چوبارے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا...... اوپر دروازہ بند تھا...... اندر سے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی...... شیر خان نے آہستہ سے دستک دی...... آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز بند ہو گئی...... کسی نے پوچھا۔

"کون ہے بھئی؟"۔

شیر خان نے آواز پہچان لی...... یہ سردار لاہوری سنگھ کی آواز تھی...... شیر خان نے کہا۔

"میں ہوں سردار جی...... شیر خان"۔

دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا...... سامنے سردار لاہوری سنگھ کھڑا تھا...... شیر خان کو دیکھتے ہی بولا۔

"میرا شیر خان یار کہاں سے آ گیا...... بھئی واہ"۔

دونوں بازو کھول کر اس نے شیر خان کو گلے لگا لیا...... پھر اسے اندر کمرے میں لے آیا...... چھوٹا سا کمرہ تھا...... ایک چارپائی بچھی تھی...... لاہوری سنگھ نے اپنے آدمی کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"بھوپندر سیاں! نیچے جاتے ہوئے سیوادار کو اوپر بھیج دینا"۔

بھوپندر سنگھ یعنی دوسرا سردار چلا گیا...... لاہوری سنگھ نے بڑے غور سے شیر خان کا جائزہ لیا اور بولا۔

"شیر خان! خیر تو ہے؟ اس وقت اچانک کیسے اور کہاں سے آ گئے؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ بڑی لمبی کہانی ہے"۔

سردار لاہوری سنگھ ایسا آدمی تھا کہ اس پر شیر خان اعتماد کر سکتا تھا...... اس نے اسے مختصر کر کے ساری روداد بیان کر دی...... لاہوری سنگھ بے اختیار بولا۔

"شاباش شیر جوان! شاباش!"۔

اتنے میں سیوادار اوپر آگیا...... لاہوری سنگھ نے اسے کہا۔

"جلدی سے دو آدمیوں کے لئے چائے اور گرم گرم پوڑیاں لے آؤ"۔

اس کے بعد دونوں انقلابی دوست باتیں کرنے لگے...... شیر خان نے لاہوری سنگھ کو روہت گڑھ کے ڈیم کی تباہی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا...... بس اسے یہی کہا تھا کہ وہ اور مجاہد شاہد علی ایک خاص مشن پر گئے تھے کہ دونوں پکڑے گئے...... شاہد علی کا کچھ پتہ نہیں کہ جھانسی میں ہے یا پولیس اسے کہاں لے گئی ہے۔

"بس میں کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا ہوں اور اب مجھے واپس کشمیر جانا ہے"۔

لاہوری سنگھ نے کہا۔

"اس کا انتظام ہو جائے گا...... تم سب سے پہلے ایسا کرو کہ جب تک چائے پوڑی نہیں آتی اتنی دیر میں یہ سامنے غسل خانہ ہے، اندر جا کر نہاؤ...... میرے کپڑے تمہیں آجائیں گے...... کپڑے بدل لو...... جاؤ"۔

کمانڈو شیر خاں نے غسل کیا...... اس کے بعد سردار لاہوری سنگھ کی دھوبی کی دُھلی ہوئی پتلون اور قمیض پہنی اور تازہ دم ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گیا...... شیر خان کی کلائیوں کا درد اب کافی حد تک ختم ہو گیا تھا...... سیوادار ناشتہ لے آیا...... دونوں دوستوں نے ناشتہ کیا...... ناشتے کے بعد لاہوری سنگھ کہنے لگا۔

"جب تک تم میرے پاس گردوارے میں ہو تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا...... باقی رہا جموں کشمیر جانے کا معاملہ تو اس کے لئے ایسا ہے کہ رات کے وقت دلی سے فرنٹیر میل پنجاب کی طرف جاتی ہے...... وہ تمہیں منہ اندھیرے امرتسر پہنچادے گی...... نابھہ سے لے کر جالندھر تک سی آئی ڈی جگہ جگہ موجود ہوتی ہے...... یہاں تم بالکل نہ اترنا...... سیدھا امرتسر جا کر اترنا...... امرتسر سے تمہیں جموں کی لاری مل جائے گی...... میں خود تمہیں امرتسر تک چھوڑ آتا لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ

میرا چوبیس گھنٹے دلی میں رہنا ضروری ہے"۔

رات کو لاہوری سنگھ خود شیر خان کو فرنٹیر میل پر چڑھانے اس کے ساتھ گیا...... دلی سے امرتسر تک کا ٹکٹ وہ خود خرید کر لایا...... اس کے علاوہ اس نے شیر خان کو ضروری اخراجات کے لئے دو سو روپے الگ بھی دیئے...... جب تک فرنٹیر میل دلی سٹیشن پر کھڑی رہی لاہوری سنگھ بھی پلیٹ فارم پر موجود رہا...... فرنٹیر میل ساری رات چلتی رہی...... جب نابھہ کا سٹیشن آیا تو پو پھٹ چکی تھی...... شیر خان جاگ رہا تھا...... وہ ڈبے میں برتھ پر ہی لیٹا رہا...... نابھہ سے جالندھر تک کا علاقہ بڑا احساس علاقہ تھا، کیونکہ یہاں سے جموں کو ٹرین بھی جاتی تھی اور لاریاں بھی آتی جاتی رہتی تھیں...... ٹرین جالندھر سے بھی خیریت کے ساتھ گزر گئی۔

امرتسر کے سٹیشن پر شیر خان اتر گیا اور سر جھکائے ہوئے لیکن چاروں طرف سے خبردار ہو کر خاموشی سے سٹیشن سے باہر نکل آیا...... وہ جموں جانے والی لاریوں کے اڈے پر آگیا...... یہاں سے وہ ایک لاری میں سوار ہو کر جموں کی طرف روانہ ہو گیا...... کمانڈو شیر خان سے ہم کچھ دیر کے لئے جدا ہوتے ہیں اور مجاہد شاہد علی کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔

یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسے جھانسی سے گرفتار کیا گیا تھا اور جھانسی کے قلعے میں لے جایا گیا تھا...... وہاں اس سے باقاعدہ پوچھ گچھ شروع ہوگئی...... اسے ہر قسم کی اذیت کا نشانہ بنایا گیا، لیکن مجاہد شاہد علی نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا...... اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ وہ سپیرا نہیں ہے...... کشمیری مجاہد ہے مگر اس کا روہت ڈیم کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں ہے...... انٹیلی جنس کے چیف نے پوچھا۔

"اگر تمہارا روہت ڈیم کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں ہے تو تم جھانسی میں سپیرے کا بھیس بدل کر کیا کر رہے تھے؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"میں اپنے ایک دوست سے ملنے بمبئی گیا ہوا تھا...... واپس کشمیر کے لئے روانہ ہونے لگا تو سنا کہ روہت گڑھ کے ڈیم کو اُڑا دیا گیا ہے...... مجھے معلوم تھا کہ پولیس نے اندھا دُھند پکڑ دھکڑ شروع کر دی ہو گی اور جس پر ذرا سا بھی شک پڑا اسے کشمیری مجاہد سمجھ کر پکڑ لے گی...... بس اس خیال سے میں نے سپیروں والا حلیہ بنایا اور بمبئی سے چل پڑا"۔

لیکن، جھانسی کے انٹیلی جنس چیف نے مجاہد شاہد علی کے بیان پر بالکل یقین نہیں کیا تھا...... جب اسے یہ خبر ملی کہ گوالیار میں بھی ایک مجاہد پکڑا گیا ہے تو اس کو پکا یقین ہو گیا کہ اس کشمیری مجاہد شاہد علی کا تعلق اس گروہ سے ہے جس نے روہت ڈیم کو تباہ و برباد کر کے بھارت کی اور بھارت کی انٹیلی جنس کی عزت خاک میں ملا دی ہے...... اس نے مجاہد شاہد علی کے گرد سکیورٹی انتظامات مزید سخت کر دیئے اور اسے فوراً نجیب آباد کے پتھر گڑھ قلعے کے سب سے بدنام اور خوفناک ٹارچر سینٹر میں پہنچا دیا۔

نجیب آباد کے پتھر گڑھ قلعے کے ٹارچر سیل کا انچارج انٹیلی جنس کا ڈی آئی جی گوپال کالیکر ایک مرہٹہ تھا جو وہاں کالے جلاد کے نام سے مشہور تھا...... بھاری بھر کم گوپال کالیکر کا رنگ کالا تھا اور وہ اذیتیں دے دے کر کئی بے گناہ ملزموں کو ہلاک کر چکا تھا...... اس کے نزدیک کسی مشتبہ ملزم کو اذیتیں دے کر ہلاک کرنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی کسی مکھی کو مسل دے...... بڑا سنگ دل اور بے رحم آدمی تھا...... اس کے ٹارچر کرنے کا طریقہ ایسا بھیانک اور تکلیف دہ ہوتا تھا کہ جس بے چارے نے کوئی جرم نہیں بھی کیا ہوتا تھا تو وہ گھبرا کر اقبال جرم کر لیتا تھا۔

مجاہد شاہد علی کو اسی کالے جلاد گوپال کالیکر کے حوالے کر دیا گیا اور اسے اوپر سے حکم دیا گیا کہ اس کشمیری مجاہد کا تعلق روہت ڈیم تباہ کرنے والی کمانڈو پارٹی سے ہے چنانچہ اس سے ہر حالت میں اس کے گروہ کے دوسرے لوگوں کا اتا پتہ معلوم کیا جائے...... کالے جلاد کالیکر نے پہلے ہی دن مجاہد شاہد علی کو زنجیروں سے باندھ کر اتنا

پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور اسے شام کو ہوش آیا...... ہوش آنے کے بعد کالے جلاد نے شاہد علی سے باقاعدہ پوچھ گچھ شروع کر دیا...... کہنے لگا۔

"میں کس قسم کا جلاد ہوں اس کا نمونہ میں نے تمہیں دکھا دیا ہے، لیکن یہ میں نے صرف اپنے ہاتھ کھولنے کے لئے کیا ہے...... اصل ڈرامہ بعد میں شروع ہو گا...... تمہاری جان صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ چپکے سے مجھے اپنے ساتھیوں کے نام اور پتے بتا دو کہ وہ کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں...... اگر تم نے یہ سب کچھ بتا دیا تو میرا تم سے وعدہ ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں گا"۔

اس قسم کی باتیں مجاہد شاہد علی کے لئے بھی کوئی نئی بات نہیں تھی...... اپنے کمانڈو مشن کے دوران وہ بدقسمتی سے یا اپنی کسی غلطی سے پکڑا گیا تھا تو اس کے ساتھ بھارت کے عقوبت خانوں میں ایسا ہی وحشیانہ سلوک ہوتا رہا تھا، چنانچہ مجاہد شاہد علی نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

"میں کشمیری مجاہد ضرور ہوں لیکن میں کشمیر کے محاذ پر بھارتی فوج سے لڑتا ہوں...... بھارت کے دوسرے شہروں میں دھماکے کرنا میرا کام نہیں ہے...... اس لئے میرا روہت گڑھ ڈیم کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

لیکن گوپال کالیکر جلاد بھلا کیسے یقین کر لیتا...... اس نے مجاہد شاہد علی پر اذیت کے نت نئے وحشیانہ طریقے آزمانے شروع کر دیئے...... اوپر سے اگر کالیکر جلاد کو یہ ہدایت نہ ملی ہوتی کہ اس کشمیری مجاہد کو مارنا نہیں ہے بلکہ آخری دم تک اس سے اس کے ساتھیوں کا پتہ چلانے کی کوشش کرنی ہے تو کالیکر جلاد مجاہد شاہد علی کو پہلی رات ہی اذیت دے دے کر مار چکا ہوتا۔

نجیب آباد کے قلعے پتھر گڑھ کے بارے میں ہم یہ بتاتے چلیں کہ یہ قلعہ اسی علاقے کی ایک سرکش بھاٹ قوم کے ڈاکوؤں کی وجہ سے بہت مشہور رہ چکا تھا...... کسی زمانے میں سلطانہ ڈاکو نے بھی اس پرانے قلعے کو اپنی آماجگاہ بنا رکھا تھا، بعد میں جب

ہندوستان آزاد ہوا تو انڈین گورنمنٹ نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور آج کل یہا
صوبے کی انٹیلی جنس پولیس نے اپنا خاص انٹیروگیشن سینٹر بنایا ہوا تھا اور مرہٹہ ڈی آ
جی انٹیلی جنس اس اذیت گاہ کا انچارج تھا...... یہاں ان خطرناک ملزموں کو لایا جاتا تھا
ہر قسم کی اذیت برداشت کر جاتے تھے مگر اپنی زبان نہیں کھولتے تھے۔

قلعہ پتھر گڑھ کے قریب ہی وہ جنگل تھا جس کا شمار انڈیا کے خوفناک اور خطرناک
جنگلوں میں ہوتا تھا...... سلطانہ ڈاکو تو اب نہیں رہا تھا لیکن اس کا ایک شاگرد برجو بھا
قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کے بعد اکثر اس جنگل میں روپوش ہو جایا کرتا تھا...... ا
جنگل میں اس نے پولیس سے بچنے کے لئے اپنے کئی خفیہ ٹھکانے بنائے ہوئے تھے......
سلطانہ ڈاکو کی طرح ڈاکو برجو بھاٹ کی بھی علاقے میں بڑی دہشت تھی اور پولیس بھ
اس کا مقابلہ کرنے سے کتراتی تھی۔

یہ اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت مجاہد شاہد علی کو پوچھ گچھ کے لئے قلعہ پتھ
گڑھ میں لایا گیا تھا تو اس قلعے میں ان دنوں ڈاکو برجو بھاٹ کے گروہ کا ایک ڈاکو بھ
پولیس نے پکڑ کر بند کر رکھا تھا اور جلاد گوپال کالیکر اس سے بھی پوچھ گچھ کر رہا تھا
برجو ڈاکو کا خفیہ ڈیرہ جنگل میں کہاں کہاں پر ہے...... اس ڈاکو برجو بھاٹ کے ساتھی
نام رام دت تھا...... قلعے کی جس کوٹھڑی میں مجاہد شاہد علی کو قید کیا گیا تھا اس کی ساتھ
والی کوٹھڑی میں برجو ڈاکو کا ساتھی رام دت بھی بند تھا...... وہ کوٹھڑی جہاں پوچھ گچھ
کے دوران تشدد کیا جاتا تھا وہاں سے کچھ فاصلے پر قلعے کے مشرقی حصے میں تھی......
پہلے ہی دن جب مجاہد شاہد علی کو جلاد کالیکر نے اندھادھند پیٹنے کے بعد بے ہوشی کی
حالت میں اس کی کوٹھڑی میں پھینک دیا تھا تو ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد جب شاہد علی اپ
ہوش و حواس میں آیا تو ساتھ والی کوٹھڑی سے کراہنے اور جلاد کالیکر کو گالیاں دینے کی
آواز آ رہی تھی۔

یہ برجو ڈاکو کا ساتھی رام دت تھا جس پر تشدد کے بعد اسے اس کی کوٹھڑی میں

لا کر ڈال دیا گیا تھا...... شاہد علی کے ساتھ ہی ساتھ ڈاکو رام دت پر بھی تشدد اور پوچھ
گچھ کا سلسلہ شروع ہو گیا...... شاہد علی ہر قسم کا اذیت ناک تشدد برداشت کرتا رہا مگر
اس نے اپنی زبان بند رکھی...... دوسری طرف ڈاکو رام دت کا برا حال تھا...... اسے
طرح طرح کی اذیتیں دینے کے بعد جب کوٹھڑی میں لا کر ڈال دیا جاتا تو وہ دیر تک
کراہتا رہتا اور پولیس انچارج گوپال کالیکر کو گالیاں دیتا رہتا...... اس طرح دو دن اور دو
راتیں گزر گئیں...... دوسری طرف ڈاکو برجو بھاٹ بھی اپنے ساتھی رام دت کو پولیس
کے چنگل سے نکالنے کے لئے بے چین تھا اور موقع کے انتظار میں تھا...... تیسرے دن
کا ذکر ہے کہ مجاہد شاہد علی اپنی کوٹھڑی میں تشدد کی وجہ سے کچھ نڈھال سا ہو کر پڑا
تھا...... ساتھ والی کوٹھڑی میں رام دت ڈاکو کو ابھی ابھی اذیتیں دینے کے بعد لا کر بند
کیا گیا تھا اور وہ کراہ بھی رہا تھا اور پولیس کو گالیاں بھی دے رہا تھا...... شاہد علی کی
کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا...... اتنے میں رات کی خاموش فضا فائرنگ کے دھماکوں سے
گونجنے لگی...... یہ سٹین گنوں اور تھری ناٹ تھری کی رائفلوں کے دھماکے تھے جن کی
آواز بڑے قریب سے آ رہی تھی...... فائرنگ اندھادھند اور مسلسل ہو رہی تھی......
شاہد علی جاگ رہا تھا...... اسے ایسے لگا جیسے پتھر گڑھ کے قلعے پر کسی بہت بڑی فوج نے
حملہ کر دیا ہے۔

یہ مختصر سی فوج برجو ڈاکو کے گروہ کی تھی جس نے اپنے ساتھی رام دت کو جیل
سے نکالنے کے لئے اچانک یلغار کر دی تھی اور خونی ڈاکو بے تحاشا گولیاں برساتے قلعے
کی شکستہ دیوار میں سے قلعے کے اندر داخل ہو گئے تھے...... اگر یہ ملٹری انٹیلی جنس کا
سینٹر ہوتا تو یہاں فوج تعینات ہوتی...... جس کا مقابلہ کرنا برجو ڈاکو کے بس میں نہیں
تھا...... یہ پولیس انٹیلی جنس کا سینٹر تھا جہاں پولیس کی محدود مسلح نفری تعینات تھی اور
پولیس پہلے ہی برجو ڈاکو کے نام سے دہشت زدہ تھی...... برجو ڈاکو نے قلعے میں داخل
ہوتے ہی چھ سات سپاہیوں کو بھون ڈالا...... باقی جان بچا کر ادھر ادھر چھپ گئے او

یونہی نام رکھنے کو ہوائی فائرنگ کرنے لگے۔

برجو ڈاکو کے لئے میدان صاف تھا...... ویسے بھی وہ آندھی کی طرح آیا تھا۔ اس کے مخبروں نے اسے بتادیا تھا کہ رام دت کون سی کوٹھڑی میں بند ہے...... وہ سٹ گن کی بوچھاڑیں برساتا اپنے آدمیوں کے ساتھ سیدھا رام دت کی کوٹھڑی کے پا آگیا...... رائفلوں کے بٹ مار کر کوٹھڑی کا تالا توڑ دیا گیا...... رام دت پہلے ہی فائرنگ کی آوازیں سن کر برجو گورو دیو کی جے...... گورو برجو کی جے کے نعرے لگا تھا...... مجاہد شاہد علی یہ ساری آوازیں اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا سن رہا تھا...... وہ سمجھ گیا کہ ساتھ والی کوٹھڑی میں جو ڈاکو قید ہے اس کو چھڑانے کے لئے اس کے ساتھی گئے ہیں...... کوٹھڑی کے باہر برجو ڈاکو نے چلا کر کہا۔

"رام دت! باہر آجا میں آگیا ہوں"۔

اس کے بعد رام دت کی آواز آئی۔

"گورو! مجھے پتہ تھا تم ضرور آؤ گے"۔

شاہد علی کو اپنی کوٹھڑی کے آگے سے آدمیوں کے دوڑنے بھاگنے کی آ آئی...... ساتھ ہی اس نے سنا کہ رام دت نے بلند آواز میں کہا۔

"گورو برجو! اس کوٹھڑی میں بھی کوئی قیدی ہے...... مجھے وہ بھی ڈاکو لگتا ہے.. اس کو بھی ساتھ لے چلو"۔

اس کے بعد برجو ڈاکو کی آواز بلند ہوئی۔

"اس کو بھی لے چلو"۔

پھر مجاہد شاہد علی کی کوٹھڑی کا بھی تالا ٹوٹ گیا...... دھڑاک سے دروازہ کھلا باہر بجلی کی روشنی میں شاہد علی نے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جس نے منہ پر کالا لپیٹ رکھا تھا...... اس کے ہاتھ میں سٹین گن تھی...... اس کے ساتھ رام دت ا دوسرے مسلح ڈاکو بھی تھے...... دراز قد آدمی نے جو برجو ڈاکو ہی تھا شاہد علی سے کہا۔

"مہاشے! تم بھی آجاؤ ہمارے ساتھ"۔

شاہد علی نے یہ موقع غنیمت جانا اور کوٹھڑی سے نکل کر ان ڈاکوؤں کے ساتھ گیا...... ڈاکو گولیاں برساتے قلعے کی شکستہ دیوار میں سے نکل کر درختوں میں اس جگہ گئے جہاں دو جیپیں اور کچھ گھوڑے کھڑے تھے...... رام دت نے شاہد علی کو بھی اسی یپ میں اپنے ساتھ بٹھا لیا جس میں برجو ڈاکو اور دو اور ڈاکو بیٹھے تھے...... ان کے بیٹھتے ی جیپ ایک دم سٹارٹ ہوئی اور نجیب آباد کے خطرناک جنگل کی طرف دوڑنے ں...... پیچھے دوسری جیپ تھی اور اس کے پیچھے باقی ڈاکو گھوڑے دوڑاتے اور فائرنگ رتے چلے آرہے تھے۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا تھا کہ شاہد علی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ قلعے کی قید ے آزاد ہو گیا ہے...... گھنے جنگل میں داخل ہونے کے بعد ڈاکوؤں نے فائرنگ بند ردی...... اندھیری رات میں ڈاکوؤں کی دونوں جیپیں اور گھوڑے آگے ہی آگے ڑھتے جارہے تھے...... کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپیں ایک جگہ درختوں کے پاس اکر رُک گئیں...... برجو ڈاکو جیپ سے اُترا...... اس نے اپنے ساتھی رام دت کو ساتھ یا...... رام دت نے مجاہد شاہد علی کو ساتھ لیا اور اندھیرے میں درختوں کے اس جھنڈ ی طرف چلے گئے جہاں دو تین جگہوں پر لالٹینیں جل رہی تھیں...... یہاں ایک ھونپڑے کے آگے بڑی چارپائی بچھی ہوئی تھی...... وہاں بھی کچھ ڈاکو موجود تھے...... ہ سب اپنے ساتھی رام دت کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے...... اس کے گلے لگ کر ملے ور پھر ایک ڈاکو نے شاہد علی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"گورو! یہ نمونہ کہاں سے پکڑ لائے ہو؟"۔

رام دت نے شاہد علی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اسے بھی اپنا ساتھی ہی سمجھو...... اس سالے کالیکر نے اسے بھی بہت پیٹا ہے"۔

برجو ڈاکو نے اس دوران اپنی سٹین گن کندھے سے اتار کر ہاتھ میں لے لی اور

رام دت سے کہا۔

"راموا اپنے دوست کو اندر لے آؤ"۔

مجاہد شاہد علی نے دل میں سوچا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ گڑھے سے نکل کنوئیں میں گر پڑا ہو...... یہ سارے ڈاکو ہندو قوم کے تھے...... وہ مسلمان تھا اور کشمی مجاہد تھا جو ان کی فوج کے خلاف جہاد کر رہا تھا...... بہر حال اب وہ ان کے ساتھ تھا...... یہ بات اس نے دل میں طے کرلی تھی کہ وہ انہیں اپنے کشمیری حریت ہونے کا بالکل نہیں بتائے گا۔

وہ برجو ڈاکو اور رام دت کے ساتھ جھونپڑے میں چلا آیا...... جھونپڑے میں ایک مٹی کے تیل کی لالٹین روشن تھی...... زمین پر چھوٹی دری بچھی تھی...... چارپائی بھی تھی جس پر سادہ سا بستر لگا تھا...... چارپائی کے پاس دو موڑھے پڑے تھے...... برجو ڈاکو چارپائی پر بیٹھ گیا...... رام دت اور شاہد علی سامنے موڑھوں پر گئے...... برجو ڈاکو نے سرہانے کے نیچے سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگایا رام دت سے کہا۔

"اس کالیکر نے تمہیں بڑی تکلیفیں دی ہوں گی...... مجھے معلوم ہے، مگر را دت...... میں بھی اسے نہیں چھوڑوں گا...... سمجھ لو کہ اس کی زندگی کے دن بہ تھوڑے رہ گئے ہیں"۔

اتنے میں ایک ڈاکو چائے کے گلاس لے کر آیا...... وہ سب چائے پینے لگے... برجو ڈاکو نے اچانک مجاہد شاہد علی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"میرا نام حیدر خاں ہے"۔

برجو ڈاکو نے پوچھا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو...... کیا کرتے ہو"۔

شاہد علی کمانڈو نے پہلے ہی سے سب کچھ سوچ رکھا تھا...... اس نے کہا۔

"میں بمبئی میں پرانے فرنیچر کی خرید و فروخت کا دھندا کرتا ہوں...... علاقے کا تھانیدار ایک بار میری دکان پر آیا...... اس کو ایک صوفہ سیٹ پسند آگیا...... کہنے لگا یہ میرے فلیٹ پر پہنچا دو...... میں نے قیمت بتائی تو بولا، مجھ سے قیمت مانگتے ہو، جانتے نہیں میں کون ہوں...... میں نے کہا کہ جانتا ہوں کہ آپ علاقے کے تھانیدار ہیں، لیکن یہ میرا دھندا ہے...... میں صوفہ سیٹ کی قیمت لئے بغیر آپ کو نہیں لے جانے دوں گا...... اس نے مجھے بہن کی گالی دی تو مجھے طیش آگیا اور میں نے اسے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا"۔

"شاباش شاباش!" برجو ڈاکو بے اختیار بول اٹھا۔

"پھر کیا ہوا؟" رام دت نے پوچھا۔

شاہد علی نے کہا۔

"بس تھانیدار میرا دشمن ہو گیا...... دو روز بعد پولیس کی گارد لے کر میری دکان پر آیا بولا...... ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم ہیروئن بیچتے ہو اور اس کے ساتھ ہی پولیس نے میری دکان کی تلاشی لینی شروع کر دی...... خدا جانے کہاں سے ایک سپاہی نے ہیروئن کی تھیلی باہر نکالی اور کہا...... سر! یہ ہے ہیروئن جو اس نے یہاں چھپائی ہوئی تھی...... اسی وقت پولیس مجھے گرفتار کر کے لے گئی...... تھانیدار تو مجھ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا...... اس نے جلاد کالیکر سے مل کر مجھے پتھر گڑھ کے قلعے میں پہنچا دیا جہاں اسی روز سے مجھ پر تشدد کیا جا رہا تھا...... یہ تو بھلا ہو بھائی رام دت کا کہ اس کو میرا خیال آگیا اور یہ مجھے بھی وہاں سے نکال کر لے آیا...... بس یہ میری داستان ہے"۔

برجو ڈاکو نے کہا...... "ٹھیک ہے...... اب تم دوسرے جھونپڑے میں جا کر سو جاؤ...... باقی باتیں کل ہوں گی"۔

برجوڈاکو نے اپنے ایک ڈاکو ساتھی کے ہمراہ مجاہد شاہد علی کو باہر بھیج دیا...... جب شاہد علی چلا گیا تو برجو نے رام دت سے کہا۔

"رامو! تمہارا کیا خیال ہے...... یہ کہیں پولیس کا آدمی تو نہیں ہے؟"۔

رام دت بولا۔

"گورو! کیسی باتیں کرتے ہو...... اگر یہ آدمی پولیس کا مخبر ہوتا تو تمہیں جیل توڑتے دیکھ کر دہائی دینے لگ جاتا کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو...... یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے، مگر اس نے تو کچھ بھی نہیں کہا...... بلکہ اُلٹا میں اسے اپنی مرضی سے ساتھ لے آیا ہوں کہ بے چارہ میری طرح پھنس گیا ہے...... کیوں نہ اسے بھی جلاد کی لیکر سے مکتی دلا دوں"۔

برجوڈاکو نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"تم چاہے کچھ کہو...... مجھے اس آدمی پر شک ہے...... یہ جھوٹ بول رہا تھا...... یہ آدمی اصل میں کوئی اور ہی ہے...... ٹھیک ہے...... اب تم بھی جاکر آرام کرو...... صبح دیکھا جائے گا"۔

شاہد علی کمانڈو ساتھ والی جھونپڑی کے اندر دری پر لیٹا سوچ رہا تھا کہ کہیں اُلٹی آنتیں گلے نہ پڑ جائیں...... پولیس کی قید سے تو نکل آیا ہوں...... ان لوگوں کو میری اصلیت کا پتہ چل گیا کہ میں کشمیری مجاہد ہوں تو میرے لئے مشکل پیدا ہو سکتی ہے...... ہو سکتا ہے کہ برجوڈاکو کسی پولیس آفیسر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسے پولیس کے حوالے کر دے...... شاہد علی نے فیصلہ کیا کہ وہ ان ڈاکوؤں کے ڈیرے سے بھی صبح موقع پا کر بھاگ جائے گا...... ابھی تک ڈاکو لوگ اس کے ساتھ اچھا سلوک کر رہے تھے اور بظاہر اسے ہر قسم کی چلنے پھرنے کی آزادی تھی۔

شاہد علی جب دن چڑھے اٹھا اور جھونپڑی سے باہر آیا تو باہر دو ڈاکو سٹین گن لئے ایسے کھڑے تھے جیسے پہرہ دے رہے ہوں...... مجاہد شاہد علی کا ماتھا ٹھنکا، مگر اس نے

یہی ظاہر کیا کہ جیسے کوئی خاص بات نہیں ہوئی...... جب وہ منہ ہاتھ دھونے کے لئے قریبی تالاب کی طرف چلا تو دونوں ڈاکو اس کے دائیں بائیں ہو کر اس کے ساتھ چلنے لگے...... مجاہد شاہد علی سمجھ گیا تھا کہ برجوڈاکو نے اسے اپنی حراست میں لے لیا ہے...... اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ میرے ساتھ کیوں چلنے لگے ہو؟"۔

ان میں سے ایک ڈاکو نے ہنس کر کہا۔

"گورو کا آرڈر ہے کہ ہم تمہاری رکھشا کریں"۔

وہ شاہد علی کی رکھشا نہیں بلکہ نگرانی کر رہے تھے...... یہ فیصلہ برجوڈاکو نے صبح صبح رام دت کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد کیا تھا...... اس نے رام دت کو منہ اندھیرے اپنے جھونپڑے میں بلا کر کہا تھا۔

"رامو! ہم سپتھر گڑھ قلعے میں اپنا مخبر بھیج کر پتہ کرائیں گے کہ تمہاری کوٹھڑی کے ساتھ والی کوٹھڑی میں جو قیدی بند تھا وہ کون تھا اور اس کو کس جرم میں وہاں لایا گیا تھا"۔

رام دت نے کہا۔

"گورو اس کی کیا ضرورت ہے؟"۔

برجو بولا۔

"مجھے شک ہے کہ یہ آدمی پاکستانی جاسوس ہے اور اسے جاسوسی کرنے کے جرم میں قلعے میں بند کیا گیا تھا اور اس سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی"۔

رام دت نے کہا۔

"گورو! اگر یہ بات سچ بھی نکلی تو ہمیں اس سے کیا لینا دینا"۔

برجو نے کہا۔

"اگر ثابت ہو گیا کہ یہ شخص جو اپنا نام حیدر خان بتاتا ہے واقعی پاکستانی جاسوس

ہے تو ہم اسے حکومت کے حوالے کر کے حکومت کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں"۔

"اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا؟" رام دت نے کہا۔

برجو ڈاکو بولا۔

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھتے...... یہ خوشنودی آگے چل کر کسی مشکل میں ہمارے کام آسکتی ہے"۔

"پھر اب تم کیا چاہتے ہو؟" رام دت نے پوچھا۔

برجو ڈاکو کہنے لگا۔

"پہلا کام تم یہ کرو کہ اس شخص کے جھونپڑے کے باہر اپنے آدمیوں کا پہ بٹھا دو...... وہ تالاب پر دن میں صرف ایک بار جائے اور ہمارے دو آدمی اسلحہ لے ک اس کے ساتھ ہوں...... اس کے سوا اس شخص کو جھونپڑے سے باہر نکلنے کی اجاز نہیں ہو گی...... اس دوران میں اپنے مخبر کو قلعہ پتھر گڑھ بھیج دیتا ہوں تاکہ وہ ا طور پر معلوم کرے کہ یہ شخص حیدر خاں اصل میں کون ہے"۔

"ٹھیک ہے گورو...... ایسا ہی ہو گا" رام دت نے کہا۔

چنانچہ اس کے فوراً بعد مجاہد شاہد علی کے جھونپڑے کے باہر دو مسلح ڈاکو پہ دینے کے لئے آگئے...... شاہد علی سمجھ گیا کہ وہ گڑھے سے نکل کر سچ مچ کنوئیں میں آ گرا ہے...... جب وہ منہ ہاتھ دھو کر تالاب سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس ک جھونپڑی کو چھ سات مسلح ڈاکوؤں نے گھیرے میں لے لیا ہوا تھا...... وہ شاہد علی ک طرف گھور گھور کر دیکھ رہے تھے...... شاہد علی خاموشی سے جھونپڑی میں آکر دری بیٹھ گیا...... ایک ڈاکو وہیں اس کے لئے چائے کا گلاس اور ایک روٹی لے آیا...... ناش کے بعد اس نے جھونپڑی سے باہر آنے کی کوشش کی تو ایک ہٹا کٹا دراز قد ڈاکو سٹی گن تان کر اس کے سامنے آگیا۔

"بابو! اندر ہی بیٹھے رہو...... گورو کا حکم ہے کہ تمہیں جھونپڑی سے باہر نہ نکل

یا جائے"۔

ان ڈاکوؤں سے بحث بیکار تھی...... شاہد علی حالات کو سمجھ گیا تھا...... وہ چپکے سے جھونپڑی میں واپس آکر دری پر لیٹ گیا اور وہاں سے فرار کا کوئی کارگر طریقہ سوچنے لگا...... دوسری طرف برجو ڈاکو نے صبح صبح ہی ایک آدمی کو شاہد علی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے قلعہ پتھر گڑھ کی طرف بھیج دیا...... اس آدمی نے واپس آکر برجو کو بتایا کہ یہ آدمی پاکستانی جاسوس ہے اور قلعے میں اس کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہو رہی تھی...... اس نے یہ بھی بتایا کہ پولیس کی بھاری نفری مفرور رام دت اور حیدر خاں کی تلاش میں جنگل کی طرف آنے ہی والی ہے۔

برجو ڈاکو نے یہ سنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ شاہد علی کے پاؤں میں لوہے کے موٹے کڑے ڈلوا دیئے کہ وہ بھاگ نہ سکے اور اس کے دونوں ہاتھ بھی پیچھے باندھ دیئے...... شاہد علی نے مدافعت کی کوشش کی مگر وہ نہتا تھا اور وہاں رائفلیں اور سٹین گنیں لئے دس بارہ ڈاکو اس کو گھیرے میں لئے کھڑے تھے...... یہ سب کے سب خونی لوگ تھے...... شاہد علی کسی موقع کے انتظار میں خاموش ہو گیا...... برجو ڈاکو نے اسی وقت اپنے گروہ کو کوچ کا حکم دے دیا...... شاہد علی کو چھ سات ڈاکوؤں نے اپنی حراست میں لے کر جیپ میں سوار کرا دیا اور ڈاکوؤں کا یہ گروہ دیکھتے دیکھتے جنگل سے ڈیرا ڈنڈا اٹھا کر ایک طرف کو روانہ ہو گیا۔

سارا دن ڈاکو جنگل کی گھاٹیوں اور دشوار گزار راستوں پر سفر کرتے رہے...... شام کے قریب انہوں نے ایک بڑی نہر پار کی اور ایک پہاڑی غار میں آکر پڑاؤ ڈال دیا...... شاہد علی کو ایک چھوٹے سے غار میں بند کر کے باہر دو ڈاکوؤں کا پہرہ بٹھا دیا گیا...... اس دوران شاہد علی نے رام دت یا برجو ڈاکو سے ملنے کی بہت کوشش کی تاکہ اس سے دریافت کرے کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کس لئے کیا جا رہا ہے لیکن ان سے

ملاقات کی اجازت نہ دی گئی...... شاہد علی بری طرح پھنس گیا تھا، لیکن وہ مایوس ن
ہوا تھا...... وہ ہر لمحے وہاں سے فرار کے طریقوں پر غور کرتا رہتا تھا...... ابھی تک
سے فرار کی کوئی ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی...... اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ
ڈاکو کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ کشمیری مجاہد ہے اور وہ حکومت یا پولیس سے کوئی خ
مراعات حاصل کرنے کے لئے اسے بہت جلد پولیس کے حوالے کر دے گا......
علی اس سے پہلے پہلے اس کے چنگل سے نکل جانا چاہتا تھا...... لیکن اس کے آس پا
وقت چھ سات مسلح ڈاکو موجود رہتے تھے اور پھر اس کے پاؤں میں لوہے کے کڑے
ڈال دیئے گئے تھے جن کی وجہ سے بھاگنا تو درکنار شاہد علی کو چلنے میں بھی سخت د
ہو رہی تھی۔

شاہد علی کے پاؤں میں جو لوہے کے موٹے کڑے ڈالے گئے تھے وہ چابی لگنے
کھلتے تھے اور چابی لگنے سے ہی بند ہو جاتے تھے...... شاہد علی نے غار کے اندر ب
ہوئے انہیں کھولنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا...... اگر اس کے پاس لو
کوئی تار ہوتا تو وہ کڑوں کے تالے کھول سکتا تھا، مگر وہاں لوہے کی تار اسے کہیں
ملی...... رات کو اس کے ہاتھوں کی رسی کھول دی جاتی تھی...... اس نئے پڑاؤ پر آ
ڈاکوؤں کو دو دن گزر گئے تھے...... تیسرے دن رات کو ڈاکو کہیں سے ایک طوائف
لائے اور وہاں رقص و سرود کی محفل برپا ہو گئی...... مجرا شروع ہو گیا اور شرا
لنڈھائی جانے لگی...... چھوٹے سے غار کے اندر بیٹھے شاہد علی کو طوائف کے گانے
ڈاکوؤں کے ہاؤ ہو کی آوازیں آ رہی تھیں...... جس غار میں شاہد علی کو قید کیا گیا تھا
کے دہانے کو درختوں کے موٹے تنے رکھ کر بند کر دیا گیا تھا...... باہر چار مسلح ڈاکو
پہرہ لگا دیا گیا تھا...... جو ڈاکو شاہد علی کیلئے اچار والی دو روٹیاں اور پانی لے کر آتا وہ دوسر
ڈاکوؤں کی مدد سے درخت کے بھاری تنے ہٹا کر غار میں داخل ہوتا اور شاہد علی
آگے روٹی رکھ کر اسی طرح واپس چلا جاتا اور غار کے منہ کو اسی طرح بند کر دیا جاتا۔

رات کے وقت شاہد علی کے ہاتھ کھلے ہوتے تھے...... صرف پاؤں میں آہنی
کڑے ہوتے تھے، جس کی وجہ سے وہ بھاگ تو نہیں سکتا تھا لیکن قدم قدم چل سکتا
تھا...... اس نے سوچا کہ اگر وہ کھانا لانے والے ڈاکو کو ہلاک بھی کر دے تو باہر جو چار
ڈاکو رائفلیں اور سٹین گنیں لئے پہرہ دے رہے ہیں ان سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا......
اگر یہ لوگ خونخوار ڈاکو تھے تو شاہد علی بھی کوئی معمولی قیدی نہیں تھا...... وہ ہر لمحے اس
تلاش میں رہتا کہ وہاں سے فرار ہونے کا کوئی ذرا سا موقع ہی مل جائے...... آخر اسے یہ
موقع مل گیا۔

جس رات ڈاکوؤں نے شراب اور مجرے کی محفل سجائی اس رات شاہد علی
چوکس ہو کر غار میں بیٹھا رہا...... اس کے کان باہر طوائف کے گانے اور ڈاکوؤں کی ہاؤ
ہو کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے...... اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ بے تحاشا شراب
لنڈھائیں گے اور جو ڈاکو غار کے باہر پہرہ دے رہے ہیں وہ بھی شراب کی بہتی گنگا میں
دو چار ڈبکیاں ضرور لگائیں گے...... اس کا اندازہ درست ثابت ہوا...... غار کے باہر جو
ڈاکو پہرہ دے رہے تھے وہ مجرے کی محفل میں تو نہ گئے لیکن انہوں نے شراب کی دو
تین بوتلیں وہیں منگوا لیں اور اپنی الگ منڈلی لگا لی اور شراب پینی شروع کر دی۔

شاہد علی اندھیرے میں غار کے دہانے کے پاس آ کر درخت کے موٹے موٹے
شہتیر نما ٹھنوں کے قریب بیٹھ گیا اور باہر والے ڈاکوؤں کی آوازیں غور سے سننے لگا......
وہ سمجھ گیا تھا کہ پہرہ دینے والے چاروں ڈاکو بھی شراب پی رہے ہیں...... اب وہ ان
کے مدہوش ہونے کا انتظار کر رہا تھا...... اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ان ڈاکوؤں نے
شراب پی پی کر اپنی سدھ بدھ کھو دی تو وہ لوہے کے کڑوں سمیت وہاں سے جنگل میں
نکل جائے گا اور قدم قدم چلتے ہوئے دن نکلنے تک جتنی دور جا سکا چلا جائے گا...... اس
کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

وہاں مال مفت دل بے رحم والا معاملہ تھا...... ڈاکو شراب خرید کر تو لائے نہیں

تھے...... پتہ نہیں شراب کے کس ٹھیکے پر دھاوا بول کر وہ شراب کی بوتلیں بوری بھر
لے آئے تھے اور بے دریغ پی رہے تھے...... شاہد علی کی ساری توجہ غار کے باہر بیٹھ
پینے والے ڈاکوؤں پر لگی ہوئی تھی...... یہ چاروں ڈاکو پہلے تو تھوڑی تھوڑی پ
رہے...... جب ذرا نشہ چڑھا تو انہوں نے بھی شراب لنڈھانی شروع کر دی...... انہیں
شراب چڑھ گئی...... پہلے ان کی باتیں شاہد علی کی سمجھ میں آ رہی تھیں...... پھر انہو
نے نشے میں خدا جانے کیا بک بکاہٹ شروع کر دی...... آہستہ آہستہ ان کی آواز
دھیمی ہونے لگیں...... غار کے باہر سامنے والے درخت کے ساتھ ایک لالٹین را
کو روشن کر کے لٹکا دی جاتی تھی۔

شاہد علی نے درخت کے موٹے ٹہنیوں کی شاخوں اور پتوں کو ہاتھ سے ہٹا کر با
نگاہ ڈالی...... اس نے دیکھا کہ چاروں ڈاکو نشے میں دُھت ہیں...... دو ڈاکو تو پی پی کر شا
بے ہوش ہو گئے تھے...... ایک شراب کی بوتل ہاتھ میں لئے زمین پر بیٹھا آگے پیچھ
جھول رہا تھا...... تیسرا ڈاکو بھی بوتل تھامے زمین پر بیٹھا تھا اور مدہوشی میں کچھ کہتا جا
تھا اور ساتھ ساتھ بوتل منہ کے ساتھ لگا کر گھونٹ بھی بھرتا جاتا تھا...... دوسر
جانب سے طوائف کے مجرا گانے کی آواز برابر آ رہی تھی...... دوسرے ڈاکوؤں کے
شور شرابے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں...... شاہد علی اس انتظار میں تھا کہ یہ باقی کے د
ڈاکو بھی بے ہوش ہو جائیں تو وہ باہر نکلے...... شراب ایسی واہیات شے ہے کہ آد
تھوڑی سی بھی پئے تو اس کی مت ماری جاتی ہے اور زیادہ چڑھا جانے کے بعد تو آدمی ک
کچھ ہوش نہیں رہتا...... آخر باقی کے دو ڈاکو بھی اپنی اپنی بوتل خالی کرنے کے بعد
وہیں لڑھک گئے...... اس سے بہتر سنہری موقع شاہد علی کو شاید کبھی نہیں مل سک
تھا...... وہ اٹھا، پوری احتیاط اور پوری طاقت کے ساتھ اس نے درخت کے ایک ترچھے
لگے ہوئے بھاری ٹہن کو ایک طرف کھسکا کر اتنی جگہ بنا لی کہ وہ اس میں سے رینگ کر
گزر سکتا تھا...... دوسرے لمحے وہ غار سے باہر تھا۔

چاروں ڈاکو شراب کے نشے میں دھت بے ہوش پڑے تھے...... سامنے والے
درخت میں لالٹین روشن تھی...... وہ اس کی روشنی سے اپنے آپ کو بچاتا ہوا بائیں
جانب سے ہو کر قدم قدم کر کے چلتا اونچے اونچے درختوں کی ڈھلان پر آ گیا......
ڈھلان اترتے وقت اس کی رفتار اپنے آپ تیز ہو گئی اور لوہے کے کڑے اس کے
ٹخنوں سے ٹکرانے لگے جس سے تکلیف شروع ہو گئی...... شاہد علی بیٹھ گیا...... چاروں
ہاتھ پاؤں پر ڈھلان اُترنے لگا...... اس طریقے سے وہ بڑی جلدی ڈھلان اتر گیا...... اب
اس کے سامنے اندھیرا خطرناک جنگل تھا جس میں سے اسے قدم قدم چل کر راستہ طے
کرنا تھا...... بہت جلد اس کو معلوم ہو گیا کہ قدم قدم بھی زیادہ دیر تک نہ چل سکے
گا...... لوہے کے کڑے اس کے ٹخنوں سے ٹکرا ٹکرا کر درد پیدا کر رہے تھے، مگر اس کی
مجبوری تھی...... وہ رُک نہیں سکتا تھا...... خواہ اس کے ٹخنے لہولہان ہو جائیں...... اسے
چلتے جانا تھا اور ڈاکوؤں کی کمیں گاہ سے دُور نکل جانا تھا۔

وہ زیادہ تیز چل بھی نہیں سکتا تھا...... اس کے باوجود وہ چلتا چلا گیا...... اس نے
سن رکھا تھا کہ نجیب آباد کا یہ جنگل خونخوار درندوں اور خطرناک موذی سانپوں اور
دوسرے حشرات الارض سے بھرا پڑا ہے، مگر جب جان پر بنی ہوئی ہو تو آدمی موت
کے سامنے سے بھی گزر جاتا ہے...... شاہد علی کو اگر کوئی چیز تکلیف دے رہی تھی اور
اس کو آہستہ چلنے پر مجبور کر رہی تھی، وہ اس کے پاؤں میں پڑے ہوئے آہنی کڑے تھے
یہ خطرہ بھی اس کے سر پر منڈلا رہا تھا کہ اگر کوئی ڈاکو مجرا سنتے سنتے اٹھ کر اس کی خبر
گیری کرنے غار کی طرف آ گیا اور اس پر اس کے فرار کا راز کھل گیا تو وہاں شور مچ
جائے گا اور ڈاکو اس کے پیچھے نکل آئیں گے...... پولیس سے تو وہ بچ کر نکل جایا کرتا تھا
مگر ان ڈاکوؤں سے بچ کر نکلنا محال تھا کیونکہ یہ لوگ جنگل کے چپے چپے سے واقف
تھے...... وہ جنگل کا گھیرا ڈال کر اسے بڑی آسانی سے پکڑ سکتے تھے...... جبکہ اس سے بھاگا
بھی نہیں جاتا تھا...... مگر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اپنی کمیں گاہ میں تقریباً سارے

کے سارے ڈاکو شراب میں مدہوش تھے اور طوائف کے مجرا گانے کی آواز بھی ا
دور تک سنائی دیتی رہی تھی جواب سنائی نہیں دے رہی تھی...... اگر کوئی شے اس
کام آرہی تھی تو اس کا اپنے خدا کی ذات پر بھروسہ اور اپنی سخت جانی تھی...... ایک با
اسے لگا جیسے اس کے ٹخنوں سے خون بہنے لگا ہے، وہ بیٹھ گیا...... اس نے اپنے ٹخنے
ہاتھ پھیرا...... خون نہیں نکل رہا تھا مگر اس کے ٹخنوں کی ہڈیاں جیسے سوج
تھیں...... اندھیرے میں اسے اپنے قریب ہی گھاس پر کوئی شے دکھائی دی...... ا
نے ہاتھ لگا کر دیکھا...... وہ کھدر کا ایک کرتہ یا دیہاتی قسم کی صدرتی تھی جس کا آ
حصہ بارشوں کی وجہ سے پڑے پڑے گل سڑ گیا تھا...... شاہد علی نے اسے اٹھا کر ا
جھاڑا تو اس کا ایک اور ٹکڑا الگ ہو کر نیچے گر پڑا...... یہ کھدر کا گلا سڑا کرتہ اس و
بہت بڑی نعمت تھا...... اس نے اس کے دو حصے کئے اور ایک حصہ پاؤں کے ایک کڑ
کے گرد اور دوسرا حصہ دوسرے پاؤں کے کڑے کے گرد اچھی طرح سے لپیٹ دیا۔
اب وہ اٹھ کر چلا تو اس کو سکون محسوس ہوا...... لوہے کے کڑنے اس کے ٹخنوں
ٹکرا کر درد پیدا نہیں کر رہے تھے۔

اس کے بعد شاہد علی نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

سمت کا اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس طرف کو جا رہا ہے...... معمولی سا اند
تھا کہ اس کا رخ مشرق کی طرف ہے...... یہ جنگل ایسا تھا کہ کہیں تو درختوں کے گ
جھنڈ آجاتے تھے اور کہیں کھلی زمین آجاتی تھی...... کہیں کوئی گھاٹی آجاتی تھی...
کہیں کوئی پہاڑی نالہ آجاتا تھا...... زمین پہاڑی بھی تھی اور میدانی بھی تھی...... جنگل
گہرا سکوت چھایا ہوا تھا...... ابھی تک اسے کسی جنگلی درندے کی نہ تو آواز سنائی دی
اور نہ کسی سے اس کا آمنا سامنا ہوا تھا...... آہنی کڑوں پر کپڑا لپیٹ دینے کی وجہ سے
جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس اور اونچے نیچے میدان میں سے جلدی جلدی گزر نے
تھا۔ پھر بھی آہنی کڑوں کی وجہ سے اس کی رفتار ایک حد تک ہی محدود تھی۔

ایک جگہ کھلی زمین آئی تو اس نے نظریں اٹھا کر اوپر آسمان کو دیکھا...... آسمان پر تارے چمک رہے تھے...... ان تاروں سے اس نے اندازہ لگایا کہ ابھی رات ڈھلنی شروع نہیں ہوئی ہے...... وہ چاہتا تھا کہ جلدی سے یہ جنگل ختم ہو اور وہ کسی دیہات یا ریلوے لائن پر پہنچ جائے...... ریلوے لائن پر آکر وہ کسی نہ کسی سٹیشن پر پہنچنے کے بعد ڈاکوؤں سے محفوظ ہو سکتا تھا، لیکن ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ اس کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کو دیکھ کر ہر کوئی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوگا کہ وہ جیل سے بھاگا ہوا کوئی خونی قاتل ہے...... وہ سوچنے لگا کہ ان بیڑیوں یعنی لوہے کے کڑوں سے کس طرح نجات حاصل کی جا سکتی ہے...... بیڑیاں چابی لگا کر کھلتی تھیں...... ان میں چھوٹے چھوٹے چابی کے سوراخ بنے ہوئے تھے...... شاہد علی مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ تالا کھولنے میں مہارت رکھتا تھا...... یہ فن اسے ٹریننگ میں سکھا دیا گیا تھا، مگر اس فن پر عمل کرنے کے لئے کم از کم لوہے کی ایک باریک تار کی ضرورت تھی جو اس کے پاس نہیں تھی...... آہنی کڑے اتنے مضبوط تھے کہ اسے کوئی لوہار ہی چھینی اور ہتھوڑے کی مدد سے کاٹ سکتا تھا۔

خدا خدا کر کے جنگل کا ایک حصہ ختم ہو گیا اور آگے ایک بہت بڑی نہر آگئی جو دریا معلوم ہو رہی تھی...... شاید وہ کوئی دریا ہی تھا...... شاہد علی نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور دوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگا...... ڈاکوؤں اور اپنے درمیان دریا کے آجانے سے شاہد علی اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے میں حق بجانب تھا...... تیرتے تیرتے وہ دریا کے دوسرے کنارے پر آگیا...... اس نے کنارے پر آتے ہی کھڑے ہو کر سامنے نگاہ ڈالی...... تاروں کی روشنی میں اسے سامنے بھی ایک جنگل نظر آیا...... اس نے دریا کے ساتھ ساتھ جنوب کو جانے کی بجائے سامنے جنگل کی جانب چلنا شروع کر دیا...... کچھ دُور چلنے کے بعد اسے جنگل میں ایک روشنی سی جھلملاتی نظر آئی...... روشنی دیکھ کر شاہد علی کو کم از کم اتنی تسلی ضرور ہوئی کہ وہ کسی انسانی بستی کے قریب پہنچ گیا تھا جہاں

وہ کسی نہ کسی دیہاتی کو اس کے مکان یا جھونپڑے سے جگا کر اس کی مدد حاصل کر سکتا۔
اور پاؤں کی بیڑیوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے...... یہ خیال بعد میں اس کے ذہ
میں آیا تھا کہ وہ گرفتار بھی ہو سکتا ہے۔

جیسے جیسے وہ جھلملاتی روشنی کے قریب ہو رہا تھا روشنی زیادہ صاف ہوتی جار
تھی...... ذرا اور قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ درختوں کے نیچے ایک جھونپڑا ہے جس
کے باہر بانس کے ساتھ مٹی کے تیل کی لالٹین لٹک رہی ہے...... وہاں کوئی انسان نظ
نہیں آ رہا تھا...... جھونپڑی بھی خالی تھی...... جھونپڑی کے باہر ایک مٹی کا چھوٹا
چبوترہ تھا...... شاہد علی تھک کر چور ہو رہا تھا...... وہ لالٹین کی روشنی سے ہٹ کر ای
درخت کی اوٹ میں بیٹھ گیا...... سوچنے لگا کہ اگر یہاں کوئی آدمی نہیں ہے تو یہ لالٹ
کس نے لا روشن کی ہے اور کس مقصد کے لئے روشن کر رکھی ہے...... بیٹھنے سے ا
سکون سا آ گیا تھا...... آہنی کڑوں کے گرد اس نے جو چیتھڑے لپیٹے تھے وہ کھل گ
تھے...... وہ انہیں آہستہ آہستہ دوبارہ ٹھیک طرح سے لپیٹنے لگا...... اتنے میں ا
جھاڑیوں میں سرسراہٹ سی سنائی دی...... شاہد علی نے اس طرف دیکھا جس طرف
سے اسے سرسراہٹ کی آواز آتی محسوس ہوئی تھی...... پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ یہ کو
ریچھ یا شیر ہے...... وہ درخت پر چڑھنے کی سوچ رہا تھا کہ اسے جھاڑیوں کے درمیا
ایک انسانی سایہ نظر آیا جو جھونپڑے کی طرف آ رہا تھا۔

جب یہ انسانی سایہ لالٹین کی روشنی میں آیا تو اس نے دیکھا کہ یہ ایک جٹادھار
جوگی ہے جس کے سر کے لمبے لمبے بال ہیں...... جسم پر صرف گھٹنوں کے اوپر تک
سا بندھا ہوا ہے...... ایک ہاتھ میں ڈول یا لوٹا ہے، دوسرے ہاتھ میں نیزہ تھاما ہوا۔
جس کی انی لالٹین کی روشنی میں چمک رہی ہے...... شاہد علی ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ اس جو
کو جھونپڑی کی طرف جاتے ہوئے اس کے قریب سے ہی گزرنا تھا...... جوگی اس
طرف بڑھا چلا آ رہا تھا...... شاہد علی احتیاط کے طور پر اٹھ کر ایک طرف ہونے لگا

واز پیدا ہوئی...... اس آواز کو سنکر جوگی وہیں رُک گیا...... اس نے شاہد علی والے
رخت کی طرف منہ پھیر کر پوچھا۔

"کون ہو بھئی؟"۔

جوگی کی آواز میں نرمی اور ملائمت تھی...... شاہد علی نے سوچا کہ اس جوگی کے
سامنے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے...... شاید یہ اس کی کوئی مدد ہی کر سکے...... وہ اٹھ
ر جوگی کے سامنے آ گیا...... جوگی نے شاہد علی کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"بابا تم کون ہو...... یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"مہاراج! میں جنگل میں راستہ بھول گیا ہوں...... رات آ گئی تو ڈر کر یہاں
چھپ گیا"۔

جوگی ایک لمحہ خاموش رہا...... پھر بولا۔

"تو پھر وہاں کیوں کھڑے ہو...... آ جاؤ میری کٹیا میں آ جاؤ"۔

شاہد علی کو حوصلہ ہوا کہ یہ جوگی اس کی ضرور مدد کرے گا اور کچھ نہیں تو کم از کم
اس کو کسی قریبی شہر کا راستہ ضرور بتا دے گا...... وہ جوگی کے پیچھے پیچھے چلتا اس کی
جھونپڑی کے پاس آ گیا...... جوگی نے بانس پر سے لالٹین اتاری اور جھونپڑی میں
داخل ہو کر لالٹین ایک طرف رکھ دی...... شاہد علی بھی جھونپڑی میں داخل ہو چکا
تھا...... جوگی شاہد علی کے گیلے کپڑوں کو دیکھنے لگا...... تب اس کی نظر اس کے ٹخنوں پر
پڑی اور بولا۔

"یہ تم نے اپنے پاؤں میں کیا ڈال رکھا ہے؟"۔

شاہد علی جوگی کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا...... سوچنے لگا کہ وہ جوگی کے آگے
اپنے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کے بارے چاہے کچھ بھی وضاحت کیوں نہ کرے اور
کتنا ہی کیوں نہ چھپائے جوگی فوراً سمجھ جائے گا کہ وہ ایک مفرور قاتل ہے جو جیل توڑ کر

بھاگا ہے...... شاہد علی نے حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے جوگی سے کہا۔

"مہاراج! میں جنگل میں اپنے دوست کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا...... ایک ج
اچانک شیر نکل آیا...... ہم دوڑ پڑے اور یوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے...... م
جنگل میں راستہ بھول گیا اور ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے مجھے پکڑ لیا...... انہوں نے میر
پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر مجھے ایک غار میں بند کر دیا...... آج رات مجھے موقع مل گیا
میں بیڑیوں سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا...... بس یہ ہے میری اصل داستان"

جوگی بڑے غور سے شاہد علی کی کہانی سنتا رہا...... پھر کہنے لگا۔

"تمہیں یہ لوہے کی بیڑیاں تو بہت تکلیف دے رہی ہوں گی"۔

شاہد علی بولا۔

"کوئی بات نہیں...... میں نے ان کے گرد کپڑا لپیٹ لیا ہے"۔

جوگی بولا۔

"نہیں نہیں بچہ! میں ابھی اس کا بندوبست کرتا ہوں...... یہاں قریب ہی ایک
لوہار رہتا ہے...... میں اسے بلاتا ہوں...... وہ چھینی ہتھوڑے سے ابھی یہ بیڑیاں کا
دے گا...... پھر تم آرام کرنا...... صبح ہوتے ہی میں خود تمہیں اگلے گاؤں چھوڑ آؤں گا"

اتنا کہہ کر جوگی اٹھا اور جھونپڑے سے نکل گیا...... جاتے جاتے شاہد علی سے ک
گیا کہ بچہ! جنگل میں اکیلے آگے نہ جانا...... اس جنگل میں رات کو ایک آدم خور ش
پھرتا ہے...... جوگی کے جانے کے بعد شاہد علی نے لالٹین کی روشنی میں اِدھر اُد
دیکھا کہ شاید کہیں سے کوئی لوہے کی تار کا ٹکڑا مل جائے اور وہ بیڑیوں کے تالے کھو
کر ان سے نجات حاصل کر لے...... جوگی کا نیزہ جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لگا
تھا...... اس کے ساتھ لپٹی ہوئی کوئی چیز چمک رہی تھی...... شاہد علی نے اٹھ کر دیکھ
وہ لوہے کی باریک تار تھی جو جوگی نے نیزے کی انی کے گرد لپیٹ رکھی تھی۔

شاہد علی نے تھوڑی سی کوشش کے بعد تار نیزے سے الگ کر لی...... پھر اس

نوک کو سیدھا کیا اور بیٹھ کر اسے ایک آہنی کڑے کے تالے کے سوراخ میں ڈالا اور
اسے ایک خاص ترکیب سے گھمانے اور پھیرنے لگا...... دوسرے ہی لمحے تالا کھل
گیا...... اس نے فوراً بیڑی الگ کر دی...... اسی طرح شاہد علی نے دوسری بیڑی کا تالا
کھول کر اسے بھی الگ کر دیا...... اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے اس مصیبت سے
نجات ملی۔

وہ جھونپڑی سے نکل کر باہر جو چبوترہ تھا اس پر بیٹھ گیا اور جوگی کی واپسی کا انتظار
کرنے لگا...... ایک تو وہ رات کے اندھیرے میں اب جنگل میں سفر نہیں کرنا چاہتا تھا
کیونکہ اسے جوگی نے کہہ دیا تھا کہ آگے جنگل میں رات کو آدم خور شیر پھرتا ہے......
دوسرے وہ جوگی سے یہ معلوم بھی کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس جگہ پر ہے اور آگے کون سا بڑا
شہر ہے...... کچھ دیر کے بعد شاہد علی کو دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ ایک
آواز جوگی کی تھی اور دوسری آواز کسی اور آدمی کی تھی...... پہلے تو اس کو یہی خیال آیا کہ
جوگی لوہار کو ساتھ لے کر آرہا ہوگا، لیکن اس قسم کے حالات میں ہر کسی پر اعتبار کر لینا
ایک عقلمند کمانڈو کے مسلک کے خلاف بات تھی...... شاہد علی کے دل میں بھی کچھ
شک سا پیدا ہو گیا۔

وہ چبوترے سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ
گیا...... اندھیرے میں دو انسانی سائے اُبھرے...... ان میں ایک جوگی تھا اور دوسرا کوئی
اور آدمی تھا...... وہ دھیمی آواز میں باتیں کرتے شاہد علی کے ذرا قریب سے گزرے تو
اس نے سنا جوگی دوسرے آدمی کو کہہ رہا تھا۔

"وہ جھونپڑی کے اندر ہی ہوگا...... کہیں جائے گا نہیں...... فکر نہ کرو"۔

شاہد علی کا شک درست ثابت ہوا...... یہ جوگی اپنے ساتھ سفید کپڑوں میں
پولیس کا کوئی آدمی لایا تھا جو یقیناً مسلح بھی تھا...... شاہد علی دبے پاؤں اٹھا اور اس نے
اندھیرے میں جس قدر اسے نظر آرہا تھا سامنے کی جانب دوڑنا شروع کر دیا...... وہ کچھ

دُور ہی بھاگا تھا کہ پیچھے سے پستول کے فائر کے دھماکے کی آواز آئی...... سارا جنگل اُٹھا...... جوگی اور اس کے ساتھ آیا ہوا پولیس کا آدمی اسے جھونپڑی میں نہ پا کر اس پیچھے پیچھے آ رہے تھے...... پستول کا فائر جوگی کے ساتھ آئے ہوئے پولیس کے نے ہی کیا تھا۔

مگر شاہد علی اب ان کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا...... اس کے پاؤں کی بیڑ اتر چکی تھیں اور وہ اندھا دھند جھاڑیوں کو پھلانگتا درختوں میں بھاگ رہا تھا...... جنگل سے وہ واقف نہیں تھا لیکن شمالی بھارت کے جنگلوں کی وہ کافی خاک چھان چ اور جنگلوں کی راتوں کے اندھیرے اور سناٹے اس کے لئے اجنبی نہیں تھے...... کوئی خطرہ تھا تو صرف اس بات کا تھا کہ کسی طرف سے کوئی شیر یا چیتا نہ نکل آئے جنگل میں پستول کے فائر کے دو اور دھماکے ہوئے، مگر یہ فائر بہت پیچھے ہوئے جس سے شاہد علی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا پیچھا کرنے والے بہت پیچھے رہ گئے ہیں ا ان سے کافی آگے نکل آیا ہے...... شاہد علی اب دوڑنے کی بجائے تیز تیز چلنے لگا۔

فائر کے دھماکوں کو بمشکل ایک منٹ گزرا ہو گا کہ اسے شیر کی دھاڑ سنائی دی۔ شیر کے دھاڑنے کی آواز اسی طرف سے آئی تھی جدھر سے فائرنگ ہوئی تھی...... دو تین بار گرجا اور اس کے بعد جنگل میں سناٹا چھا گیا...... ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ نے اپنے شکار کو دبوچ لیا ہے...... اس کا شکار جوگی تھا یا اس کے ساتھ آیا ہوا پولیس آدمی تھا؟ اس بارے میں شاہد علی کو کچھ معلوم نہیں تھا، لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ ا کے بعد جنگل میں فائر کی آواز نہیں آئی تھی۔

کمانڈو شاہد علی نے اندھیرے جنگل میں اپنا سفر جاری رکھا...... یہاں تک آسمان پر پو پھٹنے کے آثار نمودار ہونے لگے...... آہستہ آہستہ ستارے ماند پڑتے گئے...... پھر سارے آسمان پر صبح کا نور پھیل گیا اور جنگل کے درخت ٹیلے اور جھاڑ صاف نظر آنا شروع ہو گئیں، جس وقت شاہد علی کمانڈو گھنے جنگل سے نکلا اس وق

دن کافی نکل آیا تھا۔

دُور کھیتوں کے پار اسے ایک بستی کے مکان دکھائی دیئے...... وہ اسی طرف چل پڑا...... وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس مقام پر نکل آیا ہے اور وہاں سے قریبی شہر کون سا ہے...... یہ بستی کافی بڑا گاؤں تھا...... ایک مسجد کے مینار دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا...... مسجد کے امام صاحب سے وہ بات کر سکتا تھا...... اس وقت مسجد میں نمازی نہیں تھے...... امام صاحب اپنے حجرے کے باہر صف پر بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے...... کمانڈو شاہد علی نے جا کر سلام کیا اور ادب سے بیٹھ گیا...... امام صاحب نے نظریں اٹھا کر شاہد علی کو دیکھا اور کہا۔

"پردیسی معلوم ہوتے ہو...... کہاں سے آئے ہو؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"محترم! دلی سے ایک دوست کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا...... جنگل میں راستہ بھول گیا...... ساری رات بھٹکتا رہا...... دن کی روشنی ہوئی تو یہ بستی دیکھ کر آپ کے پاس حاضر ہو گیا ہوں...... میری جیب میں کچھ نہیں...... مجھے کسی طرح دلی پہنچا دیں...... آپ کا احسان کبھی نہیں بھلاؤں گا"۔

امام صاحب نے کہا۔

"میاں اس میں احسان والی کون سی بات ہے...... انسان ہی انسان کے کام آتا ہے اور ایک مسلمان کو تو مصیبت میں دوسرے مسلمان کی ضرور مدد کرنی چاہئے...... میں تمہارے لئے ناشتہ منگواتا ہوں"۔

امام صاحب نے ایک لڑکے کو آواز دے کر بلایا اور کہا۔

"اندر جا کر کہو ہمارے ایک مہمان آئے ہیں ان کے لئے ناشتہ بھجوا دیں"۔

کمانڈو شاہد علی نے پوچھا۔

"جناب! اس بستی کا کیا نام ہے اور یہاں سے کون سا شہر قریب ہے؟"۔

امام صاحب نے کہا۔

"اس بستی کا نام رُکن آباد ہے اور یہاں سے قریب ترین شہر مراد آباد ہے جو دوس میل کے فاصلے پر ہے"۔

تب شاہد علی کو پتہ چلا کہ وہ کہاں سے کہاں نکل آیا ہے...... امام صاحب نے شاہد علی کو ناشتہ کرایا...... کچھ پیسے دے کر کہا۔

"میاں! یہ دلی تک کے لئے کافی ہوں گے معاف کر دیناد میں تمہاری اتنی ہی خدمت کر سکتا ہوں"۔

شاہد علی نے کہا۔

"آپ کی اتنی ہی مدد میرے لئے بہت ہے...... میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں"۔

امام صاحب بولے۔

"بھلوالی کا سٹیشن یہاں سے چار پانچ میل پر ہے...... وہاں سے تمہیں مراد آباد جانے والی گاڑی مل جائے گی"۔

کمانڈو شاہد علی نے امام صاحب کا شکریہ ادا کیا اور مسجد سے نکل آیا...... گاؤں کے باہر سے اسے سٹیشن تک یکہ مل گیا...... بھلوالی کا ریلوے سٹیشن چھوٹا سا تھا...... اس نے مراد آباد کا ٹکٹ لیا اور گاڑی کا انتظار کرنے لگا...... ایک پسنجر ٹرین کافی دیر کے بعد آ کر رُکی...... شاہد علی اس میں بیٹھ کر مراد آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔

مراد آباد سے وہ دلی والی گاڑی میں سوار ہو کر دلی پہنچا تو سورج غروب ہو رہا تھا...... وہیں اسے معلوم ہوا کہ پنجاب کی طرف جانے والی گاڑی رات نو بجے روانہ ہو گی...... کمانڈو شاہد علی نے باہر آ کر امر تسر تک کا ٹکٹ لیا اور واپس پلیٹ فارم پر آ کر ایک کونے میں بیٹھ گیا...... مراد آباد میں اس نے تھوڑا بہت کھانا وغیرہ کھا لیا تھا...... پنجاب کی طرف جانے والی گاڑی ایک گھنٹہ لیٹ تھی...... وہ رات کے سوا دس بجے آئی...... شاہد علی ایک زیادہ رش والے ڈبے میں مسافروں کے درمیان چھپ کر بیٹھ

گیا...... یہ گاڑی صبح کے وقت امر تسر پہنچی...... وہاں سے وہ جموں جانے والی لاری میں سوار ہو گیا۔

کمانڈو شاہد علی کو ہم جموں کی طرف جانے والی لاری میں چھوڑ کر کمانڈو شیر خان کی طرف آتے ہیں...... وہ کشمیر پہنچ چکا تھا اور کمانڈو ترابی کو روہت ڈیم والے اپنے کامیاب کمانڈو آپریشن کی ساری کہانی اس نے سنا دی تھی...... اب دونوں کو کمانڈو شاہد علی کے بارے میں تشویش تھی...... کمانڈو ترابی کہنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس مشن میں شاہد علی بھی تمہارے ساتھ جائے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علاقے کے جنگلاتی ماحول سے اچھی طرح واقف ہے...... کچھ وقت اس کا انتظار کر لیتے ہیں، اگر وہ نہ آیا تو پھر ہم اپنے مشن پر روانہ ہو جائیں گے"۔

دوسرے روز کمانڈو شاہد علی صبح صبح پہنچ گیا...... کمانڈو ترابی اور شیر خان اس کے گلے لگ کر ملے...... شاہد علی نے اپنے پکڑے جانے اور فرار کی کہانی مختصر کر کے سنائی اور کمانڈو ترابی سے پوچھا۔

"بھائی ترابی! وہ کون سا مشن ہے جس کے لئے خاص طور پر ہمیں پیغام بھجوا کر بلوایا گیا تھا"۔

کمانڈو ترابی نے شیر خان کی طرف دیکھا، کیونکہ کمانڈو ترابی نے شیر خان کو مشن کے بارے میں ساری تفصیل بتا دی ہوئی تھی...... اس نے کمانڈو شاہد علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بات یہ ہے کہ بھارتی فوج ہماری کشمیر کانفرنس کے ایک بہت اہم لیڈر کو اغوا کر کے کسی نامعلوم مقام پر لے گئی ہے...... اس سے ہماری تحریک آزادی کو بہت بڑا دھکا لگا ہے...... اگر ہم نے فوری طور پر خواجہ صاحب کو بھارتی فوج کی قید سے نہ نکالا تو خطرہ ہے کہ بھارتی فوج انہیں اذیتیں دے کر ہلاک کر دے گی"۔

شیر خان نے کمانڈو ترابی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہمارے اتنے بڑے لیڈر کا اغوا ساری دنیا میں ہماری بدنامی کا باعث ہو گا..... لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم اپنے اتنے اہم لیڈر کی بھی حفاظت نہ کر سکے"۔

کمانڈو شاہد علی کہنے لگا۔

"خواجہ صاحب کو کس جگہ فوج نے قید کر رکھا ہے؟"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہمارے آدمی بڑی سرگرمی سے اس بات کا کھوج لگا رہے ہیں..... کل تک ہمیں پتہ چل جائے گا کہ خواجہ صاحب کو بھارتی فوج نے کہاں رکھا ہوا ہے"۔

کمانڈو شیر خان اور کمانڈو شاہد علی بڑی توجہ سے کمانڈو ترابی کی باتیں سن رہے تھے..... کمانڈو ترابی کہہ رہا تھا۔

"خواجہ صاحب ہماری تحریک آزادی کے سب سے سینئر لیڈر اور مجاہد ہیں..... وہ ہماری تحریک کی تمام سیکرٹ منصوبہ بندیوں کے رازدار ہیں..... اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ صاحب موت کو ہنسی خوشی اپنے سینے سے لگا لیں گے، لیکن ان کی زبان سے ایک بھی راز نہیں اگلوایا جا سکے گا..... اس کے باوجود خواجہ صاحب کا دشمن اور وہ بھی بھارت ایسے دشمن کی قید میں رہنا خود خواجہ صاحب کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے"۔

کمانڈو ترابی ایک لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"آج کے جدید میڈیکل دور میں ایسے ایسے انجکشن دریافت ہو چکے ہیں جن کے لگانے کے بعد انسان کا شعور سو جاتا ہے اور تحت الشعور بیدار ہو جاتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے گہرے راز بھی بتا دیتا ہے..... اس وجہ سے بھی ہمیں جتنی جلدی ممکن ہو سکے خواجہ صاحب کو دشمن کی قید سے نکال لانا ہو گا"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"بھارت نے خواجہ صاحب کو کشمیر کی وادی میں ہی کسی فوجی کیمپ میں قید کر رکھا ہو گا"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے انہیں وادی سے نکال کر بھارت کے کسی دوسرے شہر میں پہنچا دیا گیا ہو..... بہر حال یہ کل تک ہمیں معلوم ہو جائے گا"۔

اس دوران ایک مجاہد نے آ کر خبر دی کہ بھارت تین بڑی توپیں مجاہدین کے خلاف استعمال کرنے کے لئے لا رہا ہے جنہیں کارگل سیکٹر میں نصب کیا جائے گا۔

❁❁❁

کمانڈو ترابی نے پوچھا۔

"کیا یہ توپیں وادی میں پہنچ گئی ہیں؟"۔

مجاہدین نے بتایا کہ یہ تینوں توپیں جو بہت بڑی ہیں سپیئر پارٹس کی شکل میں فوجی ٹرکوں پر رکھ کر جموں سے روانہ کر دی گئی ہیں۔

ترابی نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... دشمن کی یہ توپیں راستے میں ہی نیست و نابود کر دی جائیں گی"

کمانڈو شاہد علی بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں نکیال سیکٹر کی پہاڑیوں میں گھات لگانی ہو گی"۔

شیر خان نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"نکیال سیکٹر وادی کشمیر کے اندر ہے...... اگر ہم اپنے مشن میں کسی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ دشمن مجاہدین کے خلاف استعمال کی جانے والی توپیں کارگل سیکٹر میں پہنچا دے گا، کیونکہ نکیال کی پہاڑیوں کے آگے اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہو گا"۔

کمانڈو ترابی کہنے لگا۔

"شیر خان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے...... ہمیں بہت پیچھے کسی جگہ گھات لگانی ہو گی"۔

کمانڈو شاہد علی بولا۔

"ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان تین فوجی ٹرکوں کی حفاظت کے لئے اس کے آگے پیچھے سکیورٹی کا زبردست انتظام ہو گا اور بارودی سرنگوں کا کھوج لگانے والی گاڑی بھی آگے آگے ہو گی اور اس کے علاوہ پوری بٹالین بھی ساتھ ہو گی"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"خواہ کچھ بھی ہو...... ہمیں جان کی بازی لگا کر ان بھارتی توپوں کو تباہ کرنا ہو گا...... ہم راکٹ لانچروں کا استعمال کریں گے"۔

شیر خان نے کہا۔

"پہلے یہ طے ہو جانا چاہئے کہ ہمیں کس مقام پر گھات لگانی ہو گی"۔

کمانڈو ترابی نے وادی کشمیر کا نقشہ نکال کر سامنے پھیلا دیا اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔

اس پہاڑی کے فوجی گاڑیاں دو چکر لگا کر نیچے وادی میں اترتی ہیں اور جب دو چکر ختم ہو جاتے ہیں تو سڑک ایک چھوٹے سے پہاڑی پل پر سے گزرتی ہے...... یہ پل دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے...... اس کے نیچے دو ڈھائی سو فٹ کی گہرائی میں پہاڑی نالہ بہتا ہے...... اس پہاڑی نالے میں نوکیلی چٹانیں جگہ جگہ زمین سے باہر نکلی ہوئی ہیں...... اس پل کی لمبائی ساٹھ ستر فٹ سے زیادہ نہیں ہے...... ہمیں یہ پل عین اس وقت اڑا دینا چاہئے جب بڑی توپوں والے تینوں ٹرک اس کے اوپر سے گزر رہے ہوں...... پہاڑیوں میں کسی جگہ گھات لگانے میں اس بات کا امکان موجود ہے کہ ہم بڑی توپوں والی گاڑیوں کو تباہ نہ کر سکیں...... یا زیادہ سے زیادہ ایک ٹرک کو تباہ کر دیں اور باقی توپیں ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل جائیں...... اس مشن کا تقاضا یہی ہے کہ ایک ہی حملے میں بڑی توپوں والی تینوں کی تینوں گاڑیاں تباہ کر دی جائیں"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"ہمیں اس پل کا پورا پورا جائزہ لینا پڑے گا، اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے"

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"میں نے اور شاہد علی نے اس پل کو اچھی طرح سے دیکھا ہوا ہے...... تمہیں دکھانے کے لئے ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے، کیونکہ ہمیں جو اطلاع ملی ہے اس کے مطابق بڑی توپوں کو لے کر فوجی ٹرک جموں سے روانہ ہو چکے ہیں جو کل سورج غروب ہونے سے پہلے اس پل پر سے گزریں گے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"تم دونوں اس پل کو دیکھ چکے ہو اور ضرور اس کے آس پاس کے ماحول سے بھی واقف ہو گے...... تمہارے خیال میں ہمیں وہاں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے؟"۔

مجاہد شاہد علی نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بھارتی فوج کا بڑا اہم کانوائے اس پل پر سے گزرنے والا ہے...... ظاہر ہے فوج نے پل کو یونہی کھلا نہیں چھوڑ رکھا ہو گا...... پل کی دونوں جانب سکیورٹی کا پورا انتظام ہو گا...... ہو سکتا ہے ایک دو فوجی ہیلی کاپٹر بھی حفاظت کی خاطر کانوائے کے اوپر پرواز کر رہے ہوں؟...... ان حالات میں ہمیں اتنی جلدی وہاں بارودی سرنگیں یا ریموٹ بم لگانے کا موقع نہیں مل سکے گا"۔

"تو پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟" ترابی نے پوچھا۔

شاہد علی نے کہا۔

"اس صورت حال میں ہم صرف راکٹ لانچروں پر ہی انحصار کر سکتے ہیں"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" ترابی نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے شیر خان؟" شاہد علی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا مشورہ بالکل صحیح ہے...... ان حالات میں صرف راکٹ لانچر ہی ہمیں کام دے سکتا ہے، لیکن اس میں دو بہت بڑی قباحتیں ہیں"۔

"مثلاً" کمانڈو ترابی نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

راکٹ لانچر کا راکٹ زیادہ فاصلہ ہو تو اپنے نشانے سے اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے...... اس کے لئے ہمیں پل کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر گھات لگانی ہو گی"۔

"ہم ایسا ہی کریں گے...... کمانڈو ترابی نے کہا" جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تینوں صحیح نشانے پر لانچر سے راکٹ فائر کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں...... ہمیں رات کے اندھیرے میں بھی ٹارگٹ پر صحیح فائر کرنے کا تجربہ ہے...... مجھے یقین ہے کہ ہم نے اگر ٹھیک پوزیشنوں میں گھات لگائی ہو گی تو پل کو بڑی توپوں والے تینوں ٹرکوں سمیت اُڑا دیں گے...... ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہئے...... ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے...... شیر خان نے ٹارگٹ نہیں دیکھا ہوا تھا...... اس نے پوچھا۔

"یہاں سے پل کتنی دُور ہے؟"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"اگر ہم صبح منہ اندھیرے یہاں سے نکل پڑیں تو کل دوپہر تک وہاں پہنچ جائیں گے"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"ہمیں اتنا وقفہ نہیں ڈالنا چاہئے...... میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم آج آدھی رات کی تاریکی میں روانہ ہو جاتے ہیں تاکہ صبح ہونے سے پہلے ٹارگٹ پر پہنچ کر پل کے آس پاس مناسب پوزیشنیں سنبھال سکیں"۔

"میں تمہاری تائید کرتا ہوں" شیر خان نے کہا۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...... راکٹ لانچر اور دوسرا اسلحہ ہمارے پاس سٹور میں موجود ہے...... ہم آج ہی رات کو چل پڑتے ہیں"۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے مشن کی تیاریاں شروع کر دیں...... کمانڈو ترابی نے

اس وقت بانہال سیکٹر کے اپنے مجاہدین کے سینٹر سے موبائل پر رابطہ قائم کیا اور خ
زبان میں پوچھا کہ بڑی توپوں کو لے کر جانے والے فوجی کانوائے کی کیا پوزیش
ہے...... دوسری طرف سے اسے خفیہ اشاراتی زبان میں بتایا گیا کہ فوجی کانوائے
رات کے پچھلے پہر وہاں سے گزرنے کی توقع ہے...... کمانڈو ترابی نے خفیہ زبان م
تاکید کی کہ جیسے ہی کانوائے گزرے ہمیں اس بارے میں اطلاع کر دی جائے۔

انہوں نے چھ راکٹ لانچروں کا انتخاب کیا اور انہیں اچھی طرح سے چیک
کر لیا...... سب ٹھیک پوزیشن میں تھے...... فالتو لانچر اس لئے ساتھ رکھ لئے تھے کہ اگ
عین وقت پر ایک لانچر جام ہو جائے تو اس کی جگہ دوسرے سے کام لیا جاسکے...... بی
راکٹ تین الگ الگ تھیلوں میں ایک ایک راکٹ لانچر کے ساتھ ڈال دیئے گئے......
اس کے علاوہ انہوں نے ایک ایک سٹین گن ایک ایک پستول اور کچھ دستی بم بھی ساتھ
رکھ لئے...... پانی سے بھری ہوئی دو چھاگلیں اور گڑ والے چنوں کا ایک تھیلا بھی ساتھ
لے لیا...... کمانڈو چاقو تو کشمیر کے محاذ پر ان میں سے ہر مجاہد کے پاس ہوتا ہی تھا......
جب یہ ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو رات کے بارہ بجے تینوں کمانڈو مجاہد خچروں
سوار ہو کر اپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو گئے...... وہ ایسے پہاڑی راستوں پر سف
کر رہے تھے جو بھارتی فوجی یونٹوں کی پوزیشنوں اور کیمپوں سے کافی فاصلے پر واق
تھے...... ایک خچر پر اسلحہ لدا ہوا تھا جسے ان کا ایک مجاہد احمد اللہ چلا رہا تھا۔

صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ پل کی قریبی پہاڑیوں میں پہنچ گئے...... کمانڈو ترا
اور مجاہد شاہد علی ان جنگلاتی پہاڑیوں کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف تھے...... کمانڈ
ترابی گائیڈ کر رہا تھا...... جب سورج نکلا اور پہاڑیوں میں دن کی روشنی پھیل گئی تو کمانڈ
ترابی نے ایک پہاڑی کی ڈھلان پر چٹان کے پاس کھڑے ہو کر نشیب میں دُور بین لگا ک
دیکھا اور پھر دُور بین شیر خان کو دیتے ہوئے کہا۔

"شیر خان! یہ وہ پل ہے، دیکھو"۔

کمانڈو شیر خان نے دُور بین لگا کر نیچے دیکھا...... نیچے اسے دو پہاڑیوں کے
میان ایک چھوٹا سا پل دکھائی دیا جس کی دونوں جانب جنگلے لگے ہوئے تھے...... دو
جی پل کے ایک سرے پر اور دو فوجی پل کے دوسرے سرے پر سٹین گنیں لئے
کس ہو کر کھڑے تھے اور دو فوجی پل پر آہستہ آہستہ ٹہلتے ہوئے پل کی نگرانی کر رہے
ھے...... شیر خان نے دور بین مجاہد شاہد علی کی طرف کرتے ہوئے کمانڈو ترابی سے کہا۔

"اس وقت پل پر صرف چھ انڈین فوجی نظر آ رہے ہیں"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہاں...... لیکن پل کی دونوں جانب مشین گنوں کی پوسٹیں بھی ہوں گی...... ان
لات کے پیش نظر میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم پل کے قریب جا کر کوئی
اشن نہ کر سکیں گے...... ہمیں جو کچھ کرنا ہو گا پل سے دُور رہ کر کرنا ہو گا اور اس مقصد
ے لئے راکٹ لانچر ہی ہمارے لئے ایک بہترین ہتھیار تھا"۔

شاہد علی نے دُور بین کمانڈو ترابی کو واپس دیتے ہوئے کہا۔

"ہم پل کی جنوب کی جانب ہیں...... ہمیں اس جانب ایسی جگہوں پر گھات لگا کر
ٹھنا ہو گا جہاں سے پل کا فاصلہ کم سے کم ہو، تاکہ ہمارے راکٹ لانچر کا نشانہ خطا نہ جائے"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"میں ان پہاڑیوں کے تمام نشیب و فراز کو جانتا ہوں...... ہم ایسی جگہوں پر گھات
ائیں گے جہاں سے پل تین مختلف زاویوں سے ہمارے راکٹ لانچروں کی زد میں
ے گا...... اگر ہم نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ راکٹ فائر کئے تو ہم فوجی گاڑیوں
میت پل کو اُڑانے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

کمانڈو ترابی اپنے مجاہدوں کو لے کر پہاڑی کے عقب سے ہو کر نیچے اُترنے
ا...... ایک گھنٹے کی اترائی کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پر آ کر رُک گئے جہاں سے پل ان کے
نیچے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور وہ دُور بین لگائے بغیر پل پر گشت لگاتے بھارتی فوجیوں کو

دیکھ سکتے تھے...... انہوں نے خچر پیچھے ہی چھوڑ دیئے تھے اور اسلحہ کے تھیلے ا
کندھوں پر لاد کر خچروں کو اپنے مجاہد کے ساتھ واپس بھیج دیا تھا۔

وہ چٹانوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے......ان کے آگے پل کے دائیں بائیں نش
میں ڈھلان تھی جہاں بڑے بڑے چٹانی پتھر بکھرے ہوئے تھے...... کمانڈو ترابی
شیر خان اور شاہد علی کو نصف دائرے میں تین مختلف جگہیں اشارے سے دکھائیں
دھیمی آواز میں کہا۔

"میں درمیان والی جگہ پتھروں کی آڑ میں پوزیشن لے کر بیٹھوں گا...... تم میر
دائیں بائیں پچاس پچاس فٹ کے فاصلے پر پوزیشنیں سنبھالو گے، جس وقت ا
گاڑیاں پل کے درمیان میں پہنچیں گی تو پہلا راکٹ میں فائر کروں گا...... یہ ایک ط
سے تمہیں فائر کھولنے کا سگنل ہو گا...... میرے راکٹ فائر ہونے کے فوراً بعد تم
راکٹ فائر کرو گے...... اس کے باوجود اگر پل نہ گرایا ہمارا کوئی راکٹ خالی گ
تمہارے پاس جتنے راکٹ ہیں تم انہیں اوپر تلے فائر کرو گے، اس کے بعد نتیجہ اللہ
ہاتھ میں ہو گا...... کامیابی اور ناکامی دونوں صورتوں میں ہم یہاں سے فوراً واپس
اس پہاڑی جگہ پر آ جائیں گے جہاں سے ہم نے دُوربین لگا کر پہلی بار پل کا جائز
تھا...... کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں ہم پر پل کی طرف سے مشین گنوں کے
کی بوچھاڑیں آنا شروع ہو جائیں گی، کیونکہ ہمارے راکٹ فائر ہونے کے ساتھ
ہماری پوزیشنوں کی نشان دہی کر دیں گے، لیکن ہم جوابی فائر کرتے وہاں سے نکلن
کوشش کریں گے...... ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے" مجاہد شاہد اور کمانڈو شیر خان نے ایک ساتھ کہا۔

کمانڈو ترابی بولا۔

"جب تک ہمیں پیچھے سے یہ اطلاع نہیں ملتی کہ فوجی کانوائے پل کی
پہاڑیوں میں داخل ہو گیا ہے ہم اس وقت تک اسی جگہ آڑ میں چھپے رہیں گے اور

نی پوزیشنوں میں نہیں جائیں گے"۔

کمانڈو ترابی نے فوراً اپنے وائرلیس موبائل پر بانہال سیکٹر میں اپنے مجاہدوں سے
ابطہ پیدا کیا...... وہاں سے اسے خبر ملی کہ فوجی کانوائے تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گزر
کا ہے...... کمانڈو ترابی نے پوچھا۔

"کانوائے کی پوزیشن کیا ہے"۔

دوسری طرف سے جواب ملا۔

"جن تین ٹرکوں میں بڑی توپیں لدی ہوئی ہیں ان کو سیاہ رنگ کی ترپالوں سے
ھانپ دیا گیا ہے...... ان فوجی ٹرکوں کے آگے دو بکتر بند گاڑیاں ہیں...... پیچھے تین
تر بند گاڑیاں ہیں اور ان کے پیچھے تین ٹرکوں میں فوجی دستے سوار ہیں"۔

کمانڈو ترابی نے موبائل بند کر دیا اور شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو چٹان کے پیچھے
یٹھے ہوئے دبی زبان میں کانوائے کی ساری پوزیشن سمجھائی......اس نے کہا۔

"ہمارا ٹارگٹ وہ تین فوجی ٹرک ہیں جو سیاہ ترپالوں سے ڈھکے ہوئے ہیں......ان
کے آگے آگے دو بکتر بند گاڑیاں ہیں...... ان کے پیچھے بھی تین بکتر بند گاڑیاں
ہں......ان کے پیچھے تین ٹرکوں میں فوج کے دستے سوار ہیں...... ہم سیاہ ترپالوں والے
ین ٹرکوں پر راکٹ فائر کریں گے...... ہمیں سکیورٹی کی گاڑیوں پر فائر کرنے کی
رورت نہیں ہے...... ایک تو ہمارے پاس راکٹ ضائع کرنے کی گنجائش نہیں ہے،
وسرے اگر انہوں نے ہم پر فائر کھول بھی دیا تو ہم آڑ میں ہوں گے اور دُور پہاڑی
ٹانوں میں چھپے ہوں گے...... ہم پر ان کا فائر نہیں پڑے گا...... بس ہمیں صرف
یک بات یاد رکھنی ہے کہ جیسے بھی ہو بڑی توپوں والی گاڑیوں کو تباہ کرنا ہے......
پاہے پل کے اُڑنے سے وہ نیچے گہرے نالے میں گر پڑیں چاہے پل کے اوپر ہی
نہیں اُڑا دیا جائے"۔

وہیں پہاڑی ڈھلان کی بڑی چٹان کی آڑ میں تینوں مجاہد کمانڈو بیٹھ کر سورج

غروب ہونے کا انتظار کرنے لگے...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ دُور بین سے پل
گشت کرنے والے فوجیوں کا جائزہ لے لیتے تھے......وہ ایسی جگہ بیٹھے تھے جہاں نیچے ا
اوپر سے ان پر کسی کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی...... کسی کسی وقت پل پر سے کوئی فوجی گاڑ
گزر جاتی تھی......شیر خان نے کہا۔

"ایسے لگتا ہے کہ ان لوگوں نے عام گاڑیوں کیلئے پل پر سے گزرنا بند کر دیا ہے"
کمانڈو ترابی بولا۔

"صبح کے وقت تو پل پر سے کچھ لاریاں گزری تھیں...... اس کا یہی مطلہ
ہو سکتا ہے کہ فوجی کانوائے ان پہاڑیوں میں داخل ہو چکا ہے"۔

مجاہد شاہد علی نے مشورہ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں مزید انتظار نہیں کرنا چاہئے اور اپنی اپنی پوزیشنیں
سنبھال لینی چاہئیں"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"یہاں ہم بھارتی فوجیوں کی دُور بینوں کی زد سے محفوظ ہیں جبکہ نیچے ڈھلان
ہماری پوزیشنوں پر دیکھے جانے کا ایک فی صد ہی سہی لیکن خطرہ موجود ہے، اس لـ
ہمیں صرف اسی وقت اپنی اپنی پوزیشنوں پر جانا چاہئے جب کانوائے کو آنے میں زیا
دیر نہ ہو"۔

اسی طرح دوپہر گزر گئی...... پھر دن ڈھلنے لگا...... سورج اونچی پہاڑیوں کے پیچھ
چلا گیا اور پہاڑی ڈھلانوں پر چھاؤں ہو گئی...... کمانڈو ترابی نے ایک بار پھر وائرلیس
پیچھے اپنے مجاہدوں سے رابطہ قائم کر کے کانوائے کی پوزیشن معلوم کی...... پیچھے
جواب ملا۔

"فوجی کانوائے کو ہمارے علاقے سے نکلے کافی وقت گزر چکا ہے...... وہ پہنچنے
والا ہو گا"۔

کمانڈو ترابی نے موبائل اوف کر دیا اور شیر خان اور شاہد علی سے کہا۔

"کانوائے پل کی سڑک پر آ گیا ہو گا، لیکن میں دس پندرہ منٹ مزید انتظار کر لینا
بہتر سمجھتا ہوں"۔

اتنے میں ایک فوجی گاڑی سائرن بجاتی تیزی سے پل پر سے گزر گئی...... یہ اس
بات کا اشارہ تھا کہ کانوائے آ رہا ہے...... کمانڈو ترابی نے اپنا راکٹ لانچر سنبھالتے ہوئے
شیر خان اور شاہد علی سے کہا۔

"پوزیشنیں سنبھالو...... راکٹ ٹھیک ٹارگٹ پر لگے......ایک دوسرے سے بات
چیت بند...... زندہ بچ گئے تو اسی جگہ چٹانوں میں ملو جہاں سے ہم نے خچر کو چھوڑ دیا
تھا...... کسی کے آرڈر کا انتظار نہیں کرنا......اپنے آرڈر اور اپنی عقل سے کام لو، جاؤ"۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی نے اپنے اپنے لانچروں والا تھیلا کندھوں پر ڈالا......
سٹین گنیں پہلے ہی سے ان کے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں...... وہ الگ الگ ہو کر
پتھروں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتے ڈھلان پر پل کے جنوب میں اُترنے لگے...... وہ جھک
کر اتر رہے تھے...... تھوڑی ہی دیر بعد وہ پتھروں اور چھوٹی بڑی چٹانوں کی اوٹ میں
پوزیشن سنبھال کر بیٹھ گئے...... ان کے پاس دُور بین نہیں تھی، لیکن پل انہیں بالکل
صاف نظر آ رہا تھا...... کانوائے چونکہ قریب آ گیا تھا اس لئے پل پر سکیورٹی زیادہ متحرک
ہو گئی تھی...... پیچھے سے ایک اور فوجی جیپ تیزی سے آئی اور پل پر سے نکل گئی۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی اور کمانڈو ترابی نے اپنے اپنے لانچروں میں راکٹ
ڈال رکھے تھے...... دوسرے راکٹ ان کے بالکل قریب پڑے تھے...... وہ ایسی جگہوں
پر گھات لگائے بیٹھے تھے کہ جہاں سے نیچے نشیب میں پل ان سے زیادہ دُور نہیں
تھا......اس کے باوجود اس بات کا خطرہ تھا کہ جذباتی تناؤ کے باعث راکٹ لانچر کا نشانہ
چوک نہ جائے...... راکٹ اگر ایک انچ کا فاصلہ ڈال کر بھی نکل جاتا ہے تو پل پر سے
گزرنے والی گاڑیاں بچ سکتی تھیں...... تینوں مجاہدوں نے اس غلطی سے بچنے کے لئے

بڑی احتیاط اور اندازے کے ساتھ پل کو نشانے کی زد میں لے رکھا تھا۔

ان کی نظریں پہاڑی کے اس موڑ پر لگی ہوئی تھیں جہاں سے فوجی کانوائے نمودار ہونا تھا...... بڑے شدید جذباتی تناؤ کا وقت تھا...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجاہد کمانڈو سانس روک کر پہاڑی کے موڑ کر دیکھ لیتے تھے...... اچانک پہاڑی کے کو کاٹ کر تین فوجی موٹر سائیکل سوار نمودار ہوئے...... وہ درمیانی رفتار سے آ تھے...... پل کے دونوں سروں پر فوجی گارڈ اٹن شن ہو کر کھڑے ہوگئے تھے...... ج فوجی پل پر گشت لگاتے تھے وہ ایک ایک کر کے پل پر فاصلے فاصلے پر کھڑے ہوگئے

تینوں کمانڈو مجاہدوں کی نگاہیں پہاڑی کے موڑ پر جمی ہوئی تھیں...... کانوائے کی گاڑیاں کسی بھی وقت نمودار ہو سکتی تھیں اور پھر سب سے پہلے ایک بکت گاڑی نمودار ہوئی...... اس کے پیچھے بیس پچیس فٹ کے فاصلے پر دوسری بکتر بند گا آ رہی تھی اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے تین فوجی ٹرک پہاڑی کا موڑ گھوم کر سا پر آگئے...... تینوں ٹرک سیاہ ترپالوں سے ڈھکے ہوئے تھے ...... وہ معمولی رفتار سے کی طرف بڑھ رہے تھے...... شیر خان، شاہد علی اور کمانڈو ترابی کے راکٹ لانچرو رُخ پہلے ہی سے پل کی جانب تھا...... ان کی انگلیاں لانچروں کے ٹریگروں گئیں...... اب صرف ہلکے سے دباؤ کے بعد لانچروں میں سے راکٹوں نے فائر ہو ک پر جا کر پھٹنا تھا۔

تینوں ٹرک آہستہ آہستہ پل کی طرف چلے آ رہے تھے...... ان کے پیچھے تین بکتر بند گاڑیاں تھیں جن کی ہلکی توپوں کی نالیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں...... ان پیچھے دو فوجی ٹرک تھے جن میں کسی بھارتی رجمنٹ کے فوجی سٹین گن لئے کھ تھے...... مگر کمانڈو ترابی اور اس کے ساتھی مجاہدوں کی نظریں صرف ان تین ٹرک لگی ہوئی تھیں جن میں بڑی توپیں سپیئر پارٹس کی شکل میں کارگل سیکٹر میں کرنے کے لئے لائی جا رہی تھیں۔

جیسے ہی کانوائے کی پہلی بکتر بند گاڑی پل پر آئی وہاں پر موجود فوجی گارڈ ایڑیاں زور سے بجاتے ہوئے مستعد ہوگئے...... دونوں بکتر بند گاڑیاں پل پر ذرا آگے آئیں تو بڑی توپوں والا پہلا ٹرک پل پر آگیا...... اس کے پیچھے دوسرا اور پھر تیسرا ٹرک بھی پل پر آگیا...... یہی وہ لمحہ تھا جس کا کمانڈو ترابی، کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو انتظار تھا...... جیسے ہی تینوں ٹرک پل پر آئے پہلا راکٹ کمانڈو ترابی نے فائر کیا...... اس کے آدھے سیکنڈ بعد کمانڈو شیر خان نے راکٹ فائر کر دیا اور اس کے ساتھ مجاہد شاہد علی کے لانچر نے ایک دھماکے کے ساتھ راکٹ فائر کیا...... تینوں راکٹ یکے بعد دیگرے فائر ہوئے تھے...... کمانڈو شیر خان کا راکٹ پل کے اوپر سے ہو کر نیچے پہاڑی نالے میں جا کر پھٹا جبکہ کمانڈو ترابی اور مجاہد شاہد علی کے راکٹ ٹھیک نشانے پر لگے...... کمانڈو ترابی کا راکٹ سب سے اگلے ٹرک پر جا کر پھٹا اور شاہد علی کا راکٹ دوسرے ٹرک کے بونٹ سے ٹکرا کر پھٹا...... انہوں نے اس کے فوراً بعد اوپر تلے تین تین راکٹ فائر کر دیئے۔

پل پر تینوں ٹرک دھماکوں کے ساتھ پھٹے...... ایک راکٹ نے اگلی اور کمانڈو ترابی کے ایک راکٹ نے پچھلی ایک بکتر بند گاڑی کو اُڑا دیا...... پل پر ٹرکوں میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے...... فوجی گاڑیاں جو پیچھے تھیں بچ گئی تھیں...... ان میں سے فوجی چھلانگیں لگا کر سڑک پر لیٹ گئے اور انہوں نے جس طرف سے راکٹ فائر ہوئے تھے اس طرف اندھا دھند گولیاں برسانی شروع کر دیں، لیکن ان کی گولیاں پتھروں اور چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں...... تینوں سیاہ پوش فوجی ٹرک بڑی توپوں کے ساتھ تباہ ہو چکے تھے، جب ان کی پٹرول کے ٹینک پھٹے تو تین زبردست دھماکوں سے پہاڑیوں کی خاموش فضا گونج اٹھی اور تینوں ٹرکوں کے باقی ماندہ ٹکڑے اڑ کر نیچے پہاڑی نالے میں بکھر گئے۔

منصوبے کے مطابق ٹارگٹ کو تباہ کرنے کے بعد کمانڈو ترابی، کمانڈو شیر خان اور

مجاہد شاہد علی نے خالی راکٹ لانچر وہیں پھینکے اور سٹین گنیں سنبھال کر جھاڑیوں اور پتھروں کی آڑ لیتے ڈھلان پر اوپر کی طرف چڑھنے لگے...... اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر ہلکا ہلکا اندھیرا چھانا شروع ہو گیا تھا...... جب تینوں کمانڈو اس جگہ پہنچ گئے جہاں انہیں مشن مکمل کرنے کے بعد ایک دوسرے سے ملنا تھا تو ان کے چہروں پر مشن کی کامیابی کی چمک تھی...... وہ ایک دوسرے سے گلے لگ کر ملے اور انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"یہاں سے ہمیں الگ الگ ہو کر اپنی خفیہ پناہ گاہ میں پہنچنا ہو گا، لیکن شیر خان ان پہاڑی راستوں سے واقف نہیں ہے...... اس لئے شاہد علی تم شیر خان کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے...... میں اکیلا پہنچ جاؤں گا...... نکل چلو"۔

کمانڈو ترابی ایک طرف اور شاہد علی شیر خان کو لے کر دوسری طرف نکل گیا...... شام ہو چکی تھی...... کچھ دیر بعد ہی رات کے اندھیرے نے پہاڑیوں کو اپنے تاریک دامن میں چھپا لیا...... شاہد علی پہاڑی جنگل کے خفیہ راستوں سے ہو کر جا رہا تھا...... ڈیڑھ دو گھنٹوں کے بعد وہ ٹارگٹ کے حساس علاقے سے بہت دُور نکل چکے تھے۔

وہ ایک وادی میں سے گزر رہے تھے جس کے چاروں طرف اونچی اونچی پہاڑیاں کھڑی تھیں...... وادی میں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... شیر خان نے کہا۔

"شاہد علی! میں یہ علاقہ پہلی بار دیکھ رہا ہوں"۔

شاہد علی بولا۔

"مجھے خود اس طرف آنے کا بہت کم اتفاق ہوا ہے"۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ گڑگڑاہٹ کی آواز آنے لگی...... شاہد علی نے کہا۔

"یہ فوجی ہیلی کاپٹر کی آواز ہے...... اس طرف چھپ جاؤ"۔

وہ دونوں ایک جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گئے...... اچانک آسمان پر ایک دوسرے کے

پیچھے دو ہیلی کاپٹر نمودار ہوئے...... ان کے نیچے سرچ لائٹیں روشن تھیں...... جو گول دائرے کی شکل میں وادی میں ایک طرف سے دوسری طرف کو چلی جا رہی تھیں...... ہیلی کاپٹروں نے وادی کے اوپر چکر لگانے شروع کر دیئے...... وادی میں کھیت اور کھلی جگہ تھی...... ہیلی کاپٹر کی روشنیوں کے دائرے ساری وادی کو کھنگال رہے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"شاہد علی! کیا خیال ہے؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"اس وقت دوڑ کر پہاڑیوں کی طرف جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... ہیلی کاپٹر بڑی نیچی پرواز کر رہے ہیں اور ان کی سرچ لائٹ کی روشنی ہم پر پڑ سکتی ہے...... اس لئے ہمیں یہیں چھپ کر بیٹھے رہنا چاہئے"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے لگتا ہے کہ ہیلی کاپٹر زمین پر اتر رہے ہیں"۔

شاہد علی برابر ہیلی کاپٹروں کو وادی کے اوپر کافی نیچے آ کر چکر لگاتے دیکھ رہا تھا...... اس نے کہا۔

"ہمارے پاس کافی اسلحہ ہے...... ہینڈ گرنیڈ بھی ہیں...... ہم دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں"۔

لیکن فوجی ہیلی کاپٹر کچھ دیر تک وادی کے اوپر چکر لگانے کے بعد جدھر سے آئے تھے اسی طرف واپس چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد شاہد علی اور شیر خان نے دوبارہ اپنا واپسی کا سفر شروع کر دیا...... انہیں ایک اور وادی میں سے گزر کر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس چھوٹے پہاڑی جنگل میں داخل ہونا تھا جہاں ان کی خفیہ پناہ گاہ تھی...... آتی دفعہ انہوں نے خچروں پر راستہ طے کیا تھا اور کسی دوسرے راستے سے آئے تھے...... جاتی دفعہ شاہد علی ایک ایسے راستے پر جا رہا تھا جو پہاڑی گھاٹیوں اور پہاڑی

نالوں میں سے ہو کر جاتا تھا...... یہ راستہ اگرچہ دشوار گزار تھا مگر اس کا فاصلہ کم تھا۔

وادی کو ایک بار پھر رات کی تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، مگر ان دونوں کی نگاہیں ستاروں کی روشنی میں بڑی آسانی سے راستہ تلاش کر سکتی تھیں...... راستے میں ایک چھوٹا سا پہاڑی گاؤں بھی آگیا جس کے ڈھلانی چھتوں والے لکڑی کے پرانے مکانوں پر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... وہ گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہو کر گزر گئے...... وادی ختم ہوئی تو سامنے ایک اور پہاڑی آگئی...... وہ پہاڑی پر چڑھنے لگے...... پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد وہ دوسری طرف اتر گئے...... دوسری طرف ایک اور وادی تھی...... اس وادی میں ایک جگہ ایک چشمہ ندی کی شکل میں بہہ رہا تھا...... یہاں انہوں نے پانی پی کر کچھ دیر آرام کیا اور دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔

اسی طرح پہاڑیوں اور کھڈ نالوں کے دشوار گزار راستوں میں سے گزرتے دونوں مجاہد جب اپنی پناہ گاہ پر پہنچے تو پو پھٹ چکی تھی...... کمانڈو ترابی تھوڑی دیر پہلے پہنچ چکا تھا...... دوسرے مجاہد بھی کمانڈو ترابی کے ساتھ جاگ کر شیر خان اور شاہد علی کا انتظار کر رہے تھے...... اپنے مشن کی کامیابی پر انہوں نے اسی وقت شکرانے کے دو نفل ادا کئے اور سو گئے...... یہ مجاہدین میدان جنگ میں دشمن سے برسرپیکار تھے...... خواہ کتنے ہی تھکے ہوئے کیوں نہ ہوں وہ کبھی دو چار گھنٹے سے زیادہ آرام نہیں کرتے تھے...... اس رات کو وہ ساری رات کے جاگے ہوئے تھے اور کئی میل پیدل چل کر آئے تھے، اس کے باوجود دو چار گھنٹے آرام کرنے کے بعد اٹھ بیٹھے...... اپنے مشن کے رد عمل کی رپورٹ آئی تو معلوم ہوا کہ دشمن جو بڑی توپیں کارگل سیکٹر میں نصب کرنے کے لئے لا رہا تھا وہ اور اس کے ساتھ چار بکتر بند گاڑیاں تباہ ہو گئی تھیں اور سات بھارتی فوجی ہلاک ہو گئے تھے...... اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی رپورٹ ملی کہ بھارتی فوجیوں نے گاؤں گاؤں تلاشیاں اور پکڑ دھکڑ شروع کر دی ہے اور ساری وادی میں ملٹری انٹیلی جنس اور سی آئی ڈی کے آدمی چھوڑ دیئے ہیں...... دوسرے دن رات کو وا

ی آگیا جو حریت کانفرنس کے کشمیری لیڈر خواجہ صاحب کے بارے میں یہ
ج لگانے گیا ہوا تھا کہ انڈین آرمی نے انہیں کس جگہ قید کیا ہوا ہے...... اس نے
کمانڈو ترابی سے کہا۔

"ہم نے ملٹری انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹرز کے جس آدمی کی ڈیوٹی لگائی تھی وہ پرسوں
م تک خواجہ صاحب کے بارے میں پوری معلومات لے کر یہاں پہنچ جائے گا"۔

اس وقت کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بھی وہاں موجود تھے...... شیر خان نے
نڈو ترابی سے کہا۔

"ہمارے آدمی نے جو اتنی دیر لگائی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری لیڈر
اجہ اسد اللہ کو بھارتی فوج وادی کشمیر سے جموں کی طرف یا اس سے بھی آگے کسی جگہ
لے گئی ہے جہاں مجاہدین آسانی سے جوابی کارروائی نہ کر سکیں"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" شاہد علی نے کہا۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"بھارتی فوج انہیں جہاں بھی لے گئی ہوگی ہمیں انہیں ہر حالت میں وہاں سے
رہ سلامت نکال کر لانا ہوگا...... یہ ہماری ذمے داری بھی ہے اور تحریک آزادی
یر کا تقاضا بھی ہے"۔

شیر خان بولا۔

"ایک بار یہ پتہ چل جائے کہ خواجہ صاحب کو بھارت میں کس جگہ رکھا گیا ہے......
ا کے بعد انشاء اللہ ہم خواجہ صاحب کو موت کے منہ سے بھی نکال لائیں گے"۔

رات کے بارہ ایک بجے تک تینوں مجاہد اسی موضوع پر آپس میں گفتگو کرتے
ہے، اس کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے...... صبح کے وقت مجاہد شاہد علی کسی
م سے خفیہ پناہ گاہ کے پوشیدہ راستے سے نکل کر باہر وادی کی سڑک پر آیا تو اس نے
یکھا کہ ایک جگہ کچھ دیہاتی لوگ کھڑے ہیں...... شاہد علی ان لوگوں کے قریب گیا تو

دیکھا کہ درخت کے نیچے ایک جوگن عورت آسن جمائے بیٹھی ہے...... سامنے
پتھر کی سل پر لوبان سلگ رہا ہے...... جوگن نے گیروے رنگ کی لنگی کے اوپر اسی
کی چادر جسم کے گرد لپیٹ رکھی تھی...... یہ چادر اس کے جسم کی عریانی کو بمشکل ڈھ
رہی تھی...... سر کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے...... ماتھے پر تلک لگا تھا......
میں منکوں کی مالائیں پہنی ہوئی تھیں...... آنکھیں بند تھیں...... جیسے وہ گیان د
میں مشغول ہو اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔

شاہد علی کو یونہی شک سا گزرا کہ یہ عورت اگر واقعی جوگن ہی ہے تو اس
آسن جمانے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیوں کیا ہے جو ان کی خفیہ کمیں گاہ کے قر
ہے...... اوپر سے فوجی کانوائے کی تباہی کا واقعہ بھی تازہ تازہ ہو چکا تھا...... شاہد علی
ایک آدمی سے پوچھا۔

"یہ کون عورت ہے؟"۔

اس نے کہا۔

"سنا ہے بڑی کرنی والی جوگن ہے...... جموں سے پیدل چل کر یہاں تک آئ
اور آگے کلگام کی برف پوش چوٹیوں پر تپسیا کے لئے جا رہی ہے"۔

دوسرے آدمی نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بھی سنا گیا ہے کہ یہ عورت نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے...... کسی سے کوئی
بھی نہیں کرتی"۔

مجاہد شاہد علی وہیں سے واپس مڑ گیا اور اپنی خفیہ پناہ گاہ میں آکر کمانڈو ترابی
شیر خان کو اس جوگن کے بارے میں بتایا اور کہا۔

"مجھے خطرہ ہے کہ یہ جوگن انٹیلی جنس والوں کی عورت ہے"۔

شیر خان بولا۔

"اس کا عین ہماری خفیہ پناہ گاہ کے قریب آکر دھونی رما کر بیٹھنا ہمارے لئے

بن سکتا ہے"۔

کمانڈو ترابی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ہو سکتا ہے ہمارا شک صحیح نہ ہو اور یہ واقعی کوئی جوگن ہو...... جموں کے علاقے
میں اس طرح کے جوگی جوگن اکثر دیکھنے میں آتے ہیں...... بہر حال ہمیں اس کی نگرانی
کرنی ہو گی"۔

نگرانی کے لئے کمانڈو ترابی نے شاہد علی کی ڈیوٹی لگائی...... سڑک کے کنارے
جس جگہ پر جوگن دھونی رمائے بیٹھی تھی اس کے بالکل سامنے پہاڑی کی ڈھلان تھی
جہاں ایک پرانی باؤلی ہوا کرتی تھی...... اب یہ باؤلی سوکھ چکی تھی اور اس کا صرف ٹوٹا
ہوا چبوترہ ہی رہ گیا تھا...... چبوترے کے اِرد گرد گھاس اور جھاڑیوں میں تھوڑی سی جگہ
بنائی اور وہاں بیٹھ گیا...... وہاں سے جوگن اسے نظر آرہی تھی...... اس کے اِرد گرد کچھ
دیر تک لوگ کھڑے اسے دیکھتے رہے...... پھر وہ آگے چل دیئے...... اس کے بعد
دوسرے راہ گیر چلتے چلتے اسے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتے...... جوگن کے
جوبن کا نظارہ کرتے اور جب جی بھر جاتا تو چل پڑتے۔

یہ سڑک جہاں جوگن آسن جمائے بیٹھی تھی غیر مصروف سڑک تھی...... یہ
کوئی بڑی سڑک نہیں تھی...... کھیتوں اور نیم پہاڑی میدان میں سے گزرتی آس پاس
کے دیہات کی طرف نکل جاتی تھی...... سڑک پر ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر
تھی...... کسی کسی وقت کوئی چھکڑا یا سائیکل سوار گزر جاتا تھا...... پیدل چلنے والے بھی
دیہاتی کشمیری ہی تھے...... شاہد علی کو باؤلی کے چبوترے کے پیچھے چھپ کر بیٹھے آدھا
گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ جوگن کے پاس دو اور سادھو آکر بیٹھ گئے...... جوگن نے آنکھیں
کھول کر انہیں دیکھا...... پھر اِرد گرد نگاہ ڈالی اور ان سادھوؤں سے باتیں کرنے لگی......
اس کے بارے میں پہلی یہ چیز غلط ثابت ہو گئی تھی کہ وہ کسی سے بات نہیں کرتی اور
خاموش رہتی ہے...... ایک سادھو نے پوٹلی میں سے کچھ نکال کر جوگن کو دیا جو وہ

کھانے لگی...... جوگن کی یہ بات بھی غلط ثابت ہو گئی تھی کہ وہ کچھ کھاتی پیتی نہیں......
ابھی تک مجاہد شاہد علی یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ سادھوؤں کے کسی فراڈ گروہ سے تعلق
رکھتی ہے جو لوگوں میں اپنے بارے میں مختلف افواہیں پھیلاتے ہیں اور پھر خود آ کر
سادہ لوح لوگوں کو الو بناتے ہیں اور انہیں لوٹ کر رفوچکر ہو جاتے ہیں۔

شاہد علی نے جوگن کی مستقل نگرانی کا ارادہ ترک کر دیا...... اسے یقین ہو گیا تھا کہ
اس کا تعلق سی آئی ڈی یا ملٹری انٹیلی جنس سے بالکل نہیں ہے اور اس کی نگرانی کے لئے
وقت ضائع کرنا بیکار ہے...... وہ باؤلی کے چبوترے سے اٹھ کر شیر خان اور کمانڈو ترابی
کے پاس واپس آ گیا اور اسے سارے حالات سے آگاہ کیا اور کہا۔

"وہ ایک عام فراڈ قسم کی جوگن ہے جس کا تعلق سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف
بنانے والے گروہ سے ہے اور ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

شیر خان نے کمانڈو ترابی کی طرف دیکھا...... کمانڈو ترابی کو شاہد علی کی بات کا کچھ
یقین آیا تھا کچھ نہیں آیا تھا...... کہنے لگا۔

"پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ جب تک یہ جوگن ہماری کمیں گاہ والی سڑک پر بیٹھی
ہے ہمیں اس کی نگرانی کرتے رہنا چاہئے"۔

شاہد علی نے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں ابھی جا کر اپنے ٹھکانے پر بیٹھ جاتا ہوں اور جوگن کی
نگرانی دوبارہ شروع کر دیتا ہوں"۔

شاہد علی اسی وقت باؤلی کی طرف روانہ ہو گیا...... وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ
وہاں نہ جوگن تھی نہ دونوں سادھو ہی تھے...... ڈھلان سے اتر کر شاہد علی نے سڑک
اور اس کے پیچھے کھیتوں میں اچھی طرح سے دیکھا...... جوگن کا کہیں نام و نشان تک
نہیں تھا...... وہ سمجھ گیا کہ جوگن سادھوؤں کے ساتھ آگے کلگام کی طرف چل دی
ہے...... اس نے واپس آ کر کمانڈو ترابی اور شیر خان سے بھی اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ

ہا عام قسم کی شعبدہ باز جوگن تھی اور اس کا سی آئی ڈی وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

وہ رات گزر گئی...... اگلے دن شاہد علی صبح کے وقت پناہ گاہ کے ایک خفیہ راستے
سے نکل کر پہاڑی کی پچھلی جانب آیا جہاں پہاڑی سے گرنے والے پانی نے ایک چھوٹا
سا تالاب بنا دیا ہوا تھا تو اس نے دیکھا کہ ایک عورت تالاب میں نہا رہی ہے...... پہلی
ہی نظر میں شاہد علی کو لگا کہ اس عورت کو اس نے کہیں دیکھا ہے...... وہ ایک درخت
کے پیچھے ہو گیا اور نہاتی ہوئی عورت کو غور سے دیکھنے لگا...... عورت تالاب میں سے
نہا کر باہر نکلی اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو گئی...... شاید وہاں اس نے اپنے کپڑے
رکھے ہوئے تھے...... جب وہ جھاڑی سے دوبارہ باہر نکلی تو اس عورت نے گیروا لباس
پہنا ہوا تھا...... شاہد علی نے اسے فوراً پہچان لیا...... یہ وہی سڑک والی جوگن تھی۔

شاہد علی وہیں درخت کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور جوگن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے
لگا...... جوگن ایک طرف کو چل پڑی...... شاہد علی بھی کچھ فاصلہ ڈال کر اس کے پیچھے
ہو گیا...... دس پندرہ قدم چلنے کے بعد جوگن ایک درخت کے پاس جا کر رُک گئی اور
اپنی بائیں جانب دیکھنے لگی...... اس طرف درخت کے پیچھے سے ایک آدمی نکل کر اس
کے پاس آ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا...... جوگن نے پیچھے گردن موڑ کر اس ٹیلے کی
طرف اشارہ کیا جس ٹیلے کے غار میں مجاہدوں کی خفیہ پناہ گاہ تھی...... وہ آدمی ٹیلے کی
طرف دیکھنے لگا...... پھر اس نے جوگن سے کوئی بات کی اور جوگن کے ساتھ چلنے
لگا...... دونوں اس چھوٹی سی پگ ڈنڈی پر آ گئے جو نیچے اس سڑک کو جاتی تھی جہاں
جوگن آسن جمائے بیٹھی تھی...... شاہد علی ان دونوں کا تعاقب کر رہا تھا...... دونوں
سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے...... اتنے میں ایک جیپ آ کر ان کے پاس رُکی...... دونوں
یعنی جوگن اور وہ آدمی جیپ میں سوار ہو گئے...... جیپ واپس مڑی اور جس طرف سے
آئی تھی اسی طرف چلی گئی۔

شاہد علی وہیں سے واپس خفیہ پناہ گاہ میں آ گیا...... اس نے کمانڈو ترابی اور

شیر خان کو سارا واقعہ سنایا تو کمانڈو ترابی نے کہا۔

"یہ عورت خفیہ سروس کی تھی...... اس نے ہماری جگہ کی نشان دہی کر
ہے...... ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہئے...... کسی بھی وقت فوج چھاپہ مار سکتی ہے"

اس وقت پناہ گاہ میں چار مجاہد موجود تھے...... کمانڈو ترابی نے انہیں فوراً اپنا
خالی کرنے کا حکم دیا اور شیر خان سے بولا۔

"تم شاہد علی کے ساتھ ناتھ والے ٹیلے پر جاؤ...... میں تمہیں وہیں آ کر ملوں گا"۔

شاہد علی نے کہا۔

"اس وقت کمیں گاہ میں کافی اسلحہ پڑا ہے...... اسے چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے"۔

کمانڈو ترابی نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو...... باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔
دوسرے ٹیلے پر شیر خان کے ساتھ میرا انتظار کرو"۔

"او کے سر!"۔

شاہد علی نے یہ کہہ کر شیر خان کو ساتھ لیا اور خفیہ راستے سے نکل کر عقبی
کی طرف تیز تیز چلنے لگا...... اس دوران چاروں مجاہد جتنا اسلحہ ساتھ لے جا سکتے
لے کر پناہ گاہ سے جا چکے تھے...... کمانڈو ترابی لمبے لمبے قدم اٹھاتا غار کے اندر ا
کوٹھڑی میں آ گیا جو اسلحے کا سٹور تھا...... مجاہد کافی اسلحہ ساتھ لے گئے تھے...... ا
کے باوجود وہاں بہت سا گولہ بارود پڑا تھا...... کمانڈو ترابی نے ایک تھیلے میں
بارودی سرنگیں نکالیں اور کوٹھڑی میں دہلیز سے تین چار قدم آگے جہاں گو
بارود کے تھیلے اور دوسرا میگزین پڑا تھا وہاں زمین کے اندر اس طریقے سے بارود
سرنگیں بچھا دیں کہ اسلحہ اور گولہ بارود کے تھیلوں تک جانے والے کے قدم ان
پڑ سکتے تھے...... بارودی سرنگیں بچھانے کے بعد کمانڈو ترابی نے زمین کے اوپر
سی دری بچھا دی اور پناہ گاہ کے خفیہ راستے سے ہو کر باہر آ گیا اور عقبی ٹیلے کی جانب

آ گیا۔

وہ ٹیلے کے پیچھے سے چڑھائی چڑھ کر اوپر جہاں چنار کے تین درخت ساتھ
تھ کھڑے تھے وہاں آیا تو شیر خان اور شاہد علی وہاں موجود تھے...... شیر خان
نے لگا۔

"مجھے پہلے ہی خطرہ تھا کہ جو کام ہم کر آئے ہیں اس کے بعد اس سارے علاقے
انٹیلی جنس پھیل جائے گی"۔

شاہد علی بولا۔

"ہمیں یہاں سے دوسری خفیہ کمیں گاہ کی طرف نکل جانا چاہئے"۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہم کچھ دیر یہاں رکیں گے...... دیکھتے ہیں فوج یا پولیس ہماری کمیں گاہ پر چھاپہ
تی ہے یا نہیں"۔

"لالہ! اس کی کیا ضرورت ہے؟" شاہد علی بولا۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ضرورت ہے تو میں کہہ رہا ہوں...... میرے ساتھ اس طرف آ جاؤ"۔

کمانڈو ترابی شیر خان اور شاہد علی کے ساتھ ٹیلے کی مشرقی ڈھلان پر اس جگہ پر
ختوں کے نیچے جھاڑیوں کی آڑ میں بیٹھ گیا جہاں سے نیچے ان کی کمیں گاہ کو جانے
تنگ راستہ دکھائی دیتا تھا...... فضا خاموش تھی...... کسی کسی وقت ایک پرندے
بولنے کی آواز آ جاتی تھی...... اچانک ایک ٹرک کی آواز سنائی دی...... سب نے
کی آواز سنی...... ٹرک نیچے سڑک پر آ کر رُک گیا تھا...... کمانڈو ترابی نے
نہ سے کہا۔

"یہ فوجی ٹرک ہے...... اس کا مطلب ہے کہ ہماری مخبری ہو گئی ہے اور بھارتی
ہمیں پکڑنے یا ہلاک کرنے کے لئے آ گئے ہیں"۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے...... فوجی اس طرف بھی آ سکتے ہیں"

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"میں ایک ایسے دھماکے کا انتظار کر رہا ہوں جس میں کئی دھماکے شامل ہ
گے"۔

شیر خان اور شاہد علی کمانڈو ترابی کی طرف تکنے لگے...... کمانڈو ترابی نے کہا۔

"میں نے ایمونیشن میں ٹائم بم نہیں لگایا کیونکہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھ
فوج کس وقت چھاپہ مارے گی...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہمارے اندازے غلط نکلیں
جو گن کا خفیہ سروس سے کوئی تعلق نہ ہو...... ٹائم بم لگا آتا تو اس نے تو اپنے وقت
پھٹ کر سارے ایمونیشن کے ذخیرے کو اُڑا دینا تھا...... اب خاموشی سے دیکھو کہ
فوجی ٹرک میں کون آیا ہے"۔

تینوں مجاہد جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھے اس تنگ راستے کو دیکھ رہے تھے جو ا
کمیں گاہ کو جاتا تھا...... انہیں کچھ آوازیں سنائی دیں...... یہ آوازیں آدمیوں کے با
کرنے کی نہیں تھیں بلکہ مختلف پرندوں کی آوازیں تھیں...... کمانڈو ترابی نے آ
سے کہا۔

"یہ انڈین کمانڈو بٹالین کے فوجی ہیں...... ہمارا اندازہ صحیح نکلا"۔

اس کے ساتھ ہی کمیں گاہ کے تنگ راستے کی دونوں جانب چھ سات فوجی د
دیئے...... ان کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں اور وہ ایک دوسرے کو ہاتھوں
آگے بڑھنے کے اشارے کرتے ہوئے ایک خاص فارمیشن میں بڑے تیز تیز قد
سے مجاہدوں کی خفیہ کمیں گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے...... ان کے پیچھے اسی فار
میں مزید فوجی آگے بڑھ رہے تھے...... جب وہ کمانڈو ترابی، شیر خان اور شاہد
نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو کمانڈو ترابی جلدی سے اٹھا اور بولا۔

"پیچھے کی طرف نکل چلو"۔

وہ جھاڑیوں میں سے نکلے اور ٹیلے کی عقبی ڈھلان پر تیزی سے اترنے لگے...... ٹیلے کے دامن میں آگے درختوں کے جھنڈ دُور تک چلے گئے تھے...... وہ درختوں میں بھاگتے چلے گئے...... پھر تین دھماکے سنائی دیئے...... یہ تینوں دھماکے ایک ایک سیکنڈ کے وقفے سے ہوئے تھے...... کمانڈو ترابی نے رُک کر کہا۔

"بارود کی سرنگیں پھٹ گئی ہیں"۔

یہ جملہ اس نے پورا ابھی نہیں کیا تھا کہ ایک ایسا ہولناک دھماکہ ہوا کہ جس نے ساری پہاڑیوں کو ہلا کر رکھ دیا...... درختوں پر سے پرندے شور مچاتے اُڑ گئے...... زمین اس طرح ہلی جیسے زلزلہ آ گیا ہو...... کمانڈو ترابی نے کہا۔

"ہمارا ایمونیشن ذخیرہ پھٹ گیا ہے اور اس کے ساتھ بھارتی کمانڈوز کے بھی پرخچے اُڑ گئے ہوں گے"۔

انہوں نے ایک بار پھر دوڑنا شروع کر دیا...... دوڑتے دوڑتے وہ ایک گھاٹی میں اتر گئے...... علاقے کے تمام خفیہ پہاڑی راستوں کو وہ اچھی طرح سے جانتے تھے...... گھاٹی میں آگے جا کر ایک برساتی نالہ آ کر مل جاتا تھا...... نالہ خشک تھا...... وہ اس نالے میں چلنے لگے اور چلتے چلتے تیسری پہاڑی کے پیچھے پہنچ گئے...... ان کی بائیں جانب جوار کے کھیت تھے...... ان کے پیچھے ذرا بلندی پر گاؤں کے لکڑی کے مکانوں کی چھتیں دھوپ میں چمک رہی تھیں...... وہ کھیتوں میں سے گزرنے لگے...... کمانڈو ترابی اور شاہد علی کو معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں...... کمانڈو شیر خان ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا...... وہ دو تین دیہات کے قریب سے گزر گئے۔

یہاں تک کہ وہ چوتھے گاؤں میں آ گئے...... اس گاؤں میں ایک مکان کے باہر درختوں کے نیچے ایک پرانی جیپ کھڑی تھی...... کمانڈو ترابی نے شیر خان اور شاہد علی کو پیچھے رُکنے کا اشارہ کیا اور خود مکان کی طرف چلا گیا...... اس نے مکان کے دروازے

پر دستک دی...... ایک آدمی باہر آیا...... کمانڈو ترابی نے اس سے ایک دو باتیں کیں اور
وہ آدمی اندر چلا گیا...... دوسرے ہی لمحے باہر نکلا اور کمانڈو ترابی کے ہاتھ میں کوئی چیز
دی...... یہ جیپ کی چابیاں تھیں...... کمانڈو ترابی نے جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے
شیر خان اور شاہد علی کو خاص اشارہ کیا...... دونوں دوڑ کر اس کے پاس گئے اور جیپ میں
بیٹھ گئے...... جیپ سٹارٹ ہوئی اور بڑی تیزی سے درختوں کے نیچے سے نکل کر پہاڑی
راستے پر دوڑنے لگی۔

ایک گھنٹے کے بعد تینوں مجاہد کمانڈو اپنی دوسری خفیہ کمیں گاہ میں بیٹھے تھے...... وہ
چاروں مجاہد بھی وہاں موجود تھے جنہیں کمانڈو ترابی نے پہلے سے بھیج دیا تھا...... اس
نے اپنے ایک خاص مجاہد سے کہا۔

"قادر بٹ کو فوراً جا کر میرا پیغام دو کہ ہم اس کمیں گاہ میں آگئے ہیں...... خواجہ
اسداللہ کے بارے میں جو بھی معلومات ملیں وہ لے کر ہمیں اس جگہ ملے"۔

خاص مجاہد اسی وقت نکل گیا۔

قادر بٹ وہ مجاہد تھا جس کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ یہ معلوم کرے کہ حریت
کانفرنس کے سب سے سینئر اور اہم ترین لیڈر خواجہ اسداللہ کو بھارتی فوج نے گرفتار
کرنے کے بعد کس جگہ قید میں رکھا ہوا ہے...... قادر بٹ رات کے گیارہ بجے کے
قریب آگیا...... کمانڈو ترابی نے پوچھا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"۔

قادر بٹ بولا۔

"لالہ! خواجہ صاحب کے بارے میں مصدقہ اطلاع یہ ملی ہے کہ فوج انہیں
جموں کی اُدھم پور جیل میں لے گئی ہے انہیں سب قیدیوں سے الگ پھانسی کی
کوٹھڑی میں بند کر کے رکھا گیا ہے اور انہیں بری طرح ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا
ہے"۔

اُدھم پور جیل مقبوضہ کشمیر کی سب سے بدنام ترین جیل ہے...... یہ سن کر کہ
کشمیری لیڈر خواجہ صاحب اُدھم پور جیل میں بند ہیں اور ان پر تشدد کیا جا رہا ہے
مجاہدین کے چہرے افسردہ ہو گئے...... کمانڈو ترابی نے کہا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں...... ہم خواجہ صاحب کو ہر حالت میں وہاں
سے نکال کر لے آئیں گے چاہے ہمارے سامنے آگ کی دیوار ہی کیوں نہ کھڑی ہو"۔

اس نے شاہد علی اور شیر خان سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ"۔

تینوں سرفروش کشمیری مجاہد ایک الگ کوٹھڑی میں بیٹھ گئے...... کمانڈو ترابی
کہنے لگا۔

"یہ بات طے شدہ ہے کہ ہم اپنے لیڈر کو طاقت کے ذریعے یعنی جیل پر کمانڈو
اٹیک کر کے وہاں سے نہیں نکال سکتے...... اس مشن کے لئے ہمیں کسی خاص حکمت
عملی سے کام لینا پڑے گا...... یہ حکمت عملی کیا ہو گی؟ ابھی تک میں اس بارے میں کچھ
نہیں کہہ سکتا...... ہمیں مل کر کچھ سوچنا پڑے گا"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"ایک منصوبہ تو یہی ہو سکتا ہے کہ ہم جموں پہنچ کر اپنے کسی مجاہد کے ٹھکانے
پر قیام کریں...... وہاں سے یہ معلومات حاصل کریں کہ اُدھم پور جیل میں وہ پھانسی
لی کوٹھڑی کس جگہ پر واقع ہے جہاں ہمارے لیڈر کو قید میں رکھا گیا ہے...... وہاں
ن کے وقت اور رات کے وقت سکیورٹی کی کیا پوزیشن ہوتی ہے...... کوٹھڑی کے
ہر پہرہ دینے والے فوجی ہیں یا جیل کے عملے کے سنتری ہیں...... کیا خواجہ صاحب
ٹہلوانے کے لئے کوٹھڑی سے نکالا جاتا ہے؟ اگر نکالا جاتا ہے تو کس وقت نکالا
اتا ہے اور سب سے اہم بات یہ معلوم کرنی ہو گی کہ کیا جیل میں کوئی اپنا آدمی
ازم ہے یا نہیں۔

کمانڈو ترابی نے کہا۔

"جموں میں اپنے مجاہدوں کا خفیہ ٹھکانہ تو موجود ہے، لیکن یہ یقین سے نہیں جاسکتا کہ اُدھم پور جیل میں کوئی اپنا آدمی بھی کام کرتا ہے یا نہیں...... یہ تو وہاں ہی معلوم ہو سکے گا"۔

شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اس حکمت عملی کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے"۔

"تمہاری کیا رائے ہے شاہد علی؟"۔

کمانڈو ترابی نے شاہد علی سے پوچھا...... جو کسی گہری سوچ میں گم معلوم ہوتا تھا

✿ ✿ ✿

شاہد علی نے کہا۔

"ہمیں جو کچھ بھی کرنا پڑا کریں گے...... پوری صورت حال جموں پہنچنے کے بعد ہی سامنے آسکے گی"۔

"ٹھیک ہے" کمانڈو ترابی بولا...... "تم دونوں آج ہی رات کو جموں کی طرف روانہ ہو جاؤ...... قادر بٹ کو تمہارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے...... شاہد علی کو سب معلوم ہے کہ جموں میں کس کے پاس جانا ہے اور کیا کرنا ہے...... تمہیں اپنا حلیہ بدل کر سفر کرنا ہو گا...... فوجی کانوائے کی تباہی کے بعد علاقے میں سکیورٹی اور انٹیلی جنس الرٹ ہو گئی ہو گی"۔

وادی کشمیر سے جموں کی طرف ان کا سفر رات کو ہی شروع ہوتا تھا...... کمانڈو شیر خان اور شاہد علی، دونوں نے اپنا حلیہ جموں کے دیہاتی مزدوروں والا بنایا اور رات کی تاریکی میں خفیہ کمیں گاہ سے نکل کر جموں کی طرف روانہ ہو گئے...... ان کا یہ سفر ایسا نہیں تھا کہ وہ سری نگر ہی سے کسی بس میں سوار ہو جاتے...... انہیں دن نکلنے تک وادی کی پہاڑیوں اور جنگلوں کے خاص خاص راستوں پر پیدل ہی سفر کرنا تھا...... جب آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تو وہ ایک خاص سڑک پر نکل آئے تھے...... یہاں سے انہیں جموں جانے والی لاری پکڑنی تھی، جیسا کہ ان کا طریق کار تھا وہ سڑک پر ایک ایک فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے ہو کر لاری کا انتظار کرنے لگے۔

پیچھے سے جموں توی جانے والی لاری آئی تو پہلے شیر خان اس کو روک کر سوار ہوا، اس کے ایک فرلانگ کے فاصلے پر شاہد علی سڑک کے کنارے کھڑا ہاتھ دے رہا تھا اور پھر وہ بھی لاری میں سوار ہو گیا...... سارا راستہ انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی...... دُور دُور ہی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر اشاروں میں تھوڑی بہت بات کر لیتے تھے...... لاری جموں شہر میں داخل ہوئی تو دونوں لاری اڈے سے ایک سٹاپ پہلے لاری میں سے اُتر گئے...... شاہد علی مجاہد آگے آگے اور کمانڈو شیر خان اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا...... صرف شاہد علی کو معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے...... چلتے چلتے ایک خاص علاقے میں آ گئے...... یہ جموں شہر کا کون سا علاقہ تھا...... یہ ہم یہاں ظاہر نہیں کریں گے...... یوں سمجھ لیں کہ شاہد علی نے ایک مختصر سی غیر معروف نیم پہاڑی آبادی والے علاقے میں پہنچ کر ایک مکان کے دروازے پر دستک دی۔

اوپر والی منزل سے ایک آدمی نے جھانک کر نیچے دیکھا...... اس نے شاہد علی مجاہد کو پہچان لیا تھا...... فوراً کھڑکی بند ہو گئی...... دوسرے لمحے مکان کی ڈیوڑھی کا دروازہ کھل گیا...... جو آدمی اوپر سے جھانکا تھا اب شاہد علی اور شیر خان کے سامنے کھڑا تھا...... اس نے کہا۔

"اندر آ جاؤ"۔

دونوں مجاہد مکان میں داخل ہو گئے۔

وہ آدمی جس کا ہم نہ تو حلیہ بیان کریں گے اور نہ اصلی نام ہی بتائیں گے دونوں کو اوپر والی منزل میں لے گیا...... اس کا نام ہم شوکت علی رکھ لیتے ہیں...... دوسری منزل کے اس مختصر سے کمرے میں دو چارپائیاں بچھی تھیں...... بستر لپیٹ کر رکھے ہوئے تھے...... دیوار کے ساتھ تین پرانی کرسیاں لگی تھیں...... درمیان میں ایک چھوٹی سی میز رکھی تھی...... اس آدمی یعنی شوکت علی نے شیر خان کی طرف دیکھ کر شاہد علی سے پوچھا۔

"یہ غازی کون ہے؟"۔

شاہد علی نے کہا۔

"یہ ہمارا ساتھی کمانڈو شیر خان ہے"۔

شوکت علی نے آگے بڑھ کر شیر خان سے ہاتھ ملایا، بولا۔

"میں نے کمانڈو شیر خان کی بہت تعریف سن رکھی تھی...... اچھا ہوا آج ملاقات بھی ہو گئی"۔

اس وقت صبح ہو چکی تھی...... شوکت علی نے اپنی بیوی سے کہہ کر چائے پراٹھوں کا ناشتہ تیار کروایا اور تینوں نے مل کر ناشتہ کیا...... ناشتے کے بعد شوکت علی بولا۔

"شاہد علی! میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا...... جب سے خواجہ اسد اللہ کی گرفتاری اور ان کو اُدھم پور جیل میں منتقل کرنے کی خبر سنی تھی مجھے انتظار تھا کہ شاہد علی اور کمانڈو ترابی میں سے کوئی ایک ضرور آئے گا"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"ترابی کی وادی کے محاذ پر موجودگی بہت ضروری تھی...... اس کی جگہ کمانڈو شیر خان میرے ساتھ آیا ہے"۔

"ایک ہی بات ہے" شوکت علی بولا...... "ہم لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ اپنے لیڈر کو دشمن کی قید سے جتنی جلدی ہو سکے آزاد کرائیں"۔

شوکت علی بولا۔

"اسی سلسلے میں ہم یہاں آئے ہیں...... تم ہمیں سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ اُدھم پور جیل میں کیا اپنا کوئی آدمی کام کر رہا ہے؟"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"یہاں ہم اس مہم میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے...... یہ سب سے حساس علاقہ ہے...... اُدھم پور جیل میں میری معلومات کے مطابق صرف چند ایک مسلمان

ہی ملازم ہیں اور وہ ریٹائر ہونے کے قریب ہیں اور اپنی طویل سروس کے اس مقام پر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے...... یہ میرا اپنا خیال ہے...... اس لئے ہم نے ان سے اس سلسلے میں کبھی کوئی بات نہیں کی"۔

شیر خان بولا۔

"شوکت بھائی! میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک سے بات کر کے دی جائے، کیونکہ جیل کے اندر کسی اپنے آدمی کے موجود ہونے سے ہماری کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں"۔

"یہ بات تو ہے" شوکت علی بولا۔

شاہد علی نے کہا۔

"کیا ان میں کوئی ایسا آدمی ہے جس پر تم اعتماد کر سکو؟"۔

"ایک آدمی سے بات ہو سکتی ہے" شوکت علی تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا...... شاہد علی نے کہا۔

"تم اس سے بات کر کے دیکھو"۔

"میں بات کرتا ہوں" شوکت علی نے کہا۔

شاہد علی نے پوچھا۔

"یہ آدمی جیل کے اندر کیا کرتا ہے؟"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"یہ میں اس آدمی سے بات کرنے کے بعد بتاؤں گا...... پہلے بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے"۔

"جیسے تمہاری مرضی" شاہد بولا...... یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ہائیڈ آؤٹ میں ہمیں ضرورت کے مطابق اسلحہ مل جائے گا"۔

شوکت علی بولا۔

ہم بھارتی فوجی کیمپوں پر شب خون مار کر اسلحہ وغیرہ بھی اٹھا لائے ہیں...... اور دشمن کے خلاف ان ہی کا اسلحہ استعمال کرتے ہیں۔

پھر شاہد علی نے سوال کیا۔

"میں نے اُدھم پور جیل کی چار دیواری کو باہر ہی سے دیکھا ہے...... کبھی اندر جانے کا اتفاق نہیں ہوا...... یہ بتاؤ کہ اس جیل کی وہ کوٹھڑی یا کوٹھڑیاں کس جگہ پر ہیں جن میں پھانسی پانے والوں کو بند کیا جاتا ہے، کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ خواجہ اسداللہ کو جیل کے اندر پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر کے رکھا گیا ہے"۔

شوکت علی بولا۔

"جیل کے اندر جانے کا تو مجھے بھی کبھی اتفاق نہیں ہوا...... صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ یہ کوٹھڑیاں جیل کے جنوبی کونے کی طرف واقع ہیں...... پھانسی گھر بھی اسی طرف ہے، لیکن پورا نقشہ تو اندر ہی کا کوئی آدمی بتا سکتا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"تم اس آدمی سے بات کرو جو جیل کے اندر ملازم ہے اور کوشش کرو کہ وہ راضی ہو جائے"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"شیر خان بھائی! جہاں تک راضی ہونے کی بات ہے جموں کشمیر کی وادی کا ہر مسلمان وہ جہاں کہیں بھی بیٹھا ہے اس کا دل کشمیری مسلمانوں پر بھارتی فوج کے ظلم و ستم دیکھ کر خون کے آنسو روتا ہے، لیکن بعض لوگ اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں، لیکن کشمیری مسلمانوں پر بھارتی فوج کے وحشیانہ مظالم اور بربریت کو دیکھتے ہوئے ان کے دلوں میں ایک خاموش آگ آتش فشاں کی طرح ہر وقت دہکتی رہتی ہے...... میں نے جس آدمی کا ذکر کیا ہے میں اس سے ضرور بات کروں گا...... مجھے یقین ہے وہ ہماری مدد کرنے پر تیار ہو جائے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"شوکت بھائی! تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ یہ شخص جس سے تم بات کر
والے ہو جیل میں کس ڈیوٹی پر کام کرتا ہے"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"اس شخص کو جیل میں ملازمت کرتے تیس پینتیس برس ہو گئے ہیں...... وہ ج
کے عملے کا سب سے سینئر آدمی ہے اور جیل کا ہندو سکھ سٹاف بھی اس کی بڑی عز
کرتا ہے، جہاں تک اس کی پوسٹ اور ڈیوٹی کا تعلق ہے میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ
یہ شخص مان گیا تو ہمارے بڑے کام آسکتا ہے...... سمجھ لو کہ اس کی مدد سے ہم ا
لیڈر خواجہ اسد کے قریب پہنچ جائیں گے"۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

"یہ کام تو انشاء اللہ ہو جائے گا...... ابھی تم یہ بتاؤ کہ ہماری رہائش کا کیا بندوبس
کرو گے، کیونکہ ہمیں اس وقت تک جموں کے آس پاس ہی رہنا ہو گا جب تک کہ
اپنے لیڈر کو جیل سے نکال لانے میں کامیاب نہیں ہو جاتے"۔

شوکت علی بولا۔

"شاہد بھائی! تمہیں تو ہمارے سب خفیہ ٹھکانوں اور ڈیروں کا علم ہے......
جہاں کہو گے وہاں تمہارا انتظام کر دیا جائے گا"۔

شیر خان نے یہاں اپنا مشورہ دیا۔

"ہمارے مشن کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ میں چاہتا ہوں ہم کسی ایسی جگہ رہیں
جیل سے زیادہ دُور بھی نہ ہو اور سب سے الگ تھلگ بھی ہو"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"اس کی آپ لوگ فکر نہ کریں...... سارا انتظام اس مشن کی ضروریات کو سامنے
رکھ کر کیا جائے گا...... آج کا سارا دن تو تمہیں میرے مکان پر ہی بسر کرنا ہو گا......

رات کا اندھیرا ہونے کے بعد میں تمہیں حسن دین شہید کے خفیہ ٹھکانے پر لے چلوں
گا...... آج کل وہاں کوئی نہیں ہے...... ایک مجاہد تمہیں صبح شام آکر کھانا وغیرہ دے جایا
کرے گا...... میں تم سے ملاقات کرنے جیسا کہ تم جانتے ہو رات کو ہی آیا کروں گا"۔

شوکت علی نے اسی کمرے میں دونوں کے بستر بچھا دیئے اور کہا۔

"تم کچھ دیر آرام کر لو...... مجھے دکان پر جانا ہے، دوپہر کو آؤں گا...... کسی چیز کی
ضرورت ہو اپنی بھابی کو آواز دے کر منگوا لینا"۔

شوکت علی کے جانے کے بعد کمانڈو شیر خان اور شاہد علی بستروں پر کمبل لے کر
بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے...... شیر خان کہنے لگا۔

"خواجہ اسد اللہ تحریک کشمیر کی بہت اہم شخصیت ہے...... اُدھم پور جیل میں
انہیں منتقل کرنے کے بعد وہاں سکیورٹی کا بڑا سخت انتظام کیا گیا ہو گا"۔

شاہد علی بولا۔

"ظاہر ہے ہمیں یہ ساری باتیں سامنے رکھ کر ہی کوئی منصوبہ تیار کرنا ہو گا اور پھر
ایسی جگہوں پر سکیورٹی کہاں نہیں ہوتی...... یہ بات تم بھی جانتے ہو میں بھی جانتا
ہوں...... ہم اس مرحلے سے کئی بار گزر چکے ہیں...... اصل بات یہ ہے کہ کمانڈو
آپریشن کا منصوبہ ہمیں سوچ سمجھ کر اور پورے غور و فکر کے بعد ایسا بنانا ہو گا کہ جس
میں کامیابی کا سو فیصد نہیں تو پچھتر فی صد ضرور امکان موجود ہو"۔

شیر خان نے کہا۔

"شاہد بھائی! میں تو سو فیصد کامیابی پر یقین رکھتا ہوں...... چاہے ہماری جان چلی
جائے لیکن تحریک آزادی کشمیر کے لیڈر کو بھارتی ظلم و ستم سے ہر حالت میں نجات
ملنی چاہیئے"۔

"یہ تو ہے" شاہد علی نے آہستہ سے کہا...... "اب ہمارے منصوبے کا انحصار
اس آدمی کے فیصلے پر ہی ہے جو اُدھم پور جیل میں ملازم ہے...... اگر شوکت علی نے

اسے ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر راضی کر لیا تو پھر اس کے بعد ہی ہم کوئی قدم اٹھا سکیں گے"۔

رات کو شوکت علی کیساتھ کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی حسن دین شہید کے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل پڑے...... جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہم اس خفیہ ٹھکانے کا محل وقوع بیان نہیں کریں گے...... یہ خفیہ ٹھکانہ سنگلاخ پہاڑیوں میں ہی ایک پوشیدہ مقام پر تھا جو ایک قدرتی غار کی شکل میں تھا...... شوکت علی نے کمانڈو چاقو، موم بتیوں کا ایک پیکٹ، ماچس اور بھنے ہوئے چنوں کا ایک تھیلا اور پلاسٹک کے دو ڈونگے ساتھ رکھ تھے...... ایک مجاہد شام کے وقت ہی جا کر خفیہ ٹھکانے میں پانی کی ایک چھاگل اور چار فوجی کمبل چھوڑ آیا تھا...... شوکت علی نے خفیہ ٹھکانے میں ایک بڑی موم بتی روشن کر دی۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی وہیں زمین پر بچھی ہوئی خشک گھاس پر بیٹھ گئے...... شوکت علی کہنے لگا۔

"تم دونوں نے دیکھ لیا ہے کہ اس غار تک پہنچنے کے لئے ہمیں کتنی دشوار گزار چٹانوں اور تنگ دروں میں سے گزرنا پڑا ہے...... اس وجہ سے یہ جگہ محفوظ ہے اور سب کی نظروں سے چھپی ہوئی ہے...... حسن دین شہید کے زمانے میں بھی اس جگہ کا جموں کی انٹیلی جنس تک کو علم نہیں ہو سکا تھا...... حسن دین بانڈی پورہ میں بھارتی فوج کے ساتھ ایک مجاہدانہ جھڑپ میں شہید ہوا تھا...... تب سے ہم نے اس جگہ کو بالکل اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے اور کشمیر کے محاذ سے آنے والے کمانڈو اور مجاہدوں کو یہاں رکھا جاتا ہے"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہاں سے اُدھم پور جیل کتنی دُور ہو گی"۔

شوکت علی بولا۔

"میں یہی تمہیں بتانے والا تھا...... اس خفیہ ٹھکانے کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہاں سے اُدھم پور جیل کو پہاڑی دروں اور گھاٹیوں میں سے ایک خفیہ راستہ جاتا ہے، جس کی وجہ سے اُدھم پور جیل کا فاصلہ آدھے سے بھی کم رہ جاتا ہے"۔

اس کے بعد شوکت علی بولا۔

"اب میں جاتا ہوں...... صبح صبح اپنا ایک مجاہد تمہارے لئے کھانے پینے کا سامان لے کر آ جائے گا"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"جیل میں ملازم اپنے آدمی سے تم کب بات کرو گے؟ کیونکہ ہم اس آدمی کی رضامندی یا انکار کے بعد ہی کسی منصوبے پر سوچ بچار شروع کر سکتے ہیں"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"میں انشاء اللہ کل ہی اس کے گھر جا کر بات کروں گا...... اس نے جو کچھ بھی کہا میں وہ تمہیں کل رات کو آ کر بتا دوں گا...... اب میں چلتا ہوں"۔

شوکت علی چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد شیر خان اور شاہد علی وہیں سوکھی گھاس کے بستر پر فوجی کمبل اوڑھ کر بیٹھ گئے اور موم بتی کی روشنی میں باتیں کرنے لگے...... یہ ایک چھوٹا سا کوٹھڑی نما کمرہ تھا جو غار کے اندر جا کر قدرتی طور پر ہی بنا ہوا تھا...... بعض پتھر اور مٹی کے پہاڑ ایک جامد تودے کی طرح ہوتے ہیں، لیکن بعض خالص پتھر کے پہاڑوں کے اندر لاکھوں برس کی قدرتی شکست و ریخت کے نتیجے میں قدرتی غار وجود میں آ جاتے ہیں اور کہیں کہیں ان غاروں میں ایسی کوٹھڑیاں اور دالان اپنے آپ بن جاتے ہیں جن کو دیکھ کر آدمی کو محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کسی انجینئر کے بنائے ہوئے ہیں...... حسن دین شہید کا خفیہ ٹھکانہ جہاں شیر خان اور شاہد علی چھپے ہوئے تھے ایسی ہی ایک کوٹھڑی تھی...... یہ کشادہ تو نہیں تھی لیکن اس کی چھت بہت اونچی تھی اور لگتا تھا کہ اوپر پہاڑ کی چوٹی تک چلی گئی ہے...... قدرتی طور پر ہی کسی جگہ

اوپر یا باہر کو نکلی ہوئی نوکیلی چٹانوں والی دیوار میں کسی جگہ ایسا شگاف قدرتی طور پر
گیا ہوا تھا جہاں سے تازہ ہوا اندر آرہی تھی...... تازہ ہوا غار کے دہانے میں سے
آرہی تھی...... اس خفیہ ٹھکانے کے غار کا دہانہ تنگ تھا اور باہر نوکیلی چٹانوں اور بڑ
بڑے پتھروں نے اسے اپنی اوٹ میں لے رکھا تھا اور وہاں سے گزرنے والے کو
نہیں آتا تھا...... اس لحاظ سے یہ جگہ بڑی محفوظ تھی۔

صبح ہوئی تو غار کے اندر اونچی چھت کے اُبھرے ہوئے پتھروں کے پیچھے کی
جگہ سے دن کی روشنی اندر آنے لگی تھی...... اس روشنی سے شیر خان اور شوکت علی
پتہ چلا کہ باہر دن نکل آیا ہے...... شیر خان نے کہا۔

"غار سے نکل کر ارد گرد کے ماحول کا ذرا جائزہ لینا چاہئے...... کیا خیال ہے؟"

شاہد علی بولا۔

"اچھا خیال ہے"۔

ایک پتھر پر لگی ہوئی بڑی موم بتی چھوٹی سی رہ گئی تھی، مگر ابھی تک جل رہ
تھی...... شیر خان نے موم بتی بجھائی اور وہ دونوں غار میں سے گزر کر باہر چٹانوں میں
نکل آئے...... انہوں نے پلٹ کر غار کے دہانے کو دیکھا...... اس میں کوئی شک نہیں
کہ غار کے دہانے کو سامنے کھڑی چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں نے اس طریقے
چھپا رکھا تھا کہ وہاں سے گزرنے والے کو نظر نہیں آسکتا تھا۔

ان بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں کے درمیان کوئی راستہ نہیں تھا...... انہ
بعض پتھروں کے اوپر سے اور بعض چٹانوں کی ڈھال کے بالکل ساتھ لگ کر باہر نک
پڑا...... وہ چٹانوں سے باہر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ آگے ایک ڈھلان تھی جس
نیچے ایک خشک برساتی نالہ جا رہا تھا جو چھوٹے بڑے سینکڑوں پتھروں سے اٹا پڑا تھا......
نالے میں کہیں کہیں جنگلی جھاڑیاں بھی اُگی ہوئی تھیں۔

دونوں کمانڈو مجاہد وہیں بیٹھ گئے...... نالے کے دوسرے کنارے پر ایک پہاڑ

لے کی ڈھال تھی...... اس ٹیلے کے اوپر دھوپ نکلی ہوئی تھی...... کمانڈو شیر خان نے
ائی پر وقت دیکھ کر کہا۔

"ابھی سوا سات ہی بجے ہیں"۔

شاہد علی بولا۔

"دوسری طرف بھی چل کر دیکھتے ہیں کہ ادھر کیا ہے"۔

وہ اٹھے اور واپس چلتے ہوئے غار کی دوسری طرف آگئے...... یہاں زمین اونچی
نیچی تھی...... ہر طرف چٹانیں اور بڑے بڑے پتھر ہی پتھر نظر آرہے تھے...... یہ وہ پتھر
تھے جو سینکڑوں برس کے زلزلوں کے اثر سے پہاڑ کی چوٹی سے ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے
لرے تھے...... ایک طرف سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے کہیں اوپر سے پانی گر رہا
ہو...... وہ اس طرف چھ سات قدم چلے تو دیکھا کہ دو بھورے رنگ کی دیو قامت
چٹانوں کے درمیان ایک چھوٹا سا پانی کا تالاب بنا ہوا تھا...... اس تالاب میں ایک چٹان
کے شگاف میں سے پانی کی پتلی سی دھار نکل کر گر رہی تھی...... انہوں نے بیٹھ کر پانی
میں ہاتھ ڈالا...... پانی بہت ٹھنڈا تھا...... شیر خان نے ایک گھونٹ پیا اور بولا۔

"پانی میٹھا ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"یہ مٹی کے پہاڑ نہیں ہیں...... چٹانی پتھروں کے پہاڑ ہیں اور پتھروں کے
پہاڑوں میں سے نکلنے والا پانی میٹھا اور شفاف ہوتا ہے"۔

شاہد علی نے بھی پانی کا گھونٹ پیا...... انہوں نے منہ ہاتھ دھویا...... مزید پانی پیا
اور جس پہاڑی راستے سے ان چٹانوں کے درمیان آئے تھے اسی راستے سے ہوتے
ہوئے اپنے خفیہ ٹھکانے پر واپس آگئے...... کچھ دیر گزرنے کے بعد شوکت علی کا بھیجا
ہوا ایک مجاہد ان کے لئے کھانا وغیرہ لے کر آگیا اور کہنے لگا۔

"لالہ شوکت نے کہا ہے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتادیں"۔

شاہد علی نے کہا۔

"کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے"۔

مجاہد یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ میں شام کو رات کے لئے کھانا لے کر آؤں گا۔

کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کو پورا دن غار میں گزارنا تھا...... اس قسم کی مشقت سے ا
کبھی بور ہوئے تھے اور نہ دل برداشتہ ہوئے تھے...... ان باتوں کا سوال ہی پیدا نہ
ہوتا تھا...... وہ ایک طرح سے میدان جہاد میں تھے اور جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ
ان کے لئے ہر سختی اور مشقت کو آسان کر دیا تھا۔

شام کے وقت وہی مجاہد کھانا لے کر آیا تو اس نے بتایا کہ لالہ شوکت آج را
کسی وقت آئیں گے...... مجاہد چلا گیا...... شاہد علی نے شیر خان سے کہا۔

"لگتا ہے شوکت علی نے ادھم پور جیل میں ملازم اپنے آدمی سے بات کر لی ہے"

شیر خان نے کہا۔

"یہ تو شوکت علی کے آنے کے بعد ہی معلوم ہو گا کہ اصل صورت حال کیا ہے"

رات کو دس بجے کے بعد شوکت علی بھی آ گیا۔

پہاڑی کوٹھڑی میں موم بتی جل رہی تھی...... شوکت علی ان کے پاس گھاس
بستر پر بیٹھ گیا...... وہ کچھ خاموش خاموش تھا...... شیر خان نے پوچھا۔

"شوکت بھائی! اپنے آدمی سے کوئی بات ہوئی کیا؟"۔

شوکت علی بولا۔

"وہ راضی نہیں ہوا"۔

چند سیکنڈ کے لئے کوٹھڑی میں خاموشی چھا گئی...... شاہد علی نے پوچھا۔

"راضی نہ ہونے کی اس آدمی نے وجہ کیا بتائی ہے"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"وہی جو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں اس کے دل میں بھارتی قابض فوج کے

اف جذبہ انتقام کی آگ ضرور سلگ رہی ہے، مگر وہ پوتے پوتیوں والا ہے...... وہ عمر
ے آخری حصے میں ہے...... وہ کہتا ہے میں ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا جو میرے
ندان اور اس کے مستقبل کو تباہ کر دے...... وہ رو پڑا تھا اور میرے آگے ہاتھ جوڑ کر
نے لگا، شوکت علی اس بوڑھے کو معاف کر دینا...... خواجہ اسد اللہ کو قید و بند کی
عوبتیں برداشت کرتے دیکھ کر میرا دل بھی خون کے آنسو روتا ہے، مگر میں مجبور
ں، تم نہیں جانتے لیکن میں یہاں کے حالات جانتا ہوں...... میں نے تمہاری مدد
ے لئے کوئی بھی قدم اٹھایا تو یہاں کی سی آئی ڈی کو فوراً پتہ چل جائے گا اور بھارتی
ندے میرے خاندان کے کسی ایک فرد کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

اتنی بات سنانے کے بعد شوکت علی خاموش ہو گیا...... شیر خان اور مجاہد شاہد علی
ا کہہ سکتے تھے...... وہ بھی خاموش رہے...... پھر شوکت علی کہنے لگا۔

"لیکن وہ خفیہ طور پر ہمیں جیل کے بارے میں تمام ضروری معلومات فراہم
رنے پر تیار ہے"۔

"کیا وہ یہاں آ جائے گا؟" شیر خان نے پوچھا۔

شوکت علی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ کسی خفیہ جگہ پر جانے سے بھی گھبراتا ہے...... وہ کہتا ہے کہ جب سے کشمیری
یڈر کو جیل میں لایا گیا ہے سارے شہر میں اور خاص طور پر جیل کے آس پاس انٹیلی
نس کا خطرناک جال بچھا دیا گیا ہے...... مجھے اس کے گھر جانا ہو گا"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے...... پھر تم ایسا کرو کہ اس سے جیل کے اندر کا پورا نقشہ معلوم کرو
ور یہ بھی ہمیں علم ہونا چاہئے کہ خواجہ صاحب کی کال کوٹھڑی کے باہر گارڈ سنتریوں
ی کیا پوزیشن ہے...... گارڈ کس وقت بدلتی ہے اور خواجہ صاحب کو ٹہلوانے کے لئے
ب کوٹھڑی سے نکالا جاتا ہے تو نہیں کس طرف لے جایا جاتا ہے اور کتنے سپاہی ان

کے آس پاس ہوتے ہیں"۔

شوکت علی نے کہا...... "اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ اگرچہ یہ سویلین جیل
لیکن خواجہ صاحب کی سکیورٹی کا انتظام فوج کے ہاتھ میں ہے اور کوٹھڑی کے باہر
ڈوگرہ فوجی پہرہ دیتے ہیں...... بہر حال میں دوسری تمام مطلوبہ معلومات اس
فراہم کر کے لے آؤں گا"۔

شوکت علی اس کے کچھ دیر بعد واپس چلا گیا۔

اگلے دن رات کو آیا تو اس کے پاس ایک موٹا تہہ کیا ہوا کاغذ تھا...... اس نے کا
کھول کر موم بتی کی روشنی میں کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔

"یہ جیل کے اندر کا وہ نقشہ ہے جو میں نے اپنے آدمی کی فراہم کردہ معلومات
روشنی میں بنایا ہے...... یہ دیکھو...... یہ وہ پھانسی کی کوٹھڑی ہے جہاں خواجہ اسد اللہ
رکھا گیا ہے...... اس کوٹھڑی کے اِرد گرد خاردار تاروں کی چار دیواری بنادی گئی
جس میں رات کو بجلی چھوڑ دی جاتی ہے...... دن کے وقت جب خواجہ صاحب
ٹہلوانے کے لئے کوٹھڑی سے نکالا جاتا ہے تو تین فوجی ان کے آگے اور تین مسلح فو
ان کے پیچھے ہوتے ہیں...... دو مسلح فوجی ان کے دائیں بائیں ہوتے ہیں"۔

اس کے بعد شوکت علی نے جیل کے شب و روز کے بارے میں وہ تفصیلا
بتائیں جو اپنے آدمی نے اسے بیان کی تھیں...... یہ سب کچھ سننے کے بعد شوکت ع
نے شیر خان اور شاہد علی سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

شاہد علی بولا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ مشن کافی پیچیدہ ہو گیا ہے...... اس کے لئے کوئی منصو
کافی سوچ بچار کے بعد بنانا پڑے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"جب تک جیل کے اندر کے کسی آدمی کا ہمیں تعاون میسر نہیں ہوتا ہمارے
لئے کسی بھی منصوبے پر عمل کرنا میرے خیال میں ممکن نہیں ہے...... خاص طور پر ان
لات میں جو ہمیں بتائے گئے ہیں"۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"لیکن خواجہ صاحب کو بھارتی جیل سے نکالنا بھی ضروری ہے...... اگر ہم نے
یادہ دیر کر دی تو بھارتی درندے انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے...... وہ شہید ہو گئے تو
ہماری تحریک آزادی کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہو گا"۔

شوکت علی نے کہا۔

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"۔

مجاہد شاہد علی بولا۔

"ایک طریقہ ہو سکتا ہے"۔

شوکت علی اور شیر خان اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"وہ کیا؟" شیر خان نے پوچھا۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"کیوں نہ ہم کسی بھارتی لیڈر کو اغوا کر کے اسے یرغمال بنالیں...... اس کے عوض
خواجہ صاحب کی رہائی کا معاملہ حل ہو سکتا ہے"۔

شوکت علی بولا۔

"جموں کشمیر میں اول تو کوئی بھارت کا اہم لیڈر موجود نہیں ہے...... لے دے کے
مقبوضہ کشمیر کا کٹھ پتلی وزیر اعظم فاروق عبداللہ ہی ایک اہم شخصیت ہے...... اس کو اغوا
کر بھی لیا تو بھارتی حکومت اس کے عوض کبھی خواجہ صاحب کو رہا نہیں کرے گی"۔

تینوں مجاہد سوچ میں پڑ گئے...... ان کے ذہن میں کوئی ایسا لائحہ عمل یا منصوبہ
نہیں آ رہا تھا جو کار گر ہو اور جس پر عمل کرنے سے خواجہ صاحب کی رہائی یقینی ہو۔

اچانک شیر خان نے کہا۔

”اس سے تو بہتر ہے کہ ہم بھارت کا کوئی مسافر بردار طیارہ اغوا کر لیتے ہیں۔ ایک ایسا طیارہ جس میں کم از کم سو ڈیڑھ سو بھارتی شہری سوار ہوں...... جب ان زندگی اور موت کا مسئلہ درپیش ہوا تو بھارتی حکومت ہمارے مطالبے کے آگے گ ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گی...... بھارتی حکومت اپنے سو ڈیڑھ سو شہریوں کی زندگی کو میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوں، داؤ پر نہیں لگا سکتی؟

اس تجویز کے سنتے ہی ایک سناٹا سا طاری ہو گیا...... شوکت علی نے کہا۔

”میں اس تجویز کی حمایت کرتا ہوں...... اگر ہم انڈین ایئر لائنز کا کوئی بوئنگ مس بردار طیارہ اغوا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو خواجہ صاحب کو بھارتی حکوم اپنے آپ رہا کرنے پر مجبور ہو جائے گی...... اس کے علاوہ بھارتی حکومت پر اخبار اور مسافروں کے عزیزوں اور رشتہ داروں کا بھی شدید دباؤ ہو گا...... بھارتی حکوم اس شدید دباؤ کے آگے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے گی“۔

مجاہد شاہد علی کہنے لگا۔

”اس میں سب سے بڑا اور مشکل مرحلہ یہ ہے کہ ہم طیارے میں اسلحہ سمیت کی داخل ہوں گے...... بوئنگ طیارے بھارت کے بڑے بڑے شہروں سے پرواز کرتے ہیں ا وہاں سکیورٹی کا جو زبردست انتظام ہوتا ہے اس سے تم لوگ بھی بخوبی واقف ہو“۔

شوکت علی نے کہا۔

”سب سے پہلے تو ہمیں یہ طے کرنا ہو گا کہ ہم کس شہر سے طیارے کو ہائی جیک کریں گے، اس کے بعد سوچیں گے کہ وہاں کی سکیورٹی سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے...... آج کل انڈین ایئر لائنز کے بوئنگ طیارے بھی اندرون ملک پرواز کرتے ہیں...... ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پرواز کرنے والے طیارے ہو ہیں...... میں جانتا ہوں کہ آپ دونوں تربیت یافتہ کمانڈو ہیں اور طیاروں کی ہائی جیکنگ

بھی آپ کے کورس اور تربیت میں شامل تھی، لیکن آپ میں سے کسی کو بھی اس کا عملی تجربہ نہیں ہے اور طیارے کی ہائی جیکنگ میں کئی ٹیکنیکل نقطوں پر بھی غور ضروری ہوتا ہے اور پھر دو آدمی اتنے بڑے بوئنگ طیارے کو ہائی جیک نہیں کر سکتے“۔

شیر خان بولا۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ تجربہ عمل کرنے سے ہی ہوتا ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ ہم صرف دو آدمی نہیں ہوں گے...... ہمارے ساتھ کم از کم تین اور مجاہد بھی ہونے ضروری ہیں...... ان میں کسی ایسے کمانڈو مجاہد کا موجود ہونا بہت ضروری ہے جو خواہ پائلٹ نہ بھی ہو لیکن اس نے ہوابازی کی تربیت ضرور حاصل کر رکھی ہو...... اگرچہ اس کے بغیر بھی طیارے کو ہائی جیک کرنے کے بعد اپنی مرضی کے مطابق چلایا جا سکتا ہے، لیکن طیارے کی ٹیکنالوجی اور خاص طور پر کاک پٹ کے اندر کی پیچیدہ ٹیکنالوجی سے واقفیت رکھنے والے کسی مجاہد کی موجودگی ہمارے مشن کی تقویت کا باعث ہو گی...... کیا کسی ایسے مجاہد کا انتظام ہو سکتا ہے؟“۔

شوکت علی کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

”فوری طور پر ایسا کوئی مجاہد میرے ذہن میں نہیں آ رہا، لیکن ہمیں ایسا کوئی نہ کوئی نوجوان مل جائے گا...... تم مجھے دو ایک دن کی مہلت دے دو...... اس دوران تمہارے لئے یہی جگہ سب سے محفوظ رہے گی“۔

شوکت علی چلا گیا...... اسے گئے ہوئے دو دن گزر گئے...... تیسرا دن بھی گزر گیا...... شاہد علی نے شیر خان سے کہا کہ شوکت علی کسی ایسے مجاہد کی تلاش میں نکل گیا ہے جو طیارے کی ٹیکنالوجی سے واقف ہو۔

شیر خان بولا۔

”تمہیں اس کا انتظار کرنا ہی ہو گا، کیونکہ ہماری پارٹی میں کسی تربیت یافتہ ٹیکنیکل مجاہد کا ہونا ضروری ہے“۔

چوتھا دن بھی گزر گیا...... چوتھے روز رات کے پہلے پہر میں شوکت علی آگیا...... اس کے ساتھ ایک گوراچٹا خوش شکل مجاہد بھی تھا...... شوکت علی نے شیر خان اور شاہد علی سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"یہ مجاہد میر حمزہ ہے...... یہ انڈین ایئر لائنز کے گراؤنڈ سٹاف میں دس برس ملازمت کر چکا ہے اور طیارہ چلانے کی تربیت بھی حاصل کر چکا ہے......دوسری بات یہ ہے کہ میر حمزہ بھارت کے اہم شہروں کے ہوائی اڈوں کے بارے میں کافی معلومات رکھتا ہے"۔

یہ سب لوگ بیٹھ گئے اور موم بتی کی روشنی میں باتیں کرنے لگے...... میر حمزہ نے کہا۔

"شوکت علی نے مجھے آپ کے منصوبے کے بارے میں سب کچھ بتادیا ہے...... میری رائے یہ ہے کہ ہمیں کسی بڑے مسافر بردار بوئنگ طیارے کو اغوا کرنے سے گریز کرنا چاہئے......اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے طیارے میں مسافروں کی تعداد پونے تین سو کے قریب ہوتی ہے اور مسافروں کی اتنی زیادہ تعداد ہمارے لئے مختلف مسائل کھڑے کر سکتی ہے"۔

شیر خان نے میر حمزہ سے پوچھا۔

"لیکن یہ بات بھی ہے کہ طیارے میں مسافروں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی بھارتی حکومت پر اتنا ہی زیادہ دباؤ پڑے گا"۔

میر حمزہ کہنے لگا۔

"یہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اتنے زیادہ مسافروں کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا اور ہم پر طیارے کے اندر کسی بھی مسافر کے حملے کا خطرہ موجود رہے گا"۔

"پھر تم کیا کہتے ہو؟" شاہد علی نے پوچھا۔

میر حمزہ نے کہا۔

"ہمیں تعداد کی بجائے مسافروں کی سماجی حیثیت کو زیادہ اہمیت دینی چاہئے...... بعض شخصیت ایسی ہوتی ہیں کہ ایک سو مسافروں کے مقابلے میں اس ایک شخصیت کا دباؤ حکومت پر زیادہ پڑ جاتا ہے"۔

شاہد علی کہنے لگا۔

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہم بھارت کے کسی لیڈر کو اغوا کریں تو ایک تو ان لوگوں کے ساتھ سکیورٹی کا سخت انتظام ہوتا ہے...... دوسرے ہم اتنا انتظار نہیں کر سکتے کہ کب کون سا لیڈر کس جہاز میں سفر کرنے والا ہے"۔

میر حمزہ بولا۔

"لیڈر کے علاوہ بھی سماج میں ایسے طبقے موجود ہیں جو اگر طیارے میں سوار ہوں تو بھارتی حکومت شدید دباؤ میں آسکتی ہے"۔

شوکت علی نے کہا۔

"کیا تمہاری مراد بھارت کے اعلیٰ کاروباری طبقے سے ہے؟"۔

میر حمزہ نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"میری مراد بھارت کے کاروباری وی آئی پی طبقے سے بھی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہو سکتے ہیں، لیکن یہ سب باتیں ہم یہاں بیٹھ کر طے نہیں کر سکتے...... ہمیں بھارت کے کسی بڑے شہر میں بیٹھ کر یہ سارا منصوبہ تیار کرنا ہوگا...... کوئی ایسا شہر جہاں سے بوئنگ اندرونی پروازوں پر آتے جاتے رہتے ہوں"۔

شوکت علی نے شیر خان سے کہا۔

"میر حمزہ ٹھیک کہہ رہا ہے"۔

شیر خان نے میر حمزہ سے سوال کیا۔

"تمہارے خیال میں ہمیں کس شہر میں جانا چاہئے؟"۔

میر حمزہ کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

"دلی، کلکتہ اور مدراس ایسے بڑے شہروں سے ہمیں گریز کرنا چاہئے...... میری رائے میں ہمیں لکھنؤ جاکر قسمت آزمائی کرنی چاہئے، میں لکھنؤ کے ہوائی اڈے پر چار سال گراؤنڈ سروس کرتا رہا ہوں...... وہاں کے گراؤنڈ سٹاف سے میری اچھی خاصی واقفیت بھی ہے اور ان میں سے کسی کو معلوم نہیں ہے کہ میں جہاد کشمیر میں شریک ہو چکا ہوں...... وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ملازمت سے الگ ہونے کے بعد میں بمبئی میں اپنا کاروبار کر رہا ہوں...... لکھنؤ ایئرپورٹ کے گراؤنڈ سٹاف کے ذریعے ہمارے راستے کی کئی رکاوٹیں دُور ہو سکتی ہیں"۔

مجاہد شاہد علی نے شوکت علی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شوکت بھائی! لکھنؤ میں ہمیں کوئی خفیہ ٹھکانہ مل سکتا ہے کیا؟ ہمارے لئے ہوٹلوں میں ٹھہرنا خطرے کا باعث بن سکتا ہے"۔

شوکت علی بولا۔

"میرے بھائی! بھارت کے ہر شہر کے مسلمانوں کو کشمیریوں کی جدوجہد آزادی سے دلی ہمدردی ہے اور وہ ہر طرح سے ان کی مدد کرنے کو ہر وقت تیار ہیں...... لکھنؤ میں بھی دوسرے شہروں کی طرح ہمارا ایک خفیہ ٹھکانہ موجود ہے جہاں یہاں کے مجاہد ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں گے...... میں ان سب مجاہدوں کو جانتا ہوں...... اگر آپ نے لکھنؤ کو ہی اپنا ہائیڈ آؤٹ بنانے کا فیصلہ کر لیا تو میں آپ کے ساتھ جاؤں گا"۔

میر حمزہ کہنے لگا۔

"میں تو لکھنؤ سے ہی اس مشن کو شروع کرنے کا مشورہ دوں گا۔

شیر خان نے کہا۔

"اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

مجاہد شاہد علی نے بھی اس فیصلے کی تائید کی...... اس کے ساتھ ہی کہا۔

"لیکن ہمارے ساتھ مزید کم از کم دو مجاہد ہونے چاہئیں"۔

شوکت علی نے کہا۔

"اس کا انتظام لکھنؤ میں ہی ہو جائے گا...... لکھنؤ کے مجاہد بڑے جیالے مجاہد ہیں اور اتنے پڑھے لکھے ضرور ہیں کہ انگریزی میں بات چیت کر سکتے ہیں"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"آپ کا اس مشن پر کب روانہ ہونے کا ارادہ ہے؟"۔

شیر خان بولا۔

"اس کا فیصلہ تو شوکت بھائی ہی کر سکتے ہیں...... ہم تو آج ہی روانہ ہونے کو تیار ہیں"۔

شوکت علی کہنے لگا۔

"میں تو خود اس مشن کو جتنی جلدی ہو سکے شروع کرنا چاہتا ہوں تاکہ اپنے لیڈر کو جتنی جلدی ہو سکے بھارتی فوج کے مظالم سے نجات دلائی جا سکے"۔

آخر یہ طے ہوا کہ چاروں مجاہد منہ اندھیرے جالندھر جانے والی پہلی لاری سے روانہ ہو جائیں گے...... شوکت علی اور میر حمزہ رات کو ہی چلے گئے...... شیر خان اور شاہد علی منہ اندھیرے خفیہ ٹھکانے سے نکل کر لاری اڈے پر پہنچ گئے...... شوکت علی اور میر حمزہ پہلے سے وہاں موجود تھے...... یہ چاروں مجاہد الگ الگ ہو کر لاری میں سوار ہو گئے...... شوکت علی کا پہلے لکھنؤ جانے کا خیال تھا لیکن اپنے ساتھیوں کے جذبات کو دیکھتے ہوئے وہ بھی ان کے ساتھ ہی روانہ ہوئے۔

جالندھر تک وہ خیریت سے پہنچ گئے...... خطرہ صرف انٹیلی جنس والوں کا ہی ہو سکتا تھا، لیکن چاروں مجاہد جموں کے دیہاتیوں کے بھیس میں تھے...... اس لئے ان پر کسی کو شک نہ ہوا...... جالندھر سے وہ کلکتہ جانے والی ٹرین میں بیٹھ گئے...... لکھنؤ وہ دوسرے دن تیسرے پہر پہنچے...... لکھنؤ سٹیشن کی عمارت سے باہر آ کر وہ چاروں ایک

جگہ مل گئے...... شوکت علی کو معلوم تھا کہ انہیں کس جگہ پہنچنا ہے...... انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور دریائے گومتی کا پل عبور کر کے ایک خاص علاقے میں سے گزرتے ہوئے ایک جگہ آ کر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل روانہ ہو گئے...... اس علاقے کا بھی ہم تفصیل سے ذکر نہیں کریں گے اور نہیں بتائیں گے کہ یہ علاقہ لکھنؤ کا کون ساعلاقہ تھا۔

ایک پبلک کال آفس سے شوکت علی نے اپنے خاص مجاہد کو جو لکھنؤ کی خفیہ تنظیم کا لیڈر تھا فون کیا اور اسے بلایا...... دس منٹ کے بعد خفیہ تنظیم کا لیڈر جس کا فرضی نام ہم اشرف رکھ لیتے ہیں، وہاں اپنی جیپ لے کر پہنچ گیا...... چاروں مجاہد جیپ میں بیٹھے اور جیپ ان کے لکھنؤ والے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئی...... وہاں انہیں تین اور مجاہد بھی ملے...... چائے کی ایک ایک پیالی پینے کے بعد ان کی اہم ترین میٹنگ شروع ہو گئی...... سب سے پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ لکھنؤ آنے والی اور لکھنؤ سے مختلف شہروں کو اندرون ملک جانے والی پروازوں کا چارٹ حاصل کیا جائے اور یہ بھی دیکھا جائے کہ قریب ترین پروازوں میں جن مسافروں کی بکنگ ہو چکی ہے ان میں سے کوئی اہم شخصیت تو نہیں ہے...... میر حمزہ دوسرے روز لکھنؤ کے ایئرپورٹ پر گیا۔ وہاں اپنے پرانے ساتھیوں سے ملاقات کی...... اس نے انہیں بتایا کہ میں کاروبار کے سلسلے میں رات کو ہی بذریعہ کار لکھنؤ آیا ہوں اور چند ایک روز یہاں قیام رہے گا۔

میر حمزہ دوپہر تک ایئرپورٹ پر رہا...... اس دوران اس نے اندرون ملک مختلف شہروں کو جانے والی انڈین ایئر لائنز کی پروازوں کا ایک چارٹ بھی حاصل کیا اور کچھ دوسری ضروری معلومات بھی حاصل کیں اور خفیہ ٹھکانے پر واپس آ گیا...... اس نے پروازوں کا چارٹ اور ان کی چند ایک ایڈوانس بکنگ کی رپورٹ بھی اپنے مجاہدوں شوکت علی، شیر خان اور شاہد علی کے سامنے رکھ دی...... سب سے پہلے انہوں نے یہ دیکھا کہ جاری ہفتے کے دوران کن لوگوں نے ایڈوانس بکنگ کرائی ہے اور ان میں فسٹ

کلاس کے مسافر کتنے ہیں...... ان میں دس فسٹ کلاس کے اور پندرہ اکانومی کلاس کے مسافر تھے...... ان سب میں کوئی اہم سیاسی یا کاروباری یا سماجی یا فوجی شخصیت نہیں تھی...... شوکت علی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ایک ہفتہ مزید انتظار کرنا ہو گا"۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں اپنا مشن التوا نہیں کرنا چاہئے...... ایک ہفتے میں کچھ بھی ہو سکتا ہے"۔

شوکت علی بولا۔

"مگر یہ ہماری مجبوری ہے شیر خان...... ہمیں تو صرف وہی طیارہ ہائی جیک کرنا ہے جس میں بھارت کی کوئی اہم ترین سماجی، سیاسی یا کاروباری شخصیت سفر کر رہی ہو...... جبکہ ہم پر یہ شرط بھی عائد ہے کہ ہم بڑا بوئنگ طیارہ اغوا نہیں کریں گے"۔

اس دوران میر حمزہ بڑے غور سے پروازوں والے چارٹ کو پڑھ رہا تھا...... اچانک اس نے چارٹ پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"دوستو! اب ہمیں ایک ہفتہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا"۔

سب نے چونک کر میر حمزہ کی طرف دیکھا...... میر حمزہ نے کہا۔

"ہمارا مقصد حل ہو گیا ہے...... یہ دیکھو...... چار دن بعد صبح کی پرواز اے ٹی 310 میں لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی تیس لڑکیوں کا ایک گروپ تعلیمی سیاحتی دورے پر بمبئی جا رہا ہے...... یہ گروپ ایک ایئر بس میں سفر کر رہا ہے جو بوئنگ کے مقابلے میں چھوٹا طیارہ ہوتا ہے اور اس میں مسافروں کی گنجائش بھی کم ہوتی ہے...... ہم اس طیارے کو ہائی جیک کریں گے...... گورنمنٹ کالج لکھنؤ کی لڑکیاں عام طور پر اعلیٰ گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں...... ان میں فوجی اور سیاسی اور سماجی شخصیات کی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں...... تیس لڑکیوں کے اس گروپ کو جہاز کے ساتھ یرغمالی بنا کر ہم اپنے مقصد کو بڑی آسانی سے حاصل کر لیں گے"۔

میر حمزہ کی تجویز سب کو پسند آئی...... شوکت علی نے میر حمزہ سے کہا۔

"کسی طرح تم یہ معلوم کرو کہ لکھنؤ سے بمبئی جانے والی پرواز اے ٹی 310 میں جو لڑکیوں کا گروپ جا رہا ہے ان میں بھارت کی اہم شخصیات کی کتنی لڑکیاں ہیں"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"پورے کوائف حاصل تو نہیں کئے جا سکتے لیکن جتنی معلومات بھی اس سلسلے میں حاصل کی جا سکیں گی میں حاصل کر لوں گا"۔

شیر خان کہنے لگا۔

"اس دوران ہمیں اپنی ساری تیاریاں مکمل کر لینی چاہئیں"۔

شاہد علی نے میر حمزہ سے پوچھا۔

"ہمیں کس قسم کے اسلحے کی ضرورت ہو گی"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"ہمیں زیادہ اسلحہ ساتھ لے جانے کی نہ تو ضرورت ہی ہے اور نہ ہم زیادہ اسلحہ آسانی سے طیارے پر ساتھ لے جا سکیں گے...... ہم میں سے ہر ایک مجاہد کے پاس ایک ایک آٹومیٹک کمانڈو پستول ہونا چاہئے...... صرف تین مجاہدوں کے پاس ہینڈ گرنیڈ ہونے چاہئیں...... ان میں سے ایک ہینڈ گرنیڈ لے کر جہاز کے کاک پٹ کے باہر کھڑا رہے گا...... دوسرا طیارے کے وسط میں باتھ روم کے پاس کھڑا رہے گا...... بس...... میرے خیال میں ہمیں اس سے زیادہ اسلحے کی ضرورت نہیں ہے...... باقی ہمارے پاس کمانڈو چاقو تو موجود ہی ہو گا"۔

"یہ طے ہو گیا...... باقی سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگ طیارے پر پستول اور ہینڈ گرنیڈ لے کر کیسے سوار ہوں گے...... چیکنگ کمپیوٹر کی سکرین ایک سیکنڈ میں ہمارا اسلحہ دکھا دے گی"۔

یہاں میر حمزہ بولا۔

"یہ میں جانتا ہوں...... اس کے لئے مجھے اپنے اثر و رسوخ یا واقفیت کا فائدہ اٹھانا پڑے گا اور اسلحہ طیارے کے اندر پہنچانے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہو گا...... تم مجھ پر چھوڑ دو"۔

پھر میر حمزہ نے شوکت علی سے کہا۔

"ابھی یہ بھی طے کرنا باقی ہے کہ طیارے کی ہائی جیکنگ کے لئے ہمارے یعنی میرے، شیر خان اور شاہد علی کے علاوہ اور کون جائے گا...... ہمیں مزید دو آدمیوں کی ضرورت ہو گی...... ایئر بس طیارے کو ہائی جیک کرنے کے لئے پانچ آدمی بہت ہوتے ہیں"۔

شوکت علی نے کہا۔

"تمہارے ساتھ لکھنؤ کی خفیہ تنظیم کے دو تجربہ کار کمانڈو جائیں گے...... جنہیں طیارے کی ہائی جیکنگ کی پوری پوری تربیت دی گئی ہے...... ان میں سے ایک کا نام محمود ہے، دوسرے کمانڈو کا نام شمشاد ہے...... ان دونوں کو آج شام تم سے ملوا دیا جائے گا"۔

میر حمزہ نے اس پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں کل ایئر پورٹ پر جا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی لڑکیوں کا جو گروپ بمبئی جا رہا ہے اس میں اہم شخصیات کی بیٹیاں یا قریبی رشتے دار کون کون سی لڑکیاں ہیں اور طیارے کے اندر اسلحہ لے جانے کے بارے میں بھی جائزہ لوں گا کہ اس سلسلے میں کون سا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے"۔

شام کے وقت لکھنؤ کی خفیہ تنظیم کے دونوں مجاہد کمانڈو یعنی محمود اور کمانڈو شمشاد بھی آ گئے...... دونوں جوان اور پرجوش تھے...... دونوں نے قمیض پتلون پہن رکھی تھی۔

دوسرے روز میر حمزہ ایئر پورٹ کی طرف نکل گیا...... ایئر پورٹ پر زیادہ سٹاف

غیر مسلموں پر مشتمل تھا...... ان میں چند ایک مسلمان تھے جن میں سے تین آدمیو
سے میر حمزہ کی اچھی خاصی دوستی تھی...... ان میں سے ایک کا نام وجاہت علی ا
صرف وجاہت علی کو معلوم تھا کہ میر حمزہ بمبئی میں کاروبار وغیرہ نہیں کرتا بلکہ خا
طور پر جہاد کشمیر کے محاذ پر بھارتی فوج کے خلاف تحریک آزادی کشمیر کی جنگ لڑ
ہے، لیکن یہ راز وجاہت علی نے اپنے تک ہی رکھا ہوا تھا...... میر حمزہ نے اسے اع
میں لے لیا ہوا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ وہ لوگ انڈین ایئر لائنز کا طیارہ اغوا کر کے حر
کانفرنس کے اہم ترین لیڈر خواجہ اسد اللہ کو جیل سے نکالنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ اس روز میر حمزہ اسے جا کر ملا تو وہ کسٹمز کے سیکشن میں اپنی ڈیوٹی پر مو
تھا...... اس نے میر حمزہ کو دیکھا تو اشارے سے اوپر دوسری منزل پر کینٹین میں جا
کے لئے کہا...... میر حمزہ ایئر پورٹ کی کینٹین میں آکر کونے میں بیٹھ گیا جو دوس
منزل میں واقع تھی...... تھوڑی دیر کے بعد وجاہت بھی آگیا...... ادھر ادھر کی با
کے بعد میر حمزہ نے تین دن بعد لکھنؤ سے بمبئی جانے والی پرواز نمبر اے ٹی 310
بارے میں رازداری سے پوچھا۔

"وجاہت! ہمیں اس پرواز کے بارے میں کچھ معلومات چاہئیں...... اس پر
میں سفر کرنے والے بعض مسافروں کے بارے میں جو چارٹ تم نے ہمیں دیا تھا
سے معلوم ہوا ہے کہ اس پرواز میں لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی تیس لڑکیوں کا ایک
گروپ بھی بمبئی جا رہا ہے...... کیا کسی طرح ہمیں یہ پتہ چل سکتا ہے کہ ان لڑکیوں میں
کوئی کسی فوجی یا سول آفیسر کی بیٹی یا رشتے دار ہے؟"۔

وجاہت علی نے کوئی جواب نہ دیا، خاموش رہا...... لڑکا چائے لے کر آگیا......
نے چائے پیالیوں میں ڈالی اور ایک پیالی میر حمزہ کے آگے سرکاتے ہوئے بولا۔

"یہ میں تمہیں یہاں نہیں بتا سکتا...... مجھے اس کے لئے آفس میں جا کر مسافروں
کی پوری فہرست والی فائل دیکھنی پڑے گی...... تم ایسا کرو کہ شام کو پانچ بجے امپیریل

ن ہاؤس میں میرا انتظار کرنا...... میں وہاں پہنچ جاؤں گا...... یہاں تمہارا زیادہ دیر
رے ساتھ رہنا ٹھیک نہیں"۔

میر حمزہ بولا۔

"دوسری اہم بات جو تم سے کرنی ہے اس کا تعلق اس تھوڑے سے اسلحہ سے ہے
ہم ساتھ لے کر طیارے میں سوار ہوں گے"۔

وجاہت علی نے میر حمزہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آہستہ سے کہا۔

"اس مسئلے پر بھی شام کو بات ہوگی، اب تم جاؤ...... شام کو ملیں گے"۔

میر حمزہ اٹھ کر ایئر پورٹ سے واپس اپنے خفیہ ٹھکانے پر آگیا اور اپنے ساتھیوں
رخان، شاہد علی اور شوکت علی کو رپورٹ کی، شیر خان نے کہا۔

"میر حمزہ بھائی! کیا تمہارا یہ دوست بھروسے کا آدمی ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس
جہ سے ہم سارے پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں"۔

میر حمزہ کہنے لگا۔

"مجھے اس پر پورا بھروسہ تو نہیں ہے اور اس قسم کے معاملات میں باہر کے کسی
ی پر بھروسہ کیا بھی نہیں جا سکتا...... پھر بھی مجھے ننانوے فی صد یقین ہے کہ
ہت علی ہمیں دھوکا نہیں دے گا...... ویسے بھی ہمیں کسی نہ کسی پر تو بھروسہ کرنا ہی
ے گا"۔

شوکت علی بولا۔

"بہر حال شام کو تم اس سے بات کر کے دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے...... کیونکہ اصل
لہ اسلحے کے ساتھ جہاز پر سوار ہونے کا ہے"۔

شام کو ٹھیک وقت پر میر حمزہ لکھنؤ کے ماڈرن امپیریل کافی ہاؤس پہنچ گیا......
ہت علی پندرہ منٹ بعد آیا...... گفتگو شروع ہوگئی...... وجاہت علی کہنے لگا۔

"تم خود اچھی طرح سے جانتے ہو کہ اس معاملے میں صرف میری نوکری کے

جانے کا خطرہ ہی نہیں ہے بلکہ ہائی جیکنگ کی سازش میں شریک ہونے کے جرم میں
مجھے موت کی سزا بھی دی جا سکتی ہے"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"وجاہت علی یہ مت سمجھنا کہ مجھے یہ احساس نہیں ہے کہ تم آزادی کشمیر کی
خاطر کتنا بڑا خطرہ مول لے رہے ہو...... ہم سب کو اس کا پورا پورا احساس ہے، لیکن
ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری طرح تمہارے دل میں بھی اسلام کی شمع روشن ہے
اور اسلام اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کو ان کا حق خود ارادی دلانے کے لئے تم بھی
ہماری طرح اپنی جان قربان کر سکتے ہو، کیونکہ تمہارے اندر کا غیور مسلمان زندہ ہے"۔

وجاہت علی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"بس یہی ایک جذبہ ہے جس نے مجھے تمہاری مدد کرنے پر آمادہ کیا ہے...... اب
جہاں تک اسلحہ ساتھ لے جانے کا تعلق ہے تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ یہ کام سب سے
خطرناک اور نازک ہے...... پھر بھی میں نے تمہاری مدد کی حامی بھری ہے تو اس مرحلے
پر بھی تمہاری مدد کروں گا"۔

بیرہ کسی دوسرے ٹیبل کی طرف جاتے ہوئے کافی کا ٹرے لئے ان کے قریب
سے گزرا...... دونوں خاموش ہو گئے...... وجاہت علی بولا۔

"یہاں سے اٹھ کر چھت پر آجاؤ"۔

دونوں کافی ہاؤس کی چھت پر آگئے جہاں چھ سات میزیں لگی تھیں اور چند ایک
گاہک ہی دور دور بیٹھے تھے...... وجاہت علی اور میر حمزہ ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔

وجاہت علی کہنے لگا۔

"اس کے سوا دوسری کوئی ترکیب نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کا اسلحہ اگر وہ
ہے تو اپنی سروس کٹ میں چھپا کر اندر لے جاؤں...... ہماری سکرین چیکنگ نہیں
ہوتی...... کوئی سکیورٹی گارڈ اچانک میری کٹ کھلوا کر دیکھ لے تو دیکھ لے، لیکن ا

کبھی ہوا نہیں اور نہ ہونے کی امید ہے...... تم لوگ اپنے ساتھ کس قسم کا اور کتنی تعداد
میں اسلحہ ساتھ لے جانا چاہتے ہو؟"۔

میر حمزہ کہنے لگا۔

"ہمارے پاس بڑا مختصر اسلحہ ہو گا...... ہم پانچ مجاہد ہوں گے...... ہر ایک کے پاس
ایک ایک کمانڈو چاقو...... ایک ایک آٹومیٹک پستول اور تین دستی بم ہوں گے، بس"۔

وجاہت علی بولا۔

"تمہیں کمانڈو چاقو لے جانے کی ضرورت نہیں ہے...... پستول ہی کافی ہوں
گے...... تم ایسا کرنا کہ جس روز تمہیں جہاز میں سوار ہونا ہو گا تم ایک رات پہلے میرے
مکان پر اسلحہ چھپا کر لے آنا...... میں اسے اپنی سروس کٹ میں چھپا لوں گا اور دوسرے
دن اپنے ساتھ ایئرپورٹ پر لے جاؤں گا...... یہ بتاؤ کہ کیا تم لوگوں نے اے ٹی 310
پرواز والی ایئربس کو ہائی جیک کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟"۔

"اگر اس پرواز میں جو لڑکیاں جا رہی ہیں ان میں ملک کے فوجی افسر یا کسی بڑے
سول افسر کی بیٹی بھی شامل ہے تو ہم اسی جہاز کو ہائی جیک کریں گے، کیونکہ ان لڑکیوں
کی وجہ سے ہم بھارت سرکار پر بھرپور دباؤ ڈال کر اپنے لیڈر کی رہائی کا معاملہ طے
کر سکتے ہیں...... تم ان لڑکیوں کے بارے میں کیا معلومات لائے ہو؟"۔

وجاہت علی نے کہا۔

"میری معلومات کے مطابق لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی ان تیس لڑکیوں میں
سے چار لڑکیوں کا تعلق فوجی گھرانے سے ہے اور تین لڑکیاں مختلف سرکاری افسروں
کی بیٹیاں ہیں"۔

"بس ہم یہی چاہتے تھے" میر حمزہ بولا...... "اب یہ طے سمجھو کہ ہم پرواز نمبر
اے ٹی 310 کی ایئربس کو ہی اغوا کریں گے...... ہمیں اس میں پانچ نشستوں کی اکانومی
کلاس میں ریزرویشن بھی کروانی ہو گی"۔

وجاہت علی بولا۔

"وہ ہو جائے گی، کیونکہ جہاز میں بہت سی نشستیں فالتو پڑی ہیں...... اب ایسا ہے کہ یہ ایئر بس تین دن بعد صبح سات بجکر تیس منٹ پر لکھنؤ سے روانہ ہو گی...... اس کا روٹ لکھنؤ سے بھوپال اور بمبئی ہے...... تم کل دن میں آفس ٹائم کے وقت ریزرویشن آفس میں جا کر نشستوں کی ریزرویشن کروا لینا...... اس کے بعد تم مجھے فون کر دینا، پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں اسلحہ لے کر کس وقت میرے مکان پر آنا ہو گا"۔

"ٹھیک ہے" میر حمزہ نے کہا۔

اس کے بعد میر حمزہ واپس آ گیا۔

✿ ✿ ✿

کمانڈو میر حمزہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر واپس آ گیا۔

وہاں شوکت علی، شیر خان، شاہد علی اور کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد پہلے سے موجود تھے...... میر حمزہ نے ساری باتیں انہیں بتائیں اور کہا۔

"اسلحہ طیارے میں لے جانے کا سب سے بڑا اور مشکل مرحلہ تھا جو وجاہت علی کی وجہ سے تقریباً حل ہو گیا ہے...... کل ہمیں پانچ آدمیوں کی فلائٹ اے ٹی 310 میں ریزرویشن کرانی ہو گی...... اس کے لئے کمانڈو محمود اور شمشاد بکنگ آفس جائیں گے"۔

دوسرے دن کمانڈو محمود اور شمشاد انڈین ایئر لائنز کے بکنگ آفس میں گئے اور پانچ ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد فلائٹ اے ٹی 310 کی اکانومی کلاس میں لکھنؤ سے بمبئی تک کی نشستیں ریزرو بھی کرا لیں...... پانچوں نشستیں انہوں نے پانچ فرضی ناموں سے ریزرو کرائی تھیں...... اسی روز میر حمزہ نے وجاہت علی سے فون پر بات کی اور یونہی اس کا حال چال دریافت کیا...... وجاہت علی نے کہا۔

"یار تمہارا سگریٹ کے کارٹن کا ایک تحفہ جے پور سے آیا ہے...... شام کو میرے گھر پر آ کر لے جانا"۔

یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ مجھے شام کو میرے گھر آ کر ملو...... میر حمزہ شام ہوتے ہی وجاہت علی کے گھر پہنچ گیا اور اسے بتایا کہ ہم نے ایئر بس میں پانچ نشستیں ریزرو کروا لی ہیں...... وجاہت علی کہنے لگا۔

"اب ایسا ہے کہ اس دوران تم مجھ سے بالکل نہیں ملو گے...... تمہاری فلائٹ سوموار کی صبح کو ہے"۔

تم اتوار کی رات کو اسلحہ لے کر میرے ہاں آ جانا...... اتوار کی رات کو ہی میں تمہیں بتادوں گا کہ تمہارا اسلحہ ایئرپورٹ کی عمارت کے اندر میں نے کس جگہ پر چھپا کر رکھا ہو گا...... کمپیوٹر سکرین چیکنگ کے بعد تم میں سے کوئی ایک آدمی اس جگہ آ کر اسلحہ اٹھا کر لے آئے گا...... یہ اسلحہ میں نے انڈین ایئر لائنز کے بیگ میں چھپا کر رکھا ہو گا...... اس کے بعد تمہارا میرے ساتھ کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں ہونا چاہئے...... طیارے کو ہائی جیک کرنے کے بعد اگر بد قسمتی سے تم لوگ پکڑ لئے گئے تو کسی حالت میں بھی میرا نام تم میں سے کسی کی زبان پر نہیں آئے گا...... یہ ایک شریف آدمی کا عہد ہو گا جو تمہیں مجھ سے کرنا ہو گا"۔

میر حمزہ نے کہا۔

"وجاہت علی! تم ہمارے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لے رہے ہو...... ہم اتنے احسان فراموش نہیں ہیں کہ ناکامی کی صورت میں تمہارا نام ظاہر کریں...... اس سلسلے میں تم اطمینان رکھو...... اب میں چلتا ہوں اور اتوار کی رات کو دس بجے میں تمہارے پاس آؤں گا"۔

اس دوران لکھنؤ کی خفیہ تنظیم کے سربراہ نے تمام اسلحہ فوری طور پر فراہم کر کے خفیہ ٹھکانے پر رکھ دیا...... یہ کل پانچ آٹومیٹک کمانڈو پستول تھے جن میں میگزین بھرے ہوئے تھے...... اس کے علاوہ تین ہینڈ گرنیڈ تھے...... وجاہت علی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے کمانڈو چاقو ساتھ رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا...... جمعہ اور ہفتے کا دن بھی گزر گیا...... اتوار کا دن آ گیا...... اس روز کمانڈو میر حمزہ نے اسلحہ لے کر وجاہت علی کے مکان پر جانا تھا...... انہوں نے پانچوں پستول تین ہینڈ گرنیڈ کے ساتھ ایک تھیلے میں رکھ کر تھیلے کو ایک اخبار میں اچھی طرح سے لپیٹ لیا تھا......

وجاہت علی نے رات کو ملاقات کا جو وقت دیا ہوا تھا میر حمزہ ٹھیک وقت پر اس کے مکان پر پہنچ گیا...... اسلحہ کا بنڈل اس کی بغل میں تھا...... وجاہت علی نے بنڈل ایک جگہ چھپا کر رکھ لیا اور میر حمزہ سے کہا۔

"میں نے جیسا کہ پہلے بھی تمہیں کہا تھا میں یہ اسلحہ اپنی سروس کٹ بیگ میں چھپا کر ایئرپورٹ کی عمارت کے اندر لے جاؤں گا اور اسے اپنے ڈیسک کے نیچے چھپانے کے بعد تمہارا انتظار کروں گا فلائٹ کا ٹائم صبح سات بج کر تیس منٹ ہے...... تم لوگ پورے ساڑھے چھ بجے ایئرپورٹ پہنچ جاؤ گے...... پونے سات بجے مسافروں کی کمپیوٹر چیکنگ شروع ہو جاتی ہے...... تم کمپیوٹر چیکنگ کے بعد اپنے ساتھیوں کو ڈیپارچر لاؤنج میں بٹھا دو گے اور خود میرے آفس کے باہر ایک طرف جہاں وزن کرنے والی مشین لگی ہوئی ہے کھڑے ہو جاؤ گے...... میں تمہیں دیکھ کر اسلحہ کا کٹ بیگ لے کر آؤں گا اور تم سے کوئی بات کئے بغیر مردانہ باتھ روم میں داخل ہو جاؤں گا...... مجھے باتھ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر تم بھی باتھ روم کی طرف چل پڑو گے...... جب تم باتھ روم میں آؤ گے تو میں واش بیسن کے سامنے کھڑا ہاتھ دھو رہا ہوں گا...... اسلحہ والا کٹ بیگ میں نے اپنے پاؤں کے پاس ہی زمین پر رکھا ہو گا...... تم میرے ساتھ والے واش بیسن پر آ کر ہاتھ دھونے لگو گے...... میں اپنی جگہ پر کھڑا رہوں گا...... تم ہاتھ دھونے کے بعد جھک کر میری ٹانگ کے ساتھ رکھا ہوا اسلحہ کا کٹ اٹھاؤ گے اور خاموشی سے باتھ روم سے نکل جاؤ گے...... اس کے بعد کی ساری ذمے داری اور سارا کام تمہارا اپنا ہو گا...... تم سمجھ گئے ہو ناں؟"۔

"بالکل سمجھ گیا ہوں" میر حمزہ نے کہا...... "تم نے جیسا کہا ہے ویسے ہی کروں گا"۔

"مجھے ایئرپورٹ کی سروس چھوڑے ایک عرصہ ہو گیا ہے...... اب حالات بدل گئے ہیں...... یہ بتاؤ کہ اس فلائٹ میں ایندھن کتنا ہوتا ہے...... لکھنؤ سے بمبئی کافی لمبی پرواز ہے اور ایئربس کی رفتار بھی ہمارے زمانے کے جہازوں سے زیادہ ہوتی ہے"۔

وجاہت علی نے کہا۔

"بھوپال کا سٹاپ اوور (Stop Over) ڈال کر یہ فلائٹ ڈھائی گھنٹے میں بمبئی پہنچے گی...... اس طیارے میں عام طور پر بھری ہوئی ٹینکیوں کے علاوہ فالتو ایندھن کی اتنی مقدار موجود ہوتی ہے کہ طیارہ دوبئی یا شارجہ تک آسانی سے پرواز کر سکتا ہے...... ویسے ہی میں اپنی دلچسپی کے لئے پوچھ رہا ہوں...... تمہارا ارادہ طیارہ ہائی جیک کرنے کے بعد کس جگہ لینڈ کر کے بھارتی حکام سے اپنی شرائط کے مذاکرات کرنے کا ہے؟"۔

کمانڈو حمزہ نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ابھی اس سلسلے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں ہوا...... تمہارا مشورہ کیا ہے؟"۔

وجاہت علی بولا۔

"یہ تو حالات پر منحصر ہے، ویسے میں آپ لوگوں کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ بھارت کے اندر رہ کر بھارتی حکومت سے مذاکرات نہ کریں...... بھارت میں کسی بھی ایئرپورٹ پر فوج کے کمانڈوز طیارے پر دھاوا بول سکتے ہیں، انہیں اپنے ملک میں ہر طرح کی سہولت میسر ہوگی...... اس کے برخلاف اگر تم لوگ طیارے کو کسی طرح بھارت سے باہر نکال کر کسی اسلامی ملک میں لے جاؤ تو وہاں ایک تو مسلمان ملک ہونے کی وجہ سے وہاں کے عوام کی ہمدردیاں حاصل ہوں گی...... دوسرے وہاں بھارتی کمانڈو کے حملے کا خطرہ نہیں ہوگا"۔

کمانڈو حمزہ نے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں کون سا اسلامی ملک مناسب رہے گا؟"۔

وجاہت علی بولا۔

"پاکستان، ایران اور افغانستان کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... باقی عرب امارات کے ممالک رہ جاتے ہیں...... میرا خیال ہے کہ تم طیارے کو دوبئی لے جاؤ...... بمبئی ایئرپورٹ پر ہی طیارے میں ایندھن ڈلوا لینا...... کیا خیال ہے؟"۔

"اچھا خیال ہے" کمانڈو حمزہ نے کہا...... "میں اپنے ساتھیوں سے بات کروں گا، کیونکہ ہمیں ہر قدم باہمی مشورے سے اٹھانا ہوگا"۔

"بہتر ہے" وجاہت علی بولا...... "اب تم خاموشی اور احتیاط کے ساتھ میرے مکان کے پچھلے دروازے سے نکل جاؤ اور کل ایئرپورٹ پر پہنچنے کے بعد جیسا میں نے کہا ہے...... ویسے ہی کرنا"۔

کمانڈو حمزہ وہاں سے چل دیا۔

اپنے خفیہ ٹھکانے پر آ کر اس نے کمانڈو شیر خان، شاہد علی اور شوکت علی سے دوبئی لینڈ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا...... کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد بھی اس مشورے میں شریک تھے...... کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ طیارے کو دوبئی لے جایا جائے گا۔

رات ایک بجے تک ہائی جیک کرنے والی کمانڈو پارٹی مختلف تیاریوں میں لگی رہی...... ہر ایک نے لکھنؤ سے بمبئی تک کا ایئربس اے ٹی 310 کی فلائٹ کا اپنا اپنا ٹکٹ سنبھال کر رکھ لیا تھا...... انہیں الگ الگ ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہونا تھا...... رات ایک بجے وہ سو گئے...... صبح ٹھیک پانچ بجے انہیں اٹھا دیا گیا...... پانچوں کے پانچوں کمانڈوز یعنی کمانڈو شیر خان، شاہد علی، کمانڈو حمزہ، کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد نے نہا دھو کر وضو کیا...... فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے مشن کی کامیابی کی دعا مانگی...... ناشتہ کیا اور ایک پرانی جیپ میں سوار ہو کر لکھنؤ کے ایئرپورٹ کی طرف چل پڑے...... ایئرپورٹ سے کچھ فاصلے پر شوکت علی نے جیپ روک دی...... پانچوں کے پانچوں کمانڈو مجاہد جیپ سے اترے...... شوکت علی نے انہیں آخری بار ہدایات دیں کہ دھمکیاں ہر قسم کی دینی ہوں گی مگر کسی بھی مسافر کی غیر ضروری طور پر جان نہیں لینی ہوگی...... باقی جس قسم کے حالات پیش آئیں ان کے مطابق عمل کرنا۔

پانچوں کمانڈو یعنی کمانڈو شیر خان، شاہد علی، کمانڈو حمزہ، کمانڈو محمود اور شمشاد وہیں سے الگ الگ ہو کر پیدل ہی ایئرپورٹ کی طرف چلنے لگے...... اس وقت صبح ہو چکی تھی...... ایئرپورٹ کی عمارت کے قریب آکر کمانڈو حمزہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"تم لوگ ڈیپارچر لاؤنج میں میرا انتظار کرو گے...... میں وہیں تمہیں ملوں گا...... تم چاروں الگ الگ ہو کر اندر جاؤ گے   اللہ حافظ!"۔

وہیں سے پانچوں کمانڈو الگ الگ ہو گئے...... سب سے پہلے کمانڈو حمزہ ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہوا...... اس کا کام بڑا حساس، نازک اور خطرناک تھا   اسے اسلحہ والا بیگ باتھ روم سے اٹھانا تھا...... فلائٹ اے ٹی 310 کے مسافر آنا شروع ہو گئے تھے...... داخلے کے گیٹ کی دونوں جانب سکیورٹی گارڈ کھڑے تھے...... وہ ہر آدمی کا جائزہ لے رہے تھے...... کمانڈو حمزہ نے عام سی جیکٹ اور پتلون قمیض پہن رکھی تھی...... اس کے ہاتھ میں کوئی بریف کیس وغیرہ نہیں تھا...... وہ ٹکٹ دکھا کر گیٹ میں داخل ہو گیا...... آگے بھی سکیورٹی گارڈ موجود تھے...... ایک گارڈ نے کمانڈو حمزہ کو چیکنگ والی کمپیوٹر مشین کی طرف جانے کا اشارہ کیا...... وہاں پہلے سے دو عورتیں اور ایک مرد کھڑے اپنا سامان چیک کروا رہے تھے...... یہ وہ مختصر سا سامان تھا جو ہاتھ میں اٹھایا جا سکتا تھا اور جسے مسافر اپنے ساتھ ہی لے کر جہاز میں سوار ہوتے ہیں۔

کمانڈو حمزہ چیکنگ مشین کے قریب سے ہو کر اس جگہ آ گیا جہاں گراؤنڈ سٹاف کے دو وردی والے آدمی ڈی ٹیکٹر ہاتھوں میں لئے مرد مسافروں کے سارے جسم پر پھیر کر یہ دیکھ رہے تھے کہ اس نے لباس کے اندر کوئی ممنوعہ شے مثلاً اسلحہ یا چاقو وغیرہ تو نہیں چھپایا ہوا...... دوسری طرف پردے کی اوٹ میں عورتوں کی چیکنگ ہو رہی تھی...... چیکنگ آفیسر نے کمانڈو حمزہ کے جسم پر بھی ڈی ٹیکٹر کو پھیرا...... اس کی جیب میں سوائے چند ایک کرنسی نوٹوں کے اور کچھ نہیں تھا...... وہ کلیئر ہونے کے بعد بورڈنگ کارڈ اور سیٹ نمبر لینے کے لئے ایک کاؤنٹر پر آ گیا...... یہاں ٹکٹ دکھا کر

اس نے بورڈنگ کارڈ لیا جس پر سیٹ نمبر لکھا ہوا تھا...... اس کے بعد کمانڈو حمزہ کا سب سے خطرناک مرحلہ شروع ہونے والا تھا...... وہ بورڈنگ کارڈ اور ٹکٹ جیب میں ڈال کر اس جگہ آکر کھڑا ہو گیا   جس جگہ وجاہت علی نے اسے کھڑے ہونے کے لئے کہا تھا وہ وجاہت علی کے آفس والے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا...... اتنے میں وجاہت علی دروازہ کھول کر نمودار ہوا۔

اس کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا درمیانے سائز کا انڈین ایئر لائنز کا کٹ بیگ تھا...... وجاہت علی نے بھی نگاہ غلط انداز سے کمانڈو حمزہ کو دیکھ لیا تھا...... وہ عام رفتار سے چلتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا...... اس کا رخ ڈیپارچر لاؤنج کے باہر والے باتھ رومز کی طرف تھا...... جیسے ہی وجاہت علی باتھ روم میں داخل ہوا، کمانڈو حمزہ باتھ روم کی طرف بڑھا...... وہ باتھ روم میں داخل ہو گیا...... باتھ روم میں چھ سات منہ ہاتھ دھونے والے بیسن لگے ہوئے تھے...... دو مسافر پہلے سے وہاں موجود تھے...... ایک آئینے میں دیکھ کر اپنے بالوں میں کنگھی پھیر رہا تھا...... دوسرا اپنی ٹائی کی ناٹ درست کر رہا تھا۔

کمانڈو حمزہ نے دیکھا کہ وجاہت علی کونے والے بیسن کے آگے کھڑا صابن سے ہاتھ دھو رہا تھا...... اس کے پاؤں کے پاس ہی انڈین ایئر لائنز کا نیلے رنگ کا کٹ بیگ پڑا تھا...... حمزہ آہستہ سے چل کر وجاہت علی کے ساتھ والے واشنگ بیسن کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ دھونے شروع کر دیئے...... ہاتھ دھونے کے بعد اس نے جیب سے کنگھی نکال کر بالوں کو ٹھیک کیا...... کنگھی جیب میں ڈالی اور بڑے اطمینان سے اور بغیر کسی گھبراہٹ کے جھک کر قریب ہی وجاہت علی کے پاؤں کے پاس رکھا ہوا کٹ بیگ اٹھایا اور باتھ روم کے دروازے کی طرف بڑھا۔

کٹ بیگ کا وزن بتا رہا تھا کہ اس میں پانچ آٹومیٹک کمانڈو پستول اور تین دستی بم موجود ہیں...... کمانڈو حمزہ نے اپنے اوپر قطعی طور پر کسی قسم کی گھبراہٹ طاری ہونے

نہیں دی تھی...... وہ لوگ ایک بڑے اہم مشن پر جا رہے تھے جس کے لئے انہیں مضبوط اعصاب اور پوری ذمے دارانہ رویئے سے کام لینا تھا...... کمانڈو حمزہ ہر طرف سے کلیئر ہو چکا تھا...... ڈیپارچر لاؤنج میں ایئر بس اے ٹی 310 کے کافی مسافر ادھر ادھر نشستوں پر بیٹھے تھے...... کمانڈو حمزہ پچھلی قطار کی ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گیا...... اب اس نے لاؤنج کا جائزہ لیا...... سب سے پہلے اس نے اپنے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے دیکھا...... شیر خان، شاہد علی، محمود اور کمانڈو شمشاد درمیانی قطار میں الگ الگ سیٹوں پر بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے نظر آ گئے۔

اس کے بعد اس کی نگاہوں نے لکھنؤ گرلز کالج کی ان لڑکیوں کی تلاش شروع کر دیں جن کی اس فلائٹ میں موجودگی بڑی ضروری تھی، کیونکہ اس فلائٹ کو ہائی جیک کرنے کا فیصلہ ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ اس میں گرلز کالج کی تیس لڑکیوں کا گروپ سفر کر رہا ہے...... بہت جلد کمانڈو حمزہ نے دیکھ لیا کہ ایک جانب لڑکیوں کا ایک گروپ موجود تھا...... کسی نے ساڑھی پہن رکھی تھی...... کسی نے ٹی شرٹ اور جینز پہنی ہوئی تھی اور کوئی شلوار قمیض میں ملبوس تھی...... ان کے ساتھ ایک لیڈی پروفیسر بھی تھی جو کھڑے ہو کر لڑکیوں کو کچھ ہدایات دے رہی تھی۔

سٹیج پر ڈرامے کا پورا سیٹ لگ چکا تھا...... اب صرف پردہ اٹھنا باقی تھا اور یہ پردہ اس وقت اٹھنا تھا جب جہاز بمبئی کے ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے کی تیاریوں میں ہو گا...... سب سے اہم ایک اور مرحلہ تھا...... یہ مرحلہ کمانڈو مجاہدوں میں گرنیڈ اور پستول تقسیم کرنے کا تھا...... اس کے لئے یہ طریق کار سوچا گیا تھا کہ جب طیارہ لکھنؤ سے ٹیک آف کرے گا تو اس کے کچھ دیر بعد کمانڈو حمزہ اپنے کٹ بیگ کے ساتھ ہی طیارے کے باتھ روم میں داخل ہو جائے گا۔

اسے باتھ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر چاروں کمانڈو مجاہد بھی اپنی اپنی سیٹوں سے اٹھیں گے اور باتھ روم کے پاس آ کر ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں گے تاکہ

کمانڈو حمزہ باتھ روم سے باہر نکلے تو کوئی دوسرا مسافر اندر داخل نہ ہو...... کمانڈو حمزہ نے باتھ روم میں داخل ہونے کے بعد کٹ بیگ میں سے ایک آٹو میٹک پستول نکال کر اپنی جیب میں چھپانا تھا اور کٹ بیگ کو باتھ روم کے اندر ہی ایک طرف رکھ دینا تھا...... اس کے باہر آنے کے بعد باری باری چاروں مجاہدوں کو باتھ روم میں داخل ہونا تھا اور کٹ بیگ میں سے اپنا اپنا پستول اور ہینڈ گرنیڈ نکال کر اپنے لباس کے اندر چھپانے تھے۔

طیارے کی پرواز کا وقت قریب آ رہا تھا۔

کمانڈو حمزہ اگرچہ بظاہر بڑے اطمینان کے ساتھ لاؤنج میں اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا مگر ایک خطرہ مسلسل اس کے سر پر منڈلا رہا تھا کہ کہیں کوئی سکیورٹی گارڈ اچانک آ کر اس کا کٹ بیگ چیک نہ کر لے...... اگرچہ ایسا ہوا نہیں کرتا، لیکن ایسا ہو بھی سکتا تھا...... خدا خدا کر کے لاؤنج کے سپیکر پر ایک لیڈی اناؤنسر کی آواز بلند ہوئی...... اس نے پہلے انگریزی میں پھر اُردو میں کہا۔

خواتین و حضرات! لکھنؤ سے بمبئی جانے والی فلائٹ نمبر اے ٹی 310 پرواز کے لئے تیار ہے...... مسافروں سے گزارش ہے کہ وہ جہاز میں سوار ہو جائیں"۔

اس اعلان کے ساتھ ہی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے اس خاص پرواز کے مسافروں میں ایک ہل چل سی پیدا ہو گئی...... مسافر اپنی اپنی سیٹوں پر سے اپنے اپنے دستی سامان وغیرہ کو سنبھالتے ہوئے اٹھے اور گیٹ کی طرف چلنے لگے...... کمانڈو حمزہ بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کر گیٹ کی طرف بڑھا...... اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھی شیر خان، شاہد علی، محمود اور شمشاد بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ قدم قدم چلتے گیٹ کی طرف جا رہے تھے...... گیٹ پر اپنے آپ ایک قطار بن گئی تھی...... مسافر مرد اور عورتیں اپنے اپنے بورڈنگ کارڈ اور ٹکٹ کا بقایا حصہ دکھا کر گیٹ سے نکل کر کچھ فاصلے پر کھڑی ان دو بسوں کی طرف جا رہے تھے جنہوں نے مسافروں کو دُور کھڑے طیارے تک لے

جانا تھا...... دوسرے مسافروں کے ساتھ یہ پانچوں مجاہد بھی اپنے اپنے بورڈنگ کارڈ اور ٹکٹ دکھا کر گیٹ میں سے گزر گئے...... جب دونوں بسیں بھر گئیں تو وہ طیارے کی جانب چل پڑیں...... کمانڈو حمزہ، شیر خان اور شاہد علی ایک بس میں تھے جبکہ کمانڈو محمود اور شمشاد دوسری بس میں سوار ہوئے تھے۔

دونوں بسیں ایک لمبا چکر کاٹ کر کافی دُور ایک جگہ کھڑے طیارے کے قریب آکر رُک گئیں...... کمانڈو حمزہ نے بس سے نکل کر ایک نگاہ طیارے پر ڈالی...... یہ ایئر بس کافی بڑی لگ رہی تھی...... اس کی فسٹ کلاس اور اکانومی کلاس کی سیڑھیاں لگ چکی تھیں...... بسوں سے نکل نکل کر مسافر طیارے کی طرف بڑھنے لگے...... یہاں بھی سیڑھیوں کے پاس آکر دو قطاریں بن گئی تھیں...... فسٹ کلاس والی قطار مختصر سی تھی جبکہ اکانومی کلاس والی قطار کافی لمبی تھی...... اس قطار میں کھڑے پانچوں کمانڈو مجاہدوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تھا...... کمانڈو حمزہ نے کٹ بیگ ہاتھ میں لٹکائے رکھنے کی بجائے اپنے سینے سے لگا لیا تھا...... اس قطار میں لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی لڑکیوں کا گروپ بھی تھا۔

کمانڈو شیر خان ان لڑکیوں سے دو تین مسافر چھوڑ کر پیچھے قطار میں کھڑا تھا...... اس نے لڑکیوں کے ہنستے مسکراتے چہروں اور صبح کی ہوا میں لہراتے ان کے بالوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور سوچا کہ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ دو ڈھائی گھنٹے کے بعد ان پر کیا گزرنے والی ہے...... واقعی انسان اتنی ترقی کرنے کے باوجود کس قدر مجبور اور بے بس ہے...... اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ آنے والا لمحہ اس کے لئے کیا لے کر آ رہا ہے اور اس کے ساتھ اگلے لمحے کیا بیتنے والی ہے...... طیارے کی سیڑھی کی دونوں جانب گراؤنڈ سٹاف کے عملے کے دو وردی پوش آدمی کھڑے تھے...... وہ ہر مسافر کا بورڈنگ کارڈ غور سے دیکھتے، اس کا ایک حصہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیتے اور مسافر کو طیارے پر سوار ہونے کی اجازت دے دیتے...... کافی لمبی قطار تھی...... طیارے کی

سیڑھی تک پہنچتے پہنچتے کمانڈو حمزہ کو جو سب سے آگے تھا کافی دیر لگ گئی۔

طیارے میں داخل ہونے کا یہ آخری ہیجان خیز مرحلہ تھا...... کمانڈو حمزہ نے اسلحہ والا کٹ بیگ اسی طرح ایک ہاتھ سے تھام کر اسے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا...... دوسرے ہاتھ میں اس کا بورڈنگ کارڈ تھا...... یہاں بھی حمزہ کے دل میں وہی ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں اس آخری مرحلے میں بھی اس کی کٹ بیگ کھلوا کر نہ دیکھ لی جائے...... جب وہ سیڑھی کے قریب آیا اور اس نے اپنا بورڈنگ کارڈ وردی پوش آفیسر کی طرف بڑھایا تو اس کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ضرور ہو گئی تھی...... ایسا ہونا نہیں چاہئے تھا لیکن ایسا ہو رہا تھا...... یہ ایک قدرتی بات تھی...... وردی پوش آفیسر نے کمانڈو حمزہ کے ہاتھ سے بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے اس کے کٹ بیگ پر نگاہ ڈالی تو حمزہ کو ایسے لگا جیسے اس آفیسر کو پتہ چل گیا ہے کہ کٹ بیگ میں پستول اور دستی بم ہیں، لیکن یہ کمانڈو حمزہ کا وہم تھا...... حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی...... وردی پوش آفیسر نے مسکراتے ہوئے کمانڈو حمزہ کو ویلکم کیا اور بورڈنگ کارڈ کا بچا ہوا حصہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

کمانڈو حمزہ کو اس وقت ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی آتش فشاں پہاڑ کے دہانے میں گرتے گرتے بچ گیا ہو...... شیر خان اور دوسرے ساتھی پیچھے آ رہے تھے...... کمانڈو حمزہ سیڑھیاں چڑھ کر طیارے کے دروازے پر آئے تو دونوں جانب طیارے کی ایئر ہوسٹسیں کھڑی تھیں...... انہوں نے کمانڈو حمزہ کو نمسکار اور ویلکم کہا اور اس کے بورڈنگ کارڈ پر سے سیٹ نمبر پڑھ کر جہاز کے اندر ایک جانب اشارہ کیا...... کمانڈو حمزہ نے پستولوں اور دستی بموں والا کٹ بیگ اپنے سینے سے لگا رکھا تھا...... طیارے کے اندر کی فضا میں گورنمنٹ گرلز کالج کی لڑکیاں سوار ہو چکی تھیں...... فضا میں ان کے مختلف پرفیومز کی خوشبوؤں کے ساتھ کافی کی خوشبو بھی پھیلی ہوئی تھی...... ایک ایئر ہوسٹس اندر بھی تھی جو مسافروں کو ان کی نشستوں کی جانب راہنمائی کر رہی تھی...... اس نے کمانڈو حمزہ کے ہاتھ میں پکڑا ہوا بورڈنگ کارڈ دیکھ کر آگے ایک سیٹ

کی طرف جانے کے لئے اشارہ کیا۔ طیارے کے درمیانی حصے کی تقریباً ساری نشستیں مسافروں سے بھری ہوئی تھیں...... کمانڈو حمزہ کی سیٹ دائیں جانب والی چار نشستوں کی قطار میں کھڑکی کے پاس تھی...... وہ اسلحے والا بیگ اوپر سامان کے خانے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا...... اچانک پیچھے سے ایئر ہوسٹس آ گئی اور بولی۔

"سر! لائیے میں آپ کا بیگ اوپر رکھ دیتی ہوں"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"نو تھینکس میڈم...... میں یہ اپنے پاس ہی رکھوں گا"۔

اور وہ بیگ کو اپنی گود میں رکھ کر سیٹ پر بیٹھ گیا...... اس کے بائیں جانب کی اور آگے پیچھے کی ساری نشستیں بھری ہوئی تھیں...... اس کی ساتھ والی سیٹ پر ایک موٹی توند اور سلک کے کرتے والا گجراتی سیٹھ بیٹھا ہندی کا اخبار پڑھ رہا تھا...... کمانڈو حمزہ کو خیال آگیا کہ طیارہ اغوا ہونے کے بعد اس بزدل گجراتی سیٹھ کی ابتر حالت دیکھنے والی ہوگی...... اس سے چار قطاریں چھوڑ کر پیچھے ایک قطار میں شیر خان بیٹھا تھا...... اس سے اگلی ایک سیٹ پر مجاہد شاہد علی بیٹھا تھا...... کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد بہت پیچھے باتھ روم کے سامنے والی قطار میں بیٹھے تھے...... ابھی طیارے میں مسافر داخل ہونے کے بعد اپنی اپنی سیٹیں سنبھال رہے تھے...... جہاز میں ہلکا ہلکا انڈین میوزک چل رہا تھا...... آخر وہ لمحہ بھی آگیا جب ایئر ہوسٹسوں اور دو وردی پوش پرسروں نے سیٹوں کے اوپر سامان رکھنے والے خانوں کو اچھی طرح سے بند کرنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد جہاز پر سے دونوں سیڑھیاں ہٹا دی گئیں...... کمانڈو حمزہ نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ اپنے تمام اسلحہ کے ساتھ جہاز میں موجود ہے...... اتنے میں ایک ایئر ہوسٹس آکسیجن کا ماسک ہاتھ میں لئے نمودار ہوئی اور سپیکر سے آنے والی آواز کے ساتھ ہاتھ کے اشاروں سے آکسیجن ماسک کو ہنگامی حالات میں استعمال کرنے کی ترکیبیں بتانے لگی...... پھر جہاز کے ایک انجن کی ہلکی ہلکی گونج اور تھرتھراہٹ محسوس

ہونے لگی...... اس کے ساتھ ہی جہاز کو ایک ہلکا سا دھچکا لگا اور دائیں جانب حرکت کرنے لگا...... اس وقت جہاز کے سپیکر پر جہاز کے پائلٹ کی آواز بلند ہوئی۔

"نمسکار لیڈیز اینڈ جینٹلمین! فلائٹ اے ٹی 310 کا پائلٹ ہری کرشن چڈہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ کا سواگت کرتا ہے"۔

اس کے بعد پائلٹ چڈہ نے بتایا کہ جہاز اتنی بلندی اور اتنی رفتار کے ساتھ بھوپال سے ہوتا ہوا ڈھائی گھنٹے میں بمبئی پہنچ جائے گا...... جہاز کے اندر انڈین میوزک چل رہا تھا...... جہاز بائیں طرف گھومنے کے بعد سیدھا ہو گیا تھا اور ایک لگی بندھی رفتار پر رن وے کے اس مقام کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سے اس نے اڑان بھرنی تھی...... مختلف رن ویز پر سے گزرنے کے بعد جہاز اس جگہ پر آکر رک گیا جہاں سے اس نے ٹیک آف کرنا تھا۔

جہاز کے اندر انڈین موسیقی رک گئی...... جہاز کے پہلے دو انجن چلے، اس کے بعد دوسرے انجن بھی چلنے لگے...... جہاز میں تھرتھراہٹ پیدا ہو رہی تھی...... پھر ایک دم سے جہاز کو جیسے ایک دھکا لگا اور وہ رن وے پر آگے بڑھا...... ہر سیکنڈ کے بعد اس کی رفتار میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا...... مسافروں نے پہلے ہی سے اپنی اپنی سیٹ بیلٹس باندھ رکھی تھیں...... جہاز کی سپیڈ بہت تیز ہو گئی تھی، جب یہ رفتار ایک خاص حد تک پہنچی تو جہاز کا اگلا حصہ آہستہ سے اوپر کو اٹھ گیا...... اس کے ساتھ ہی جہاز کے پہیوں نے رن وے کی زمین کو چھوڑ دیا اور جہاز کی تھرتھراہٹ بھی ختم ہو گئی اور کمانڈو حمزہ کو اپنا آپ ہلکا ہلکا محسوس ہونے لگا...... جہاز آہستہ آہستہ ایئرپورٹ کے اوپر چکر لگا کر بلندی پکڑ رہا تھا...... جب وہ مطلوبہ بلندی پر آگیا تو اس نے اپنا رخ ایک طرف کر لیا اور اس کی معمول کی پرواز شروع ہو گئی...... جہاز کی ہلکی ہلکی موسیقی پھر سے شروع ہو گئی تھی۔

کمانڈو حمزہ کو ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھیوں میں سے کون کس جگہ پر بیٹھا ہوا ہے...... وہ انہیں ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا...... جب جہاز کو پرواز کرتے ہوئے

آدھا گھنٹہ گزر گیا تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور جہاز کے درمیان والے باتھ روم کی طرف چلنے لگا...... اسلحہ والا کٹ بیگ اس نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا...... اس بیگ کو وہ سیٹ کے نیچے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا...... اس نے دیکھ لیا کہ کمانڈو شیر خان، شاہد اور کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد کہاں کہاں بیٹھے ہوئے ہیں...... انہوں نے بھی کمانڈو حمزہ کو جاتے دیکھ لیا تھا...... کمانڈو حمزہ نے اس خیال سے کہ کہیں وہ بھی اس کے پیچھے باتھ روم کی طرف نہ آ جائیں...... آنکھوں کے اشارے سے اپنے پیچھے آنے منع کر دیا تھا۔

باتھ روم میں داخل ہو کر اس نے دروازہ لاک کر دیا اور باتھ روم کا جائزہ لیا اس نے بیگ ایک طرف رکھا...... آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھا...... ہاتھوں بالوں کو ٹھیک کیا اور بیگ اٹھا کر باتھ روم سے نکل آیا...... واپس اپنی سیٹ پر جا ہوئے بھی اس نے اپنے ساتھیوں سے آنکھیں ملا کر اس بات کا اشارہ دیا کہ سب ٹھ ہے...... وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

جہاز ایک خاص رفتار کے ساتھ پرواز کر رہا تھا۔

انہیں اپنا آپریشن بمبئی کے قریب پہنچ کر شروع کرنا تھا...... ہر کمانڈو جذبات اور احساسات کی کیفیت ایسی تھی جیسے وہ کسی ایسے طاقتور جن کو دبوچ کر بیٹھے ہوئے ہوں جسے انہوں نے بمبئی کے قریب پہنچنے کے بعد کھلا چھوڑ دینا تھا...... انہیں ہوائی سفر بڑا اکتا دینے والا محسوس ہو رہا تھا...... جہاز میں مسافروں کو ریفرشمنٹ د گئی...... پھر جہاز بھوپال کے ایئرپورٹ پر اتر گیا...... کچھ مسافر یہاں اُتر گئے...... کچھ مسافر جہاز میں سوار ہو گئے...... اس کے بعد جہاز ایک بار پھر ٹیک آف کر گیا...... اس جہاز کی منزل بمبئی تھی جس کے قرب وجوار میں پہنچتے ہی انہوں نے طیارے کو ہا جیک کر لینا تھا...... آہستہ آہستہ وہ ہنگامہ خیز لمحات قریب آ رہے تھے۔

بمبئی کا شہر اب زیادہ دُور نہیں رہا تھا...... آخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب جہاز کے پائلٹ

ہری کرشن چڈہ نے سپیکر پر اعلان کیا کہ لیڈیز اینڈ جنٹلمین ہم پندرہ منٹ کے بعد بمبئی کے ایئرپورٹ پر اتر جائیں گے...... اس اعلان کو سنتے ہی کمانڈو حمزہ اپنی جگہ سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا...... اس کو جاتے دیکھ کر ایک ایک کر کے کمانڈو شیر خان، شاہد علی اور کمانڈو محمود اور شمشاد بھی اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے باتھ روم کی طرف چل پڑے۔

کمانڈو حمزہ نے باتھ روم میں داخل ہوتے ہی کٹ بیگ کھول کر اس میں سے آٹو میٹک کمانڈو پستول اور ایک ہینڈ گرنیڈ نکال کر اپنی پتلون کی جیبوں میں چھپایا اور بیگ کو ایک طرف رکھ کر باتھ روم سے باہر نکلا...... باہر شیر خان، شاہد علی، محمود اور شمشاد کھڑے تھے...... اس کے باہر نکلتے ہی کمانڈو شیر خان باتھ روم میں داخل ہو گیا...... اس نے بھی کٹ بیگ میں سے ایک پستول نکال کر پتلون کی جیب میں ڈالا اور ایک منٹ کا وقفہ ڈال کر باتھ روم سے نکل آیا...... اسی طرح اس کے بعد کمانڈو محمود اور پھر کمانڈو شمشاد بھی باتھ روم میں گئے اور اپنا اپنا اسلحہ لباس میں چھپا کر باہر آ کر اپنی اپنی نشستوں پر خاموشی سے بیٹھ گئے...... اب انہیں کمانڈو حمزہ کے سگنل کا انتظار تھا۔

کمانڈو حمزہ نے سب سے پہلے اٹھ کر فسٹ کلاس میں سے گزرتے ہوئے جہاز کے کاک پٹ میں جا کر دونوں ہوابازوں کو قابو کرنا تھا...... باقی ساتھیوں کو اس کے فوراً بعد اپنا ایکشن شروع کر دینا تھا...... جہاز اب آہستہ آہستہ اپنی بلندی کم کرتا جا رہا تھا...... جب کمانڈو حمزہ نے محسوس کیا کہ اب کمانڈو ایکشن شروع کرنے کا وقت آ گیا ہے تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا فسٹ کلاس کا پردہ اٹھا کر جہاز کے کاک پٹ کی طرف بڑھا جہاں دونوں ہواباز جہاز کو نیچے لا رہے تھے...... اسے کاک پٹ کی طرف جاتے دیکھ کر ایک ایئر ہوسٹس نے اسے روکنے کی کوشش کی جس کے جواب میں اس نے ایئر ہوسٹس کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا اور جیب سے پستول اور ہینڈ گرنیڈ نکال کر مسافروں سے کہا۔

"ہم نے جہاز ہائی جیک کر لیا ہے...... سب لوگ خاموشی سے بیٹھے رہیں...... کسی نے کوئی حرکت کی تو اسے گولی سے اُڑا دیں گے"۔

اس کے ساتھ ہی کمانڈو حمزہ نے ایئر ہوسٹس کو پکڑ کر اس کی کنپٹی پر پستول کی نالی لگا کر کہا۔

"کاک پٹ کا دروازہ کھلواؤ...... خبردار...... کوئی فالتو بات کی تو تمہاری کھوپڑی اُڑ جائے گی"۔

ایئر ہوسٹس تھر تھر کانپ رہی تھی۔

اس دوران کمانڈو شیر خان...... شاہد علی...... کمانڈو محمود اور کمانڈو شمشاد بھی پستول نکال کر میدان میں آ گئے تھے اور اس اعلان کے بعد کہ جہاز اغوا کر لیا گیا ہے اپنی اپنی پوزیشنوں پر جا کر کھڑے ہو گئے تھے...... کمانڈو شیر خان اور کمانڈو شاہد علی کے ایک ہاتھ میں پستول تھا جس کا رُخ مسافروں کی طرف تھا...... دوسرے ہاتھ میں دستی بم تھا اور ایک انگلی بم کے چھلے میں تھی جس کو کھینچنے کے بعد بم نے پھٹ پڑنا تھا...... کمانڈو شمشاد پستول اور دستی بم لئے جہاز کے درمیان والے باتھ روم کے پاس پوزیشن سنبھال کر کھڑا ہو گیا تھا...... اس اعلان کے ساتھ ہی کہ جہاز کو ہائی جیک کر لیا گیا ہے مسافروں میں کہرام سا مچ گیا تھا...... کچھ عورتوں نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا تھا...... ان کو روتے دیکھ کر بچے بھی رونے لگے تھے...... آخر کمانڈو محمود اور کمانڈو شیر خان نے چیخ کر کہا۔

"خاموش ہو جاؤ...... نہیں تو تم سب کو باری باری گولی سے اُڑا دیں گے...... خاموشی سے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہو...... خبردار کسی نے کوئی حرکت کی تو وہ مار دیا جائے گا"۔

اس دھمکی کے بعد جہاز میں خاموشی چھا گئی...... کمانڈو شاہد علی اور کمانڈو شمشاد نے عملے کے دو مرد سٹیوارڈز کے ہاتھ باندھ کر جہاز کے سب سے پچھلے باتھ روم میں

بند کر کے دروازے کو لاک کر دیا تھا...... ایئر ہوسٹسوں کو ایک جگہ بٹھا دیا گیا تھا۔

اس دوران کمانڈو حمزہ نے کاک پٹ میں داخل ہوتے ہی ایک ہواباز کی کنپٹی پر پستول رکھ دیا اور کہا۔

"ہم کشمیری کمانڈوز ہیں...... ہم نے جہاز ہائی جیک کر لیا ہے...... تمہاری اور مسافروں کی خیریت اسی میں ہے کہ جیسے ہم کہتے ہیں ویسے کرو"۔

اتنے میں کمانڈو محمود بھی کاک پٹ میں داخل ہو چکا تھا...... اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا...... اس نے کاک پٹ میں آتے ہی دوسرے ہواباز کی گردن پر زور سے مکا مارا اور پستول کی نالی اس کی گردن کے ساتھ لگا دی، جس ہواباز کی کنپٹی پر کمانڈو حمزہ نے پستول کی نالی رکھی ہوئی تھی اس کا نام ہری کرشن چڈہ تھا...... وہ ایسی نازک صورت حال میں کسی قسم کی مزاحمت کر کے جہاز کے مسافروں کی زندگیاں خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا...... کمانڈو حمزہ نے اسے حکم دیا۔

"جہاز کا رُخ دوبئی کی طرف کر دو...... یاد رکھو...... میں تربیت یافتہ پائلٹ ہوں...... تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو تمہاری کھوپڑی اُڑا دوں گا"۔

پائلٹ چڈہ نے کہا۔

"جہاز میں دوبئی تک کا تیل نہیں ہے...... اگر تم ہواباز ہو تو تیل کے میٹر کی سوئی دیکھ سکتے ہو"۔

کمانڈو حمزہ نے اسے حکم دیا۔

"تو پھر جہاز کو شارجہ کی طرف لے چلو...... میں دیکھ رہا ہوں کہ جہاز میں شارجہ کی پرواز کے لئے ایندھن موجود ہے...... کنٹرول ٹاور کو کہہ دو کہ جہاز ہائی جیک ہو گیا ہے...... اس سے آگے ایک نقطہ بھی نہ بولنا"۔

پائلٹ چڈہ نے سب سے پہلے تو جہاز کو کنٹرول میں کر کے اس کو نیچے جانے کی بجائے اوپر اٹھانا شروع کر دیا...... ساتھ ہی وائرلیس پر کنٹرول ٹاور سے کہا۔

"ہمارا جہاز ہائی جیک ہو گیا ہے"۔

اس کے بعد کمانڈو حمزہ نے اس کے ہاتھ سے مائیک چھین کر پرے دھکیل دیا...... کمانڈو محمود نے دوسرے ہواباز کی گردن پر پستول کی نالی رکھی ہوئی تھی...... کمانڈو حمزہ نے جب پینل پر دیکھ لیا کہ جہاز نیچے جانے کی بجائے بلندی کی طرف آ رہا ہے تو اس نے ڈائیل کی سوئیوں کو دیکھتے ہوئے پائلٹ چڈہ کو حکم دیا۔

"اب جہاز کو بمبئی کی ڈومیسٹک روٹ سے نکال کر شارجہ کی انٹرنیشنل روٹ پر ڈال دو"۔

پائلٹ چڈہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کمانڈو ہواباز بھی ہے...... ویسے بھی پائلٹ اس قسم کی صورت حال میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لیا کرتے، کیونکہ یہ صرف ان کی ہی نہیں بلکہ سینکڑوں بے گناہ مسافروں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے، چنانچہ طیارے کے ہواباز کوئی مزاحمت نہیں کیا کرتے اور ہائی جیکر جیسا کہیں ویسا ہی کرتے ہیں...... صرف جہاز کے ایندھن اور اگر جہاز کے انجن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو تو اس سے ہائی جیکروں کو آگاہ کرتے رہتے ہیں...... کمانڈو حمزہ کی نگاہیں جہاز کی سمت بتانے والے ڈائیل پر لگی تھیں...... ڈائیل کی سوئیوں نے بتادیا کہ جہاز نے کافی بلندی حاصل کرنے کے بعد انٹرنیشنل روٹ پر شارجہ کا رخ پکڑ لیا ہے...... کمانڈو حمزہ نے پیچھے ہٹ کر کمانڈو محمود سے کہا۔

"تم کاک پٹ کے دروازے پر پوزیشن سنبھالو گے"۔

یہ کہہ کر کمانڈو حمزہ فسٹ کلاس میں آگیا...... یہاں مسافر سخت پریشانی کی حالت میں تھے...... تقریباً سب کے سب خوفزدہ تھے...... دوسرے مسافروں کا بھی یہی حال تھا...... لکھنؤ گورنمنٹ گرلز کالج کی لڑکیوں کا سب سے برا حال تھا...... ان میں کئی لڑکیاں رونے لگی تھیں...... کمانڈو شیر خان نے انہیں سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"خاموش رہو...... ہم دہشت گرد نہیں ہیں...... فریڈم فائٹرز ہیں...... کشمیر

ے مجاہد ہیں...... تم لوگوں سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے...... ہم کسی کو کچھ نہیں ہیں گے...... ہماری دشمن تمہاری انڈین گورنمنٹ ہے جو کشمیر میں بے گناہ کشمیروں کو لم کا نشانہ بنا رہی ہے...... خاموش رہو اور چپ کر کے بیٹھی رہو...... ہمارے لیڈر کو ہاری حکومت چھوڑ دے گی تو ہم چلے جائیں گے"۔

کمانڈو شیر خان کی مختصر سی تقریر سن کر لڑکیاں چپ ہو گئیں...... ان کی پروفیسر کچھ کہنے لگی تو کمانڈو شمشاد نے غصے سے کہا۔

"بولنے کی ضرورت نہیں...... تم بھی چپ چاپ بیٹھی رہو"۔

کمانڈو حمزہ نے سارے جہاز کے اندر چل کر مسافروں کا جائزہ لیا اور پھر ایک کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا...... جہاز بمبئی کی بلڈنگوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا سمندر کے اوپر آگیا تھا...... اس کا رخ عرب امارات کی طرف تھا...... حمزہ تیز قدموں سے چلتا کاک پٹ میں آگیا...... ریڈیو آفیسر ایک طرف خاموشی سے بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا...... دونوں پائلٹ اپنی اپنی سیٹ پر خاموشی سے بیٹھے جہاز کو آپریٹ کر رہے تھے...... کمانڈو محمود دستی بم اور پستول لئے ان کی نگرانی کر رہا تھا...... کمانڈو حمزہ نے ایک خاص ڈائیل پر نگاہ ڈالی، جہاز بمبئی کی حدود سے نکل چکا تھا...... وائرلیس سیٹ پر بمبئی کے کنٹرول ٹاور کی آواز بار بار سنائی دے رہی تھی۔

فلائٹ اے ٹی 310 ہمیں اپنی Destination بتاؤ...... ہیلو...... فلائٹ نمبر اے ٹی 310 کانٹیکٹ...... تم کس طرف جا رہے ہو"۔

کمانڈو حمزہ نے دونوں ہوابازوں کو جواب دینے سے سختی سے منع کر رکھا تھا...... کچھ وقت گزر جانے کے بعد جہاز شارجہ کی فضائی حدود میں داخل ہوا تو شارجہ ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور نے وائرلیس پر پوچھا۔

"اپنی شناخت کراؤ...... اپنی شناخت کراؤ...... تم غیر قانونی طور پر شارجہ کی فضائی حدود میں داخل ہو رہے ہو"۔

اس موقع پر کمانڈو حمزہ نے مائیکروفون پر کہا۔

"ہیلو شارجہ کنٹرول ٹاور! ہم کشمیر کے حریت پسند مجاہد ہیں...... ہم نے اپنے لیڈر کو انڈیا کی قید سے چھڑانے کے لئے اس جہاز کو ہائی جیک کیا ہوا ہے...... ہمیں شارجہ ایئرپورٹ پر اُترنے کی اجازت دو...... ہم یہاں سے بھارتی حکومت سے رابطہ کر کے بات چیت کرنا چاہتے ہیں...... ہیلو! ہم دہشت گرد نہیں ہیں...... ہم فریڈم فائٹرز ہیں...... ہماری فلائٹ اے ٹی 310 ہے۔

دوسری طرف شارجہ کے کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"ہیلو فلائٹ اے ٹی 310! تمہیں شارجہ ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی...... بہتر ہے کہ تم جدھر سے آئے ہو اسی طرف واپس چلے جاؤ"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"ہیلو شارجہ کنٹرول ٹاور! جہاز کا ایندھن ختم ہو رہا ہے...... اگر ہمیں شارجہ اترنے کی اجازت نہ دی گئی تو جہاز کریش ہو جائے گا"۔

کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"ہیلو فلائٹ اے ٹی 310 پائلٹ سے ہماری بات کراؤ"۔

کمانڈو حمزہ نے مائیک سینئر پائلٹ ہری کشن چڈہ کی طرف بڑھاتے ہوئے پستول کی نالی اس کی کنپٹی سے لگا دی اور سرگوشی میں اسے حکم دیا۔

"کہو کہ جہاز کا تیل ختم ہو رہا ہے"۔

پائلٹ چڈہ نے مائیک پر کنٹرول ٹاور سے کہا۔

"ہیلو شارجہ کنٹرول ٹاور! میں کیپٹن چڈہ سینئر پائلٹ بول رہا ہوں...... ہمارے پاس صرف اتنا ہی تیل بچا ہے جتنا نیچے اترنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے...... اگر ہمیں اترنے کی اجازت نہ دی گئی تو انڈین ایئر لائنز کا یہ طیارہ تباہ ہو جائے گا اور اس میں سوار ایک سو ساٹھ بے گناہ مسافر عملے سمیت مارے جائیں گے"۔

کنٹرول ٹاور کی آواز آئی۔

"تم غلط کہہ رہے ہو...... تمہارے طیارے میں ایندھن موجود ہے...... ہم تمہیں اترنے کی اجازت نہیں دیں گے...... ہم نے تمام رن ویز کو بلاک کر دیا ہے...... تم اوپر سے دیکھ سکتے ہو...... واپس چلے جاؤ"۔

پائلٹ چڈہ نے مائیک بند کر کے کمانڈو حمزہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"یہ لوگ ہمیں اُترنے کی کبھی اجازت نہیں دیں گے"۔

کمانڈو حمزہ نے ایندھن ظاہر کرنے والے ڈائیل کی سوئی کو ایک نظر دیکھا...... طیارے میں صرف اتنا ہی ایندھن بچا تھا کہ وہ گھنٹہ سوا گھنٹہ ہی پرواز کر سکتے تھے...... کمانڈو حمزہ نے مائیک خود تھامتے ہوئے اس کو اون کر کے کہا۔

"ہیلو شارجہ کنٹرول ٹاور! میں کشمیری مجاہد فلائٹ اے ٹی تھری ون زیرو سے بول رہا ہوں...... ہمیں صرف اتنی اجازت دے دو کہ ہم شارجہ کے کسی بھی رن وے پر اتر کر طیارے میں ایندھن بھروا لیں...... اس کے بعد ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم شارجہ سے پرواز کر جائیں گے"۔

دوسری طرف چند لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی...... شارجہ کنٹرول ٹاور کی آواز دوبارہ بلند ہوئی۔

"ہیلو فلائٹ اے ٹی 310 جہاز کے کپتان سے بات کراؤ"۔

کمانڈو حمزہ نے مائیک پائلٹ چڈہ کو دے دیا...... اس دوران جہاز شارجہ ایئرپورٹ کے اوپر مسلسل چکر لگا رہا تھا۔

کیپٹن چڈہ نے کہا۔

میں فلائٹ اے ٹی تھری ون زیرو کا کیپٹن چڈہ بول رہا ہوں۔

کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"بے گناہ مسافروں کی قیمتی جانیں بچانے کے لئے ہم تمہیں اترنے کی اجازت

دے رہے ہیں، لیکن ایندھن لینے کے فوراً بعد تمہیں شارجہ سے چلے جانا ہوگا...... تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارے جہاز کے اِردگرد فوج کا پہرہ لگادیا جائے گا...... تمہیں حکومت کے کسی سفیر یا قونصل کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی...... تمہارے جہاز کو نہ کھانا اور نہ پانی اور نہ ادویات...... کچھ بھی سپلائی نہیں کیا جائے گا...... ہمارے کمانڈوز تمہارے جہاز پر دھاوا بھی نہیں بولیں گے...... پھر بھوک پیاس اور بیماریوں سے تمہارے مسافروں کا اور جہاز کے جیکروں کا جو انجام ہوگا وہ تم بخوبی جانتے ہو...... ہمیں معلوم ہے کہ ہمارا یہ انتباہ ہائی جیکر بھی سن رہے ہیں"۔

جہاز کے کیپٹن پائلٹ چڈہ نے مائیکروفون کمانڈو حمزہ کو دے کر کہا۔

"آپ اس کا جواب خود ہی دیں تو بہتر ہوگا"۔

کمانڈو حمزہ نے کنٹرول ٹاور کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ایندھن لینے کے بعد شارجہ ایئرپورٹ کو چھوڑ دیں گے...... کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"کیپٹن سے بات کراؤ"۔

کیپٹن چڈہ نے کہا۔

"شارجہ کنٹرول! میں سن رہا ہوں"۔

کنٹرول ٹاور نے اسے بتایا کہ فلاں رن وے پر اُتر جاؤ...... جس رن وے پر جہاز کو اُترنے کے لئے کہا گیا تھا وہ ایئرپورٹ شارجہ ٹرمینل سے کافی دُور سب سے الگ تھلگ تھا اور اس کی آخری حد کے آگے صحرا شروع ہو جاتا تھا...... انڈین ایئرلائنز کی فلائٹ اے ٹی 310 کے ہوابازوں نے طیارے کو شارجہ کے الگ تھلگ رن وے پر اتار دیا...... جہاز کے اترنے کے ساتھ ہی شارجہ کی فوج کی کمانڈو فورس کی بٹالین نے جہاز کو گھیرے میں لے لیا...... کمانڈو محمود اور کمانڈو شیر خان اور کمانڈو شمشاد نے جہاز کی تمام کھڑکیوں کے شٹر گرا دیئے...... ایئر ہوسٹس نے مجاہدوں سے اجازت طلب کی کہ

مسافر بھوکے ہیں، انہیں کھانا کھلانا ہے...... مجاہدوں نے اجازت دے دی اور ان کی نگرانی میں مسافروں میں کھانا تقسیم کیا جانے لگا...... دوسری طرف کمانڈو شاہد علی اور کمانڈو حمزہ کاک پٹ میں موجود تھے اور شارجہ ٹرمینل کے کنٹرول ٹاور سے مصروف گفتگو تھے...... کمانڈو حمزہ نے کنٹرول ٹاور سے کہا۔

"ہم کشمیری حریت پسند ہیں...... ہم دہشت گرد نہیں ہیں...... شارجہ میں بھارتی قونصل جنرل کو بلوایا جائے"۔

کنٹرول ٹاور نے جواب دیا۔

"ہم نے تم لوگوں کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمہیں یہاں کسی سے براہ راست رابطہ پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی...... تمہیں کھانا وغیرہ بھی سپلائی نہیں کیا جائے گا...... جہاز میں صرف ایندھن بھر دیا جائے گا...... اس کے فوراً بعد تمہیں یہاں سے پرواز کر جانا ہوگا"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"اگر تم بھارتی قونصل جنرل کو نہیں بلوا سکتے تو انہیں ہمارا پیغام پہنچا دو کہ جب تک ادھم پور جیل سے حریت کانفرنس کے کشمیری لیڈر خواجہ اسد اللہ کو رہا نہیں کیا جائے گا، ہم جہاز کے بھارتی مسافروں کو نہیں چھوڑیں گے"۔

کنٹرول ٹاور نے کہا۔

"ہم یہ پیغام بھی نہیں پہنچا سکتے...... تم لوگ تیل لے کر یہاں سے نکل جاؤ"۔

کنٹرول ٹاور نے رابطہ کاٹ دیا...... کمانڈو محمود نے جو پستول اور دستی بم لے کر کاک پٹ کے دروازے پر مستعد ہو کر کھڑا تھا۔

کمانڈو حمزہ سے کہا۔

"شارجہ کنٹرول ٹاور سے بات کرنی بیکار ہے...... تیل لے لیتے ہیں"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"تم یہاں اپنی پوزیشن پر ہی رہو...... ریڈیو آپریٹر اور ان دونوں پائلٹوں میں سے کسی نے بھی اپنے طور پر وائرلیس پر کسی سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی تو اسے فوراً شوٹ کر دینا"۔

کمانڈو حمزہ تیزی سے کاک پٹ سے نکل کر فرسٹ کلاس میں سے ہوتا ہوا کمانڈو شیر خان اور شاہد علی کے پاس آ گیا...... انہوں نے ایک کھڑکی کا شٹر اوپر اٹھا کر باہر دیکھا جہاز میں تیل بھرا جا رہا تھا...... مسافر خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے...... ایک ایک سٹوڈنٹ لڑکی نے روتے ہوئے شیر خان سے کہا۔

"سر! مجھے یہیں اتار دیں میری طبیعت خراب ہو رہی ہے"۔

شیر خان نے ایئر ہوسٹس سے کہا۔

"اسے کوئی دوائی دے دو"۔

پھر اس نے گرلز کالج کی تمام سہمی ہوئی لڑکیوں اور دوسرے مسافروں سے کہا۔

"جب تک ہمارے لیڈر کو تمہاری حکومت رہا نہیں کر دیتی تم میں سے کوئی بھی طیارے سے باہر قدم نہیں رکھ سکے گا...... خبردار اب کوئی ہم سے بات کرنے کی کوشش نہ کرے"۔

کمانڈو حمزہ کمانڈو شیر خان کو ایک طرف لے گیا اور بولا۔

"شیر خان! ہمیں شارجہ سے نکل جانا ہوگا...... تمہارے خیال میں ہمیں کہاں جانا چاہئے...... آگے تو مشرق وسطیٰ کے مسلمان ملک شروع ہو جاتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ کوئی ملک ہمیں اپنے ایئرپورٹ پر اترنے کی اجازت نہیں دے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"میری مانو...... ہم جہاز کو سیدھا لندن لے چلتے ہیں...... وہاں بھارت کے ہائی کمشنر سے براہ راست بات چیت ہو سکے گی...... برطانوی حکومت مجھے یقین ہے ایک سو ستر مسافروں کی جان بچانے کی خاطر جہاز کو اپنے کسی نہ کسی ایئرپورٹ پر اترنے کی

اجازت دے دے گی"۔

"ٹھیک ہے...... ہم یہاں سے سیدھا لندن کی طرف جائیں گے"۔

جب جہاز میں ایندھن بھرا جا چکا اور کاک پٹ کے ڈائیل نے دکھا دیا کہ تیل کی ٹینکیاں فل ہو گئی ہیں تو کمانڈو حمزہ نے پائلٹ چڈہ سے کہا۔

"یہاں سے لندن کی طرف چلو"۔

پائلٹ نے کہا۔

"اس میں خطرہ ہے"۔

"کیا خطرہ ہے؟" کمانڈو حمزہ نے پوچھا۔

پائلٹ نے کہا۔

"ایئر بس کے لئے جہاز میں ایندھن ناکافی ہوگا"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"میں جانتا ہوں اتنے لمبے روٹ کے لئے کتنے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے...... تم جہاز کو ٹیک آف کرنے کی تیاری کرو"۔

آدھ گھنٹے کے بعد انڈین ایئر لائنز کا طیارہ شارجہ ایئرپورٹ سے پرواز کے بعد فضا میں پہنچ چکا تھا...... اس کا رُخ لندن کی طرف تھا...... چھ سات گھنٹے کی پرواز تھی...... مسافروں کی حالت خراب سے خراب ہوتی جا رہی تھی...... ایک مسافر کو دل کا دورہ بھی پڑ گیا...... اُسے ایئر ہوسٹسوں نے فسٹ ایڈ دے کر کسی قدر سنبھال لیا...... بچے تھوڑی دیر بعد رونے لگتے تھے...... عورتوں پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری تھی...... پانچوں مجاہدوں کا مسافروں کے ساتھ رویہ بڑا سخت تھا...... وہ بار بار جہاز کو اُڑا دینے کی دھمکیاں دیتے تھے...... دستی بم ان کے ہاتھوں میں تھے جن کے صرف پن کھینچنے کی دیر تھی۔

کمانڈو حمزہ اور کمانڈو شیر خان نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر ہمارا مطالبہ بھارتی

حکومت نے نہ مانا تو ہم جہاز کو اپنے اور تمام مسافروں سمیت دھماکوں سے اُڑا دیں گے
سبھی مسافروں پر موت کا خوف طاری تھا...... کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے...... جہاز رات کے وقت برطانیہ کی فضائی حدود میں داخل ہو ہیتھرو ایئرپورٹ (لندن) کے کنٹرول ٹاور نے جہاز سے رابطہ پیدا کرنے کے بعد پوچھا

"تم کون ہو؟ تم شیڈول کے بغیر ہماری فضا میں غیر قانونی طور پر داخل ہو ہو...... اپنی شناخت کراؤ"۔

اتنے میں فضا میں گڑگڑاہٹ کی آوازیں گونجنے لگیں...... کمانڈو شیر خان نے ایک کھڑکی میں سے باہر دیکھا...... اسے اندھیری فضا میں کچھ لڑاکا جیٹ طیاروں کے سائے اور جلتی بجھتی سرخ اور سبز روشنیاں دکھائی دیں...... دو جیٹ لڑاکا طیارے ان کی ایئربس کے اوپر سے غوطہ لگا کر گزر گئے۔

کمانڈو حمزہ کاک پٹ میں موجود تھا...... اس نے لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ سے رابطہ پیدا کرتے ہوئے جہاز کے پائلٹ چڈہ سے کہا کہ کنٹرول ٹاور کو بتاؤ کہ ہمارے جہاز کا ایندھن ختم ہو رہا ہے...... اگر ہمیں ایئرپورٹ پر اترنے کی اجازت نہ دی گئی جہاز ایک سو ستر مسافروں کے ساتھ گر کر تباہ ہو جائے گا...... ہیتھرو ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور نے پوچھا۔

"تمہاری فلائٹ ہمارے شیڈول میں نہیں ہے...... کیا تمہارا جہاز ہائی جیک گیا ہے؟"۔

کمانڈو حمزہ نے پستول کی نالی انڈین ہواباز چڈہ کی کنپٹی سے لگا رکھی تھی اور ا پہلے ہی سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ یہ بات ہرگز ہرگز کنٹرول ٹاور کو نہیں بتائے گا جہاز کو حریت پسندوں نے ہائی جیک کیا ہوا ہے...... انڈین ہواباز نے کنٹرول ٹاور کو کہ ہمارا جہاز ہائی جیک نہیں ہوا...... کنٹرول ٹاور نے پوچھا۔

"اگر ہائی جیک نہیں ہوا تو پھر تم بغیر شیڈول اور پیشگی اطلاع کے برطانیہ کی فضا

حدود میں کیسے آگئے ہو؟"۔

انڈین ہواباز نے کہا۔

"ہماری ایئربس میں ٹیکنیکل خرابی پیدا ہو گئی تھی...... ہمیں استنبول اترنا تھا مگر ہمارے راڈار نے کام کرنا بند کر دیا اور یوں ہم فضا میں سمت بھول گئے...... ہمارے وائرلیس آپریٹر نے بھی وقتی طور پر کام کرنا بند کر دیا تھا...... ہم چھ گھنٹوں سے فضا میں بھٹک رہے تھے کہ اچانک ہمارا وائرلیس سسٹم اپنے آپ ٹھیک ہو گیا اور راڈار نے بھی دوبارہ کام کرنا شروع کر دیا...... اس دوران ہمارے جہاز کا ایندھن تقریباً ختم ہو چکا تھا...... صرف اتنا ہی تیل باقی تھا کہ ہم کسی جگہ اُتر سکتے تھے...... ہمیں ہمارے فضائی روٹ کے کمپیوٹر نے بتایا کہ ہم برطانیہ کی فضاؤں میں داخل ہو چکے ہیں...... بس یہ ہماری کہانی ہے...... برائے مہربانی ہمیں ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترنے کی اجازت دی جائے...... ہم تیل لے کر فوراً واپس استنبول چلے جائیں گے...... مسافروں میں سے اکثر کی حالت خراب ہو رہی ہے"۔

ہیتھرو ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور پر کچھ دیر خاموشی رہی...... پھر آواز آئی۔

"ہمارے ایئرپورٹ کا کوئی رن وے خالی نہیں ہے...... تم جرمنی چلے جاؤ...... فرینکفرٹ کا ایئرپورٹ یہاں سے قریب ہی ہے...... اس سے رابطہ پیدا کر کے وہاں اتر جاؤ"۔

انڈین ہواباز چڈہ نے کہا۔

"جہاز میں اتنا ایندھن نہیں ہے...... اگر میں نے فرینکفرٹ کا رُخ کیا تو جہاز راستے میں ہی گر کر تباہ ہو جائے گا"۔

لندن ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور نے ایک سو ستر انسانی جانوں کو بچانے کے خیال سے انڈین ایئرلائنز کی فلائٹ اے ٹی 310 کو اترنے کی اجازت دے دی۔

عین اس وقت جبکہ جہاز کے پہیوں نے زمین پر آ کر رن وے کو چھوا شارجہ میں

مقیم انڈین قونصل جنرل کا لندن میں تعینات بھارتی ہائی کمشنر کو خفیہ پیغام وصول ہوا کہ انڈین ایئر لائنز کا ایک مسافر بردار جہاز جس میں ایک سو ستر مسافر سوار ہیں کشمیری حریت پسندوں نے اغوا کر لیا ہے اور وہ براستہ شارجہ آگے مڈل ایسٹ یا یورپ کے کسی ملک کی طرف جا رہے ہیں...... اگر وہ لندن کے ایئرپورٹ پر اتریں تو جہاز کے مسافروں کو ہر صورت میں دہشت گردوں سے نجات دلائی جائے، کیونکہ مسافروں میں لکھنؤ گرلز کالج کی تیس طالبات بھی ہیں جن میں فوجی جرنیلوں اور اعلیٰ سول آفیسروں کی بیٹیاں بھی شامل ہیں...... لندن میں مقیم بھارتی ہائی کمشنر نے اسی وقت برطانیہ کی وزارت داخلہ کو اس خبر سے آگاہ کر دیا اور اپنے پریس اتاشی کو ہیتھرو ایئرپورٹ کی طرف روانہ کر دیا...... اسی دوران بھارتی ہائی کمشنر کو ان کے عملے کے ہی ایک جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ انڈین ایئر لائنز کا ایک مسافر بردار جہاز اے ٹی 310 جس میں ایک سو ستر مسافر سوار ہیں ٹیکنیکل خرابی کے باعث ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترا ہے۔

برطانوی وزارت نے برطانیہ کی وزارت سول ایوی ایشن کو اغوا ہونے والے جہاز کی اطلاع کر دی...... سول ایوی ایشن نے ہیتھرو ایئرپورٹ کے چیف سے رابطہ پیدا کیا اور بھارتی طیارے کے بارے میں پوچھا تو ہیتھرو ایئرپورٹ اور کنٹرول ٹاور والوں کو اس وقت معلوم ہوا کہ جہاز کسی ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے ایئرپورٹ پر نہیں اترا بلکہ یہ جہاز ہائی جیک ہو چکا ہے اور اس کی ساری مصیبت اب لندن کے ایئرپورٹ والوں پر اور برطانوی حکومت پر پڑ گئی ہے...... محکمے نے پہلا کام تو یہ کیا کہ سب سے پہلے کنٹرول ٹاور کے ان ارکان کو فوری طور پر معطل کر دیا جو اغوا شدہ طیارے کو ہیتھرو ایئرپورٹ پر اتارنے کے ذمے دار تھے...... اس کے بعد پولیس چیف اور برطانوی فضائیہ کے سربراہ کو بھی اس حادثے سے مطلع کر دیا...... اس کے بعد ہائی جیک کرنے والی پارٹی یعنی اپنے پانچوں کمانڈو مجاہدوں سے بات چیت شروع کر دی۔

اس دوران میں کمانڈو حمزہ نے بھی ہیتھرو ایئرپورٹ لندن کے کنٹرول ٹاور کو بھی

صحیح صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتا دیا کہ ہم نے جہاز کو اغوا کیا ہوا ہے اور جہاز کے عملے سمیت ایک سو ستر مسافروں کو یرغمالی بنا لیا ہے اور اگر بھارتی حکومت نے ہمارے کشمیری لیڈر خواجہ اسد اللہ کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ادھم پور جیل سے رہا نہ کیا تو ہم جہاز کو مسافروں سمیت اڑا دیں گے۔

اب ہائی جیکنگ کا پیچیدہ اور مسافروں کے لئے انتہائی تکلیف دہ مرحلہ شروع ہوگیا...... بھارتی ہائی کمشنر کے ذریعے بھارتی حکومت سے گفت و شنید ہونے لگی...... پہلے تو انڈین گورنمنٹ نے جہاز کے اغوااور مجاہدوں کے مطالبات کو کوئی اہمیت نہ دی بلکہ کشمیری حریت پسند لیڈر کو رہا کرنے سے صاف انکار کر دیا، لیکن جب اغواشدہ جہاز میں موجود بعض بھارتی فوجی جرنیلوں اور اعلیٰ سول افسروں کی طرف سے زبردست دباؤ پڑا تو بھارتی حکومت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئی......اس کے باوجود بھارتی حکومت نے برطانوی حکومت سے استدعا کی کہ وہ اپنے کمانڈوز کی مدد سے جہاز کے مسافروں کو رہا کروائے اور ہائی جیکروں کو گرفتار کرنے میں اس کی مدد کرے، جس پر برطانوی حکومت نے یہ کہتے ہوئے کمانڈو ایکشن لینے سے صاف انکار کر دیا کہ ہم جہاز کے مسافروں کو ادویات، خوراک اور ضرورت کی دوسری اشیاء ضرور فراہم کر دیں گے لیکن اپنے کمانڈوز اور مسافروں کی زندگیاں خطرے میں ڈالنے سے گریز کریں گے۔

اس دوران جہاز کو ہیتھرو ایئرپورٹ پر کھڑے تین دن ہوگئے تھے اور جہاز کے مسافروں کی حالت خراب سے خراب ہوتی جارہی تھی...... تب بھارتی حکومت نے مجاہدوں کے مطالبے کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کر لیا...... ساتھ ہی برطانوی حکومت سے کہا کہ وہ جہاز اغوا کرنے والوں کو گرفتار کر کے بھارتی حکومت کے حوالے کر دیں...... برطانیہ کی وزارت داخلہ نے اس کے جواب میں کہا کہ ہائی جیکروں کو ہم بین الاقوامی

ون کے تحت ضرور گرفتار کریں گے، لیکن ان پر ہم اپنی سرزمین پر ہی مقدمہ چلا کر یں سزائیں دیں گے...... ہم انہیں بھارتی حکومت کے حوالے کرنے کے پابند نہیں ...... اس کا بھارتی حکومت کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

جب جہاز کے اندر پانچوں مجاہدوں، یعنی کمانڈو حمزہ، کمانڈو شیر خان، شاہد علی، انڈو محمود اور شمشاد کو اطلاع دی گئی کہ انڈین گورنمنٹ کشمیری لیڈر کو رہا کرنے پر ضی ہوگئی ہے تو جہاز مجاہدین کے اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا اور نیم مردہ سافروں کی جان میں بھی جان آئی...... کمانڈو حمزہ نے کنٹرول ٹاور کے ذریعے لندن ں بھارتی ہائی کمشنر سے خواجہ صاحب کی رہائی کا طریق کار یہ طے پایا کہ کشمیری لیڈر کو ھم پور جیل کے باہر کل جماعتی حریت کانفرنس کے قائم مقام سیکرٹری جنرل کے والے کیا جائے گا اور کل جماعتی حریت کانفرنس کے قائم مقام سیکرٹری جنرل سے انڈو حمزہ کی فون پر بات چیت ہوگی...... جب مجاہدوں کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے یڈر کو رہا کر کے حریت کانفرنس کے حوالے کر دیا گیا ہے اور وہ انہیں مجاہدوں کے کسی فیہ ٹھکانے پر لے جا چکے ہیں تو جہاز کے تمام مسافروں کو رہا کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد مجاہدوں یعنی کمانڈو حمزہ اور کمانڈو شیر خان اور ساتھیوں نے یہ بھی طالبہ کیا کہ ان کی پارٹی کو ایک ہیلی کاپٹر مہیا کیا جائے گا جس میں بیٹھ کر وہ برطانیہ کی رحدوں سے نکل کر کسی دوسرے قریبی ملک میں چلے جائیں گے...... برطانوی حکومت نے مجاہدوں کے اس مطالبے کو تسلیم کر لیا اور جہاز سے کچھ فاصلے پر ایک ہیلی کاپٹر کو لا کر کھڑا کر دیا، لیکن یہ عیار برطانوی حکومت کی ایک چال تھی...... وہ برطانوی حکومت ہر حالت میں پانچوں مجاہدوں کو گرفتار کر کے اپنی عدالتوں میں ان پر مقدمہ چلانا اور انہیں بین الاقوامی قانون کے مطابق موت کی سزا دلوانا چاہتی تھی...... تاکہ برطانوی قانون کی ساکھ بھی قائم رہے اور ان کے انڈیا کے ساتھ تعلقات بھی خراب نہ ہوں"۔

مجاہدوں کا جموں کے ساتھ رابطہ قائم کر دیا گیا...... کل جماعتی حریت کانفرنس کا قائم مقام سیکرٹری وہاں پہنچ گیا...... اس سے خود کمانڈو حمزہ نے بات کی...... وہ سیکرٹری جنرل کی آواز کو اچھی طرح سے پہچانتا تھا...... ایک گھنٹے کے اندر اندر کشمیری لیڈر خواجہ اسد اللہ کو ادھم پور جیل کی پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال کر حریت کانفرنس کے سیکرٹری جنرل اور وہاں موجود حریت کانفرنس کے دوسرے لیڈروں کے حوالے کر دیا گیا...... اس کے دو گھنٹوں کے بعد جب حریت کانفرنس کے قائم مقام سیکرٹری نے ٹیلی فون پر ہی کمانڈو حمزہ اور کمانڈو شیر خان اور مجاہد شاہد علی کو بتایا کہ وہ کشمیری لیڈر خواجہ صاحب کو لے کر ایک محفوظ اور خفیہ مقام پر پہنچ چکے ہیں اور خود کشمیری لیڈر نے بھی لندن ایئرپورٹ پر جہاز میں موجود مجاہدوں سے بات کی اور بتایا کہ وہ بالکل محفوظ ہیں اور انہیں دوبارہ پکڑے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہے تو کمانڈو حمزہ نے جہاز کے مسافروں کو رہا کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان سے جہاز کے مسافروں اور عملے کے ارکان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی...... سب سے پہلے عورتوں کو، بچوں کو ایمرجنسی دروازوں سے باہر نکالا گیا...... اس کے بعد دوسرے مسافروں کو نکالا گیا...... سب سے آخر میں جہاز کے عملے کے ارکان کو جہاز کی قید سے نجات ملی...... اس دوران کمانڈو حمزہ اور اس کے ساتھیوں کو بتا دیا گیا تھا کہ ان کے لئے ہیلی کاپٹر اتار دیا گیا ہے جو جہاز سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہے...... اس ہیلی کاپٹر کو تمام مجاہدوں نے دیکھ بھی لیا تھا...... انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ جیسے ہی جہاز میں سے آخری مسافر باہر نکلے گا ہیلی کاپٹر کو جہاز کے پاس لے آیا جائے گا جس میں سوار ہو کر وہ لوگ برطانیہ کی سرحد سے باہر نکل سکیں گے۔

جس وقت طیارے میں سے عملے کے ارکان سمیت تمام مسافر نکل کر ایئرپورٹ کی بلڈنگ میں چلے گئے اور جہاز کے اندر صرف پانچوں مجاہد یعنی کمانڈو شیر خان، کمانڈو حمزہ، محمود، شاہد علی اور شمشاد ہی رہ گئے تو ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور نے ان سے رابطہ

پیدا کرنے کے بعد کہا۔

آپ کو برطانیہ کی سرحد سے پار لے جانے کے لئے ہیلی کاپٹر تیار کھڑا ہے، لیکن ہماری صرف ایک شرط ہے کہ آپ اپنے پستول اور دستی بم ہمارے حوالے کر دیں، کیونکہ اگر یہ اسلحہ آپ کے پاس رہے گا تو ہمیں خطرہ ہے کہ آپ ہمارے ہیلی کاپٹر کو بھی عملے سمیت اغوا کر کے کسی طرف لے جا سکتے ہیں...... ایسا ہم صرف اپنی حفاظت کے لئے کر رہے ہیں"۔

اس پیغام کے ملتے ہی پانچوں مجاہد کمانڈو آپس میں مشورہ کرنے لگے...... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"یہ ان لوگوں کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے...... عین ممکن ہے انہوں نے ہمیں گرفتار کرنے کا پروگرام بنایا ہوا ہو"۔

کمانڈو حمزہ کہنے لگا۔

"لیکن اب ہم کیا کر سکتے ہیں...... ہم نے تو اپنی تمام کشتیاں جلا دی ہیں...... ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اپنا اسلحہ ان کے حوالے کر دیں"۔

شاہد علی بولا۔

"ہم ایک دستی بم اور ایک پستول چھپا کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں...... اگر ہمیں گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم اپنی مدافعت کر سکیں گے"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"مسافروں نے لندن پولیس کو بتا دیا ہے کہ ہم پانچ مجاہد ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک پستول اور ایک ایک دستی بم ہے...... کنٹرول ٹاور پر سے سکاٹ لینڈیارڈ کے چیف نے باقاعدہ کہا ہے کہ ہمیں پانچوں پستول اور دستی بم ان کے حوالے کرنے ہوں گے"۔

کمانڈو محمود بولا۔

"ہم سے غلطی ہو گئی ہے...... ہمیں ایک دو مسافر یرغمالی بنا کر جہاز میں ہی رکھنے
چاہئے تھے...... اب کچھ نہیں ہو سکتا...... ہمیں پولیس کے مطالبے کو تسلیم کرنا
پڑے گا"۔

اتنے میں ایک ہیلی کاپٹر جہاز کے اوپر چکر لگاتا ہوا آیا اور جہاز سے کچھ دور رن
وے پر اتر گیا...... کمانڈو شیر خان بولا۔

"ہیلی کاپٹر بھی آ گیا ہے"۔

کمانڈو حمزہ نے کہا۔

"غور سے دیکھو...... ہیلی کاپٹر میں پائلٹ کے علاوہ کون کون ہے؟"۔

وہ سب جہاز کی کھڑکیوں میں سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہیلی کاپٹر کو دیکھنے لگے۔

شاہد علی بولا۔

"مجھے صرف پائلٹ ہی نظر آ رہا ہے، ہو سکتا ہے کچھ کمانڈوز اندر چھپے ہوئے
ہوں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہم بھی یہ شرط رکھ دیتے ہیں کہ ہم ہیلی کاپٹر کی تلاشی لینے کے بعد اس میں
سوار ہوں گے"۔

کمانڈو حمزہ نے وائرلیس کے ذریعے کنٹرول ٹاور کو اپنی شرط سے آگاہ کر دیا۔
کنٹرول ٹاور میں بیٹھے ہوئے پولیس چیف نے جواب میں کہا۔

"آپ لوگ ہیلی کاپٹر کی تلاشی لے سکتے ہیں"۔

اس وقت رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا...... ایئرپورٹ کے ٹرمینل میں کافی
روشنیاں تھیں مگر جس الگ تھلگ رن وے پر اغوا کیا ہوا جہاز کھڑا تھا وہاں اندھیرا
تھا...... صرف جہاز کے اندر کی بتیاں روشن تھیں یا پھر ہیلی کاپٹر پر سرخ اور سبز بتیاں
جل بجھ رہی تھیں...... کمانڈو حمزہ نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ پوزیشنیں بنا کر اندھیرے

میں ہیلی کاپٹر کی طرف جائیں گے...... تاکہ اگر ہیلی کاپٹر کے اندر سے فوج ہم پر حملہ
کر دیں تو ہم ان کا مقابلہ کر سکیں۔

مجاہد شاہد علی نے کہا۔

"ہمارے پاس صرف پستول ہیں اور پانچ دستی بم ہیں...... ہم زیادہ دیر تک مقابلہ
نہیں کر سکیں گے"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"اگر ہم پر حملہ کیا گیا تو ہم یونہی تو اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کر دیں
گے...... ہم آخر دم تک مقابلہ کریں گے اور اگر حالات ہمارے خلاف ہو گئے تو ہم میں
سے ہر کوئی فرار ہونے کی کوشش کرے گا...... پھر ایک دوسرے کی خبر رکھنے کی
ضرورت نہیں ہو گی، جس کو جس طرف راستہ ملے گا بھاگ جائے گا...... اگر زندہ رہے
تو پھر بھی ملاقات ہو جائے گی، مگر کنٹرول ٹاور کو ہم یہی بتائیں گے کہ ہمارا ایک کمانڈو
ہیلی کاپٹر کی تلاشی لینے آ رہا ہے...... باقی ہم چاروں کمانڈو اندھیرے میں متحرک
پوزیشنیں بنا کر اپنے ساتھی کو حفاظتی چھتری یعنی کور شیلڈ مہیا کریں گے"۔

اس فیصلے کے بعد کمانڈو حمزہ نے وائرلیس پر کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کیا اور
پولیس چیف سے کہا۔

"ہمارا ایک آدمی ہیلی کاپٹر کی تلاشی لینے جہاز سے باہر نکل رہا ہے...... اگر اس نے
ہمیں اشارہ کر دیا کہ ہیلی کاپٹر میں پولیس یا فوجی موجود نہیں ہیں تو ہم اسلحہ آپ کے
آدمی کے حوالے کر کے ہیلی کاپٹر میں سوار ہو جائیں گے"۔

پولیس چیف نے کہا۔

"ہمیں منظور ہے...... آپ اپنا آدمی ہیلی کاپٹر کی طرف بھیجیں"۔

سکاٹ لینڈ یارڈ یعنی لندن کی پولیس نے جو چال چلی تھی اس سے یہ مجاہد بدقسمتی
سے بے خبر تھے...... جس وقت پولیس چیف نے کمانڈو حمزہ سے کہا تھا کہ اپنا آدمی ہیلی

کاپٹر کی طرف بھیجیں، اس وقت تک برٹش آرمی کی کمانڈو بٹالین کے فوجی جہاز اور ہیلی کاپٹر کے اِرد گرد اندھیرے میں پوزیشنیں سنبھال چکے تھے...... کمانڈو شمشاد ہیلی کاپٹر کی چیکنگ کے لئے جہاز سے اتر کر ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا...... جیسے ہی وہ ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچا اور اس پر ہیلی کاپٹر کی روشنی پڑی، گھات میں چھپے ہوئے برٹش کمانڈو پارٹی نے اس پر فائر کھول دیا...... کمانڈو شمشاد گولیوں سے چھلنی ہو کر گرا...... کمانڈو حمزہ نے چلا کر کہا۔

"شیر خان! اٹیک!"۔

اس کے ساتھ ہی کمانڈو شیر خان، شاہد علی، کمانڈو محمود اور کمانڈو حمزہ نے جس طرف سے کمانڈو شمشاد پر فائر آیا تھا اس طرف فائرنگ شروع کر دی...... کمانڈو حمزہ نے ہینڈ گرنیڈ بھی پھینکا، لیکن صرف پستولوں اور چار دستی بموں سے یہ لوگ برٹش آرمی کی پوری کمانڈو بٹالین کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے...... کمانڈو شمشاد تو شہید ہو چکا تھا...... انہوں نے منصوبے کے مطابق فائرنگ کرتے ہوئے اندھیرے میں رن وے کے دوسرے رُخ کی جانب کھسکنا شروع کر دیا۔

ان پر برطانوی کمانڈوز کا بے پناہ فائر آ رہا تھا، لیکن یہ بھی کمانڈو تھے...... انہیں اپنا بچاؤ کرنا آتا تھا، مگر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے...... ایک کو دوسرے اور دوسرے کو اپنے تیسرے ساتھی کی خبر نہیں تھی...... ان کا منصوبہ بھی یہی تھا کہ اگر حملہ ہو جائے تو جان بچا کر جس طرف راہ ملے فرار ہونے کی کوشش کی جائے...... کمانڈو شیر خان بھی اپنے ساتھیوں سے جدا ہو چکا تھا اور رن وے کی دوسری طرف گھاس اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا پیچھے ہٹ رہا تھا...... ساتھ ساتھ وہ اکا دکا فائر بھی کرتا جا رہا تھا...... اس کے پاس صرف ایک ہی میگزین تھا جس کی گولیاں ختم ہوتی جا رہی تھیں...... اس کے پاس صرف ایک دستی بم تھا جو اس نے کسی خطرناک موقع کے لئے سنبھال لیا تھا۔

وہ اندھیرے میں تھا...... کھلی جگہ پر آیا تو وہاں سرد دھند نے کمانڈو شیر خان کو ایک اچھی آڑ مہیا کر دی تھی...... اس کے میگزین میں چند ایک گولیاں ہی باقی رہ گئی تھیں، جس طرف وہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اس طرف کچھ فاصلے پر تین بلند عمارتیں نظر آ رہی تھیں جن میں روشنی ہو رہی تھی...... ان عمارتوں کے پیچھے تاریکی چھائی ہوئی تھی...... کمانڈو شیر خان لندن صرف ایک بار ہی آیا تھا اور یہاں کے علاقوں سے وہ زیادہ واقف نہیں تھا، لیکن اس وقت اسے ہر حالت میں اپنی جان بچانی تھی اور بے موت نہیں مرنا تھا...... وہ رات کے پچھلے پہر کے اندھیرے اور لندن کی سرد دُھند میں دُور سے نظر آنے والی عمارتوں کی دُھندلی روشنیوں کی طرف دوڑنے لگا۔

یہ عمارتیں بھی ہیتھرو یعنی لندن ایئرپورٹ کا ایک حصہ تھیں...... کمانڈو شیر خان ان کے پہلو سے ہو کر آگے نکل گیا...... آگے خاردار تاروں کی ایک اونچی لمبی دیوار تھی...... شیر خان دیوار کے ساتھ پیچھے کی طرف دوڑنے لگا...... لندن کا رات کے پچھلے پہر کا آسمان سرد اور تاریک تھا...... صرف مشرقی اُفق پر ہلکی ہلکی بیمار سی سفید روشنی اُبھرنے لگی تھی...... خاردار دیوار ختم ہونے میں ہی نہیں آتی تھی...... شیر خان نے دستی بم اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں رکھ لیا تھا...... اس کے ہاتھ میں آٹومیٹک پستول تھا جس میں چند ایک گولیاں ہی باقی رہ گئی تھیں...... اس نے سرد دُھند اور اندھیرے میں دیکھا کہ دیوار کے نیچے ایک جگہ گڑھا پڑا ہوا تھا...... شاید وہاں سے بارش کا پانی مسلسل گزرتا رہا تھا جس کی وجہ سے پانی وہاں سے مٹی کو بہا کر لے گیا تھا۔

کمانڈو شیر خان گڑھے میں اُتر کر رینگ کر خاردار تار والی دیوار کی دوسری طرف آ گیا...... اب وہ لندن ایئرپورٹ کی حدود سے نکل آیا تھا...... اس نے ایک چھوٹی سی سڑک کراس کی اور سامنے درختوں کے جھنڈ میں گھس گیا...... یہ کوئی جنگل نہیں تھا بلکہ بہت بڑا پارک تھا...... پارک کے وسط میں میدان تھا جس کے کنارے کنارے لکڑی کا جنگلا لگا ہوا تھا...... کمانڈو شیر خان جنگلے کے ساتھ ہو کر تیز تیز چلنے لگا...... اب

وہ دوڑ نہیں رہا تھا..... اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ کسی حد تک خطرے کی حدود سے دور ہو چکا ہے..... اس نے ایک جگہ رُک کر اپنے سانس کو بحال کیا..... اپنی جیبوں کی تلاشی لی..... اس کے پاس انڈین کرنسی کے سو سو کے تین نوٹ اور کچھ ریزگاری تھی..... یہ کرنسی لندن میں فوری طور پر اس کے کام نہیں آسکتی تھی..... یہ کرنسی برطانوی پونڈ میں تبدیل ہو کر ہی اس کے کسی کام آسکتی تھی۔

حالت یہ تھی کہ کمانڈو شیر خان اس علاقے سے بالکل بے خبر تھا..... سردی بڑی شدید پڑ رہی تھی اس نے صرف ایک قمیض ہی پہن رکھی تھی..... دوڑتے اور تیز تیز چلتے وقت تو اسے سردی کا اتنا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا لیکن اب جبکہ وہ نارمل رفتار سے چل رہا تھا اور کوئی پناہ گاہ تلاش کرنے کی فکر میں تھا تو اسے سردی لگنے لگی تھی..... یورپ کی سردی ہمارے ہاں کی سردی سے بڑی مختلف اور شدید ہوتی ہے..... ہمارے ملک میں تو سردی سے بچنے کے لئے دھوپ میں بیٹھو تو بڑی گرمائش ملتی ہے، لیکن یورپ کی سردی میں آدمی کو دھوپ میں بھی سردی لگتی ہے..... سردی کا مسئلہ تو ثانوی حیثیت رکھتا تھا، اس وقت کمانڈو شیر خان کو یہ فکر تھی کہ کوئی ایسی خفیہ پناہ گاہ مل سکے کہ جہاں چھپ کر وہ دن کا کچھ وقت گزار سکے..... غور کر کے اور پھر سوچ بچار کے بعد کوئی دوسرا قدم اٹھا سکے..... دوسرا قدم اس کے ذہن میں تھا کہ کسی طریقے سے لندن میں پاکستان کے سفارت خانے تک پہنچا جائے..... پاکستانی سفارت خانہ ہی اس کے لئے ایک آخری پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔

پارک ختم ہو گیا تھا..... وہ ایک چھوٹی سڑک پر نکل آیا تھا جس پر کھمبے لگے تھے اور مرکری لائٹس روشن تھیں..... دُھند کی وجہ سے ان کی روشنی زیادہ دُور تک نہیں پڑ رہی تھی..... آسمان پر صبح کی پہلی پھیکی پھیکی روشنی ظاہر ہونے لگی تھی..... اچانک پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز سنائی دی..... کمانڈو شیر خان وہیں رُک کر ایک درخت کے پیچھے ہو گیا..... اس نے پیچھے کی طرف دیکھا..... چھوٹی سڑک پر دُھند تیر

رہی تھی..... اس دُھند میں پولیس کی گاڑی کی گھومتی ہوئی روشنی سائرن کی آواز کے ساتھ دُھند میں سڑک پر بڑھتی چلی آ رہی تھی..... شیر خان جلدی سے سڑک سے ہٹ کر پارک کے درختوں میں گھس گیا..... جب پولیس کی ویگن سائرن بجاتی گزر گئی تو شیر خان سڑک پر آگیا اور سوچنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ سڑک آگے کسی پولیس سٹیشن کو جاتی ہو، مگر کمانڈو شیر خان کو ہر حالت میں ایئرپورٹ کے علاقے سے دُور نکلنا تھا..... اس نے اس سڑک کو چھوڑ دیا پارک میں آگیا اور اس کے میدان کو پار کر کے پارک کی دوسری جانب نکل گیا..... اس وقت تک صبح کی پھیکی روشنی پھیل گئی تھی۔

اس کے سامنے ایک اور چھوٹی سی سڑک تھی جس کی دوسری طرف ڈھلان پر چھوٹے چھوٹے کاٹج نما مکان ایک قطار کی شکل میں دُور تک چلے گئے تھے..... ہر مکان کے آگے چھوٹا سا لان تھا اور باڑ لگی ہوئی تھی..... ایک لڑکا تیز تیز سائیکل چلاتا ہر کاٹج کے لان میں اخبار پھینکتا جا رہا تھا..... سڑک پر سے ایک دومنزلہ سرخ بس گزر گئی..... یہ لندن کی خاص دومنزلہ سرخ بس تھی۔

کمانڈو شیر خان کی ایک جیب میں پستول تھا اور عقبی جیب میں دستی بم تھا..... یہ دونوں چیزیں اسے دہشت گرد ثابت کرنے کے لئے کافی تھیں..... وہ ایک طرف ہو کر سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے..... دستی بم کو تو اس نے جیب سے نکال کر ایک طرف جھاڑیوں میں لڑھکا دیا..... پستول وہ اس وقت تک اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا جب تک اسے پورا اطمینان نہیں ہو جاتا تھا کہ وہ خطرے سے نکل چکا ہے، مگر جب تک وہ پاکستانی سفارت خانے میں نہیں پہنچ جاتا اس کے لئے ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا..... خاص طور پر جبکہ اس کی جیب میں آٹومیٹک کمانڈو پستول بھی تھا..... کچھ سوچ کر اس نے پستول بھی جھاڑیوں میں ایک طرف پھینک دیا..... وہ لندن کے شہری آبادی والے علاقے میں تھا اور یہاں اسے پستول وغیرہ کی ضرورت نہیں تھی..... اس وقت تو اس

کے سامنے ایک ہی مسئلہ تھا کہ وہ کسی طرح پاکستانی سفارت خانے کی حدود میں داخل ہو جائے...... پاکستانی سفارت خانے کی چار دیواری میں پہنچنے کے بعد وہ بالکل محفوظ ہو جاتا تھا۔

کمانڈو شیر خان کو اپنے ساتھیوں کا خیال بھی آ رہا تھا کہ خدا جانے وہ کس حال میں ہوں گے...... ایئر پورٹ سے نکل جانے میں کامیاب بھی ہوئے ہوں گے یا پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا ہو گا...... جیسے جیسے دن نکل رہا تھا سڑک پر ٹریفک کی آمد و رفت زیادہ ہو رہی تھی...... شیر خان جھاڑیوں میں سے نکل کر سڑک کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا...... اس کا خیال تھا کہ سڑک کراس کر کے دوسری طرف نکل جائے گا اور کسی مارکیٹ وغیرہ سے انڈین کرنسی کو برطانوی کرنسی میں تبدیل کروانے کی کوشش کرے گا۔

اچانک اس کی نگاہ ایک خالی ٹیکسی پر پڑی...... ایک دم سے شیر خان کو ایک خیال آیا اور اس نے ٹیکسی کو ہاتھ دے دیا...... ٹیکسی اس کے پاس آ کر رُک گئی...... شیر خان اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے کہا۔

"پاکستانی سفارت خانے چلو"۔

ٹیکسی ڈرائیور انگریز گورا ہی تھا...... اس نے میٹر ڈاؤن کیا اور ٹیکسی سڑک پر چل پڑی...... خدا جانے ٹیکسی کون کون سے علاقے سے گزرنے کے بعد ایک جگہ آ کر رُک گئی...... سامنے ایک عمارت تھی جس کے آہنی گیٹ کے باہر دائیں بائیں دو انگریز سنتری کھڑے پہرہ دے رہے تھے...... گیٹ کے اوپر پاکستانی پرچم لہرا رہا تھا...... اگر آپ نے یہ دیکھنا ہے کہ اپنے وطن کی محبت کیا شے ہوتی ہے تو کبھی کسی دُور دراز ملک میں کسی جگہ پاکستانی پرچم کو لہراتے ہوئے دیکھ لیں۔

شیر خان کو ایسے محسوس ہوا جیسے وہ ہزار ہا بلاؤں اور مصیبتوں سے نکلنے کے بعد اپنے گھر پہنچ گیا ہے جہاں اسے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے...... اس نے ٹیکسی ڈرائیور

سے کہا۔

"تم تھوڑی دیر انتظار کرو...... مجھے اندر پانچ منٹ کا کام ہے...... اگر مجھے زیادہ وقت لگا تو میں تمہیں اندر سے ٹیکسی کا کرایہ بھیج دوں گا"۔

انگریز ٹیکسی ڈرائیور نے او کے کیا اور ٹیکسی پارکنگ میں ایک طرف کھڑی کر دی...... کمانڈو شیر خان نے گیٹ پر موجود گارڈ سے کہا کہ وہ پاکستان کے کسی بھی سفارت کار سے ملنا چاہتا ہے...... گارڈ نے گیٹ پر ڈیوٹی روم میں فون کیا اور کمانڈو شیر خان سے کہا کہ وہ ڈیوٹی آفیسر سے بات کرے...... شیر خان نے ڈیوٹی آفیسر سے کہا کہ مجھے پاکستان کے کسی بھی سفارت کار سے بڑا ضروری ملنا ہے...... میں پاکستانی ہوں، ڈیوٹی آفیسر نے کہا۔

"اندر آ جاؤ"۔

اس نے ڈیوٹی روم سے جو گیٹ کے قریب ہی تھا گارڈ کو کوئی سگنل دیا...... گارڈ نے شیر خان کو ڈیوٹی روم میں پہنچا دیا...... اندر ایک خوش لباس پاکستانی نوجوان بیٹھا ہوا کسی سے فون پر بات کر رہا تھا...... اس نے فون کرتے ہوئے نظریں اٹھا کر شیر خان کا جائزہ لیا اور لندن کی شدید سردی میں کسی حد تک ٹھٹھرے ہوئے کمانڈو شیر خان سے زیادہ متاثر نہ ہوا...... سمجھ گیا کہ یہ بھی کوئی ایسا ہی پاکستانی نوجوان ہے جس کا لندن میں کوئی جاننے والا نہیں ہو گا...... یونہی سیر کرنے آ گیا ہے اور جیب کٹ گئی ہو گی اور زر مبادلہ کے ساتھ پاسپورٹ بھی جاتا رہا ہو گا...... ڈیوٹی افسر نے ہاتھ کے اشارے سے کمانڈو شیر خان کو بیٹھنے کے لئے کہا...... شیر خان میز کے ساتھ رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا...... ڈیوٹی روم کے آتشدان میں بجلی کے ہیٹر کی بجائے پتھر کے کوئلے جل رہے تھے جن کی وجہ سے اندر بڑی پر سکون گرمائی تھی...... شیر خان کو لگا جیسے کسی نے اس کے کندھوں پر کمبل ڈال دیا ہے...... میز پر تین چار انگریزی اخبار پڑے ہوئے تھے...... کمانڈو شیر خان نے ان پر نگاہ ڈالی...... ایک اخبار کے پہلے صفحے پر درمیان میں

جہاز کے ہائی جیک کرنے کی خبر بڑی سرخی کے ساتھ چھپی ہوئی تھی اور طیارے کی تصویر بھی چھپی تھی۔

اتنے میں ڈیوٹی آفیسر نے ٹیلی فون بند کیا اور کمانڈو شیر خان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"آپ پاکستان سے آئے ہیں؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"جی ہاں"۔

ڈیوٹی ا   ے پوچھا۔

"ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"باہر ٹیکسی کھڑی ہے...... پہلا کام تو یہ کیجئے کہ اُسے تین پونڈ کرایہ بھجوا کر اسے فارغ کر دیں، کیونکہ میرے پاس برطانوی کرنسی نہیں ہے"۔

ڈیوٹی افسر نے ایک ناگوار سی نظر شیر خان پر ڈالی اور ایک آدمی سے کہا کہ باہر جا کر ٹیکسی کا کرایہ ادا کر دے...... اس کے بعد اس نے شیر خان سے کہا۔

"اب فرمایئے...... ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے پاکستان کے ہائی کمشنر صاحب سے ملنا ہے اور میری ملاقات بہت ضروری ہے"۔

ڈیوٹی افسر نے پوچھا۔

"آپ کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں...... آپ کا نام کیا ہے...... کیا آپ کے پاس پاکستانی پاسپورٹ موجود ہے؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں ان سارے سوالوں کے جواب ہائی کمشنر صاحب کو ہی دوں گا...... آپ مجھے ان سے ملوا دیں"۔

ڈیوٹی افسر نے کہا۔

"ہائی کمشنر صاحب تو اس وقت آؤٹ آف سٹیشن ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"ان کی جگہ جو کوئی بھی کام کر رہے ہوں مجھے ان سے ملوا دیں"۔

"آپ کو کام کیا ہے" ڈیوٹی افسر نے کہا...... "مجھے بتائیں میں آپ کی خدمت کرنے کو تیار ہوں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا"۔

ڈیوٹی افسر نے انٹرکام پر کسی سے بات کی اور شیر خان سے کہا۔

"میرے ساتھ آئیں...... میں آپ کو فسٹ سیکرٹری صاحب سے ملوا دیتا ہوں"۔

ڈیوٹی افسر کمانڈو شیر خان کو ایک کمرے میں لے گیا جہاں آتشدان دہک رہا تھا...... فضا نیم گرم اور پر سکون تھی...... وہاں فسٹ سیکرٹری سے شیر خان کی ملاقات ہوئی تو اس نے بھی پہلا سوال شیر خان سے یہی کیا کہ آپ کون ہیں اور کس لئے آئے ہیں...... اس وقت کمرے میں سوائے شیر خان اور فسٹ سیکرٹری کے تیسرا کوئی نہیں تھا...... کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میرا نام شیر خان ہے...... میں کشمیری حریت پسند ہوں"۔

فسٹ سیکرٹری نے شیر خان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"آپ طیارہ ہائی جیک کر کے لائے تھے ناں؟"۔

"جی ہاں" شیر خان نے کہا۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"دیکھئے شیر خان صاحب...... ہمارا طیارے کے اغوا سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم خواہ مخواہ کسی پریشانی میں نہیں اُلجھنا چاہتے...... پاکستان کشمیری حریت پسندوں کی اخلاقی اور سیاسی مدد ضرور کرتا ہے، مگر ہم کسی بھی ملک کا طیارہ اغوا کرنے کے حق میں نہیں ہیں...... آپ کے پاس پاسپورٹ بھی نہیں ہے...... آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ آپ پاکستانی نیشنل ہیں...... آپ انڈین مسلمان بھی ہو سکتے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں اور میرے ساتھی...... ہم کشمیری حریت پسند ہیں اور ہم نے اپنی جان کی بازی لگا کر اپنے کشمیری لیڈر کو بھارت کی قید سے رہائی دلائی ہے، لیکن برطانیہ کی کمانڈو بٹالین نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے آخری وقت میں ہم پر حملہ کر کے ہمارے ایک مجاہد کو شہید کر دیا...... ہم کل پانچ مجاہد تھے...... مجھے معلوم نہیں میرے باقی تین ساتھیوں کا کیا انجام ہوا...... میں تو فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا ہوں"۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"آج کے تمام اخباروں میں یہی لکھا ہے کہ ہائی جیکنگ کا ڈرامہ ختم ہو گیا ہے...... مسافروں کو رہا کروا لیا گیا ہے...... برطانوی کمانڈوز کے ساتھ جھڑپ میں ایک کشمیری ہائی جیکر ہلاک ہو گیا ہے...... باقی چار ہائی جیکر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اس خبر سے یہ تو ضرور ثابت ہو گیا ہو گا کہ ہم ہندوستانی یعنی بھارتی نہیں ہیں...... کشمیری حریت پسند ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم پاکستانی مسلمان ہیں...... ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی مرضی سے آزادی کشمیر کے جہاد میں شریک ہوئے ہیں...... ہمیں پاکستان کی حکومت نے کشمیر کے محاذ پر نہیں بھیجا تھا...... آپ صرف اتنا

کیجئے کہ ہمارے عارضی پاسپورٹ بنوا کر ہمیں واپس پاکستان پہنچانے کا انتظام کروا دیجئے تاکہ ہم کشمیر کے محاذ پر واپس جا کر جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہو سکیں"۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"اس وقت آپ ہی میرے سامنے موجود ہیں...... میں آپ کا عارضی پاسپورٹ بنوا کر آپ کو پاکستان واپس بھجوانے کا انتظام کر دوں گا...... اگرچہ اس میں بھی ہمیں اور آپ کو رازداری سے کام لینا ہو گا تاکہ ہمارے ملک پر یہ الزام عائد نہ ہو سکے کہ ہائی جیکنگ کی اس واردات میں پاکستان ملوث تھا، جبکہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"مجھے پاکستان کی عزت اور پاکستان کا وقار اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے...... ہماری طرف سے آپ مطمئن رہیں کہ اس واردات میں پاکستان کا نام نہیں آنے پائے گا...... بھارتی حکومت اگر پاکستان کے خلاف پراپیگنڈہ کرتی ہے تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے"۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"بھارتی حکومت کو ایسا کرنے دیں...... جب ان کے پاس ہائی جیکنگ میں ہمارے ملک کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہو گا تو ان کا پراپیگنڈہ اپنے آپ بے اثر ہو جائے گا...... لیکن آپ کو ہر حالت میں احتیاط سے کام لینا ہو گا...... آپ کو ہم کل ہی کی فلائٹ پر پاکستان روانہ کر دیں گے...... اس وقت تک آپ ہمارے سفارت خانے میں ہی رہ سکتے ہیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"جب تک مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں علم نہیں ہو جاتا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں میں واپس نہیں جا سکتا...... مجھے ہر حالت میں پہلے انہیں تلاش

کرنا ہوگا"۔

"تو پہلے آپ اپنے ساتھیوں کا کھوج لگالیں...... جب وہ آپ کو مل جائیں تو ہمیں اطلاع کر دیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میرے پاس برطانوی کرنسی نہیں ہے...... مجھے اتنی رقم دے دیجئے کہ میں کسی معمولی سے ہوٹل میں دو ایک روز رہ کر اپنے ساتھیوں کو تلاش کروں"۔

فسٹ سیکرٹری نے کہا۔

"اس کا بندوبست ہو جائے گا"۔

اس کے بعد فسٹ سیکرٹری نے کمانڈو شیر خان کو اتنی رقم دے دی کہ وہ کسی معمولی درجے کے ہوٹل میں کم از کم تین دن تک ٹھہر سکتا تھا...... اس نے شیر خان کو لندن کے ایک علاقے میں ایک غریبانہ ہوٹل کا پتہ بھی بتادیا۔

کمانڈو شیر خان کو بخوبی علم تھا کہ اتنے بڑے شہر لندن میں اپنے مفرور ساتھیوں کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بلکہ قریب قریب ناممکن ہے، لیکن وہ اکیلا پاکستان واپس جا بھی نہیں سکتا تھا...... سفارت خانے میں ہی شیر خان کو گرم سویٹر، گرم جیکٹ اور مفلر پہننے کو دیا گیا، کیونکہ لندن کی شدید سردی روکنے کے لئے اس کی خالی قمیض ناکافی تھی...... شیر خان سفارت خانے سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھا، لندن کے اس علاقے کی طرف روانہ ہوا جس کا پتہ اسے دیا گیا تھا۔

لندن کا یہ علاقہ ایسا تھا کہ یہاں نیگرو، بھارتی، بنگلہ دیشی، سری لنکن اور فلپائنی باشندے آباد تھے...... ان میں پاکستانی بھی تھے...... یہاں ایک چھوٹے سے درمیانے درجے کے ہوٹل میں کمانڈو شیر خان نے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا...... اس کا خیال تھا کہ اگر اس کے ساتھی لندن میں ہی ہیں اور لندن سے فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوئے تو اس بات کا امکان ہے کہ وہ اس علاقے میں کسی جگہ چھپنے کی کوشش کریں،

کیونکہ یہاں ان کے وطن کے لوگ آباد ہیں...... خوش قسمتی کی بات یہ ہوئی تھی کہ لندن کے اخباروں میں اس کی اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی کی تصویر نہیں چھپی تھی، کیونکہ لندن پولیس اور پریس کے فوٹو گرافر ان کی تصویریں نہیں لے سکے تھے، ورنہ شیر خان فوراً پہچان لیا جاتا اور پولیس کو اس کی اطلاع مل جاتی۔

اس وجہ سے کمانڈو شیر خان کو اپنا حلیہ بدلنے کی بھی ضرورت نہیں تھی...... کمانڈو شیر خان کا کمرہ ہوٹل کی دوسری منزل کے کونے میں تھا...... اگرچہ اس کمرے کا کرایہ زیادہ نہیں تھا مگر شیر خان کے پاس اتنے ہی پیسے تھے کہ وہ ہوٹل میں زیادہ سے زیادہ تین دن بسر کر سکتا تھا...... ان تین دنوں میں اسے اپنے ساتھیوں کمانڈو حمزہ، مجاہد شاہد علی وغیرہ کو تلاش کرنا تھا اور اگر وہ اپنی تلاش میں ناکام رہتا ہے تو اسے واپس پاکستان چلے جانا تھا...... سفارت خانے والوں کے ساتھ یہی کچھ طے ہوا تھا...... اس علاقے کا ماحول بالکل اپنے وطن کے بازاروں جیسا تھا...... یہاں بھارتیوں، پاکستانیوں، بنگلہ دیشیوں کی دکانیں بھی تھیں اور ان کے ریستوران بھی تھے جہاں ان ملکوں کے کھانے مل جاتے تھے...... کمانڈو شیر خان دوپہر کے وقت ہوٹل میں آیا تھا...... کھانا کھانے کے بعد وہ کمرے میں جاکر سو گیا اور شام تک سویا رہا...... اس کے بعد اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں آکر بیٹھ گیا اور کافی منگوا کر پینے لگا۔

لندن کی یہ شام سرد اور دُھندلی تھی...... ریسٹورنٹ کی فضا نیم گرم تھی اور سگریٹوں کے دھوئیں اور کافی چائے کی خوشبوؤں سے لبریز تھی...... ریسٹورنٹ میں زیادہ تر بنگالی اور بھارتی لوگ بیٹھے تھے...... ہو سکتا ہے ان میں پاکستانی بھی ہوں مگر سب انگریزی لباس میں تھے...... الگ سے پہچاننا مشکل تھا...... کچھ ساڑھی پوش عورتیں بھی تھیں...... شیر خان نے محسوس کیا کہ ایک عورت کونے والی میز پر تنہا بیٹھی ہوئی سگریٹ پی رہی ہے...... اس عورت نے فر کا گرم لمبا کوٹ پہن رکھا تھا جس کے بٹن

کھلے ہوئے تھے اور اس کی سرخ ساڑھی دکھائی دے رہی تھی...... اس کے ماتھے پر بندیا بھی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ ہندو ہے...... کمانڈو شیر خان نے اس عورت کو اتنی تفصیل سے اس لئے دیکھا تھا کہ اس عورت نے دو تین بار شیر خان پر نگاہیں ڈالی تھیں...... عورت کی عمر تیس پینتیس کے قریب لگتی تھی، اس کے سیاہ بال شانوں پر گرے ہوئے تھے...... عورت خوش شکل تھی...... کمانڈو شیر خان سوچنے لگا کہ اس عورت نے دو تین بار اس کی طرف کیوں دیکھا ہے...... ہو سکتا تھا کہ یہ سی آئی ڈی کی کوئی آفیسر ہو...... شیر خان محتاط ہو گیا۔

شاید وہ ریسٹورنٹ میں مزید کچھ دیر بیٹھتا، لیکن اس مشکوک عورت کی وجہ سے وہ جلدی بل ادا کر کے ریسٹورنٹ سے نکل گیا...... سردی اور دُھند کی وجہ سے لندن کے اس علاقے کے فٹ پاتھ خاموش پڑے تھے...... لوگ گاڑیوں میں آ جا رہے تھے...... فٹ پاتھ پر شیر خان اس عورت کے بارے میں سوچتا آہستہ آہستہ ٹہلنے کے انداز میں چلا جا رہا تھا کہ اس جگہ اسے اپنے پیچھے کسی کے جوتوں کی ٹک ٹک سنائی دی...... یہ عورت کے جوتوں کی آواز ہی ہو سکتی تھی...... کمانڈو شیر خان رُک گیا...... اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا...... پیچھے کوئی بھی نہیں تھا...... سردی اور دُھند کی نمی کی وجہ سے گیلا فٹ پاتھ خالی تھا...... کھمبوں کی روشنی اس پر کہیں کہیں پڑ رہی تھی۔

شیر خان نے پاؤں کے جو زمانہ جوتوں کی آواز کو اپنا وہم سمجھا اور ٹہلنے کے انداز میں چلتا رہا...... آگے چھوٹا سا چوک تھا جہاں کئی ایک ریسٹورنٹ اور سٹور تھے...... باہر گاڑیاں کھڑی تھیں...... کچھ دُور تک ٹہلنے کے بعد وہ واپس اپنے ہوٹل کی طرف آ گیا...... اگرچہ اسے ایسا یقین نہیں تھا لیکن غیر شعوری طور پر اس کے دل میں شک سا پڑ گیا تھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے...... وہ اپنے کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گیا...... نیچے ریسٹوران سے انڈین فلمی میوزک کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

کسی نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی...... کمانڈو شیر خان نے دروازے کی

رف دیکھا...... پھر اٹھ کر دروازے کے پاس جا کر پوچھا۔

"کون ہے؟"۔

دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔

"پلیز دروازہ کھولیں...... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے"۔

عورت نے یہ جملہ بڑی صاف اُردو زبان میں ادا کیا تھا...... شیر خان نے دروازہ ول دیا...... اس کے سامنے وہی عورت کھڑی تھی جسے اس نے نیچے ریسٹوران میں یکھا تھا...... اس نے ساڑھی کے اوپر فر کے کالر والا ہاف کوٹ پہن رکھا تھا......

یر خان نے وہیں کھڑے اس سے پوچھا کہ اس کو کیا کام ہے؟ عورت نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے؟"۔

اس کے چہرے پر کچھ گھبراہٹ سی تھی...... کمانڈو شیر خان دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا...... عورت اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی...... شیر خان نے دروازہ بند کیا اور اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"محترمہ! آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے...... میں آپ کو بالکل نہیں جانتا"۔

عورت نے کہا۔

"آپ پاکستانی ہیں ناں؟"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"ہاں...... لیکن آپ کا مسئلہ کیا ہے؟"۔

عورت نے اطمینان کا سانس لیا اور کہنے لگی۔

"میرا نام رخسانہ ہے...... میں بھی پاکستانی ہوں...... دو برس سے لندن میں مقیم ہوں...... ایک سٹور میں کام کرتی ہوں اور ساؤتھ اینڈ کے ایک فلیٹ میں اپنی سہیلی کے ساتھ رہتی ہوں...... میں اپنی ایک اور سہیلی سے ملنے اس علاقے میں آئی تھی...... ہیلی نہیں ملی...... واپس جا رہی تھی کہ دو گوروں نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا......

میں بڑی مشکل سے ان بدمعاشوں سے پیچھا چھڑا کر اس ریستوران کی طرف آگئی ہوں، کیونکہ یہ پاکستانی ریسٹورنٹ ہے...... میں نے آپ کو اوپر جاتے دیکھا تو شکل سے پہچان لیا کہ آپ کا تعلق پاکستان سے ہے...... پلیز مجھے اتنی اجازت دیں کہ میں کچھ دیر کے لئے یہاں چھپی رہوں...... اس دوران غنڈے مجھے نہ پا کر چلے جائیں گے...... پھر میں اپنے فلیٹ پر چلی جاؤں گی''۔

شیر خان نے کہا۔

''آپ پولیس کو کیوں نہیں فون کرتیں...... پولیس آپ کو آپ کے فلیٹ پر پہنچادے گی''۔

اس عورت نے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔

''پولیس میری بات کا یقین نہیں کرے گی...... آپ سگریٹ پئیں گے؟''۔

عورت نے شیر خان کو سگریٹ پیش کیا...... شیر خان نے کہا۔

''شکریہ! میں سگریٹ نہیں پیتا''۔

اس نے سگریٹ سلگا لیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگی...... کمانڈو شیر خان اس عورت کو کمرے میں چھپا کر خواہ مخواہ کسی اور مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

''محترمہ! بہتر یہی ہے کہ آپ نیچے ریستوران سے پولیس کو فون کر کے مدد حاصل کریں...... پولیس اپنی حفاظت میں آپ کو آپ کے فلیٹ پر پہنچادے گی''۔

عورت نے ایک خاص انداز سے شیر خان کی طرف دیکھا اور سگریٹ کا کش لے کر بولی۔

''آپ کب سے لندن میں رہ رہے ہیں؟''۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

''ان باتوں کا میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے...... بہتر یہی ہے کہ آپ تشریف لے جائیں...... مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے''۔

عورت نے کہا۔

''تو پھر ایسا کریں کہ مجھے بھی ساتھ لیتے جائیں اور مجھے ساؤتھ اینڈ میں ڈراپ کر دیں''۔

شیر خان نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

سوری محترمہ! میں آپ کو ساتھ نہیں لے جاسکتا...... آپ تشریف لے جائیں...... میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا''۔

اس عورت نے ایک گہری اور بڑی معنی خیز نگاہ شیر خان پر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی...... پھر مسکرائی۔

''لگتا ہے آپ ابھی اس شہر کی تہذیب و تمدن سے واقف نہیں ہیں...... اچھا...... میں جاتی ہوں...... پھر آؤں گی''۔

اور وہ عورت کمرے سے نکل گئی...... شیر خان نے دروازہ بند کر دیا اور سوچنے لگا کہ یہ عورت کون ہو سکتی ہے...... اس نے کہیں پڑھ رکھا تھا کہ سکاٹ لینڈ یارڈ نے ان علاقوں میں جہاں جنوبی ایشیا کے لوگ رہتے ہیں جرائم کا سراغ لگانے کے لئے ان علاقوں سے تعلق رکھنے والی عورتوں کو بھرتی کر رکھا ہے جو سکاٹ لینڈ یارڈ کے لئے جاسوسی کرتی ہیں اور جرائم پیشہ سمگلروں اور مفرور مجرموں کا سراغ لگاتی ہیں...... اگر اس عورت کا تعلق سکاٹ لینڈ یارڈ کی مخبر عورتوں سے تھا تو یہ بات خطرناک ثابت ہو سکتی تھی...... اتنے میں دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی...... شیر خان نے پوچھا...... ''کون ہے؟''۔

دوسری جانب سے کسی مرد کی آواز آئی۔

''میں ہوں...... ہوٹل کا منیجر پلیز دروازہ کھولئے...... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے''۔

شیر خان نے دروازہ کھول دیا...... ہوٹل کا ادھیڑ عمر منیجر اندر آگیا...... وہ پاکستانی

تھا...... کہنے لگا۔

"یہ عورت جو ابھی ابھی آپ کے کمرے سے نکل کر گئی ہے کیا کرنے آئی تھی؟"۔

شیر خان نے اسے ساری بات بیان کر دی...... ہوٹل کا منیجر صوفے پر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"اس عورت کا آپ کے کمرے میں آنا آپ کے حق میں کسی مصیبت کا باعث بن سکتا ہے...... یہ پولیس کی بہت بڑی مخبر ہے...... یہ عورت آپ کو خواہ مخواہ کسی مصیبت میں پھنسا سکتی ہے...... بہتر یہی ہے کہ آپ اسی وقت کسی دوسرے علاقے کے ہوٹل میں منتقل ہو جائیں"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"مگر میں کوئی جرائم پیشہ نہیں ہوں"۔

منیجر نے کہا۔

"ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ اگر آپ کا کسی جرم سے تعلق نہ ہوتا یا آپ پر اسے شک نہ ہوتا کہ آپ کا تعلق کسی جرائم پیشہ گروہ سے ہے تو یہ کبھی آپ کے کمرے میں نہ آتی...... میری بات مانیں اور اسی وقت دوسرے ہوٹل میں منتقل ہو جائیں...... پولیس نے چھاپہ مارا تو ہماری بھی بدنامی ہو گی"۔

شیر خان خود وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں ابھی کسی دوسرے ہوٹل میں چلا جاتا ہوں...... کیا آپ مجھے کسی دوسرے ہوٹل کا ایڈریس بتا سکتے ہیں؟ میں مہنگے ہوٹل میں نہیں ٹھہر سکتا"۔

منیجر نے کہا۔

"آپ ٹیکسی میں بیٹھ کر ایسٹ اینڈ کی میکفورڈ سٹریٹ میں چلے جائیں...... وہاں بنگلہ دیشیوں کے دو ہوٹل ہیں...... وہ مہنگے نہیں ہیں"۔

یہ لیجئے اپنے پونڈ۔

اور منیجر نے شیر خان کو وہ ایڈوانس واپس کر دیا جو شیر خان نے کمرے کے چوبیس گھنٹے کے کرائے کے طور پر ادا کیا تھا۔

"آپ دیر نہ کریں...... دیر کرنی آپ کے لئے اچھی نہ ہو گی"۔

یہ کہہ کر ہوٹل کا منیجر چلا گیا...... کمانڈو شیر خان کے پاس کون سا سامان تھا جس کو باندھنے اور پیک کرنے کی ضرورت پڑتی...... اس نے جیکٹ کے بٹن بند کئے کالر کو اوپر اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل آیا...... زینہ اترا...... ہوٹل کے سامنے کچھ دور ٹیکسیاں وغیرہ کھڑی تھیں...... وہ ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے ایسٹ اینڈ کی میکفورڈ سٹریٹ چلنے کو کہا...... رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا...... لندن کے اس گنجان آبادی والے علاقے میں خوب روشنیاں ہو رہی تھیں...... ٹیکسی بارونق علاقے میں سے نکل کر ایک کھلی سڑک پر آ گئی...... اچانک انگریز ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"مسٹر! ہماری ٹیکسی کا پیچھا کیا جا رہا ہے...... کیا آپ پولیس کو مطلوب ہیں؟"۔

کمانڈو شیر خان نے یہ سن کر فوراً پچھلے شیشے میں سے دیکھا...... اس کے پیچھے قطار میں تین چار گاڑیاں آ رہی تھیں...... اس نے ڈرائیور سے کہا "میرا پولیس سے کوئی واسطہ نہیں ہے"۔

ڈرائیور نے کہا۔

"لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ سکاٹ لینڈ یارڈ کی ایک خفیہ گاڑی ہمارا تعاقب کر رہی ہے...... یہ اسی وقت سے ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے جب ہم چلے تھے"۔

کمانڈو شیر خان کو یقین ہو گیا کہ یہ ٹیکسی ڈرائیور غلط نہیں کہہ رہا...... وہ لندن کا ٹیکسی ڈرائیور تھا اور پولیس اور خفیہ پولیس کی گاڑیوں کو پہچانتا تھا...... وہ سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے...... یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ وہ عورت خفیہ پولیس کی عورت تھی اور اس نے پولیس کو اطلاع کر دی تھی، اس کا مطلب تھا کہ لندن پولیس نے

شیر خان کا سراغ لگالیا تھا، مگر پولیس کو کیسے پتہ چلا کہ میرا تعلق طیارہ ہائی جیک کرنے والے مجاہدوں سے ہے؟ شیر خان کا ذہن ان ہی خیالات میں اُلجھا ہوا تھا اور ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ پولیس کی گاڑی سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے۔

اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"کیا تم مجھے کسی ایسی جگہ لے جاسکتے ہو جہاں میں پولیس کی نظروں سے غائب ہو سکوں؟ میں تمہیں چار پونڈ دوں گا"۔

انگریز ڈرائیور بولا۔

"میں کوشش کرتا ہوں"۔

اور اس نے ٹیکسی کی رفتار تیز کر دی اور اسے سڑک کی درمیان والی قطار سے نکال کر سڑک کے کنارے والی قطار میں لے آیا...... شیر خان نے پیچھے دیکھا...... پیچھے گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس میں سے اسے کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کون سی گاڑی اس کا پیچھا کر رہی ہے...... آگے ایک جگہ چھوٹی سی سڑک بائیں جانب نکلتی تھی...... انگریز ڈرائیور نے جلدی سے گاڑی اس سڑک پر موڑ دی اور اس کی رفتار مزید تیز کر دی...... سڑک کچی تھی...... گاڑی کو دھچکے لگنے لگے۔

شیر خان نے شیشے میں سے پیچھے دیکھا...... ایک گاڑی کی روشن بتیاں پیچھے برابر چلی آرہی تھیں...... ڈرائیور نے کہا

"سر! سکاٹ لینڈ یارڈ والوں کی گاڑی ہمارے پیچھے آرہی ہے...... اب میں کچھ نہیں کر سکتا...... میں نہیں چاہتا کہ پولیس آپ کے ساتھ مجھے بھی پکڑ لے"۔

جیسے ہی سڑک ایک دوسری پکی اور کھلی سڑک پر پہنچی...... سامنے پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی تھیں جن کی نیلی اور سرخ روشنیاں مسلسل گھوم رہی تھیں...... چھ سات پولیس کانسٹیبل گھیرا ڈالے کھڑے تھے...... پولیس نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا...... ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف کر کے کھڑی کر دی...... دو پولیس کانسٹیبل ٹیکسی کے

پاس آئے...... ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

کمانڈو شیر خان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا...... اتنے میں جو گاڑی تعاقب کر رہی تھی وہ بھی وہاں پہنچ گئی...... اس میں سے تین گورے نکلے...... یہ سفید کپڑوں میں پولیس کے افسر تھے...... باوردی کانسٹیبل نے شیر خان سے کہا۔

"باہر آجاؤ اور اپنا پاسپورٹ دکھاؤ"۔

شیر خان نے باہر نکل کر کہا۔

"میں پاسپورٹ اپنے ساتھ لے کر تو نہیں چلتا...... پاسپورٹ میرے ہوٹل میں ہے"۔

سفید کپڑوں والے انگریز پولیس افسر بھی اب شیر خان کے پاس آگئے تھے...... ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر شیر خان کو کہا۔

"ہم تمہیں انڈین ایئر لائنز کا طیارہ اغوا کرنے اور اسے غیر قانونی طور پر برطانیہ کی سرزمین پر اتارنے کے جرم میں گرفتار کرتے ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی ایک پولیس کانسٹیبل نے بڑی تیزی سے اس کے ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی...... تین کانسٹیبل ریوالور لئے شیر خان کو گھیرے ہوئے تھے...... انہوں نے شیر خان کو پولیس کی گاڑی میں دھکیل دیا اور خفیہ پولیس اور لندن پولیس کی تینوں گاڑیاں شور مچاتیں پولیس سٹیشن کی طرف چل پڑیں۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوگیا کہ شیر خان کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکا...... جب گاڑیاں پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف جارہی تھیں تو شیر خان نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے گورے پولیس کانسٹیبل سے کہا۔

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میرا تعلق کسی ہائی جیکنگ پارٹی سے ہے؟"۔

پولیس کانسٹیبل نے کہا۔

"ثبوت تمہیں پولیس ہیڈ کوارٹر چل کر مل جائے گا...... ہم کسی کو بغیر ثبوت کے

کبھی نہیں پکڑتے"۔

شیر خان نے ایک بار پھر احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ مجھے غیر قانونی طور پر گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں...... میرا کسی ہائی جیک کرنے والے گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

اس کے جواب میں اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"مسٹر شیر خان! تمہارے دو ساتھی ہم نے گرفتار کر لئے ہیں...... تمہارے بارے میں ہمیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے...... بہتر یہی ہے کہ تم خاموشی سے بیٹھے رہو...... تمہیں شاید علم نہیں کہ طیارہ اغوا کرنے کے جرم میں تمہیں موت کی سزا بھی ہو سکتی ہے...... یہ ایک بین الاقوامی قانون ہے اور ہم نے اس قانون کے تحت تمہیں گرفتار کیا ہے"۔

کمانڈو شیر خان خاموش ہو گیا...... اس کے دو ساتھی انہوں نے گرفتار کر لئے تھے...... یہ ایک بری خبر تھی...... پتہ نہیں شاہد علی، کمانڈو حمزہ اور کمانڈو محمود میں سے کون گرفتار ہوا تھا...... کمانڈو شمشاد تو ایئرپورٹ پر ہی شہید ہو گیا تھا، لیکن ان کا مشن کامیاب ہو گیا تھا اور جہاد کشمیر کا لیڈر بھارت کی قید سے نجات حاصل کر چکا تھا اور تحریک آزادی کشمیر کی راہنمائی کے لئے اپنے مجاہدوں کے درمیان پہنچ گیا تھا۔

کمانڈو شیر خان کا خیال تھا کہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے اسے جس سرزمین پر گرفتار کیا گیا ہے اسی ملک کی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جائے گا، لیکن ایسا نہ ہوا کچھ عرصہ کے لئے اسے لندن کے ایک پولیس سٹیشن کی حوالات میں سخت حفاظتی انتظامات کے تحت قید رکھا گیا...... اس دوران ہی اسے پتہ چل گیا کہ برطانیہ کی حکومت اسے بھارتی حکومت کے حوالے کرنے والی ہے...... شیر خان نے حلفیہ بیان دیا تھا کہ وہ کشمیری حریت پسند ہے اور پاکستان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے پاکستانی سفارت خانے کے لئے خاموشی اختیار کئے رکھنا ہی بہتر تھا...... ویسے اخلاقی طور

پر انگلستان کے پریس نے دبی زبان میں اس رائے کا ضرور اظہار کیا کہ کشمیری فریڈم فائٹر شیر خان پر لندن ہی کی کسی عدالت میں مقدمہ چلنا چاہئے، لیکن حکومت برطانیہ کو بھارت کی خوشنودی منظور تھی، چنانچہ ایک روز رات کے دو بجے کمانڈو شیر خان کو کڑے پہرے میں بھارتی کمانڈو بٹالین فورس کے کمانڈوز کے حوالے کر دیا گیا...... جو خاص اس مقصد کے لئے نئی دہلی سے لندن آئے تھے...... لندن کی عدالت سے شیر خان کو پھر بھی انصاف کی توقع تھی، لیکن بھارتی حکومت سے انصاف کی توقع رکھنا عبث تھا...... اسے معلوم تھا کہ بھارت کی سرزمین میں پہنچتے ہی اسے ہر قسم کی غیر انسانی وحشیانہ اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا جائے گا...... شیر خان کو اپنے ساتھی مجاہدوں کے انجام کی کوئی خبر نہیں تھی کہ اگر وہ پکڑے گئے ہیں تو کیا انہیں بھی بھارتی درندوں کے حوالے کر دیا گیا ہے یا نہیں۔

رات کے تین بجے لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ سے انڈین ایئر لائنز کا ایک سپیشل طیارہ کمانڈو شیر خان کو لے کر بھارت کی طرف پرواز کر گیا...... دلی ایئرپورٹ سے کمانڈو شیر خان کو زنجیروں میں جکڑ کر سیدھا بدنام ترین اور کشمیری مجاہدوں کی قاتل جیل تہاڑ جیل میں لا کر بند کر دیا گیا...... ایک ہفتہ تک اس سے پوچھ گچھ ہوتی رہی...... اس دوران اسے ہر قسم کی اذیت دی گئی اور اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون کون تھے اور لندن یا یورپ کے کس شہر میں روپوش ہیں...... وہاں پہلی بار شیر خان پر یہ خوشگوار انکشاف ہوا کہ اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی گرفتار نہیں ہوا اور لندن پولیس نے جو اسے کہا تھا کہ اس کے دو ساتھی گرفتار کر لئے گئے ہیں یہ پولیس کی بلف چال تھی...... کمانڈو شیر خان نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ صرف وہ اکیلا ہی گرفتار ہوا ہے اور اس کے باقی ساتھی ماسوائے شہید شمشاد کے زندہ اور مفرور ہیں...... اسے یقین تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ضرور کشمیر کے محاذ پر واپس پہنچ جائیں گے۔

ایک ہفتے کے بعد اسے لکھنؤ کی جیل میں منتقل کر دیا گیا، کیونکہ جہاز لکھنؤ سے اغوا ہوا تھا اور بھارتی انٹیلی جنس یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ لکھنؤ میں وہ کون کون لوگ تھے جنہوں نے جہاز کے اغوا کرنے میں مجاہدین کی مدد کی تھی...... عدالت میں شیر خان کا چالان تیار کر کے پیش کر دیا گیا...... عدالت کی کارروائی محض ایک دکھاوا تھی...... جب پیشی کے وقت شیر خان کو عدالت میں جج کے سامنے پیش کیا جاتا تو اکثر اوقات تشدد کی وجہ سے اس سے چلا نہیں جاتا تھا اور چہرہ ضربات کے نشانوں سے نیلا پڑ گیا ہوتا تھا مگر جج نے اس کا کبھی نوٹس نہیں لیا تھا اور پولیس کو اس کا مزید ریمانڈ دے دیا جاتا تھا اور شیر خان پر تشدد کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جاتا تھا۔

عدالت کی کارروائی تو محض دُنیا کو دکھانے کے لئے تھی...... اصل مقصد کمانڈو شیر خان کو لکھنؤ میں رکھ کر اس سے وہاں کی خفیہ تنظیم کے مجاہدوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھی جس میں انڈین انٹیلی جنس بری طرح ناکام ہو رہی تھی، کیونکہ کمانڈو کے زبان کھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... اس نے تشدد کرنے والے چیف انٹیلی جنس کو کھلے لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ موت کو خوشی خوشی گلے سے لگا لوں گا لیکن اپنے ساتھی مجاہدوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔

ہر طرح سے اور ہر طرف سے ناکام ہو جانے کے بعد طیش میں آ کر لکھنؤ کے انٹیلی جنس چیف نے اتر پردیش کے انسپکٹر جنرل پولیس کو لکھ بھیجا کہ مجرم شیر خان پر وقت اور روپیہ ضائع کرنا بیکار ہے...... میری رائے میں اسے لکھنؤ ایئرپورٹ پر سرِعام پھانسی دے دی جائے تاکہ دوسرے لوگوں کو اس سے عبرت ہو، لیکن آئی جی پولیس نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور لکھا کہ مجاہد شیر خان سے کچھ وقت کے لئے مزید پوچھ گچھ جاری رکھی جائے۔

انٹیلی جنس چیف مالک رام زہر کے گھونٹ پی کر رہ گیا...... وہ شیر خان کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دینا چاہتا تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ جس جہاز کو مجاہدوں نے

ہائی جیک کیا تھا اس کے مسافروں میں لکھنؤ گرلز کالج کا جو گروپ شامل تھا اس میں انٹیلی جنس چیف مالک رام کی بیٹی سوشیلا بھی تھی...... چنانچہ انٹیلی جنس چیف کمانڈو شیر خان سے اپنی بیٹی کو پہنچائے گئے ذہنی صدمے کا بدلہ لینا چاہتا تھا، حالانکہ پانچوں مجاہدوں نے جہاز کو ہائی جیک کرنے کے بعد تمام مسافروں خصوصاً خواتین سے بلاامتیاز اس کے کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان، ان سے بڑا اچھا سلوک کیا تھا...... ان کو وقت پر طیارے میں کھانا پینا ملتا رہا تھا، لیکن انٹیلی جنس چیف مالک رام نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ اسے لکھنؤ ایئرپورٹ پر پھانسی پر لٹکوانے میں کامیاب نہ ہوا تو وہ اسے ایسی اذیتیں دے گا کہ وہ ساری زندگی کے لئے معذور ہو جائے گا۔

چنانچہ اس درندہ صفت انٹیلی جنس چیف مالک رام نے اتر پردیش کے آئی جی پولیس (خفیہ) کو ایک اور تجویز پیش کی جس میں اس سے گزارش کی گئی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ہائی جیکر شیر خان کو ستیل گڑھ کے ٹارچر سنٹر میں منتقل کردوں...... مجھے یقین ہے کہ ستیل گڑھ کے ٹارچر سنٹر میں اس ہائی جیکر سے اس کے اتر پردیش میں موجود ساتھیوں کے نام پتے معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

آئی جی خفیہ پولیس نے اس کی اجازت دے دی۔

ستیل گڑھ کا ٹارچر سنٹر لکھنؤ سے گونڈا کی جانب بہادر گنج رینج کے خطرناک جنگلوں میں خاص طور پر ایسے ملزموں کے لئے بنایا گیا تھا جو ہر قسم کے ٹارچر کے باوجود اپنا راز نہیں اگلتے تھے...... یہ بہادر گڑھ کے سٹیشن سے سات کوس کے فاصلے پر ایک گنجان جنگل میں واقع تھا...... اس ٹارچر سنٹر کے بارے میں پولیس کے محکمے میں مشہور تھا کہ بڑے سے بڑا سخت جان شخص بھی وہاں کی اذیت دو دن سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا اور زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس ٹارچر سنٹر میں اذیت دینے کے طریقے بڑے وحشیانہ اور سب سے انوکھے تھے...... بہادر گڑھ رینج کا یہ ہلاکت خیز جنگل زہریلے حشرات الارض اور انسانی خون کے پیاسے شیر چیتوں سے بھرا ہوا تھا...... اس ٹارچر سنٹر کا سکیورٹی سٹاف اور عملہ ایسے سپاہیوں پر مشتمل تھا جو کئی ملزموں کو غیر انسانی اذیتیں دے کر ہلاک کر چکے تھے...... یہ

جلادوں سے بھی بڑھ کر سنگ دل سپاہی تھے...... انہیں جنگل میں رہنے کا سپیشل الاؤنس ملتا تھا اور اگر ان کے ہاتھوں کوئی بے گناہ ملزم مر جاتا تھا تو ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی تھی بلکہ الٹا انٹیلی جنس چیف مالک رام کی طرف سے انعام دیا جاتا تھا۔

مالک رام اس ٹارچر سنٹر کا انچارج تھا...... اس جلاد کو مجاہد کمانڈو شیر خان سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے اتنی دلچسپی نہیں تھی، وہ تو اس سے اپنی بیٹی سوشیلا کو جہاز کے ساتھ اغوا کرنے اور اسے ذہنی صدمہ پہنچانے کا انتقام لینا چاہتا تھا...... اگر آئی جی پولیس نے اسے یہ حکم نہ دیا ہوتا کہ ہائی جیکر شیر خان کو ابھی موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے اور اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے تو جلاد انٹیلی جنس چیف شیر خان کو اب تک ہلاک کر چکا ہوتا...... ستیل گڑھ کے ٹارچر سنٹر میں منتقل کرنے کی اجازت ملنے کے بعد مالک رام کے جذبہ انتقام کو تھوڑی سی تسکین ضرور مل گئی تھی...... اس ٹارچر سنٹر میں وہ ایک فرعون کی طرح حکومت کرتا تھا...... یہاں اسے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے ایجاد کئے ہوئے وحشیانہ طریقوں سے شیر خان کو اذیتیں دے سکتا تھا۔

ایک رات شیر خان کو پولیس کی بند گاڑی میں بٹھا کر لکھنؤ سے ستیل گڑھ ٹارچر سنٹر کی طرف روانہ کر دیا گیا...... انٹیلی جنس چیف مالک رام بھی ایک گاڑی میں اس کے ساتھ تھا...... مسلح پولیس گارد کی دو گاڑیاں آگے پیچھے تھیں، جس بند گاڑی میں کمانڈو شیر خان کو لے جایا جا رہا تھا وہ درمیان میں تھی...... کمانڈو شیر خان کو ہتھکڑی لگا دی گئی تھی...... اس کے پیچھے انٹیلی جنس چیف مالک رام کی گاڑی تھی جس کی حفاظت کے لئے سیکورٹی گارڈ کا دستہ گاڑی میں موجود تھا...... اس کے پیچھے پولیس گارڈ کی دوسری گاڑی تھی...... یہ گاڑیاں ستیل گڑھ کو جانے والی سڑک پر رات کے اندھیرے میں رواں دواں تھیں...... دن نکل رہا تھا جب گاڑیاں گونڈا بہادر گڑھ رینج کے جنگل میں داخل

ہو گئیں۔

یہ ایسے پر خطر جنگل تھے کہ جہاں شکاری بھی سوچ سمجھ کر قدم رکھتے تھے اور صرف تجربہ کار شکاری ہی ادھر کا رُخ کرتے تھے...... اناڑی شکاری عام طور پر شیر چیتوں کا لقمہ بن جاتے تھے...... جنگل کیسے بھی ہوں وہاں جنگلی لوگوں کی جھونپڑیاں کہیں نہ کہیں ضرور نظر آ جاتی ہیں، لیکن ستیل گڑھ کے اس جنگل میں دُور دُور تک کسی انسان کی صورت نظر نہ آتی تھی...... انٹیلی جنس کے محکمے نے صوبائی حکومت کی اجازت سے سخت جان ملزموں سے راز اگلوانے کے لئے ٹارچر سنٹر کے واسطے خاص طور پر اس جنگل کو منتخب کیا تھا...... یہاں چیف مالک رام کا قانون چلتا تھا...... عام طور پر یہاں ملزموں کو ہلاک کرنے کے لئے ہی لایا جاتا تھا...... اذیت کے علاوہ ان پر طرح طرح کے طبی تجربے کئے جاتے تھے...... ایک بار یہاں ڈاکٹروں کی ایک ٹیم آئی جو سانپ کے کاٹے کا تیر بہدف تریاق ایجاد کرنا چاہتی تھی...... اس ٹیم نے تین ملزموں کو پہلے زہریلے سانپوں سے ڈسوایا...... پھر اپنے تیار شدہ انجکشن لگائے لیکن تینوں مر گئے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں...... اس ٹارچر سینٹر کی پولیس بھی جرائم پیشہ افراد پر مشتمل تھی جن میں سے اکثر سزا یافتہ تھے اور انہیں حکومت کی خصوصی اجازت سے کنٹریکٹ پر بھرتی کیا گیا تھا...... ان میں قاتل بھی تھے جو سات سات سال کی سزا بھگت چکے تھے...... ٹارچر سنٹر کی عمارت کے چار کمرے تھے...... ایک کمرہ چیف مالک رام کے لئے مخصوص تھا...... باقی تین کمروں میں سے ایک کمرے میں اسلحہ خانہ تھا...... ایک ٹارچر سیل تھا...... ان کمروں کے پیچھے ایک چھوٹی لمبی بارک تھی جس میں ٹارچر سنٹر کے جرائم پیشہ سنتری اور عملے کے تین ارکان رہتے تھے...... ٹارچر سنٹر کے گرداگرد دس فٹ اونچی خاردار تار کی دیوار تھی...... یہ خاردار تار اتنی گنجان تھی کہ اس میں سے خرگوش بھی بڑی مشکل سے گزر سکتا تھا...... یہاں ہر وقت تین چار ملزم موجود رہتے تھے جن سے پوچھ گچھ کے دوران وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا اور ان کی دردانگیز

چیخوں کی آوازیں جنگل میں بلند ہوتی رہتی تھیں، مگر وہاں ان کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔

ستیل گڑھ جنگل کے ٹارچر سنٹر میں شیر خان کو ایک چھوٹے سے کوٹھڑی نما کمرے میں بند کر دیا گیا...... اس کی ہتھکڑی کھول دی گئی تھی، مگر یہ کوٹھڑی پھانسی کی کوٹھڑی سے بھی بدتر تھی...... اس میں کوئی روشن دان اور کھڑکی نہیں تھی...... صرف ایک چھوٹا آہنی سلاخوں والا دروازہ تھا جس کے آگے تھوڑی سی خالی جگہ تھی اور آگے ایک پتھر کی دیوار تھی...... کوٹھڑی کے باہر ایک سنتری ہر وقت پہرے پر موجود رہتا تھا...... رات کے وقت دوسرا سنتری آجاتا تھا...... دونوں سنتری تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کمانڈو شیر خان کو گالیاں وغیرہ بکتے رہتے تھے۔

کمانڈو شیر خان ان کی بکواس سننے پر مجبور تھا، لیکن اس نے وہاں آتے ہی فرار کے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا تھا جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا...... پہلے دن تو جلاد مالک رام نے شیر خان سے پوچھ گچھ کے دوران روایتی تشدد سے کام لیا، مگر شیر خان نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا...... شیر خان نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ کشمیری مجاہد ہے اور اسی نے اپنے ساتھیوں سے مل کر طیارہ اغوا کیا تھا، مگر اس کے آگے اس نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا...... جلاد مالک رام نے شیر خان سے کہا۔

”تم جوان ہو...... ابھی تمہاری ساری زندگی پڑی ہے...... تم دوسروں کی خاطر اپنی جان کیوں گنواتے ہو...... ہمیں اپنے ساتھیوں کے نام پتے بتا دو اور یہ بھی بتا دو کہ لکھنؤ میں تم لوگوں کی خفیہ تنظیم کہاں پر ہے اور اس میں کون کون لوگ شامل ہیں...... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا نام ظاہر نہیں کیا جائے گا...... ہم یہی کہیں گے کہ پولیس نے اتفاق سے چھاپہ مار کر کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا ہے...... اس کے بعد ہم تمہیں آزاد کر دیں گے“۔

لیکن کمانڈو شیر خان نے کچھ بتانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا۔

"تم میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کردو گے تو میری زبان پر اپنے ساتھیوں کے نام نہیں آئیں گے"۔

اس روز جلاد مالک رام نے اپنے خاص طریقے آزمانے کا فیصلہ کرلیا...... اگلے دن شام ہونے سے ذرا پہلے چار جرائم پیشہ سنتری شیر خان کی کوٹھڑی میں آئے...... انہوں نے اس کے ہاتھ رسی سے پیچھے باندھے، اس کے چہرے کو سیاہ تھیلا نما نقاب سے ڈھانپا اور اسے لے کر جنگل میں ایک طرف چل پڑے...... شیر خان کی گردن میں بھی رسی ڈال دی گئی تھی...... ٹارچر سنٹر سے کوئی ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلے پر زمین کے اندر ایک تہہ خانہ بنایا گیا تھا جس میں ایک تنگ زینہ اترتا تھا...... اس تہہ خانے کے زینے کو اوپر سے لوہے کے جالی دار فریم سے ڈھانپ دیا گیا تھا...... آہنی فریم کی جالیوں میں سے ہی ہوا نیچے تہہ خانے میں جاتی تھی...... آہنی فریم کو مضبوط جالی ایک خاص وجہ سے لگائی گئی تھی جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے...... کمانڈو شیر خان کو تہہ خانے کے زینے میں دھکیل کر زینے کو اوپر سے جالی دار آہنی فریم سے ڈھانپ دیا گیا۔

تہہ خانے کی تنگ کوٹھڑی میں اندھیرا تھا...... صرف زینے کے اوپر پڑے ہوئے جالی دار فریم میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آرہی تھی...... فرش پر سوکھی گھاس بچھی تھی...... کمانڈو شیر خان دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا...... اتنا اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ کوئی جنگل ہے جو لکھنؤ سے کافی طویل فاصلے پر واقع ہے...... اسے رات کے وقت بند گاڑی میں لایا گیا تھا جس کی وجہ سے اسے راستے کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ گاڑی کہاں کہاں سے گزری ہے...... پولیس کی گاڑیاں ساری رات اور دوسرا آدھا دن سفر کرتی رہی تھیں...... کمانڈو شیر خان ہمت ہار کر بیٹھنے والا شخص نہیں تھا...... اسے ہر حالت میں وہاں سے فرار ہونا تھا...... اس حقیقت کا علم اسے ہوچکا تھا کہ جب تک وہ کوئی اہم راز انٹیلی جنس چیف مالک رام کو نہیں بتاتا اسے ہلاک نہیں کیا جائے گا...... وہاں سے آسانی کے ساتھ فرار ہونے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا، مگر شیر خان کا ذہن اس کے

باوجود فرار کے طریقوں پر برابر غور کررہا تھا۔

تہہ خانے کا زینہ اس سے دس گیارہ فٹ کے فاصلے پر اس کے بالکل سامنے تھا جس کی سیڑھیوں پر اوپر سے دن کی روشنی آرہی تھی...... اوپر ایسے لگ رہا تھا جیسے سپاہی اِدھر اُدھر کچھ نقل و حرکت کررہے ہیں...... ان کے قدموں کی آواز کے ساتھ ان کی ایک دوسرے سے بات کرنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں...... سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا باتیں کررہے ہیں...... اوپر کچھ ہو ضرور رہا تھا...... شیر خان کان لگا کر سننے کی کوشش کررہا تھا...... اتنے میں زینے کے اوپر جالی دار لوہے کا فریم اٹھانے کی آواز آئی...... اس کے فوراً بعد کوئی چیز سیڑھیوں پر گرائی گئی جو لڑھکتی ہوئی شیر خان کے قریب آکر رُک گئی۔

یہ دیکھ کر شیر خان جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا کہ وہ سانپوں کی پٹاری تھیں جس میں سے مختلف سائز کے چھوٹے بڑے سانپ نکل کر تہہ خانے میں اِدھر اُدھر رینگنے لگے...... دو سانپ پھنکارتے ہوئے شیر خان کی طرف بڑھے...... شیر خان اس مصیبت کے لئے بالکل تیار نہیں تھا...... ایک سانپ نے اُچھل کر شیر خان کی پنڈلی پر ڈس لیا...... شیر خان نے اسے پکڑ کر اٹھایا اور زور سے دیوار کے ساتھ پٹخ دیا...... اس طرح اس نے دوسرے سانپ کو دُم سے پکڑ کر زور سے دیوار کے ساتھ پٹخ دیا، مگر وہاں تو چھ سات سانپ تھے جو اِدھر اُدھر گھاس کے اندر چھپ گئے تھے اور تہہ خانے میں ان کی پھنکاروں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

شیر خان نے اپنی قمیض کو پھاڑ کر پنڈلی کے اوپر پٹی کس کر باندھ دی...... وہ کونے میں لگ کر کھڑا تھا...... اس نے پنڈلی کو غور سے دیکھا، جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں سانپ کے دانتوں کا نشان پڑ گیا تھا اور خون نکل آیا تھا...... ایک اور سانپ تیزی سے رینگتا ہوا دائیں جانب سے شیر خان کی طرف آیا...... شیر خان نے اُچھل کر اس کے سر کو اپنے جوتے کے نیچے دبایا اور وہیں کچل ڈالا...... اس نے تین سانپ مار ڈالے تھے، مگر

ابھی اور سانپ زندہ تھے، جن کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ تہہ خانے کے فرش پر بچھی ہوئی سوکھی گھاس میں کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں...... اس دوران شیر خان نے محسوس کیا کہ اس کا بدن سن ہوتا جارہا ہے...... اس نے اپنے جسم کو چھوا...... اس کا جسم ٹھنڈا ہورہا تھا...... یہ سانپ کے زہر کا ہی اثر ہو سکتا تھا...... اس کے ساتھی کمانڈو مجاہد شاہد علی نے جس کو سانپوں کا بڑا تجربہ تھا، ایک بار بتایا تھا کہ کچھ سانپوں کے زہر کی تاثیر گرم ہوتی ہے...... ایسا سانپ اگر آدمی کو ڈس لے تو آدمی کا خون گرم ہو کر نتھنوں، کانوں اور منہ کے راستے سے بہنے لگ جاتا ہے اور کچھ سانپوں کے زہر کی تاثیر سرد ہوتی ہے...... ایسا سانپ جب کسی انسان کو ڈستا ہے تو اس کا خون سرد پڑنے لگتا ہے اور پھر رگوں میں جم جاتا ہے جس کے ساتھ ہی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

جس سانپ نے شیر خان کو ڈسا تھا وہ ایسا ہی سانپ معلوم ہوتا تھا جس کے زہر کی تاثیر سرد خشک تھی...... اس کا مطلب تھا کہ شیر خان کی چند لمحوں کی زندگی باقی رہ گئی تھی، مگر وہ ایسی موت مرنے کو ہرگز تیار نہیں تھا...... وہ زبردست قوت ارادی کا مالک تھا...... اس کے علاوہ یہ بات بھی اس کے تحت الشعور میں تھی کہ یہ لوگ اسے ابھی جان سے نہیں ماریں گے تو پھر اس پر زہریلے سانپ چھوڑنے کا کیا مطلب تھا؟ شیر خان کا جسم آہستہ آہستہ سرد ہونے لگا تھا...... وہ پوری قوت ارادی کے ساتھ اس آفت کا مقابلہ کر رہا تھا...... اس نے اپنی جگہ پر اُچھل اُچھل کر ورزش شروع کر دی تاکہ اس طرح سے اس کا خون گرم رہے، لیکن وہ کب تک اُچھل سکتا تھا...... اس کی طبیعت گرنے لگی تھی...... جسم کی حرکت سست پڑ رہی تھی...... وہ بے اختیار سا ہو کر کونے میں جہاں کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا۔

وہ اپنے ہاتھوں کو زور زور سے اپنے سارے جسم پر رگڑ رہا تھا، لیکن اس کے ہاتھوں کی حرکت اپنے آپ ہلکی پڑتی جارہی تھی، اسے یہ بھی پریشانی تھی کہ کہیں کوئی اور سانپ کسی طرف سے نکل کر اس کو ڈس نہ لے...... تین سانپ تو مار چکا تھا لیکن

پٹاری میں سے اس نے چھ سات سانپ نکلتے دیکھے تھے...... ابھی تک کوئی سانپ کونے کھدرے یا سوکھی گھاس میں سے نہیں نکلا تھا...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دو تین سانپ تہہ خانے کی دیوار یا چھت کے ساتھ چمٹ گئے ہوں اور اچانک کوئی سانپ چھت پر سے اس کے اوپر گر پڑے...... عجیب پریشانی کا عالم تھا...... کونے میں بیٹھے بیٹھے شیر خان نے محسوس کیا کہ اس کے جسم کی گرمی آہستہ آہستہ واپس آرہی ہے۔

یہ کوئی معجزہ ہی تھا...... اس کا اسے یقین نہیں تھا، لیکن اس کا خون جو سرد ہو رہا تھا اب اس میں دوبارہ حرارت آنا شروع ہو گئی تھی...... اتنے میں دھپ کی آواز کے ساتھ چھت پر سے ایک سانپ اس کے سر پر آن گرا...... شیر خان نے اُچھل کر سانپ کو پکڑنے اور ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا...... سورج غروب ہو رہا تھا اور زینے پر اوپر سے جو دن کی روشنی آرہی تھی وہ پھیکی پڑتی جارہی تھی...... کچھ ہی دیر کے بعد یہ روشنی بھی غائب ہو گئی اور تہہ خانے کی کوٹھڑی میں اندھیرا ہو گیا۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک آدمی کو اندھیری کوٹھڑی میں بند کر کے اس پر چھ سات سانپ چھوڑ دیئے جائیں تو اس آدمی کا کیا حشر ہوگا...... اس کے باوجود شیر خان نے اپنے ہوش و حواس کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا...... وہ اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ کسی طرف سے کوئی سانپ تو اس پر حملہ کرنے نہیں آرہا...... ایک سانپ کی پھنکار کی دھیمی دھیمی آواز اسے مسلسل سنائی دے رہی تھی...... پھر اچانک کوٹھڑی میں روشنی ہو گئی...... شیر خان نے دیکھا کہ تہہ خانے کی چھت میں لگا ہوا بجلی کا بلب روشن ہو گیا تھا...... یہ بلب باہر سے بٹن دبا کر روشن کیا گیا تھا...... بلب کی روشنی میں شیر خان کو تہہ خانے میں سب کچھ دکھائی دینے لگا...... سب سے پہلے اس نے چھت کی طرف دیکھا...... اسے کوئی سانپ چھت کے ساتھ چمٹا ہوا نظر نہ آیا...... دیواروں پر بھی کوئی سانپ نہیں تھا...... اس کا مطلب تھا کہ باقی کے سانپ گھاس کے اندر چھپے

ہوئے ہیں اور کسی بھی وقت اس پر حملہ کر سکتے تھے، جس سانپ نے شیر خان کو ڈسا تھا اتفاق سے اس کے زہر کی تاثیر سرد تھی اور خوش قسمتی سے اس کا زہر بھی اتنا زیادہ مہلک نہیں تھا...... کچھ زہر کے کم مہلک ہونے کی وجہ شیر خان کی زبردست قوت ارادی تھی جس کی وجہ سے اس پر سانپ کے زہر کا ہلاکت خیز اثر نہیں ہوا تھا، لیکن کسی دوسرے سانپ کا زہر ہلاکت خیز ہو سکتا تھا اور اگر اسے کسی طرف سے اچانک نکل کر کوئی ایسا سانپ کاٹ لیتا ہے جس کے زہر کی تاثیر گرم تھی تو شیر خان کا زندہ بچنا ناممکن تھا۔

خون دوبارہ گرم ہو جانے کے باعث شیر خان کی جسمانی طاقت واپس آگئی تھی...... اب وہ اس کوشش میں تھا کہ کوئی سانپ اسے دکھائی دے جائے یا اس پر حملہ کرے تو وہ اسے وہیں پاؤں سے کچل کر ہلاک کر ڈالے...... بلب کی روشنی اس کی بڑی مدد کر رہی تھی...... اس نے اپنے پیر کا ایک بوٹ اتار کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا کہ سانپ کس طرف سے حملہ آور ہوتا ہے...... وہ سوکھی گھاس کو پاؤں سے ہلا کر سانپوں کو باہر آنے پر مجبور کر سکتا تھا، لیکن وہ ڈرتا تھا کہ اس طرح سے اگر بیک وقت چار پانچ سانپ اچانک نکل آئے تو وہ کس کس سے اپنے آپ کو بچائے گا...... سانپ کی پھنکار کی جو آواز آرہی تھی وہ اب بند ہو گئی تھی...... اچانک شیر خان نے دیکھا کہ ایک سانپ گھاس میں سے نکل کر دیوار پر چڑھ رہا تھا...... اس نے پوری طاقت سے جوتے کی ایڑی اس کے سر پر دے ماری...... سانپ وہیں سے نیچے گر پڑا اور تڑپنے لگا...... شیر خان نے اس پر جوتا برسانا شروع کر دیا...... یہاں تک کہ سانپ مر گیا۔

وہ حساب ذہن میں رکھتا جا رہا تھا...... اس نے چار سانپ مار ڈالے تھے...... ان میں سے صرف ایک سانپ نے اسے ڈسا تھا جس کے زہر کا اثر اب تقریباً اس کے خون میں سے زائل ہو چکا تھا...... اب وہ پانچویں سانپ کی تلاش میں تھا...... چار سانپ مارنے کے بعد شیر خان کو حوصلہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھے تو

باقی سانپوں کو بھی ہلاک کر سکتا ہے...... بجلی کی روشنی میں سے ایک جگہ سے سوکھی گھاس ہلتی دکھائی دی...... جوتا اس کے ہاتھ میں ہی تھا...... اس نے ذرا سا آگے ہو کر جوتے سے گھاس کو ہلایا...... ایک سانپ پھنکار مار کر اس کے سامنے آگیا...... جیسے ہی سانپ سامنے آیا شیر خان نے پوری قوت سے جوتے کی ایڑی اس پر دے ماری اور اس وقت تک جوتا مارتا رہا جب تک اس کا بھی سر نہیں کچلا گیا...... اس کے حساب سے اب صرف دو سانپ ہی باقی رہ گئے تھے، مگر یہ دو سانپ کہاں تھے؟ یہ دو سانپ کہیں بھی ہو سکتے تھے...... کسی کونے میں چھپے ہوئے ہو سکتے تھے اور اس جگہ بھی ہو سکتے تھے جہاں وہ جوتا ہاتھ میں لئے کھڑا تھا...... ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک سانپ اس کے پاؤں کے قریب ہی سے بڑی تیزی سے گھاس میں سے نکل کر دیوار کی طرف بڑھا اور دیوار پر چڑھنے لگا۔

لیکن وہ شیر خان سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔

شیر خان نے تابڑ توڑ جوتے برسا کر اس سانپ کو بھی دیوار پر ہی کچل دیا...... سانپ مردہ ہو کر نیچے گر پڑا...... وہ چھ سانپ مار چکا تھا...... اس کو یقین تھا کہ اب صرف ایک ہی سانپ باقی رہ گیا ہے...... ایک سانپ کو وہ چند قدم اِدھر اُدھر چل کر تلاش کر سکتا تھا...... اس نے پہلے تو فرش پر پھیلی ہوئی سوکھی گھاس کا بڑے غور سے جائزہ لیا...... اسے کسی جگہ پر بھی گھاس ہلتی ہوئی دکھائی نہ دی...... اس نے ایک طرف ہٹ کر گھاس کو آہستہ آہستہ ہلانا شروع کیا...... گھاس کو ہلاتے ہوئے وہ ایک ایک فٹ آگے بڑھ رہا تھا...... ایک جگہ سے شیر خان نے گھاس کو جوتے سے ہلایا تو اسے پھنکار کی آواز سنائی دی...... وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا...... سانپ گھاس کے اندر ہی رہا...... باہر نہ آیا...... گھاس کے اندر ہی چھپا وہ پھنکار رہا تھا۔

گھاس کے اندر جہاں سے سانپ کے پھنکارنے کی آواز آرہی تھی شیر خان نے ایک دم سے وہاں پر جوتوں کی بارش کر دی...... تہہ خانے کا آخری سانپ بھی

مر گیا...... شیر خان کو یقین تھا کہ وہ آخری سانپ ہی تھا...... اس کے بعد تہہ خانے میں خاموشی چھاگئی...... کسی سانپ کے پھنکارنے کی آواز نہ آئی۔

یہ سانپ انٹیلی جنس چیف مالک رام کے حکم سے تہہ خانے میں چھوڑے گئے تھے...... اس سلسلے میں کمانڈو شیر خان کا یہ اندازہ غلط تھا کہ یہ سانپ زہریلے ہیں اور ان کے ڈسنے سے آدمی مر جاتا ہے...... اگر چیف مالک رام کا ارادہ شیر خان کو ہلاک کرنے کا ہوتا تو ان میں سے صرف ایک زہریلا سانپ ہی اسے ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان ساتوں کے ساتوں سانپوں میں سے ایک سانپ بھی زہریلا نہیں تھا...... یہ الگ بات ہے کہ آدمی سانپ کے ڈسنے کی دہشت سے مر جاتا ہے لیکن ان کے معمولی زہر سے نہیں مر سکتا تھا...... یہ سانپ خاص طور پر سپیروں سے کہہ کر منگوا کر رکھے گئے تھے جن کے زہر سے آدمی مر نہیں سکتا تھا...... ان کے زہر کی تاثیر اتنی ہی تھی جتنی تاثیر چار پانچ ڈیموؤں کے لڑنے کے زہر کی ہوتی ہے، لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ شیر خان سے پہلے انٹیلی جنس چیف نے جن خطرناک ملزموں پر یہ طریقہ آزمایا تھا ان میں سے تین صرف سانپ کاٹنے کی دہشت سے ہی مر گئے تھے...... لیکن کمانڈو شیر خان کی چٹان ایسی قوت ارادی اور اپنے اللہ پر بھروسہ اور ایمان کی قوت نے اسے بچا لیا تھا۔

رات کے دس بجے کے قریب دو مسلح سنتری کمانڈو شیر خان کے لئے دو جلی ہوئی چپاتیاں اور پتلی دال کا پیالہ پانی کا ڈبہ لے کر آئے تو ان کے ساتھ ایک سپیرا بھی تھا...... ایک سپاہی نے سانپوں کی خالی پٹاری اٹھا رکھی تھی...... دونوں سنتری یا سپاہی زینے میں ہی کھڑے ہوگئے، جبکہ سپیرے نے پٹاری لے کر زمین پر رکھ دی اور بین بجانی شروع کر دی...... یہ سپیرا ان سانپوں کو واپس پٹاری میں بند کرنے کے لئے بین بجا رہا تھا...... کمانڈو شیر خان چپ چاپ بیٹھا یہ تماشہ دیکھتا رہا...... جب کافی دیر تک بین بجانے کے باوجود کوئی سانپ نمودار نہ ہوا تو سپیرے نے بین بجانی بند کر دی اور

سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مہاراج لگتا ہے...... سانپ یہاں نہیں ہیں"۔

"تو پھر کہاں چلے گئے سالے؟"۔

ایک سپاہی نے سپیرے کو گالی دے کر کہا...... سپیرے نے کہا۔

"مہاراج! پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں...... اگر یہاں ہوتے تو اب تک باہر آگئے ہوتے"۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

"ابے سالے آگے جاکر گھاس میں ڈھونڈھ تیرے باپو گھاس میں چھپے ہوں گے"۔

سپیرا سمجھ گیا تھا کہ سانپ تہہ خانے میں کہیں نہیں ہیں...... گھاس کے اندر بھی نہیں ہیں...... اگر ہوتے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس کے بین بجانے پر باہر نہ نکلتے، لیکن سپاہیوں کا حکم پورا کرنے کی خاطر اس نے گھاس کو اِدھر اُدھر کھنگالنا شروع کردیا...... پہلے ایک سانپ کی لاش نکلی...... سپیرے نے چونک کر کہا۔

"مہاراج! یہ تو مر گیا ہے"۔

اس کے بعد ساتوں کے ساتوں مرے ہوئے سانپ بر آمد ہوگئے...... سپاہیوں نے کمانڈو شیر خان کو گالی دی تو شیر خان نے اٹھ کر ایک سپاہی کے منہ پر اتنے زور سے مکا رسید کیا کہ وہ پیچھے جاگرا...... دوسرے سپاہی نے رائفل کی نالی شیر خان کی طرف کردی اور بولا۔

"مجھے تمہیں ابھی زندہ رکھنے کا حکم نہ ہوتا تو میں نے ساری گولیاں تیرے بدن سے پار کردینی تھیں"۔

پہلے سپاہی نے اُٹھ کر شیر خان کو مکا مارنا چاہا تو شیر خان نے اس کی گردن اس طرح اپنے بازو کے شکنجے میں لے لی کہ اس کی چیخیں نکل گئیں...... شیر خان نے اسے پرے دھکیل کر کہا۔

"اگر پھر کبھی مجھے گالی دینے کی جرات کی تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

کمانڈو شیر خان کی دلیری اور طاقت کے مظاہرے سے دونوں سپاہیوں کی طبیعتیں ٹھکانے پر آ گئی تھیں...... اگرچہ وہ خود جرائم پیشہ اور سزا یافتہ تھے مگر سمجھ گئے تھے کہ ان کا واسطہ کسی معمولی آدمی سے نہیں پڑا ہے...... سپیرے نے سانپوں کی لاشیں پٹاری میں بند کر لیں...... سپاہی شیر خان کے آگے پانی کا ڈبہ اور دال روٹی رکھ کر واپس چلے گئے اور جاتی دفعہ تہہ خانے کے اوپر والے دہانے کو آہنی سلاخوں والے جالی دار دروازے کو بند کرتے گئے۔

جب اگلے روز انٹیلی جنس چیف مالک رام کو یہ خبر پہنچی کہ شیر خان نے ساتوں سانپوں کو کچل کر ہلاک کر دیا ہے تو اس نے سپاہیوں سے کہا۔

"اس پر آج کی رات فارمولا نمبر 2 استعمال کرو...... یاد رکھو...... اس آدمی کو موت کے اتنا قریب لے جاؤ کہ اسے یقین ہو جائے کہ یہ اب زندہ نہیں بچ سکتا، لیکن اسے ابھی مارنا بالکل نہیں ہے...... اسے آئی جی صاحب کے حکم کے مطابق اس وقت تک زندہ رکھنا ہے جب تک یہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں نہیں بتا دیتا...... اگر سانپوں کے کاٹنے کی دہشت کو اس نے ہضم کر لیا ہے تو فارمولا نمبر 2 کی اذیت اسے ضرور زبان کھولنے پر مجبور کر دے گی...... اسے ساری رات لٹکائے رکھو...... میں صبح کو آ کر اس سے بات کروں گا...... مجھے یقین ہے فارمولا نمبر 2 کو وہ ہضم نہ کر سکے گا اور ہمیں سب کچھ بتا دے گا...... جاؤ...... سورج غروب ہوتے ہی اسے لے جاؤ"۔

اس کام کے لئے ان ہی چار سپاہیوں کی ڈیوٹی لگائی گئی جنہوں نے کمانڈو شیر خان کو تہہ خانے میں بند کر کے اس پر سانپ چھوڑے تھے...... سورج غروب ہونے کے بعد شیر خان کو ہتھکڑی لگا کر اور پاؤں میں لوہے کے موٹے کڑے ڈال کر تہہ خانے سے نکالا گیا...... اسے ایک چھکڑے پر بٹھا دیا گیا...... دو مسلح سپاہی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے...... دو سپاہی چھکڑے کے پیچھے پیچھے نگرانی کی خاطر چلنے لگے...... چھکڑے کے

آگے ایک بیل جتا ہوا تھا...... گاڑی بان بیل کو چلا رہا تھا...... یہ گاڑی بان بھی ستیل گڑھ ہارچر سنٹر کا ملازم ہی تھا...... چھکڑا جنگل میں درختوں کے نیچے ایک طرف کو آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔

کمانڈو شیر خان کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ کہاں لے جا رہے ہیں اور وہاں لے جا کر اس کے ساتھ کس قسم کا وحشیانہ تشدد کرنے والے ہیں۔

جنگل میں ایک جگہ بانس کے درختوں کے پاس چھکڑا رک گیا...... شیر خان کو چلا کر ایک بہت بڑے مٹی کے تودے کے پاس لے جایا گیا...... اس تودے کی پہلو میں بانسوں کا ایک بہت بڑا جھنڈ تھا...... وہاں پہنچے تو ایک آدمی پہلے ہی ان کا انتظار کر رہا تھا...... یہ آدمی جنگلی لگتا تھا...... اس نے بانس کے درختوں کے درمیان ایک جگہ کو پانچ مربع فٹ کے قریب صاف کر دیا ہوا تھا...... شیر خان کو وہاں لا کر بٹھا دیا گیا...... دو مسلح سپاہی رائفلیں تانے اس کے پاس کھڑے ہو گئے...... جنگلی آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے ایک حوالدار سنتری نے پوچھا۔

"کیوں بے جگہ تلاش کر لی ہے تم نے؟"۔

جنگلی آدمی نے کہا۔

"ہاں مہاراج! یہاں سے بانس کی شاخ زمین کے اندر سے پھوٹی ہوئی ہے...... آپ خود آ کر دیکھ لیں"۔

حوالدار سنتری دو قدم چل کر اس جگہ بیٹھ گیا جہاں جنگلی آدمی نے اشارہ کیا تھا...... اس نے جھک کر دیکھا کہ زمین کے نیچے سے بانس کی ایک نوکیلی کونپل تھوڑی سی باہر نکلی ہوئی تھی...... اس نے بانس کی کونپل کو انگلی سے چھوا...... اس کی نوک سوئی کی نوک کی طرح تیکھی اور سخت تھی...... اس نے اٹھ کر جنگلی آدمی سے کہا۔

"چاروں طرف میخیں ٹھونک دو"۔

جنگلی آدمی نے چھکڑے پر رکھی ہوئی لکڑی کی موٹی میخیں اور ہتھوڑا اور رسیاں

اٹھائیں اور اس جگہ آ گیا جہاں بانس کی کونپل پھوٹی ہوئی تھی...... اس نے اندازے سے چاروں طرف ایک ایک میخ زمین میں اس طرح گاڑ دی کہ وہ آدھی زمین کے اندر اور آدھی زمین سے باہر تھی...... سنتری حوالدار نے سپاہیوں سے کہا۔

"اس بھوپت ڈاکو کو یہاں لا کر لٹا دو"۔

شیر خان کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے...... اس کے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی طرف کر کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی...... دونوں پاؤں میں لوہے کے موٹے کڑے تھے...... رائفلوں کی نوک پر اسے زمین پر اس طرح لٹا دیا گیا کہ زمین سے پھوٹی ہوئی بانس کی سخت کونپل کی سوئی اس کی کمر کے بالکل درمیان میں آ گئی تھی...... سب سے پہلے اس کے دونوں پاؤں رسیوں سے دو میخوں سے کس کر باندھ دیئے گئے...... اس کے بعد اس کی ہتھکڑی کھول کر اس کے دونوں ہاتھ بھی رسیوں سے اوپر والی دو میخوں کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔

کمانڈو شیر خان بانس کے درختوں کے نیچے اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ اس کے دونوں بازو اور ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں اور اسے اپنی کمر میں قمیض کے نیچے بانس کی سخت کونپل کی نوک کی چبھن محسوس ہو رہی تھی...... اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے میخوں کے ساتھ اس طرح باندھے گئے تھے کہ دونوں ہاتھ پاؤں کو جھٹکنا تو دور کی بات تھی، وہ انہیں ایک انچ بھی آگے پیچھے حرکت نہیں دے سکتا تھا...... جب کمانڈو شیر خان کو زمین پر پوری طرح سے جکڑ کر لٹا دیا گیا تو جنگلی آدمی رام رام کر کے چلا گیا...... دو سنتری بھی چھکڑے پر بیٹھ کر واپس چلے گئے...... وہاں صرف دو سنتری رہ گئے...... یہ دونوں رائفلیں سنبھالے کچھ دیر ادھر ادھر ٹہلتے رہے پھر شیر خان کے قریب آ کر اسے غور سے دیکھا اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"ارے بھیا بھوپت ڈاکو بننے کی کوشش نہ کرو...... اب بھی وقت ہے اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتا دو ورنہ صبح تمہاری یہاں لاش پڑی ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

دوسرے سنتری نے کہا۔

"بھیا خودکشی نہ کرو...... کہہ دو، میں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں...... ہم ابھی تمہیں یہاں سے اٹھا کر واپس لے جائیں گے...... ارے تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ تمہاری موت کتنی تکلیف والی اور دردناک ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا...... اس کی خاموشی کو نیم رضامندی تصور کرتے ہوئے جب پہلے سنتری نے کہا۔

"شاباش بھیا! ہاں کہہ دو...... تمہاری جان بچ جائے گی"۔

تب شیر خان نے کہا۔

"مسلمان مجاہد موت سے نہیں ڈرتا، بلکہ موت اس سے ڈرتی ہے...... میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

سنتری نے کہا۔

"تم مرنا ہی چاہتے ہو تو جاؤ مرو...... ہم تمہاری موت کا مزے سے تماشہ دیکھیں گے"۔

یہ حقیقت ہے کہ کمانڈو شیر خان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ لوگ اسے کس طریقے سے مارنا چاہتے ہیں...... آخر وہ یہی سمجھا کہ اسے اسی طرح زمین پر باندھ کر بھوکا پیاسا مارا جائے گا...... اس سے زیادہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا...... یہ خیال ضرور اسے پریشان کر رہا تھا کہ آخر ان لوگوں نے زمین پر اس جگہ کیوں لٹا کر باندھا گیا ہے جہاں زمین کے اندر سے بانس کی کونپل پھوٹی ہوئی ہے اور اس کونپل کی سوئی کی چبھن اس کو کمر میں باقاعدہ محسوس ہو رہی ہے۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی تھوڑی سی تشریح یا وضاحت کر دی جائے کہ تشدد بلکہ موت کی سزا دینے کا یہ طریق کار آخر ہے کیا...... یہ حقیقت ہے کہ

تمام درختوں میں سے بانس کے درخت کی کونپل سخت اور تیکھی ہوتی ہے...... دوسری حقیقت یہ ہے کہ بانس کی کونپل زمین میں سے سر نکالنے کے بعد بالکل سیدھی بڑھتی ہے اور بڑی تیزی سے بڑھتی ہے...... قدیم زمانے میں راجہ اور بادشاہوں نے قتل کے کسی مجرم یا اپنے کسی دشمن کو اذیت ناک طریقے سے موت کی سزا دینی ہوتی تھی تو اس شخص کو بانس کے درخت کے نیچے کسی ایسی جگہ اوندھا کر کے لٹا دیا جاتا تھا جہاں زمین کے اندر سے بانس کی تازہ کونپل پھوٹی ہوئی ہوتی تھی...... اہتمام خاص طور پر کیا جاتا تھا کہ بانس کی کونپل کی نوک مجرم کی ناف کے عین نیچے ہو...... اس کے بعد موت کی سزا پانے والے کے چاروں ہاتھ پیروں کو اس طرح سے باندھ دیا جاتا تھا کہ وہ ذرا سی بھی حرکت نہ کر سکے...... اس کے بعد ایک اذیت ناک موت کا عمل شروع ہو جاتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ بانس کی سخت اور سوئی ایسی کونپل آہستہ آہستہ زمین سے نہیں نکلتی بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایک دم سے باہر کو نکلتی رہتی ہے...... جیسے جیسے بانس کی یہ تیکھی کونپل زمین سے باہر آتی ہے وہ نیچے سے موٹی ہوتی جاتی ہے...... ساری رات یہ کونپل مجرم کی ناف کے اندر دھنستی چلی جاتی ہے اور اذیت ناک موت کا شدید کرب لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا جاتا ہے...... موت کے شکنجے میں جکڑا ہوا بدنصیب انسان ساری رات عذاب میں مبتلا بلبلاتا، کراہتا اور چیختا رہتا ہے...... اسے اس طریقے سے باندھا گیا ہوتا ہے کہ وہ درد کی شدت سے تڑپ بھی نہیں سکتا کہ شاید تڑپنے ہی سے درد کچھ کم ہو جائے...... صبح کے وقت جب بادشاہ آکر اسے دیکھتا تو بانس کی کونپل ایک نیزے کی طرح اس کی کمر سے باہر نکلی ہوتی تھی اور بدنصیب انسان مر چکا ہوتا تھا۔

انٹیلی جنس چیف مالک رام نے تاریخ کی کسی کتاب میں موت کی سزا دینے کا یہ وحشیانہ طریقہ پڑھ لیا تھا، چنانچہ اپنے ٹارچر سنٹر میں وہ جنہیں ہلاک کرنا ہوتا تھا انہیں اسی فارمولے سے ہلاک کرتا تھا، لیکن کمانڈو شیر خان کو چونکہ ابھی ہلاک کرنے کے آرڈر نہیں ہوئے تھے اس لئے اسے اتنی رعایت دی گئی تھی کہ بانس کی کونپل جب اس

کی کمر میں کھال کے ذرا سی اندر جائے تو اس کو ایک بار پھر موقع دیا جائے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے نام پتے بتا دے...... جنگلی آدمی جس نے کمانڈو شیر خان کو لٹایا تھا چیف مالک رام کو بتا دیا تھا کہ رات کے گیارہ اور بارہ کے درمیان بانس کی کونپل مجرم کی کمر کی کھال کے اندر چلی جائے گی...... چنانچہ رات کے گیارہ اور بارہ کے درمیان مالک رام جلاد نے وہاں آکر کمانڈو شیر خان کو ایک بار پھر زبان کھولنے پر راضی کرنے کی کوشش کرنی تھی، مگر اس سلسلے میں کمانڈو شیر خان کو کچھ نہیں بتایا گیا تھا...... اسے یہی کہا گیا تھا کہ وہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے، اب اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔

احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس خیال کے پیش نظر کہ شیر خان کی موت نہ واقع ہو جائے ایک تو اسے پیٹ کے بل بانس کی کونپل کے اوپر نہیں لٹایا گیا تھا، دوسرے بانس کی کونپل کو اس کی کمر پر اس جگہ پر رکھا گیا تھا کہ جہاں اگر بانس کی کونپل اس کے جسم کے تھوڑی سی اندر بھی چلی جائے تو اس کی موت واقع نہ ہو...... زخمی بے شک ہو جائے۔

کمانڈو شیر خان کی حالت یہ تھی کہ وہ بانس کے درختوں کے نیچے ننگی اور گیلی زمین پر چت لیٹا ہوا تھا...... اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے میخوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے...... اس کی کمر کی بائیں جانب اسے ہلکی سی چبھن برابر محسوس ہو رہی تھی...... وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی کمر کے نیچے کوئی کانٹا اتفاق سے آگیا ہے جو اسے چبھ رہا ہے...... وہ یہی سمجھا ہوا تھا کہ اسے یہی اذیت دی گئی ہے کہ وہ ساری رات بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ زمین پر اس طرح سیدھا پڑا رہے کہ ذرا سی بھی حرکت نہ کر سکے۔

دونوں سپاہی رائفلیں تھامے اس سے چند گز کے فاصلے پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے...... پھر وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے ٹہلنے لگے...... اس کے بعد وہ ایک درخت کے نیچے لکڑی کے سٹولوں پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگے...... شام کا سرمئی دھندلکا آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں گھل مل رہا تھا...... ایک سپاہی اٹھا اور اس نے شیر خان

کے سرہانے کی جانب ایک پتھر رکھ کر اس پر بڑی موم بتی روشن کر دی...... شیر خان کا جکڑا ہوا جسم جیسے اکڑ گیا تھا...... وہ صرف اپنی گردن ہی ہلا سکتا تھا...... اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کمر میں جہاں کانٹے کی ہلکی چبھن ہو رہی تھی وہاں کسی چیونٹی نے کاٹا ہو، مگر یہ چیونٹی نے نہیں کاٹا تھا بلکہ بانس کی کونپل کی سخت سوئی زمین کے اندر سے تھوڑی سی باہر نکل کر شیر خان کی کمر کی کھال میں گھس گئی تھی۔

چبھن نہ تو کم ہو رہی تھی نہ بڑھ رہی تھی...... ایک سطح پر آ کر رُک گئی تھی......

شیر خان سوچنے لگا کہ اگر کسی چیونٹی نے کاٹا ہو اور اس جگہ کو کھجلایا نہ جائے تو درد کی چبھن تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ غائب ہو جاتی ہے...... یہ کیسی چبھن ہے کہ مسلسل ایک ہی سطح پر برقرار ہے...... جنگل میں بڑی وحشت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی...... دونوں سنتری باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے تھے...... اندھیرے میں شیر خان کو ان کے سائے سے ہی نظر آ رہے تھے...... رات گزرتی جا رہی تھی...... شیر خان کی کمر میں چبھن کی لہر مسلسل جاری تھی اور اس میں تھوڑا سا اضافہ ہو گیا تھا اور وہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے...... کبھی اسے خیال آتا کہ ایک چیونٹی بار بار اس کی کمر پر کاٹ رہی ہے...... کبھی وہ سوچتا کہ شاید وہ کانٹا جو اس کی کمر کے نیچے آ گیا تھا اس کی کمر میں گھس گیا ہے...... کوئی ایک شے واضح ہو کر اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔

رات شاید گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مزید گزر گئی تھی کہ اچانک چبھن کی تکلیف ایک دم سے بڑھ گئی...... شیر خان کو لگا کہ اسی چیونٹی نے اس کی کمر پر اس دفعہ بڑے زور سے کاٹا ہے...... ایسی کوئی بات نہیں تھی بات یہ تھی جسے آپ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ قدرت کے نظام کے تحت بانس کی کونپل جوش نمو میں زمین کے اندر سے تھوڑی سی اور نکل کر شیر خان کی کھال میں گھس گئی تھی...... ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے کے بعد بانس کی تیکھی کونپل زمین میں سے تھوڑی سی اور باہر نکل کر ایسے شیر خان کی کمر میں مزید گھس گئی جس طرح انجکشن لگایا جاتا ہے...... اس وقت شیر خان کو محسوس ہونے لگا کہ معاملہ

کچھ اور ہی ہے...... اس کی کمر کا وہ حصہ جہاں بانس کی کونپل گھسی ہوئی تھی ایسے جکڑا گیا تھا جیسے کسی نے شکنجے میں کس دیا ہو...... اب شیر خان کو اپنی کمر میں کھال کے اندر کسی لمبے کانٹے کی موجودگی کا باقاعدہ احساس ہونے لگا تھا۔

اس وقت شیر خان پر یہ راز کھلا کہ اس کو بانس کی کسی کونپل کے اوپر لٹایا گیا ہے اور زمین کے اندر سے بانس کی کونپل باہر نکل کر اس کے جسم میں داخل ہو رہی ہے...... اسے معلوم تھا کہ صبح تک بانس کی کونپل نیزے کی طرح اس کے جسم سے باہر نکل چکی ہو گی اور وہ ختم ہو چکا ہو گا...... اس کا مطلب تھا کہ انٹیلی جنس چیف نے اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا...... اب جو بھی فیصلہ ہوا تھا کمانڈو شیر خان اس فیصلے کے خلاف مدافعت یا مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا...... اس نے دو ایک بار پاؤں کو جھٹکنے کی کوشش کی کہ شاید اسی طرح سے ان میخوں کو اکھاڑ سکے جس کے ساتھ اس کے پاؤں اور ہاتھوں کو باندھا گیا تھا مگر اسے اس طریقے سے جکڑا گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو جھٹک نہیں سکتا تھا۔

اس وقت رات آدھی گزر چکی تھی...... کمانڈو شیر خان نے چت لیٹے لیٹے دیکھا کہ دُور جنگل کے درختوں میں کسی گاڑی کی بتیاں روشن ہو گئی ہیں اور یہ روشنی قریب آ رہی ہے...... اب اسے گاڑی کے انجن کی آواز بھی آنے لگی تھی...... پھر ایک جیپ وہاں آ کر کھڑی ہو گئی...... جیپ کی بتیاں بجھائی نہیں گئی تھیں بلکہ روشن ہی رکھی گئی تھیں...... شیر خان نے دیکھا کہ جیپ میں سے دو مسلح گارڈ کے ساتھ چیف مالک رام اترا اور آہستہ آہستہ چل کر اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

ایک دو لمحے تک وہ کمانڈو شیر خان کو زمین پر پڑے دیکھتا رہا...... پھر بولا۔

"تم ابھی تک زندہ ہو؟" "کوئی بات نہیں صبح کو تمہاری لاش یہاں پڑی ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان کی کمر میں درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں، مگر وہ شدید سے شدید درد برداشت کرنا جانتا تھا...... اس نے کہا۔

"تم مجھے موت سے نہ ڈراؤ..... موت تو ایک مجاہد کے لئے جنت کی خوشخبری لے کر آتی ہے"۔

چیف مالک رام نے کہا۔

"اب بھی وقت ہے اگر تم اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتادو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے..... نہیں تو جو بانس کی شاخ نیزے کی طرح تمہاری کمر میں دھنس رہی ہے وہ صبح تک تمہارے سینے سے باہر آچکی ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان بولا۔

"مجھے ایک ہزار ایک بار مرنا قبول ہے مگر میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

جلاد صفت مالک رام نے کہا۔

"تو پھر مرو..... نرک میں جاؤ"۔

وہ جیپ میں بیٹھ کر چلا گیا اور جنگل میں پھر وہی تاریکی چھا گئی..... صرف ایک موم بتی تھی جو شیر خان کے سرہانے کی جانب کچھ فاصلے پر جلتی جلتی آدھی رہ گئی تھی..... دونوں سنتری کچھ دیر تو شیر خان کے چاروں طرف چل پھر کر پہرہ دیتے رہے..... پھر وہ درخت کے نیچے اپنی پہلی والی جگہ پر بیٹھ کر سگریٹ پیتے اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔

شیر خان نے آنکھیں بند کر لی تھیں..... اس کی درد کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا..... وہ موت کو گلے لگانے کے لئے بالکل تیار تھا..... وہ جانتا تھا کہ درد جب ایک حد سے گزر جائے گا تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے گی..... اسے اپنے ساتھی مجاہدوں کا خیال آنے لگا، لیکن جلد ہی اس نے اپنے ساتھیوں کا خیال دل سے نکال دیا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔

درد کی ٹیسیں ایک لہر کی طرح اس کی کمر کے نیچے سے اٹھ کر سارے جسم میں

پھیل رہی تھیں..... شیر خان دل میں کلمہ شریف کا ورد کرنے لگا..... جلاد صفت مالک رام کو گئے پندرہ بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ وہی جیپ دوبارہ آگئی..... اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنیاں شیر خان پر پڑ رہی تھیں..... جیپ میں سے تین سپاہی اترے..... انہوں نے وہاں پر پہلے سے پہرہ دیتے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور دونوں سپاہی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے..... انہوں نے ہتھوڑوں کی مدد سے وہ میخیں زمین میں سے اکھاڑ دیں جن کے ساتھ شیر خان کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے..... پھر انہوں نے شیر خان کو اٹھا کر بٹھا دیا..... زمین سے اوپر اٹھتے وقت شیر خان کو محسوس ہوا جیسے اس کی کمر میں دھنسی ہوئی کوئی سلاخ باہر نکل گئی ہو..... اسے چین سا آگیا..... سپاہیوں نے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے..... پاؤں کی رسیاں کھول دیں اور اسے چلاتے ہوئے جیپ میں لا کر بٹھا دیا..... دو سپاہی رائفلیں تان کر جیپ کے پیچھے کھڑے ہوئے..... دو مسلح سپاہی کمانڈو شیر خان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور جیپ واپس روانہ ہو گئی۔

شیر خان سمجھ گیا کہ اوپر سے آرڈر آگئے ہوں گے کہ اسے جان سے نہ مارا جائے۔

بہر حال جان بچ جانے پر کمانڈو شیر خان نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ ایک بار پھر جہاد میں حصہ لے سکے گا..... راتوں رات شیر خان کو سٹیل گڑھ ٹارچر سنٹر کی ایک ڈسپنسری میں پہنچا دیا گیا..... وہاں ایک سفید کوٹ والے ڈاکٹر یا کمپوڈر نے اسے سٹریچر پر پیٹ کے بل لٹا دیا اور کمر پر جہاں بانس کی سوئی اس کے جسم میں داخل ہوئی تھی خون صاف کیا اور دوائی لگا کر پٹی باندھ دی..... ایک ہفتہ تک کمانڈو شیر خان کا علاج ہوتا رہا..... اس دوران چیف مالک رام اس کے پاس آکر اس کی جھوٹی دلجوئی بھی کرتا رہا اور بڑی عیاری سے اس کو قائل کرنے کی کوشش بھی کرتا رہا۔

جب شیر خان کا زخم بھر گیا اور وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اسے ایک بار پھر زمین دوز کوٹھڑی یعنی پرانے والے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا..... وہاں مالک رام نے آکر اس سے کہا۔

"آئی جی صاحب نے تمہیں اس شرط پر زندگی کی مہلت دی ہے کہ تم ہمیں اپنے ساتھیوں کے نام بتادو اور یہ بتادو کہ وہ کون لوگ تھے...... یہ یقین رکھو کہ ہم ان کا سراغ لگالیں گے، وہ لوگ پولیس سے بچ کر نہیں جائیں گے، لیکن اگر تم بتادو گے تو ایک تو تمہاری جان بخشی ہو جائے گی اور دوسرے ہمیں زیادہ بک بک جھک جھک نہیں کرنی پڑے گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"آپ کو میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے ساتھیوں کے نام کبھی نہیں بتاؤں گا چاہے آپ مجھے آدم خور شیروں کے آگے ڈال دیں...... چاہے مجھے پھانسی پر لٹکادیں...... پھر آپ بار بار مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہیں...... باقی رہی زندگی کی مہلت دینے کی بات تو آپ کا آئی جی پولیس کون ہوتا ہے مجھے زندگی کی مہلت دینے والا...... اس کو خود اپنی زندگی کا پتہ نہیں کہ کب موت آکر اس کا گلا دبادے گی...... وہ مجھے زندگی کی کیا مہلت دے گا...... میری زندگی اور موت صرف میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے...... تم لوگ مجھ سے جو غیر انسانی سلوک کر رہے ہو بے شک کرتے چلے جاؤ...... میری زبان پر میرے ساتھیوں کا نام کبھی نہیں آئے گا...... اگر اللہ نے میری موت تمہارے ہاتھوں لکھ دی ہے تو مجھے کوئی نہیں بچاسکے گا، اگر میری موت کا وقت ابھی نہیں آیا تو تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے"۔

جلاد صفت مالک رام کو غصہ آگیا" اس نے کہا۔

"میں دیکھ لوں گا تم کیسے زبان نہیں کھولتے...... اس وقت تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے اور اب تمہیں موت سے کوئی نہیں بچاسکے گا"۔

مالک رام غصے سے پھنکارتا ہوا چلا گیا۔

شیر خان کا خیال تھا کہ ایک بار پھر تہہ خانے میں سانپوں کی پٹاری پھینک دی جائے گی جس میں اس دفعہ بہت زہریلے سانپ ہوں گے، لیکن ایسا نہ ہوا...... رات

گزر گئی تہہ خانے کی سیڑھیوں میں دن کی روشنی تہہ خانے کے دہانے پر رکھے ہوئے آہنی فریم کی جالیوں میں سے نکل کر پڑنے لگی تھی...... ایک مسلح سنتری اس کے لئے دو باسی روٹیاں اور دال لے کر آگیا...... ایک مسلح سپاہی اس کے پیچھے نمودار ہوا...... وہ تہہ خانے کے زینے میں رائفل تان کر کھڑا ہو گیا...... اس کے ہاتھ کھول دیئے گئے۔ سپاہی نے کہا۔

"جلدی جلدی اسے کھالو...... کل تمہیں کچھ کھانے پینے کی حاجت نہیں رہے گی"۔

شیر خان سمجھ گیا کہ یہ لوگ اسے موت کے گھاٹ اترنے کا فیصلہ کر چکے ہیں...... اس کی اسے کوئی پروا نہیں تھی...... اس نے جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے باسی دال روٹی زہر مار کرلی...... کیونکہ اس کا ایمان تھا کہ اگر اس کی موت ابھی نہیں لکھی ہوئی تو مالک رام کا باپ بھی اسے نہیں مار سکتا...... سپاہی اس کے ہاتھ رسی سے پیچھے باندھ کر چلے گئے...... دوپہر کو اسے چار مسلح سپاہی ایک قریبی تالاب پر لے گئے جہاں اس نے منہ ہاتھ دھویا...... جب تک وہ تالاب پر رہا سپاہی رائفلیں تانے اس کو اپنے حصار میں لئے رہے...... اس کے بعد دوبارہ اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے اور اسے تہہ خانے میں ڈال دیا گیا۔

دوپہر کے بعد اسے ایک بار پھر دو باسی روٹیاں ساتھ دال دی گئی...... اس وقت سپاہی نے کہا۔

"بھوپت جی! یہ تمہاری زندگی کا آخری کھانا ہے"۔

تہہ خانے میں تین مسلح سپاہی آئے ہوئے تھے...... جب شیر خان زہر مار کر چکا تو اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھنے کے بعد اس کی آنکھوں پر بھی کالی پٹی کس کر باندھ دی گئی...... تینوں سپاہی اسے پکڑ کر تہہ خانے سے باہر لے آئے...... کالی پٹی میں سے شیر خان کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا...... اسے ایک بیل گاڑی میں بٹھادیا گیا اور بیل گاڑی چل پڑی...... شیر خان نے سوچا کہ یہ لوگ اسے جنگل میں کسی جگہ شوٹ کرنے کے

لئے لے جا رہے ہیں...... شیر خان نے دل میں کلمہ پاک کا ورد شروع کر دیا...... اس نے اپنے آپ کو اللہ کی مرضی کے سپرد کر دیا تھا...... اب اسے کوئی غم فکر نہیں رہا تھا۔

بیل گاڑی جنگل میں چلتی رہی...... پھر ایک جگہ بیل گاڑی رُک گئی...... شیر خان کو گاڑی میں سے دو مسلح سپاہیوں نے پکڑ کر اتارا...... شیر خان کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ جنگل میں کس جگہ پر آ گیا ہے...... یہ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ جنگل میں وہ کون سی جگہ تھی جہاں بیل گاڑی آ کر رُکی تھی وہاں چند قدموں کے فاصلے پر ایک اندھا کنواں تھا جو ایک مدت سے بند پڑا تھا...... اس کنوئیں کی گہرائی تیس فٹ کے قریب تھی اور اس کا قطر یعنی گولائی دس فٹ سے کم نہیں تھی...... جلاد صفت مالک رام نے ستیل گڑھ کے جنگل میں ٹارچر سیل قائم کرنے کے بعد جب اِرد گرد کے جنگل کا سروے کیا تھا تو اسے یہ اندھا کنواں نظر آ گیا تھا۔

مالک رام کے وحشیانہ اور ظالمانہ عزائم کی تسکین کے لئے یہ کنواں بڑا موزوں تھا...... مالک رام اس بات کا قائل نہیں تھا کہ کسی مجاہد کو ایک دم سے گولی مار کر ہلاک کیا جائے...... اس کا خیال تھا کہ اس طرح تو مجاہد کو اچانک موت آ جاتی ہے اور موت اس کو جسمانی اذیتوں سے اچانک نجات دلا دیتی ہے...... وہ زیر تفتیش مجاہدوں کو تڑپا تڑپا کر مارنے کا قائل تھا، چنانچہ اس نے اس کنوئیں کا ایک آدمی اس میں اتار کر اچھی طرح سے جائزہ لیا...... اسے معلوم ہوا کہ کنوئیں میں جھاڑ جھنکاڑ اور گلے سڑے پتوں کی وجہ سے ہر وقت زہریلی گیس خارج ہوتی رہتی ہے...... اس کے علاوہ اسے بتایا گیا کہ کنوئیں کی تہہ میں سانپوں کے بل بھی دیکھے گئے ہیں، جس کا مطلب تھا کہ اس اندھے کنوئیں میں سانپوں کا بھی بسیرا تھا...... مالک رام یہ کرتا کہ جو زیر تفتیش مجرم یا مجاہد تشدد کے باوجود زبان نہ کھولتا تھا اسے اس اندھے کنوئیں میں پھینک دیتا...... اوپر سے کنوئیں کا منہ لکڑی کے ڈھکن سے بند کر کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا...... کنوئیں کے اندر جسے پھینکا جاتا تھا وہ یا تو بھوکا پیاسا مر جاتا اور یا پھر کسی سوراخ میں سے کوئی زہریلا سانپ

نکل کر ڈس لیتا اور اس کی موت واقع ہو جاتی...... اس اندھے کنوئیں میں چیف مالک رام دس بارہ بد نصیب انسانوں کو پھینک چکا تھا، جن کی ہڈیوں کے پنجر اندھے کنوئیں میں ہی پڑے رہتے تھے...... اگر بد نصیب شخص سانپ کے ڈسنے سے بچ جاتا تو کنوئیں سے اٹھنے والی زہریلی گیس کی وجہ سے دم گھٹ کر مر جاتا۔

اس کنوئیں کا نام مالک رام نے موت کا کنواں رکھا ہوا تھا...... جب مالک رام کے طرح طرح کے تشدد کے باوجود کمانڈو شیر خان نے زبان نہ کھولی تو اس نے شیر خان کو اندھے کنوئیں میں پھینکنے کا فیصلہ کر لیا...... اس کی اس نے اوپر سے اجازت بھی لے لی، چنانچہ اسی مقصد کے لئے کمانڈو شیر خان کو بیل گاڑی میں بٹھا کر وہاں لایا گیا تھا...... مالک رام خود بھی ساتھ آیا تھا...... کمانڈو شیر خان کو جب اندھے کنوئیں کی منڈیر پر لا کر کھڑا کر دیا گیا تو مالک رام نے حکم دیا۔

"اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دو"۔

ایک سپاہی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی...... شیر خان نے دیکھا کہ ڈوبتے سورج کی پھیکی روشنی میں جنگل میں جہاں اسے کھڑا کیا گیا ہے، اس کے آگے ایک گہرا کنواں ہے جس کی گول منڈیر پر گھاس اُگی ہوئی ہے...... یہ گھاس اس بات کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ یہ کنواں ویران اور اندھا ہے...... مالک رام اس کے سامنے کنوئیں کی دوسری طرف آ کر کھڑا ہو گیا...... شیر خان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے...... اس کو دو آدمیوں نے پکڑ رکھا تھا...... مالک رام نے کہا۔

"ابھی وقت ہے...... اگر تم میری بات مان لو گے تو تم ساری عمر زندہ رہو گے...... ہم تمہیں رہا کر دیں گے...... اگر نہ مانی تو تمہیں اس اندھے کنوئیں میں پھینک دیا جائے گا جو تمہارے ایک قدم آگے ہے...... بولو...... زندگی چاہتے ہو یا موت؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"مجھے وہ زندگی ہر گز قبول نہیں جو مجھے اپنے دوستوں اور اپنی زندگی کے نصب

العین سے غداری کرنے کے عوض ملے...... میرا ایمان سلامت ہے...... میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

مالک رام نے کہا۔

"ایک بار پھر سوچ لو، کیونکہ اس کے بعد تمہیں سوچنے کا موقع نہیں ملے گا"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا ہے وہ میرا آخری فیصلہ ہے...... اگر خدا نے میری موت اسی طرح لکھی ہے تو میں اسے ہنس کر گلے لگاتا ہوں"۔

مالک رام نے سپاہیوں کو اشارہ کیا...... دونوں سپاہیوں نے جو شیر خان کو پکڑ کر کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے تھے اسے اندھے کنوئیں میں دھکا دے دیا...... شیر خان اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو نہیں ڈھانپ سکتا تھا تاکہ چوٹ نہ لگے، کیونکہ اس کے دونوں ہاتھ رسی سے پیچھے بندھے ہوئے تھے...... اس نے وہی کیا جو ایسی صورت میں اسے کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔

اس نے گرتے کے ساتھ ہی اپنے آپ کو دوہرا کر کے پہلو رُخ پر کر لیا تاکہ نیچے اس کا سر اور ٹانگیں ٹوٹنے سے محفوظ رہیں...... کنوئیں کی گہرائی قریب قریب تیس فٹ تھی...... یہ بڑی غنیمت رہی کہ وہ پتھروں پر گرنے کی بجائے گلے سڑے پتوں، گھاس، پھونس اور درختوں کی گری پڑی شاخوں اور انسانی ہڈیوں کے پنجروں پر گرا......
اس کے فوراً بعد چیف مالک رام کے حکم پر کنوئیں کو لکڑی کے گول تختے سے ڈھانپ کر اس کے اوپر دو بھاری پتھر رکھ دیئے گئے۔

مالک رام نے ایک سپاہی سے کہا۔

"تم یہاں آج کی رات پہرہ دو گے کل صبح یہ تسلی کرنے کے بعد کہ یہ کشمیری جاسوس مر چکا ہے تم واپس اپنے سنٹر میں آجاؤ گے"۔

اپنی طرف سے مالک رام شیر خان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے بیل گاڑی

میں سوار ہو کر واپس چلا گیا...... صرف ایک سنتری پیچھے رہ گیا جو اندھے کنوئیں کے ایک قریبی درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور پاؤں لٹکا کر سگریٹ پینے لگا۔

شیر خان نے گرتے ہی سب سے پہلے یہ جائزہ لیا کہ اس کی کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹی...... گھاس پھونس اور گلے سڑے پتوں نے اسے چوٹ لگنے سے بچا لیا تھا...... کنوئیں کو ڈھانپ دینے سے اندر اندھیرا چھا گیا تھا...... اگرچہ باہر ابھی دن کی روشنی باقی تھی...... شیر خان کی ہڈی پسلی سلامت تھی...... ایک رُخ پر گرنے اور انسانی ہڈیوں کے پنجر کے اوپر گرنے سے اس کے ایک جانب کی کولہے کی ہڈی درد کرنے لگی تھی...... کنوئیں میں گلے سڑے پتوں کی وجہ سے ناگوار بو پیدا ہو رہی تھی...... شیر خان نے پہلا یہ کام کیا کہ اپنے آپ کو ہلکے ہلکے جھٹکوں سے دھکیلتے ہوئے کنوئیں کی دیوار کے پاس لے گیا...... یہاں جگہ تھوڑی اونچی اور درختوں کی جھاڑیاں خشک تھیں...... اس نے کنوئیں کی دیوار کے ساتھ پشت لگا لی اور پیچھے بندھے ہوئے ہاتھوں سے دیوار کو ٹٹولا...... دیوار کی چنائی میں اینٹیں بھی استعمال ہوئی تھیں اور پتھر بھی استعمال کیا گیا تھا...... کہیں کہیں دیوار میں گھاس اُگ رہی تھی۔

کمانڈو شیر خان نے دیوار میں سے باہر نکلے ہوئے ایک پتھر کو چن لیا اور اس کے ساتھ ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسی کو آہستہ آہستہ رگڑنا شروع کر دیا...... یہ بڑا صبر طلب کام تھا اور شیر خان صبر کرنا جانتا تھا...... صبر اس کے مسلمانی ایمان کا ایک حصہ تھا...... اسے اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد تھا کہ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" دیوار کا پتھر نوکیلا نہیں تھا...... ہموار تھا، صرف اس کا ایک کنارا ذرا سا اُبھرا ہوا تھا...... شیر خان ہاتھوں کی رسی کو اسی کنارے پر رگڑ رہا تھا...... دیر تک وہ دونوں بندھے ہوئے ہاتھوں کو پتھر کے کنارے پر رگڑتا رہا...... آخر وہ تھک گیا اور رُک گیا...... تھوڑی دیر کے بعد پھر بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی کو اسی جگہ سے رگڑنے لگا...... رسی بڑی مضبوط تھی...... اس پر پتھر کی رگڑ کا بہت کم اثر ہو رہا تھا...... وقفے وقفے سے شیر خان دو تین

گھنٹوں تک رسی کو رگڑتا رہا...... آخر اسے صبر کا انعام مل گیا...... رسی کی ایک گانٹھ کٹ گئی...... اب دوسری گانٹھ باقی تھی...... اس نے اسے بھی آہستہ آہستہ پتھر کی دھار سے رگڑنا شروع کر دیا...... اسے مزید دو گھنٹے لگ گئے...... پھر رسی کی دوسری گانٹھ بھی کٹ گئی۔

شیر خان نے ہلکا سا جھٹکا دیا اور اس کے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے...... وہ دونوں کلائیوں کو سہلاتے ہوئے کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا...... کنوئیں میں گلے سڑے پتوں کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی مگر اس بو میں زہریلا عنصر زیادہ مقدار میں نہیں تھا، لیکن ہر سانس کے ساتھ تھوڑی تھوڑی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس اس کے پھیپھڑوں میں ضرور جا رہی تھی جو اسے کچھ وقت گزر جانے کے بعد بے ہوش کر سکتی تھی اور اس کے بعد بے ہوشی میں ہی اس کی موت واقع ہو سکتی تھی...... شیر خان کو اس سے پہلے پہلے کنوئیں سے نکلنے کی کوشش کرنی تھی۔

شیر خان نے اٹھ کر کنوئیں کی دیوار کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے کی کوشش کی...... دیوار اینٹوں اور پتھروں کو ملا کر گارے سے بنائی گئی تھی...... بہت پرانی ہونے کی وجہ سے کہیں کہیں سے اینٹیں اور پتھر تھوڑے تھوڑے باہر نکلے ہوئے تھے...... کنوئیں کا قطر یعنی گولائی دس بارہ فٹ تھی اور شیر خان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کنوئیں کی دونوں دیواروں پر پاؤں پھنسا کر اوپر کو چڑھ سکتا...... اسے کنوئیں سے ہر حالت میں باہر نکلنا تھا...... وہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر یہ سوچ رہا تھا کہ کنوئیں میں سے کس ترکیب کے ساتھ باہر نکلا جا سکتا ہے...... وہ بیٹھ گیا اور اندھیرے میں ادھر ادھر ہاتھ پھیرنے لگا...... ایک انسانی کھوپڑی اس کے ہاتھ میں آ گئی...... اس نے اسے چھوڑ دیا...... پھر اندھیرے میں انسانی پنجر کی پسلیوں پر اس کے ہاتھ پڑ گئے...... ان انسانی پنجروں کی ہڈیوں سے ظاہر تھا کہ اس سے پہلے بھی ٹارچر سنٹر کا جلاد چیف مالک رام کئی لوگوں کو کنوئیں میں گرا کر ہلاک کر چکا ہے...... یہ ان

بد نصیبوں کی ہڈیوں کے پنجر تھے۔

مگر کمانڈو شیر خان کو ان مردہ ہڈیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا...... وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھیں...... وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ دیوار پر ہاتھ پھیرتا گول دائرے کی شکل میں گھومنے لگا...... ایک جگہ اس کے سر کے ساتھ اوپر سے لٹکتی ہوئی کوئی چیز ٹکرائی...... وہ وہیں رک گیا...... بند کنوئیں کے اندھیرے میں اس نے ہاتھ اوپر کر کے لٹکتی ہوئی چیز کو چھوا...... وہ کوئی رسی نما چیز تھی...... بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ کسی درخت کی جڑ ہے جو کنوئیں کی دیوار میں کسی جگہ سے باہر نکلی ہوئی ہے...... اس نے اسے دو تین جھٹکے دیئے...... درخت کی جڑ مضبوط تھی...... شیر خان نے درخت کی جڑ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے رکھا اور اپنے دونوں پاؤں کنوئیں کی دیوار کے ساتھ لگا دیئے...... پھر وہ رسی کو پکڑ پکڑ کر کنوئیں کی دیوار پر اپنے پاؤں اوپر کرتا چلا گیا...... چھ سات فٹ اوپر چڑھنے کے بعد درخت کی وہ جڑ تو ختم ہو گئی مگر اس کی جگہ اسے ایک اور جڑ مل گئی جو اوپر دیوار میں سے باہر نکلی ہوئی دیوار کے بالکل ساتھ لگی ہوئی تھی۔

❋ ❋ ❋

کمانڈو شیر خان کے دل میں اُمید کی شمع روشن ہو چکی تھی۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ قدرت اس کی مدد کر رہی ہے اور اس نے اسے کنوئیں سے باہر نکالنے کے لئے ایک سبب پیدا کر دیا ہے...... دس گیارہ فٹ اوپر جا کر درخت کی یہ جڑ بھی ختم ہو گئی...... شیر خان نے دونوں پیر کنوئیں کی دیوار سے ٹکائے ہوئے تھے...... اس نے درخت کی جڑ کو ایک ہاتھ سے تھام رکھا تھا...... یہ جڑ بھی کنوئیں کی دیوار کے اندر سے باہر نکلی ہوئی تھیں...... اس نے دوسرے ہاتھ سے دیوار کو ٹٹولا...... درخت کی ایک اور جڑ دیوار کی مٹی میں دیوار کے ساتھ چپکی ہوئی تھی...... اس نے انگلیوں سے کھرچا تو جڑ کا ایک حصہ اس کے ہاتھ میں آ گیا...... شیر خان نے اسے جھٹکا دیا...... درخت کی جڑ دیوار سے الگ ہو گئی...... یہ جڑ بھی رسی کی طرح کنوئیں کی دیوار کے ساتھ اوپر کو چلی گئی تھی۔

کمانڈو شیر خان درخت کی دیوار میں سے نکلی ہوئی جڑوں کو پکڑ پکڑ کر کنوئیں کی آدھی دیوار کا فاصلہ طے کر چکا تھا...... تیسری جڑ کو پکڑنے کے بعد وہ دیوار سے پاؤں ٹکائے مزید اوپر چڑھ گیا...... یہ جڑ کنوئیں کی منڈیر سے دو فٹ نیچے تک گئی ہوئی تھی...... وہ کنوئیں کی منڈیر سے دو فٹ کے فاصلے پر پہنچ چکا تھا۔

اسے کنوئیں کے ڈھکے ہوئے دہانے میں سے آتی جنگل کی تازہ ہوا محسوس ہو رہی تھی...... وہ جانتا تھا کہ مالک رام احمق نہیں ہے...... اس نے شیر خان کے

کنوئیں سے باہر نہ نکلنے کا پورا انتظام بھی کیا ہو گا اور باہر کوئی نہ کوئی سپاہی پہرہ بھی دے رہا ہو گا...... کم از کم اس وقت تک باہر پہرہ موجود رہتا تھا جب تک کہ انہیں یقین نہیں ہو جاتا کہ شیر خان کنوئیں کے اندر سانپ کے کاٹے یا دم گھٹنے سے مر گیا ہے...... بہت جلد اسے اس کا ثبوت مل گیا...... کنوئیں کے بند دہانے کی درزوں میں سے جو تازہ ہوا اندر آ رہی تھی اس میں شیر خان کو تمباکو کے دھوئیں کی بو بھی محسوس ہوئی...... یہ اس بات کی علامت تھی کہ کنوئیں کے باہر پہرے دار موجود ہے اور سگریٹ پی رہا ہے۔

کمانڈو شیر خان نے کنوئیں میں سے باہر نکلنے کا راستہ دریافت کر لیا تھا...... اب اسے اس لمحے کا انتظار کرنا تھا جب باہر بیٹھا سنتری وہاں سے چلا نہیں جاتا...... شیر خان درخت کی جڑوں کو پکڑ کر کنوئیں کی دیوار کے ساتھ پاؤں ٹکا ٹکا کر نیچے اتر آیا اور کنوئیں کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا...... کنوئیں کے اندر مچھروں کی بھرمار تھی...... مچھر شیر خان کو بری طرح کاٹ رہے تھے، مگر اسے یہ تکلیف بھی برداشت کرنی تھی...... ساری رات اس طرح مچھروں کو مارتے گزر گئی...... باہر درختوں میں جنگلی پرندوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔

شیر خان نے اوپر دیکھا...... کنوئیں کے ڈھکے ہوئے دہانے کے کناروں کی درزوں میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی، صبح ہو گئی تھی...... پھر اسے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی...... کوئی کنوئیں کی چھت پر چل رہا تھا...... اسے چھت پر سے کسی بھاری پتھر کے لڑھکانے کی آواز آئی...... اس کے بعد کسی نے کنوئیں کے دہانے پر گرائے ہوئے تختے کو ایک طرف گھسیٹنا شروع کر دیا...... شیر خان جلدی سے دیوار سے الگ ہو کر ایک لاش کی طرح جھاڑیوں اور گلے سڑے پتوں کے اوپر لیٹ گیا۔

وہ نیم وا آنکھوں سے کنوئیں کے دہانے کو دیکھ رہا تھا...... اوپر سے تختہ ہٹا دیا گیا...... کنوئیں کے اندر دن کی روشنی آنے لگی...... پھر ایک آدمی نے جھانک کر کنوئیں میں دیکھا...... یہ وہی سپاہی ہو سکتا تھا جو رات بھر کنوئیں کے باہر پہرہ دیتا رہا

تھا...... اس نے آواز دے کر کہا۔

"ہم تمہیں باہر نکالنے آئے ہیں...... فکر نہ کرو آئی جی صاحب نے تمہاری جان بخشی کا حکم دے دیا ہے...... کیا تم زندہ ہو؟ زندہ ہو تو جواب دو تاکہ ہم تمہیں باہر نکلیں"۔

کمانڈو شیر خان سمجھ گیا کہ یہ ایک چال ہے...... سپاہی صرف اس بات کی تسلی کرنا چاہتا ہے کہ شیر خان مر چکا ہے یا ابھی زندہ ہے...... شیر خان اسی طرح لاش کی طرح پڑا رہا...... اس نے کوئی جواب نہ دیا...... پھر اوپر سے ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی گئی...... ٹارچ کی روشنی شیر خان کی آنکھوں پر پڑی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں اور جسم کو بے حس و حرکت کئے رکھا...... سپاہی نے اوپر سے تین مرتبہ آواز دے کر پوچھا۔

"زندہ ہو تو آواز دو...... تاکہ ہم تمہیں باہر نکالیں...... تمہیں معافی مل گئی ہے"۔

مگر شیر خان اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا، نہ اس نے کوئی حرکت کی اور نہ کوئی آواز نکالی...... سپاہی سمجھ گیا کہ کنوئیں میں اتنی بلندی سے گرتے ہی قیدی کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہوگی اور وہ مرا پڑا ہے...... وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر قیدی ادھ موا بھی ہوا تو بند کنوئیں میں بھوکا پیاسا رہ کر ایک دو دن میں مر جائے گا...... سپاہی نے لکڑی کے تختے سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا اور اس پر دونوں بھاری پتھر رکھے اور ٹارچر سنٹر میں پہنچ کر چیف مالک رام کو بڑھا چڑھا کر بتایا کہ قیدی مجاہد مر چکا ہے اور اس کی لاش نے گلنا سڑنا بھی شروع کر دیا ہے...... مالک نے پوچھا۔

"تم نے اچھی طرح سے تسلی کر لی تھی کہ وہ مر گیا ہے؟"۔

سپاہی نے کہا۔

"سر! میں نے خود لاش پڑی دیکھی ہے...... میں نے اوپر سے چھ سات پتھر بھی مارے مگر لاش نے کوئی حرکت نہ کی...... کنوئیں میں لاش کی بدبو پھیلی ہوئی تھی"۔

اس کے بعد مالک رام نے کوئی سوال نہ کیا۔

دوسری طرف جب سپاہی کنوئیں کا منہ بند کر کے چلا گیا تو کمانڈو شیر خان نے باہر نکلنے کی جدوجہد شروع کر دی...... ایک بار وہ ریہرسل کر چکا تھا...... درخت کی پہلی جڑ کو پکڑ کر وہ دوسری جڑ تک آیا...... وہاں سے دوسری جڑ کی مدد سے تیسری جڑ تک پہنچا اور تیسری کو پکڑ کر وہ کنوئیں کے دہانے سے دو فٹ نیچے آگیا...... آگے اس کی مہم کا سب سے مشکل مرحلہ شروع ہونے والا تھا...... اس نے دیوار میں سے نکلی ہوئی درخت کی جڑ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے دونوں پاؤں کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ٹکائے ہوئے تھے...... ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ درخت کی جڑ نہ ٹوٹ جائے...... درخت کی جڑ ٹوٹ جانے سے اسے چوٹ لگنے کا خدشہ بھی تھا اور اس کے بعد کنوئیں سے باہر نکلنے کا امکان بھی ختم ہو سکتا تھا...... کنوئیں کے بند دہانے کے پاس اس کے اوپر رکھے تختے کی درزوں میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آرہی تھی...... اس روشنی میں شیر خان نے صورت حال کا جائزہ لیا...... اس کا ذہن تیزی سے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا۔

آخر ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آگئی...... اس نے کسی نہ کسی طرح اور کافی مشکل کے بعد درخت کی جڑ کو اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا...... اس کے دونوں ہاتھ فارغ تھے...... اپنے پاؤں اس نے بدستور کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ٹکائے ہوئے تھے...... اس کی پوزیشن بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح سے واپڈا کے لائن مین پیٹی سے اپنے آپ کو کھمبے کے ساتھ باندھ کر بجلی کے تاروں کی مرمت کیا کرتے ہیں...... شیر خان نے دونوں بازو اوپر کئے تو اس کے ہاتھ کنوئیں پر رکھے تختے تک پہنچ گئے، مگر وہ تختے کے اتنے قریب نہیں تھے کہ وہ دونوں ہاتھوں کا زور لگا کر تختے کو کھسکانے کی کوشش کر سکتا...... اسے یہ ڈر بھی تھا کہ اگر تختے کو ادھر اُدھر کرتے ہوئے پتھر لڑھک گیا اور اس کی آواز پیدا ہوئی تو ممکن ہے سپاہی ابھی باہر ہی ہو اور وہ فوراً وہاں آجائے اور شیر خان پر فائر کر کے اسے دوبارہ کنوئیں میں گرادے...... اسے یہ خبر نہیں تھی کہ سپاہی وہاں سے جا چکا ہے۔

شیر خان نے ایک جگہ کنوئیں کی دیوار میں سے تھوڑا سا باہر نکلے ہوئے پتھر پر پاؤں جمالیا...... اسی طرح کافی جدوجہد کے بعد وہ دوسرا پاؤں بھی گول دیوار پر ایک جگہ ٹکانے میں کامیاب ہو گیا...... اس نے دیوار کو پکڑ کر اپنے آپ کو ذرا سا اوپر اٹھایا...... نیچے گرنے کا خطرہ نہیں تھا، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو درخت کی جڑ کے ساتھ باندھا ہوا تھا...... اس کا ایک ہاتھ کنوئیں کی منڈیر تک پہنچ گیا...... اس نے کنوئیں پر رکھے لکڑی کے تختے کو ہاتھ سے زور لگا کر ایک طرف کھسکانے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا...... اس نے دوسری اور تیسری بار کوشش کی لیکن اس کی ہر کوشش ناکام رہی...... بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ وہ خواہ کچھ کرے کنوئیں کے اوپر پڑے ہوئے تختے کو ایک طرف نہیں کھسکا سکے گا جبکہ تختے کے اوپر دو وزنی پتھر رکھے ہوئے تھے...... اس نے دیکھا کہ کنوئیں کے منہ پر رکھے تختے کے نیچے جس جگہ سے دن کی روشنی کی کرنیں کنوئیں میں آرہی تھیں وہاں بارش کے پانی نے بہہ بہہ کر چھوٹی سی ڈھلان سی بنائی ہوئی تھی۔

اس نے درخت کی جڑ کو اپنی کمر کے گرد ایک اور بل دے دیا...... اس کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ دیوار کے اور قریب ہو گیا...... اس نے ذرا سا اُچک کر اپنے دونوں ہاتھ کنوئیں کی منڈیر پر اس جگہ ٹکا دیئے جہاں سے بارش کے پانی کے بہنے سے ڈھلان سی بنی ہوئی تھی...... اس نے ایک ہاتھ سے وہاں سے مٹی کھرچنی شروع کر دی...... مٹی بھر بھری تھی...... اس نے اتنی مٹی گرالی کہ نیچے سے اینٹ نکل آئی...... اس کا دوسرا ہاتھ منڈیر کو تھامے تھامے تھک گیا تھا...... اس نے دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے اور کمر کے گرد بندھی ہوئی درخت کی جڑ کے سہارے دیوار پر پاؤں ٹکائے پیچھے کو ہٹ گیا......
دو تین منٹ کے بعد اس نے دوبارہ اُچک کر کنوئیں کی منڈیر کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے منڈیر کی اینٹ کو باہر نکالنے کے لئے جدوجہد کرنے لگا...... بارشوں نے اس جگہ کو کافی نرم کر دیا ہوا تھا...... تھوڑی سی مزید کوشش کے بعد اس

نے ایک اینٹ اکھاڑ کر نیچے کنوئیں میں گرا دی...... ایک اینٹ کے نکل آنے سے دوسری اینٹ اور پتھر بھی اپنی جگہ سے ہل گئے تھے۔

دس پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد شیر خان نے ایک اور اینٹ اور ایک اور پتھر اپنی جگہ سے اُکھاڑ کر نیچے پھینک دیا...... اپنے سوچے ہوئے منصوبے کے تحت وہ اپنے کام میں لگا رہا...... تین چار منٹ کنوئیں کی منڈیر کے نیچے سے مٹی اِدھر اُدھر ہٹاتا...... اینٹ اور پتھر کو کھسانے کی کوشش کرتا اور رُک کر تھوڑی دیر آرام کرتا، اس کے بعد پھر اپنی جدوجہد میں مصروف ہو جاتا...... آدھے گھنٹے کی تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد شیر خان نے کنوئیں کے اوپر رکھے ہوئے تختے کے نیچے چھ سات اینٹیں اور پتھر نیچے گرا دیئے...... اب وہاں اتنی جگہ بن گئی تھی کہ وہ اس میں سے رینگ کر گزر سکتا تھا، لیکن اب سب سے مشکل مرحلہ درپیش تھا۔

اسے اُچھل کر کنوئیں کی منڈیر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑنا اور رینگ کر باہر نکلنا تھا...... اس کے لئے سب سے پہلے اسے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی درخت کی جڑ سے اپنے آپ کو الگ کرنا تھا...... درخت کی جڑ سے الگ ہوتے ہی نیچے کنوئیں میں گر پڑنے کا خطرہ تھا...... وہ سوچ میں پڑ گیا...... بظاہر یہ ناممکن بات نظر آتی تھی...... اس دوران درخت کی جڑ دیوار میں جس جگہ سے باہر نکلی ہوئی تھی اس جگہ پر مسلسل زور پڑنے کی وجہ سے مٹی نیچے گرنے لگی تھی...... ایسے لگ رہا تھا کہ اگر شیر خان کچھ اور دیر تک درخت کی جڑ کے ساتھ لٹکا رہا تو جڑ ٹوٹ جائے گی اور اس کا فرار کا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا اور پھر وہ شاید کبھی اس موت کے کنوئیں سے باہر نہ نکل سکے گا۔

وہاں صرف ایک ہی ترکیب قابل عمل دکھائی دے رہی تھی...... شیر خان کو اسی ترکیب پر عمل کرنا تھا...... اگر اس میں کامیاب ہو گیا تو ہو گیا، ورنہ پھر اس کی قسمت میں اندھے کنوئیں میں گر کر موت کو گلے لگانا ہی لکھا تھا...... یہ ایک بے بسی اور بے کسی کی موت تھی جس کے لئے شیر خان بالکل تیار نہیں تھا...... ایسے حالات میں آدمی کے

اندر قدرتی طور پر ایک مافوق الفطرت طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور جس انسان کے سینے میں ایمان کی شمع روشن ہو، جس کا عزم بلند ہو، جس میں زندہ رہنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ سلامت ہو اس کے اندر یہ طاقت دوگنا بڑھ جاتی ہے...... کمانڈو شیر خان کو اپنے اندر اس مافوق الفطرت طاقت کا احساس ہو گیا تھا۔

اس نے کلمہ پاک پڑھ کر اللہ سے مدد کی دُعا مانگی اور جتنا وہ اُچھل سکتا تھا اُچھل کر کنوئیں کی منڈیر کو پکڑ لیا...... اس کے دونوں ہاتھ کنوئیں کی منڈیر پر صحیح جگہوں پر پڑے تھے...... درخت کی جڑ کو اس نے اُچھلتے وقت ہی ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا...... اپنے بائیں ہاتھ سے اس نے منڈیر میں سے باہر نکلے ہوئے ایک پتھر کو پکڑ رکھا تھا...... یہاں اب دیر لگانے کی گنجائش نہیں تھی، کیونکہ اس کے جسم کا سارا بوجھ دونوں ہاتھوں پر پڑا ہوا تھا...... اللہ کی مدد اس کے شامل حال تھی کہ اس نے دوسرا ہاتھ منڈیر کے شگاف کے دوسرے کنارے پر جمایا اور تھوڑا سا اور اُچک کر اپنا جسم کندھوں تک منڈیر کے شگاف سے باہر نکال دیا...... اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے کمانڈو شیر خان کو یہ ایک بہت بڑی کامیابی عطاء ہوئی تھی، ورنہ کوئی بڑے سے بڑا کمانڈو بھی اس اندھے کنوئیں سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

شیر خان نے رینگ رینگ کر اپنا باقی کا جسم بھی کنوئیں کی منڈیر پر سے باہر نکال لیا...... کنوئیں کے اوپر رکھا ہوا تختہ ویسے کا ویسے ہی پڑا رہا...... اس پر دونوں بھاری پتھر بھی ویسے ہی پڑے ہوئے تھے...... کنوئیں سے باہر نکلتے ہی شیر خان نے دیکھا کہ دھوپ غائب ہو گئی تھی...... اور آسمان پر کالے کالے بادل چھا رہے تھے...... وہ وہیں اوندھا پڑا رہا...... اس نے گھاس میں سے آہستہ سے سر اٹھا کر اردگرد ماحول کا جائزہ لیا...... وہاں اسے کوئی سپاہی دکھائی نہ دیا...... لیکن کسی سپاہی کی موجودگی کا خطرہ موجود تھا...... اٹھ کر چلنے کی بجائے کمانڈو شیر خان وہیں زمین پر پڑے پڑے اندھے کنوئیں کی مخالف سمت کو رینگنے لگا...... جنگل میں وہ کھلی جگہ تھی جہاں وہ رینگ رہا تھا...... گھاس

اور جھاڑیاں کہیں کہیں بھی تھیں اور کہیں زمین بالکل بنجر تھی...... وہاں اسے دُور سے دیکھا جا سکتا تھا، لیکن شیر خان ایک فوجی کمانڈو کی طرح جتنی تیز کہنیوں کے بل رینگ سکتا تھا رینگتا چلا جا رہا تھا۔

سامنے کچھ فاصلے پر اونچی جھاڑیاں تھیں...... ان جھاڑیوں کے پیچھے جنگل کے گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا...... شیر خان اونچی جھاڑیوں میں پہنچ کر رُکا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا...... اس کے پیچھے جنگل کا خالی حصہ سنسان پڑا تھا...... ڈھکے ہوئے اندھے کنوئیں کے تختے پر بھاری پتھر اسی طرح موجود تھا...... وہ آہستہ سے اٹھا اور جھک کر درختوں کی طرف دوڑ پڑا...... اندھے کنوئیں میں گرتے وقت اس کے کولہے میں چوٹ لگی تھی...... دوڑتے وقت کولہا درد کرنے لگا تھا، مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا اور دوڑتے ہوئے درختوں میں پہنچ گیا...... اب وہ سیدھا ہو کر تیز تیز چلنے لگا...... اس جنگل کے بارے میں اسے صرف اتنا ہی علم تھا کہ یہ گونڈا اور ستیل گڑھ کے گردونواح کا جنگل ہے اور یہ جنگل شمال کی جانب نیپال کی سرحد تک چلا جاتا ہے اور مشرق کی سمت صوبہ بہار کے جنگلوں میں مل جاتا ہے...... کمانڈو شیر خان نے اپنا رُخ مشرق کی طرف کر لیا۔

صوبہ بہار کا قدیم تاریخی پس منظر یہ ہے کہ مہاتما گاندھی بدھ نے اس سرزمین میں جنم لیا تھا...... آٹھویں صدی عیسوی میں صوبہ بہار کے شمال میں بھاگل پور سے 24 میل دُور ایک قدیم یونیورسٹی وکرم شیلا ہوا کرتی تھی...... نالندہ اور ٹیکسلا کے بعد یہ سب سے بڑی یونیورسٹی تھی...... اس یونیورسٹی کے احاطے کی دیوار مضبوط اور بلند تھی...... علاؤ الدین خلجی نے اسے قلعہ سمجھ کر حملہ کیا...... بعد میں پتہ چلا کہ یہ یونیورسٹی ہے...... وہ لوگ یونیورسٹی کو اپنی زبان میں وہار کہتے تھے جو بعد میں بگڑتے بگڑتے بہار بن گیا اور یہی اس صوبے کا نام پڑ گیا...... اس وقت بہار کا راجہ دھوم پال تھا۔

لیکن شیر خان ابھی اُتر پردیش کے علاقے میں ہی تھا...... جنوب مشرق کی سمت

بہار کے صوبے کی سرحد ابھی کافی فاصلے پر تھی...... شیر خان ان جنگلات سے نکل کر کسی شہر میں چلا جانا چاہتا تھا، جہاں سے وہ دلی سے ہوتا ہوا کشمیر کی جانب نکل جانا چاہتا تھا...... اسے یقین تھا کہ کم از کم ایک روز تک اس کے فرار کا علم پیچھے کسی کو نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ وہ لوگ اپنی طرف سے اسے مار چکے تھے...... پھر بھی اس بات کا امکان تھا کہ مکار چیف مالک رام شیر خان کی لاش دیکھنے وہاں پہنچ جائے۔

اس وجہ سے کمانڈو شیر خان ان جنگلوں میں زیادہ دیر تک نہیں رہنا چاہتا تھا...... اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ یہ جنگل آگے جا کر کہاں ختم ہو جاتے ہیں...... یا آگے کون سا قصبہ یا شہر آتا ہے...... وہ چلا جا رہا تھا...... اسے چلتے چلے جانا تھا...... آسمان پر بادل ہی بادل تھے، کسی وقت بھی بارش شروع ہو سکتی تھی...... بارش کی صورت میں شیر خان اپنا سفر جاری نہیں رکھ سکتا تھا...... اسے کسی نہ کسی جگہ چھپ کر بارش کے رُکنے کا انتظار کرنا تھا...... ابھی بارش شروع نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بارش کے آنے سے پہلے پہلے زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لینا چاہتا تھا...... ان جنگلوں میں شیر چیتوں کا بھی خطرہ تھا...... ان سے بچاؤ کے لئے شیر خان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا...... وہ بڑا چوکنا ہو کر جا رہا تھا...... ذرا سی آہٹ پر وہ بڑے غور سے دائیں بائیں دیکھنے لگتا۔

اس نے جنگل کا ایک حصہ عبور کر لیا...... آگے کھلی جگہ تھی جہاں کہیں کہیں صرف زرد رنگ کی سوکھی گھاس تھی اور کہیں کہیں تاڑ اور ناریل کے اِکا دُکا درخت سر اٹھائے کھڑے تھے...... وہ اس میدان سے بھی گزر گیا...... میدان کی دوسری طرف ایک اور جنگل شروع ہو جاتا تھا...... چلنے سے شیر خان کا جسم گرم ہو گیا تھا اور اس کے کولہے کی درد بھی کم ہو گئی تھی...... آگے جو جنگل تھا وہ اتنا گھنا نہیں تھا...... کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے...... بیچ میں اونچی نیچی جھاڑیوں اور گھاس والی کھلی زمین تھی...... ایک جگہ ناریل کے درخت کے نیچے تین چار کچے ناریل گرے پڑے تھے...... کمانڈو شیر خان نے ایک ناریل توڑ کر اس کے پانی سے پیاس بجھائی اور آگے چل پڑا۔

اب بوندا باندی شروع ہو گئی تھی...... یہ بوندا باندی تیز بارش میں بھی بدل سکتی تھی...... بھارت کے وسطی جنگلوں کی تیز بارشوں کا کمانڈو شیر خان کو تجربہ تھا...... یہ بڑی موسلا دھار بارش ہوتی ہیں...... جنگل میں بارش شروع ہو جائے تو آدمی کو چھپنے کے لئے مشکل ہی سے کوئی جگہ ملتی ہے...... درختوں کے نیچے بارش کا پانی پرنالوں کی طرح گرتا ہے...... یہ سب بارانی جنگل ہیں اور یہاں کی تیز بارشوں میں جنگلی درندے اور دوسرے جانور بھی اپنے ٹھکانوں سے باہر نہیں نکلتے۔

شیر خان کو کسی ایسی جگہ کی بھی تلاش تھی کہ اگر بارش تیز ہو جائے تو وہاں پناہ لی جا سکے...... کھلا میدان ختم ہوا تو ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں اسے ایک دیوار سی دکھائی دی...... شیر خان تیز قدموں سے چل کر دیوار کے پاس آ گیا...... یہ ایک تالاب کے احاطے کی دیوار کا بچا ہوا حصہ تھا...... دیوار کی دوسری جانب ایک تالاب تھا...... تالاب کے کنارے ایک چھوٹی سی مندر نما عمارت تھی...... ایسے تالاب کو جس کے کنارے چھوٹا سا مخروطی مینار والا مندر ہو رام تلائی کہتے ہیں...... ایسی رام تلائیوں کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہاں اپنے بن باس کے دنوں میں رام چندر جی نے کچھ دیر قیام کیا تھا۔

بارش تیز ہو گئی تھی۔

کمانڈو شیر خان تالاب کے کنارے والے چھوٹے سے مندر میں آ کر بیٹھ گیا...... یہ مندر عام مندروں ایسا نہیں تھا...... اس کے اندر کوئی مورتی وغیرہ نہیں تھی...... بس ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی تھی جس کے اوپر مخروطی مینار والی چھت تھی...... اس کے آگے سیڑھیاں شروع ہو جاتی تھیں جو تالاب میں اُتر گئی تھیں...... بارش نے جنگل میں شور مچا دیا...... لیکن کچھ دیر تک موسلا دھار بارش ہونے کے بعد خلاف توقع بارش رُک گئی...... کمانڈو شیر خان سوچنے لگا کہ یہاں سے اسے کس طرف جانا چاہئے...... اسے کسی بھی ایسے راستے کا علم نہیں تھا جو اسے جنگل سے باہر لے جاتا...... ان جنگلوں

میں آدمی بھٹک جائے تو پھر اس کا اللہ ہی حافظ ہے۔

شیر خان رام تلائی کے گپھاہ نما مندر کی ڈیوڑھی میں بیٹھا سوچتا رہا کہ وہ کس طرف کو جائے...... ابھی تک اسے جنگل میں کوئی جھونپڑی تک دکھائی نہیں دی تھی...... کوئی دیہاتی بھی نظر نہیں آیا تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھ سکتا...... بارش رُک گئی تھی...... ابھی وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا کہ اسے ڈھولک اور کھڑ تالوں کی آواز سنائی دی...... وہ مندر سے نکل کر ایک درخت کے پیچھے آگیا اور جس طرف سے ڈھولک اور کھڑ تالوں کے بجنے کی آوازیں آ رہی تھیں اس طرف دیکھنے لگا...... اس نے دیکھا کہ چھ سات آدمی جلوس کی شکل میں درختوں میں چلے آ رہے ہیں...... ان کے درمیان ایک عورت ہے جس کی گیروے رنگ کی ساڑھی ہے...... بال کھلے ہیں...... ایک آدمی ڈھولک بجا رہا ہے...... ایک آدمی کھڑ تالیں بجا رہا ہے...... گیروے ساڑھی والی عورت کھڑ تالوں اور ڈھولک کی تال پر آہستہ آہستہ سر کو دائیں بائیں ہلاتی چلی آ رہی ہے...... آدمیوں نے اسے گھیرے میں لیا ہوا ہے...... دو آدمی پیچھے پیچھے آ رہے تھے...... ان میں سے ایک آدمی نے ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا...... یہ جلوس رام تلائی والے مندر کے پاس آ کر رُک گیا...... یہاں آ کر دو آدمیوں نے کوئی بھجن گانا شروع کر دیا...... عورت ان آدمیوں کے درمیان کھڑی تھی...... کھڑ تال بج رہی تھی...... ڈھولک بج رہی تھی...... عورت اپنے کھلے لمبے بالوں کے ساتھ دائیں بائیں سر ہلا رہی تھی جیسے جذب کے عالم میں ہو، جس آدمی نے تھیلا اٹھا رکھا تھا وہ عورت کے قریب ہو گیا...... اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹے سائز کا ترشول نکالا اور عورت کی طرف اچھال دیا۔

عورت نے سر ہلاتے ہلاتے ترشول کو تھام لیا...... وہ ترشول کو بار بار چوم رہی تھی اور رقص کر رہی تھی...... سارے آدمی اس کے اِرد گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے تھے...... کمانڈو شیر خان درخت کی اوٹ سے یہ سارا پراسرار منظر دیکھ رہا تھا...... پھر ساز چپ ہو گئے...... بھجن کی آوازیں بھی خاموش ہو گئیں...... عورت کے ہاتھوں

میں ترشول تھا اور وہ اسے سینے سے لگا کر زمین پر بیٹھ گئی تھی...... اس کا سر جھکا ہوا تھا اور بال آگے کو گرے ہوئے تھے...... ایک ہٹا کٹا آدمی جس نے پجاریوں والا لباس پہنا ہوا تھا اٹھا...... اس نے عورت کے ہاتھ سے ترشول لے کر اس کے سر کے گرد تین چار مرتبہ گھمایا اور بلند آواز میں کوئی اشلوک یا منتر پڑھا...... منتر کے ختم ہونے پر سب آدمیوں نے رام جی کی جے، سیتا میا کی جے کا نعرہ لگایا...... پجاری نے سر جھکا کر بیٹھی ہوئی عورت کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر مندر کی ڈیوڑھی کی طرف بڑھا...... عورت کے چلنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس آدمی کے ساتھ نہیں جانا چاہتی، مگر پجاری اسے کھینچتے ہوئے لئے جا رہا تھا...... باقی آدمیوں نے عورت کے گرد حلقہ بنا لیا تھا اور وہ بھی مندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

تین آدمی جن میں پجاری بھی تھا، عورت کو لے کر مندر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے...... باقی مندر کے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز میں بھجن گانے لگے...... ڈھولک اور کھڑ تالیں پھر سے بجنے لگی تھیں...... مندر کی ڈیوڑھی میں کیا ہو رہا تھا، یہ کمانڈو شیر خان کو نظر نہیں آ رہا تھا...... ایک بار اسے عورت کی ہلکی سی چیخ بھی سنائی دی لیکن یہ چیخ بھجن اور ساز کی آوازوں میں گم ہو کر رہ گئی...... شیر خان سمجھ گیا کہ عورت کے ساتھ کوئی زیادتی ہو رہی ہے، مگر وہ اس عورت کی مدد نہیں کر سکتا تھا...... وہ ان آدمیوں کے سامنے بھی نہیں جا سکتا تھا...... بھجن اور سازوں کی آوازیں اسی طرح بلند ہو رہی تھیں...... ڈیوڑھی کے اندر گئے ہوئے تینوں آدمیوں میں سے کوئی بھی باہر نہیں آیا تھا، اسی طرح پندرہ بیس منٹ گزر گئے...... اتنے میں مندر کی ڈیوڑھی سے ایک آدمی باہر نکلا...... وہ باہر آ کر دوسرے آدمیوں میں بیٹھ کر بھجن گانے لگا...... تھوڑی دیر بعد دوسرا آدمی باہر نکلا...... وہ بھی اس شیطانی منڈلی میں بیٹھ گیا اور بھجن گانے والوں میں شریک ہو گیا، اسی طرح دس منٹ بعد وہ ہٹا کٹا آدمی باہر آیا جس نے پجاریوں والا لباس پہن رکھا تھا...... اس نے باہر آتے ہی دونوں بازو اوپر اٹھائے۔

سب لوگ بھجن گاتے گاتے ایک دم چپ ہو گئے۔

اس نے بلند آواز میں کچھ کہا...... جو کمانڈو شیر خان کی سمجھ میں نہ آسکا...... اپنی بات ختم کر کے پجاری ایک طرف کو چل پڑا...... سب لوگوں نے خاموشی کے طلسم کو توڑتے ہوئے جے رام جی کی جے...... جے سیتا میا کی جے سب کے سب جے جے کار کی رٹ لگائے اور بھجن گاتے، ڈھولک اور کھڑتالیں بجاتے پجاری کے پیچھے پیچھے چل پڑے...... چند لمحوں کے بعد وہ جدھر سے آئے تھے ادھر کو ہی غائب ہو گئے۔

جب یہ شیطانی منڈلی کمانڈو شیر خان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور اس کے گانے بجانے کی آوازیں بھی غائب ہو گئیں تو وہ رام تلائی والے مندر کی طرف بڑھا...... مندر کے اندر اور باہر سناٹا چھایا ہوا تھا...... پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ عورت مر چکی ہے اور ان لوگوں نے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد ہلاک کر ڈالا ہے تا کہ ان کی درندگی کا کوئی ثبوت باقی نہ رہے، لیکن اچانک اسے اندر سے کسی کے ہولے ہولے کراہنے کی آواز آئی...... یہ اسی عورت کی آواز ہو سکتی تھی۔

شیر خان دبے پاؤں مندر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔

اس نے دیکھا کہ مندر کی نیم روشن ڈیوڑھی کے کونے والے ستون کے ساتھ وہی گیروی ساڑھی والی عورت رسیوں سے بندھی ہوئی ہے، اسے اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ ذرا بھی حرکت نہیں کر سکتی تھی اور وہ سر نیچے گرائے کراہ رہی ہے...... کمانڈو شیر خان جلدی سے اس کے پاس گیا اور اس نے اس کی رسیاں کھولنی شروع کر دیں...... عورت نے سر اٹھا کر شیر خان کو دیکھا اور سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں گرمیا کی داسی ہوں...... مجھے ہاتھ نہ لگاؤ...... تمہیں پاپ لگے گا...... گرمیا کا شراپ لگے گا"۔

کمانڈو شیر خان اس کی رسیاں کھولتا گیا...... اس نے کہا۔

"میں تمہاری کسی گرمیا کو نہیں مانتا...... تم کون ہو اور یہ لوگ کون تھے؟ میں نے

چھپ کر سارا ڈراما دیکھا ہے"۔

اس عورت نے پوچھا۔

"تم ہندو نہیں ہو۔

شیر خان نے کہا۔

"میں مسلمان ہوں...... کیا تم آزاد ہونا نہیں چاہتیں"۔

عورت بولی۔

"میں آزاد ہو کر اپنے گھر جانا چاہتی ہوں، مگر بھگت جی نے کہا ہے اب میں گرمیا کی داسی بن چکی ہوں...... اگر میں گھر گئی یا کسی غیر مرد نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو اس مرد کے ساتھ میں بھی جل کر راکھ ہو جاؤں گی"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میں نے تمہیں ہاتھ لگا دیا ہے...... میں تو جل کر راکھ نہیں ہوا"۔

اس نے عورت کی ساری رسیاں کھول دیں...... عورت ابھی تک ڈری ہوئی تھی...... اس کے بال اُلجھے ہوئے تھے...... اس کا جسم جگہ جگہ سے عریاں ہو رہا تھا اور جگہ جگہ ایسے نیلے نشان پڑ گئے تھے جیسے کسی نے اسے دانتوں سے کاٹا ہو...... صاف لگ رہا تھا کہ اس کے ساتھ وحشیانہ سلوک ہوا ہے...... شیر خان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہلکے سے جھنجھوڑ کر کہا۔

"میں ان آدمیوں کی طرح درندہ نہیں ہوں...... میں مسلمان ہوں اور ایک غیر عورت کی عزت کرنا جانتا ہوں...... تم میرے ساتھ چاہو تو چل سکتی ہو...... میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا دوں گا"۔

عورت نے ڈرتے ڈرتے کہا...... "مجھے گرمیا کی بد دعا لگے گی"۔

کمانڈو شیر خان نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"اگر تم ان درندوں کے پاس ہی رہنا چاہتی ہو تو بے شک رہو...... میں جاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر شیر خان نے لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور باہر کی طرف چلا...... عورت نے دوڑ کر روتے ہوئے شیر خان کا بازو پکڑ لیا اور بولی۔

"بھگوان کے لئے مجھے ان وحشی درندوں کے پاس چھوڑ کر نہ جاؤ...... میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں"۔

شیر خان نے اسے اپنے ساتھ لے لیا اور مندر کی ڈیوڑھی سے کچھ دور درختوں میں آ کر عورت سے کہا۔

"تم کون ہو اور یہ لوگ تمہیں کہاں سے پکڑ کر لائے تھے؟"۔

عورت بولی۔

"میری کہانی بڑی لمبی ہے...... مجھے یہاں سے لے چلو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں اس جنگل میں راستہ بھٹک گیا ہوں، کیا تمہیں کچھ پتہ ہے کہ ہم جنگل کے کس حصے میں ہیں اور آگے کون سا شہر ہے؟"۔

عورت نے کہا۔

"جہاں سے یہ لوگ مجھے جلوس کی شکل میں لائے تھے اس طرف تین کوس کے فاصلے پر کٹھیالی نام کا قصبہ ہے"۔

کٹھیالی سے رات کے وقت ایک پسنجر ٹرین ستیل گڑھ کو جاتی ہے...... ستیل گڑھ میں میرے ماما کا مکان ہے، مگر ہم ادھر نہیں جائیں گے...... اس طرف ہر قدم پر بھگت جی کے جاسوس بیٹھے ہوئے ہیں، جو مجھے آزاد دیکھ کر میرے ساتھ تجھے بھی مار ڈالیں گے"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"دیکھتا ہوں، وہ تمہیں یا مجھے کس طرح ہاتھ لگاتے ہیں...... تم آؤ میرے ساتھ"۔

عورت نے شیر خان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور بھیگی پلکوں کے ساتھ بولی۔

"بھگوان کے لئے یہ غلطی نہ کرنا...... تم ان لوگوں کو نہیں جانتے...... ان میں سے ہر کوئی تین تین چار چار خون کر چکا ہے...... وہ سامنے نہیں آئیں گے، وہ چھپ کر وار کریں گے اور ہم ان کے وار سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکیں گے"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"پھر تم کیا چاہتی ہو؟"۔

اس عورت کی عمر تیس برس سے زیادہ نہیں تھی...... جسم بڑا صحت مند تھا اور وہ خوبصورت بھی تھا...... ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔

"تم مجھے میرے ماما جی کے گھر ستیل گڑھ پہنچا دو...... وہاں سے میں اپنے ماتا پتا کے شہر ماما جی کے ساتھ چلی جاؤں گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"لیکن کٹھیالی کے راستے میں تم کہتی ہو کہ وہ لوگ بیٹھے ہوں گے...... کیا ستیل گڑھ جانے کا کٹھیالی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے؟"۔

وہ عورت سوچنے لگی...... پھر بولی۔

"ہاں ہے...... یہاں سے اگر ہم رانی کی باؤلی والے جنگل کی طرف جائیں گے تو جنگل کے پار دریا کا گھاٹ آتا ہے...... دریا کے گھاٹ سے ہمیں کٹھیالی جانے والی ناؤ مل جائے گی...... کٹھیالی سے ہم ٹرین میں بیٹھ کر ستیل گڑھ جا سکیں گے، لیکن یہ بڑا لمبا راستہ ہے...... پھر بھی یہ راستہ سورکھشت (محفوظ) ہے"۔

شیر خان خود اس جنگل سے کسی شہر کی جانب نکلنا چاہتا تھا...... یہ عورت اس علاقے سے واقف تھی...... ایک پنتھ دو کاج کے مصداق وہ اس عورت کو اس کے ماما جی کے گھر بھی پہنچا سکتا تھا اور خود بھی دلی کی طرف نکل سکتا تھا...... صرف کسی ریلوے سٹیشن تک پہنچنا ضروری تھا...... اس کے بعد دلی یا جھانسی پہنچنا کوئی مشکل نہیں تھا......

اس نے عورت سے کہا۔

''تو پھر چلو ..... ہم رانی کی باؤلی والے جنگل [illegible] کر [illegible] کے گھاٹ پر چلتے ہیں''۔

عورت نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''ہمیں راستے میں رات پڑ جائے گی اور رات کو یہ جنگل بڑا خطرناک ہو جاتا ہے۔

شیر خان نے کہا۔

''اب جو ہو گا دیکھا جائے گا..... تم خاموشی سے میرے ساتھ چل پڑو اور [illegible] راستہ دکھاتی جاؤ''۔

کمانڈو شیر خان نے اس عورت کو ساتھ لیا اور اس کی راہنمائی میں جنگل میں ایک طرف کو چل پڑا۔

آسمان پر سیاہ بادل بدستور چھائے ہوئے تھے، مگر بارش رُکی ہوئی تھی..... گڑھوں اور نشیب میں کہیں کہیں بارش کا پانی جمع ہو گیا ہوا تھا..... عورت شیر خان کے ساتھ لگ کر چل رہی تھی..... وہ بہت ڈری ہوئی تھی..... اسے دو ڈر تھے ایک ڈر یہ تھا کہ وہ لوگ واپس آکر اسے پکڑ نہ لیں اور دوسرا ڈر گرمیا کی بددعا کا تھا..... ان درندہ صفت لوگوں سے تو شیر خان عورت کو بچا سکتا تھا، لیکن کسی گرمیا دیوی کے شراپ یا بددعا سے بچانا اس کے بس میں نہیں تھا..... جب وہ چلتے چلتے جنگل میں کافی آگے نکل آئے تو شیر خان نے اس عورت سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟ تم نے ابھی تک اپنا نام ہی نہیں بتایا''۔

عورت نے کہا۔

''میرا نام ساوتری دیوی ہے..... میں بیوہ ہوں..... میرے پتی کو سورگباش ہوئے تین برس بیت چکے ہیں..... بیوہ ہونے کے بعد میں اپنے ماتا پتا کے گھر گونڈہ آ گئی تھی..... گونڈہ میں گرمیا ماتا کا مندر ہے..... اس مندر میں اماوس کی رات کو بیوہ

عورتیں اپنی پتی کی آتما کی شانتی کے لئے پوجا پاٹھ کرنے جاتی ہیں..... میں بھی ایک بیوہ عورت پاربتی کے ساتھ اماوس کی رات کو اس مندر میں پوجا پاٹھ کرنے گئی تھی..... وہاں مندر کی بڑی پجارن نے مجھے دیکھ کر کہا..... ساوتری! تیرے پتی کی آتما بڑی تکلیف میں ہے..... وہ نرک کی آگ میں جل رہی ہے..... کیا تم اس کی مدد نہیں کرو گی؟'' میں یہ سن کر پریشان ہو گئی..... مجھے اپنے پتی دیو سے بڑی محبت تھی..... میں رو پڑی..... میں نے پجارن سے کہا..... میا! میں اپنے پتی کی آتما کو نرک کی اگنی سے باہر نکالنا چاہتی ہوں..... مجھے بتائیں میں کیا کروں..... پجارن نے کہا..... تم کل اکیلی میرے پاس آنا..... میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں گی کہ تم اپنے پتی دیو کو کیسے نرک کی آگ سے مکتی دلا سکتی ہو اور ہاں اس کا ذکر گھر میں ابھی کسی سے نہ کرنا..... میں گھر واپس آ گئی..... بڑی پریشان تھی..... میں نے ماتا پتا سے اس کا کوئی ذکر نہ کیا..... دوسرے دن میں مندر پہنچ گئی..... پجارن میا میرا انتظار کر رہی تھی..... وہ مجھے ایک کوٹھڑی میں لے گئی۔

کوٹھڑی میں ایک چوکی پڑی تھی جس کے سامنے ایک موم بتی جل رہی تھی اور تھالی میں لوبان سلگ رہا تھا..... پجارن نے کہا..... ساڑھی اتار کر چوکی پر بیٹھ جاؤ اور آنکھیں بند کر کے رام نام کا دل میں جاپ کرو..... میں یہاں سے چلی جاؤں گی..... آدھے گھنٹے بعد تمہارے پتی کی آتما تمہارے سامنے آ جائے گی اور وہ خود تمہیں بتائے گی کہ تم اس کی آتما کو نرک کی آگ سے نجات دلانے کے لئے کیا کر سکتی ہو..... میں نے ویسے ہی کیا جیسے پجارن جی نے کہا تھا..... میں نے سفید ساڑھی پہن رکھی تھی..... ہندوؤں میں عورت بیوہ ہو جائے تو وہ رنگدار لباس نہیں پہن سکتی..... نہ سنگار ہی کر سکتی ہے..... میں نے سفید ساڑھی اتار دی اور چوکی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں اور رام نام کا جاپ کرنے لگی..... میں نے اس پجارن کے وہاں سے اٹھ کر جانے اور دروازہ بند کرنے کی آواز سنی..... وہ چلی گئی..... میں اکیلی بغیر ساڑھی کے چوکی پر بیٹھی

آنکھیں بند کئے منہ ہی منہ میں رام رام کا جاپ کر رہی تھی...... جب کافی دیر گزر گئی تو اچانک مجھے ایک مرد کی آواز آئی۔

"ساوتری! میں تمہارے پتی برج داس کی آتما ہوں...... اپنی آنکھیں مت کھولنا...... آنکھیں کھولو گی تو میں غائب ہو جاؤں گا...... تیرے بغیر نرک میں میری آتما جل رہی ہے"۔

اس عورت یعنی ساوتری نے اپنی داستان جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اس مرد کی آواز میرے پتی برج داس کی آواز نہیں تھی...... میں نے آنکھیں بند کئے ہوئے کہا...... پتی دیو! تمہاری آواز کیوں بدل گئی ہے...... اس نے کہا...... نرک کی آگ نے میری آواز بدل دی ہے...... میں تمہارے پتی کی آتما ہی ہوں اور ایک غیر مرد کا جسم دھار کر تمہارے پاس آیا ہوں...... اس کے بعد مجھے اپنے جسم پر کسی مرد کا ہاتھ محسوس ہوا...... میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں...... میرے سامنے میرے پتی دیو کی آتما کی بجائے ایک ہٹا کٹا بڑی بڑی مونچھوں والا پجاری مجھ پر جھکا ہوا تھا...... میں چیخ مار کر پیچھے ہٹی تو اس نے مجھے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا اور بولا ساوتری میں تمہارا پتی دیو ہوں...... میرے ساتھ لگ جاؤ تاکہ مجھے نرک کی آگ سے مکتی مل جائے...... میں سمجھ گئی تھی کہ پجارن نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے...... میں نے شور مچا دیا، اس ہٹے کٹے پجاری نے مجھے اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ میں نیم بے ہوش ہو کر گر پڑی...... اس کے بعد میرے ساتھ اس نے جو وحشیانہ سلوک کیا اس کو میں بیان نہیں کر سکتی۔

وہ عورت ساوتری اپنی دردناک داستان بھی سنا رہی تھی اور کمانڈو شیر خان کے ساتھ جنگل کی ایک چھوٹی سی پگ ڈنڈی پر چل بھی رہی تھی...... شیر خان نے پوچھا۔

"پھر تم یہاں رام تلائی والے مندر میں کیسے پہنچ گئیں؟"۔

وہ عورت بولی۔

"پھر ایسا ہوا کہ کوٹھڑی میں دو اور پجاری آ گئے...... اُن دونوں نے بھی میرے

ساتھ وحشیانہ سلوک کیا...... اس کے بعد انہوں نے ایک ٹیکہ میرے بازو پر لگا دیا...... ٹیکہ لگنے کے بعد میرے جسم کا سارا درد ساری تکلیف غائب ہو گئی اور میں سو گئی...... نہ جانے کب تک میں سوئی رہی ہوں...... جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک کوٹھڑی میں بند تھی...... یہ کوٹھڑی کسی جنگل میں تھی...... باہر سے بارش کی آواز آ رہی تھی...... دروازہ کھول کر تینوں پجاری اندر آ گئے...... انہوں نے مجھے ایک اور ٹیکہ لگا دیا...... تب مجھے پتہ چلا کہ وہ لوگ مجھے اغوا کر کے کسی نامعلوم مقام پر لے آئے ہیں...... وہاں انہوں نے مجھے دو تین مہینے رکھا...... وہ مجھے کھانے کو طرح طرح کی مٹھائیاں دیتے، دن میں دو بار مجھے ٹیکہ لگایا جاتا...... یہ نشے والا ٹیکہ تھا...... اس کے اثر سے مجھ پر ہر وقت ایک نشے کی حالت طاری رہتی تھی...... میں نے مزاحمت کرنی چھوڑ دی تھی...... جب تک مجھ پر نشے کا اثر رہتا میں کسی کو کچھ نہیں کہتی تھی...... جب نشہ اتر جاتا تو مجھے اپنے ماتا پتا یاد آ جاتے اور میں رونے لگتی...... شور مچاتی، مجھ ایک بار پھر ٹیکہ لگا دیا جاتا...... پھر ایسا ہوا کہ میں ہر وقت نشے کی حالت میں رہنے لگی۔

شیر خان نے پوچھا۔

"پھر وہ تمہیں اس رام تلائی والے مندر میں کس لئے لائے تھے...... اور تمہیں باندھ کر کیوں چلے گئے تھے؟"۔

ساوتری کہنے لگی۔

"وہ گرمیا دیوی کی ایک خاص رسم پوری کرنے کے لئے مجھے یہاں لائے تھے...... گرمیا دیوی کے ماننے والوں کے مطابق اگر کوئی پجاری کسی بیوہ عورت کے ساتھ برا فعل کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس بیوہ عورت کو تین ماہ اپنے پاس رکھنے کے بعد کسی جنگل میں واقع رام تلائی والے مندر میں بھجن کیرتن کے ساتھ اسے نشہ پلا کر لے جائے اور وہاں تین پجاری اس کے ساتھ وحشیانہ سلوک کریں...... اس کے بعد ساری رات بیوہ عورت کو مندر میں باندھ کر رکھا جائے......

جب دوسرے روز پجاری اس عورت کو وہاں سے لے جائے گا تو وہ گرمیا دیوی کے سمپر دھائے (فرقے) کے مطابق اس کی داسی مانی جائے گی اور ہندو سماج اس پجاری اور بیوہ عورت کے ایک ساتھ رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے گا...... یہ لوگ مجھے یہی رسم پوری کرنے کے لئے رام تلائی کے مندر میں لائے تھے...... بس یہ ہے میری دُکھ بھری کہانی"۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"تم ہندو عورت ہو...... تمہارے ماتا پتا ماما سب ہندو ہیں...... کیا وہ تمہیں گرمیا دیوی کے دھرم کے مطابق واپس پجاری کے پاس نہیں چھوڑ آئیں گے؟"۔

ساوتری نے کہا۔

"نہیں...... ہم گرمیا کے فرقے کے ماننے والے نہیں ہیں...... ہم آریہ سماجی ہیں...... آریہ سماجی کسی سمپر دھائے کسی گرمیا دیوی کو نہیں مانتے...... اگر پجاری میرے ماتا پتا کے گھر مجھے واپس لینے آیا تو وہ پولیس کو بلا کر پجاری کو پولیس کے حوالے کر دیں گے اور میں عدالت میں پجاری کے خلاف بیان دوں گی"۔

"پھر ٹھیک ہے" شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

جنگل کا ایک حصہ ختم ہو گیا تھا اور اب وہ جنگل کے دوسرے حصے میں سے گزر رہے تھے جہاں جگہ جگہ جنگلی کیلے اور ناریل کے درخت کے جھنڈ نظر آرہے تھے...... یہ بھی اچھا ہوا تھا کہ بارش رُکی ہوئی تھی...... بادل آسمان پر اگرچہ اور گہرے ہو گئے تھے...... وہ رام تلائی والے مندر سے کافی دُور نکل آئے تھے...... شیر خان نے اندازہ لگایا کہ وہ اندھے کنوئیں سے بھی اتنی دُور نکل آیا ہے کہ اب انٹیلی جنس چیف کے سپاہی اس تک نہیں پہنچ سکیں گے...... ساوتری تھک گئی تھی...... اس کی رفتار آہستہ ہو گئی تھی...... کہنے لگی۔

"مجھے پیاس لگ رہی ہے"۔

کمانڈو شیر خان نے ارد گرد دیکھ کر کہا"۔

"یہاں پانی کہیں نظر نہیں آتا"۔

ساوتری نے ایک جانب اشارہ کیا اور بولی۔

"وہاں ناریل کے درخت ہیں...... ناریل زمین پر پڑے ہوئے مل جائیں گے"۔

ناریل کے درختوں کے نیچے جو ناریل گرے ہوئے تھے وہ گل سڑ گئے تھے...... کافی تلاش کے بعد انہیں دو تازہ گرے ہوئے ناریل مل گئے...... ان کو توڑ کر انہوں نے اس کا پانی پیا...... گری کھا کر تھوڑی بہت بھوک مٹائی اور کچھ دیر وہاں بیٹھ کر آرام کیا...... شیر خان زیادہ دیر رُکنا نہیں چاہتا تھا...... اس نے ساوتری سے کہا۔

"یہاں زیادہ دیر رُکنا ٹھیک نہیں...... تمہاری گرمیا کے پجاری تمہاری تلاش میں کہیں یہاں نہ پہنچ جائیں"۔

ساوتری خوف زدہ سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... ہمیں چلتے رہنا چاہئے"۔

وہ ناریل کے جھنڈوں میں سے باہر نکل آئے...... شیر خان نے پوچھا۔

"ابھی تک دریا نہیں آیا"۔

ساوتری نے کہا۔

"دریا ابھی بہت دُور ہے...... میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہو سکتا ہے ہمیں راستے میں ہی رات ہو جائے"۔

ساوتری کا اندازہ بالکل درست نکلا...... جنگل میں چلتے چلتے انہیں دوپہر ہو گئی تھی اور جنگل کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا...... ایک جگہ جنگلی کیلوں کے درخت اُگے ہوئے تھے...... انہوں نے کیلے توڑ کر کھائے اور سفر جاری رکھا، اسی طرح آہستہ آہستہ چلتے دن ڈھلنا شروع ہو گیا...... شیر خان نے کہا۔

"میں نے ان جنگلوں کے بارے میں سن رکھا ہے کہ یہاں شیر چیتے اور ریچھ

بہت ہوتے ہیں...... لیکن ہمیں کوئی درندہ نہیں ملا“۔

ساوتری نے کہا۔

”جنگل کے جس حصے میں سے ہم گزر رہے ہیں یہاں پانی کے تالاب اور ندی وغیرہ نہیں ہے، اس وجہ سے جنگلی جانور خاص طور پر شیر اور چیتے ادھر کا رُخ نہیں کرتے...... دریا کے پاس جاکر ان کا خطرہ پیدا ہو جائے گا“۔

مگر دریا ابھی بہت دُور تھا...... اس دریا میں کشتی میں سوار ہو کر انہیں کٹھیالی پہنچنا تھا جہاں ساوتری کے ماما کا گھر تھا...... بادلوں کے پیچھے سورج ابھی پوری طرح سے غروب نہیں ہوا تھا مگر بادلوں کی وجہ سے شام کا اندھیرا وقت سے پہلے ہی پھیلنے لگا تھا...... رات سر پر آرہی تھی...... کمانڈو شیر خان سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسی جگہ اندھیرا ہونے سے پہلے تلاش کر لینی چاہئے جہاں رات گزاری جا سکے اور وہ جگہ جنگلی درندوں ریچھ اور جنگلی بھیڑیوں وغیرہ سے محفوظ بھی ہو، جنگل کا میدان ختم ہو گیا تھا...... اب ایک بار پھر بانس کے گنجان جھنڈ شروع ہو گئے تھے...... ایک جگہ ناریل کے درخت اور جنگلی بیروں کے درخت بھی تھے...... انہوں نے جنگلی بیروں سے پیٹ کی آگ بجھائی ناریل کا پانی پیا اور رات بسر کرنے کا ٹھکانہ تلاش کرنے لگے...... اندھیرا ہونے لگا تھا...... پھر بوندا باندی بھی شروع ہو گئی...... ساوتری نے کہا۔

”بارش آنے والی ہے“۔

شیر خان نے کہا۔

”آگے شاید کسی ٹیلے میں کوئی کھوہ وغیرہ مل جائے“۔

بانسوں کے درختوں نے ہر طرف گھیرا ڈال رکھا تھا...... آخر وہ ان درختوں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے...... سامنے ایک ٹیلا تھا جس کی ایک جانب ایک چھپر سا پڑا ہوا تھا...... قریب جاکر معلوم ہوا کہ یہ ایک جھونپڑا ہے اور خالی پڑا ہے...... شیر خان نے کہا۔

”یہاں ہم رات گزار سکتے ہیں“۔

جھونپڑے کا چھپر ناریل کی شاخوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا...... دونوں جھونپڑے میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے...... شیر خان نے جھونپڑے کی چھت پر نگاہ ڈالی اور بولا۔

”اگر بارش تیز ہو گئی تو یہ چھپر بارش کا پانی نہیں روک سکے گا“۔

”اور کوئی جگہ بھی تو نہیں ہے“ ساوتری نے کہا۔

شیر خان نے کہا۔

”تم یہاں بیٹھو...... میں ٹیلے کی دوسری طرف جاکر دیکھتا ہوں...... ہو سکتا ہے وہاں کوئی جگہ مل جائے“۔

شیر خان جھونپڑے سے نکل کر ٹیلے کی دوسری طرف گیا...... ٹیلے کی دوسری طرف بھی کچھ نہیں تھا...... صرف جھاڑیاں اور سرکنڈے تھے...... اندھیرے میں اس نے دیکھا کہ سامنے ایک اور ٹیلہ ہے...... وہ اس کی طرف بڑھا...... اس ٹیلے میں ایک قدرتی غار مل گیا جس کے دہانے کو سرکنڈوں نے چھپا رکھا تھا...... شیر خان ساوتری کو وہاں لے آیا...... سرکنڈوں کو ایک طرف کر کے وہ غار کے اندر چلے گئے...... یہ غار ایک ڈیوڑھی نما تھا...... شیر خان بولا۔

”یہاں ہم بارش اور جنگلی درندوں سے بچے رہیں گے“۔

پہلے تو انہیں غار کے گھپ اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا...... پھر جب ان کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو انہیں ایک دوسرے کی دھندلی دھندلی شکلیں نظر آنا شروع ہو گئیں...... شیر خان اس عورت ساوتری کی سخت جانی پر حیران تھا کہ وہ ایک گھریلو عورت ہونے کے باوجود دشوار گزار جنگل میں اتنی دُور تک پیدل چلتی رہی تھی...... وہ غار کی دیوار کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں بیٹھے تھے...... بارش اتنی موسلا دھار نہیں تھی مگر بوندا باندی بھی نہیں تھی...... ایک خاص انداز میں ہلکی آواز کے ساتھ مسلسل ہو رہی تھی...... ساوتری کہنے لگی۔

"تم نے ابھی تک اپنے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا کہ تم کون ہو...... تمہارا نام کیا ہے......اور تم اس جنگل میں کیسے آگئے تھے؟"۔

شیر خان نے سب کچھ پہلے سے سوچ رکھا تھا...... اسے معلوم تھا کہ یہ عورت اس سے یہ سوال ضرور پوچھے گی...... جنگل میں نکل آنے کا اس کے پاس ایک بنا بنایا جواب پہلے سے موجود تھا کہ وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا، پھر دوست سے بچھڑ کر جنگل میں راستہ بھول گیا...... چنانچہ اس نے کہا۔

"میرا نام مہدی خان ہے...... ہم لکھنؤ سے جنگل میں شکار کھیلنے آئے تھے......دو ایک دن شکار کھیلنے میں گزر گئے...... پھر ایسا ہوا کہ ہم شکار کے دوران ایک دوسرے سے بچھڑ گئے...... میں ان جنگلوں سے ناواقف تھا...... جنگل میں بھٹک گیا اور تھک ہار کر اس رام تلائی کے پاس بیٹھا تھا جہاں وہ تمہیں لے کر آئے تھے...... میں نے وہ سب کچھ دیکھا جو وہاں ہوا...... پھر جب وہ لوگ تمہیں مندر میں باندھ کر چلے گئے تو میں نے تمہارے کراہنے کی آواز سنی اور تمہاری مدد کو پہنچ گیا...... بس یہ ہے میری کہانی"۔

عورت ساوتری نے کہا۔

"تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے جو مجھے ان درندوں سے بچا کر لے گئے...... ورنہ ان لوگوں نے اب مجھے کسی دوسرے مندر کے عیاش پروہت کے ہاتھ فروخت کر دینا تھا"۔

بھگوان نے میری پرارتھنا سن لی اور میری مدد کو تمہیں بھیج دیا"۔

شیر خان آہستہ سے بولا۔

"بس میں تمہیں کٹھیالی تمہارے ماما کے پاس چھوڑ کر آگے لکھنؤ کی طرف نکل جاؤں گا"۔

"کیا تم لکھنؤ سے میں رہتے ہو؟" ساوتری نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"ہاں......ابھی تو لکھنؤ میں ہی رہتا ہوں"۔

"کیا تمہاری بیوی اور بچے بھی ہیں؟" ساوتری نے دوسرا سوال کیا۔

شیر خان نے ذرا سی خاموشی کے بعد کہا۔

"نہیں...... میں نے ابھی شادی نہیں کی"۔

ساوتری بولی۔

"تم بڑے نیک دل انسان ہو...... تمہاری بیوی بڑی خوش قسمت ہو گی"۔

کمانڈو شیر خان اس کے جواب میں خاموش رہا...... غار کے باہر رات کے اندھیرے میں بارش کی ہلکی آواز مسلسل آ رہی تھی...... ساوتری نے کہا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے"۔

شیر خان بولا۔

"تم سو جاؤ...... میں غار کے دہانے پر جا کر بیٹھتا ہوں...... تا کہ کوئی جانور وغیرہ آئے تو اسے بھگا دوں"۔

ساوتری غار میں سمٹ کر لیٹ گئی...... شیر خان غار کے دہانے پر جا کر جہاں اونچے اونچے سرکنڈے تھے بیٹھ گیا...... اس کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا کہ جس سے اگر کوئی درندہ ریچھ یا بھیڑیا آئے تو اس کو بھگا سکے، لیکن اس کا خیال تھا کہ سرکنڈوں کی وجہ سے کوئی جانور ادھر کا رُخ نہیں کرے گا...... بارش مسلسل ہو رہی تھی...... بیٹھے بیٹھے شیر خان کو اُونگھ بھی آجاتی...... کچھ دیر کے بعد اپنے آپ اس کی آنکھ کھل جاتی...... رات گزرتی جا رہی تھی...... ایک بار اسے اُونگھ آئی اور وہ سو گیا...... اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

بارش رُک گئی تھی...... بارش کی آواز بھی رُک گئی تھی...... شیر خان کو محسوس ہوا تھا کہ نیند میں اس نے کوئی آواز سنی تھی...... جنگل میں اندھیرا تھا...... خاموشی تھی...... صرف درختوں پر سے کسی کسی وقت بارش کے رُکے ہوئے قطروں کے ٹپ

ٹپ گرنے کی آواز آجاتی تھی...... شیر خان سرکنڈوں کو تھوڑا سا ہٹا کر اندھیرے میں بڑے غور سے دیکھ رہا تھا...... اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نے جو آواز سنی تھی وہ کیا تھا...... یہ سوچ کر کہ خواب کی حالت میں کوئی آواز سنی ہوگی...... وہ سرکنڈوں سے پیچھے ہٹ گیا اور ساوتری کی طرف دیکھا...... غار کے اندھیرے میں وہ فرش پر سوئی ہوئی نظر آرہی تھی...... شیر خان واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا اور اس نے آنکھیں بند کرلیں...... ابھی بہت رات پڑی تھی...... صبح ہونے تک اسے اسی طرح کبھی اُونگھ کر اور کبھی جاگ کر رات گزارنی تھی...... اسے پھر وہی آواز سنائی دی...... اس نے جلدی سے آنکھیں کھولیں اور اس آواز پر کان لگا دیئے۔

یہ آواز غار کے دہانے کے آگے جو سرکنڈے تھے ان کے پیچھے سے آئی تھی...... یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی بھاری شے درخت پر سے نیچے گری ہو...... شیر خان کو یہی خیال آیا کہ شاید درخت کا کوئی ٹہن ٹوٹ کر نیچے گرا ہے...... اس آواز کے بعد رات کے اندھیرے میں جنگل پر سناٹا طاری ہوگیا...... صرف کسی وقت درختوں پر بارش کے رُکے ہوئے قطروں کے گرنے کی ٹپ کی آواز آجاتی...... اس کے بعد پھر وہی مہیب سناٹا چھا جاتا...... کمانڈو شیر خان اب پوری طرح بیدار تھا اور جنگل کی خاموشی پر کان لگائے ہوئے تھا...... پھر ایسی آواز آئی جیسے کوئی پانی میں چل رہا ہے...... آواز دُور سے آرہی تھی...... شیر خان نے اٹھ کر غار کے آگے آئے ہوئے سرکنڈوں کو ذرا سا ایک طرف کر کے دیکھا...... وہ کبھی پوری آنکھیں کھول کر اور کبھی سکیڑ کر دیکھتا...... سامنے ٹیلے کی ڈھلان تھی جہاں اندھیرے میں چھوٹی بڑی جھاڑیاں بالکل ساکت تھیں...... باہر کہیں پانی بھی نہیں کھڑا تھا...... پھر یہ پانی میں چلنے کی آواز کیسی تھی؟

وہ باہر نکل کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، کیونکہ اس کے پاس کوئی اسلحہ ہتھیار وغیرہ نہیں تھا...... دس پندرہ سیکنڈ تک وہ سرکنڈوں کو پیچھے ہٹائے ساکت کھڑا اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا رہا، مگر وہاں اسے کوئی شے حرکت کرتی نظر نہ آئی...... وہ

آہستہ سے پیچھے ہٹا اور غار کی دیوار کے پاس بیٹھ گیا...... اس کی چھٹی حس نے اسے بتادیا تھا کہ جنگل کی اندھیری فضا میں کوئی شے موجود ہے...... اسے کسی کے قدموں کی آواز آئی...... آواز بڑی صاف تھی...... کوئی جھاڑیوں میں سے گزر کر غار کی طرف آرہا تھا...... شیر خان ایک دم اٹھا اور غار کے دہانے کے بالکل ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا...... اس نے سرکنڈوں کو ذرا سا ہٹا کر دیکھا۔

اس کی چھٹی حس نے اسے یونہی خبردار نہیں کیا تھا۔

اندھیرے میں اسے ایک کافی بڑا ریچھ نظر آیا جو جھومتا جھومتا غار کی طرف آرہا تھا...... کالے رنگ کا یہ ریچھ بہت بڑا تھا...... غار کے دہانے میں ریچھ کے واسطے کوئی رکاوٹ نہیں تھی...... شاید یہ غار بھی اسی کا تھا اور وہ اپنے غار میں آرام کرنے ہی چلا آرہا تھا...... کمانڈو شیر خان اکیلا ریچھ کو ہلاک نہیں کرسکتا تھا...... ریچھ کے پنجوں کے ناخن تیز چھریوں کی طرح ہوتے ہیں اور وہ ایک سیکنڈ میں دشمن کی انتڑیاں باہر نکال دیتا ہے...... شیر خان کے پاس کوئی بندوق پستول تو درکنار کوئی چھوٹا سا چاقو تک نہیں تھا...... بغیر چاقو یا کسی ہتھیار کے اتنے بڑے جنگلی ریچھ کا مقابلہ کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔

لیکن غار کے اندر ساوتری سو رہی تھی...... شیر خان کے لئے ابھی زندہ رہنا ضروری تھا...... وہ اس قسم کی موت کے آگے ہتھیار ڈالنے کو ہرگز تیار نہیں تھا...... نہتا ہونے کے باوجود وہ ریچھ سے مقابلہ کرنے کو تیار ہوگیا...... اس کی رگیں اور بازوؤں کے پٹھے تن گئے...... وہ سرکنڈوں کو ایک طرف ہٹائے جنگل کے اندھیرے میں ریچھ کو اپنی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔

اچانک جنگل کی فضا شیر کی دھاڑ سے گونج اُٹھی...... خدا جانے یہ شیر اس وقت کہاں سے نمودار ہوگیا تھا...... شیر خان اب بھی یہی سمجھتا ہے کہ قدرت اس کی مدد کر رہی تھی، کیونکہ ابھی شیر خان کی زندگی باقی تھی...... شیر کی دھاڑ کی آواز سنتے ہی

ریچھ جو غار کے دہانے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا وہیں رُک گیا...... اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پچھلے پیروں پر کھڑا ہو کر اپنے اگلے پنجوں کو زور زور سے سینے پر مارتے ہوئے غرانے لگا...... شیر ایک بار پھر دھاڑا...... اس کی گرج دار دھاڑ بڑے قریب سے آئی تھی...... ریچھ پر شیر کی ہیبت طاری ہو گئی...... اس نے اگلے دونوں پاؤں زمین پر لگائے اور بڑی تیزی سے جس طرف سے آیا تھا اسی طرف دوڑ پڑا اور شیر خان کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گیا۔

شیر خان نے خدا کا شکر ادا کیا...... اسے معلوم تھا کہ ریچھ اب کم از کم اس رات کی صبح تک غار کا رُخ نہیں کرے گا...... شیر کی دوسری دھاڑ سن کر ساوتری جاگ پڑی تھی...... وہ ڈری ہوئی آواز میں جیسے کراہنے لگی...... شیر خان جلدی سے اس کے پاس گیا اور اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"ڈرو نہیں...... کچھ نہیں ہوا...... شیر آیا تھا چلا گیا ہے"۔

پھر اس نے ساوتری کو سارا واقعہ سنایا...... ساوتری سخت ڈری ہوئی تھی...... شیر خان کو تو جاگنا ہی تھا، لیکن باقی کی رات ساوتری بھی نہ سوئی...... دن کا اُجالا نمودار ہوا تو شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہئے"۔

ساوتری نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"کہیں باہر شیر نہ بیٹھا ہو"۔

شیر خان بولا۔

"شیر تو رات کو بھی اس طرف نہیں آتا تھا...... ریچھ آیا تھا وہ شیر کی گرج سن کر بھاگ گیا...... اب اِدھر نہ ریچھ آئے گا نہ شیر"۔

ساوتری پھر بھی ڈر رہی تھی۔

وہ شیر خان کے پیچھے چلتی غار سے باہر نکل آئی...... شیر خاں نے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں اب ہمیں کس طرف کا رُخ کرنا چاہئے کہ ہم دریا تک پہنچ سکیں"۔

ساوتری نے ایک طرف اشارہ کیا...... اس طرف ایک اونچا ٹیلہ کھڑا تھا...... اس نے کہا۔

"اس ٹیلے کی دوسری طرف دریا ہے...... ہمیں اس دریا کے گھاٹ سے کٹھیالی جانے والی کشتی مل جائے گی"۔

اس وقت کٹھیالی ہی شیر خان کی منزل تھی، کیونکہ کٹھیالی میں ساوتری کے ماما جی کا گھر تھا...... کٹھیالی ریلوے سٹیشن بھی تھا...... شیر خان نے کٹھیالی میں ساوتری کو چھوڑ کر وہاں سے آگے لکھنؤ کی بجائے بھارت کے صوبہ بہار یا بنگال کی طرف نکل جانا تھا، کیونکہ لکھنؤ میں اس کے پکڑے جانے کا زبردست خطرہ تھا...... وہیں سے تو وہ فرار ہو کر بھاگا تھا اور اب تک اس کے فرار کی لکھنؤ کی سول پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کو یقیناً خبر ہو چکی ہو گی۔

ٹیلے کو عبور کرتے ہوئے انہیں دن کے گیارہ بج گئے، لیکن یہ دیکھ کر کمانڈو شیر خان کو حوصلہ ہوا کہ ٹیلے کی دوسری جانب دریا بہہ رہا تھا، مگر وہاں نہ کوئی بستی تھی اور نہ کوئی گھاٹ ہی تھا...... ساوتری نے کہا۔

"فکر نہ کرو...... ہم دریا کے ساتھ ساتھ کچھ دُور چلیں گے تو گھاٹ آ جائے گا"۔

اور ایسا ہی ہوا...... دریا کے ساتھ ساتھ وہ کوئی ڈیڑھ فرلانگ چلے ہوں گے کہ ایک گھاٹ آ گیا جہاں بہت سی کشتیاں کھڑی تھیں...... کسی کشتی میں بانس وغیرہ لدے ہوئے تھے...... ایک کشتی میں کچھ مسافر بیٹھے تھے...... ساوتری نے شیر خان سے کہا۔

"ہمارے پاس تو کشتی کا کرایہ بھی نہیں ہے، کیا کریں؟"۔

شیر خان بولا۔

"تم یہیں ٹھہرو...... میں آگے جا کر کشتی کے مانجھی سے بات کرتا ہوں"۔

کشتی کا ملاح ادھیڑ عمر کا آدمی تھا...... کشتی کے ڈانڈ کے پاس کھڑا کسی لڑکے سے اونچی آواز میں بول رہا تھا...... کمانڈو شیر خان اس کے پاس جا کر کہنے لگا۔

"دادا بھائی! ہم رام پرشاد بنواری ہوں...... کٹھیالی کے تھانے کا نیا محرر ہوں...... اپنی پتنی کو گاؤں سے لے کر آرہا تھا کہ راستے میں رات ہوگئی...... ہم سو گئے...... کسی چور نے میری جیب سے بٹوہ چرا لیا......اب ہمارے پاس کشتی کا کرایہ نہیں ہے...... بھیا تم ہمیں دریا پار کرادو...... میں تھانے پہنچتے ہی تمہیں کرایہ بھجوادوں گا"۔

کچھ پولیس تھانے اور کچھ شیر خان کے موثر انداز گفتگو کا مانجھی پر اثر پڑ گیا...... اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مہاراج بیٹھ جائیے...... دریا پار کرائے دیتا ہوں...... پیسوں کی کیا ہے...... آجائیں گے......نہ بھی آئے تو کیا فرق پڑتا ہے"۔

شیر خان ساوتری کو لے کر کشتی میں بیٹھ گیا جس میں پہلے ہی سے کافی مسافر بیٹھے ہوئے تھے...... ساوتری نے گھونگھٹ نکال لیا تھا، کیونکہ دریا پار اس کے ماما کا گھر تھا...... کشتی دریا میں چل پڑی...... دریا کے رُخ پر کوئی چار پانچ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کشتی دوسرے کنارے کی طرف مڑ گئی...... دن کی روشنی میں دریا کے دوسرے کنارے پر درختوں کے پیچھے کچھ مکانوں کے خاکے نظر آرہے تھے...... یہی کٹھیالی کا قصبہ تھا...... یہ کافی بڑا قصبہ تھا...... یہاں پولیس کا تھانہ بھی تھا اور ڈاک خانہ بھی تھا...... قصبے کی آبادی کافی دُور تک پھیلی ہوئی تھی...... ایک جانب کچھ فاصلے پر ریلوے سٹیشن تھا جس کے سگنل دُور سے دکھائی دے رہے تھے۔

ساوتری شیر خان کو لے کر اپنے ماما کے مکان کی طرف جا رہی تھی، کہنے لگی۔

"تم نے مانجھی کو کیا کہا تھا؟"۔

شیر خان نے جواب دیا۔

"کچھ نہیں کہا تھا...... بس یہی کہا تھا کہ ہمارے پاس کرایہ نہیں ہے...... بڑی دُور

سے پیدل آرہے ہیں...... دریا پار کرادو...... بس"۔

ساوتری خاموش ہوگئی...... وہ کٹھیالی قصبے کی بستی کی ایک باہر والی آبادی کے ایک بازار میں سے گزر رہے تھے...... پھر ساوتری ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوگئی...... یہاں گلی کے کونے میں اس کے ماما کا مکان تھا...... ساوتری کو اچانک دیکھ کر اس کے ماما اور مامی اور ان کی جوان بیٹی حیران بھی ہوئے اور خوش بھی بہت ہوگئے۔

انہیں ساوتری کے اغوا ہونے کی خبر مل چکی تھی...... ساوتری کی ممانی نے اسے گلے سے لگا لیا...... ماما نے پوچھا۔

"ساوتری بیٹی! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"۔

ساوتری نے کہا۔

"ماما جی! یہ مہدی خان ہے...... اس نے مجھے ان غنڈوں کے چنگل سے نکالا ہے؟ مجھے اغوا کر کے لے گئے تھے...... اگر مہدی جی میری مدد نہ کرتے تو بھگوان جانے اب تک میرا کیا حال ہو چکا ہوتا"۔

ماما جی نے شیر خان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"بھگوان آپ کو خوش رکھے، آپ نے ہمارے خاندان پر بڑی کرپا کی مہاراج"۔

ساوتری کی ماموں زاد بہن کا نام لیلا تھا...... لیلا نے کہا۔

"ساوتری! پہلے تم جلدی سے دوسری ساڑھی پہن لو...... پھر منہ ہاتھ دھولو...... میں کھانا لگاتی ہوں"۔

ساوتری کی ممانی نے شیر خان سے کہا۔

"بھیا! تم بھی منہ ہاتھ دھولو"۔

ساوتری کے ماما جی نے شیر خان سے کہا۔

"بھائی جی! تمہارے کپڑے بھی خراب ہو رہے ہیں...... میری پتلون پہن لینا بے شک"۔

شیر خان نے کہا۔

"شکریہ بھائی صاحب! لکھنؤ جا کر بدل لوں گا"۔

"آپ کا گھر لکھنؤ میں ہے کیا؟" ماما جی نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"جی ہاں...... میں لکھنؤ کے قریب ہی اپنے ایک دوست کی حویلی میں رہ رہا ہوں...... دراصل میں مراد آباد سے اپنے دوست کے ہاں آیا تھا"۔

"آپ کے دوست کیا کرتے ہیں؟" ماما جی نے پوچھا۔

شیر خان نے وہی پرانی کہانی دہرا دی۔

"بات یہ ہے کہ میرا دوست بڑا اچھا شکاری ہے اور مجھے شکار کا شوق ہے...... میں شوقیہ شکاری ہوں...... کبھی کبھی مراد آباد سے اپنے دوست کے پاس لکھنؤ آجاتا ہوں...... پھر ہم دونوں مل کر جنگل میں شکار کھیلنے چل دیتے ہیں...... بس یہی میرا اور میرے دوست کا شوق ہے...... اس دفعہ ہم جنگل میں شکار کھیلتے ہوئے کافی آگے نکل آئے اور راستہ بھول بیٹھے...... اور بدقسمتی یہ ہوئی کہ شام کا وقت تھا اچانک ایک طرف سے ریچھ نکل آیا...... ہم نے اس پر بندوق کے فائر بھی کئے لیکن ریچھ نے بھاگنے کی بجائے ہم پر حملہ کر دیا...... اس کے بعد ہم دونوں بھاگ اٹھے...... میرا دوست ایک طرف کو اور میں دوسری طرف کو بس اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے...... جنگل میں رات ہو گئی...... میں ایک تالاب کے کنارے جنگلی درندوں کے ڈر سے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا...... پھر مجھے ساوتری جی کے رونے کی آواز سنائی دی...... انہیں غنڈے پجاری رام تلائی کی گپھاہ میں باندھ کر چلے گئے تھے...... میں نے جلدی جلدی ان کی رسیاں کھولیں اور انہیں ساتھ لے کر جنگل میں چل پڑا...... اصل میں اب ساوتری جی میری گائیڈ بن گئی تھیں...... انہیں جنگل کا دریا کے گھاٹ کی طرف جانے والے راستے کا کچھ اندازہ تھا...... چنانچہ ہم رات بھر جنگل میں چلتے رہے اور صبح دریا پر

پہنچ گئے...... پھر وہاں سے ایک کشتی میں سوار ہوئے اور آپ کے گھر آگئے"۔

ساوتری کا ماما دبلا پتلا اُدھیڑ عمر کا ہندو تھا...... سر کے بال اُڑے ہوئے تھے اور آنکھوں میں بڑی عیارانہ سی چمک تھی...... وہ بڑی دلچسپی اور پورے یقین کے انداز میں کمانڈو شیر خان کی گفتگو سن رہا تھا...... جب شیر خان نے اپنی بات ختم کی تو سر ہلاتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

"مہاراج! آپ بڑے بہادر نوجوان ہیں...... آپ نہ ہوتے تو ہماری بچی کبھی اپنے گھر واپس نہیں آسکتی تھی"۔

✿✿✿

ہاتھ منہ دھو کر تازہ دم ہونے کے بعد کھانا کھایا گیا...... اس کے بعد پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... ساوتری کے ماما جی نے ساوتری کے گھر اس دوران فون کروا کر انہیں یہ خوش خبری سنا دی کہ ساوتری ان کے پاس پہنچ چکی ہے اور وہ کل خود اسے لے کر آ رہے ہیں...... ساوتری نے دوسری ساڑھی پہن لی تھی اور اپنی ممانی کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی...... ادھیڑ عمر اور زیرک آنکھوں والا ماما شیر خان کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا اور بات بات پر واہ واہ کہہ رہا تھا...... اتنے میں شام ہو گئی...... شیر خان نے کہا۔

"اب مجھے اجازت دیں...... میں جلدی لکھنؤ پہنچ کر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا دوست بھی واپس آ گیا ہے یا ابھی تک جنگل ہی میں بھٹک رہا ہے"۔

ساوتری کے ماما نے کہا۔

"اس وقت تو کوئی گاڑی لکھنؤ کی طرف نہیں جاتی...... اب تو صبح منہ اندھیرے کلکتہ میل آئے گی اس میں بیٹھ کر چلے جانا...... رات ہمارے پاس ہی رہ جاؤ...... صبح میں خود تمہیں گاڑی میں بٹھاؤں گا"۔

کمانڈو شیر خان کے نزدیک یہ بے ضرر سے لوگ تھے...... اس نے سوچا کہ چلو رات بھر آرام کر لیتے ہیں...... صبح کوئی گاڑی پکڑ لیں گے...... وہ ساوتری کے ماما کو یہ تو بتا نہیں سکتا تھا کہ اس نے لکھنؤ کی طرف نہیں جانا بلکہ کلکتے کی طرف جانے والی کوئی

ٹرین پکڑنی ہے...... یہ سوچ کر کہ ہو سکتا ہے رات کو اسے کلکتہ کی طرف جانے والی بھی کوئی گاڑی نہ ملے...... اس کا یہ تجربہ تھا کہ رات کے وقت عام طور پر میل ٹرینیں ہی آتی ہیں اور میل ٹرینیں کٹھیالی ایسے قصباتی سٹیشنوں پر نہیں رکتیں...... دن کے وقت اسے کوئی پسنجر ٹرین پٹنہ وغیرہ کی طرف جاتی مل سکتی تھی، چنانچہ یہ سوچ کر اس نے وہیں رات گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ساوتری کے ماما کا مکان درمیانے درجے کا تھا...... ایک کوٹھڑی میں چارپائی پر شیر خان کا بستر بچھا دیا گیا...... رسوئی یعنی کچن میں رات کے لئے سبزی وغیرہ پک رہی تھی...... ساوتری اپنی ممانی کے پاس بیٹھی اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی...... شیر خان نے صبح صبح وہاں سے سٹیشن کی طرف نکل جانے کا سوچ لیا تھا، چنانچہ وہ جلدی سو گیا...... اس گھر میں اسے بظاہر کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔

اب ایسا ہوا کہ رات کے گیارہ بج رہے تھے...... ساوتری اپنی ماموں زاد بہن لیلا کے ساتھ دوسری کوٹھڑی میں سوئی ہوئی تھی کہ اسے پیاس محسوس ہوئی...... وہ پانی پینے کوٹھڑی سے نکل کر کچن کی طرف جاتے ہوئے اپنی ممانی کی کوٹھڑی کے قریب سے گزری تو اسے ماما جی کی آواز سنائی دی...... انہوں نے شیر خان یعنی مہدی خان کا نام لیا تھا...... ساوتری وہیں رُک کر دروازے سے کان لگا کر سننے لگی کہ ماما جی کیا کہہ رہے ہیں...... ماما جی اس وقت اپنی بیوی کو کہہ رہے تھے۔

"مجھے اس آدمی مہدی خان پر شک ہے کہ یہ وہی پاکستانی جاسوس ہے جس کے بارے میں ہمارے باس کو آج صبح اطلاع ملی تھی کہ وہ جنگل والے ٹارچر سنٹر سے فرار ہو گیا ہے"۔

اس کی بیوی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ وہ آدمی نہ ہو"۔

ماما نے کہا۔

"نہیں...... مجھے پکا یقین ہے کہ یہ وہی پاکستانی جاسوس ہے"۔

"تو پھر تم کیا کرو گے؟" اس کی بیوی نے پوچھا۔

ماما جی نے کہا۔

"میں صبح صبح اپنے آفس سپرنٹنڈنٹ کو جا کر اس کی اطلاع کر کے اسے گرفتار کرا دوں گا...... اس طرح میری ترقی بھی ہو جائے گی"۔

یہ سن کر ساوتری وہیں سے واپس ہو گئی۔

کونے والی کوٹھڑی میں کمانڈو شیر خان سو رہا تھا...... ساوتری نے دروازے پر آہستہ آہستہ تین چار بار ٹھک ٹھک کی تو شیر خان کی آنکھ کھل گئی...... وہ جلدی سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا...... اس نے پوچھا۔

"کون ہے؟"۔

ساوتری نے بڑی دھیمی آواز میں کہا۔

"میں ہوں ساوتری...... دروازہ کھولو"۔

شیر خان نے دروازہ کھول دیا...... ساوتری نے جلدی سے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا...... کوٹھڑی میں چارپائی کے کونے میں نسواری شیڈ والا پرانا ٹیبل لیمپ روشن تھا...... شیر خان نے کسی قدر حیرانی کے ساتھ ساوتری سے پوچھا۔

"کیا بات ہے ساوتری؟"۔

ساوتری نے کہا۔

"میرے ماما جی کو پتہ چل گیا ہے کہ تم پاکستانی جاسوس ہو...... وہ صبح صبح تمہیں گرفتار کروا دیں گے، اسی وقت یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

شیر خان جلدی جلدی اپنی بش شرٹ پہننے لگا...... اس نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"۔

ساوتری بولی۔

"میں نے ابھی ابھی ماما جی کو ممانی سے کہتے سنا ہے کہ مہدی خان پاکستانی جاسوس ہے جو جنگل والے ٹارچر سنٹر سے فرار ہوا تھا"۔

شیر خان نے ساوتری سے پوچھا۔

"مکان کے پچھلے دروازے سے کوئی راستہ ہے؟"۔

ساوتری نے کہا۔

"نہیں...... تم ڈیوڑھی والے دروازے سے نکل جاؤ، مگر دروازہ کھلنے کی آواز نہ آئے"۔

کمانڈو شیر خان ٹیبل لیمپ کی روشنی میں باہر نکلنے لگا تو ساوتری نے اسے روک دیا اور دھیمی آواز میں بولی۔

"یہیں ٹھہرو...... میں ابھی آتی ہوں"۔

وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر دبے پاؤں کوٹھڑی سے نکل گئی...... شیر خان چارپائی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ لڑکی جو کچھ کہہ رہی ہے اگر سچ ہے تو میں اس کے احسان کو کبھی نہیں بھلا سکوں گا...... کوئی ایک منٹ بعد ساوتری واپس آ گئی...... اس نے شیر خان کے ہاتھ میں رومال میں لپٹی ہوئی کوئی چیز پکڑائی اور بولی۔

"جلدی سے نکل جاؤ...... راستہ صاف ہے"۔

شیر خان نے ایک سیکنڈ کے لئے ساوتری کی طرف دیکھا...... پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولا۔

"شکریہ! میری بہن!"۔

اس کے ساتھ ہی وہ دبے پاؤں کوٹھڑی سے نکل کر دالان میں سے گزر کر ڈیوڑھی میں آ گیا...... ڈیوڑھی کا دروازہ بند تھا...... اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی...... اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ کہ آواز پیدا نہ ہو کنڈی کو کھولا...... پھر اور زیادہ احتیاط کے ساتھ دروازے کے ایک پٹ کو تھوڑا سا پیچھے کیا اور فوراً مکان سے نکل گیا۔

کٹھیالی قصبے کے بازار سنسان پڑے تھے...... رات کا گہرا سکوت ہر طرف چھایا تھا...... یہ کوئی شہر نہیں تھا...... آدھی رات کا وقت ہو رہا تھا...... کہیں کوئی ٹریفک وغیرہ نہیں تھی...... کوئی ٹیکسی رکشا بھی نہیں تھا...... ایک کھیت کے پاس آکر شیر خان نے سب سے پہلے اس رومال کو کھولا جو ساوتری نے جاتے وقت اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا...... اس میں سو روپے کا نوٹ اور دو دس دس روپے کے نوٹ تھے...... کمانڈو شیر خان کو اپنی چھوٹی بہن یاد آگئی اور اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں، مگر یہ وقت اس قسم کی جذباتی باتوں کا نہیں تھا...... دن کے وقت ہی اس نے دُور سے دیکھ لیا تھا کہ کٹھیالی کا ریلوے سٹیشن کس طرف ہے۔

وہ ریلوے سٹیشن کی طرف پیدل ہی جا رہا تھا۔

ساوتری کی زبانی یہ پتہ چل جانے کے بعد کہ لکھنؤ پولیس اور انٹیلی جنس کو اس کے فرار کا علم ہو چکا ہے...... شیر خان نے لکھنؤ مراد آباد کی طرف جانے کا خیال دل سے نکال دیا تھا...... اس طرف پولیس اور انٹیلی جنس اس کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہو گی...... اس طرف جانا بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا تھا، چنانچہ ریلوے سٹیشن تک پہنچتے پہنچتے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بنگال کی طرف نکل جائے گا...... بنگال کے شہر کلکتے میں اس کا ایک کشمیری ساتھی شالوں کا کاروبار کرتا تھا...... کمانڈو شیر خان نے سوچ لیا کہ اس کے پاس جانا بہتر رہے گا...... کچھ دن وہاں گزار کر جب حالات ذرا ٹھیک ہو جائیں گے تو وہ وہاں سے کشمیر کی طرف نکل جائے گا۔

اب سوال یہ تھا کہ کیا اس وقت اس کٹھیالی ایسے چھوٹے سٹیشن پر کلکتے جانے والی کوئی گاڑی مل سکے گی؟ اس کے پاس چند ایک گھنٹے ہی تھے...... صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ کٹھیالی سے دُور نکل جانا چاہتا تھا تا کہ جب ساوتری کے ماما پولیس کو اس کی مخبری کرے تو وہ پولیس کے حرکت میں آنے سے پہلے پہلے کٹھیالی کے علاقے سے نکل چکا ہو...... جب وہ کٹھیالی کے معمولی سے قصباتی سٹیشن پر پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کا دل بیٹھ سا

گیا کہ سٹیشن پر اُلو بول رہے تھے...... کوئی مسافر اور کوئی ریلوے کا قلی تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے سٹیشن کی دوسری طرف جا کر دیکھا کہ وہاں ایک چھوٹی سی کھڑکی کے پیچھے ایک بوڑھا سکھ بیٹھا ٹکٹوں پر مہریں لگا رہا تھا...... شیر خان جانتا تھا کہ ساوتری کے ماما کی مخبری کے بعد پولیس ریلوے سٹیشن پر آکر ٹکٹ دینے والے سردار جی سے بھی پوچھے گی کہ اس حلیئے کا آدمی رات کو سٹیشن پر آیا تھا کیا؟ اور سردار جی پولیس کو بتادیں گے کہ رات کو اس حلیئے کا ایک آدمی آیا تھا اور اس نے فلاں شہر کا ٹکٹ لیا تھا، چنانچہ شیر خان فوراً کھڑکی سے ہٹ گیا...... وہ سردار جی کو اپنی شکل نہیں دکھانا چاہتا تھا...... اب اس نے یہی سوچا کہ کلکتے کی طرف جانے والی جو بھی گاڑی آئے گی خواہ وہ آدھے راستے تک ہی جا رہی ہو وہ اس میں بغیر ٹکٹ کے سوار ہو جائے گا...... رات کا وقت ہے...... رات کے وقت ٹرین میں کوئی ٹکٹ چیکر نہیں آتا...... وہ پچھلی طرف سے تاروں کا جنگلہ پھلانگ کر پلیٹ فارم پر آکر بیٹھ گیا۔

پلیٹ فارم پر صرف ایک دو کھمبوں کی بتیاں ہی جل رہی تھیں...... پلیٹ فارم خالی پڑا تھا...... ایک بھی مسافر نہیں تھا...... ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس سٹیشن پر کبھی کوئی گاڑی کھڑی نہیں ہوئی...... شیر خان کو یہ خیال بھی تھا کہ کہیں ساوتری کے ماما کو یہ پتہ نہ چل جائے کہ جس پاکستانی جاسوس کو اس نے صبح پولیس کے حوالے کرنا تھا وہ تو فرار ہو گیا ہے...... پھر تو وہ شخص اسی لمحے کٹھیالی کے پولیس تھانے پہنچ کر اطلاع دے دے گا اور پولیس سب سے پہلے ریلوے سٹیشن ہی کا رُخ کرے گی، مگر کسی بھی ریل گاڑی کا دُور دُور تک نام و نشان تک نہیں تھا...... شیر خان بے چینی سے اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا...... کسی طرف جانے والی ٹرین بھی نہیں آ رہی تھی...... پلیٹ فارم پر کوئی سٹال بھی نہیں تھا۔

ایک بوڑھا آدمی ایک طرف سے چلا آ رہا تھا...... جب وہ قریب آیا تو کمانڈو

شیر خان نے اس سے پوچھا۔

"بڑے میاں لکھنؤ بریلی جانے والی گاڑی کب آئے گی"۔

اس نے جان بوجھ کر لکھنؤ بریلی کا نام لیا تھا...... وہ بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ سٹیشن پر کسی کو بھی معلوم ہو کہ وہ کلکتے کی طرف گیا ہے...... بوڑھے نے کہا۔

"لکھنؤ جانے والی گاڑی تو صبح سویرے آتی ہے...... اس وقت تو پٹنہ جانے والی پسنجر ٹرین آرہی ہے"۔

شیر خان نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اس علاقے سے کچھ دیر بعد ہی نکل جائے گا اور ایسا ہی ہوا...... کوئی بیس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ لکھنؤ کی جانب سے ایک ٹرین آکر رُکی...... پسنجر ٹرین تھی...... ڈبوں میں مسافر بھرے ہوئے تھے...... اکثر مسافر سو رہے تھے...... انجن نے رکنے کے دو منٹ بعد ہی سیٹی دے دی...... کمانڈو شیر خان اس دوران ایک ڈبے میں گھس کر دروازے کے پاس بیٹھ چکا تھا...... دوسرے لمحے ٹرین چل پڑی...... لکھنؤ سے آگے بڑا شہر بنارس ہی تھا...... ٹرین کی رفتار زیادہ نہیں تھی...... بنارس بھی لکھنؤ سے زیادہ دُور نہیں تھا، لیکن ٹرین نے بنارس پہنچتے پہنچتے تین گھنٹے لگا دیئے...... شیر خان کو اب یہ تشویش ہوئی کہ اگر ٹرین اسی رفتار سے چلتی رہی تو راستے میں ہی دن نکل آئے گا اور عین ممکن ہے کہ کٹھیالی پولیس اس کے بارے میں اگلے سٹیشنوں کی پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کو باخبر کر دے۔

دوسری فکر اسے یہ بھی لگی تھی کہ وہ بغیر ٹکٹ سفر کر رہا ہے...... پکڑا گیا تو ایک نئی مصیبت میں پھنس جائے گا، چنانچہ اس نے بنارس پہنچنے سے پہلے پہلے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بنارس اتر جائے گا اور وہاں سے آگے گیا تو لاری میں سفر کرنے کی کوشش کرے گا...... رات کے تین بجنے والے تھے جب ٹرین بنارس پہنچی...... بنارس بہت بڑا ریلوے جنکشن تھا...... یہاں ٹکٹ کے بغیر سٹیشن کی عمارت سے باہر نکلنا مشکل تھا......

ویسے بھی پلیٹ فارم پر ریلوے پولیس کے سپاہی ادھر اُدھر چل پھر رہے تھے...... شیر خان نے اپنا ارادہ بدل لیا اور یہ سوچا کہ وہ گیا کے ریلوے سٹیشن پر اتر جائے گا۔

پسنجر ٹرین دن نکل چکا تھا جب گیا پہنچی...... یہ کافی بڑا سٹیشن تھا، مگر بنارس لکھنؤ کے مقابلے میں بہت چھوٹا تھا...... یہ شہر پہلے شیر خان نے نہیں دیکھا تھا...... وہ ٹرین سے اترا اور پلیٹ فارم سے اتر کر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کلکتہ کی طرف چل پڑا...... کبھی کبھی ریلوے یارڈ میں بھی ٹرین کی آمد کے موقع پر کوئی نہ کوئی ٹکٹ چیکر موجود ہوتا ہے، مگر یہ پسنجر ٹرین تھی اور کٹھیالی کا سٹیشن بھی چھوٹا تھا...... شیر خان ریلوے پٹڑی کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے وہاں پر آگیا جہاں ریلوے کا خاردار جنگلا ختم ہو جاتا تھا اور پٹڑی کی دونوں جانب دھان کے کھیت شروع ہو جاتے تھے...... یہاں سے وہ کھیتوں میں چلنے لگا اور ایک چکر لگا کر گیا کے شہر میں آگیا...... بدھ مت کے پیروکار اس شہر کو بڑا مقدس مانتے ہیں...... یہ وہ شہر ہے جہاں مہاتما گوتم بدھ کو ایک درخت کے نیچے گیان ہوا تھا اور انہوں نے زندگی کے دُکھوں کا راز پا لیا تھا۔

شہر کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی اور شہر کے باہر بھی نئی کالونیاں آباد ہو گئی تھیں...... صبح کا وقت تھا...... شہر کی زندگی بیدار ہو چکی تھی...... شیر خان ایک کالونی میں آگیا تھا...... سڑک کے کنارے اسے ایک چائے کی چھوٹی سی دکان نظر آئی...... وہ دکان کے اندر جا کر بیٹھ گیا...... اس نے چائے کے ساتھ مکھن لگوا کر تین سلائس منگوائے اور خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا...... ساوتری کے دیئے ہوئے پیسے اس کی جیب میں موجود تھے...... یہاں اس نے ایک آدمی سے اڈے کا پوچھا جہاں سے آگے بنگال کی طرف لاریاں جاتی ہوں...... اس نے کہا۔

"تمہیں کہاں جانا ہے"۔

شیر خان کو اس آدمی سے اس سوال کی توقع نہیں تھی...... اس نے یونہی کہہ دیا۔

"پٹنہ جاؤں گا...... ٹرین رات کو آئے گی مجھے پٹنہ جلدی پہنچنا ہے"۔

اس آدمی نے کہا۔

"پٹنہ جانے کے لئے تو تمہیں راستے میں دو لاریاں بدلنی پڑیں گی...... تم یہاں سے ہزاری باغ چلے جاؤ وہاں سے تمہیں پٹنہ جانے والی ٹرین مل جائے گی"۔

شیر خان کو ہزاری باغ کا نام سن کر یاد آگیا کہ ہزاری باغ تو صوبہ بنگال کی سرحد کے قریب ہی واقع ہے اور وہاں سے آگے آسنسول ہے جہاں سے بنگال شروع ہو جاتا ہے...... اس نے کہا۔

"اچھا...... دیکھتا ہوں بھائی"۔

وہ چائے کی دکان سے نکلا اور سیدھا لاری اڈے پر آگیا...... کچھ ہی دیر بعد اسے ہزاری باغ جانے والی لاری مل گئی...... ہزاری باغ وہاں سے دو اڑھائی گھنٹے کا سفر تھا، لیکن وہ ہزاری باغ پہنچ گیا...... یہاں سے اسے کلکتہ جانے والی ایک میل ٹرین مل گئی اور وہ کلکتے کے ہوڑہ سٹیشن پر اتر گیا...... اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے...... کلکتہ شہر جاگ رہا تھا...... ہر طرف روشنیاں جگمگا رہی تھیں...... کلکتہ کا شمار بھارت کے بڑے شہروں میں ہوتا ہے...... بلکہ اسے بھارت کا سب سے گنجان آباد شہر بھی کہا جاتا ہے...... اس شہر کی تاریخ اور بنگلہ ثقافت بڑی قدیم ہے۔

شیر خان کو اپنے کشمیری دوست کا گھر معلوم تھا کہ کہاں ہے، اس نے آٹو رکشا لیا اور سیدھا اس کے مکان پر پہنچ گیا...... وہ شیر خان کو دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا...... دونوں دوست گلے لگ کر ملے...... ہم یہاں شیر خان کے کشمیری دوست کا اصلی نام نہیں لکھیں گے...... اس کو فرضی نام عبداللہ سے یاد کریں گے۔

عبداللہ نے شیر خان کے بوسیدہ کپڑوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کسی جگہ سے فرار ہو کر آیا ہے...... اس نے کہا۔

"سب سے پہلے نہا دھو کر کپڑے بدلو...... کھانا کھاؤ اور پھر آرام سے سو جاؤ...... باقی باتیں صبح کو ہوں گی"۔

شیر خان نے غسل کیا...... کپڑے بدلے...... کھانا کھایا اور سو گیا...... خدا جانے وہ کب کا جاگا ہوا تھا...... ساوتری کے مکان پر بھی وہ کچھ دیر ہی سو سکا تھا...... عبداللہ کے مکان پر وہ گہری نیند سو گیا...... دن کے دس بجے اس کی آنکھ کھلی۔

عبداللہ اپنی دکان پر نہیں گیا تھا دونوں نے مل کر ناشتہ کیا اور باتیں کرنے لگے...... شیر خان نے اسے کافی کچھ بتا دیا...... کافی کچھ نہیں بتایا...... بہر حال اس نے کہا۔

"اب مجھے جتنی جلدی ہو سکے کشمیر پہنچنا ہے، مگر لکھنؤ بریلی کا راستہ میرے لئے محفوظ نہیں ہے...... تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟"۔

عبداللہ نے کہا۔

"کشمیر جانے کا راستہ تو لکھنؤ بریلی سے ہو کر ہی جاتا ہے...... تم یہی کر سکتے ہو کہ جب تک حالات نارمل نہیں ہو جاتے میرے پاس ہی رہو"۔

شیر خان نے کہا۔

"لیکن عبداللہ میرا کشمیر کے محاذ پر جلدی پہنچنا بڑا ضروری ہے...... مجھے شاہد علی کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں کہ لندن میں مفرور ہونے کے بعد اس پر کیا گزری...... وہ کشمیر پہنچا ہے یا نہیں...... کشمیر کے محاذ پر مجاہد ترابی کو ہماری بڑی ضرورت ہے"۔

عبداللہ کہنے لگا۔

"مجھے تھوڑا موقع دو...... میں کوئی طریقہ سوچتا ہوں"۔

"کلکتے میں شیر خان کو رہتے ایک ہفتہ گزر گیا تو اس نے عبداللہ سے کہا۔

"بھائی! اس سے زیادہ دن میں یہاں نہیں رُک سکتا...... میں آج رات کی ٹرین سے امرتسر کی طرف نکل جاؤں گا"۔

"اگلے ہفتے یہاں سے ہندو یاتریوں کا ایک جتھہ جموں ماتا جی کے درشنوں کو جا رہا ہے، اگر تم مناسب سمجھو تو اس کے ساتھ بھی جا سکتے ہو...... جو آدمی اس جتھے کی یاترا کا

انتظام کر رہا ہے وہ میرا جاننے والا ہے...... میں اسے کہہ کر تمہیں جتھے میں شامل کرواسکتا ہوں، لیکن سوچ لو...... کیا ہندو یاتریوں کے جتھے میں تم محفوظ ہو گے؟"۔

شیر خان نے کہا۔

"امرتسر تک تو اس جتھے کی طرف کوئی دھیان نہیں دے گا لیکن امرتسر کے آگے اور خاص طور پر جموں کے علاقے میں داخل ہوتے ہی سی آئی ڈی اس جتھے کے یاتریوں کی نگرانی شروع کر دے گی اور ایک ایک یاتری سے پوچھ گچھ ہو سکتی ہے...... وہاں اگر انٹیلی جنس والوں کو مجھ پر ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو بنا بنایا کام بگڑ سکتا ہے"۔

"یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو" عبداللہ نے کہا...... "لیکن ٹرین میں تو تمہیں سارا راستہ انٹیلی جنس والوں کا کھٹکا لگا رہے گا...... یہاں تو صرف جموں کے علاقے میں پہنچنے کے بعد ہی [illegible] ہو سکتا ہے...... تم امرتسر سے ہی جتھے سے الگ ہو سکتے ہو...... یاتری یہی سمجھیں گے کہ تم کسی دوسرے مندر کی یاترا کو چلے گئے ہو اور اپنے آپ جموں پہنچ جاؤ گے"۔

کمانڈو شیر خان سوچ میں پڑ گیا...... عبداللہ کا خیال درست تھا...... اگر وہ یاتریوں کے ساتھ چلا جائے تو کم از کم امرتسر تک وہ بڑی آسانی سے پہنچ سکتا ہے...... صرف اس بات کا خطرہ ہے کہ لکھنؤ سٹیشن پر اگر ٹارچر سنٹر کا چیف مالک رام موجود ہوا تو وہ اسے پہچان نہ لے...... اول تو یہ ضروری نہیں کہ انٹیلی جنس چیف مالک رام اس وقت لکھنؤ سٹیشن پر موجود ہو جب یاتریوں کا جتھہ وہاں سے گزر رہا ہو گا...... دوسرے اگر وہ موجود بھی ہوا تو شیر خان اپنا حلیہ ایسا بنائے گا کہ وہ اسے کبھی نہیں پہچان سکے گا، چنانچہ شیر خان نے جموں جانے والے ہندو یاتریوں کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا...... عبداللہ اسی روز جتھے کے انتظام کرنے والے اپنے واقف کار سے ملا اور اسے بتایا کہ پنجاب سے اس کا ایک ہندو دوست آیا ہوا ہے، وہ بھی جتھے کے ساتھ جموں جانا چاہتا ہے، اسے بھی ساتھ لیتے جاؤ...... جتھے کے منتظم نے کہا۔

"ٹھیک ہے عبداللہ بابو...... اس کو پرسوں میرے مکان پر بھیج دینا...... ہم لوگ پنجاب میل میں جائیں گے...... پنجاب میل آج کل شام کو ہوڑہ سٹیشن سے چلتی ہے...... تم کو تو معلوم ہی ہے"۔

عبداللہ نے آکر شیر خان کو بتایا کہ کام ہو گیا ہے۔

"پرسوں دوپہر کے وقت تم تیار ہو جانا"۔

شیر خان نے پوچھا۔

"جو یاتری جموں جا رہے ہیں ان میں کوئی انٹیلی جنس کا آدمی تو نہیں ہے...... یہ ضرور معلوم کر لینا"۔

عبداللہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے بھائی یہ لوگ کسی دوسرے ملک کی یاترا کو نہیں جا رہے کہ ان میں کسی سی آئی ڈی والے کی ضرورت پڑے...... اپنے ملک کے یاتری ہیں، سارے سیدھے سادے بنگالی ہیں"۔

شیر خان نے کہا۔

"پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی پوری طرح سے چھان بین کر لو"۔

"تم کہتے ہو تو میں کل ہی اس بارے میں تحقیقات کر لوں گا"۔

عبداللہ نے جواب دیا۔

شیر خان کہنے لگا۔

"مجھے صرف لکھنؤ سے گزرتے ہوئے خطرہ ہے، کیونکہ لکھنؤ کی پولیس مجھے پہچان لے گی...... اس خطرے کے پیش نظر میں اپنا حلیہ بدل کر سفر کرنا چاہتا ہوں"۔

عبداللہ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں دوسرے یاتریوں کی طرح بنگالی لباس میں سفر کرنا چاہئے، تم نے یاتریوں سے کوئی الگ حلیہ بنایا تو لوگوں کی خواہ مخواہ تم پر نظر پڑے گی"۔

شیر خان نے کہا۔

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں بنگالی لباس میں ہوا تو کسی نے مجھ سے بنگلہ زبان میں بات کی تو میں اسے کیا جواب دوں گا...... مجھے تو بنگلہ زبان بولنی نہیں آتی"۔

عبداللہ بولا۔

"معاملے کو اتنا زیادہ کریدنے کی ضرورت نہیں بھائی...... میں نے جتھے کے لیڈر کو تمہارے بارے میں بتادیا ہے کہ تم پنجاب کے رہنے والے ہو میرے دوست ہو اور ہندو ہو...... میں نے لیڈر کو تمہارا نام کیدار ناتھ بتایا ہے تم بھی اپنا یہی نام بتانا...... اور پھر یہاں سب لوگ زیادہ تر ہندوستانی میں ہی بات کرتے ہیں"۔

دوسرے دن عبداللہ نے دوپہر کے بعد آکر کمانڈو شیر خان کو بتایا کہ اس نے پوری تسلی کے ساتھ چھان بین کر لی ہے اور یاتریوں کے جتھے کے ساتھ انٹیلی جنس کا کوئی آدمی نہیں ہے...... یاتریوں میں سے کوئی دکاندار ہے...... کوئی چائے کی دکان کا مالک ہے اور کوئی سکول ٹیچر ہے...... شیر خان بولا۔

"اگر تم نے تسلی کر لی ہے تو مجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... اللہ کا نام لے کر کل یاتریوں کے جتھے کے ساتھ چل پڑوں گا...... ایک بار جموں پہنچ گیا تو پھر سمجھو کہ میں کشمیر کے محاذ پر پہنچ گیا"۔

اس سے اگلے روز کمانڈو شیر خان نے جموں جانے والے ہندو یاتریوں کے جتھے میں کیدار ناتھ نام کا ہندو بن کر شامل ہونا تھا...... عبداللہ نے اسے بنگالی طرز کا کھدر کا کرتا پاجامہ لا کر دیا جو شیر خان نے پہن لیا...... اس نے اپنی چھوٹی داڑھی بھی منڈوا دی...... ماتھے پر تلک لگایا اور بنگالیوں کی طرح ایک شال اپنے کندھے پر ڈال لی...... راستے کا سارا خرچ عبداللہ نے جتھے کے لیڈر کے پاس جمع کروا دیا تھا...... اوپر کے اخراجات کے لئے عبداللہ نے شیر خان کو مزید تین سو روپے دیئے اور شام ہونے سے ذرا پہلے وہ شیر خان عرف کیدار ناتھ کو ساتھ لے کر اس سکول کی طرف چل پڑا جہاں سے یاتریوں کے جتھے

نے ہوڑہ سٹیشن کی طرف روانہ ہونا تھا...... عبداللہ نے شیر خان کا کیدار ناتھ کی حیثیت سے جتھے کے لیڈر سے تعارف کرایا...... وہاں دوسرے یاتری بھی موجود تھے جن میں زیادہ تر بنگالی ہی تھے...... تین چار یاتری بہاری ہندو تھے۔

عبداللہ شیر خان کو وہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا...... یہ کل پندرہ یاتری تھے اور وہ ایک سکول کے برآمدے میں اِدھر اُدھر بیٹھے باتیں کر رہے تھے...... شیر خان بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... اس نے باری باری ہر ایک یاتری کو غور سے دیکھا...... وہ سب مسکین سی صورتوں والے تھے...... سب کے سب ادھیڑ عمر تھے اور انہوں نے اپنے بستر بھی لپیٹ کر ساتھ رکھے ہوئے تھے، کیونکہ ان کے حساب سے جموں میں سردی تھی بنگال میں تو سردی نہ ہونے کے برابر پڑتی ہے...... شیر خان کو ان میں کوئی بھی آدمی ایسا نظر نہیں آیا تھا کہ جس پر انٹیلی جنس کے آدمی کا شبہ ہو سکتا تھا...... ایک موٹا کمبل عبداللہ نے شیر خان کو بھی دے دیا تھا، اس کے علاوہ اسے پتلون قمیض کا ایک فالتو جوڑا بھی لفافے میں ڈال کر دے دیا تھا کہ جموں پہنچنے کے بعد کشمیر کی طرف جاتے ہوئے بنگلہ لباس اتار کر یہ پتلون قمیض پہن لینا...... شیر خان نے اپنا کمبل اور پتلون قمیض والا لفافہ بھی یاتریوں کے سامان کے ساتھ ایک جگہ رکھ دیا تھا۔

اتنے میں ایک خالی بس وہاں آ گئی...... جتھے کے لیڈر نے سب سے پہلے سامان بس کی چھت پر رکھوایا...... پھر یاتریوں سے کہا کہ وہ بس میں بیٹھ جائیں...... شیر خان بھی بس میں آکر بیٹھ گیا اور بس کلکتے کے ہوڑہ سٹیشن کی طرف چل پڑی...... سٹیشن تک پہنچتے شام ہو گئی...... سٹیشن کی بتیاں روشن ہو چکی تھیں...... وہاں کافی رونق تھی...... ابھی ابھی کوئی گاڑی آئی تھی جس کے مسافر سٹیشن کی عمارت سے باہر نکل رہے ہیں۔

تمام یاتریوں کے ٹکٹ پہلے سے خرید لئے گئے تھے اور جتھے کے لیڈر کے پاس موجود تھے...... لیڈر کی قیادت میں سارے یاتری پلیٹ فارم پر آ گئے...... یہ پڑھے لکھے پُرسکون قسم کے یاتری تھے اور وہ نہ تو کوئی بھجن وغیرہ گا رہے تھے اور نہ انہوں نے کوئی

ڈھول وغیرہ ساتھ لئے تھے...... انہیں جموں کی شیراں والی ماتا سے عقیدت تھی اور وہ اس کے درشنوں کے لئے جموں جارہے تھے...... کافی دیر کے بعد امرتسر کو جانے والی ٹرین پلیٹ فارم پر آکر لگی...... دوسرے مسافروں کے ساتھ یاتری بھی ایک ڈبے میں سوار ہو گئے...... آدھے ڈبے پر یاتریوں نے قبضہ کر لیا تھا اور اپنے اپنے بستر کھول کر بچھادیئے...... شیر خان نے بھی اپنا کمبل آدھی سیٹ پر بچھادیا اور خاموشی سے بیٹھ گیا...... اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر دبلا پتلا بنگالی یاتری بیٹھا تھا...... وہ کلکتہ کے کسی سکول میں ٹیچر تھا...... اس نے شیر خان کا بنگلہ لباس دیکھ کر اس کے ساتھ بنگلہ زبان میں بات کی تو شیر خان نے مسکراتے ہوئے اردو میں کہا۔

"میں بنگلہ بھاشا نہیں جانتا...... میں پنجابی ہوں، میرا نام کیدار ناتھ ہے"۔

بنگالی ٹیچر بھی مسکرانے لگا، بولا۔

"اچھا اچھا...... تم پنجابی ہو...... میرا نام بابو گپتا ہے" اور اس نے شیر خان سے ہاتھ ملایا اور پوچھا۔

"کیدار ناتھ بابو! کیا تم کبھی جموں گیا ہے؟ میں جوانی میں ایک بار جموں کشمیر گیا تھا...... اس کے بعد آج جارہا ہوں"۔

شیر خان نے کہا۔

"میں بھی بس دو ایک بار ہی گیا ہوں...... وہ بھی شیراں والی ماتا کے درشن کرنے"۔

گپتا جی بولے۔

"سنا ہے جموں میں بڑی سردی پڑتا ہے...... ارے بابا...... ہم نے تو یہ شال بھی لے لی ہے اور ایک ٹھو موٹا کمبل بھی ساتھ رکھ لیا ہے"۔

بنگال میں ایک ٹھو کا مطلب ہوتا ہے ایک عدد...... شیر خان نے کہا۔

"جموں میں بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے، آج کل وہاں اتنی سردی نہیں ہوتی"۔

یہ ادھیڑ عمر کا بنگالی ٹیچر بڑا سیدھا سادا اور غریب سا آدمی تھا...... شیر خان۔

راستے میں کسی نہ کسی یاتری سے تو بات چیت کا سلسلہ شروع کرنا ہی تھا...... اس نے اس کام کے لئے اس بے ضرر بوڑھے بنگالی کو چن لیا، کیونکہ بالکل چپ سادھ کر یاتریوں کے ساتھ سفر کرنے سے دوسروں کو شک پڑ سکتا تھا...... ٹرین چل پڑی...... امرتسر تک کافی لمبا سفر تھا...... کھانا وغیرہ یاتریوں نے ساتھ رکھ لیا تھا...... رات کے سات آٹھ بجے ٹرین کسی بڑے سٹیشن پر کھڑی ہوئی تو یاتری ڈبے میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا وغیرہ کھانے لگے...... شیر خان کو بوڑھے بنگالی ٹیچر گپتا بابو نے اپنے کھانے میں شامل کر لیا۔

کھانے کے دوران بنگالی ٹیچر بے چارہ اپنی جواں مرگ بیٹی کی ہی باتیں کرتا رہا...... اس کی بیٹی گاڑی کے حادثہ میں مر گئی تھی۔

بوڑھے ٹیچر کی اور کوئی اولاد نہیں تھی...... بے چارہ آب دیدہ سا ہو کر شیر خان کو کہہ رہا تھا۔

"کیدار بابو! اب میرا سب کچھ میری بیٹی کے دو بچے ہی ہیں...... اس کا خاوند پہلے ہی سورگباش ہو گیا تھا...... میں بیٹی کے بچوں کو پڑھا رہا ہوں"۔

ان کو پال پوس کر ایک کو انجینئر اور ایک کو ڈاکٹر بناؤں گا...... یہی میری بیٹی سنالینی کی خواہش تھی۔

اور کھانا کھاتے کھاتے بے چارہ بوڑھا سکول ٹیچر دھوتی کے پلو سے اپنے آنسو پونچھنے لگا...... شیر خان کو اس غم زدہ بنگالی ٹیچر سے بڑی ہمدردی ہو گئی تھی، مگر وہ دلاسہ دینے کے دو ایک جملے بولنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا...... کھانا کھانے کے بعد بنگالی ٹیچر نے ڈبی میں سے ایک پان نکال کر شیر خان کو پیش کیا تو شیر خان نے کہا۔

"سوری ماسٹر جی! میں پان نہیں کھاتا"۔

وہ پان بنگالی ٹیچر نے خود اپنے گال میں دبا لیا اور شیر خان سے باتیں کرنے لگا...... ٹرین اپنی منزل کی طرف تیز رفتاری سے چلی جارہی تھی۔

بنگالی ٹیچر نے شیر خان سے پوچھا۔

''کیدار بابو! کیا تم بھی میری طرح امرتسر کے کسی سکول میں پڑھاتے ہو؟''۔

شیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں ماسٹر جی! میں پڑھاتا نہیں ہوں...... میری پلاسٹک کے کھلونوں کی دکان ہے''۔

''کون سے بازار میں ہے...... میں نے امرتسر دیکھا ہوا ہے'' بنگالی ٹیچر نے پوچھا...... شیر خان امرتسر کے کچھ بازاروں اور گلی محلوں کے نام جانتا تھا...... اس نے کہہ دیا۔

''ہال بازار میں ہے''۔

''اچھا اچھا'' بنگالی ٹیچر بولا۔

''وہ تو امرتسر کا بڑا بازار ہے بابا...... ہاں''۔

شیر خان نے کہا۔

''گپتا جی! مجھے نیند آرہی ہے...... میں تو سونے لگا ہوں''۔

''ضرور سو جاؤ بابو بھائی...... میں بھی آرام کرتا ہوں''۔

شیر خان وہیں کمبل کے اوپر شال اوڑھ کر لیٹ گیا...... بنگالی ٹیچر گپتا بابو بھی اپنی سیٹ پر بچھے ہوئے بستر پر لیٹ گیا۔

ساری رات گاڑی کا سفر جاری رہا۔

دوسرے دن گاڑی دوپہر کے بعد پنجاب کے زرخیز میدانی علاقے کے قریب پہنچ چکی تھی...... اس دوران شیر خان بے ضرر اور بے زبان سے بنگالی بوڑھے ٹیچر سے کافی گھل مل چکا تھا...... اُسے اس غم زدہ بنگالی بوڑھے سے ہمدردی ہو گئی تھی...... سارا راستہ وہ شیر خان سے اپنی سورگباش بیٹی کی باتیں کرتا رہا تھا...... آخر یاتریوں کا یہ جتھہ ٹرین کے ساتھ امرتسر کے سٹیشن پر پہنچ گیا۔

جتھے کے لیڈر نے ڈبے سے تمام یاتریوں کو اتارنے کے بعد کہا۔

''ادھر تم سب لوگ ایک جگہ پلیٹ فارم پر بیٹھ جائے گا...... ہم پہلے جاکر جموں جانے والی لاری کا پتہ کرے گا...... لاری میں تم سب لوگوں کی سیٹیں بک کرائے گا، پھر ادھر سے لاری اڈے کو چلے گا...... اتنی دیر میں، تم لوگ ادھر چائے وغیرہ پیئو''۔

دن ڈھل رہا تھا...... امرتسر کے پلیٹ فارم پر کافی رونق تھی...... تمام یاتریوں نے اپنا اپنا سامان پلیٹ فارم پر ایک جگہ رکھ دیا تھا...... جتھے کا لیڈر جموں جانے والی لاری کا پتہ کرنے چلا گیا تھا...... سب یاتری چائے وغیرہ پینے لگ گئے تھے۔

شیر خان بھی چائے کے ایک سٹال پر آگیا...... اسے دیکھ کر بنگالی ٹیچر بھی اس کے پاس آگیا، کہنے لگا۔

''کیدار بابو! تم میرے لئے بھی چائے کا کپ بنوالو...... میں باتھ روم سے ہو کر ابھی آتا ہوں''۔

شیر خان نے ٹی سٹال والے لڑکے سے کہا۔

''ایک چائے میرے لئے اور ایک چائے میرے ساتھی بابو جی کے لئے بناؤ''۔

سٹال والا گلاسوں میں چائے بنانے لگا...... اس نے ایک گلاس میں چائے ڈال کر شیر خان کے آگے رکھ دی اور دوسرے گلاس میں چائے ڈالنے کے بعد وہ گلاس بھی شیر خان کے پاس ہی رکھ دیا اور دوسرے گاہکوں کو بھگتانے میں لگ گیا...... شیر خان نے چائے کے دو گھونٹ پینے کے بعد احتیاط کے طور پر اپنے دائیں اور بائیں نگاہ دوڑائی...... اسے وہاں پولیس کے تین چار سپاہی کچھ دُور کھڑے ضرور نظر آئے مگر کوئی مشکوک آدمی نظر نہ آیا۔

شیر خان بڑا مطمئن تھا کہ یاتریوں کے ساتھ سفر کرنے کا تجربہ بڑا کامیاب رہا اور وہ کسی مشکل میں پڑے بغیر لکھنؤ یوپی کے علاقے سے گزر کر امرتسر پہنچ گیا ہے...... اسے پورا یقین تھا کہ اسی طرح وہ یاتریوں کے ساتھ جموں بھی پہنچ جائے گا...... وہ

چائے پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ جموں پہنچتے ہی وہ کشمیر کی طرف روانہ ہو جائے گا تاکہ کمانڈوز ترابی سے مل کر ایک تو مجاہد شاہد علی کے بارے میں معلوم کرے کہ وہ پہنچا ہے یا نہیں اور دوسرے جہاد کشمیر میں شریک ہو جائے۔

شیر خان کے سامنے کاؤنٹر پر بنگالی ٹیچر کی چائے کا گلاس اسی طرح پڑا تھا...... وہ ابھی تک باتھ روم سے واپس نہیں آیا تھا...... شیر خان نے نظریں اٹھا کر سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم کی طرف دیکھا...... بنگالی ٹیچر اسی ویٹنگ روم کے باتھ روم کا کہہ کر گیا تھا...... اچانک شیر خان ایک سیکنڈ کے لئے جیسے سکتے میں آ گیا...... اس نے دیکھا کہ سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم کے باہر بنگالی ٹیچر دو پولیس کانسٹیبلوں کو لے کر چائے کے سٹال کی طرف بڑھ رہا تھا...... اس نے دُور سے اشارہ کر کے پولیس کے کانسٹیبل کو شیر خان کو دکھا بھی دیا تھا۔

دونوں پولیس کانسٹیبل تیز تیز قدموں سے شیر خان کی طرف آ رہے تھے......

شیر خان سب کچھ سمجھ گیا تھا، جس بوڑھے بنگالی کو وہ ایک بے ضرر سا بنگالی ٹیچر سمجھ رہا تھا وہ سی آئی ڈی کا آدمی تھا جو یاتریوں کے ساتھ یاتری بن کر جا رہا تھا اور جس نے شیر خان کی مخبری کر دی تھی...... شیر خان بجلی کی طرح تڑپ کر سٹال کی اوٹ میں آیا اور جتنی تیز دوڑ سکتا تھا دوڑتے ہوئے مسافروں کے سامان کے اوپر سے چھلانگیں لگاتا امرتسر سٹیشن کے پلیٹ فارم پر سیڑھیوں والے پل کی طرف اندھا دھند بھاگ رہا تھا، اسے اپنے پیچھے پولیس کانسٹیبل کی سیٹی کی آواز بھی آئی تھی اور ایسا شور بھی سنا تھا کہ جیسے اس کے تعاقب میں پولیس کے کچھ سپاہی دوڑتے آ رہے ہیں، مگر شیر خان نے ایک لمحے کے لئے بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا...... وہ دیوانہ وار دوڑتا چلا گیا...... دوڑنے میں پولیس کے سپاہی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے...... وہ دوڑتے دوڑتے ریلوے یارڈ میں آ گیا تھا اور ریلوے یارڈ کی دیوار کی طرف ہو گیا تھا...... دیوار چھ سات فٹ اونچی تھی...... وہ اس پر سے دوسری طرف نہیں کود سکتا تھا...... خوش قسمتی سے ایک جگہ

دیوار کے ساتھ ریلوے لائن کے پتھروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا...... شیر خان دوڑتے دوڑتے پتھروں کے ڈھیر پر چڑھ گیا اور بغیر دیکھے کہ دوسری طرف کیا ہے دیوار کے دوسری طرف کود گیا...... اس وقت تک شام کا اندھیرا کافی گہرا ہو چکا تھا...... شیر خان ایک چھابڑی والے کے اوپر گرا اور گرتے ہی اٹھا اور جس طرف اس کا منہ تھا اس طرف کافی لوگ آ جا رہے تھے...... شیر خان بائیں جانب ایک چھوٹی سڑک پر آ کر اندھا دھند بھاگنے لگا...... اسے اپنے پیچھے پولیس کی سیٹیوں کی آواز برابر آ رہی تھی...... پولیس اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

کمانڈو شیر خان کو اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جس طرف کو بھاگ رہا ہے اس طرف آگے جا کر سکھوں کی بستی سنگھ پورہ آ جاتی ہے جو قیام پاکستان سے پہلے امرتسر کے مسلمانوں کا گڑھ تھا اور جس کا نام شریف پورہ تھا...... وہ جس سڑک پر بھاگ رہا تھا، اس سڑک پر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا...... اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیر خان سڑک کراس کر کے دائیں جانب ہسپتال کی دیوار کے پاس آ گیا...... دوڑنے کی بجائے اب وہ تیز تیز چل رہا تھا...... ایک جگہ ایک سیکنڈ کے لئے رُک کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... مدھم اندھیرے میں چھوٹی سڑک پر اسے کوئی سپاہی وغیرہ دکھائی نہ دیا...... پولیس کی سیٹیوں کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی...... اس کے باوجود شیر خان نے ایک بار پھر ہسپتال کی دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا۔

وہ جانتا تھا کہ پولیس کو اس کے بارے میں بنگالی مخبر نے بتا دیا ہے کہ یہ پاکستانی جاسوس کلکتے سے آ رہا ہے اور جموں جانے والا تھا اور امرتسر کی پولیس اور سی آئی ڈی ہوشیار ہو چکی ہو گی اور وائرلیس سیٹوں پر شہر میں گشت کرتی پولیس کے دستوں کو اطلاع کر دی گئی ہو گی اور شہر کے اندر اور شہر سے باہر جانے والے راستوں پر پولیس نے چیک پوسٹیں قائم کر دی ہوں گی...... اس وقت شہر سے باہر کسی ویران علاقے کی طرف نکلنے کی کوشش شیر خان کو پولیس کے ہاتھوں گرفتار کروا سکتی تھی...... اسے ان

باتوں کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اور امرتسر بھارت کے بارڈر کا شہر تھا اور یہاں پولیس اور سی آئی ڈی کی بھاری نفری ہر لمحے شہر میں اور شہر کے اردگرد موجود رہتی تھی..... اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شہر سے باہر جانے والی سڑکوں کی طرف جانے کی بجائے وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتا جالندھر یا بٹالے کی طرف نکلنے کی کوشش کرے گا۔

ایک بار کمانڈو شیر خان اسی طرح ریلوے لائن کے ساتھ چلتا امرتسر سے بٹالہ تک جا چکا تھا جو امرتسر سے شاید چالیس میل کے فاصلے پر تھا..... ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ وہ پولیس کی چیک پوسٹوں سے بچ سکتا تھا..... اگر کوئی خطرہ تھا تو یہی تھا کہ کہیں ریلوے لائن پر بھی پولیس کا کوئی دستہ گشت نہ لگا رہا ہو، لیکن اس کا امکان بہت کم تھا..... شیر خان یہ سب کچھ سوچ بھی رہا تھا اور ہسپتال کی دیوار کے ساتھ لگا تیز تیز جا بھی رہا تھا..... ہسپتال کی دیوار جہاں ختم ہوتی تھی وہاں بائیں جانب ہسپتال کا بڑا گیٹ تھا..... وہاں روشنی ہو رہی تھی اور تین چار گاڑیاں بھی کھڑی تھیں..... شیر خان ان سڑکوں سے واقف تھا۔

وہ اندھیرے میں سے گزرتا سڑک پار کر کے سامنے کی طرف نکل گیا جہاں امرودوں کا باغ تھا..... اس باغ کی دوسری جانب ریلوے لائن تھی اور ریلوے لائن کے پار شریف پورے کی آبادی تھی جہاں اب سکھ شرنارتھی آباد تھے..... ریلوے لائن پر آنے کے لئے شیر خان کو ہر حالت میں ریلوے پھاٹک میں سے گزرنا پڑتا تھا..... دوسری جانب کچھ فاصلے پر سپیشل پولیس لائنز کی بارکیں تھیں جس طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا..... شیر خان نے ریلوے پھاٹک کی طرف سے ریلوے لائن پر آنے کا فیصلہ کر لیا اور امرود کے باغ میں سے گزر کر ریلوے پھاٹک کے مغربی دیوار کے پاس نکل آیا جہاں دیوار کی دوسری جانب بنے ہوئے ریلوے کے سگنل کیبن کی روشنی آ رہی تھی۔

شیر خان کے سامنے ریلوے پھاٹک تک پہنچنے کے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں

تھا..... اسے ہر حالت میں اس سڑک کو روشنی میں کراس کرنا تھا..... وہ زیادہ دیر انتظار بھی نہیں کر سکتا تھا..... ایک تو شہر کی پولیس اس کی تلاش میں نکل چکی تھی دوسرے سپیشل پولیس کی بیرکیں قریب ہی تھیں..... یہ ناممکن تھا کہ سپیشل پولیس گارڈ کو ایک پاکستانی جاسوس کی اس علاقے میں موجودگی کی اطلاع نہ ملی ہو..... ریلوے پھاٹک شیر خان کے دیکھتے دیکھتے بند ہو گیا..... کوئی ٹرین آ رہی تھی..... پھاٹک بند ہو جانے سے ٹریفک رُک گئی اور سڑک پر دو کاریں اور ایک سکوٹر کھڑے ہو گئے..... شیر خان کو موقع مل گیا..... وہ باغ میں سے نکلا اور آٹو رکشا اور کاروں کی آڑ لیتا ریلوے پھاٹک کی ایک جانب بنے ہوئے تنگ راستے کے پاس آ گیا..... وہاں سے لوگ گزر رہے تھے..... کمانڈو شیر خان بھی لوگوں کے پیچھے پیچھے وہاں سے گزر گیا اور لائن کراس کرنے کی بجائے ریل کی پٹڑی کے ساتھ اس طرف چلنے لگا جہاں آگے جا کر ریل کی ایک پٹڑی بٹالہ گورداسپور کی طرف مڑ جاتی تھی..... ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے اسے کسی نے آواز دی۔

"ٹھہر جاؤ اوئے"۔

کمانڈو شیر خان نے پیچھے مڑ کر دیکھا دو پولیس کے سپاہی اس کی طرف چلے آ رہے تھے..... ان میں سے ایک سکھ تھا..... شیر خان کے رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا..... اس نے ٹھہرنے کی بجائے اپنی رفتار تیز کر دی..... عین اس وقت سامنے سے یعنی بٹالے کی طرف سے ایک ٹرین آ گئی..... انجن کی ہیڈ لائٹ کی اس پر روشنی پڑی تو شیر خان نے لائن کے دوسری طرف چھلانگ لگا دی..... اس وقت ٹرین کا انجن شیر خان سے زیادہ دور نہیں تھا..... ٹرین بٹالے والے ریلوے کے موڑ پر سے اچانک نمودار ہو کر سامنے آ گئی تھی.....

کمانڈو شیر خان جانتا تھا کہ یہ سپاہی اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں اور جیسے ہی ریل گاڑی گزر گئی یہ اس کو گرفتار کر لیں گے، چنانچہ وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ

بھاگنے کی بجائے ریل کی پٹڑی سے اتر کر سامنے شریف پورے کی آبادی میں گھس گیا...... وہ ایک پکی گلی میں آگیا تھا جہاں کمیٹی کی بتی کی روشنی میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے...... شیر خان ان کے قریب سے تیز تیز چلتا نکل گیا...... وہ دوسری گلی میں داخل ہوا ہی تھا کہ اسے اپنے پیچھے سپاہیوں کی سیٹیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

کمانڈو شیر خان کو اب کسی جگہ فوراً چھپ جانا چاہئے تھا...... بھاگنے سے اس کا پکڑا جانا یقینی تھا...... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے...... اس نے گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر دیکھا...... سپاہی ابھی اس گلی میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

ایک مکان کے باہر گائے بندھی ہوئی تھی...... مکان کی ڈیوڑھی کا آدھا دروازہ کھلا تھا اور ڈیوڑھی میں سے روشنی باہر آرہی تھی...... شیر خان بغیر یہ سوچے کہ یہ کس کا مکان ہے اور ڈیوڑھی میں کیا ہے وہ ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا...... ڈیوڑھی خالی تھی، ایک راستہ مکان کے اندرونی صحن کو جاتا تھا...... ایک زینہ دیوار کے ساتھ اوپر جارہا تھا...... شیر خان صحن کی طرف جانے کی بجائے زینے میں آکر چھپ گیا...... زینے میں اندھیرا تھا...... وہ دو تین سیڑھیاں چڑھ کر ایک طرف اندھیرے میں سمٹ کر بیٹھ گیا تھا...... ڈیوڑھی کے آدھے کھلے دروازے میں سے باہر گلی نظر آرہی تھی...... اس کا خیال تھا کہ اگر سپاہی گلی میں داخل ہوئے تو وہ آگے نکل جائیں گے...... جیسے ہی وہ آگے جائیں گے وہ یعنی شیر خان مکان میں سے چپکے سے نکل کر پیچھے کی طرف فرار ہو جائے گا۔

لیکن ایسا نہ ہوا...... دونوں سپاہی مکان کے آگے آکر رُک گئے...... کمانڈو شیر خان کو دونوں سپاہیوں کی ٹانگیں اور بوٹ نظر آرہے تھے...... شیر خان اپنی زندگی کے نازک لمحات میں سے گزر رہا تھا...... اس کا دماغ انتہائی تیزی سے سوچ رہا تھا، مگر یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا...... یہ کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا وقت تھا...... اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اوپر کیا ہے...... کون ہے، اتنے میں ڈیوڑھی میں لگی ہوئی گھنٹی زور سے بج

اٹھی...... مکان کے باہر سے سپاہی نے گھنٹی کا بٹن دبایا تھا...... شیر خان دبے پاؤں زینہ چڑھ کر اوپر چلا گیا تھا...... اوپر والی منزل کا دروازہ بند تھا...... شیر خان نے اسے آہستہ سے اپنی طرف کھینچا مگر دروازے کو دوسری طرف سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔

ڈیوڑھی کی گھنٹی ایک بار پھر بج اُٹھی...... شیر خان کو ڈر تھا کہ اگر نیچے سے کوئی ڈیوڑھی میں نہ گیا تو پھر اوپر والی منزل سے کوئی نہ کوئی ضرور دروازہ کھول کر نیچے جائے گا اور شیر خان وہیں دروازے کے پاس کھڑا تھا...... اس نے اندھیرے میں دیکھا کہ ایک طرف دیوار میں سے تنگ زینہ اوپر مکان کی چھت کو بھی جارہا تھا...... اس کے ساتھ ہی کسی کے دروازے کی طرف آنے کی آواز آئی...... شیر خان جلدی سے دوسرے زینے کی سیڑھیاں چڑھ کر چھت کے دروازے کے پاس جاکر رُک گیا...... یہ دروازہ بند تھا مگر اس کی کنڈی اندر ہی سے لگی ہوئی تھی...... ایک آدمی کی بھاری آواز سنائی دی۔

"آرہا ہوں بھائیا...... کیوں بار بار گھنٹی بجا رہے ہو"۔

دوسری منزل کے زینے کا دروازہ کھلا...... زینے پر ہلکی سی روشنی پڑی اور اس روشنی میں شیر خان نے ایک سکھ سردار جی کو نیچے اترتے دیکھا...... شیر خان نے دروازے کی کنڈی اتاری...... دروازہ آرام سے تھوڑا سا کھولا اور چھت پر آکر دروازے کو بند کیا اور دبے پاؤں چل کر چھت کی گلی والی منڈیر کے پاس آکر بیٹھ گیا...... اس نے اندھیرے میں ذرا سی گردن آگے کر کے نیچے دیکھا۔

گلی میں مکان کے دروازے کے سامنے جو سکھ سردار مکان کا زینہ اتر کر گیا تھا وہ پولیس کے دونوں سپاہیوں کے پاس کھڑا ان سے باتیں کر رہا تھا، جس وقت کمانڈو شیر خان نے انہیں اوپر سے دیکھا تو سکھ سردار ایک سپاہی کو کہہ رہا تھا۔

"ہمارے مکان پر تو ایسا کوئی آدمی نہیں آیا...... آگے جاکر دیکھیں آگے کسی مکان میں نہ چلا گیا ہو"۔

سکھ سپاہی نے کہا۔

"ہمارا شک ہے سردار جی کہ وہ اسی مکان میں داخل ہوا ہے"۔

سردار جی بولے۔

"اگر آپ لوگوں کو شک ہے تو اندر چل کر مکان کی تلاشی لے لیں...... گھر میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے"۔

چھت پر منڈیر کے ساتھ لگ کر بیٹھے شیر خان نے یہ مکالمہ سنا تو سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے...... اس نے سر ذرا سا آگے کر کے نیچے گلی میں دیکھا...... دونوں سپاہی مکان کے مالک کے ساتھ مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو رہے تھے۔

یہ یقینی بات تھی کہ مکان کی تلاشی میں مکان کی چھت بھی شامل تھی اور دونوں سپاہی اس کی تلاش میں مکان کی چھت پر بھی ضرور آنے والے تھے...... شیر خان اٹھ کر دبے دبے قدموں سے چلتا چھت کی دوسری دیوار کے پاس آیا...... یہ دیوار چار فٹ کے قریب اونچی تھی...... اس نے دوسری طرف جھانک کر دیکھا...... دوسری چھت بھی اندھیرے میں خالی پڑی تھی...... وہ آہستہ سے دوسری چھت پر اتر گیا اور قدموں کی آواز پیدا کئے بغیر اس چھت پر سے بھی گزر کر اس کی دیوار پر سے تیسرے مکان کی چھت پر کود گیا...... یہ مارچ اپریل کے دن تھے اور دو ایک روز پہلے امرتسر میں بارش ہو چکی تھی جس کی وجہ سے رات کو سردی ہو جاتی تھی اور چھتوں پر لوگوں نے ابھی رات کو سونا شروع نہیں کیا تھا...... وہ تیسرے مکان کی چھت پر اس طرح کودا تھا کہ آواز پیدا نہ ہو...... چھت پر اندھیرا تھا...... گلی میں کمیٹی کے لیمپ کی روشنی ہو رہی تھی۔

شیر خان کو گلی میں لوگوں کی آوازیں سنائی دیں...... اس نے دبے پاؤں منڈیر کے پاس آ کر گلی میں جھانک کر دیکھا...... یہ دیکھ کر اسے مزید پریشانی ہوئی کہ گلی میں اب پولیس کے چھ سات سپاہی موجود تھے اور کچھ لوگ بھی مکانوں سے نکل کر ان کے پاس آ کر باتیں کرنے لگے تھے...... اس کا مطلب تھا کہ پولیس نے گلی کا محاصرہ کر لیا ہوا تھا...... ضرور کسی سپاہی نے شیر خان کو مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا

تھا...... شیر خان نے سوچا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس گلی سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جائے گا۔

یہ گلی بائیں جانب یعنی جس طرف ریلوے لائن تھی اس طرف بند تھی اور دائیں جانب گھوم کر ایک اور گلی کے ساتھ مل گئی تھی...... کچھ عورتیں ایک مکان کے باہر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں...... شیر خان تیزی سے ان کے قریب سے گزر گیا...... یہ عورتیں اس کی گواہ بن گئی تھیں...... وہ پولیس کے پوچھنے پر بتا سکتی تھیں کہ انہوں نے ایک اجنبی شخص کو تیز تیز قدموں سے جاتے دیکھا ہے...... اس لحاظ سے شیر خان کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ شریف پورے کے اس سارے علاقے سے ہی نکل جائے، وہ جس گلی میں سے گزر رہا تھا وہ آگے جا کر شریف پورے کے بڑے بازار میں مل جاتی تھی...... بازار میں دکانیں کھلی تھیں اور خوب روشنی ہو رہی تھی...... شیر خان کسی کی طرف دھیان دیئے بغیر جلدی جلدی بازار میں سے گزر گیا...... اب وہ جی ٹی روڈ پر تھا۔

اتفاق سے شیر خان جی ٹی روڈ کے ایک بس سٹاپ پر نکلا تھا جہاں ایک بس پیچھے سے آ کر ابھی ابھی کھڑی ہوئی تھی اور کنڈکٹر آواز لگا رہا تھا۔

"ٹیشن...... دائم گنج...... ٹیشن دائم گنج"۔

یہ بس کمانڈو شیر خان کو اس علاقے سے دُور لے جا سکتی تھی...... شیر خان جلدی سے بس میں داخل ہو گیا...... بس میں ہندو سکھ مسافر بیٹھے تھے...... شیر خان نے وہی بنگالی طرز کا کھدر کا کرتہ پاجامہ پہن رکھا تھا...... یہ ہندوانہ لباس بھی تھا...... وہ ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گیا...... کنڈکٹر نے بس کی دیوار پر ہاتھ مار کر کہا۔

"چلو جی چلو"۔

اور بس سٹیشن کی طرف چل پڑی...... بس شریف پورے کے علاقے سے نکل کر ریلوے کے پل پر سے گزرتی ہوئی اس سڑک پر آ گئی جو سیدھی امرتسر ریلوے سٹیشن کو جاتی تھی...... بس ریلوے سٹیشن کے سٹاپ پر رُکی تو کمانڈو شیر خان نے اپنا سر نیچے

کر لیا اور اپنے کرتے کے دامن سے یونہی اپنی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

سٹیشن پر اسے خطرہ تھا کہ پولیس اور انٹیلی جنس کے آدمی بھاری تعداد میں وہاں منڈلا رہے ہوں گے...... بس میں سے کافی مسافر اتر گئے...... کچھ مسافر سوار ہو گئے...... بس آگے دائم گنج کی طرف روانہ ہو گئی...... دائم گنج قیام پاکستان سے پہلے امرتسر کی مسلمان آبادی تھی...... پاکستان بننے کے بعد یہاں کے مسلمان بھی پاکستان ہجرت کر گئے اور یہاں پر زیادہ تر سکھ شرنارتھی آباد ہو گئے تھے...... دائم گنج کی طرف شیر خان اس لئے چل پڑا تھا کہ وہ شریف پورے اور ریلوے سٹیشن کے خطرناک علاقے سے دُور نکل جانا چاہتا تھا...... ان علاقوں میں اس کے پکڑے جانے کا خطرہ ہر لحہ موجود تھا...... اگر اس وقت اسے کوئی بس جالندھر کی طرف جاتی ہوئی مل جاتی تو وہ اس میں بھی سوار ہو جاتا، لیکن اتفاق سے اسے جو بس ملی وہ سٹیشن اور آگے دائم گنج کی طرف جا رہی تھی، چنانچہ وہ اسی میں سوار ہو گیا۔

بس دائم گنج پہنچ کر رُک گئی۔

کچھ مسافر یہاں اترے...... کمانڈو شیر خان بھی ان کے ساتھ ہی اتر گیا اور جو بازار سامنے نظر آیا اسی میں چل پڑا...... یہ شروع رات کا وقت تھا...... بازار میں کچھ دکانیں بند تھیں...... کچھ کھلی تھیں...... اچانک شیر خان کی ایک سینما ہاؤس پر نظر پڑی...... وہاں کسی بھارتی فلم کا بہت بڑا رنگین بورڈ لگا تھا جس کے گرد چھوٹے چھوٹے سرخ اور نیلے قمقمے جل رہے تھے...... شیر خان اس سینما ہاؤس کے اندر کم از کم رات کا آدھا حصہ گزار سکتا تھا...... وہ سینما ہاؤس کی لابی میں آ گیا...... ٹکٹ والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی...... اس نے فسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ لیا اور ہال میں جا کر بیٹھ گیا...... بھارتی فلم شروع تھی...... فسٹ کلاس میں کافی لوگ بیٹھے تھے۔

شیر خاں اندھیرے اور کچھ روشنی میں ٹٹول ٹٹول کر پیچھے دیوار کے ساتھ والی ایک سیٹ پر بیٹھ گیا...... جب وہ آرام سے بیٹھ گیا تو اس نے ہال پر ایک اچٹتی ہوئی نظر

ڈالی...... درمیانے درجے کا سینما ہاؤس تھا...... ہال کی اکثر سیٹیں خالی تھیں...... جہاں وہ بیٹھا تھا وہاں کچھ نشستیں چھوڑ کر ایک عورت اکیلی بیٹھی فلم دیکھ رہی تھی...... شیر خان اپنی سیٹ پر بڑا محتاط ہو کر بیٹھا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد سینما ہاؤس کے دروازوں کی طرف دیکھ لیتا تھا کہ وہاں سے کوئی پولیس والا تو اس کی تلاش میں اندر نہیں آ گیا...... فلم ختم ہو گئی تو سینما ہال کی بتیاں روشن ہو گئیں...... کمانڈو شیر خان اپنی سیٹ پر نیم دراز ہو گیا تا کہ وہ لوگوں کی نظروں میں نہ آئے۔

ہال میں بیٹھے ہوئے کافی لوگ اٹھ کر چلے گئے، مگر فسٹ کلاس اور سیکنڈ کلاس میں کچھ لوگ بیٹھے رہے...... معلوم ہوا کہ اس سینما ہاؤس میں پہلے شو سے لے کر آخری شو تک ٹکٹ کھلے رہتے ہیں، جس کا جس وقت جی چاہے ٹکٹ لے کر ہال میں بیٹھ سکتا تھا...... شیر خان سے تین چار سیٹیں چھوڑ کر جو عورت بیٹھی تھی فلم ختم ہونے کے بعد وہ بھی بیٹھی رہی...... پکوڑے اور روٹی بیچنے والا ایک لڑکا شیر خان کے قریب سے گزرا تو اس نے لڑکے سے دو روٹیاں اور پکوڑے لئے اور خاموشی سے کھانے لگا...... اسے بڑی بھوک لگ رہی تھی...... سینما ہال میں خوب روشنی ہو رہی تھی...... اس روشنی میں شیر خان نے ایک بار پکوڑوں کے ساتھ روٹی کھاتے کھاتے تین چار سیٹیں چھوڑ کر بیٹھی ہوئی عورت کی طرف دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر ایک دم محتاط ہو گیا...... عورت پہلے ہی سے اسے دیکھ رہی تھی...... رات کے آخری شو کے لئے لوگوں نے ہال میں آنا شروع کر دیا تھا۔

شیر خان ایسے حالات میں پھنس چکا تھا کہ جو کوئی بھی اسے نظر بھر کر دیکھتا تھا اسے اس پر شک ہو جاتا تھا کہ کہیں وہ انٹیلی جنس کا آدمی نہ ہو...... فلم شروع ہونے سے پہلے ایک گھنٹی بجنے لگی...... شیر خان نے کنکھیوں سے اس عورت کی طرف دیکھا...... وہ عورت فسٹ کلاس کے گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی اور کچھ بے چین سی نظر آ رہی تھی...... شیر خان نے گیٹ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ابھی فلم شروع نہیں

ہوئی تھی اور ہال کی بتیاں روشن تھیں...... شیر خان کچھ گھبرا سا گیا...... اس نے دیکھا کہ فسٹ کلاس کے گیٹ پر ایک پولیس کانسٹیبل گیٹ کیپر سے باتیں کر رہا تھا...... گیٹ کیپر نے اس طرف اشارہ کیا جہاں شیر خان بیٹھا تھا...... پولیس کانسٹیبل جو وردی میں تھا اس کی طرف بڑھا...... کمانڈو شیر خان کے بدن میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی...... وہ اٹھ کر بھاگ نہیں سکتا تھا...... فسٹ کلاس کا صرف وہی ایک دروازہ تھا جدھر سے پولیس کانسٹیبل اس کی جانب آرہا تھا...... پھر ایسا ہوا کہ اچانک تین سیٹیں چھوڑ کر بیٹھی ہوئی عورت اٹھ کر کمانڈو شیر خان کے پاس آبیٹھی اور اس کا ہاتھ تھام لیا...... شیر خان نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا...... عورت خوبصورت اور جوان تھی...... اس نے شیر خان سے کہا۔

”چپ چاپ بیٹھے رہو...... کسی بات کا جواب نہ دینا...... اتنے میں پولیس کانسٹیبل کمانڈو شیر خان کے سامنے آگیا“۔

✿ ✿ ✿

سینما ہاؤس میں ملنے والی عورت کون تھی؟ جانباز مجاہد کے ساتھ کیا حالات پیش آئے۔ یہ جاننے کیلئے ”کشمیر کے شاہین“ کی تیسری اور آخری جلد ”ٹارگٹ سری نگر“ پڑھیں۔

ٹارگٹ سری نگر
کشمیر کے شاہین
اے حمید

کمانڈو شیر خان کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ پولیس کے قابو آ گیا ہے...... ایک پولیس کانسٹیبل اس کے سامنے کھڑا تھا اور دو کانسٹیبل سینما ہال کے گیٹ پر اندر کی جانب گیٹ کیپر کے پاس کھڑے اس کی جانب دیکھ رہے تھے، جو پولیس کانسٹیبل سامنے کھڑا تھا اس سے شیر خان نظریں چرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

خوبصورت جوان عورت شیر خان کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی اور اس نے شیر خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا...... شیر خان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ عورت جو سینما ہال کی سیکنڈ کلاس میں اس سے تین سیٹیں چھوڑ کر بیٹھی تھی اچانک اٹھ کر اس کی ساتھ والی سیٹ پر آ کر کیوں بیٹھ گئی تھی...... پھر اس نے شیر خان کا ہاتھ جلدی سے اپنے ہاتھ میں کیوں لے لیا تھا اور اسے یہ کیوں کہا تھا کہ چپ رہنا...... کوئی بات نہ کرنا۔"

پولیس کانسٹیبل نے عورت کو مخاطب کر کے کہا۔

"گوبندی! ہمیں تو صبح ہی رپورٹ مل گئی تھی کہ تم پٹیالے سے امرتسر پہنچ گئی ہو...... تم نے آتے ہی تھانے میں رپورٹ کیوں نہیں کی؟"

اس عورت کا نام گوبندی تھا...... گوبندی نے اس دوران اپنے پرس میں سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگا لیا تھا...... اس نے سگریٹ کا پیکٹ کانسٹیبل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’سگریٹ پیو۔‘‘

’’کانسٹیبل نے کہا۔

’’اس وقت میں سگریٹ نہیں پی سکتا...... یہ بتاؤ کہ تم نے تھانے میں اب تک اپنی امرتسر میں آمد کی رپورٹ کیوں نہیں کی؟‘‘

گوبندی نے جیسے کانسٹیبل کی بات سنی ہی نہیں تھی...... اس نے پرس میں سے سگریٹ کا ایک بند پیکٹ نکال کر کانسٹیبل کی طرف بڑھایا اور کہا۔

’’اسے ڈیوٹی سے فارغ ہو کر پینا...... اس میں تمہارے لئے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ بھی ہے...... یہ تمہارا تحفہ ہے جو میں پٹیالے سے لائی ہوں۔‘‘

پولیس کانسٹیبل نے چپکے سے سگریٹ کا پیکٹ لے لیا اور شیر خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

’’یہ تمہارا پٹیالے کا کوئی یار ہے؟‘‘

گوبندی نے کہا۔

’’یہ میرا یار نہیں...... میرا پتی ہے...... اس کا نام مکھی شاہ ہے...... میں نے پٹیالے میں شادی کر لی تھی۔‘‘

کانسٹیبل نے کہا۔

’’یہ بولتا کیوں نہیں...... بس دیکھے جا رہا ہے۔‘‘

گوبندی نے کہا۔

’’یہ پٹیالے کی جیل میں سات سال قید کاٹ کر آیا ہے...... وہاں اسے اتنا مارا پیٹا لیا تھا کہ اس کی زبان بند ہو گئی ہے...... مجھے اس سے پریم ہو گیا تھا...... میں نے اس سے بیاہ رچا لیا...... اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ...... میں کل تھانے میں آ کر رپورٹ کر دوں گی۔‘‘

پولیس کانسٹیبل بولا۔

’’ضرور آ جانا...... یہ میری نوکری کا معاملہ ہے۔‘‘ گوبندی نے سگریٹ کا کش لگا کر کہا۔

’’ہاں ہاں آ جاؤں گی...... اب مجھے اپنے پتی کے ساتھ آرام سے فلم دیکھنے دو۔‘‘

پولیس کانسٹیبل مسکراتا ہوا واپس چلا گیا...... سینما ہال میں بیٹھے بیٹھے دس پندرہ منٹ کے اندر اندر ایک ایسا ڈرامہ ہو گیا تھا کہ جس پر شیر خان کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا...... گوبندی نام کی اس عورت نے پولیس سے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے غیر شعوری طور پر کمانڈو شیر خان کو بچا لیا تھا...... جب پولیس کانسٹیبل چلا گیا تو کمانڈو شیر خان نے اس عورت سے کہا۔

’’کیا میں اب بول سکتا ہوں؟‘‘

’’وہ عورت جس کا نام گوبندی تھا اور جو بستہ الف کی جرائم پیشہ عورت تھی شیر خان کے اس سوال پر بے اختیار ہنس پڑی...... کہنے لگی۔

’’ہاں! اب تم بات کر سکتے ہو، لیکن اگر تم ابھی نہ ہی بولو تو اچھا ہے۔‘‘

پھر اس نے امرتسر پولیس کو گالی دی اور بولی۔

جہاں وہ دونوں بیٹھے تھے ان کے قریب قریب کوئی تماشائی نہیں تھا...... گوبندی نے اسی طرح شیر خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا، کہنے لگی۔

’’تمہارے ہاتھ بڑے کھردرے ہیں...... کیا تم خراد کا کام کرتے ہو؟‘‘

شیر خان نے کہا۔

’’تم نے خوب پہچانا ہے گوبندی...... میں...... میں خراد کا کام ہی کرتا تھا...... آج کل بیکار ہوں...... فیروز پور سے یہاں کام کی تلاش میں آیا تھا۔‘‘

اتنے میں ہال کی روشنیاں بجھ گئیں اور فلم شروع ہو گئی...... گوبندی نے شیر خان کا ہاتھ ابھی تک اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا، کہنے لگی۔

’’تمہارا نام کیا ہے؟‘‘

شیر خان نے دو چار ہندوانہ نام ہر وقت اپنے ذہن میں تیار رکھے ہوتے تھے......
اس نے کہا۔

"میرا نام کندن لال ہے...... امرتسر میں میرا ایک دوست رہتا ہے...... اس نے کہا تھا میرے پاس آجاؤ...... میں تمہیں یہاں کام دلا دوں گا، یہاں آیا تو معلوم ہوا میرا دوست چندی گڑھ چلا گیا ہے...... اس وقت فیروزپور کوئی گاڑی وغیرہ بھی نہیں جاتی تھی...... سوچا کچھ رات فلم دیکھ کر گزار لیتا ہوں، باقی رات سٹیشن پر بیٹھ کر گزار دوں گا...... اور کل کسی گاڑی میں بیٹھ کر فیروزپور واپس چلا جاؤں گا۔"

گوبندی نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ شیر خان کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے آہستہ آہستہ سہلا رہی تھی...... کہنے لگی۔

"مجھے مردوں کے سخت ہاتھ بڑے اچھے لگتے ہیں...... تمہاری شادی ہو گئی ہے؟"

شیر خان نے کہہ دیا۔

"شادی ہوئی تھی مگر دو سال بعد میری پتنی سورگباش ہو گئی۔"

گوبندی نے پوچھا۔

"کیا تم اپنی پتنی کو پیٹا کرتے تھے؟"

شیر خان سمجھ گیا تھا کہ یہ جرائم پیشہ عورت کس ٹائپ کی ہے...... اس نے کہا۔

"ہاں کبھی کبھی اسے مارا پیٹا کرتا تھا۔" گوبندی نے کہا۔

"عورتوں کو مارنے پیٹنے والے مرد مجھے بڑے پسند ہیں۔"

شیر خان نے گوبندی سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی بالکل کوشش نہیں کی تھی...... اسے امید پیدا ہو گئی تھی کہ اس عورت گوبندی کی مدد سے وہ کم از کم ایک رات کسی محفوظ جگہ پر ضرور گزار سکتا ہے...... اس کے دل میں ایک سوال بار بار پیدا ہو رہا تھا...... آخر اس نے گوبندی سے پوچھ ہی لیا۔

"تم نے پولیس کے سپاہی سے جو باتیں کہی ہیں وہ تم میرے بغیر بھی کہہ سکتی

تھیں...... پھر تمہیں میرے پاس آکر بیٹھنے...... میرا ہاتھ تھامنے اور مجھے اپنا پتی ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

گوبندی نے امرتسر کی پولیس کو گالی دے کر کہا۔

"تم ان کتوں کو نہیں جانتے...... اگر میں تمہیں اپنا پتی ظاہر نہ کرتی تو ان لوگوں نے مجھے پکڑ کر اپنے خفیہ اڈے پر لے جانا تھا اور ساری رات خراب کرنا تھا...... مجھے نفرت ہے پولیس والوں سے...... یہ تو اچھا ہوا کہ تم اکیلے بیٹھے تھے اور میں نے تمہیں اپنا پتی بتا دیا...... میں نے تمہیں گونگا اس لئے ظاہر کیا تھا کہ تم پولیس کے آگے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر دو۔"

فلم کا انٹرول ہوا تو گوبندی نے چائے پیسٹری منگوالی...... کہنے لگی۔

"شو ختم ہونے کے بعد تم کہاں جاؤ گے؟"

شیر خان نے کہا۔

"یہاں سے سیدھا سٹیشن پر جا کر بیٹھ جاؤں گا...... صبح کسی گاڑی میں بیٹھ کر فیروزپور چلا جاؤں گا۔"

وہ کہنے لگی۔

"میں نے تمہیں اپنا پتی ظاہر کیا ہے تو اب تم میرے ساتھ میرے گھر چلو گے اور رات میرے ساتھ گزارو گے...... کل بے شک چلے جانا۔"

شیر خان نے سوچا کہ چلو رات بسر کرنے کا تو انتظام ہوا...... صبح وہ منہ اندھیرے ہی طرف کو نکل جائے گا۔

فلم کا شو ختم ہوا تو گوبندی کمانڈو شیر خان کو اپنے مکان پر لے گئی...... اس کا مکان ائم گنج ہی کی آبادی میں بہت آگے کی جانب ایک نالے کے قریب تنگ گلی میں تھا...... مکان دو منزلہ تھا...... نیچے بیٹھک تھی، جس میں آمنے سامنے دو پلنگ بچھے ہوئے تھے...... گوبندی کے بوڑھے نوکر راموں نے بیٹھک کی بتی روشن کر دی تھی......

گوبندی نے شیر خان سے کہا۔

"کندن جی! تم اس پلنگ پر سو جاؤ...... میں اس پلنگ پر سوؤں گی...... اس مکان میں دو ہی کمرے ہیں...... ایک یہ اور ایک کمرہ اوپر والی منزل میں ہے جہاں میرے بوڑھے ماتا پتا سوتے ہیں۔"

ابھی موسم ایسا تھا کہ آدمی کمرے کے اندر سو سکتا تھا...... مارچ کے آخری دن تھے...... شیر خان پلنگ پر لیٹ گیا...... کمرے میں گھٹیا شراب کی ہلکی ہلکی بو رچی ہوئی تھی...... گوبندی نے بجلی کی روشنی میں شیر خان کی موجودگی ہی میں اپنی ریشمی ساڑھی اتار کر دوسری سادہ سی ساڑھی پہنی اور بستر پر لیٹ گئی، کہنے لگی۔

"تمہیں بجلی کی روشنی تو ضرور تنگ کرے گی کندن جی، مگر میں اندھیرے میں نہیں سو سکتی۔"

شیر خان نے سونا کہاں تھا...... بس رات کا کچھ حصہ سوتے جاگتے گزار کر وہاں سے منہ اندھیرے نکل جانا تھا، اس نے کہا۔

"نہیں...... مجھے بجلی کی روشنی بالکل تنگ نہیں کرتی۔ تم میری فکر نہ کرو۔"

نوکر رامو دروازہ بند کر کے چلا گیا تھا...... شیر خان بستر پر لیٹا بیٹھک کا جائزہ لے رہا تھا...... چھت کے ساتھ ایک پنکھا لٹک رہا تھا...... دیوار پر بھارت کی فلم ایکٹرسوں کے تین چار کیلنڈر لگے تھے...... ایک جگہ دیوار پر کرشن مہاراج کی شیشے میں جڑی ہوئی تصویر بھی لگی تھی...... شیر خان کا خیال تھا کہ گوبندی ابھی جاگ رہی ہو گی، لیکن کچھ ہی دیر بعد اس کے خراٹوں کی آواز آنے لگی...... اس کے خراٹوں کی آواز بالکل مردوں جیسی تھی...... شیر خان کو پلنگ پر لیٹے بمشکل آدھا گھنٹہ گزرا ہو گا کہ بیٹھک کا دروازہ آہستہ سے کھول کر ملازم رامو اندر داخل ہوا۔

کمانڈو شیر خان نے آنکھیں بند کر لیں اور یہ ظاہر کیا کہ وہ سو رہا ہے...... ایسا اس نے کسی خاص مصلحت کے تحت نہیں کیا تھا بلکہ محض اس لئے کیا تھا کہ رامو کسی

ضروری کام سے آیا ہے...... وہ گوبندی کو جگانے والا ہے اور گوبندی اٹھ کر کہیں پھر شیر خان سے باتیں نہ شروع کر دے، رامو نے گوبندی کے شانے کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"بائی! اٹھو...... بھوشن آیا ہے۔"

گوبندی کے خراٹے ایک دم رُک گئے...... اس نے آنکھیں کھول دیں اور رامو سے نیند بھری آواز میں پوچھا۔

"کیا بات ہے۔"

رامو نے کہا۔

"بھوشن آیا ہے۔"

گوبندی نے نیند بھری آواز میں ہی کہا۔

"وہ حرامی اس وقت کیا لینے آیا ہے؟"

رامو نے ایک نظر اس پلنگ پر ڈالی جس پر شیر خان لیٹا ہوا تھا...... شیر خان سمجھ گیا کہ رامو کوئی ایسی بات گوبندی سے کرنے والا ہے جو وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا سنے...... شیر خان یہ بات ضرور سننا چاہتا تھا...... اس خیال سے کہ کہیں بھوشن اسے گرفتار کرنے ہی نہ آ رہا ہو...... بھوشن کوئی سی آئی ڈی کا آدمی ہی ہو یا پولیس کانسٹیبل ہو...... شیر خان ہلکے ہلکے خراٹے لینے لگا...... رامو نے نیند کے زیر اثر گوبندی کو آہستہ سے کہا۔

"بھوشن کوئی پارٹی لے کر پاکستان جانے والا ہے۔" گوبندی نے گالی دے کر کہا۔

"اس حرامی سے کہو مجھے صبح آ کر ملے...... اس وقت میں سو رہی ہوں، جاؤ۔"

ملازم رامو خاموشی سے باہر چلا گیا۔

شیر خان پہلے ہی سے جاگ رہا تھا...... یہ سن کر کہ کوئی پارٹی پاکستان جا رہی ہے وہ درزیادہ بیدار ہو گیا...... یہ تو اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کے اڈے پر ہے...... گوبندی خود بھی جرائم پیشہ ہے اور اس کا تعلق بھی ظاہر ہے جرائم پیشہ افراد

سے ہے، جن میں ظاہر ہے سمگلر بھی ہوں گے...... چور اُچکے بھی ہوں گے...... سزا یافتہ بھی ہوں گے اور ہو سکتا ہے ان میں وہ بھارتی دہشت گرد بھی ہوں جنہیں بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" کی جانب سے دہشت گردی کی خونی وارداتیں کرنے پاکستان بھیجا جاتا ہے۔

کمانڈو شیر خان اب ہر حالت میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ بھوشن نام کا جو شخص پارٹی لے کر پاکستان جا رہا ہے وہ وہاں کیا کرنے جا رہا ہے...... اگر یہ "را" کے دہشت گرد ہیں اور پاکستان میں بے گناہ لوگوں کو اندھادھند گولیوں کا نشانہ بنانے جا رہے ہیں تو پھر شیر خان بھی ان کے ساتھ جائے گا...... شیر خان نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے، چنانچہ صبح وہ گوبندی کے مکان پر ہی رہا...... وہ منہ ہاتھ دھونے کے بعد گوبندی کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ سوچے ہوئے منصوبے کے تحت اس نے بات شروع کر دی...... اس نے گوبندی سے کہا۔

"دیوی جی! میں سوچتا ہوں کہ فیروزپور جا کر کیا کروں گا...... وہاں سے تو میں کام کی تلاش میں امرتسر آیا تھا۔"

گوبندی نے شیر خان کو سگریٹ کا پیکٹ دیتے ہوئے کہا۔

"لو پہلے سگریٹ پیئو...... پھر بات کرتے ہیں۔"

شیر خان نے کہا۔

"شما کرنا...... میں سگریٹ نہیں پیتا۔" گوبندی نے اپنا سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تم کندن کے کندن ہی رہو گے...... سگریٹ بھی نہیں پیتے۔"

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"کبھی پیا کرتا تھا...... کبھی شراب بھی پیا کرتا تھا، لیکن پھر سب کچھ چھوڑ دیا۔"

گوبندی نے شیر خان کا بازو پکڑ کر کہا۔

"ارے کندن! تم تو بڑے مہاتما نکلے...... میں تو تمہیں بدھو سمجھ رہی تھی......

دارو سگریٹ کب چھوڑے...... کیوں چھوڑے۔"

شیر خان نے کہا۔

"کیا بتاؤں...... تم نے مجھے بڑا مان سمان دیا ہے، اب تو تمہارے گھر کا نمک بھی کھا لیا ہے...... تمہارے آگے جھوٹ نہیں بول سکتا...... بات یہ ہے کہ چار پانچ برس ہوئے ہیں دلی میں اسی طرح کام کی تلاش میں پھر رہا تھا کہ ایک آدمی سے ملاقات ہو گئی، اس نے مجھے ایک اور آدمی سے ملا دیا...... ان لوگوں نے مجھے کہا کہ تمہیں پاکستان جا کر ہمارا ایک چھوٹا سا کام کرنا پڑے گا...... اس کے عوض ہم تمہیں دس ہزار روپے دیں گے۔"

گوبندی بڑے غور سے شیر خان کی باتیں سن رہی تھی...... اس نے شیر خان کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کام کیا تھا؟"

شیر خان بولا۔

"کیا بتاؤں...... بڑا اُلٹا کام تھا...... پاکستان کے شہروں میں بموں کے دھماکے کرنے اور لوگوں کے گھروں میں گھس کر انہیں بے دریغ قتل کرنا تھا۔"

"پھر...... تم ایسا کرتے تھے؟" گوبندی نے پوچھا۔

شیر خان کہنے لگا۔

"پیسے ملتے تھے...... یہ کام کرتا رہا...... تین برس تک پاکستان میں مسلمان بن کر رہا اور ہر شہر میں بموں کے دھماکے کیے...... کئی لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔"

گوبندی نے پوچھا۔

"تم نے یہ کام چھوڑ کیوں دیا؟"

شیر خان نے کہا۔

"بس بھگوان نے جتنی دیر تک مجھ سے سیوا لینی تھی لے لی...... میرا بھی جی بھر

گیا تھا...... اس کے بعد میں نے شراب، سگریٹ اور اٹنک وادی (دہشت گردی) بھی چھوڑ دی۔"

گوبندی نے کہا۔

"تم تو پاکستان کے شہروں سے اچھی طرح واقف ہو گئے کندن؟"

شیر خان نے کہا۔

"واقف ہونا تو دوسری بات ہے...... میں تو پاکستان کے ہر بڑے شہر کے چپے چپے سے واقف ہوں...... میں تو مسلمان بن کر پاکستان کے ایک شہر میں چائے کی دکان بھی چلاتا رہا ہوں۔"

گوبندی نے پوچھا۔

"اب وہ دکان کون چلاتا ہے؟ کیا تمہارا راز تو نہیں کھل گیا تھا؟"

شیر خان بولا۔

"راز کھلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... میں نے اپنے سلوک سے وہاں لوگوں میں اپنا ایک باعزت مقام بنایا ہوا ہے...... لوگ مجھے حاجی صاحب کہہ کر بلاتے تھے...... وہ لوگ آج بھی مجھے یاد کرتے ہیں...... میں چائے کی دکان اپنے ایک نوجوان ملازم کے حوالے کر کے آ گیا تھا...... میں نے محلے والوں کو یہی کہا تھا کہ میں سعودی عرب جا رہا ہوں...... وہاں دو تین سال عبادت کر کے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گا اور پھر واپس آ جاؤں گا۔"

گوبندی نے پوچھا۔

"تمہارا چائے کا ہوٹل پاکستان کے کس شہر میں تھا؟"

شیر خان نے سب کچھ پہلے سے سوچ رکھا تھا...... اس نے کہا۔

"لاہور کی ایک کالونی میں تھا۔"

گوبندی نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے پوچھے، اس نے کہا۔

"کندن لال! تم ہمارے مطلب کے آدمی ہو...... اگر ہم تمہیں دس ہزار ماہوار دیں تو کیا تم پاکستان واپس جا کر وہی کام کر سکو گے جو تم اپنے ایجنٹ کے کہنے پر کیا کرتے تھے؟"

شیر خان گوبندی کو جہاں لانا چاہتا تھا وہ وہاں آ گئی تھی...... پھر بھی اس نے ایک دم حامی بھرنے سے گریز کیا...... اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"میں یہ کام چھوڑ چکا ہوں...... پیسے تو اس میں بہت مل جاتے ہیں مگر ہر وقت پکڑے جانے کا ڈر لگا رہتا ہے اور اٹنک وادی (دہشت گرد) ایک بار پکڑا جائے تو پھر اس کی اذیت ناک موت یقینی ہوتی ہے۔"

گوبندی نے کہا۔

"مگر یہ بھی دیکھو کہ تم پاکستان میں جا کر بھارت ماتا کی سیوا کرو گے۔"

شیر خان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... بھارت ماتا کی سیوا کی خاطر میں یہ کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

گوبندی کہنے لگی۔

"ہماری ایک پارٹی پاکستان جا رہی ہے، اس کا لیڈر بھوشن ہے...... بھوشن میرا شاگرد ہی ہے...... اس پارٹی میں ایک لڑکی کملا بھی شامل ہے جو مسلمان بن کر پاکستان میں کام کرے گی...... بھوشن آج کسی وقت میرے پاس آ رہا ہے...... وہ بھی پاکستان میں کئی جگہوں پر بم کے دھماکے کر چکا ہے، مگر اس بار یہ پارٹی ایک خاص مشن پر پاکستان جا رہی ہے۔"

شیر خان کے کان کھڑے ہو گئے...... اس نے پوچھا۔

"یہ خاص مشن کیا ہے؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں؟"

گوبندی نے کہا۔

"تمہیں جانے سے پہلے سب کچھ بتا دیا جائے گا...... ابھی تم میرے مکان میں ہی

رہو گے اور باہر بالکل نہ نکلنا، کیونکہ تم پارٹی کے ساتھ پاکستان میں سمگل کئے جاؤ گے اور میں نہیں چاہتی کہ یہاں تمہیں لوگ دیکھیں...... باقی تم خود اس معاملے میں سمجھ دار ہو۔"

شیر خان کو ایک بہت بڑی دہشت گرد پارٹی کو پاکستان میں گرفتار کروانے اور اس خطرناک مشن کا کھوج لگانے کا بیٹھے بٹھائے موقع میسر آ گیا تھا جس کے لئے یہ لوگ پاکستان میں سمگل کئے جا رہے تھے......اس نے کہا۔

"میں ان باتوں کو بڑی اچھی طرح سے سمجھتا ہوں...... تم فکر نہ کرو...... میں مکان کے اندر ہی رہوں گا۔"

سارا دن کمانڈو شیر خان بھارتی دہشت گرد کندن لال کی حیثیت سے جرائم پیشہ گوبندی کے مکان بلکہ ڈیرے پر بھارتی دہشت گردوں کا انتظار کرتا رہا......ان میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا...... گوبندی تھوڑی دیر کے لئے ایک ضروری کام سے باہر گئی تو شیر خان کو تاکید کر گئی کہ وہ نیچے بیٹھک میں ہی رہے......شام کے وقت گوبندی واپس آ گئی، کہنے لگی۔

"بھوشن ابھی تھوڑی دیر میں آ رہا ہے...... میں نے اسے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے......وہ یہ سن کر خوش ہوا ہے کہ ان کی پارٹی کو ایک ایسا اپنا آدمی مل گیا ہے جس کے پاس پاکستان میں چائے کے ہوٹل کی شکل میں ایک ٹھکانہ موجود ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں ان لوگوں کی ہر طرح سے پاکستان میں راہنمائی کروں گا، لیکن تم نے مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ہم کس مشن پر پاکستان جا رہے ہیں۔"

گوبندی بولی۔

"میں نے اس بارے میں پارٹی کے لیڈر بھوشن سے مشورہ کیا تھا......اس نے کہا ہے کہ چونکہ ہم نے ابھی تک پارٹی کے کسی آدمی کو اس خاص مشن کے بارے میں

کچھ نہیں بتایا اس لئے کندن لال یعنی تمہیں بھی ابھی نہیں بتایا جائے گا کہ ہمارا مشن کیا ہے۔"

"تو پھر ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ ہم پاکستان کیا کرنے جا رہے ہیں۔"

گوبندی نے کہا۔

"یہ تمہیں پاکستان پہنچنے کے بعد موقع آنے پر پارٹی لیڈر بھوشن سب کچھ بتا دے گا......بہتر ہے کہ ابھی تم اس بارے میں کوئی سوال نہ کرو۔"

کمانڈو شیر خان خاموش ہو گیا......اسے معلوم تھا کہ ان دہشت گردوں کے اور خاص طور پر بھارت کی پاکستان دشمن خفیہ ایجنسی "را" کے دہشت گردوں کے بعض بڑے سخت اصول ہوتے ہیں اور وہ ان کی خلاف ورزی کبھی برداشت نہیں کرتے۔

رات کے دس بج رہے تھے...... گوبندی اوپر والے کمرے میں اپنے ماتا پتا کے پاس تھی کہ باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی...... شیر خان نیچے بیٹھک میں تھا......بیٹھک کا دروازہ اس نے گوبندی کے کہنے پر اندر سے بند کیا ہوا تھا......اس نے دروازے کے ساتھ کان لگا لئے...... یہ دیکھنے کے لئے کہ باہر سے کون آیا ہے......
دوسری بار دستک ہوئی تو بوڑھے ملازم رامو نے ڈیوڑھی کا دروازہ کھول دیا......ڈیوڑھی میں پارٹی لیڈر بھوشن کی آواز سنائی دی۔

"بائی جی کہاں ہیں؟"

ملازم رامو نے کہا۔

"اوپر ہیں...... تمہارا ہی انتظار کر رہی ہیں۔"

بھوشن اوپر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد گوبندی پارٹی لیڈر بھوشن کو ساتھ لے کر نیچے بیٹھک میں آ گئی......اس نے شیر خان سے بھوشن کا تعارف کرایا اور کہا۔

"بھوشن! یہ کندن لال ہے۔"

بھوشن تیس پینتیس سال کا ایک صحت مند جوان تھا...... چہرے پر بائیں جانب زخم کا لمبا نشان تھا...... شکل ہی سے جرائم پیشہ لگتا تھا...... رنگ سانولا تھا...... پتلون قمیض پہن رکھی تھی...... سگریٹ پی رہا تھا...... بھوشن نے شیر خان پر ایک گہری نگاہ ڈالی اور اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

"بائی تمہاری بڑی تعریف کر رہی تھی۔"

گوبندی نے شیر خان سے کہا۔

"کندن! یہ پارٹی لیڈر بھوشن ہے...... تم لوگ اس کے ساتھ پاکستان جاؤ گے اور اس کے ہر حکم کی پابندی کرو گے۔"

شیر خان بولا۔

"میں جانتا ہوں ہمیں اپنے پارٹی لیڈر کے حکم کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔"

بھوشن نے صوفے پر بیٹھے ہوئے شیر خان سے پوچھا۔

"لاہور میں تمہاری کس جگہ پر چائے کی دکان ہے؟"

شیر خان نے اسے جگہ کا نام بتایا اور کہا۔

"میں ساڑھے چار سال سے وہاں ایک مسلمان کی حیثیت سے چائے کا چھوٹا سا ہوٹل چلا رہا ہوں...... پچھلے ایک سال سے بھارت واپس آگیا ہوں، لیکن ہوٹل اپنے ایک پاکستانی ملازم کو دے آیا تھا...... میں نے اسے یہی کہا تھا اور محلے والوں کو بھی یہی بتایا تھا کہ میرا دل دنیا سے بھر گیا ہے...... اب چاہتا ہوں کہ سعودی عرب جا کر کچھ عرصہ عبادت کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگوں...... بس یہ بہانہ بنا کر میں بارڈر کراس کر کے بھارت آگیا...... میرا ارادہ واپس جانے کا نہیں تھا...... میں نے "را" کے اپنے ایجنٹ کو کہہ دیا تھا کہ اب میں پاکستان نہیں جاؤں گا، لیکن دیوی گوبندی جی نے جب بتایا کہ اس وقت بھارت ماتا کو میری ضرورت ہے تو میں آپ لوگوں کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا ہوں۔"

بھوشن کہنے لگا۔

"لاہور میں تمہارا گھر کس جگہ پر ہے اور کیا وہ محفوظ ہے؟"

کمانڈو شیر خان کے پاس تو لاہور میں اپنا کوئی گھر نہیں تھا اور نہ ہی چائے کی کوئی دکان تھی...... وہ ان لوگوں کو اس طرف لے جانا ہی نہیں چاہتا تھا، مگر ان لوگوں کو کوئی دوسرا ٹھکانا بتانا بھی ضروری تھا جہاں وہ انہیں خفیہ طور پر رکھ سکے اور ان کے خفیہ مشن کے بارے میں معلومات حاصل کر کے پاکستان کی خفیہ ایجنسی کو اطلاع دے سکے اور پاکستان کی حکومت کو خبردار کر دے...... پاکستان میں صرف اس کا چیف کمانڈو کرنل ہی تھا جس سے اس نے کمانڈو ٹریننگ حاصل کی تھی اور جس کی راہنمائی میں وہ کشمیر کے جہاد میں شریک ہوا تھا...... دلی میں بیٹھ کر وہ اپنے چیف کرنل سے رابطہ پیدا نہیں کر سکتا تھا...... یہ کام وہ پاکستان پہنچ کر ہی کر سکتا تھا۔

اس نے بھوشن سے کہا۔

"بھوشن جی! میرے پاس ایک اپنا مکان تو ہے جو میرے لاہور والے چائے کے ہوٹل کے اوپر ہی ایک کمرے کی شکل میں ہے، لیکن اس جگہ پر ہماری پارٹی کا رہنا خطرناک ثابت ہوگا۔" میں تو وہاں چلا جاؤں گا، لیکن تم لوگوں کو میں وہاں آنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

دہشت گردوں کے لیڈر بھوشن نے کہا۔

"یہ سب کچھ میں سمجھتا ہوں...... تم آخر چار پانچ سال سے لاہور میں انڈیا کی طرف سے حاجی صاحب کے نام سے دہشت گردی کی ڈیوٹی دے رہے ہو...... تمہیں کوئی ایسی جگہ ضرور معلوم ہوگی جہاں ہماری پارٹی کچھ دنوں کے لئے چھپ کر اپنے مشن کے لئے ابتدائی تیاریاں کر سکے۔"

شیر خان نے کہا۔

"اس کا بندوبست لاہور جا کر ہو جائے گا، لیکن جب تک میں کوئی خفیہ اور محفوظ

جگہ تلاش نہیں کر لیتا...... تم لوگوں کو پارٹی کے ساتھ کسی ہوٹل میں ہی رہنا ہو گا۔"

بھوشن بولا۔

"ہوٹل ہمارے لئے مناسب نہیں ہو گا...... ہم کسی جگہ رہ لیں گے، لیکن کیا دو ایک دنوں کے اندر اندر تم کوئی خفیہ جگہ تلاش کر سکو گے؟ کیونکہ ہماری پارٹی نے لاہور میں کبھی قیام نہیں کیا...... ہم جب بھی دہشت گردی کے مشن پر پاکستان گئے ہیں تو لاہور میں کچھ وقت کے لئے ضرور ٹھہرے ہیں لیکن وہاں رہے کبھی نہیں...... ہم نے دہشت گردی کی زیادہ وارداتیں سندھ کے شہروں میں کی ہیں یا کراچی میں کی ہیں، لیکن اس دفعہ ہمیں بھارت کی ایجنسی "را" کی طرف سے جو مشن سونپا گیا ہے اس کے لئے بعض ضروری باتوں کا علم حاصل کرنے کے لئے ہمارا لاہور میں کچھ روز ٹھہرنا ضروری ہو گیا ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں تقریباً پانچ برس سے پاکستان کے شہر لاہور میں حاجی عبداللہ کے نام سے چھوٹا سا چائے کا ہوٹل چلا رہا ہوں...... میں نے علاقے میں اپنا بڑا اثر ورسوخ بنایا ہوا ہے...... میرا وہاں لوگوں میں بھی بڑا اثر ورسوخ ہے...... میں آپ لوگوں کی رہائش کے لئے کوئی نہ کوئی جگہ ضرور تلاش کروں گا۔"

گوبندی نے بھوشن سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بھوشن! کندن بڑا کام کا آدمی ہے...... ہمیں پاکستان میں ایک ایسے ہی اپنے کسی آدمی کی تلاش تھی...... یہ اچھا ہوا کہ ہمیں کندن لال مل گیا...... تم یہ بتاؤ کہ کملا، کالیا اور گوپی کہاں ہیں۔"

معلوم ہوا کہ بھوشن پارٹی میں بھوشن کے علاوہ ایک عورت کملا اور دو آدمی کالیا اور گوپی شامل تھے...... بھوشن نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔

"ان لوگوں کو بارڈر کے ایک گاؤں میں خفیہ جگہ پر پہنچا دیا گیا ہے۔"

گوبندی نے پوچھا۔

"میں نے تمہیں ستر ہزار روپے کی جو رقم ضروری خرچے کے لئے پاکستانی کرنسی کی شکل میں دی تھی وہ تم نے کہاں رکھی ہوئی ہے؟"

بھوشن بولا۔

"وہ میرے پاس یہاں میرے امرتسر والے مکان میں ہی ہے...... جاتی دفعہ اسے ساتھ لیتا جاؤں گا۔"

گوبندی نے پوچھا۔

"تم لوگوں نے مسلمانوں والے حلئے میں بارڈر کراس کرنا ہے...... اس کا بھی انتظام ہو گیا ہے کہ نہیں؟"

بھوشن کہنے لگا۔

"میں تو پتلون قمیض میں ہی رہوں گا، کالیا اور گوپی شلوار قمیض میں ہوں گے جو پاکستان میں عام پہنی جاتی ہے اور کملا بھی شلوار قمیض میں ہو گی...... اس کے واسطے سیاہ رنگ کا ایک برقعہ ساتھ رکھ لیا ہے جو وہ پاکستان کی سرحد میں داخل ہوتے ہی پہن لے گی۔"

کمانڈو شیر خان ان کے پاس کندن لال دہشت گرد کے روپ میں بیٹھا ان لوگوں کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ لوگ کتنا زبردست اور مکمل بندوبست کر کے پاکستان میں دہشت گردی کرنے جا رہے ہیں...... وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اتفاق سے سینما ہاؤس میں اسے گوبندی نہ ملتی اور وہ اس کے ساتھ اس کے مکان پر نہ آ جاتا تو "را" کے ایجنٹوں کی یہ دہشت گرد پارٹی پاکستان کے شہروں میں نہ جانے کیسی کیسی تباہی مچاتی۔"

گوبندی نے بھوشن سے پوچھا۔

"بارڈر سکیورٹی فورس نے تمہارے بارڈر کراس کرانے کا کس رات کو انتظام

کیا ہے؟"

بھوشن نیا سگریٹ سلگا کر بولا۔

"یہ کل ہمیں معلوم ہو جائے گا۔"

گوبندی کہنے لگی۔

"پاکستان میں بھارتی سفارت خانے کے آدمیوں کو تمہارے بارے میں اطلاع دی جا چکی ہے...... تم جانتے ہو کہ تمہیں اسلام آباد جا کر کس سے ملنا ہے...... وہ لوگ تمہیں تمہارے مشن کے بارے میں صحیح تفصیلات بتا دیں گے۔"

بھوشن نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... لاہور میں کندن لال نے جیسے ہی ہماری خفیہ رہائش کا انتظام کیا میں فوراً اپنے سفارت خانے سے رابطہ پیدا کرنے اسلام آباد روانہ ہو جاؤں گا۔"

"اور یاد رکھنا" گوبندی نے کہا۔ "کملا تمہارے ساتھ اسلام آباد جائے گی۔"

"مجھے سب کچھ یاد ہے بائی جی...... تم فکر نہ کرو۔" بھوشن نے کہا...... پھر صوفے سے اٹھا اور بولا۔

"اب میں جاتا ہوں...... کندن لال اس دوران تمہارے پاس ہی رہے گا...... کل شام کو میں آؤں گا اور بتا دوں گا کہ انڈین بارڈر سکیورٹی فورس کے آدمی ہمیں کس وقت بارڈر کراس کروا رہے ہیں...... اب میں جاتا ہوں۔"

بھوشن نے گوبندی کو نمسکار کیا...... شیر خان سے ہاتھ ملا کر اسے بھی نمسکار کیا اور چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد گوبندی نے شیر خان سے کہا۔

"تم بھی کچھ دیر آرام کر لو...... میں بھی آرام کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی...... شیر خان بستر پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اسے لاہور پہنچتے ہی فوراً اپنے باس کرنل کمانڈو سے رابطہ پیدا کرنا ہو گا تا کہ اسے سارے حالات

سے آگاہ کرے۔

وہ سارا دن شیر خان نے گوبندی کے مکان پر ہی گزارا...... شام گہری ہو رہی تھی کہ دہشت گرد بھوشن آ گیا...... گوبندی اور شیر خان اس کا انتظار ہی کر رہے تھے...... گوبندی نے پوچھا۔

"بارڈر کراس کرانے کا انتظام ہو گیا کیا؟"

بھوشن نے کہا۔

"ہم رات کے ایک بجے بارڈر کراس کریں گے...... کندن کو ابھی میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

شیر خان پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا...... گوبندی کہنے لگی۔

"انڈیا کا بارڈر تو تمہیں انڈین سکیورٹی فورس والے کراس کرا دیں گے...... آگے پاکستانی بارڈر کراس کرنے کا کیا بندوبست کرو گے؟"

بھوشن بولا۔

"پاکستان کا بارڈر ہمیں ایک سمگلر کراس کرائے گا...... اس سے بات ہو چکی ہے...... اگرچہ اس میں مارے جانے کا خطرہ ہے، لیکن یہ خطرہ ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔"

"بھگوان تمہاری رکھشا کرے گا۔" گوبندی نے کہا۔

اس کے بعد شیر خان بھوشن کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

اٹاری تک وہ ایک جیپ میں سوار ہو کر گئے...... اٹاری انڈیا اور پاکستان کے بارڈر کے قریب ایک مشہور سرحدی قصبہ ہے...... وہاں ایک مکان میں دوسرے دہشت گرد کالیا اور گوپی موجود تھے...... کملا بھی موجود تھی...... کالیا اور گوپی نے پاکستانی لباس یعنی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی...... کملا بھی شلوار قمیض میں تھی...... اس نے کالا برقعہ اپنے پاس رکھا ہوا تھا جو بارڈر کراس کرنے کے بعد پاکستان میں داخل ہونے کے بعد اوڑھ لینا تھا تا کہ وہ مسلمان عورت لگے...... صرف بھوشن اور شیر خان پینٹ قمیض

میں تھے۔

اس مکان میں وہ آدھی رات تک چھپے رہے..... جب رات کا ایک بجنے والا تھا تو انڈین بارڈر سکیورٹی فورس کا ایک آدمی سادہ کپڑوں میں آیا اور بھوشن سے کہنے لگا۔

"آجاؤ۔"

شیر خان..... بھوشن..... کالیا..... گوپی اور کملا..... یہ سب لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے..... کھیتوں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا..... بارڈر فورس نے اس پارٹی کو بارڈر کراس کرانے کا پورا انتظام کر رکھا تھا..... یہ انہیں اوپر سے آرڈر آئے ہوئے تھے..... ایک جگہ سے انہیں بارڈر کراس کروایا گیا..... اب یہ پارٹی اس جگہ پر تھی جو دونوں ملکوں کی سرحدوں کی درمیانی جگہ تھی اور جسے نو میز لینڈ کہا جاتا ہے..... یہاں پہنچتے ہی بھوشن نے پارٹی کو اندھیرے میں ایک جگہ بٹھا دیا اور بولا۔

"ایک سمگلر ہمیں آگے لے جائے گا..... بس وہ آ ہی رہا ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد کھیتوں میں سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا..... بھوشن نے کہا وہ آرہا ہے۔

یہ ایک پراسرار سا آدمی تھا جس نے منہ سر چادر میں چھپا رکھا تھا..... وہ آکر ان لوگوں کے پاس ہی بیٹھ گیا اور آہستہ سے بھوشن سے پوچھا۔

"سب لوگ تیار ہیں کیا؟"

بھوشن بولا۔

"سب تیار ہیں۔"

"میرے پیچھے پیچھے آجاؤ، جہاں میں کہوں بیٹھ جانا۔"

"یہ سمگلر تھا..... وہ آگے آگے چل پڑا..... ساری پارٹی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی..... رات تاریک تھی..... کھیتوں میں کہیں فصل کھڑی تھی کہیں کٹائی ہو چکی تھی..... سمگلر انہیں کھڑی فصل میں سے لے جا رہا تھا..... کھیتوں کے ساتھ نو میز لینڈ

تھی..... اس کی دوسری جانب پاکستان کا بارڈر تھا..... دُور سے ایک جیپ کی روشنیاں دکھائی دیں..... سمگلر نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

ساری پارٹی کھڑی فصل میں بیٹھ گئی..... جیپ گزر گئی تو سمگلر بولا۔

"اب چلو۔"

سمگلر اس پارٹی کو ایک جھونپڑی میں لے گیا جہاں پہلے سے ایک سمگلر موجود تھا..... یہاں پہلا سمگلر واپس چلا گیا..... یہاں سے دوسرے سمگلر نے ایک خاص جگہ سے دہشت گردوں کی پارٹی کو بارڈر کراس کروا دیا، جس وقت شیر خان اس پارٹی کے ساتھ لاہور شہر کی حدود میں داخل ہوا تو صبح ہو چکی تھی..... کملا نے کالا برقعہ اوڑھ لیا تھا..... یہ لوگ پاکستانی مسلمان لگ رہے تھے..... وہ ایک گاؤں سے کچھ فاصلے پر کھیتوں کے پاس بیٹھ گئے..... بھوشن گاؤں میں گیا اور وہاں مسلمان بن کر کچھ روٹیاں، مکھن اور دودھ لے آیا..... انہوں نے وہیں کھیتوں میں بیٹھ کر ناشتہ کیا..... بھوشن شیر خان سے پوچھنے لگا۔

"کندن! اب تمہارا کیا پروگرام ہے..... تم نے کہا تھا کہ تم لاہور میں حاجی عبداللہ کے نام سے چائے کا ہوٹل چلاتے رہے ہو اور ہماری رہائش کا عارضی انتظام کر دو گے۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"بھوشن بھیا! میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں اس جگہ لے کر تمہیں نہیں جاؤں گا جہاں میرا چائے کا ہوٹل ہے..... میں لاہور ہی میں اپنے ایک اور دوست سے مل کر تم لوگوں کی عارضی رہائش کا انتظام کر دوں گا۔"

بھوشن نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... اتنی دیر تک ہم مسلمانوں کے کسی مزار پر جا کر بیٹھ جائیں گے..... تم ہی بتاؤ کہ یہاں کون سا ایسا مزار ہے جہاں ہم ضرورت پڑنے پر رات بھی

گزار سکتے ہیں...... ہم یہی ظاہر کریں گے کہ اپنے گاؤں سے مزار شریف کی زیارت کرنے آئے ہیں۔"

شیر خان نے انہیں ایک مزار کا پتہ بتادیا اور کہا۔

"تم لوگ وہاں جا کر بیٹھو...... میں تمہاری عارضی رہائش کا انتظام کر کے وہیں آ کر تمہیں ملوں گا...... وہاں سے اِدھر اُدھر مت ہونا۔"

دہشت گرد کالیا کہنے لگا۔

"کندن بھیا! ہم اس جگہ پر ہی رہیں گے۔"

شیر خان بولا۔

"ٹھیک ہے...... اب میں جاتا ہوں۔"

بھارتی دہشت گردوں کی پارٹی کو وہیں چھوڑ کر شیر خان سیدھا اپنے باس کرنل کمانڈو کے پاس پہنچا...... کرنل صاحب اسے دیکھ کر حیران ہو کر بولے۔

"شیر خان! تمہیں اچانک دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے...... تمہاری اور شاہد علی کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی اطلاع ہم تک پہنچتی رہی ہیں۔"

"مجاہد شاہد علی کہاں ہے؟"

شیر خان نے کہا۔

"ایک مجاہدانہ مشن میں وہ مجھ سے جدا ہو گیا تھا...... شاید وہ کشمیر پہنچ گیا ہو گا...... بہر حال اس وقت میں ایک بڑی ضروری بات کرنے آیا ہوں۔"

اس کے بعد شیر خان نے سارے واقعات بیان کر دیئے...... کمانڈو کرنل بڑے غور سے سنتا رہا...... شیر خان بولا۔

"اس وقت بھارتی دہشت گردوں کی یہ پارٹی ایک خانقاہ کے مسافر خانے میں ہے...... جب تک ہمیں یہ علم نہیں ہو جاتا کہ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" نے ان لوگوں کو کس مشن پر پاکستان بھیجا ہے ہمیں ان لوگوں کو گرفتار نہیں کرنا چاہئے۔" کمانڈو کرنل

نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، کیونکہ اگر ہم نے اس وقت انہیں پکڑ لیا، جو ہم بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں تو "را" کی ایجنسی کوئی دوسری پارٹی پاکستان بھیج دے گی...... ہمیں جس طرح بھی ہو سکے یہ معلوم کرنا ہو گا کہ یہ لوگ کس خفیہ مشن پر پاکستان میں داخل ہوئے ہیں۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"میں یہی معلوم کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہوں، مگر ان لوگوں کو امرتسر سے ہی بتادیا گیا تھا کہ پارٹی کے لیڈر بھوشن کو اسلام آباد میں انڈین سفارت خانے کا کوئی افسر بتائے گا کہ کس مشن پر انہیں کام کرنا ہو گا۔"

کمانڈو کرنل نے کہا۔

"اس کے لئے تمہارا اس دہشت گرد بھوشن کے ساتھ انڈین سفارت خانے تک جانا بہت ضروری ہے۔"

شیر خان بولا۔

"میں یہی کوشش کروں گا، مگر ہو سکتا ہے بھوشن مجھے اپنے ساتھ اسلام آباد نہ لے جائے۔"

کمانڈو کرنل نے کہا۔

"اس صورت میں تمہیں اپنی عقل سے کام لے کر جلدی سے جلدی یہ سراغ لگانے کی کوشش کرنی ہو گی کہ ان لوگوں کا پاکستان میں مشن کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" شیر خان بولا...... لیکن سر! جس چیز کی اس وقت اشد ضرورت ہے وہ ہے دہشت گردوں کی اس پارٹی کے لئے عارضی رہائش گاہ کا کوئی انتظام۔"

کمانڈو کرنل نے کہا۔

"اس کا بندوبست ہو جائے گا...... اس کی تم فکر نہ کرو۔"

اس کے بعد کمانڈو کرنل نے شیر خان کو شہر سے باہر ایک غیر آباد جگہ پر موجود ایک کوارٹر کا ایڈریس بتایا اور کہا۔

"اس کوارٹر میں تم پارٹی کے ساتھ رہ سکتے ہو...... وہاں ہمارا ایک سی آئی ڈی کا آدمی نوکر اور باورچی کی حیثیت سے پہلے سے موجود ہو گا۔"

اس کے بعد شیر خان واپس دہشت گردوں کی پارٹی کے پاس آ گیا جو ایک مزار کے مسافر خانے میں اس کا انتظار کر رہے تھے...... شیر خان کو دیکھ کر پارٹی لیڈر بھوشن نے پوچھا۔

"کندن! رہنے کا کوئی انتظام ہوا کیا؟"

شیر خان بولا۔

"بڑا اچھا انتظام ہو گیا...... ہم لوگوں کو ابھی وہاں چلنا ہو گا۔"

وہاں سے ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر شیر خان کی سربراہی میں یہ لوگ شہر سے باہر غیر آباد جگہ پر واقع کوارٹر میں آ گئے...... وہاں سی آئی ڈی کا آدمی باورچی اور ملازم کے روپ میں پہلے سے موجود تھا...... اس نے ان لوگوں کے لئے کوارٹر کھول دیا...... انہوں نے کوارٹر کے ایک بڑے کمرے میں ڈیرہ جما لیا...... ملازم نے شیر خان سے کہا۔

"حاجی صاحب! میرا نام میاں داد ہے...... میں بڑا اچھا کھانا پکا لیتا ہوں۔"

شیر خان نے کہا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے...... یہ میرے دوست ہیں...... گاؤں سے یہاں مزاروں کی زیارت کو آئے ہیں...... انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔"

میاں داد بولا۔

"صاحب! یہ ہمارے مہمان ہیں...... ان کے آرام کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔"

دوپہر کو میاں داد نے بڑا مزیدار کھانا پکایا...... سب لوگ کھانا کھا کر کمرے میں بیٹھ گئے...... پارٹی لیڈر بھوشن نے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا اور گوپی سے کہنے لگا۔

"مجھے اور کملا کو آج ہی کسی وقت اپنے سفارت خانے والوں سے ملاقات کرنے کے لئے اسلام آباد کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے۔"

شیر خان یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ بھارتی دہشت گرد پاکستان میں کس مشن پر آئے ہیں ان کے ساتھ اسلام آباد جانا چاہتا تھا، مگر اسے کوئی بہانہ نہیں مل رہا تھا...... جب بھوشن نے اسلام آباد جانے کی بات کی تو شیر خان بولا۔

"بھوشن بھیا! تم لوگ اسلام آباد میں کہاں رہو گے؟ ہمارا مشن بڑا سیکرٹ مشن ہے، تمہیں بڑی احتیاط کرنی ہو گی۔"

بھوشن بولا۔

"میرا خیال ہے کسی ہوٹل میں ہی ٹھہر جائیں گے۔" اپنی انڈین ایمبیسی کے کسی آدمی کے ہاں ٹھہرنا خطرناک ہو گا۔"

شیر خان نے کہا۔

"بھوشن بھیا! آپ لوگوں کا کسی ہوٹل میں ٹھہرنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا...... خفیہ ایجنسی کے آدمی ہوٹلوں میں یہ دیکھنے کے لئے موجود ہوتے ہیں کہ باہر سے کون آ کر ٹھہرا ہے...... یہ یہاں کی سکیورٹی کے لئے بڑا ضروری سمجھا جاتا ہے۔"

گوپی نے کہا۔

"تو پھر کیا کریں...... اسلام آباد میں تو ہمارے پاس ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جو محفوظ ہو۔"

شیر خان انہیں اسی نقطے پر لانا چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں حاجی عبداللہ بن کر عرصہ کئی سال سے پاکستان میں ہوٹل چلا رہا ہوں اور میں اسلام آباد، راولپنڈی بھی جاتا رہتا تھا...... وہاں میرا ایک دوست ہے...... اس کا بہت بڑا مکان ہے...... میں آپ کو وہاں ٹھہرا دوں گا...... وہاں آپ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

بھوشن کہنے لگا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے کندن؟ تم نے تو ہماری پریشانی حل کر دی ہے...... ٹھیک ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔"

شیر خان یہی چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

"ہمیں رات کی بجائے دن کے وقت راولپنڈی روانہ ہونا چاہیے، تاکہ دن ہی دن میں وہاں ہمارے ٹھہرنے کا سلسلہ بن جائے۔"

دہشت گرد کملا پاکستانی لباس میں قریب ہی بیٹھی تھی، کہنے لگی۔

"دن کے وقت کون سی گاڑی راولپنڈی جاتی ہے؟"

شیر خان نے کہا۔

"ایک ریل کار صبح صبح چلتی ہے مگر اس میں سیٹیں ریزرو کروانی پڑیں گی...... ہم بس میں جائیں گے...... راولپنڈی کے لئے بسیں چلتی ہی رہتی ہیں۔"

چنانچہ سب نے بس میں جانے کا ہی فیصلہ کیا۔

رات انہوں نے شہر سے دُور کوارٹر میں ہی گزاری...... شیر خان ان لوگوں سے الگ نہ ہوا...... اسے خطرہ تھا کہ اگر وہ اِدھر اُدھر ہو گیا تو کہیں بھوشن یا پارٹی کے دوسرے دہشت گردوں کو اس پر شک نہ پڑ جائے کہ وہ کہاں چلا گیا تھا، لیکن دن کے وقت بس سٹینڈ پر جانے کے بعد ان لوگوں کے لئے جب شیر خان راولپنڈی کے ٹکٹ لینے گیا تو اس نے ایک جگہ سے کرنل کمانڈو کو فون پر بتا دیا کہ وہ دہشت گردوں کی پارٹی کے ساتھ اسلام آباد جا رہا ہے...... کرنل کمانڈو نے کہا۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے شیر خان! بس اب کسی بھی طرح یہ معلوم کرو کہ ان بھارتی دہشت گردوں کو کس خاص مشن پر پاکستان بھیجا گیا ہے۔"

"فکر نہ کریں سر! میں یہ پتہ لگا کر ہی رہوں گا۔"

اس کے بعد شیر خان نے فون بند کر دیا اور بس کے تین ٹکٹ لے کر بھوشن کے

پاس آ گیا...... اس نے پارٹی لیڈر کو تینوں ٹکٹ دے دیئے...... کملا نے برقعہ اوڑھ رکھا تھا اور نقاب بھی ڈالا ہوا تھا...... یہ لوگ مسلمان زائرین بن کر بظاہر راولپنڈی مزاروں پر حاضری دینے جا رہے تھے...... دوپہر کے بعد یہ لوگ راولپنڈی پہنچ گئے...... شیر خان نے بھوشن سے کہا۔

"آپ لوگ بس کے اڈے پر ہی ٹھہریں...... میں اپنے دوست کو جا کر اطلاع کرتا ہوں...... اگر وہ گھر پر نہ ہوا تو وہ جہاں بھی ہو گا...... میں اسے تلاش کر لوں گا اور ٹھہرنے کا بندوبست کر کے ہی واپس آؤں گا...... گھبرانا نہیں...... مجھے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ہی لگے گا۔"

دہشت گردوں کی جو پارٹی راولپنڈی آئی تھی اس میں شیر خان (کندن) کے علاوہ پارٹی لیڈر بھوشن اور کملا شامل تھی...... گوپی اور کالیا پیچھے لاہور والے کوارٹر میں ہی رہ گئے تھے۔

کملا اور بھوشن کو بسوں کے اڈے پر چھوڑ کر شیر خان سیدھا راولپنڈی میں اپنی مجاہدوں کی تنظیم کے باس سے جا کر ملا اور اسے سارے حالات بتائے...... شیر خان کو معلوم تھا کہ ان کے ہاں اس قسم کی رہائش کا فوری انتظام ہو سکتا ہے...... جب باس نے سارے حالات سنے تو کہا۔

"شیر خان! تم فوراً ان لوگوں کو لے کر سرداروں کے باغ والے پرانے مکان میں چلے جاؤ...... وہاں رمضانی موجود ہے...... وہ ان لوگوں کے کھانے پینے کا سارا انتظام کر دے گا اور تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو گی وہ وہیں مہیا ہو جائے گی...... تم مجھ سے رابطہ رکھنا، تاکہ حالات سے ہم لوگ باخبر رہیں۔"

شیر خان بولا۔

"مجھے جب اور جس وقت بھی موقع ملا میں فون پر آپ سے رابطہ کر لیا کروں گا۔"

"یہ لوگ کتنے دن اسلام آباد ٹھہریں گے؟" باس نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہاں سے جاتے ہوئے میں آپ کو اطلاع کر دوں گا۔"

باس نے کہا۔

"پوری کوشش کرنا کہ ان دہشت گردوں کے مشن کے بارے میں معلوم ہو سکے کہ یہ یہاں دھماکے اور تخریبی کارروائیاں کرنے آئے ہیں یا ان کا مشن کچھ اور ہی ہے۔"

شیر خان بولا۔

"سر! ابھی تک میں یہی سمجھ سکا ہوں کہ ان کا مشن تخریبی کارروائیوں کے علاوہ بھی کوئی ہے اور یہی ان لوگوں کا خاص مشن ہے جس کے لئے بھارت کی خفیہ ایجنسی "را" نے انہیں یہاں بھیجا ہے۔"

اس کے بعد شیر خان باس سے اجازت لے کر سیدھا سرداروں کے باغ میں آ گیا...... یہ راولپنڈی کے مشرق میں ایک محلّہ ہی تھا، مگر زیادہ آباد نہیں تھا...... یہاں قیام پاکستان سے پہلے سکھ سرداروں نے ایک کشادہ باغ میں اپنے رہنے کے لئے کچھ مکانات بنوائے تھے جو قیام پاکستان کے بعد سکھوں کے چلے جانے کے بعد مہاجرین کو الاٹ ہو گئے تھے، اسی آبادی میں ایک مکان وہ تھا جہاں شیر خان نے بھوشن اور کملا کو ٹھہرانا تھا اور خود بھی ان کے ساتھ ٹھہرنا تھا۔

رمضانی مکان کے دروازے پر ہی مل گیا...... شیر خان نے اسے ساری بات سمجھائی...... رمضانی بھی ایک کشمیری مجاہد تھا...... اس نے کہا۔

"میں مکان کھول دیتا ہوں آپ ان لوگوں کو یہاں لے آئیں۔"

شیر خان نے کہا۔

"یاد رکھنا...... یہ بھارتی دہشت گرد مسلمان بن کر آئے ہیں اور میں بھی ان کے

ساتھ حاجی عبداللہ کے نام سے ہوں۔"

رمضانی بولا۔

"میں سب سمجھتا ہوں سر...... آپ بے فکر رہیں۔"

ایک گھنٹے کے بعد شیر خان بس کے اڈے سے بھوشن اور کملا کو ساتھ لے کر مکان پر آ گیا...... یہاں انہوں نے نہا دھو کر دوسرے کپڑے پہنے اور کھانا کھایا...... اس کے بعد پارٹی لیڈر بھوشن شیر خان سے کہنے لگا۔

"کندن! مجھے اب کملا کو ساتھ لے کر بھارت کے سفارت خانے جانا ہو گا...... تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا۔"

شیر خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں اسی جگہ رہوں گا، لیکن بھوشن بھیا! احتیاط سے کام لینا...... سفارت خانوں میں آنے جانے والوں پر ہر ملک کی خفیہ پولیس نگاہ رکھتی ہے۔"

بھوشن بولا۔

"ہم لوگ اناڑی نہیں ہیں...... میں سفارت خانے کے آدمی کو کسی دوسری جگہ ملوں گا۔"

شیر خان کے ذہن میں ایک منصوبہ تھا جو اسی وقت اس کے ذہن میں آیا تھا...... اس منصوبے پر عمل کرنے سے اسے بھوشن کملا اور بھارتی سفارت کار کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو کا علم ہو سکتا تھا، لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ دہشت گرد بھوشن دوسرے دن بھارتی سفارت کار سے ملاقات کرے...... شیر خان سوچنے لگا کہ ان لوگوں کو ایک دن کے لئے کیسے بھارتی سفارت کار کے پاس جانے سے روکا جائے...... آخر ایک ترکیب اسے سوجھ گئی۔

اس نے بھوشن سے کہا۔

"تم لوگ کافی عرصے کے بعد پنڈی اسلام آباد آئے ہو...... میں یہاں مسلمان

حاجی عبداللہ کے بھیس میں پانچ سال سے رہ رہا ہوں...... میرا یہ تجربہ ہے کہ دوپہر کے بعد رات گئے تک بھارتی سفارت خانے کے باہر سی آئی ڈی کے آدمی ہر حالت میں موجود بھی ہوتے ہیں اور اگر کوئی سفارت کار باہر جائے تو ملکی سلامتی کے خیال سے اس کا پیچھا کیا جاتا ہے کہ کہیں وہ دہشت گردی کی کسی خفیہ بھارتی پارٹی سے ملنے تو نہیں جارہا...... اگر اس وقت تم نے بھارتی سفارت کار سے ملنے کی کوشش کی تو تم لوگ سی آئی ڈی والوں کی نگاہوں میں آجاؤ گے اور ممکن ہے کہ ہمارا بھانڈا پھوٹ جائے۔"

کملانے بھوشن سے کہا۔

"بھوشن! کندن ٹھیک کہتا ہے...... اس کو یہاں کے معاملات کا ہم سے زیادہ تجربہ ہے...... بہتر ہے کہ ہم آج نہیں جاتے...... کل دن کے وقت اپنے آدمی سے ملاقات کریں گے۔"

شیر خان بولا۔

"آپ لوگ کل صبح صبح اپنے سفارت کار کو اس کے گھر پر یا کسی دوسری جگہ ملیں...... میرا تجربہ ہے کہ صبح صبح سی آئی ڈی والے بھی آرام کر رہے ہوتے ہیں۔"

حالانکہ پاکستان کی انٹیلی جنس کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتی اور اپنے ملک کی سلامتی کی خاطر چوبیس گھنٹے چوکس رہتی ہے، لیکن اس وقت شیر خان کیلئے ایسا کہنا ضروری تھا۔

شیر خان نے کہا۔

"تم ایسا کرو کہ ابھی کسی پبلک کال آفس میں جا کر اپنے آدمی کو فون پر بتادو کہ تم کل صبح صبح اس سے ملنا چاہتے ہو، وہ خود تمہیں کوئی جگہ بتادے گا۔"

شیر خان نے کچھ ایسی باتیں کیں کہ بھوشن قائل ہو گیا اور بولا۔

"ٹھیک ہے...... ہم کل اپنے آدمی سے ملیں گے، لیکن فون پر میں آج ہی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تمہیں اپنے آدمی کا فون نمبر معلوم ہے؟"

"ہاں! اس کا فون نمبر میرے پاس ہے۔" بھوشن نے کہا۔

شیر خان بولا۔

"لیکن تمہیں صاف لفظوں میں بات نہیں کرنی چاہئے، بلکہ خفیہ کوڈ میں بات کرنی چاہئے۔"

بھوشن نے کہا۔

"بھیا کندن! میں ان ساری باتوں کو جانتا ہوں اور ہم خفیہ زبان میں ہی فون پر بات کیا کرتے ہیں۔"

"بس پھر ٹھیک ہے۔" شیر خان نے خوش ہو کر کہا۔

پانچ بجے سہ پہر بھوشن بھارتی سفارت کار کو فون کرنے چلا گیا...... کملا اور شیر خان مکان پر ہی رہے...... رمضانی چائے بنا کر لے آیا...... جب رمضانی چائے رکھ کر چلا گیا تو کملانے شیر خان سے کہا۔

"کندن لال! تم نے یہاں خوب اپنا اثر و رسوخ جمایا ہوا ہے۔"

شیر خان بولا۔

"کملا جی! میں نے کولہا پور کے سینٹر میں جاسوسی اور دہشت گردی کی ٹریننگ حاصل کی تھی۔"

کملا بولی۔

"ہم نے بھی وہیں سے ٹریننگ لی تھی۔"

شیر خان نے کہا۔

"لیکن میں پانچ چھ سال سے پاکستان میں حاجی عبداللہ کے نام سے رہ رہا ہوں...... مجھے آپ لوگوں کے مقابلے میں زیادہ تجربہ ہے اور میرے لئے یہاں اپنا اثر و رسوخ بنانا بہت ضروری تھا۔"

کملانے چائے بناتے ہوئے کہا۔

"اس کا ہمیں بھی بڑا لابھ مل رہا ہے۔"

شیر خان نے کملا کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری ٹریننگ ابھی نامکمل ہے۔"

"وہ کیسے؟" کملا نے تعجب سے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"تم نے ابھی ابھی ہندی کا لفظ لابھ بولا ہے...... تمہیں یہاں یہ لفظ زبان پر نہیں لانا چاہئے تھا...... اس کی جگہ تمہیں فائدہ کا لفظ بولنا چاہئے تھا...... لابھ کے لفظ سے دوسرے کو شک پڑ سکتا ہے کہ تم بھارت کی رہنے والی ہو اور ہندو عورت ہو۔"

کملا شرمندہ سی ہو گئی...... کہنے لگی۔

"تم نے ٹھیک کہا ہے کندن لال! مجھ سے واقعی غلطی ہو گئی ہے...... میں آئندہ سے احتیاط کروں گی۔"

شیر خان بھی مسکرانے لگا، بولا۔

"وقت کے ساتھ ساتھ تمہیں تجربہ ہو جائے گا۔"

شام کے وقت بھوشن بھارتی سفارت کار کو فون کر کے واپس آ گیا...... شیر خان سے کہنے لگا۔

"کندن! تم نے بڑا صحیح مشورہ دیا تھا...... سفارت خانے کے اپنے آدمی نے بھی مجھے صبح صبح آنے کو کہا ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"بھوشن بھیا! مجھے معلوم تھا کہ وہ صبح کے وقت ہی تمہیں ملنے کا کہے گا...... اب تم دونوں یہاں آرام کرو...... میں اپنے اس دوست سے مل کر آتا ہوں جس کا یہ مکان ہے۔"

"کیا تمہارا جانا ضروری ہے؟" بھوشن نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"مجھے یہاں ایک ایک پل کی خبر رکھنی پڑتی ہے...... یہاں خفیہ ایجنسی ہر جگہ موجود ہوتی ہے...... میں صرف یہ معلوم کرنے جا رہا ہوں کہ کسی نے تمہارے بارے میں کوئی مخبری تو نہیں کر دی...... میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔"

شیر خان ان دونوں یعنی کملا اور بھوشن کو مکان پر چھوڑ کر سیدھا اپنے باس کے پاس آ گیا اور اسے بتایا کہ بھوشن کل صبح بھارتی سفارت کار سے خفیہ ملاقات کر رہا ہے، جس میں بھارتی سفارت کار اسے اس کے مشن کے بارے میں بتانے والا ہے...... باس نے فکر مند ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اس کے ساتھ نہیں جا رہے۔"

شیر خان نے کہنے لگا۔

"وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا...... اگر میں نے زیادہ اصرار کیا تو اسے مجھ پر شک پڑ سکتا ہے۔"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟" باس نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے...... اگر ہم اس ترکیب پر عمل کر سکیں تو ہمیں ان بھارتی دہشت گردوں کے مشن کے بارے میں پوری تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔"

کون سی ترکیب؟" باس نے پوچھا۔

❁ ❁ ❁

شیر خان کہنے لگا۔

"اگر ہمیں کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور مختصر سے مختصر مگر انتہائی طاقتور ٹیپ ریکارڈر میسر آجائے تو میں اسے موقع پا کر بھوشن کی جیب میں ڈال دوں گا...... یہ ٹیپ ریکارڈر ان ساری باتوں کو ٹیپ کرے گا جو اس کے بعد بھارتی سفارت کار کے درمیان ہوں گی، بعد میں یہ ٹیپ ریکارڈر اس کی جیب سے نکال لوں گا...... کیا خیال ہے۔"

باس کے چہرے پر ایک چمک سی آگئی...... اس نے کہا۔

"ایسا ہو سکتا ہے۔"

شیر خان نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے ایسا ٹیپ ریکارڈر مل سکتا ہے۔"

باس کہنے لگا۔

"ہم نے اس قسم کے سارے انتظام کر رکھے ہیں...... ہمارے پاس ایک ایسا ٹیپ ریکارڈر ہے جو چپکانے والی سکاچ ٹیپ کی شکل میں ہے...... اس پر ایسا کیمیکل لگایا گیا ہے جو انسانی آوازوں کو باریک سے باریک نقطوں کی شکل میں ٹیپ کر لیتا ہے...... تم یہ بتاؤ کہ بھارتی دہشت گرد بھوشن کی جیکٹ کا رنگ کون سا ہے؟"

"اس کی جیکٹ کا رنگ نسواری ہے۔" شیر خان نے کہا۔

باس بولا۔

"ہمارے پاس ہر رنگ کی ایسی ٹیپ موجود ہے...... میں ابھی تمہیں نسواری رنگ کی ٹیپ لا کر دیتا ہوں۔"

باس دوسرے کمرے میں گیا اور ایک چھوٹی گول ڈبی لے کر آگیا...... اس میں نسواری رنگ کی ٹیپ رکھی ہوئی تھی...... اس نے شیر خان کو ٹیپ نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ جرمنی کے سرکاری محکمہ انٹیلی جنس کی سب سے جدید ترین ایجاد ہے۔"

پھر باس نے ٹیپ کا دو انچ لمبا ٹکڑا کاٹ کر شیر خان کو دیا اور کہا۔

"اس ٹکڑے کو بھارتی دہشت گرد بھوشن کی جیکٹ کے باہر یا اندر کی طرف کسی جگہ چپکا دینا...... جب وہ بھارتی سفارت کار سے مل کر واپس آئے تو اسے نکال کر میرے پاس لے آنا...... یہ ٹیپ چپکنے کے بعد آسانی سے اتر بھی جاتی ہے۔"

شیر خان کے دل کی مراد پوری ہو گئی تھی...... وہ جو چاہتا تھا ویسا ہی ہوا تھا...... اس نے ٹیپ کو ایک چھوٹے لفافے میں ڈال کر لفافہ اپنی جیب میں رکھ لیا اور واپس دہشت گردوں کی طرف روانہ ہو گیا...... مکان پر آیا تو دہشت گرد بھوشن اور کملا کھانا کھا رہے تھے...... کملا کہنے لگی۔

"کندن بھیا! ہم نے تمہارا کافی انتظار کیا...... بڑی بھوک لگ رہی تھی...... تم مائنڈ نہ کرنا۔"

شیر خان بولا۔

"نہیں نہیں کملا جی؟ میں کیوں مائنڈ کروں گا...... آپ لوگوں نے بڑا اچھا کیا...... مجھے دیر بھی ہو سکتی تھی۔"

"سب ٹھیک ہے نا؟" بھوشن نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"ابھی تک سب ٹھیک ہے...... ہم لوگوں کے بارے میں کسی کو معمولی سا شک

بھی نہیں پڑا...... بس ہمیں اسی احتیاط سے کام لینا ہو گا۔"

"کندن بھیا! تمہارا تجربہ زیادہ ہے، مگر میں بھی اسی جل کی مچھلی ہوں۔" بھوشن بولا...... "مجھے معلوم ہے کہ اس قسم کے کاموں میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔"

پھر ہنس کر کہنے لگا۔

"کملا نے مجھے بتایا ہے کہ اس کی زبان سے فائدے کی جگہ لابھ کا لفظ نکل گیا تھا اور تم نے اسے ڈانٹ دیا تھا کہ وہ پاکستان میں ہندی کا لفظ زبان پر نہ لائے۔"

شیر خان بولا۔

"اس لئے کہ یہ بات ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

کملا کہنے لگی۔

"بھیا جی! میں نے کان پکڑ لئے ہیں...... اب آپ میری زبان سے ہندی کا کوئی لفظ نہیں سنیں گے۔"

رات گزر گئی۔

دوسرے دن شیر خان منہ اندھیرے اٹھ کھڑا ہوا...... اس وقت بھوشن اور کملا ابھی سو رہے تھے...... شیر خان نے وہ لفافہ رات کو ہی اپنے سرہانے کے نیچے چھپا کر رکھ لیا تھا جس میں آواز ٹیپ کرنے والی حساس سکاچ ٹیپ تھی، وہ لفافہ جیب میں رکھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا...... یہاں کملا اور بھوشن کے پہننے والے کپڑے لٹکے ہوئے تھے...... راولپنڈی میں موسم ٹھنڈا ہو چکا تھا اور بھوشن اپنی نسواری جیکٹ پہن کر ہی باہر نکلتا تھا...... شیر خان نے لفافے میں سے حساس ٹیپ نکالی اور اسے بھوشن کی جیکٹ کے کالر کے اندر چپکا دی۔

اس کے بعد وہ واپس اپنے پلنگ پر آ کر لیٹ گیا۔

بھارتی سفارت کار نے اسے صبح پانچ بجے آنے کو کہا تھا...... بھوشن چار بجے ہی

بیدار ہو گیا...... اس نے نہانے کے بعد کپڑے پہنے تو شیر خان اسے دیکھ رہا تھا...... بھوشن نے جب جیکٹ پہن لی تو شیر خان کو تسلی ہو گئی...... ملازم چائے بنا کر لے آیا تھا...... دونوں بیٹھ کر چائے پینے لگے۔

شیر خان نے کہا۔

"بھوشن! بڑی احتیاط سے کام لینا۔"

بھوشن بولا۔

"کندن بھیا! بے فکر رہو۔"

کچھ دیر کے بعد بھوشن چلا گیا...... مکان سے نکل کر بھوشن نے ایک ٹیکسی لی اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں بھارتی سفارت کار نے اسے آنے کے لئے کہا تھا...... بھارتی سفارت کار پہلے سے وہاں اس کا انتظار کر رہا تھا...... بھوشن نے ٹیکسی چھوڑ دی...... بھارتی سفارت کار نے اسے اپنی گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی ایک غیر آباد علاقے کی طرف نکل گئی...... وہاں ایک جگہ ایک کچی کوٹھڑی سی تھی جو خالی پڑی تھی۔

بھارتی سفارت کار بھوشن کو کوٹھڑی کے اندر لے گیا اور دونوں باتیں کرنے لگے۔

بھارتی دہشت گرد ایک گھنٹے کے بعد مکان پر واپس آیا...... کملا نے پوچھا۔

"بات ہو گئی؟"

بھوشن بولا۔

"ہاں ہو گئی۔"

شیر خان کملا کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا...... اس نے کہا۔

"یہ بڑا اچھا ہوا...... اپنے آدمی نے کیا کہا ہے...... میرا مطلب ہے ہمارا مشن کیا ہے۔"

بھوشن بولا۔

"آئی ایم سوری کندن! تم یہ مت سمجھنا کہ ہمیں تم پر بھروسہ نہیں ہے، لیکن

بات یہ ہے کہ اپنے آدمی نے سختی سے منع کیا ہے کہ اپنی خاص پارٹی کے آدمیوں کے سوائے اس مشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا جائے اور تم تو جانتے ہی ہو کہ ان معاملات میں ہمیں اپنے کچھ اصولوں کی سختی سے پابندی کرنی پڑتی ہے۔"

شیر خان بولا۔

"بھوشن بھیا! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... اگر اپنے آدمی نے تمہیں منع کیا ہے تو میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا...... تم مجھے جو حکم دو گے میں اس پر عمل کروں گا۔"

بھوشن نے کہا۔

"ہمیں جو مشن دیا گیا ہے اس کے سلسلے میں مجھے اور کملا کو کراچی جانا ہوگا۔"

شیر خان نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"نہیں۔" بھوشن بولا...... "ابھی صرف میں اور کملا ہی اس مشن پر کام کریں گے...... اس کے بعد تمہاری ضرورت بھی پڑے گی...... پھر ہم تمہیں بھی کراچی اپنے پاس بلوالیں گے۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"کراچی میں اگر تم لوگوں کے رہنے کا کوئی محفوظ ٹھکانہ نہ ہو تو میں اس کا بھی انتظام کر سکتا ہوں۔"

بھوشن نے کہا۔

"اصل میں بھارتی سفارت کار کی طرف سے کراچی میں ہماری رہائش کا انتظام کر دیا گیا ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" شیر خان نے کہا...... "تم لوگ کب کراچی جا رہے ہو؟"

بھوشن کہنے لگا۔

"ہم کل کا دن چھوڑ کر پرسوں شام کی گاڑی سے کراچی روانہ ہوں گے۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں اسی مکان میں رہوں گا...... اگر میری ضرورت پڑ گئی تو مجھے اس مکان کے ایڈریس پر ٹیلی گرام دے دینا...... ٹیلی گرام ظاہر کوڈ الفاظ میں ہی ہو گی۔"

بھوشن بولا۔

"میں تمہیں ٹیلی گرام کر دوں گا...... تم اسی جگہ رہنا۔"

رات کو جب بھوشن اور کملا سو گئے تو شیر خان خاموشی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا اور اس نے بھوشن کی جیکٹ کے کالر کے اندر چپکائی ہوئی حساس ٹیپ اتار کر اسے لفافے میں ڈالا اور لفافہ ایک جگہ سنبھال کر چھپا دیا۔

دوسرے روز موقع پا کر شیر خان نے ریکارڈنگ ٹیپ والا لفافہ جیب میں رکھا اور ایک ضروری کام کا بہانہ بنا کر سرداروں کے باغ والے مکان سے نکل کر سیدھا اپنی مجاہد تنظیم کے باس کے ہاں پہنچ گیا...... اسے لفافہ دے کر کہا۔

"سر! یہ ہے وہ ٹیپ جو میں نے بھوشن کی جیکٹ کے ساتھ چپکا دی تھی...... مجھے یقین ہے کہ اس میں وہ ساری گفتگو ریکارڈ ہو گئی ہو گی جو بھوشن اور بھارتی سفارت کار کے درمیان ہوئی ہے۔"

باس نے ٹیپ لی اور شیر خان کو ساتھ لے کر ایک لیبارٹری میں آ گیا...... یہاں ٹیپ کو ایک خاص مشین میں ڈال کر بٹن دبایا...... سپیکر پر ٹیپ میں ریکارڈ کی ہوئی آوازیں سنائی دینے لگیں...... سب سے پہلے شیر خان اور بھوشن اور کملا کی وہ باتیں سنائی دیں جو شیر خان نے جیکٹ کے اندر ٹیپ چپکانے کے بعد آپس میں کی تھیں، اس کے بعد بھوشن کے ٹیکسی والے سے باتیں کرنے اور پھر ٹیکسی کے سٹارٹ ہونے اور چلنے کی آواز سنائی دی۔

آخر میں دہشت گرد بھوشن اور بھارتی سفارت کار کے مکالمے سنائی دینے لگے...... بھوشن کی آواز شیر خان پہچانتا تھا...... دوسری اجنبی آواز بھارتی سفارت کار کی

تھی......اسے بھوشن نے پانڈے جی کے نام سے پکارا تھا......اب ہم دونوں کے مکالمے جیسے حساس ٹیپ نے ریکارڈ کیئے ہیں اسی طرح یہاں لکھے دیتے ہیں...... جب بھوشن بھارتی سفارت کار پانڈے جی سے ملا تھا تو پانڈے جی نے پوچھا تھا۔

"تمہیں یہاں آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟ میرا مطلب ہے کہ تمہیں یقین ہے کہ تمہارے پیچھے کوئی نہیں لگا ہوا؟"

اس کے جواب میں بھوشن نے کہا تھا۔

"ہم نے پوری احتیاط سے کام لیا ہے پانڈے جی، اس معاملے میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

پانڈے جی نے کہا تھا۔

"چلو......اس کوٹھڑی کے اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

پھر ان دونوں کے چلنے، کوٹھڑی کا دروازہ کھولنے اور پھر ان کے کسی چارپائی پر بیٹھنے کی چرچراہٹ کی آوازیں آئیں...... اس کے بعد ان کے مکالمے شروع ہو گئے جو ہم یہاں اسی طرح لکھتے ہیں۔

بھوشن......پانڈے جی! مجھے دلی میں کہا گیا تھا کہ اس مشن کے بارے میں تمہیں پاکستان میں بھارتی سفارت کر پانڈے جی ہی بتائیں گے۔

پانڈے...... تمہیں ٹھیک کہا گیا تھا۔

بھوشن...... "یہ مشن کیا ہے اور اسے اتنا سیکرٹ کیوں رکھا گیا ہے۔"

پانڈے......اس لئے کہ یہ ایک ٹاپ سیکرٹ مشن ہے اور اگر تم لوگ اس مشن میں کامیاب ہو جاتے ہو تو یہ ہماری بھارتی حکومت کی ایک بہت بڑی فتح ہوگی......ایسی فتح جو ایک ڈویژن فوج بھی ہمیں نہیں دلا سکتی۔"

بھوشن......ہم اس مشن کو کامیاب بنانے کی خاطر اپنی جان تک لڑا دیں گے۔"

پانڈے......اس مشن پر تمہیں اور کملا کو اکیلے ہی کراچی جانا ہوگا...... جیسا کہ

تمہیں پہلے بھی بتا دیا گیا تھا...... تم نے اپنے ساتھی کندن سے بات کر لی ہے۔

بھوشن......جی ہاں...... ہم نے اسے کہہ دیا ہے کہ اس مشن پر میں اور کملا اکیلے جائیں گے...... تم پیچھے سرداروں والے باغ کے مکان میں ہی رہو گے۔

آپ کو کندن کے بارے میں امرتسر ہیڈ کوارٹر سے فل رپورٹ مل گئی ہوگی۔

پانڈے......ہاں، رپورٹ کے ساتھ ہمیں اس کی تصویر بھی مل گئی ہے...... میں اس کی فوٹو دکھاتا ہوں یہ ہے ناں کندن کی فوٹو؟

بھوشن......جی ہاں...... یہ کندن کی ہی فوٹو ہے۔

پانڈے...... بس کندن یہاں تمہارے پنڈی والے مکان میں ہی رہے گا...... تم دونوں دو دن بعد کراچی چلے جاؤ گے...... وہاں کراچی کے ریلوے اسٹیشن پر سیوا جی تمہیں لینے آئے گا...... سیوا جی کو تم دونوں کے فوٹو پہنچا دیئے گئے ہیں...... وہ تمہیں پہچان لے گا اور تمہیں کہے گا...... السلام علیکم عبدالشکور بھائی...... یہ ہے سیوا جی کا فوٹو......اسے اچھی طرح سے دیکھ لو۔

بھوشن...... ٹھیک ہے...... شکل سے تجربہ کار لگتا ہے۔

پانڈے...... اسے "را" کے لئے کام کرتے دس سال ہو گئے ہیں...... تم لوگ اسے میاں جی کہہ کر بلاؤ گے۔

بھوشن...... سمجھ گئے۔

پانڈے...... اب اپنے مشن کے بارے میں سنو...... کراچی میں پیر جی نام کے ایک بہت مشہور مذہبی لیڈر رہتے ہیں...... وہ مسلمانوں کے ایک دینی فرقے کے لیڈر ہیں...... تمہیں پیر جی کو قتل کرنا ہے...... اگر تم انہیں قتل کر دو گے تو ان کے فرقے کے لوگ اس قتل کی ساری ذمے داری دوسرے مذہبی فرقے پر ڈال دیں گے، اس طرح مسلمانوں کے دو بہت بڑے مذہبی فرقوں میں جنگ شروع ہو جائے گی اور وہ ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور کراچی بلکہ پاکستان میں انتشار اور افراتفری

کی صورت حال پیدا ہو جائے گی اور یہی ہم چاہتے ہیں، مگر پیر جی کو قتل کرنا اتنا آسان نہیں ہے...... مسلح باڈی گارڈ ہر وقت ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

بھوشن...... وہ کس وقت اپنے گھر سے نکلتے ہیں...... کہاں کہاں جاتے ہیں اور ان کے باڈی گارڈز کی تعداد کتنی ہے۔

پانڈے...... یہ ساری باتیں تمہیں ہمارے کراچی میں مقیم آدمی سیوا جی سے معلوم ہو جائیں گی...... وہ اس بارے میں تمہیں پوری طرح سے گائیڈ کرے گا۔

بھوشن...... لیکن اس مشن میں کملا کا میرے ساتھ جانا مناسب نہیں رہے گا...... یہ میرا ذاتی خیال ہے۔

پانڈے...... کملا کو ہم اس لئے تمہارے ساتھ بھیج رہے ہیں کہ یہ تمہارے لئے راستہ صاف کرے گی۔"

بھوشن...... وہ کیسے؟

پانڈے...... وہ اسی طرح کہ پیر جی جمعرات کے روز بیماروں کے لئے اپنے بنگلے پر دعا بھی کراتے ہیں...... کملا اپنے بیمار بچے کی ماں بن کر پیر جی کے پاس دعا کرانے جائے گی اور اپنی کوشش اور عیاری سے پیر جی کے شیڈول کے بارے میں اندرونی معلومات حاصل کر کے تمہیں بتائے گی۔

بھوشن...... ایک بات یاد رکھو...... آج تک پاکستان میں مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان جتنے بھی فسادات ہوئے ہیں وہ ہم نے ہی کرائے ہیں، ورنہ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے فرقے کے مسلمان کو قتل کرنے یا اسے نقصان پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا، اس لئے یہ کام تمہیں بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا اور اس میں کامیاب ہونا ہوگا۔

بھوشن...... آپ فکر نہ کریں۔

پانڈے...... بس اب تم کراچی جانے کی تیاری شروع کر دو...... سیوا جی کو

تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا ہے...... کل کا دن چھوڑ کر تم پرسوں رات کی گاڑی سے کراچی روانہ ہو جاؤ گے۔

اس کے بعد خاموشی چھا گئی جس میں کاغذوں کی کھڑ بڑ کی آواز سنائی دی...... پھر پانڈے کی آواز اُبھری۔

پانڈے...... یہ کچھ رقم ہے...... اسے اپنے پاس رکھ لو...... باقی تمہیں کراچی میں جتنی رقم درکار ہو گی وہ سیوا جی سے مل جائے گی۔ یاد رکھنا...... کراچی کے سٹیشن پر سیوا جی تمہیں السلام علیکم عبدالشکور بھائی کہہ کر ملے گا اور تم اسے میاں جی کہہ کر بلاؤ گے۔

بھوشن...... یاد رہے گا۔

پانڈے...... اس مشن کے بارے میں ابھی کندن کو بھی کچھ نہ بتانا...... ہم اس سلسلے میں انتہائی رازداری سے کام لینا چاہتے ہیں۔

بھوشن...... آپ جیسا کہتے ہیں ہم ویسے ہی کریں گے۔

پانڈے...... اب تم لوگ واپس جاؤ گے...... پہلے تم یہاں سے نکلو گے...... میں تمہارے جانے کے بعد نکلوں گا۔

اس کے بعد ریکارڈنگ ٹیپ پر کوٹھڑی سے نکلنے اور ٹیکسی میں سوار ہونے اور ٹیکسی کے سٹارٹ ہونے وغیرہ کی آوازیں ریکارڈ ہوئی تھیں...... باس نے ٹیپ سٹاپ کر دی اور شیر خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شیر خان! ہمیں ان بھارتی دہشت گردوں کے ایک انتہائی خطرناک مشن کا راز معلوم ہو گیا ہے...... ہمیں ہر حالت میں پیر جی کو ان دہشت گردوں کے مذموم عزائم سے بچانا ہے...... میں تو کہتا ہوں کہ انہیں گرفتار کروا دینا چاہئے۔"

شیر خان نے کہا۔

"سر! اگر ہم نے انہیں گرفتار کر لیا جو ہم بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں تو ان کا کراچی والا گروہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا...... ہمیں ان کے ساتھ سیوا جی اور

سیواجی کے دوسرے بھارتی دہشت گرد ساتھیوں کو بھی پکڑنا ہوگا...... صرف بھوشن اور کملا کے گرفتار کرنے سے پیر جی کی زندگی محفوظ نہیں ہو جائے گی...... یہی کام ان کی گرفتاری کے بعد کراچی والے بھارتی دہشت گرد بھی کر سکتے ہیں۔"

"یہ تم نے ٹھیک کیا ہے۔" باس نے کہا...... "ٹھیک ہے تم ان لوگوں کے ساتھ جاؤ گے...... یہ لوگ پرسوں رات کی گاڑی سے کراچی جا رہے ہیں...... تم کوئی بھیس بدل کر اسی گاڑی میں ان کے ساتھ جاؤ گے اور ان پر نگاہ رکھو گے اور جب کراچی کے سٹیشن پر یہ لوگ اپنے آدمی سیواجی سے ملیں گے تو تم سیواجی کو شناخت کرنے کے بعد ان کا پیچھا کرو گے کہ یہ لوگ کراچی میں کہاں جاتے ہیں۔"

شیر خان نے کہا۔

"سر! میں کسی بھی بھیس میں ہوا یہ لوگ مجھے پہچان لیں گے...... اس طرح میں ان کے قریب نہیں جا سکوں گا، جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارا کوئی آدمی ان لوگوں کے قریب رہ کر ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا رہے۔"

باس بولا۔

"ٹھیک ہے، ہم رحمت خان کو تیار کر کے ان کے ساتھ اسی گاڑی میں روانہ کر دیں گے۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں مجاہد رحمت خان کو جانتا ہوں، مگر سر یہ بڑا نازک کام ہے...... کیا وہ یہ ذمے داری پوری طرح سے نبھا سکے گا؟"

باس نے کہا۔

"رحمت خان بھیس بدلنے کا ماہر ہے اور ہم اسے پیر جی کا چیلا بنا کر اس بھیس میں بھیجیں گے...... تم صرف اتنا کرو کہ رحمت خان کو دہشت گرد بھوشن اور کملا کی شکل دکھا دو...... باقی سارا کام رحمت خان خود کر لے گا...... باقی تم بھی اسی ٹرین میں کراچی

جاؤ گے مگر بھوشن کملا اور رحمت خان کو اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔"

شیر خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! آپ ایسا کریں کہ رحمت خان کو آج سورج غروب ہونے سے پہلے ہمارے مکان پر بھجوا دیں...... اسے کہیں کہ وہ ملازم رمضانی کا رشتے دار بن کر اس سے ملنے کے بہانے آئے گا...... میں اسے بھوشن اور کملا کی چہرہ شناسی کروا دوں گا۔"

باس نے کہا۔

"پرسوں رات کو کراچی جانے سے پہلے تم مجھ سے مل کر جانا۔"

"ٹھیک ہے سر!"

شیر خان مکان پر واپس آ گیا۔

بھوشن اور کملا مکان پر ہی تھے...... انہوں نے اکٹھے کھانا کھایا...... شیر خان نے بھوشن سے کہا

"بھوشن بھیا! کراچی کے ٹکٹ تمہیں کل ہی منگوا لینے چاہئیں...... وقت پر شاید ٹکٹ نہ ملیں...... بڑا رش ہوتا ہے۔"

بھوشن بولا...... "کندن بھیا! ٹکٹ کل اسی جگہ پہنچ جائیں گے۔"

شیر خان سمجھ گیا کہ بھارتی سفارت کار ان کے لئے ٹکٹ مہیا کرے گا......

تیسرے پہر شیر خان رمضانی کی کوٹھڑی میں گیا تو وہاں رحمت خان پہلے سے بیٹھا ہوا تھا...... شیر خان کے گلے لگ کر ملا اور بولا۔

"شیر بھائی! وہ بھارتی دہشت گرد کہاں ہیں؟"

شیر خان نے کہا۔

"تم اس کھڑکی کی اوٹ میں چھپ کر کھڑے ہو جاؤ...... میں انہیں لے کر اس طرف سے گزرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر شیر خان کوٹھڑی سے نکل آیا...... اس وقت بھوشن اور کملا کمرے کے

اندر بیٹھے باتیں کر رہے تھے...... شیر خان نے جاتے ہی کہا۔

"بھوشن بھیا! آج چائے باغیچے میں بیٹھ کر پینے کو جی چاہتا ہے۔"

کملا نے کہا۔

"کندن نے میرے دل کی بات کی ہے...... میں بھی اس کمرے میں بیٹھ بیٹھ کر تنگ آ گئی ہوں۔"

بھوشن بولا۔

"ہمیں ذرا احتیاط سے کام لینا چاہئے۔"

شیر خان بولا۔

"بھیا! یہاں اِرد گرد قریب کوئی مکان نہیں ہے...... ہمیں کوئی نہیں دیکھے گا اور دیکھ بھی لیا تو کیا ہے...... تم لوگ میرے مسلمان دوست بن کر یہاں رہ رہے ہو۔"

بھوشن اور کملا اٹھ کر شیر خان کے ساتھ باہر باغیچے میں آ گئے۔

شیر خان نے کہا۔

"ذرا چہل قدمی کرتے ہیں۔"

شیر خان بھوشن اور کملا کو اپنے ساتھ چلاتا ہوا رمضانی کی کوٹھڑی کے آگے سے گزر گیا...... رحمت خان نے دونوں یعنی بھوشن اور کملا کو نظر بھر کر دیکھ لیا تھا۔

جس رات کملا اور دہشت گرد بھوشن کو کراچی روانہ ہونا تھا اسی روز دن کے وقت شیر خان اپنی تنظیم کے باس کے ہاں پہنچ گیا...... وہاں اس نے باس کے پہلو میں ایک سبز لمبے کرتے...... سبز تہمد والے آدمی کو دیکھا جس نے سر پر سبز رنگ کا صافہ باندھ رکھا تھا اور ہاتھ میں لمبی تسبیح تھی...... پہلی نظر میں شیر خان نے اسے بالکل نہ پہچانا۔

باس نے کہا۔

"شیر خان! تم نے رحمت خان کو نہیں پہچانا؟"

تب شیر خان نے غور سے دیکھا...... وہ رحمت خان ہی تھا...... باس نے کہا۔

"یہ کراچی والے پیر جی کے چیلے کے روپ میں ہے، بس اب تم اس کا کام دیکھنا، لیکن تمہارا کام اس سے بھی زیادہ اہم ہے...... تمہیں بھوشن کملا اور کراچی کے بھارتی دہشت گرد سیوا جی کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا...... اگرچہ تم ان سے دُور دُور رہو گے، لیکن ان لوگوں کو اپنی نگاہ میں رکھو گے اور کراچی میں مرکزی دفتر کے عباسی صاحب کو بھی رپورٹ کر کے انہیں سارے حالات سے آگاہ کرو گے تاکہ وہ بھی پیر جی کی حفاظت کے لئے پورا انتظام کر لیں...... اس کے بعد اگر وہاں ان بھارتی دہشت گردوں کو گرفتار کروانے کی ضرورت پڑی تو عباسی صاحب خود ہی ایسا کر لیں گے۔"

رحمت خان کہنے لگا۔

"شیر بھائی! میں بھارتی دہشت گرد بھوشن اور کملا کے ڈبے میں ہی سفر کروں گا۔"

شیر خان نے کہا۔

"کل رات والی گاڑی میں ان کی سیکنڈ کلاس کی نشستیں ریزرو ہو چکی ہیں...... تمہیں بھی اسی ڈبے میں اپنی سیٹ ریزرو کروا لینی چاہئے۔"

رحمت خان نے ہنس کر کہا۔

"میری سیٹ اسی ڈبے میں ریزرو ہو چکی ہے...... یہ نیشنل سکیورٹی کا معاملہ ہے۔"

تم کون سے ڈبے میں ہو گے؟

شیر خان نے کہا۔

"میں بھی کسی نہ کسی ڈبے میں فقیر کے بھیس میں موجود ہوں گا۔"

باس نے کہا۔

"یہ تم اچھا کرو گے کہ فقیر کا بھیس بدل کر ان کے ساتھ جاؤ گے۔"

شیر خان بولا۔

"سر! اگر بھیس بدل کر نہ گیا تو یہ لوگ بڑے چالاک ہیں...... کہیں نہ کہیں ان کی مجھ پر نظر پڑ گئی تو فوراً سمجھ جائیں گے کہ دال میں کالا کالا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ

کراچی جانے کی بجائے راستے ہی سے واپس آجائیں یا کہیں غائب ہو جائیں۔"

اس کے بعد شیر خان باس سے اجازت لے کر واپس آگیا۔

دوسرا دن بھی گزر گیا...... کراچی جانے والی گاڑی پنڈی سے رات کے آٹھ بجے روانہ ہوتی تھی...... شیر خان ایک فقیر کے بھیس میں پلیٹ فارم پر موجود تھا...... وہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھا تھا اور گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں سے مسافر اندر آ رہے تھے...... اس نے دیکھا کہ بھوشن اور کملا آ رہے ہیں...... بھوشن نے شلوار قمیض اور واسکٹ پہن رکھی تھی...... ہاتھ میں چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا...... کملا نے کالا برقعہ اوڑھ رکھا تھا...... دونوں پلیٹ فارم پر آکر ایک بنچ پر بیٹھ گئے...... اس کے تھوڑی دیر بعد رحمت خان سبز لباس پہنے ہاتھ میں تسبیح لئے آتا دکھائی دیا...... شیر خان اپنی جگہ پر ایک آہنی ستون کی اوٹ میں بیٹھا رہا...... جب گاڑی آکر پلیٹ فارم پر رُکی تو شیر خان نے دیکھا کہ بھوشن اور کملا فسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ کی طرف بڑھے...... ان کے بعد رحمت خان بھی اسی ڈبے کی طرف بڑھا۔

جب یہ لوگ فسٹ کلاس کے ڈبے میں داخل ہو گئے تو شیر خان بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور دو ڈبے چھوڑ کر ایک ڈبے میں جا کر بیٹھ گیا...... کچھ دیر کے بعد ٹرین چل پڑی...... اب ہم شیر خان کو فقیر کے بھیس میں تھرڈ کلاس کے ڈبے میں چھوڑ کر فسٹ کلاس کے ڈبے میں آتے ہیں، جہاں بھوشن اور کملا کے علاوہ رحمت خان بھی سبز لباس میں ملبوس پیر جی کے مرید کے روپ میں اپنی سیٹ پر بیٹھا تسبیح پھیر رہا ہے...... یہ چار مسافروں کا کوپے تھا اور چوتھا مسافر ڈبے میں نہیں تھا...... صرف بھوشن کملا اور رحمت خان ہی تھے، جب ٹرین راولپنڈی شہر سے نکل آئی تو رحمت خان نے بھوشن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"بھائی صاحب! آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

بھوشن نے کہا۔

"جی ہم کراچی جا رہے ہیں...... میری بیگم کا بھائی بیمار ہے...... ہم اس کی خبر لینے جا رہے ہیں۔"

رحمت خان نے کہا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی...... ہمارا ساتھ رہے گا میں بھی کراچی جا رہا ہوں۔"

بھوشن نے کہا۔

"آپ ضرور کراچی کسی میلے میں شریک ہونے جا رہے ہوں گے۔"

رحمت خان نے ہنس کر کہا۔

"بھائی صاحب! ہمارے لئے ساری دُنیا ایک میلہ ہے...... ہم کراچی والے بڑے پیر جی کے مرید ہیں...... ہم ان کی خدمت میں حاضری دینے جا رہے ہیں۔"

اتنا سننا تھا کہ بھوشن کے کان کھڑے ہو گئے...... اس نے سوچا کہ اسے اس سبز پوش مرید سے پیر جی کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں...... اس نے تصدیق کرنے کی خاطر کہا۔

"یہ پیر جی تو بڑی مشہور دینی شخصیت ہیں۔"

رحمت خان بولا۔

"پیر جی کی شخصیت سے کون واقف نہیں...... ان کے لاکھوں مرید ہیں...... ان کی دعا میں خدا نے بڑی شفا دی ہوئی ہے۔"

بھوشن کو موقع مل گیا...... اس نے کہا۔

"شاہ جی! یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ کے نیاز حاصل ہو گئے...... میری بیگم کا بھائی ایک عرصے سے بیمار ہے...... بڑے علاج کروائے کوئی آفاقہ نہیں ہوا...... اب ہمارا خیال ہے کہ ہم کراچی میں پیر جی کے آستانے پر حاضر ہو کر ان سے دعا کروائیں گے...... خدا ان کی دعا قبول فرما کر میری بیگم کے بھائی کو ضرور شفا عطاء فرمائے گا۔"

ادھر رحمت خان کو بھی ان دہشت گردوں کے زیادہ سے زیادہ قریب رہ کر ان کی سرگرمیوں اور نقل و حرکت سے آگاہ رہنے کا موقع میسر آ رہا تھا...... اس نے کہا۔

"پیر جی مجھ سے بڑی شفقت کرتے ہیں...... وہ مجھے اپنا خاص مرید سمجھتے ہیں...... میں خود آپ کو ان کی خدمت میں لے چلوں گا۔"

"واہ واہ!" بھوشن بے اختیار بولا۔ "شاہ جی آپ نے تو ہمارا کام آسان کر دیا ہے...... ہم آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولیں گے۔"

رحمت خان نے کہا۔

"احسان کیسا بھائی صاحب! یہ تو خلق خدا کی خدمت ہے...... خلق خدا کی خدمت ہی سے انسان کو انسانیت کا رُتبہ ملتا ہے۔"

ٹرین چلتی رہی اور رحمت خان اور بھوشن کی باتیں بھی جاری رہیں...... کراچی پہنچتے پہنچتے ان دونوں میں ایک طرح کی دوستی ہو گئی تھی...... کراچی گاڑی رکی تو پروگرام کے مطابق کراچی والا بھارتی دہشت گرد سیوا جی بھوشن اور کملا کو لینے آیا ہوا تھا...... اس نے ان دونوں کے فوٹو دیکھ رکھے تھے...... مصلحتاً کملا نے نقاب اُلٹ رکھا تھا...... فسٹ کلاس کے ڈبے سے رحمت خان بھوشن اور کملا ایک ساتھ اترے...... بھوشن نے ایک شلوار قمیض والے آدمی کو مسکراتے ہوئے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو فوراً پہچان گیا کہ یہی سیوا جی ہے...... سیوا جی نے بھی بھوشن اور کملا کو پہچان لیا تھا۔

سیوا جی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"عبدالشکور السلام علیکم۔"

بھوشن نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"میاں جی آپ کیسے ہیں۔"

دونوں دہشت گردوں نے ایک دوسرے کی شناخت کر لی تھی...... بھوشن نے سیوا جی سے کہا۔

"میاں جی! یہ عبداللہ صاحب ہیں...... کراچی والے بڑے پیر جی کے خاص مرید ہیں۔"

سیوا جی کے کان کھڑے ہو گئے...... کراچی والے پیر جی ان دہشت گردوں کا ٹارگٹ تھے...... سیوا جی سمجھ گیا کہ یہ سبز پوش ان کے بڑے کام آ سکتا ہے اور اس کے ذریعے انہیں پیر جی کے بارے میں ان کے آنے جانے کے شیڈول اور باڈی گارڈ کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں...... وہ بھی سمجھ گیا کہ بھوشن نے اسی وجہ سے پیر جی کے اس خاص مرید سے دوستی گانٹھ لی ہے، بھوشن نے رحمت خان سے کہا۔

"شاہ جی! یہ میرے بھائی عبدالشکور ہیں، انہیں بھی آپ کے پیر جی سے بڑی عقیدت ہے۔"

سیوا جی نے آگے بڑھ کر بڑی عقیدت کے ساتھ رحمت خان کے دونوں ہاتھ چومے اور کہا۔

"یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپ کے نیاز حاصل ہو گئے۔"

یہ سارا ڈرامہ شیر خان فقیر کے بھیس میں پلیٹ فارم سے کچھ فاصلے پر کھڑا دیکھ رہا تھا...... وہ سمجھ گیا تھا کہ رحمت خان اپنا کام بڑی ذمے داری اور خوش اسلوبی سے کر رہا ہے...... پلیٹ فارم پر ہی کھڑے یہ لوگ باتیں کرنے لگے...... بھوشن نے رحمت خان سے کہا۔

"شاہ جی! آپ بڑے پیر جی سے سفارش کر کے میری بیگم کے بھائی کے حق میں دعا کروا دیجئے...... آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔"

کملا نے کہا۔

"شاہ جی! میں آپ کا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں ں۔"

رحمت خان خود ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اپنی نظروں میں رکھنا چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

"بی بی! احسان کی کوئی بات نہیں ہے...... آپ ایسا کریں کہ کل میرے پاس آجائیں...... میں آپ کو لے کر پیر جی کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

بھوشن نے پوچھا۔

"آپ یہاں کس جگہ قیام کریں گے؟"

رحمت خان نے کہا۔

"مسلم ہوٹل صدر میں ہے...... میں ہمیشہ وہیں ٹھہرتا ہوں۔"

"ہم کل کس وقت آئیں شاہ جی؟" کملا نے پوچھا۔

رحمت خان نے پہلے سے سب کچھ سوچ رکھا تھا، کہنے لگا۔

"شام چار بجے آجائیں۔"

اس کے بعد بھوشن، کملا اور سیوا جی چلے گئے...... رحمت خان دوسری طرف نکل گیا...... شیر خان فقیر کے بھیس میں اس کے پیچھے پیچھے گیا...... سٹیشن سے باہر ایک جگہ دونوں مل گئے...... شیر خان نے پوچھا۔

"کیا باتیں ہوئی ہیں؟"

رحمت خان نے کہا۔

"سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے...... کل چار بجے وہ میرے پاس آرہے ہیں...... میں خود انہیں لے کر پیر جی کے پاس جاؤں گا اور ان لوگوں کے منصوبے کا مزید سراغ لگانے کی کوشش کروں گا، چلو...... اب اپنے ٹھکانے پر چلتے ہیں۔"

وہ ایک رکشے میں بیٹھ کر کراچی میں اپنے خاص ٹھکانے پر آگئے...... رحمت خان کہنے لگا۔

"شیر خان! تمہارا کیا خیال ہے، ہمیں پیر جی کو ساری بات بتا دینی چاہئے یا نہیں؟"

شیر خان بولا۔

"اگر دہشت گرد ہماری نگاہوں میں نہ ہوتے تو پھر پیر جی کو خبردار کرنے کی

واقعی ضرورت تھی، لیکن اب وہ لوگ جنہوں نے پیر جی پر حملہ کرنا ہے ہماری پہنچ میں ہیں اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ممکن ہے اگر ہم نے انہیں بتا دیا تو ہو سکتا ہے وہ اپنے کسی باڈی گارڈ سے یہ بات کر دیں اور دہشت گرد غائب ہو جائیں اور کسی دوسری جگہ سے ان پر حملہ کر دیں جس کے بارے میں ہمیں بھی کچھ معلوم نہ ہو سکے۔"

رحمت خان نے صدر کے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا...... شیر خان فقیر کے حلیئے میں ہی اپنے کراچی کے ٹھکانے پر رہا...... دوسرے روز چار بجے بھوشن اور کملا رحمت خان کے ہوٹل میں آگئے...... رحمت خان پہلے سے ان کے انتظار میں تھا وہ انہیں وہاں سے سیدھا پیر جی کی رہائش گاہ پر لے گیا اور ان سے کملا کے فرضی بیمار بھائی کی صحت یابی کے لئے دعا کرائی...... اس کے بعد رحمت خان نے بھوشن سے پوچھا۔

بھائی جی آپ کے ماموں عبدالشکور کیوں نہیں آئے۔

بھوشن بولا۔

"انہیں ایک ضروری کام پڑ گیا تھا کہنے لگے...... میں پھر کسی روز پیر جی کے نیاز حاصل کرنے جاؤں گا۔"

رحمت خان نے کہا۔

"آپ لوگوں کا قیام یہاں کس جگہ پر ہے؟"

بھوشن نے یونہی کہہ دیا۔

"ہم اپنے ماموں عبدالشکور کے کوارٹر میں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"عبدالشکور بھائی کہاں رہتے ہیں؟" رحمت خان نے پوچھا، بھوشن نے یونہی بتا دیا۔

"کلفٹن کے پیچھے جو نئی عمارتیں بنی ہیں ان کے پاس ہی ہیں یہ کوارٹر۔"

"چلئے میں آپ کو وہاں چھوڑ آتا ہوں۔" رحمت خان نے کہا۔

کملا کہنے لگی۔

"شکریہ بھائی جان! اصل میں مجھے ابھی اپنی ایک سہیلی سے ملنے جانا ہے۔"

"یہ آپ کے بیمار بھائی کہاں پر رہتے ہیں؟"

رحمت خان کے اس سوال پر کملا نے کہا۔

"وہ بھی میرے ماموں جان کے پاس ہی رہ رہے ہیں...... علاج کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں، ٹھیک ہونے کے بعد پنڈی ہمارے پاس واپس آجائیں گے۔"

اتنا کہہ کر کملا اور بھوشن نے رحمت خان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے اجازت لی اور ٹیکسی میں سوار ہو کر ایک طرف کو روانہ ہو گئے...... رحمت خان نے ایک رکشا لے لیا اور اسے ٹیکسی کا پیچھا کرنے کو کہا...... رکشا ٹیکسی کے پیچھے لگ گیا...... رحمت خان نے ڈرائیور سے کہا۔

"اتنا فاصلہ ضرور رکھو کہ ٹیکسی والوں کو شک نہ ہو کہ ہم ان کا پیچھا کر رہے ہیں، لیکن ٹیکسی کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دینا۔"

آگے آگے ٹیکسی اور پیچھے پیچھے رکشا...... کراچی کی سڑکوں پر دوڑتے رہے...... بھوشن آخر ایک تجربہ کار جاسوس اور بھارتی دہشت گرد تھا...... اس نے دیکھ لیا کہ ایک رکشا بڑی دیر سے ان کے پیچھے آرہا ہے...... اس نے کملا کو سرگوشی میں یہ بات بتائی تو کملا نے پیچھے مڑ کر شیشے میں سے دیکھا...... کچھ فاصلے پر رحمت خان کا رکشا چلا آرہا تھا...... اس نے کہا۔

"شاید ہمارا پیچھا کیا جارہا ہے...... یہ ضرور کراچی کی سی آئی ڈی ہوگی۔"

بھوشن بولا۔

"میں ابھی ان سے پیچھا چھڑاتا ہوں۔"

بھوشن کراچی شہر سے واقف تھا...... اس نے ٹیکسی والے کو ایک خاص علاقے کی طرف جانے کے لئے کہا...... یہ علاقہ شہر کا وہ علاقہ تھا جہاں بڑی مارکیٹیں اور شاپنگ سنٹر تھے...... ایک مارکیٹ کے باہر یہ لوگ ٹیکسی سے اتر کر مارکیٹ میں داخل ہو گئے...... یہ مارکیٹ دوسری مارکیٹ میں نکل گئی تھی...... وہاں سے بھوشن کملا کو

ساتھ لے کر ایک شاپنگ پلازہ میں داخل ہو گیا...... اس شاپنگ پلازہ کا دوسرا دروازہ دوسری مارکیٹ کے اندر نکل گیا تھا۔

وہاں سے وہ ایک تنگ گلی میں آگئے اور انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... ان کے پیچھے کوئی نہیں تھا...... انہوں نے ایک رکشا پکڑا اور سیدھا اپنے خفیہ ٹھکانے پر آگئے جہاں سیوا جی موجود تھے...... سیوا جی نے پوچھا۔

"تم لوگوں نے بڑی دیر کر دی۔"

کملا نے کہا۔

"خفیہ پولیس ہمارا پیچھا کر رہی تھی۔"

"پھر؟" سیوا جی نے پوچھا۔

"پھر کیا۔" بھوشن بولا...... "خفیہ پولیس کو چکمہ دے کر ہم نکل گئے۔"

"تمہیں یقین ہے بھوشن کہ تمہارے پیچھے یہاں تک کوئی نہیں آیا ہوگا؟" سیوا جی نے پوچھا۔

بھوشن نے کہا۔

"میں کچی گولیاں نہیں کھیلا...... یقین کرو کہ کسی کو ہماری خفیہ جگہ کا علم نہیں ہو سکا۔"

سیوا جی نے پوچھا۔

"اب یہ بتاؤ کہ پیر جی سے تمہاری ملاقات ہوئی۔"

"ہاں ہوئی" بھوشن نے کہا۔

سیوا جی نے سوال کیا۔

"ان کے باڈی گارڈز اور ان کے باہر آنے جانے اور سکیورٹی کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم ہوئی؟"

بھوشن بولا۔

"جہاں ہم بیٹھے تھے وہاں تو پیر جی کے چار باڈی گارڈ کمرے کے باہر پہرہ دے رہے تھے...... ایک باڈی گارڈ جہاں وہ بیٹھے تھے وہاں ان کے پیچھے گن لے کر کھڑا تھا۔"

سیواجی کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم پیر جی پر ان کی بیٹھک میں حملہ نہیں کر سکتے۔"

کملا نے کہا۔

"وہاں حملہ کرنے کی صورت میں ہمارا وہاں سے بچ کر نکلنا مشکل ہو جائے گا اور ہمارے پکڑے جانے کا خطرہ موجود ہو گا۔"

بھوشن نے کہا۔

"ہمیں ان پر اسی وقت گولیوں کی بوچھاڑیں برسانی چاہئیں جب وہ اپنی کوٹھی سے نکل کر کسی کھلی جگہ پر سے گزر رہے ہوں یا سڑک کا موڑ کاٹ رہے ہوں۔"

کملا نے کہا۔

"ان کے باڈی گارڈ کا کیا بنے گا؟"

سیواجی بولا۔

"ہمارا ایک آدمی صرف باڈی گارڈز پر برسٹ فائر کرے گا...... باقی ہم دونوں پیر جی کی گاڑی کو نشانہ بنائیں گے۔"

بھوشن نے کہا۔

"ہمیں دستی بم بھی استعمال کرنے ہوں گے...... شاٹ گنوں کا نشانہ چوک سکتا ہے۔"

سیواجی کہنے لگا۔

"ہمارا ایک ساتھی دستی بم پھینکے گا تم فکر نہ کرو...... پیر جی ہمارے ہاتھ سے بچ نہیں سکیں گے۔" یہ بتاؤ کہ کیا تم لوگ اب پیر جی کے سبز پوش مرید سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

بھوشن نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس کی اب ضرورت نہیں ہے، اس شخص کے ذریعے ہمیں کوئی خاص معلومات حاصل نہیں ہو سکیں گی۔"

ہم اپنے طور پر معلوم کر لیں گے کہ پیر جی کس وقت نکلتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں...... یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہے۔"

دوسری طرف شیر خان اور رحمت خان بھی غافل نہیں بیٹھے تھے...... انہوں نے اپنے تین چار آدمیوں کو پیر جی کی رہائش کے آس پاس دُور دُور تک پھیلا دیا تھا اور انہیں ہدایت کر دی تھی کہ جہاں انہیں کسی رکشا، موٹر یا موٹر سائیکل پر کوئی مشکوک لوگ نظر آئیں وہ فوراً انہیں موبائل پر خبر کر دیں...... رحمت خان اور شیر خان نے خود بھی پیر جی کی رہائش گاہ کی نگرانی شروع کر دی تھی...... رحمت خان نے اپنا سبز لباس اتار کر لمبی داڑھی لگا کر اپنا حلیہ فقیروں والا بنا لیا تھا...... شیر خان پہلے ہی فقیروں کے بھیس میں تھا۔

انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ بھوشن اور کملا انہیں اس روز چکمہ دینے میں کامیاب ہو گئے تھے اور وہ ان کے خفیہ ٹھکانے کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔

دوسری طرف سیواجی اور بھوشن کے آدمیوں نے بھی پتہ کر لیا تھا کہ پیر جی کس وقت گھر سے نکلتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں...... آخر انہوں نے ایک دن حملہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا...... اس روز کراچی کے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے...... شیر خان نے یہ عقلمندی کی کہ ایک دن پہلے کراچی کے پولیس چیف کو سارے حالات سے آگاہ کر دیا اور انہیں بتا دیا کہ بھارت سے دہشت گردوں کی ایک پارٹی شہر میں داخل ہو چکی ہے اور وہ کسی بھی روز پیر جی پر قاتلانہ حملہ کر سکتی ہے، چنانچہ کراچی پولیس چیف نے خفیہ پولیس کے علاوہ مسلح پولیس کو بھی خفیہ جگہوں پر تعینات کر دیا تھا...... جس روز بھوشن سیواجی کے آدمیوں نے پیر جی پر حملہ کرنا تھا اس روز بھی پولیس کی

جانب سے سیکورٹی کا پورا انتظام کر دیا گیا تھا...... شیر خان اور رحمت خان بھی اسلحہ لئے موجود تھے...... شیر خان نے پولیس چیف کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ سارے دہشت گردوں کو ہلاک نہ کیا جائے...... کم از کم ایک دہشت گرد کو زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس سے ان کے خفیہ ٹھکانے اور پاکستان میں موجود دوسرے دہشت گردوں کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔

پیر جی کی گاڑی دن کے دس بجے ان کی رہائش گاہ سے نکلی...... باڈی گارڈز کی ایک گاڑی ان کے آگے اور ایک گاڑی ان کے پیچھے تھی...... پیر جی کی گاڑی درمیان میں تھی...... کمانڈو شیر خان اور رحمت خان ایک عام سی جیپ میں تھے...... انہوں نے بھی اپنی جیپ پیر جی کی گاڑی کے ساتھ تھوڑا فاصلہ رکھ کر لگا دی...... اسی دوران شیر خان کو ان کے ایک آدمی نے موبائل پر اطلاع دی۔

"سر! فوارے والے چوک کے قریب ایک جیپ اور ایک موٹر سائیکل دیکھی گئی ہے جن پر کچھ مشکوک لوگ سوار تھے۔"

شیر خان نے کہا۔

"تم لوگ فوارے والے چوک کا مُحاصرہ کئے رہو...... ہم بھی پہنچ رہے ہیں۔"

سفید لباس میں ملبوس پولیس کی دو گاڑیاں بھی پیر جی کی گاڑیوں کے دائیں بائیں ساتھ ساتھ جا رہی تھیں...... انہیں موبائل پر شیر خان نے خبر کر دی کہ فوارے والے چوک میں خطرہ ہے...... پولیس الرٹ ہو گئی...... شیر خان نے رحمت سے کہا۔

"مجھے ڈر ہے پولیس کے کسی سپاہی سے کوئی غلطی نہ ہو جائے...... اگر کسی سپاہی نے پہلے کوئی فائر کر دیا تو دہشت گرد فرار ہو جائیں گے۔"

رحمت خان بولا۔

"اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

یہ قافلہ جب فوارے والے چوک میں پہنچا تو شیر خان نے اپنی جیب پیر جی کی

گاڑی کے پہلو میں کر دی، مگر ایک خاص فاصلہ رکھا تاکہ باڈی گارڈز کو بھی شک نہ پڑے، جس وقت باڈی گارڈ کی اگلی جیپ چوک کا موڑ گھوم رہی تھی تو ایک زوردار دھماکہ ہوا اور باڈی گارڈ کی جیپ اُچھل کر الٹ گئی...... اس کے ساتھ ہی فائرنگ شروع ہو گئی...... شیر خان اور رحمت خان نے بھی جیپ میں سے ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے پیر جی کی گاڑی کی طرف دیکھا...... اتنے میں ایک اور دھماکہ ہوا...... یہ دوسرا دستی بم پیر جی کی گاڑی پر پھینکا گیا تھا جو خوش قسمتی سے گاڑی گزر گئی تو پیچھے گرا اور باڈی گارڈز کی پچھلی گاڑی بھی اُلٹ گئی۔

اسی دوران پولیس اندھا دھند فائرنگ کرنے لگی۔ شیر خان نے دیکھا کہ بھوشن اور سیواجی دو آدمیوں کے ساتھ جیپ میں سے نکل کر شاٹ گن کی فائرنگ کر رہا تھا...... اس کا رُخ پیر جی کی گاڑی کی طرف تھا، لیکن اس اثنا میں پیر جی کا ڈرائیور حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے گاڑی کو نکال کر ایک طرف کو لے گیا تھا...... پولیس اور خفیہ پولیس والوں نے بھی بھوشن اور سیواجی کو فائرنگ کرتے دیکھ لیا تھا...... انہوں نے ان دونوں پر فائر کھول دیا...... شیر خان نے سیواجی کو گرتے اور بھوشن کو بھاگتے دیکھا......

بھوشن بھاگتے بھاگتے رکا اور برستی گولیوں میں اس نے وہ کام کر دکھایا جو ایسے موقعوں پر دہشت گرد کیا کرتے ہیں...... اس نے سیواجی کو شدید زخمی ہو کر گرتے سیواجی پر شاٹ گن کا ایک برسٹ فائر کیا...... اور جیپ کے پیچھے ایک موٹر سائیکل پر آ کر بیٹھ گیا، جس پر پہلے سے ایک دہشت گرد اسے سٹارٹ کئے ہوئے تھا...... جیسے ہی بھوشن موٹر سائیکل پر بیٹھا موٹر سائیکل وہاں پر کھڑی ٹریفک کے ہجوم میں غائب ہو گئی۔

پولیس نے دونوں کو فرار ہوتے دیکھ لیا تھا...... ان پر پیچھے سے فائر کیا گیا، مگر خطرہ تھا کہ ہجوم جمع ہو گیا ہے...... کسی دوسرے کو گولی نہ لگ جائے، چنانچہ پولیس نے موبائل پر گشتی پولیس کو خبر کر دی اور اپنی جیپ بھی بھوشن کے موٹر سائیکل کے پیچھے لگا دی، مگر موٹر سائیکل اس دوران ٹریفک سگنل کاٹتی ہوئی دوسری گاڑیوں کے

درمیان سے نکل کر پولیس کی نظروں سے اوجھل ہونے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

شیر خان اور رحمت خان کی جیپ بھی پولیس کی گاڑی کے ساتھ تھی، مگر دہشت گرد غائب ہو چکے تھے...... شیر خان اور رحمت خان فوراً واپس فوارے والے چوک میں آگئے...... معلوم ہوا کہ پیر جی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور ایک دہشت گرد مار دیا گیا ہے...... شیر خان اور رحمت خان کو معلوم تھا کہ یہ سیوا جی کی لاش ہے اور اسے پولیس نے نہیں بلکہ اس کے ساتھی بھوشن نے برسٹ مار کر ہلاک کیا ہے تاکہ زخمی سیوا جی پوچھ گچھ کے دوران ٹارچر سے گھبرا کر باقی ساتھیوں اور ان کے خفیہ ٹھکانے کے بارے میں نہ بتادے۔

شیر خان کو معلوم تھا کہ بھارتی دہشت گردوں کا قاتلانہ مذموم منصوبہ ناکام بنادیا گیا ہے اور اب بھوشن فوراً پنڈی واپس جاکر بھارتی سفارت کار سے رابطہ پیدا کرے گا اور منصوبے کی ناکامی کی رپورٹ دے گا اور اس سے مزید ہدایت لے گا کہ اب انہیں کیا کرنا ہوگا...... اس نے رحمت خان سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ بھوشن وغیرہ اب کراچی میں نہیں ٹھہریں گے...... اس لئے ہمیں ان کے پنڈی پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہئے۔"

چنانچہ اسی روز انہوں نے شام کی فلائٹ پکڑی اور پنڈی پہنچ گئے...... پنڈی پہنچنے کے بعد انہوں نے تنظیم کے باس کو رپورٹ کی اور سارے حالات بتائے۔ باس نے کہا۔

"شیر خان! تم فوراً سرداروں والے مکان میں پہنچو...... وہاں بھارتی دہشت گرد گوپی اور کالیا تمہارے بارے میں ضرور سوچ رہے ہوں گے کہ تم اتنا وقت کہاں رہے ہو...... انہیں تم پر شک پڑ گیا تو ہمارے ہاتھ سے دہشت گردوں کی پارٹی کے باقی ماندہ لوگ بھی نکل جائیں گے، ابھی یہ امید تو ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو گرفتار کر کے ہم ان سے ان کے باقی لوگوں اور دوسرے شہروں میں ان کے خفیہ ٹھکانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

شیر خان اسی وقت سرداروں والے باغ کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا......
رات ہو چکی تھی...... کالیا اور گوپی مکان پر ہی تھے...... انہوں نے شیر خان کو حیرانی سے دیکھا...... کالیا نے پوچھا۔

"کندن! تم کہاں چلے گئے تھے؟"

شیر خان نے کہا۔

"تمہیں کچھ خبر نہیں ہے کہ مجھے یہاں تمہاری حفاظت کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑ رہا...... بھوشن اور کملا کو ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ کرنے کے بعد جب میں یہاں سے اپنے دوست جو اس مکان کا مالک ہے اس کے پاس گیا تو مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے...... میں چوکس ہو گیا، لیکن جو آدمی میرے پیچھے لگا تھا اس نے مجھے ایک جگہ روک لیا اور پوچھا کہ میں کون ہوں اور کہاں رہتا ہوں، کہاں جا رہا ہوں۔

دہشت گرد گوپی نے پریشان سا ہو کر پوچھا۔

"پھر تم نے کیا کہا، کندن؟"

شیر خان نے ہنس کر کہا۔

"گوپی! میں پانچ سال سے یہاں مسلمان بن کر رہ رہا ہوں...... یہاں میرے جاننے والے لوگ بھی ہیں...... میں نے کہا کہ میرا نام حاجی عبداللہ ہے...... لاہور میں میرا چائے کا ہوٹل ہے اور یہاں میں اپنے دوستوں سے ملاقات کرنے آیا ہوں...... پھر میں اسی آدمی جو خفیہ پولیس کا اہلکار تھا، کو اپنے پنڈی کے ایک دوست کے پاس لے گیا...... اس نے کہا کہ حاجی صاحب میرے دوست ہیں اور یہ مجھ سے ملنے لاہور سے آئے ہوئے ہیں...... آپ کو مغالطہ ہوا ہے، چنانچہ خفیہ پولیس والا معذرت کرنے لگا اور پھر چلا گیا۔"

کالیا بولا۔

"بڑا اچھا ہوا...... کندن اگر تم ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہمارے لئے یہاں مشکل

پیدا ہو سکتی تھی...... اسی انڈین ایمبیسی کے آدمی نے تو ہمارے رہنے کے لئے کچھ نہیں کرنا تھا...... انہیں خود اپنی فکر پڑی رہتی ہے کہ اگر کسی نے انہیں دیکھ لیا تو ان کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر اس ملک سے نکالا جا سکتا ہے۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"کراچی سے بھوشن کملا کی کوئی خبر آئی کہ نہیں؟"

گوپی کہنے لگا۔

"ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے، یہ تو بھارتی سفارت کار کے ذریعے ہی کچھ پتہ چل سکتا ہے کہ ہماری پارٹی اپنے مشن میں کامیاب ہوئی ہے یا نہیں، لیکن بھارتی سفارت کار ہم سے یہاں آ کر ملنے کا کبھی خطرہ مول نہیں لے گا...... بھوشن کے سوا ہم میں سے کسی کو از خود بھارتی سفارت کار سے رابطہ پیدا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"

شیر خان بولا۔

"ریڈیو پر خبریں سنیں گے، رات کی...... اگر کچھ ہوا ہو گا تو ضرور ریڈیو پر خبر آ جائے گی۔"

اس مکان میں ٹی وی نہیں تھا، مگر ٹرانسسٹر ریڈیو موجود تھا...... انہوں نے رات نو بجے کا خبر نامہ سننے کے لئے ریڈیو آن کر دیا...... ریڈیو پر یہ خبر نشر کی گئی کہ آج دن کے وقت کراچی میں ایک دینی فرقے کے سربراہ پر دہشت گردوں نے قاتلانہ حملہ کیا جسے باڈی گارڈز نے ناکام بنا دیا...... ایک دہشت گرد ہلاک ہو گیا، جبکہ دو باڈی گارڈ شدید زخمی ہو گئے...... دو دہشت گرد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے...... کراچی پولیس نے سارے شہر کی ناکہ بندی کر رکھی ہے...... توقع ہے کہ یہ بھارتی دہشت گرد بہت جلد پکڑ لئے جائیں گے...... کالیا اور گوپی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

شیر خان نے کہا یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔

گوپی پریشان ہو کر بولا۔

"ہے بھگوان! کہیں بھوشن نہ مارا گیا ہو۔"

کالیا بھی پریشان ہو گیا تھا...... کہنے لگا۔

"یہ کیسے پتہ چلے کہ بھوشن زندہ ہے یا نہیں...... کملا تو زندہ ہو گی اگر پکڑی جاتی یا ماری جاتی تو ریڈیو پر ضرور خبر آتی۔"

شیر خان بولا۔

"شاید کملا اور بھوشن میں سے کوئی یہاں آ جائے۔"

گوپی نے کہا۔

"اگر بھوشن زندہ بھی ہوا تو ابھی اس طرف کا رُخ نہیں کرے گا...... وہ جانتا ہے کہ پولیس مقابلے کے بعد سی آئی ڈی والے شہر میں چاروں طرف پھیل گئے ہوں گے اور وہ پکڑا جا سکتا ہے۔"

"پھر کیا کریں؟" کالیا بولا۔

شیر خان نے کہا۔

"شاید وہ بھارتی سفارت خانے سے رابطہ پیدا کرے۔"

"نہیں۔" گوپی بولا...... "اس کی ہمیں اجازت نہیں ہے...... خاص طور پر جب پولیس ہمارے کسی آدمی کو پکڑ لے یا ہلاک کر دے اور پھر سفارت خانے والے ہمیں اپنا کوئی خفیہ نمبر بھی نہیں دیتے۔"

"تو پھر میں خود کراچی جا کر پتہ کرتا ہوں کہ اصل صورت حال کیا ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

کالیا کہنے لگا۔

"تمہارے کراچی جانے کے بعد ہمارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہو گا...... کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

شیر خان چاہتا تھا کہ یہ لوگ اسی مکان میں رہیں، وہ انہیں اپنی پہنچ سے دُور نہیں

کرنا چاہتا تھا، اس نے کہا۔

"کالی بھیا! تم لوگوں کو یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے..... ہمارا کوئی آدمی پولیس نے زندہ نہیں پکڑا کہ جس سے ہمیں یہ ڈر ہو کہ وہ یہاں کا پتہ بتادے گا اور پھر پنڈی میں اس سے محفوظ جگہ تم لوگوں کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

گوپی نے پوچھا۔

"تم کب تک کراچی سے واپس آجاؤ گے؟"

شیر خان بولا۔

"کم از کم اسی وقت تک تو مجھے کراچی میں ہی رہنا پڑے گا جب تک بھوشن اور کملا کا سراغ نہیں ملتا، لیکن تم فکر نہ کرو کراچی میں کچھ لوگ مجھے بطور حاجی عبداللہ کے جانتے ہیں..... میں جلدی پتہ لگالوں گا..... اگر مجھے دیر ہو گئی تو میں اس مکان کے پتے پر تار دے دوں گا کہ کراچی میں مال ابھی تک نہیں مل سکا..... میں پنڈی واپس آرہا ہوں۔" لیکن اس دوران تم لوگ اسی مکان میں ہی رہنا..... میں اپنے دوست سے کہتا جاؤں گا کہ ایک ضروری کام سے کراچی جارہا ہوں..... وہ تمہارا خیال رکھے گا۔"

کراچی میں اپنے مشن کی ناکامی اور پولیس کے ہاتھوں مقابلے میں اپنے ایک دہشت گرد کے مارے جانے کی وجہ سے کالی اور گوپی پریشان ہو گئے تھے، لیکن تجربہ کار دہشت گرد تھے..... انہوں نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور شیر خان ان سے اجازت لے کر کراچی روانہ ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

شیر خان اسی روز ہوائی جہاز میں سوار ہو کر کراچی پہنچ گیا۔

کراچی جاتے ہی وہ رحمت علی اور اپنے دوسرے آدمیوں سے ملا..... رحمت علی نے کہا۔

"پولیس نے چاروں طرف سے شہر کی ناکہ بندی کر رکھی ہے..... سیوا جی تو مارا گیا ہے..... بھوشن اور کملا روپوش ہیں۔"

شیر خان نے رحمت علی اور اپنی تنظیم کے دوسرے آدمیوں کو بتایا کہ کالی اور گوپی ابھی تک پنڈی والے مکان میں ہی ہیں..... رحمت علی نے کہا۔

"یہ دونوں دہشت گرد تو ایک طرح سے ہماری تحویل میں ہی ہیں..... ہم انہیں جس وقت چاہیں گرفتار کر سکتے ہیں، لیکن اپنے طور پر کراچی میں بھارتی دہشت گردوں کے خفیہ اڈے کا پتہ چلانا بہت ضروری ہے..... یہ کوئی پورا گینگ ہے جو یہاں تخریبی کارروائیاں کر رہا ہے..... کسی ایک کے پکڑے جانے سے یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ہمیں باقی گینگ کا بھی سراغ مل جائے گا..... یہ لوگ "را" کے تربیت یافتہ ہیں..... سخت سے سخت اذیت برداشت کر جاتے ہیں مگر زبان نہیں کھولتے۔"

ایک دوسرے ساتھی نے کہا۔

"ان حالات میں ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ کمانڈو شیر خان نے خود مشتبہ اور مشکوک علاقوں خاص طور پر جس طرف ہندوؤں کے دو ایک مندر ہیں اس طرف

کے چکر لگائے...... بھوشن وغیرہ شیر خان کو اپنا آدمی کندن سمجھتے ہیں...... اگر ان میں سے کوئی وہاں پر موجود ہوا تو وہ از خود شیر خان سے رابطہ پیدا کرے گا۔"

چنانچہ اسی منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

شیر خان کو اب بھیس بدلنے کی ضرورت نہیں تھی...... وہ اپنی اصلی شکل میں ایسے علاقوں میں چکر لگانے لگا جہاں اس کو شبہ تھا کہ بھوشن اور اس کے ساتھی چھپے ہوئے ہوں گے...... یہ اندھیرے میں تیر چلانے والی بات ہی تھی، دو دن گزر گئے...... بھوشن اور اس کے ساتھیوں کا کوئی سراغ نہ مل سکا...... تیسرے دن شیر خان نے کالی اور گوپی کو پنڈی میں حاجی عبداللہ کے نام سے تار دے دیا کہ مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں شاید کراچی مزید ایک ہفتہ لگ جائے...... تم لوگ فکر نہ کرنا...... ایک دن شیر خان شہر کے مضافات میں ایک ایسی بستی میں آ گیا جہاں والمیکیوں کا ایک چھوٹا سا مندر تھا...... شیر خان اسی مندر کی ڈیوڑھی کے قریب ایک جگہ اس طرح بیٹھ گیا جیسے چلتے چلتے تھک گیا ہو۔

وہ برابر ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا...... اتنے میں ایک لمبی کالی داڑھی والا سادھو اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا

"بالکے! یہاں کیا کر رہے ہو؟"

شیر خان نے اسے غور سے دیکھا اور اسے فوراً پہچان گیا...... یہ پارٹی لیڈر اور بھارتی دہشت گرد بھوشن تھا...... شیر خان نے کہا۔

"بھوشن بھیا!"

"شی!" بھوشن نے آہستہ سے کہا...... "میرا نام کیوں لے لیا؟ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

یہ کہہ کر بھارتی دہشت گرد بھوشن ایک طرف کو چل پڑا...... تھوڑا فاصلہ ڈال کر شیر خان بھی اس کے پیچھے چل پڑا...... وہ اس بستی میں سے نکل گئے...... مزدوروں کے

جھونپڑوں کی ایک بستی آ گئی...... بھوشن وہاں سے بھی گزر گیا...... اس کے بعد ویران علاقہ شروع ہو گیا...... ایک طرف چھوٹے چھوٹے بھورے رنگ کے تین چار ٹیلے تھے...... بھوشن جوگی کے بھیس میں ان ٹیلوں کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا...... شیر خان اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

ایک ٹیلے کے پاس ایک جھونپڑی تھی جس کے باہر ایک عورت غریب محنت کش عورت میلی کچیلی ساڑھی پہنے جھاڑو دے رہی تھی...... شیر خان نے اسے بھی فوراً پہچان لیا...... یہ ان دہشت گردوں کی ساتھی کملا تھی...... کملا نے پہلے بھوشن کو اور پھر شیر خان کو دیکھا تو جھاڑو ایک طرف رکھ کر جھونپڑی کے اندر چلی گئی...... جھونپڑی میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی...... دونوں چارپائی پر بیٹھ گئے...... کملا نے جھونپڑی کے باہر جا کر ارد گرد کا جائزہ لیا اور وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔

بھوشن کہنے لگا۔

"کندن! سارا کام چوپٹ ہو گیا...... عین وقت پر پولیس کو خبر ہو گئی اور ہم پیر جی کو ختم کرنے میں ناکام ہو گئے۔"

کندن یعنی شیر خان نے کہا۔

"میں نے اور گوپی اور کالیا نے ریڈیو پر یہ خبر سن لی تھی...... ریڈیو کی خبر میں بتایا گیا تھا کہ ہمارا ایک تیسرا آدمی بھی مارا گیا ہے...... وہ کون تھا؟"

بھوشن بولا۔

"بس تھا ایک آدمی...... وہ تو زخمی ہو گیا تھا...... میں نے برسٹ مار کر اس کا کام تمام کر دیا...... زندہ رہتا تو خطرہ تھا کہ پولیس کو ہمارے خفیہ ٹھکانے کا پتہ نہ بتا دے...... کالیا اور گوپی کیسے ہیں؟"

شیر خان نے کہا۔

"وہ بالکل محفوظ ہیں...... میں تو صرف تمہاری خیریت معلوم کرنے یہاں

آ گیا تھا۔"

"اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟"

بھوشن نے کہا۔

"ابھی تو ہمیں کراچی پولیس سے اپنے آپ کو چھپانا ہے...... ہمارے یہاں کے آدمی روپوش ہو گئے ہیں...... جب ذرا حالات نارمل ہوں گے تو پیر صاحب پر دوبارہ حملہ کیا جائے گا...... انہیں ہلاک کرنا ہمارا مشن ہے جس کے لئے ہمیں دلی سے سخت آرڈر ملے ہوئے ہیں...... تم بھی اپنا خیال رکھنا کندن! یہاں کی سی آئی ڈی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں تو بہت پہلے ہی سے یہاں حاجی عبداللہ کے نام سے رہ رہا ہوں...... میری طرف سے تم فکر مند نہ رہو۔"

بھوشن کہنے لگا۔

"میرا ابھی کراچی میں رہنا بہت ضروری ہے...... تم ایسا کرو کہ فوراً پنڈی پہنچو اور کالیا اور گوپی کو وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ چھپا دو...... میرے خیال میں اس وقت ان کا سرداروں کے باغ والے مکان میں رہنا ٹھیک نہیں...... سی آئی ڈی اسلام آباد راولپنڈی میں بھی چوکنی ہو گئی ہو گی۔"

شیر خان اس کھوج میں تھا کہ کسی طریقے سے بھوشن سے یہ معلوم ہو جائے کہ کراچی میں اس کے گینگ کے لوگ کہاں کہاں روپوش ہیں تاکہ وہ سب سے پہلے انہیں گرفتار کروا دے...... ان کے گرفتار ہونے کے بعد ہی کراچی کے دینی فرقے کے سربراہ پیر جی کی زندگی محفوظ ہو سکتی تھی...... اس نے باتوں ہی باتوں میں بھوشن سے کہا۔

"بھوشن بھیا! یہاں کے ماحول کا تم لوگوں کو زیادہ تجربہ نہیں ہے...... مجھے ڈر ہے کہ تم لوگوں سے ذرا سی بھی غفلت ہو گئی تو کہیں پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جاؤ اور ہمارا

مشن ناکام نہ ہو جائے۔"

بھوشن نے پوچھا۔

"تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

شیر خان نے کہا۔

"میری نگاہ میں یہاں کراچی میں ایک دو جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں تم لوگ بالکل محفوظ ہو کر کچھ وقت گزار سکتے ہو...... میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے گینگ کے آدمیوں کو لے کر انہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیں۔"

بھوشن بولا۔

"اس وقت یہ لوگ الگ الگ جگہوں پر روپوش ہیں...... ان کو ایک جگہ جمع کر کے کسی دوسری جگہ لے جانا مناسب نہیں ہو گا۔"

شیر خان نے کہا۔

"تم مجھے بتا دو کہ وہ کہاں کہاں ہیں...... میں خود انہیں کسی دوسری جگہ پہنچا دوں گا۔"

شیر خان روا روی میں یہ کہہ گیا تھا...... اسے اتنی بے تابی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا...... شیر خان کے اس جملے سے بھوشن کے دل میں یونہی ایک شک سا پڑ گیا...... یہ بات ان لوگوں کی تربیت میں شامل تھی کہ وہ ہر آدمی پر شک کریں گے اور ہر آدمی سے چوکس رہیں گے، خواہ وہ ان کا اپنا آدمی ہی کیوں نہ ہو...... بھوشن نے اپنے چہرے سے بالکل ظاہر نہ ہونے دیا کہ اسے کچھ شک ہو گیا ہے...... ویسے بھی یہ ابھی شک ہی تھا...... اس کا شک غلط بھی ہو سکتا تھا...... اس نے کہا۔

"نہیں کندن! اس کی ضرورت نہیں ہے...... تم ایسا کرو کہ فوراً راولپنڈی پہنچ کر کالیا اور گوپی کو کسی دوسری محفوظ جگہ پر لے جا کر چھپا دو...... تم خود اسی مکان میں رہنا...... میں دو تین دن میں خود ہی تم سے رابطہ پیدا کر کے تمہیں بتا دوں گا کہ آگے

ہمارا کیا پروگرام ہے۔"

شیر خان نے اسے مزید کریدنے کی کوشش نہ کی...... اس خیال سے کہ کہیں اسے شک نہ پڑ جائے، لیکن شیر خان نہیں جانتا تھا کہ بھوشن کے دل میں شک کی ایک ہلکی سی لہر پیدا ہو چکی ہے...... شیر خان نے کہا۔

"اچھا تو میں اب چلتا ہوں...... شام کو راولپنڈی جانے والی گاڑی مل جائے گی...... تم نے جیسے کہا ہے میں ویسے ہی کروں گا اور کالیا اور گوپی کو کسی دوسری جگہ پہنچادوں گا...... اچھا رام رام!"

"رام رام" بھوشن نے کہا۔

شیر خان جھونپڑی سے نکل گیا...... اس کے جانے کے بعد بھوشن بھی جھونپڑی سے باہر آگیا...... اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا...... شیر خان ایک طرف چلا جا رہا تھا......

بھوشن نے کملا سے کہا۔

"کملا! تم یہیں رہنا...... مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے...... میں جلدی واپس آجاؤں گا۔"

کملا نے کہا۔

"ایسا کون سا کام ہے؟"

بھوشن بولا۔

"یہ میں تمہیں واپس آکر بتاؤں گا۔"

اور بھوشن بھی اس طرف چل پڑا جس طرف شیر خان گیا تھا...... بھوشن اپنے اور شیر خان کے درمیان ایک خاص فاصلہ رکھ کر اس کا پیچھا کرنے لگا...... شیر خان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بھوشن بھی اس کا پیچھا کر سکتا ہے...... یہی اس کی نا سمجھی تھی...... وہ ایک بہادر اور دلیر کمانڈو تھا...... تجربے کار اور چالاک جاسوس یا دہشت گرد نہیں تھا...... اس نے بھوشن کے چہرے سے بھی یہ اندازہ نہیں لگایا تھا کہ بھوشن کو اس

پر شک پڑ گیا ہے۔

بھوشن اس کے مقابلے میں بڑا عیار دہشت گرد تھا...... اگرچہ بھوشن کو یہ یقین نہیں تھا کہ شیر خان یعنی کندن پولیس سے ملا ہوا ہے، لیکن وہ اپنا شک ضرور دُور کرنا چاہتا تھا...... یہ اس کی ڈیوٹی میں شامل تھا...... یہ تو اس کے دماغ میں خیال تک نہیں آیا تھا کہ کندن حقیقت میں ایک مسلمان کمانڈو ہے جو کندن کا روپ دھار کر ان کے گینگ میں شامل ہو گیا ہے...... اسے زیادہ سے زیادہ یہی شک تھا کہ کہیں کندن روپے پیسے کے لالچ میں کراچی کی پولیس کے لئے ان کی مخبری نہ کرنے لگا ہو اور ڈبل ایجنٹ نہ بن گیا ہو...... ایک دو کیس ایسے ہوئے تھے کہ روپے کے لالچ میں ان کے گینگ کا کوئی آدمی ایک طرح سے سلطانی گواہ بن کر پولیس کے لئے ان کی مخبری کرنے پر راضی ہو گیا اور یوں ان کے آدمیوں کو گرفتار کروا دیا...... بھوشن بڑا محتاط ہو کر شیر خان کا پیچھا کر رہا تھا۔

شیر خان بالکل بے فکر ہو کر چلا جا رہا تھا...... کلفٹن پر آکر وہ ایک رکشے میں بیٹھ گیا...... بھوشن نے بھی ایک رکشا لیا اور اپنا رکشا شیر خان کے پیچھے لگا دیا...... شیر خان سیدھا اپنے مجاہد اور کراچی میں اپنی تنظیم کے خاص آدمی رحمت علی کے مکان پر آگیا...... مکان کے باہر اس نے رکشا چھوڑ دیا...... عین اسی وقت رحمت علی مکان سے باہر نکل رہا تھا اور اتفاق سے اس کے ساتھ ایک باوردی پولیس انسپکٹر بھی تھا۔

شیر خان کو دیکھ کر رحمت علی رُک گیا...... شیر خان بھی اس کی طرف بڑھا اور اس نے رحمت علی اور پولیس کو بتایا کہ بھارتی دہشت گرد روپوش ہو گئے ہیں اور ان کے ٹھکانوں کے بارے میں ابھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا...... پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"تم کوشش کرتے رہو...... ایک دو کے پکڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا...... الٹا باقی کے لوگ یہاں سے فرار ہو جائیں گے...... ہم چاہتے ہیں کہ بھارتی دہشت گردوں کے پورے گینگ کو پکڑا جائے۔"

شیر خان بولا۔

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔"

رحمت علی نے شیر خان سے پوچھا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

شیر خان نے اسے بتایا کہ وہ بھوشن کی ہدایت کے مطابق راولپنڈی جا رہا ہے تاکہ وہاں پر مقیم کالیا اور گوپی بھارتی دہشت گردوں کو کسی دوسری جگہ پہنچا دیا جائے۔

بھوشن کچھ فاصلے پر ایک جگہ چھپ کر کھڑا شیر خان یعنی کندن کو پولیس انسپکٹر سے باتیں کرتے دیکھ رہا تھا...... اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ کندن بیس پچیس ہزار روپے کے لالچ میں آ کر کراچی پولیس سے مل گیا ہے اور اب نہ صرف اس کی اور کملا کی زندگی بلکہ راولپنڈی میں کالیا اور گوپی کی زندگی بھی خطرے میں ہے...... بھوشن وہیں سے دوسرا رکشا لے کر کملا کے پاس واپس پہنچ گیا...... اس نے آتے ہی اسے کہا۔

"کملا! کندن پولیس سے مل گیا ہے۔"

کملا نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"بھوشن! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

بھوشن نے کہا۔

"میں نے خود کندن کو پولیس انسپکٹر سے باتیں کرتے دیکھا ہے۔"

کملا گھبرا سی گئی، کہنے لگی۔

"ہمیں کندن کو فوراً ہلاک کر ڈالنا چاہئے۔"

بھوشن بولا۔

"کندن کو ہلاک کرنے سے اب کچھ نہیں ہو گا...... اس نے پولیس کو ہمارے بارے میں جو کچھ بتانا تھا بتا دیا ہو گا، اس وقت ہمیں پہلے خود کو اور پنڈی میں موجود کالیا اور گوپی کو بچانا ہے...... اگر ہم نے دیر کر دی تو پولیس گوپی اور کالیا کو پکڑ کر لے جائے گی اور یہاں بھی کسی وقت پولیس ہمیں گرفتار کرنے پہنچ سکتی ہے۔"

"پھر کیا کریں؟" کملا نے پوچھا۔

بھوشن بولا۔

"کندن ریل گاڑی کے ذریعے پنڈی جا رہا ہے، مجھے ہوائی جہاز کی کوئی فلائٹ پکڑ کر فوراً پنڈی پہنچ کر کندن کے پہنچنے سے پہلے گوپی اور کالیا کو وہاں سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پہنچانا ہو گا۔"

کملا کہنے لگی۔

"اگر ایسی بات ہے تو تم ان دونوں کو یہاں کیوں نہیں لے آتے؟"

بھوشن نے کہا۔

"ہمیں بھی تو یہاں سے کسی دوسری جگہ فوراً روپوش ہونا ہو گا، کیا خبر کندن کی مخبری سے پولیس یہاں پہنچ کر سب سے پہلے ہمیں ہی گرفتار کر لے۔"

کملا نے کہا۔

"ہم نند لال کے خفیہ ٹھکانے پر چلے جاتے ہیں...... تم ایسا کرنا کہ گوپی اور کالیا کو لے کر نند لال کے ٹھکانے پر ہی آ جانا...... اس ٹھکانے کا کندن کو علم نہیں ہے۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" بھوشن بولا...... "تم ایسا کرو فوراً یہاں سے نکل کر نند لال کے خفیہ ٹھکانے پر چلی جاؤ...... میں راولپنڈی سے گوپی اور کالیا کو بھی لے کر وہاں آ جاؤں گا۔"

اور انہوں نے ایسا ہی کیا...... بھوشن نے جوگیوں والا لباس اتار کر عام پتلون قمیض پہنی اور ایئرپورٹ پر آ گیا...... اس کے جانے کے فوراً بعد کملا بھی جھونپڑی سے نکل کر اپنے ساتھی دہشت گرد نند لال کے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئی۔

خوش قسمتی سے بھوشن کو کراچی سے اسلام آباد کی ایک فلائٹ میں جگہ مل گئی اور وہ شام ہوتے ہی اسلام آباد پہنچ گیا...... وہاں سے ٹیکسی پکڑ کر سیدھا سرداروں کے باغ والے مکان میں آ گیا...... وہاں کالی اور گوپی چھپے ہوئے تھے...... وہ بھوشن کو اچانک

اپنے درمیان دیکھ کر حیران ہوئے۔

گوپی نے کہا۔

بھوشن بھیا! کندن تو تمہاری طرف کراچی گیا ہوا ہے۔

بھوشن نے کہا۔

"کندن پر مجھے شک ہے کہ وہ پولیس کا مخبر بن گیا ہے...... میں نے اسے کراچی کے پولیس انسپکٹر سے باتیں کرتے دیکھ لیا ہے، اسی لئے میں تمہیں لینے یہاں آیا ہوں، اس سے پہلے کہ پولیس یہاں چھاپہ مارے فوراً میرے ساتھ آ جاؤ...... ہم کراچی نند لال کے ٹھکانے پر جا رہے ہیں...... باقی باتیں میں وہاں چل کر بتاؤں گا...... کملا بھی وہیں ملے گی۔"

تینوں بھارتی دہشت گرد خاموشی سے وہاں سے نکلے اور سیدھے ایئرپورٹ پر آ گئے...... انہیں ایک فلائٹ میں جگہ مل گئی اور وہ کراچی کے لئے پرواز کر گئے۔

اس وقت شیر خان کراچی سے راولپنڈی آنے کے لئے ٹرین میں سوار ہو رہا تھا...... دوسرے دن وہ پنڈی سرداروں کے باغ والے مکان میں پہنچا تو یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ وہاں گوپی اور کالی میں سے کوئی بھی نہیں تھا...... سوچنے لگا یہ لوگ کہاں چلے گئے ہوں گے...... ان دونوں کے کپڑے بھی وہاں نہیں تھے...... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا...... اسے یہی خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کراچی والے واقعے اور سیوا جی دہشت گرد کی ہلاکت کے بعد بھارتی سفارت کار نے خفیہ ذریعے سے کالی اور گوپی کے ساتھ رابطہ پیدا کیا ہو اور اسے فوراً کسی جگہ روپوش ہو جانے کی ہدایت کی ہو اور دونوں یہاں سے فرار ہو گئے ہوں۔

شیر خان نے خالی مکان کو تالا لگایا اور اپنی تنظیم کے باس کے پاس پہنچ کر اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا...... تنظیم کا باس ایک تجربے کار پرانا مجاہد کمانڈو بھی تھا اور دہشت گردوں کے تمام ہتھکنڈوں اور ان کی سیاسی چال بازیوں سے بخوبی باخبر

تھا...... اس نے شیر خان سے پہلا سوال یہ کیا۔

"کراچی میں تم جس بھارتی دہشت گرد بھوشن سے ملے تھے تو اس کے ساتھ آتی دفعہ کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

شیر خان نے وہ ساری باتیں بیان کر دیں جو ساحل سمندر والی جھونپڑی کے اندر اس کے اور بھوشن کے درمیان ہوئی تھیں...... جب شیر خان نے یہ کہا کہ میں نے اس سے یہ معلوم کرنے کی دو تین بار کوشش کی تھی کہ کراچی کے ان کے گینگ کے آدمی کہاں روپوش ہو گئے ہیں تو باس نے پوچھا۔

"بھوشن نے کیا جواب دیا تھا؟"

شیر خان بولا۔

"اس نے مجھے اپنے ساتھی دہشت گردوں کے بارے میں بالکل نہیں بتاتا تھا کہ وہ کہاں روپوش ہیں...... میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ یہ بات مجھے نہیں بتانا چاہتا۔"

باس نے پوچھا۔

"تم نے یہ بات بھوشن سے ظاہر ہے دو تین بار پوچھنے کی غلطی ضرور کی ہو گی؟"

"جی ہاں"

شیر خان بولا...... "میں نے دو تین بار اسے کریدنے کی کوشش کی تھی اور میں نے اس لمحے محسوس کیا تھا کہ بھوشن کچھ حیران سا ہو رہا ہے کہ آخر میں اپنے ساتھیوں کے خفیہ ٹھکانے کے بارے میں علم حاصل کرنے کے لئے اتنا بے تاب کیوں ہوں۔"

باس نے کہا۔

"بس یہی تمہاری غلطی تھی...... اسی جگہ تم نے ایک ناتجربہ کار جاسوس ہونے کا ثبوت دیا ہے...... بھوشن کو تم پر شک ہو گیا ہے کہ تم پولیس کے ساتھ مل گئے ہو، چنانچہ وہ تم سے پہلے پنڈی پہنچ گیا اور کالی اور گوپی کو کسی محفوظ مقام پر منتقل کر دیا۔"

شیر خان بولا۔

"باس! اس کا مطلب ہے کہ بھوشن اور اس کے ساتھیوں پر میرا راز کھل گیا ہے کہ میں کشمیری مجاہد اور کمانڈو ہوں۔"

باس نے کہا۔

"یہ میں نہیں کہہ سکتا، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ انہیں یہ ضرور یقین ہو گیا ہے کہ تم نے ان کے ساتھ غداری کی ہے اور پیسوں کے لالچ میں آکر تم کراچی پولیس کے مخبر بن گئے ہو...... یعنی تم ڈبل ایجنٹ کا کردار ادا کرنے لگے ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ...... شیر خان بولا۔" کہ وہ مجھے ابھی تک اپنا دہشت گرد ساتھی کندن ہی سمجھ رہے ہیں۔"

باس نے کہا۔

"اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا...... یہ بھی ممکن ہے کہ ان پر تمہارے مسلمان مجاہد ہونے کا راز بھی کھل گیا ہو۔"

شیر خان کو بڑا افسوس لگا کہ اس کی ذرا سی ناسمجھی اور غلطی سے بھارتی دہشت گردوں کا ایک خطرناک گروہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا...... اس نے باس سے کہا۔

"باس! اب آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں...... کیا مجھے کراچی جا کر بھوشن وغیرہ کو تلاش کر کے انہیں یقین دلانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ میں نے مخبری نہیں کی اور میں ان کا ساتھی ہی ہوں؟"

اس کے جواب میں باس نے کہا۔

"تمہاری یہ غلطی پہلی غلطی سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے...... یہ حماقت نہ کرنا...... اب اگر تم ان لوگوں کے سامنے گئے تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے...... ہمارے ہاتھ میں آیا ہوا شکار ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے...... اب ہمیں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔"

شیر خان خاموش ہو گیا...... باس نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد کہا۔

"تم اب صرف ایک کام کرو...... کوئی بھیس بدل کر بھارتی سفارت خانے کی نگرانی کرو...... مجھے یقین ہے کہ اپنے بھارتی سفارت کار سے مزید ہدایات حاصل کرنے کے لئے ان دہشت گردوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور وہاں آئے گا...... جیسے ہی تمہیں وہ دکھائی دے تم اس کا پیچھا کر کے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے...... ہم اسی وقت اسے وہاں سے گرفتار کر لیں گے اور پھر اس سے پوچھ گچھ کر کے معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ اس کے باقی ساتھی کہاں کہاں پر ہیں...... بس ہمارے سامنے یہی ایک راستہ رہ گیا ہے...... دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"او کے باس!"

دوسرے ہی روز شیر خان نے ایک ملنگ کا بھیس بدلا اور بھارت کے سفارت خانے سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا...... ایک دن دو دن تین دن گزر گئے...... بھوشن کالی اور گوپی میں سے کوئی بھارتی دہشت گرد وہاں نظر نہ آیا...... چوتھے روز شیر خان نے سفارت خانے میں سے ایک جیپ کو نکلتے دیکھا جس کو وہی بھارتی سفارت کار چلا رہا تھا جس سے بھوشن نے اسے ایک بار ملایا تھا اور جو بھوشن وغیرہ کو دلی سے ملنے والی ہدایات سے آگاہ کیا کرتا تھا اور ان کی مالی مدد کیا کرتا تھا، جیسے ہی شیر خان نے اس بھارتی سفارت کار کو دیکھا تو فوراً درخت کے نیچے سے اٹھ کر ایک طرف سڑک پر آکر اس نے خاص اشارہ کیا...... پنڈی خفیہ پولیس کی ایک جیپ بروقت شیر خان کی مدد کے لئے وہاں تیار رہتی تھی...... اس کا اشارہ پاتے ہی جیپ اس کے پاس آگئی...... شیر خان اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو بھارتی سفارت کار کی جیپ دُور سے دکھا کر کہا۔

"اس کا پیچھا کرو، لیکن پیچھا اس طرح کرنا ہے کہ اگلی جیپ کے ڈرائیور کو ذرا سا بھی شک نہ ہو کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔"

خفیہ پولیس کا ڈرائیور بڑا سمجھ دار اور تجربے کار تھا...... اس نے اپنی گاڑی اگلی جیپ کے پیچھے لگا دی مگر اس طرح کہ اگلی گاڑی کو ذرا بھی شک نہ ہو...... اس نے اپنی گاڑی سفارت کار کی گاڑی سے بہت پیچھے رکھی ہوئی تھی...... شیر خان نے دیکھا کہ بھارتی سفارت کار کی جیپ شہر سے کافی باہر ایک ویرانے میں جا کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی ہے...... سفارت کار جیپ میں سے نکل آیا تھا...... اس کے ہاتھ میں ایک نالی شکاری بندوق تھا...... وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ شہر سے باہر پرندوں کا شکار کرنے آیا ہے...... شیر خان نے اپنی جیپ دوسرے ٹیلے کی اوٹ میں رکوا دی اور ڈرائیور سے کہا۔

"تم اسی جگہ میرا انتظار کرو گے اور دُور سے مجھے دیکھتے رہو گے...... اگر میں بھارتی سفارت کار کی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا تو تم واپس چلے جاؤ گے...... اگر نہ گیا تو تم اسی جگہ ٹھہرو گے...... میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر شیر خان جیپ سے اتر کر ٹیلے کی دوسری طرف سے ہو کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں بھارتی سفارت کار شکاری بندوق ہاتھ میں لئے ایک درخت پر کسی پرندے کو نشانہ بنا رہا تھا...... جیسے ہی شیر خان اس کے سامنے گیا بھارتی سفارت کار نے اسے فوراً پہچان لیا اور کہا۔

"تم کندن ہو؟"

شیر خان نے کہا۔

"جی ماراج!"

سفارت کار نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی اور پھر شیر خان کو ٹیلے کی اوٹ میں لے گیا، کہنے لگا۔

"تم روپوش کیوں نہیں ہوئے؟ تمہیں معلوم نہیں کراچی کا مشن ناکام ہونے اور ہمارے ایک آدمی کے مارے جانے کے بعد پولیس تم لوگوں کی تلاش میں جگہ جگہ

چھاپے مار رہی ہے؟"

شیر خان بولا۔

"سر! میں کراچی گیا ہوا تھا...... اپنے ساتھی سیوا جی کے مارے جانے کے بعد ہم لوگ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے...... بھوشن نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا کہ مشن کے ناکام ہونے کی صورت میں مجھے کہاں جا کر چھپنا ہو گا...... میں دو تین دن کراچی میں ہی ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا رہا...... پھر یہ سوچ کر پنڈی آ گیا کہ جا کر کالی اور گوپی کو حالات سے آگاہ کرتا ہوں...... یہاں آ کر دیکھا کہ یہ دونوں بھی غائب ہیں۔"

بھارتی سفارت کار نے کہا۔

"تم نے سخت غلطی کی کہ پنڈی آ گئے...... یہاں تمہارے پکڑے جانے کا بہت زیادہ خطرہ ہے۔"

شیر خان بولا۔

"سر! کیا میں واپس بھارت چلا جاؤں؟"

سفارت کار نے کہا۔

"نہیں نہیں...... بارڈر پر سیکورٹی بڑی سخت ہے...... تم پکڑے جاؤ گے۔"

"پھر آپ مجھے کیا صلاح دیتے ہیں سر؟" شیر خان نے پوچھا۔

بھارتی سفارت کار بولا۔

"تم یہاں سے فوراً کراچی نندلال والے خفیہ ٹھکانے پر چلے جاؤ...... بھوشن، کالی، گوپی اور کملا اور دوسرے کراچی کے اپنے آدمی اسی جگہ چھپے ہوئے ہیں...... جب تک حالات نارمل نہ ہوں تم لوگوں کو اسی جگہ چھپے رہنا چاہئے۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"سر! بھوشن نے میرا ایک بار نندلال جی سے کراچی میں تعارف تو کرایا تھا مگر مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا خفیہ ٹھکانہ کس جگہ پر ہے...... میں اسے وہاں کہاں تلاش

کروں گا؟"

بھارتی سفارت کار بولا۔

"میں تمہیں نندلال کے خفیہ ٹھکانے کا ایڈریس بتاتا ہوں...... تم فوراً وہاں روانہ ہو جاؤ اور مجھ سے دوبارہ رابطہ کرنے یا ملنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔"

"ٹھیک ہے سر!"

شیر خان نے کہا۔

بھارتی سفارت کار نے جیب سے ایک پاکٹ بک نکال کر شیر خان کو دی اور کہا۔

"اس کے ایک ورق پر اپنے ہاتھ سے وہ ایڈریس لکھو جو میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

پاکٹ بک میں پنسل ساتھ لگی ہوئی تھی...... شیر خان سمجھ گیا کہ بھارتی سفارت کار اپنے ہاتھ کی لکھائی شیر خان کو نہیں دینا چاہتا...... اس نے شیر خان کو نندلال کے کراچی والے خفیہ ٹھکانے کا ایڈریس لکھوا دیا...... شیر خان نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا...... بھارتی سفارت کار کہنے لگا۔

"بس اب فوراً یہاں سے غائب ہو جاؤ۔"

شیر خان اسے نمسکار کر کے اس ٹیلے کی طرف آ گیا جہاں اس کی جیپ کھڑی تھی...... جیپ میں سوار ہوتے ہی اس نے ڈرائیور سے کہا...... یہاں سے فوراً نکل چلو۔

اور جیپ شہر کی طرف روانہ ہو گئی...... شیر خان وہ کاغذ کھول کر پڑھنے لگا جس پر بھارتی سفارت کار نے اسے کراچی میں روپوش بھارتی دہشت گرد نندلال کے خفیہ ٹھکانے کا ایڈریس لکھوایا تھا...... محض اتفاق سے شیر خان کو ایک بہت بڑا راز معلوم ہو گیا تھا...... اس نے ڈرائیور سے گاڑی تیز چلانے کو کہا...... گاڑی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔

تنظیم کے آفس میں پہنچتے ہی شیر خان سیدھا اپنے باس کے کمرے میں آ گیا...... اس نے دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے کے ایڈریس والا کاغذ باس کے سامنے رکھ دیا اور اسے ساری بات بیان کر دی...... باس بولا۔

"شیر خان! یہ تو ہماری ایک بہت بڑی کامیابی ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس اڈے پر کالی اور گوپی اور بھوشن سمیت سارے بھارتی دہشت گرد چھپے ہوئے ہوں گے...... ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے...... تم فوراً آج رات کی فلائٹ سے کراچی پہنچو اور وہاں کی پولیس کی مدد سے ان بھارتی دہشت گردوں کو فوراً گرفتار کرو۔"

شیر خان نے کہا۔

"سر! آپ ٹیلی فون کر کے رات کی کسی بھی فلائٹ میں میری سیٹ بک کرا دیجئے۔"

باس نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... میں ٹکٹ بھی منگوا لیتا ہوں۔"

باس نے یہ سارا بندوبست کر دیا...... اس نے کراچی میں اپنی تنظیم کے آفس میں رحمت علی کو بھی فون پر بتا دیا کہ شیر خان ایک اہم پیغام لے کر آ رہا ہے...... شیر خان جب ایئرپورٹ روانہ ہونے لگا تو باس نے کہا۔

"اپنا خیال رکھنا...... ان لوگوں پر بھی تمہارا راز کھل چکا ہے...... وہ بھی تمہیں ہلاک کرنے کی فکر میں ہوں گے۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں جانتا ہوں سر! آپ بے فکر رہیں۔"

راتوں رات شیر خان کراچی پہنچ گیا...... رحمت علی کو سارا واقعہ بیان کیا اور نندلال کے خفیہ ٹھکانے کا ایڈریس بتایا...... اس وقت رات کے تین بج رہے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"یہ وقت چھاپہ مارنے کے لئے بڑا موزوں ہے...... میں چاہتا ہوں کہ آئی جی پولیس کو اطلاع کر دینی چاہئے۔"

رحمت علی بولا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... تم یہیں بیٹھو...... میں آئی جی کے بنگلے پر خود جا کر انہیں صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔"

رحمت علی اسی وقت آئی جی صاحب کے بنگلے پر پہنچ گیا...... انہیں صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا۔

"میں اسی وقت پولیس پارٹی روانہ کرتا ہوں۔"

رحمت علی نے کہا۔

"سر! یہ کام بڑی احتیاط کے ساتھ ہونا چاہئے...... دہشت گردوں کو زندہ یا مردہ قابو کرنا بے حد ضروری ہے...... کسی دہشت گرد کو فرار ہونے کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔"

آئی جی صاحب نے کہا۔

"میں پولیس کمانڈوز کی بھاری نفری بھیجوں گا...... تمہیں ان کے ساتھ ہونا چاہئے...... کیا تم بھارتی دہشت گردوں کی شکل سے واقف ہو۔"

رحمت علی نے کہا۔

"چند ایک خطرناک دہشت گردوں کو میں پہچانتا ہوں، باقی بھی وہاں موجود ہوں گے۔"

اسی وقت پولیس کے تجربہ کار ور دلیر کمانڈوز کی ایک پارٹی تیار کی گئی۔ دو ایس پی پارٹی کے ساتھ ہو گئے...... رحمت علی بھی ساتھ تھا...... یہ پارٹی پولیس کی تین گاڑیوں میں بیٹھ کر رات کے پچھلے پہر کی تاریکی میں نندلال کے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئی۔

یہ خفیہ ٹھکانہ شہر سے کافی فاصلے پر بنجر پہاڑی ٹیلوں کے درمیان ایک کھنڈر نما مکان کی شکل میں تھا...... پولیس کمانڈوز نے گاڑیوں کو دور کھڑا کر دیا اور اندھیرے میں مکان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا...... کمانڈو ایس پی حملے کی قیادت کر رہا تھا...... سارے کمانڈوز پوری طرح مسلح تھے...... وہ آہستہ آہستہ مکان کی طرف بڑھ

رہے تھے...... رحمت علی مجاہد ایس پی کمانڈو کے ساتھ تھا...... اس کے ہاتھوں میں بھی سٹین گن تھی...... کھنڈر نما مکان پر اندھیرا چھایا ہوا تھا...... ہر طرف خاموشی تھی...... کمانڈو ایس پی نے سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ جب تک وہ فائر نہیں کریں گے کوئی کمانڈو فائر نہیں کرے گا...... ایک مقام پر آ کر یہ لوگ رُک گئے۔

خفیہ مکان پر اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا...... ایس پی نے سرگوشی میں رحمت علی سے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ دہشت گرد اسی مکان میں ہیں؟"

رحمت علی بولا۔

"بھارتی سفارت کار نے یہ پتہ بتایا ہے۔ سب دہشت گرد یہیں ہوں گے۔"

اتنے میں مکان کا دروازہ کھلا اور اندھیرے میں مکان کے دروازے میں سے ایک انسانی سایہ نکل کر اس طرف بڑھا جہاں رحمت علی اور ایس پی کمانڈو گھات لگائے بیٹھے تھے...... ایس پی نے سرگوشی کی۔

"رحمت علی! ہم اسے قابو کریں گے، لیکن اس کی آواز نہیں نکلنی چاہئے۔"

رحمت علی بھی ایک تربیت یافتہ کمانڈو تھا اور اس قسم کے کئی مشن سرانجام دے چکا تھا...... اس نے سرگوشی میں کہا۔

"سر! آپ دائیں جانب پیچھے اندھیرے میں ہو جائیں۔"

کمانڈو ایس پی یہ سن کر جلدی سے دائیں جانب اندھیرے میں ہو گیا...... خفیہ اڈے سے جو آدمی نکلا تھا وہ اندھیرے میں آہستہ آہستہ چلتا اب رحمت علی کے قریب آ گیا تھا، جیسے ہی وہ اس کے پہلو سے ہو کر دو قدم آگے بڑھا رحمت علی نے پیچھے سے اٹھ کر اس کی کھوپڑی کے ساتھ سٹین گن کی نالی لگا کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

ایس پی کمانڈو نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے نیچے بیٹھا دیا اور سرگوشی میں کہا۔

"اگر آواز نکالی تو تمہاری کھوپڑی اُڑ جائے گی۔"

ایس پی کمانڈو نے ایک خاص پرندے کی ہلکی سی آواز نکالی...... اس آواز کو سنتے ہی دو کمانڈو جھک کر تیز تیز قدموں سے اس کے پاس آ گئے...... ایس پی نے بھارتی دہشت گرد ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"اسے پیچھے لے جاؤ...... خبردار، اس کی آواز نہیں نکلنی چاہئے۔"

پولیس کمانڈوز بھارتی دہشت گرد کو دبوچ کر اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

کمانڈو ایس پی اور رحمت علی مکان کی طرف نگاہیں جمائے گھات لگا کر بیٹھے تھے...... رحمت نے سرگوشی میں کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ سارے دہشت گرد اندر موجود ہیں...... ہمیں اچانک حملہ کر دینا چاہئے۔"

ایس پی نے ایک اور پرندے کی دھیمی سی آواز نکالی...... یہ کمانڈو پارٹی کو اس بات کا سگنل تھا کہ ہم اچانک حملہ کرنے والے ہیں...... اس کے ساتھ ہی ایس پی اور رحمت علی سٹین گنیں آگے کئے دائیں بائیں کی جانب سے مکان کی طرف بڑھے...... اندھیرا آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا...... صبح کاذب ہو رہی تھی...... مکان کا دروزہ بند تھا...... دونوں کمانڈو دروازے کے دائیں اور بائیں جانب آ کر دیوار کے ساتھ لگ گئے...... اندر سے آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی...... ایس پی نے اشارے سے رحمت کو بتایا کہ اندر کوئی باتیں کر رہا ہے...... رحمت نے اشارے سے جواب دیا کہ ہم دروازہ توڑ کر ایک دم اندر داخل ہوں گے۔

ابھی انہوں نے ایکشن شروع نہیں کیا تھا کہ دروازے کا ایک پٹ کھلا اور دو دہشت گرد باتیں کرتے ہوئے باہر نکلے...... سحر کی ہلکی ہلکی روشنی میں ان کی نظر ایس پی اور رحمت علی پر پڑی تو ان میں سے ایک نے چلا کر کہا۔

"پولیس۔"

اور ساتھ ہی جیب میں سے پستول نکال کر ایس پی پر فائر کر دیا...... ایس پی بچ گیا...... گولی دیوار پر لگی...... اس دوران رحمت علی نے سٹین گن کا فائر کھول دیا، جس دہشت گرد نے ایس پی پر پستول کا فائر کیا تھا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا...... دوسرا مکان کے اندر گھس گیا...... اب مکان کے اندر سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی...... پولیس کمانڈو کی پوری پارٹی بھی وہاں پہنچ گئی تھی اور ایس پی کا اشارہ پا کر مکان کے دروازے پر اندھا دھند گولیاں برسنے لگی تھیں۔

ایس پی نے فائر روکنے کا اشارہ کیا...... کوٹھڑی کے اندر سے فائرنگ آ رہی تھی، مگر پولیس کمانڈو فائر نہیں کر رہے تھے...... ایس پی کی ہدایت پر کمانڈوز نے مکان کو گھیرے میں لے لیا اور تین کمانڈو چھت پر چڑھ گئے...... رحمت علی نے ایس پی سے کہا...... میں گرنیڈ پھینکنے لگا ہوں۔"

ایس پی نے سر زمین کے ساتھ لگا دیا...... رحمت علی نے گرنیڈ دروازے کی طرف اچھالا اور اپنا چہرہ بھی زمین کے ساتھ لگا دیا...... ایک زبردست دھماکہ ہوا اور دوسرے لمحے مکان کا دروازہ غائب تھا...... اس وقت تک دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی...... ایس پی نے دوسرا گرنیڈ پھینکا جو کوٹھڑی کے اندر جا کر پھٹا...... اس کے بعد خاموشی چھا گئی...... مکان کے اندر سے آنے والی فائرنگ رُک گئی تھی...... ایس پی نے اپنے آدمیوں کو اندر جانے کا اشارہ کیا...... چار کمانڈو مکان کے پہلو کی طرف سے ہو کر ایک دم سے فائرنگ کرتے کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گئے...... اندر سے انسانی چیخ کی آواز سنائی دی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

ایس پی اور رحمت علی اٹھ کر دوڑتے ہوئے کوٹھڑی میں داخل ہو گئے...... یہ ایک کشادہ کمرہ تھا...... وہاں فرش پر خون میں لت پت پانچ لاشیں پڑی تھیں...... چھٹی لاش کونے کی طرف فرش پر پڑی تھی...... یہ کل چھ دہشت گرد تھے جن میں سے ایک کو انہوں نے زندہ گرفتار کر لیا تھا اور باقی پانچوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

ایس پی نے لاشیں باہر نکلوانے کا حکم دیا، اسی وقت بھارتی دہشت گردوں کی پانچوں لاشیں مکان کے آگے صحن میں ڈال دی گئیں...... دن کی روشنی میں رحمت علی لاشوں کو دیکھنے لگا...... اس نے تین دہشت گردوں کو پہچان لیا...... ان میں نند لال کی لاش بھی تھی، مگر دہشت گردوں کے لیڈر بھوشن اور اس کی ساتھی عورت کملا کی لاش نہیں تھی۔

ایس پی نے کہا۔

"یہ دونوں دہشت گرد کسی دوسری جگہ روپوش ہوں گے...... ایک دہشت گرد کو ہم نے زندہ پکڑ لیا ہے...... اس سے سب کچھ پوچھ لیں گے۔"

پانچوں دہشت گردوں کی لاشوں کی تصویریں اتروالی گئیں...... اس کے بعد لاشوں کو گاڑی میں ڈال دیا گیا اور پولیس پارٹی اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گئی...... ایک گھنٹے کے بعد شیر خان بھی ہیڈ کوارٹر آ گیا...... اس نے لاشوں کو دیکھا...... ان میں کالی اور گوپی کی لاشیں بھی تھیں...... اس نے رحمت علی سے کہا۔

"افسوس کہ بھوشن اور کملا اڈے پر موجود نہیں تھے، لیکن جو دہشت گرد پکڑا گیا ہے...... میں اسے بھی دیکھنا چاہتا ہوں...... ہو سکتا ہے وہ پارٹی لیڈر بھوشن ہی ہو۔"

ایس پی اسی وقت شیر خان اور رحمت کو دوسری منزل پر لے آیا، جہاں ایک کمرے میں بھارتی دہشت گرد بند تھا...... شیر خان نے اسے غور سے دیکھا اور ایس پی سے کہا۔

"یہ بھوشن نہیں ہے...... میں اسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

ایس پی شیر خان کو اور رحمت علی کو لے کر باہر آ گیا، کہنے لگا۔

"فکر نہ کرو...... پوچھ گچھ کے دوران یہ دہشت گرد سب کچھ بتا دے گا کہ بھوشن اور کملا کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

دہشت گرد سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہ اذیت ناک سلسلہ تین دن تک مسلسل جاری رہا، مگر بھارتی دہشت گرد نے

ایک لمحے کے لئے بھی زبان نہ کھولی اور یہی کہتا رہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں باقی لوگ کہاں کہاں پر روپوش ہیں...... چوتھے روز حوالات میں ہی اس بھارتی دہشت گرد کی بھی موت واقع ہو گئی...... رحمت علی نے شیر خان سے کہا۔

"شیر خان! اب تمہیں بڑی احتیاط کرنی ہو گی...... بھارتی دہشت گردوں کا لیڈر بھوشن ابھی زندہ ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس کے دو چار دوسرے دہشت گرد ساتھی بھی اس کے ساتھ کہیں چھپے ہوئے ہوں...... وہ ضرور تمہاری تلاش میں ہوں گے اور اپنے چھ ساتھیوں کی ہلاکت کے بعد انہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ یہ سب کچھ تمہاری یعنی کندن کی مخبری کی وجہ سے ہی ہوا ہے...... ان حالات میں تم پر کسی بھی جگہ قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"میں ان باتوں سے ڈر کر اپنے مشن کو نہیں چھوڑ سکتا...... یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔"

رحمت علی نے کہا۔

"میں تمہیں مشن چھوڑنے کے لئے نہیں کہہ رہا، لیکن اپنی حفاظت بھی تم پر فرض ہے...... میرا مشورہ ہے کہ تم جتنی جلدی ہو سکے واپس پنڈی چلے جاؤ...... کچھ دنوں کے لئے وہاں اپنی تنظیم کے آفس میں حاضر رہو...... اس دوران ہم یہاں باقی دہشت گردوں کی گرفتاری کے لئے کوششیں تیز کر دیں گے۔"

شیر خان کچھ سوچ کر بولا۔

"تمہارا مشورہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

رحمت علی کہنے لگا۔

"تم آج ہی کسی فلائٹ کے ذریعے پنڈی چلے جاؤ، اسی میں ہمارے مشن کی بھی بہتری ہے...... تمہارا زندہ رہنا بہت ضروری ہے۔"

شیر خان نے اسی وقت کراچی سے پنڈی چلے جانے کا فیصلہ کرلیا...... شام کی فلائٹ میں اس کی سیٹ بک کروادی گئی اور وہ اپنی تنظیم کے آفس سے نکل کر ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوگیا...... رحمت علی اس کے ساتھ تھا...... وہ شیر خان کو جہاز پر سوار کرواکر واپس گیا، جس وقت شیر خان کا جہاز اسلام آباد پہنچا تو رات کے سوا آٹھ بجے کا وقت ہوگیا تھا...... رحمت علی نے شیر خان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا چہرہ اور حلیہ بدل کر سفر کرے، مگر شیر خان نے کہا تھا۔

”میں ڈیڑھ دو گھنٹوں میں پنڈی پہنچ جاؤں گا، اتنے مختصر وقت کے لئے حلیہ بدلنے کی کیا ضرورت ہے۔“

یہاں شیر خان سے غلطی ہوگئی تھی...... اگر وہ رحمت علی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنا حلیہ بدل کر سفر کرتا تو ممکن تھا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نہ ہوتا...... ایئرپورٹ سے باہر نکل کر شیر خان نے ایک ٹیکسی لی اور پنڈی اپنی تنظیم کے آفس کی طرف روانہ ہوگیا...... کچھ دیر کے بعد ٹیکسی پنڈی کے گنجان علاقے میں داخل ہوکر تنظیم کے آفس کی گلی کی نکڑ پر آکر رُک گئی۔

شیر خان نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دیئے اور ٹیکسی میں سے نکل کر گلی میں داخل ہوگیا...... گلی میں اندھیرا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ بجلی کے کھمبے کی بتی فیوز ہوگئی ہوئی تھی...... شیر خان اندھیرے میں ہی چلنے لگا...... چھ سات قدم چلنے کے بعد جب وہ گلی کا موڑ مڑنے لگا، اس کے سر پر پیچھے کی جانب سے زبردست چوٹ لگی اور اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہ رہا...... گلی کے موڑ پر اندھیرے میں پہلے سے دو آدمی چھپے ہوئے تھے، جیسے ہی شیر خان موڑ مڑنے لگا...... ایک آدمی نے اس کے سر پر کسی چیز سے زوردار ضرب لگائی...... ضرب اتنی شدید تھی کہ شیر خان بے ہوش ہوکر گر پڑا...... دونوں آدمیوں نے شیر خان کو اٹھایا...... ان میں سے ایک آدمی نے بے ہوش شیر خان کو اپنے کندھے پر ڈالا اور دونوں گلی کی دوسری طرف اندھیرے میں گزرتے اس جگہ

آگئے جہاں گلی ایک بازار میں نکل آتی تھی...... یہاں پہلے سے ایک بند جیپ کھڑی تھی...... جیپ میں پہلے سے دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے...... شیر خان کو انہوں نے جیپ میں ڈالا...... جیپ سٹارٹ کی اور تھوڑی ہی دیر بعد جیپ وہاں سے غائب ہوگئی۔

شیر خان کو بے ہوش کر کے اغوا کرنے والوں میں ایک تو دہشت گردوں کا پارٹی لیڈر بھوشن تھا اور دوسرا اس کا کراچی کے گینگ کا بھارتی دہشت گرد سوبھاش تھا...... پاکستان میں مقیم یہی دو بھارتی دہشت گرد زندہ بچ سکے تھے...... تیسری کملا تھی جس کو انہوں نے خفیہ طور پر بھارتی سفارت خانے کے اندر پہنچادیا تھا...... جیپ میں ڈالنے کے بعد انہوں نے شیر خان کے دونوں ہاتھ اور بازو پیچھے کی طرف رسی سے کس کر باندھ دیئے تھے...... وہ شیر خان کو شہر سے دُور پہاڑیوں میں ایک جگہ لے گئے، جہاں کچھ دیر کے بعد بھارت کے سفارت خانے کی ایک بند گاڑی آکر رُکی...... انہوں نے شیر خان کو اس میں ڈال کر اس کے اوپر دوائیوں کے خالی ڈبے لگادیئے۔

یہ سفارت خانے کی ایمبولینس کی گاڑی تھی۔

گاڑی بھارت کے سفارت خانے کی طرف تیزی سے چل پڑی...... سفارت خانے میں بھارتی سفارت کار ان کا انتظار کر رہا تھا...... انہوں نے شیر خان کو ایک کمرے میں پلنگ پر لٹادیا...... تھوڑی دیر کے بعد شیر خان کو ہوش آگیا...... بھارتی سفارت کار بھوشن اور سوبھاش کرسیاں کھینچ کر اس کے قریب ہوگئے...... بھوشن نے شیر خان سے پوچھا۔

”کندن! تم نے پاکستانی پولیس کو ہمارے بارے میں اور کیا کچھ بتایا تھا؟“

وہ ابھی تک شیر خان کو کندن ہی سمجھ رہے تھے...... شیر خان نے جب دیکھا کہ وہ اسے کندن ہی سمجھ رہے ہیں اور ابھی تک ان پر یہ راز نہیں کھلا کہ کندن اصل میں مسلمان ہے اور پاکستانی مجاہد کمانڈو ہے تو اس نے اطمینان کا سانس لیا...... بھارتی سفارت کار نے کہا۔

"کندن! تم نے بھارت ماتا سے غداری کی ہے...... تمہاری وجہ سے ہمارے چھ آدمی مارے گئے ہیں...... جانتے ہو تمہیں اس کی کیا سزا مل سکتی ہے؟"

شیر خان نے کہا۔

"مجھے شما کر دو...... مجھ سے بھول ہو گئی...... میں روپے کے لالچ میں آ گیا تھا۔"

بھوشن نے زور سے ایک تھپڑ شیر خان کو رسید کیا اور غصے میں بولا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

سفارت کار نے کہا۔

"ہمیں سچ سچ بتا دو کہ تم نے پاکستانی پولیس کو اور کیا کیا بتایا تھا؟"

شیر خان نے کہا۔

"میں نے صرف نند لال جی کے خفیہ ٹھکانے کا پتہ پولیس کو بتایا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہم لوگ پیر جی پر بہت جلد دوبارہ حملہ کرنے والے ہیں...... اس کے سوا میں نے کچھ نہیں بتایا۔"

بھوشن نے گالی دے کر کہا۔

"تمہارے اتنا بتانے سے ہی ہمارے چھ آدمی مار دیئے گئے...... تمہیں تو چھ مرتبہ پھانسی دی جانی چاہئے۔"

سوبھاش نے بھوشن سے کہا۔

"اسے یہیں ختم کر کے جلا ڈالو۔"

بھارتی سفارت کار کہنے لگا۔

"نہیں...... ہم اس کی لاش کو سفارت خانے کے احاطے میں نہیں جلا سکتے...... اس کی لاش کو ہم کوہ مری کی پہاڑیوں میں پھینک آئیں گے جہاں درندے اس کی ہڈیاں تک چبا جائیں گے۔"

سوبھاش نے بھوشن سے پوچھا۔

"اس کندن کو تم کہاں سے پکڑ کر ساتھ لے آئے تھے؟ ہمارے کسی آدمی نے آج تک غداری نہیں کی...... یہ کیسے تمہارے ساتھ آ گیا؟"

بھوشن نے کہا۔

"یہ ہماری امرتسر والی گوبندی کی سفارش تھی...... کہنے لگی پرانا بھارتی جاسوس ہے اور پاکستان میں ایک مسلمان کا روپ دھار کر کچھ سال گزار چکا ہے...... ہمیں ایسے آدمی کی ضرورت تھی، اس لئے اسے ساتھ لے آئے...... ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ حرامی ہمیں مروا دے گا۔"

سوبھاش نے گوبندی کا نام سنا تو بولا۔

"گوبندی سے کندن کہاں ملا تھا؟"

بھوشن نے جواب میں کہا۔

"کہتی تھی کہ یہ آج کل بیکار ہے...... فیروز پور سے آیا ہے کام کی تلاش میں۔"

شیر خان بڑی تشویش کے ساتھ ان لوگوں کے یہ مکالمے سن رہا تھا...... اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے مسلمان ہونے کا راز شاید کھلنے والا ہے، چنانچہ وہ بیچ میں ہی بول پڑا۔

"میں پاکستان میں کئی بار وارداتیں کر چکا تھا...... گوبندی نے بتایا کہ ایک پارٹی پاکستان جا رہی ہے تو میں نے کہا مجھے بھی ساتھ لے چلو...... میں نیک نیت کے ساتھ بھارت ماتا کی سیوا کرنے آیا تھا...... بس لالچ میں آ گیا...... پاکستان کے ایک پولیس افسر نے کہا تمہیں پچاس ہزار روپے دیں گے...... اپنے ساتھیوں کا خفیہ ٹھکانہ بتا دو...... مجھ سے بھول ہو گئی...... مجھے شما کر دو۔"

بھارتی سفارت کار کسی سوچ میں تھا...... اس نے جیسے شیر خان کے جملے نہیں سنے تھے...... بھوشن سے کہنے لگا۔

"بھوشن! مجھے ایک شک پڑ گیا ہے۔"

"کون سا شک؟" بھوشن نے پوچھا۔

بھارتی سفارت کار نے کہا۔

"مجھے لگتا ہے یہ شخص اصل میں کشمیری مجاہد ہے اور مسلمان ہے۔"

یہ سن کر سوبھاش اور بھوشن ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے...... شیر خان کو ایک لمحے کے لئے محسوس ہوا کہ اس کا کھیل ختم ہو گیا ہے، مگر وہ آخری وقت تک جدوجہد کرنا چاہتا تھا، اس نے کہا۔

"نہیں نہیں...... میں مسلمان نہیں ہوں...... میں ہندو برہمن ہوں...... میرے پتا جی کا نام دیا شنکر تھا...... میری ماتا جی کا نام باگیشوری بائی تھا۔"

مگر ان تینوں بھارتی دہشت گردوں نے شیر خان کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا......

بھوشن بولا۔

"اگر ایسی بات ہے تو یہ شک ابھی دُور کیا جا سکتا ہے...... اس کی پتلون کھول کر دیکھ لیتے ہیں۔"

شیر خان اب کچھ نہیں کر سکتا تھا...... کھیل واقعی ختم ہو چکا تھا...... بھارتی سفارت کار نے سوبھاش سے کہا۔

"سوبھاش! دیکھو اس شخص کے مسلمان ہونے وا۔ لے ختنے ہوئے ہیں یا نہیں۔"

دوسرے لمحے یہ راز سب پر کھل گیا کہ شیر خان ہندو نہیں ہے، بلکہ مسلمان ہے اور کندن بن کر اب تک انہیں بے وقوف بناتا رہا ہے...... اس راز کے کھل جانے کے بعد بھوشن نے بھارتی سفارت کار سے کہا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں اسے قتل کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے...... یہ ہمارا سب سے خطرناک دشمن ہے۔"

بھارتی سفارت کار سوبھاش اور بھوشن کو دوسرے کمرے میں لے گیا اور کہنے لگا۔

"اب ہمیں اس کی زیادہ ضرورت ہے...... ہم اس سے بھارت میں موجود پاکستانی

کمانڈوز کے بارے میں بڑی کار آمد معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"یہ بات تو ہے۔" سوبھاش نے کہا۔

بھوشن بولا۔

"ہمیں ابھی اس سے پوچھ گچھ شروع کر دینی چاہئے...... اس کو زیادہ سے زیادہ ٹارچر کرنا چاہئے...... یہ سب کچھ بتا دے گا۔"

سفارت کار نے کہا۔

"ہم اپنے سفارت خانے میں ایسا نہیں کر سکتے اور ہمارے پاس اس قسم کے جاسوسوں پر تشدد کرنے کا پورا ساز و سامان بھی نہیں ہے۔"

"پھر اس کا کیا کریں؟ ہم پاکستان میں ہیں...... یہ یہاں سے فرار ہو سکتا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ اس کا بھید فاش ہو گیا ہے۔"

سفارت کار بولا۔

"ہم اسے جالندھر پولیس کے حوالے کر دیں گے...... وہ لوگ اس سے ایک ایک بات معلوم کر لیں گے...... ان کے پاس ٹارچر کا جدید سامان ہے...... اور ان کے پاس بڑے تجربہ کار پولیس آفیسر موجود ہیں۔"

سوبھاش نے کہا۔

"لیکن ہم اسے بارڈر کے پار کیسے لے جائیں گے۔"

سفارت کار کہنے لگا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... ہماری سفارت تھیلے کی بند گاڑی ہفتے میں ایک بار بارڈر کراس کر کے انڈیا جاتی ہے...... اسی طرح انڈیا سے ہر ہفتے پاکستانی سفارت خانے کی سفارتی تھیلے والی گاڑی بھارت سے پاکستان آتی ہے...... ان گاڑیوں کی بارڈر پر چیکنگ نہیں کی جاتی...... سفارتی قواعد و ضوابط کے مطابق ان گاڑیوں کو چیک کرنے کی اجازت نہیں ہے...... ہم اس پاکستانی جاسوس کو اس گاڑی میں بے ہوش کر کے ڈال

دیں گے اور بھارت پہنچادیں گے۔"

بھوشن نے کہا۔

"ہم لوگ بھی اسی گاڑی سے بھارت چلے جائیں گے۔"

سفارت کار بولا۔

"تمہیں ساتھ ہی جانا ہوگا...... میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گا۔"

انہوں نے کملا کو بھی اسی کمرے میں بلالیا اور اسے سب کچھ بتادیا کہ کندن اصل میں پاکستانی کمانڈو ہے جو ہندو دہشت گرد بن کر اب تک ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا ہے...... کملا کہنے لگی۔

"مجھے ایک بار اس پر یہ شک ہوا تھا، مگر پھر میں نے سوچا کہ گوبندی بڑی چالاک عورت ہے وہ دھوکا نہیں کھا سکتی۔"

بھوشن بولا۔

"لیکن اس پاکستانی جاسوس نے اسے بھی الو بنادیا، لیکن یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آخر اس کا بھانڈا پھوٹ گیا اور ایک بڑا اہم پاکستانی جاسوس زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔"

انہوں نے کملا کو بھی بتادیا کہ اس پاکستانی کمانڈو جاسوس کو بھارتی سفارت خانے کی گاڑی میں بھارت لے جایا جائے گا۔

شیر خان دوسرے کمرے میں پڑا تھا...... اسے کچھ پتہ نہ چل سکا کہ دوسرے کمرے میں وہ لوگ آپس میں کیا مشورہ کررہے ہیں...... یہ شیر خان اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا راز کھل چکا ہے اور اب یہ لوگ اسے ایک دم شوٹ نہیں کریں گے بلکہ اذیتیں دے دے کر اس سے ہر قسم کی پوچھ گچھ کریں گے اور اگر شیر خان نے انہیں کچھ نہ بتایا تو پھر اسے ضرور قتل کردیا جائے گا، چنانچہ شیر خان کے سامنے اب ایک ہی مسئلہ تھا کہ ان لوگوں کے چنگل سے کیسے فرار ہوا جائے۔

شیر خان کو ایک دوسرے کمرے میں بند کردیا گیا...... جب رات ہوگئی تو اسے بھارتی سفارت خانے کی ایک بند گاڑی میں بے ہوشی کا ٹیکہ لگا کر ڈال دیا گیا...... اس گاڑی پر بھارت کا ترنگا جھنڈا لگا ہوا تھا...... اس میں بھوشن اور کملا بھی بیٹھ گئے...... بھارتی سفارت کار نے بھوشن سے کہا۔

"یہاں سے سیدھا جالندھر سی آئی اے کے ہیڈکوارٹر میں جانا...... وہاں امر سنگھ ڈی ایس پی ہے...... میں نے وائرلیس پر اسے سب کچھ بتادیا ہے...... وہ تم لوگوں کا انتظار کررہا ہوگا...... پاکستانی جاسوس کو اس کے حوالے کرنے کے بعد تم بھی ہیڈکوارٹر میں ہی رہو گے...... میں کل کسی وقت تم سے آکر ملوں گا۔"

اس کے بعد سفارتی گاڑی اسلام آباد سے واہگہ بارڈر کی جانب روانہ ہوگئی...... گاڑی اسلام آباد سے رات کے آٹھ بجے روانہ ہوئی اور رات کا ایک بج رہا تھا جب وہ واہگہ بارڈر پر پہنچ گئی، چونکہ یہ سفارتی گاڑی تھی اور اس پر بھارت کا پرچم لہرا رہا تھا اس لئے اس کی چیکنگ نہ ہوئی اور گاڑی بارڈر کراس کر کے بھارت کی سرزمین میں داخل ہوگئی...... شیر خان گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑا تھا...... اس کو بے ہوشی کا جو انجکشن لگایا گیا تھا اس کا اثر کافی حد تک زائل ہوچکا تھا اور اس کے جسم کی توانائی بحال ہونے لگی تھی۔

شیر خان سوچنے لگا کہ اسے گاڑی میں ڈال کر کہاں لے جایا جارہا ہے؟ گاڑی جب گوجرانوالہ کے قریب پہنچی تو شیر خان کو ہوش آنے لگا تھا، چنانچہ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ گاڑی ابھی اسلام آباد کے علاقے میں ہی ہے...... جب گاڑی امرتسر سے پہلے چھ ہرٹہ کے گوردوارے کے قریب سے گزری تو شیر خان کے کانوں میں شبد کیرتن کی آواز آئی...... وہ بڑا حیران ہوا کہ اگر گاڑی ابھی پوٹھوہار کے علاقے میں ہی ہے تو پھر یہ گوردوارے میں شبد کیرتن گانے کی آواز کہاں سے آگئی ہے...... گاڑی میں ڈالنے سے پہلے اس کے دونوں ہاتھ رسی سے باندھ دیئے گئے تھے...... شیر خان سمجھ گیا کہ یہ بھارتی دہشت گرد اسے اپنے کسی خفیہ ٹھکانے پر پوچھ گچھ کے لئے لے جارہے ہیں جو

پوٹھوہار کی پہاڑیوں میں کسی جگہ پر ہے۔

شیر خان نے اپنے ہاتھ رسی سے آزاد کرنے کی کوشش شروع کر دی...... یہ کام ایک خاص ٹیکنیک سے کیا جاتا تھا اور اس کی ہر کمانڈو اور جاسوس کو تربیت دی جاتی ہے...... سفارتی گاڑی امرتسر شہر سے گزر کر اب جالندھر کی طرف جا رہی تھی...... کافی کوشش کے بعد شیر خان نے اپنے دونوں ہاتھوں پر بندی ہوئی رسی کو اتنا ڈھیلا کر دیا کہ وہ جب چاہے اس میں سے اپنے ہاتھ باہر نکال سکتا تھا...... گوردوارے سے آنے والی شبد کیرتن کی آواز ابھی تک شیر خان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، جہاں تک شیر خان کو یاد تھا پوٹھوہار کے علاقے میں ایسا کوئی گوردوارہ نہیں تھا جہاں رات کے وقت شبد کیرتن ہوتا ہے...... ایک جگہ پر گاڑی کی سپیڈ ہلکی ہونے لگی...... پھر وہ رُک گئی...... اسے بھوشن کی آواز سنائی دی...... وہ ڈرائیور سے کہہ رہا تھا۔

"یہاں ہم چائے پئیں گے...... تم گاڑی میں ہی رہنا۔"

پھر شیر خان کو ایک عورت کی آواز آئی۔

"پاکستانی جاسوس کو دیکھو...... وہ بے ہوش ہی ہے ناں...... کہیں اسے ہوش تو نہیں آگیا۔"

شیر خان نے فوراً اس آواز کو پہچان لیا...... یہ کملا کی آواز تھی...... بھوشن نے کہا۔

"ہوش میں آگیا تو ہم اسے دوسرا انجکشن لگا دیں گے اور پھر اب ہم ہیڈ کوارٹر پہنچنے ہی والے ہیں...... ویسے میں چیک کر لیتا ہوں۔"

شیر خان نے یہ سنا تو آنکھیں بند کر لیں...... بھوشن گاڑی کی پچھلی سیٹ کی طرف آگیا...... اس نے کپڑا ہٹا کر شیر خان کو ٹارچ روشن کر کے غور سے دیکھا...... پھر کپڑا اس کے منہ پر دوبارہ ڈال دیا اور کملا سے کہا۔

"بے ہوش ہی ہے۔"

بھوشن نے ڈرائیور سے کہا۔

"یہ بڑا خطرناک پاکستانی جاسوس ہے...... پستول تمہارے پاس ہی ہے نا؟"

"ہاں۔"

ڈرائیور نے یہ کہہ کر بھوشن کو اپنا بھرا ہوا جرمن پستول دکھایا...... کملا نے کہا۔

"ہم سامنے والے کھوکھے کے باہر بیٹھ کر چائے پیتے ہیں...... تمہارے لئے چائے گاڑی میں آجائے گی...... ہوشیار ہو کر بیٹھنا۔"

"ٹھیک ہے میڈم۔" ڈرائیور نے کہا اور پستول ہاتھ میں لے کر شیر خان کی سیٹ کے پاس ہی بیٹھ گیا...... شیر خان کے دماغ نے تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا...... یہ لوگ اسے کسی ہیڈ کوارٹر میں لے جا رہے تھے اور بھوشن نے کہا تھا کہ ہیڈ کوارٹر اب زیادہ دُور نہیں ہے...... اس کا مطلب تھا کہ شیر خان کو جو کچھ کرنا تھا ابھی کرنا تھا...... شاید یہ سٹاپ اس کے لئے آخری موقع تھا۔

شیر خان کے چہرے پر چادر نہیں تھی...... وہ دیکھ سکتا تھا...... بند گاڑی کے اندر بڑی پھیکی سی روشنی آ رہی تھی...... یہ سڑک کی دوسری جانب کسی بلب کی روشنی تھی۔ تھوڑی دیر بعد انڈین فلمی گانے کی آواز آنے لگی...... چائے کے کھوکھا ریسٹورنٹ میں ٹیپ ریکارڈر اون کر دیا گیا تھا...... شیر خان سوچنے لگا اگر وہ پوٹھوہار کے علاقے میں ہی ہے تو یہاں انڈین فلمی گانے چائے کے ریستورانوں میں نہیں بجائے جاتے...... پھر یہ معمہ کیا ہے؟

لیکن اس وقت اس کی ساری توجہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے اور وہاں سے فرار ہونے کی طرف تھی...... اس نے تھوڑی تھوڑی آنکھیں کھول کر دیکھا کہ ڈرائیور اس کے ساتھ والی سیٹ پر اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کی نظریں ہمہ وقت شیر خان پر پڑتی رہیں...... پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور پستول کا رُخ نیچے کی طرف تھا، چونکہ ڈرائیور کو معلوم تھا کہ پاکستانی جاسوس انجکشن کے زیر اثر بے ہوش پڑا ہے اس لئے قدرتی طور پر وہ شیر خان کی طرف سے اتنا چوکس نہیں تھا اور گاڑی کا شیشہ ذرا سا نیچے اتار کر باہر

دیکھ رہا تھا...... باہر سے بھارتی فلمی گانے کی اونچی آواز آ رہی تھی...... اتنے میں گاڑی پر کسی نے ٹھک ٹھک کی...... پھر کسی کی آواز آئی۔

"چائے ماراج جی!"

ماراج کا لفظ سن کر اچانک شیر خان چونک پڑا...... اس نے سوچا کہیں اسے انڈیا میں تو نہیں لے آیا گیا؟ ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ ذرا سا کھول کر باہر کھڑے لڑکے کے ہاتھ سے چائے کا گلاس پکڑ لیا اور دروازہ بند کر کے چائے پینے لگا...... شیر خان نے فوراً اچانک کمانڈو اٹیک کرنے کی حکمت عملی پر غور کرنا شروع کر دیا...... صرف ایک ہی زاویہ ایسا تھا جس طرف سے وہ اس ڈرائیور کو اس طرح دبوچ سکتا تھا کہ اس کی آواز تک نہ نکل سکے اور اسے پستول چلانے کی بھی مہلت نہ مل سکے...... شیر خان نے چادر کے اندر ہی اندر اپنے دونوں ہاتھ رسی سے باہر نکال لئے...... سفارت خانے کی گاڑی کا ڈرائیور پھونکیں مار مار کر چائے پی رہا تھا...... شاید چائے بہت گرم تھی...... پھر اس نے چائے کا گلاس نیچے رکھ دیا۔

❁ ❁ ❁

شیر خان نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ڈرائیور نے گلاس نیچے رکھنے کے بعد پستول بھی اپنے پاس ہی سیٹ پر رکھ دیا اور جیب سے رومال نکال کر گلاس کو دوبارہ پکڑا اور چائے کے ہلکے ہلکے گھونٹ بھرنے لگا...... گلاس کے گرد رومال لپیٹ کر اس نے دونوں ہاتھ سے تھام رکھا تھا۔

شیر خان کے لئے یہی ایک موقع تھا...... جب اسے اپنی مہارت اور ٹریننگ کے کمال کو آزمانا تھا...... پھر ایک بجلی سی جیسے چمک گئی ہو...... یہ سب کچھ ایک لمحے میں ہو گیا...... ایک ہی لمحے میں شیر خان سیٹ پر سے اٹھا اور اسی ایک لمحے میں جس طرح بھوکا چیتا اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اسی طرح وہ ڈرائیور پر جھپٹا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ لیا...... دونوں اپنی اپنی سیٹ پر سے نیچے گر پڑے، مگر شیر خان نے ڈرائیور کا گلا نہ چھوڑا...... اس کی گرفت آہنی شکنجے کی گرفت تھی...... ڈرائیور ایک عام آدمی تھا...... پھر اس پر اچانک حملہ کیا گیا تھا اور حملہ بھی ایک تربیت یافتہ زبردست کمانڈو نے کیا تھا...... وہ بے چارا کیسے بچ سکتا تھا...... اس کے حلق سے غرغراہٹ کی آواز بھی نہ نکل سکی اور تڑپنے لگا۔

شیر خان کو معلوم تھا کہ اگر اس نے اپنی گرفت کے شکنجے کو ذرا سا بھی ڈھیلا کیا تو سارا کھیل ختم ہو جائے گا...... اس کے جسم کی ساری طاقت اس کے دونوں ہاتھوں کے مضبوط شکنجے میں آ گئی تھی...... کوئی کتنی دیر تک سانس روک سکتا ہے؟ ڈرائیور کا جسم

ڈھیلا پڑنے لگا...... اس کے ساتھ ہی شیر خان نے اس کی گردن کو زور سے تین جھٹکے دیئے...... ان جھٹکوں نے ڈرائیور کی گردن کی ہڈی کو دو جگہوں سے توڑ دیا...... اس کے بعد وہ بے جان ہو گیا۔

باہر سے انڈین فلمی گانوں کی آواز اسی طرح آ رہی تھی۔

شیر خان نے گاڑی کی دوسری طرف والا دروازہ آہستہ سے کھولا اور نیچے سڑک پر اتر گیا...... سڑک پر اندھیرا تھا...... سڑک پر اترتے ہی وہ جھک کر درختوں کی طرف دوڑتا چلا گیا...... چند لمحوں کے بعد اسے رات کی تاریکی نے اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیا...... اس وقت بھوشن اور کملا سڑک کی دوسری جانب ہوٹل کے کھوکھے کے باہر کرسیوں پر بیٹھے چائے پی رہے تھے...... انہوں نے چند ایک کچوریاں بھی گرم کروالی تھیں اور مزے سے کچوریاں بھی کھا رہے تھے...... انہیں بالکل خبر نہ ہو سکی کہ گاڑی کے اندر ان کے ڈرائیور کی لاش پڑی ہے اور شیر خان فرار ہو چکا ہے...... سرکاری کار والے گاہکوں کی وجہ سے ہوٹل والا چھانٹ چھانٹ کر فلمی گانے بجا رہا تھا۔

چائے پی چکنے کے بعد بھوشن نے بل ادا کیا اور ہوٹل والے سے کہا۔

"بھیا گاڑی میں سے خالی گلاس منگوالو۔"

یہ سنتے ہی ہوٹل کا لڑکا دوڑ کر سفارت خانے کی بند گاڑی کی طرف گیا اور ٹھک ٹھک کر کے بولا۔

"ماراج! خالی گلاس دے دو۔"

اندر سے کوئی جواب نہ آیا...... اس وقت تک کملا اور بھوشن گاڑی کے پاس آ گئے تھے...... بھوشن نے لڑکے سے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

لڑکے نے کہا۔

"ماراج! اندر سے کوئی بول نہیں رہا۔"

بھوشن اور کملا ایک دم چونک سے گئے...... بھوشن نے لپک کر گاڑی کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ڈرائیور دونوں سیٹوں کے درمیان بے جان پڑا تھا اور پاکستانی جاسوس غائب تھا...... اس نے گھبرا کر کملا سے کہا۔

"جلدی سے گاڑی میں بیٹھو...... وہ فرار ہو گیا ہے۔"

کملا نے جلدی سے اگلی سیٹ پر اپنے آپ کو گرا دیا...... بھوشن نے گاڑی سٹارٹ کی اور تیزی سے سڑک پر آگے کی طرف نکل گیا...... سڑک دُور تک خالی پڑی تھی...... سڑک پر دونوں جانب کھمبوں پر بجلی کے بلب روشن تھے...... یہ جی ٹی روڈ تھی...... کچھ دُور جانے کے بعد بھوشن نے گاڑی کو بریک لگائی...... پھر تیزی سے اسے واپس موڑا اور غصے میں بولا۔

"یہ سب کیسے ہو گیا...... وہ زیادہ دُور نہیں گیا ہو گا۔"

کملا نے کہا۔

"وہ یہیں کہیں کھیتوں میں ہی ہو گا...... ہمیں گاڑی چھوڑ کر کھیتوں میں اسے تلاش کرنا چاہئے۔"

بھوشن گاڑی کو سڑک کے کنارے لے آیا...... بریک لگائی...... دروازہ کھول کر باہر نکلا...... جیب سے بھرا ہوا پستول نکالا اور کملا سے کہا۔

"ڈرائیور کا پستول سیٹ پر پڑا ہے...... اسے فوراً اٹھا لو۔"

کملا نے لپک کر پچھلی سیٹ کے نیچے گرا ہوا ڈرائیور کی لاش کے پاس پڑا پستول اٹھا لیا...... دونوں اندھیرے میں کھیتوں میں گھس گئے...... دُور دُور تک اندھیرے میں کھیت ہی کھیت تھے...... بھوشن تیز دوڑ رہا تھا...... کملا بھی اس کے پیچھے دو کھیتوں کے درمیان مینڈھ پر دوڑ رہی تھی...... یہ سبزیوں، ترکاریوں کے کھیت تھے جن کے پودے زمین سے بمشکل ایک فٹ ہی اونچے تھے...... تاروں کی روشنی میں کھیت دُور تک خالی خالی سے تھے۔

دوسرے کھیت کی مینڈھر پر پہنچ کر وہ رُک گئے...... بھوشن نے کہا۔

"وہ کہاں جا سکتا ہے؟"

کملا نے کہا۔

"وہ پانچ چھ منٹ پہلے ڈرائیور کو قتل کر کے نکلا ہو گا...... اتنی دیر میں زیادہ دُور نہیں جا سکتا...... ضرور یہیں کسی کھیت میں چھپا ہوا ہو گا اور اس کے پاس اسلحہ نہیں ہے...... ہم آسانی سے اسے زخمی کر کے قابو کر سکتے ہیں۔"

بھوشن سخت پریشانی کے عالم میں تھا...... شیر خان کو ہر حالت میں پکڑنا ضروری تھا، مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا...... دونوں دیوانہ وار سبزیوں کے کھیتوں میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگے...... جب شیر خان کا کوئی سراغ نہ ملا تو بھوشن نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"جلدی سے گاڑی کی طرف چلو...... ہم اور پیچھے جا کر اسے تلاش کرتے ہیں...... ہو سکتا ہے وہ امرتسر کی طرف بھاگ گیا ہو۔"

دونوں فوراً اس طرف کو دوڑے جہاں سڑک پر انہوں نے گاڑی کھڑی کی تھی...... ابھی وہ کھیتوں میں ہی تھے کہ انہیں گاڑی کے انجن کے سٹارٹ ہونے کی آواز آئی...... بھوشن نے چیخ کر کہا۔

"وہ ہماری گاڑی لے کر فرار ہو رہا ہے۔"

اور بھوشن نے سڑک کی طرف دوڑ لگا دی، لیکن اسی دوران شیر خان گاڑی سٹارٹ کر کے وہاں سے نکل چکا تھا...... کملا اور بھوشن سڑک پر کھڑے اپنی گاڑی کی دُور ہوتی سرخ بتی کو شدید غصے اور مایوسی کی حالت میں دیکھ رہے تھے...... شیر خان ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا...... کملا نے کہا۔

"وہ ہمارے سفارت خانے کی گاڑی میں ہے...... ہمیں فوراً کسی جگہ سے جالندھر پولیس سٹیشن فون کرنا چاہئے۔"

بھوشن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہاں فون کہاں سے کریں گے۔"

کملا بولی۔

"کرتارپور یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے...... وہاں پولیس کی چوکی ہے...... ہمیں کسی ٹرک وغیرہ سے لفٹ لے کر کرتارپور پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

بھوشن نے انتہائی مایوسی کے ساتھ کہا۔

"اب یہی ہو سکتا ہے۔"

اور وہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر پیچھے کی طرف دیکھنے لگے، مگر پیچھے بھی سڑک دُور دُور تک خالی پڑی تھی...... کسی ٹرک وغیرہ کی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔

دوسری طرف شیر خان بھارتی سفارت خانے کی گاڑی لے کر سڑک پر بہت دُور نکل چکا تھا...... وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ اسے یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ بھارت کے سفارت خانے کی گاڑی میں جا رہا ہے...... وہ کسی بھی جگہ سڑک پر چیکنگ کے دوران بڑی آسانی سے پکڑا جا سکتا تھا...... اگرچہ اس نے ڈرائیور کی لاش کھیتوں میں پھینک دی تھی اور گاڑی کے بونٹ پر لگا بھارت کا پرچم بھی اتار دیا تھا...... اس کے باوجود گاڑی کی پلیٹ بھارتی سفارت خانے کی تھی اور شیر خان کے پاس کوئی لائسنس یا شناختی کارڈ بھی نہیں تھا...... وہ صرف بھوشن اور کملا کی پہنچ سے زیادہ سے زیادہ دُور نکل کر کسی ایسی جگہ پہنچ کر گاڑی کو چھوڑ دینا چاہتا تھا جہاں سے وہ اس علاقے سے کسی دوسری جانب کو زیادہ سے زیادہ دُور ہو سکے۔

اتنا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بھارت کی سرزمین پر بارڈر سے زیادہ دُور نہیں ہے اور پیچھے جو شہر آیا تھا اور جہاں سے اسے گوردوارے میں شبد کیرتن کی آواز آئی تھی وہ امرتسر شہر ہی تھا...... اس کے بعد بڑا شہر جالندھر تھا...... شیر خان بھول کر بھی سفارت خانے کی گاڑی کو جالندھر لے جانے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا...... گاڑی خالی سڑک پر

پوری رفتار سے جارہی تھی...... سڑک پر کچھ دُور جانے کے بعد ایک ریلوے کراسنگ آگئی...... وہاں پھاٹک نہیں تھا...... پیچھے سے ریل گاڑی کے انجن کی روشنی آ رہی تھی...... شیر خان نے ریلوے کراسنگ کے قریب آکر گاڑی کھڑی کردی اور اس کی بتیاں بجھادیں...... ٹرین گزرنے لگی...... یہ کوئی مسافر ٹرین تھی...... ڈبوں میں روشنی ہورہی تھی...... ٹرین کی رفتار بہت ہلکی تھی...... ایسے لگ رہا تھا جیسے آگے جاکر کھڑی ہوجائے گی۔

جب ٹرین گزر گئی تو شیر خان گاڑی کی بتیاں روشن کئے بغیر اسے ریلوے کراسنگ کی دوسری طرف لے آیا...... اس نے دیکھا کہ ٹرین واقعی آگے جاکر کھڑی ہوگئی تھی...... اچانک شیر خان کے ذہن میں ایک خیال آگیا...... ریلوے لائن کی دونوں جانب کچا راستہ تھا...... شیر خان گاڑی کو کچے راستے پر لے آیا...... ریل گاڑی کا انجن بار بار وسل دے رہا تھا...... آگے کسی سٹیشن کا سگنل ڈاؤن نہیں تھا...... شیر خان نے گاڑی کھڑی کردی...... دُور کچھ فاصلے پر سگنل کی سرخ بتی نظر آرہی تھی...... شیر خان نے گاڑی میں سے اترنے سے پہلے اس کے ڈیش بورڈ کو کھول کر دیکھا تو اندر ایک لفافہ پڑا تھا...... اس نے لفافے کو کھولا...... اندھیرے میں اسے کرنسی نوٹ نظر آئے...... اس نے جلدی سے لفافہ جیب میں رکھا اور گاڑی سے نکل کر تیز تیز قدموں سے ٹرین کی طرف چل پڑا...... ٹرین کے آخری ڈبے کی سرخ بتی روشن تھی...... اس نے دیکھا کہ آخری ڈبے میں سے ایک آدمی نیچے اترا...... اس کے ہاتھ میں لالٹین تھی...... یہ ٹرین کا گارڈ تھا۔

شیر خان ٹرین کی دوسری طرف ہوگیا اور ایک ڈبے کے پائیدان پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ گیا...... یہ تھرڈ کلاس کا ڈبہ تھا...... رات کافی گزر چکی تھی...... تقریباً سبھی مسافر سو رہے تھے...... شیر خان دروازہ بند کرکے وہیں بیٹھ گیا...... اتنے میں سگنل ڈاؤن ہوگیا تھا...... انجن نے وسل دیا...... گارڈ نے دو ایک بار سیٹی بجائی اور ٹرین چل

پڑی...... شیر خان کا خیال تھا کہ آگے جو سٹیشن ہے ٹرین وہاں رکے گی مگر یہ کوئی چھوٹا سٹیشن تھا...... ٹرین اسے چھوڑتی ہوئی گزر گئی...... اس کے بعد ٹرین کی سپیڈ آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئی اور پھر وہ پوری رفتار سے جارہی تھی...... شیر خان نے ڈبے کے مسافروں کا غور سے جائزہ لیا...... ایک مسافر کو چھوڑ کر سبھی مسافر سو رہے تھے...... یہ مسافر کونے والی سیٹ پر بیٹھا تھا اور اونگھ رہا تھا...... تھوڑی دیر اونگھتا اور پھر آنکھیں کھول کر دیکھنے لگتا۔

شیر خان لیٹرین میں گھس گیا۔

اس نے جیب سے وہ لفافہ نکال کر دیکھا جو اس نے بھارتی سفارت خانے کی گاڑی کے ڈیش بورڈ سے نکالا تھا...... اس میں کافی کرنسی نوٹ تھے...... شیر خان نے نوٹ گنے...... یہ کل ایک ہزار سات سو روپے کے نوٹ تھے...... شیر خان نے انہیں اپنی پتلون کی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا...... اسے ان روپوں کی ضرورت پڑ سکتی تھی...... اسے واپس کشمیر کے محاذ پر پہنچنا تھا اور پنجاب کا وہ علاقہ خاص طور پر اس کے لئے خطرناک بن چکا تھا...... وہ امرتسر اور جالندھر کے درمیان کسی جگہ سے سفارت خانے کے ڈرائیور کو ہلاک کرکے فرار ہوا تھا...... اس بھید کے کھل جانے کے بعد یہ سارا علاقہ پولیس اور خفیہ پولیس کی سرگرمیوں کا مرکز بننے والا تھا...... کشمیر جانے کے لئے اسے جالندھر اتر کر جموں کے لئے کوئی ٹرین یا لاری پکڑنے کی ضرورت تھی...... اس نے سوچا کہ کیوں نہ یہ کام صبح ہونے سے پہلے کردیا جائے...... بھوشن اور کملا ابھی راستے میں ہی ہوں گے اور انہوں نے پولیس کو خبر نہیں کی ہوگی۔

پھر اسے خیال آیا کہ وہ لوگ کسی گاڑی سے لفٹ لے کر زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جالندھر پہنچ کر پولیس کو اطلاع کرسکتے ہیں...... شیر خان لیٹرین سے نکل کر واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا، وہ سوچنے لگا اسے کیا کرنا چاہئے...... رات ڈھلنے لگی تھی...... تھوڑی دیر بعد صبح کی روشنی پھیلنے والی تھی...... ٹرین کی سپیڈ ہلکی ہونے

لگی...... شیر خان نے کھڑکی میں سے جھانک کر باہر دیکھا...... کسی شہر کی روشنیاں قریب آرہی تھیں...... یہ کوئی بڑا شہر لگتا تھا...... جالندھر ہی ہو سکتا تھا...... ٹرین یہاں رُکنے والی تھی...... شیر خان نے سوچا کہ اگر بھوشن اور کملا کسی جگہ سے جالندھر پولیس کو اس کے فرار کے بارے میں ٹیلی فون پر اطلاع دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو سٹیشن پر پولیس اس کی تلاش میں ضرور موجود ہو گی...... اس نے تیزی سے سوچنا شروع کر دیا۔

پہلے اس نے سوچا کہ جیسے ہی ٹرین کی رفتار زیادہ ہلکی ہو وہ ٹرین سے چھلانگ لگا دے اور سٹیشن آنے سے پہلے ہی کسی طرف کو نکل جائے...... ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ٹرین سٹیشن کے ریلوے یارڈ میں داخل ہو گئی اور کانٹے بدل بدل کر پٹڑیوں پر سے گزرنے لگی...... یہاں ٹرین سے اترنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... دیکھتے دیکھتے ٹرین سٹیشن میں داخل ہو کر پلیٹ فارم پر کھڑی ہو گئی...... شیر خان وہیں ڈبے کے فرش پر لیٹ گیا، جیسے سو رہا ہو۔

پلیٹ فارم پر مسافروں وغیرہ کی آواز سنائی دینے لگیں...... اتنے میں کسی نے اونچی آواز میں کہا۔

"سارے ڈبوں کی تلاشی لو...... وہ اسی ٹرین میں ہو گا۔"

شیر خان نے اپنے آپ سے کہا...... شیر خان تم سے غلطی ہو گئی...... تمہیں اس ٹرین پر سوار نہیں ہونا چاہئے تھا...... اس نے تھوڑی سی آنکھیں کھول کر دیکھا...... ڈبے میں کچھ مسافر داخل ہو گئے تھے اور قلی کی مدد سے اپنا سامان رکھوا رہے تھے...... اس نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا...... اس کے دل کی دھڑکن ذرا سی دیر کے لئے تیز ہو گئی۔

پلیٹ فارم پر دس پندرہ پولیس کے سکھ سپاہی موجود تھے...... دو سپاہی ایک ڈبے میں تلاشی لینے کے لئے داخل ہو رہے تھے...... شیر خان نے ڈبے کے دوسری طرف اترنے کا سوچا...... دوسری طرف کے دروازے میں سے باہر دیکھا تو اس طرف بھی پولیس کی پوری گارڈ ریلوے ٹریک کے ساتھ ساتھ کھڑی تھی...... "افسوس"

شیر خان نے دل میں کہا...... اب قسمت اچھی ہو گی تو یہاں سے بچ کر نکل سکوں گا......

اب وہ صرف ایک مجاہد کمانڈو ہی نہیں تھا بلکہ پولیس کی نگاہوں میں ایک قاتل بھی تھا، جس نے بھارتی سفارت خانے کے ڈرائیور کو قتل کیا تھا...... شیر خان وہیں لیٹرین کے باہر ڈبے کے دروازے کے پاس بیٹھا رہا۔

اتنے میں دو پولیس کے سپاہی اس کے ڈبے میں بھی داخل ہو گئے...... شیر خان سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو گیا ہے...... اب وہ فرار نہیں ہو سکتا تھا...... فرار ہونا فضول تھا...... پولیس مسلح تھی...... دونوں سپاہی جو ڈبے میں آئے تھے مسلح تھے...... وہ ایک ایک مسافر کو اٹھا کر اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کچھ پوچھ رہے تھے...... شیر خان نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک سپاہی کے ہاتھ میں کوئی فوٹو تھی اور وہ مسافر کو دیکھ کر فوٹو کو بھی دیکھتے تھے۔

شیر خان سمجھ گیا کہ یہ فوٹو اسی کی ہے...... خدا جانے بھوشن اور اس کے ساتھیوں نے کب اور کیسے اس کی فوٹو اتاری تھی...... انہیں ایسا کرنا ہی تھا...... ان کے پاس اپنی پارٹی کے ہر دہشت گرد کی تصویریں موجود تھیں...... سپاہی شیر خان کے پاس آگئے...... شیر خان فرش پر ڈبے کے بند دروازہ سے ٹیک لگائے بیٹھا اونگھ رہا تھا، بلکہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اونگھ رہا ہے...... ایک سپاہی نے اسے ہلا کر کہا۔

"کون ہو تم؟"

شیر خان نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"ماراج! میں دھوم چند ہوں...... دلی میں چائے کی دکان کرتا ہوں ماراج!"

شیر خان نے یہ یونہی کہہ دیا تھا...... اسے معلوم تھا کہ سپاہیوں کے پاس اس کی فوٹو موجود ہے اور وہ ابھی اسے پہچان کر گرفتار کر لیں گے...... سپاہی نے شیر خان کو غور سے دیکھا اور پھر ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھوٹی فوٹو کو دیکھا اور اپنے ساتھی سے کہا۔

"یہ بھی نہیں ہے...... آگے چلو۔"

اور وہ دوسرے مسافر کو جگا کر اس کے چہرے کو غور سے تکنے لگے...... یہ ایک کرامات ہی ہو گئی تھی...... شیر خان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے...... پولیس کسی دوسرے مفرور کی تلاش میں تھی اور سپاہی کے ہاتھ میں اس مفرور مجرم کی فوٹو تھی...... وہ شیر خان کی فوٹو نہیں تھی...... شیر خان کی جان میں جان آ گئی۔

لیکن خطرہ پوری طرح سے اس کے سر سے ٹلا نہیں تھا...... وہ بھی ایک مفرور جاسوس قاتل تھا اور بیس تیس میل پیچھے جی ٹی روڈ پر ایک آدمی کا خون کر کے فرار ہوا تھا...... بھوشن اور کملا کوئی اناڑی نہیں تھے...... اس وقت تک انہوں نے کسی نہ کسی ذریعے سے جالندھر پولیس کو اس کے بارے میں ضرور خبر کر دی ہو گی اور کوئی تعجب نہیں تھا کہ تھوڑی دیر بعد پولیس شیر خان کو بھی تلاش کرتی سٹیشن پر پہنچ جائے۔

گاڑی چلنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی...... شاید اسے پولیس نے خاص طور پر روک رکھا تھا تا کہ سارے ڈبوں کی تلاشی لی جا سکے...... جب دونوں سپاہی ڈبے میں سے اتر گئے تو شیر خان نے کھڑکی میں سے سر نکال کر باہر دیکھا...... پولیس ابھی تک پلیٹ فارم پر موجود تھی اور پورے زور شور سے ٹرین کے ڈبوں کی تلاشی لی جا رہی تھی...... شیر خان کو خیال آیا کہ وہ یہاں ڈبے کی پچھلی طرف سے نکل جائے، مگر ایک تو اب صبح کی سفید روشنی پھیل رہی تھی...... دوسرے ٹرین کی دوسری جانب بھی پولیس موجود تھی...... وہ پکڑا جا سکتا تھا۔

اتنی دیر میں انجن نے سیٹی بجائی اور ٹرین ایک دھچکے کے ساتھ آگے کو چل پڑی...... جالندھر سے چل کر ٹرین لدھیانے کے سٹیشن پر رُکی تو شیر خان نے سوچا کہ یہاں اتر کر جموں کی لاری پکڑنے کی کوشش کرنی چاہیے...... اب دن نکل چکا تھا...... اس نے دروازے میں سے باہر دیکھا...... یہاں بھی پولیس کی مسلح گارد موجود تھی...... ملٹری پولیس کے تین چار جوان بھی نظر آ رہے تھے...... شیر خان جلدی سے پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

کچھ نئے مسافر ڈبے میں داخل ہو رہے تھے...... ڈبے کے پہلے والے مسافر جاگ چکے تھے...... ان میں سے ایک نے آنے والے ایک مسافر سے پوچھا۔

"سردار جی! کیا بات ہے یہاں بھی پولیس کیوں آئی ہوئی ہے؟"

سکھ سردار نے اپنا تھیلا اوپر والی برتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کہتے ہیں کوئی پاکستانی جاسوس جیل توڑ کر بھاگ گیا ہے...... پولیس اس کی تلاش میں چھاپے مار رہی ہے۔"

شیر خان وہیں چپ ہو کر بیٹھا رہا...... اب پولیس اس کی تلاش میں حرکت میں آ چکی تھی...... انہیں بھوشن اور کملا کا پیغام مل چکا تھا...... اب شیر خان کا ڈبے سے باہر نکلنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا...... یہ بڑی غنیمت ہوئی کہ پولیس نے ڈبوں کی تلاشی نہیں لی تھی ورنہ اس کا پکڑا جانا یقینی تھا...... اس کی جیب میں سفارت خانے کی سٹیشنری کا وہ لفافہ موجود تھا جس میں کرنسی نوٹ تھے...... وہ جہاں بیٹھا تھا وہیں دُبک کر بیٹھا رہا...... آخر ٹرین وہاں سے بھی چل پڑی۔

جب تک ٹرین پلیٹ فارم پر گزرتی رہی شیر خان سر جھکائے بیٹھا رہا...... جب پلیٹ فارم سے ٹرین نکل گئی تو اس نے دروازے کی کھڑکی میں سے باہر دیکھا...... ٹرین کی رفتار تیز ہو چکی تھی...... وہ وہاں اتر نہیں سکتا تھا...... اب اسے اگلے سٹیشن کا انتظار کرنا تھا...... اگلا بڑا سٹیشن انبالہ ہی ہو سکتا تھا...... شیر خان نے فیصلہ کر لیا کہ وہ انبالے اتر جائے گا اور وہاں سے جموں کی طرف جانے کی کوشش کرے گا...... جب انبالے کے سٹیشن پر گاڑی رُکی تو شیر خان نے پلیٹ فارم کا جائزہ لیا...... یہاں حالات معمول کے مطابق تھے...... کوئی پولیس کانسٹیبل نظر نہیں آ رہا تھا...... شیر خان خاموشی سے ڈبے میں سے اتر گیا...... اب سٹیشن سے باہر نکلنے کا مرحلہ درپیش تھا، کیونکہ شیر خان کے پاس کوئی ٹکٹ وغیرہ نہیں تھا۔

اس نے وہی کیا جو اس سے پہلے وہ دو ایک بار کر چکا تھا...... یعنی جہاں پلیٹ فارم

تم ہوتا تھا اور سٹیشن کے نام کا بورڈ لگا تھا وہاں سے ڈھلان اتر کر ریلوے یارڈ میں داخل ہو گیا...... وہ بظاہر یوں اطمینان سے چل رہا تھا جیسے ریلوے سٹاف کا کوئی آدمی ہو...... ریلوے یارڈ میں لائنوں کا جال بچھا ہوا تھا...... وہ آہستہ آہستہ چلتا چلا گیا...... وہ کسی وقت نظریں اٹھا کر ارد گرد کا جائزہ بھی لے لیتا تھا...... ابھی تک وہ محفوظ ہی تھا اور کوئی اس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا...... ریلوے یارڈ ختم ہو گیا اور اب اس کے سامنے صرف دو ریلوے ٹریک تھے...... ایک آنے والی گاڑیوں کے لئے اور ایک جانے والی گاڑیوں کے لئے۔

یہ ریلوے لائن دلی جاتی تھی، مگر شیر خان کو دلی نہیں جانا تھا...... اس کی منزل کشمیر تھی...... جب ریلوے لائن کی دونوں جانب کھیت شروع ہو گئے تو شیر خان ریلوے ٹریک سے اتر کر کھیتوں میں آ گیا...... کھیت ختم ہوئے تو ایک کالونی کے مکان دکھائی دیئے...... شیر خان کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی...... اس نے کل رات سے کچھ نہیں کھایا تھا...... یہ سوچ کر وہ انبالہ شہر کی اس چھوٹی سی کالونی کی طرف بڑھا...... یہاں ایک چائے کا ہوٹل تھا...... شیر خان نے ہوٹل کے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا...... بالوں کو ٹھیک کیا اور ایک طرف بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگا۔

اس نے اچھی طرح سے ناشتہ کیا...... پھر چائے منگوا کر پینے لگا...... اس کے قریب ہی ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا چائے پی رہا تھا...... شیر خان نے اس سے پوچھا۔

"کیوں بھائی صاحب یہاں سے میرٹھ کو لاری کون سے اڈے سے جاتی ہے۔"

انبالے کے آگے میرٹھ کا شہر آتا ہے، لیکن شیر خان کو میرٹھ نہیں جانا تھا...... اس آدمی نے کہا۔

"یہاں سے میرٹھ کی طرف بھی لاریاں جاتی ہیں...... نکودر اور لدھیانے بھی جاتی ہیں، مگر بہتر ہے کہ تم ٹرین سے میرٹھ جاؤ...... لاری کا سفر بڑا لمبا ہے۔"

شیر خان یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہاں سے نکودر لدھیانے کی طرف لاریاں

جاتی ہیں یا نہیں، کیونکہ جموں جانے کا یہی روٹ تھا...... شیر خان نے باتوں ہی باتوں میں اس شریف آدمی سے پوچھا کہ نکودر لدھیانے کا لاری اڈہ کہاں ہے...... ادھیڑ آدمی نے اسے لاری اڈے کا پورا محل وقوع بتا دیا، شیر خان بولا۔

"اصل میں مجھے میرٹھ ہی جانا ہے...... لدھیانہ نکودر کا تو میں ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔"

شیر خان نے ہوٹل کے باتھ روم میں جانے کے بعد پہلا کام یہ کیا تھا کہ سفارت خانے کے لفافے میں سے کرنسی نوٹ نکال کر جیب میں الگ رکھ لئے تھے اور لفافے کو پرزے پرزے کر کے پھینک دیا تھا...... لفافے پر چھپا ہوا بھارتی سفارت خانے کا نام اسے گرفتار کروا سکتا تھا...... کچھ دیر ہوٹل میں بیٹھنے اور ماحول کا بغور جائزہ لینے کے بعد شیر خان چائے وغیرہ کا بل ادا کر کے ہوٹل سے نکل کر اس طرف چل پڑا جس طرف نکودر لدھیانہ جانے والی لاریوں کا اڈہ تھا اور جس کے بارے میں ادھیڑ عمر کے گاہک نے اسے بتایا تھا۔

لاری اڈے پر جا کر معلوم ہوا کہ وہاں سے جموں کشمیر کی طرف کوئی لاری سیدھی نہیں جاتی...... پہلے لدھیانے جانا پڑے گا...... پھر وہاں سے جموں کٹھوعہ والی لاری پکڑنی ہو گی...... شیر خان لدھیانے جانے والی لاری کے چلنے کا انتظار کرنے لگا...... وہ ایک طرف ہو کر بیٹھا تھا...... مسافروں کا کافی رش تھا...... اتنے میں لدھیانے جانے والی لاری آ گئی...... ڈرائیور نے باہر نکلتے ہی اعلان کر دیا کہ لدھیانے کی طرف کوئی لاری نہیں جائے گی...... مسافر پریشان ہو کر منیجر کے کمرے کی طرف صورت حال معلوم کرنے کے لئے دوڑے...... شیر خان اپنی جگہ پر بیٹھا رہا...... اس کے پاس ایک نوجوان سکھ مسافر بیٹھا تھا وہ بھی حالات معلوم کرنے منیجر کے کمرے کی طرف چلا گیا...... جب واپس آیا تو شیر خان نے اس سے پوچھا۔

"سردار جی! کیا بات ہوئی ہے؟"

نوجوان سکھ کہنے لگا۔

"کہتے ہیں پولیس نے سارے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا ہے...... کوئی پاکستانی جاسوس اس علاقے میں چھپا ہوا ہے...... پولیس اس کی تلاش میں ہے اور ہر لاری کو جی ٹی روڈ پر ایک ایک گھنٹہ کھڑے کر کے تلاشی لیتی رہتی ہے۔"

شیر خان کے لئے یہ ایک خطرے کا سگنل تھا...... اس کا مطلب تھا کہ وہ خطرے میں گھر چکا تھا...... وہ وہاں سے نکلنے کی ترکیبیں سوچنے لگا...... شیر خان نے سکھ نوجوان سے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے لدھیانے والی ریل گاڑی پکڑنی چاہئے۔"

سکھ نوجوان بولا۔

"ریلوے سٹیشن پر بھی پولیس موجود ہے...... کہتے ہیں وہاں بھی ہر ٹرین کی کئی کئی گھنٹے تک چیکنگ ہوتی ہے...... عجیب بک بک ہے۔"

شیر خان خاموش رہا...... سکھ نوجوان کہنے لگا۔

"یہ سب پولیس ڈرامہ کر رہی ہے...... کشمیری مجاہد اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور یہاں کی پولیس انہیں پاکستانی جاسوس کہہ کر پکڑ دھکڑ کرتی ہے...... آپ کو لدھیانے جانا ہے کیا؟'

"جی ہاں سردار جی۔"

سکھ نوجوان بولا۔

"مجھے بھی لدھیانے جانا ہے، مگر میں نے تو ارادہ بدل لیا ہے اور کل جاؤں گا...... مجھے اتنی جلدی نہیں ہے...... اگر آپ کو جلدی ہے تو آپ ایک کام کریں۔"

"کیا؟" شیر خان نے پوچھا۔

سکھ نوجوان نے کہا۔

"یہاں سے کچھ فاصلے پر رانی کی باولی ہے...... وہاں رانی کا مندر بھی ہے...... مندر کے قریب سے ایک راستہ آگے ایک ویران جنگل میں سے ہو کر آگے جی ٹی روڈ

کی طرف نکل جاتا ہے...... وہاں سے آپ کو سرہند کی طرف سے آنے والی کوئی نہ کوئی لاری مل جائے گی۔"

شیر خان نے کہا۔

"کیا پولیس اسے چیکنگ کے لئے نہیں روکے گی؟"

سکھ نوجوان بولا۔

"وہاں سے لدھیانے کی طرف لاری قلعے کی پریڈ والے میدان کے اوپر سے ہو کر دوسرے راستے سے گزرتی ہے۔"

وہ جی ٹی روڈ پر نہیں آتی اور چیکنگ کی بک بک تو صرف جی ٹی روڈ پر ہے۔"

شیر خان کو یہ تجویز پسند آئی...... اس طرح کم از کم وہ پولیس کے گھیرے سے نکل جائے گا...... اس نے سکھ نوجوان سے سارے راستے کے بارے میں پوری طرح سے معلوم کر لیا اور تھوڑی دیر بعد موقع پا کر لاری اڈے کے عقب سے نکل کر رانی کی باولی کی طرف چل پڑا...... یہ انبالے شہر کا شمال مغربی علاقہ تھا...... اس طرف ابھی آبادی اتنی نہیں پھیلی تھی...... کافی جگہ ویران پڑی تھی...... کھیت بھی کم تھے...... کیکر اور نیم کے درخت بہت تھے...... ادھر زیادہ لوگ بھی نظر نہیں آ رہے تھے...... یہاں شیر خان اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہا تھا۔

دُور سے اسے ایک مندر نظر آیا...... یہ رانی کا مندر تھا...... اس کے قریب ہی پہلے رانی کی باولی آئی...... شیر خان مندر کے قریب آنے کی بجائے دُور ہی سے آگے گزر گیا...... اب وہ ویران جنگل شروع ہو گیا جس کے متعلق سکھ نوجوان نے بتایا تھا کہ جہاں یہ جنگل ختم ہو گا وہاں ایک چھوٹی سڑک آ جائے گی...... اس سڑک پر سے لدھیانے کی طرف جانے والی سرہند ٹرانسپورٹ سروس کی کوئی نہ کوئی لاری مل جائے گی۔

یہ ویران جنگل ویسا جنگل تو نہیں تھا جیسے جنگل شیر خان نے وسطی بھارت میں

دیکھے تھے...... یہ ایک اُجاڑ ویران سا جنگل تھا جہاں کیکر اور نیم کے درخت اُگے ہوئے تھے...... زمین بھوری اور خشک تھی...... گھاس کہیں کہیں ہی نظر آ رہی تھی...... ایک فاختہ کسی درخت پر بول رہی تھی، اس کی آواز میں بڑی اُداسی تھی۔

ایک عجیب وحشت خیز خاموشی اس ویران جنگل میں چھائی ہوئی تھی...... لگتا تھا کہ یہاں یا تو کوئی خون ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے...... سوائے فاختہ کی اُداس آواز کے کوئی پرندہ کسی درخت پر نہیں بول رہا تھا...... ایک چھوٹا سا خشک نالہ آ گیا...... لگتا تھا کہ اس نالے نے کئی سالوں سے پانی کی شکل نہیں دیکھی...... عجیب ماتمی سی فضا والا اُجاڑ علاقہ تھا...... دوسری پریشانی کی بات یہ تھی کہ جنگل ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا، بلکہ درخت زیادہ گنجان اور گھنے ہوتے جا رہے تھے...... شیر خان کو شک پڑ گیا کہ وہ ضرور راستہ بھول گیا ہے اور بھٹک گیا ہے...... اب خدا جانے وہ کہاں سے کہاں پہنچ جائے...... کہیں جی ٹی روڈ پر نہ نکل آئے جہاں پولیس گشت کر رہی ہے۔

ایک جگہ شیر خان رُک گیا...... اس نے جنگل کا جائزہ لیا...... کوئی باقاعدہ راستہ وہاں نہیں تھا...... کوئی پگڈنڈی بھی نہیں تھی کہ جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ ادھر سے لوگ آتے جاتے ہیں...... خشک جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں...... اونچے درخت جھکے ہوئے خاموش کھڑے تھے...... آخر شیر خان اس طرف چلنے لگا جس طرف اس کا رخ تھا...... تھوڑی دور گیا ہو گا کہ اسے ایک کچی کوٹھڑی نظر آئی جس پر جنگلی بیری کے ایک گھنے درخت نے سایہ کر رکھا تھا...... درخت کی شاخیں زرد اور سبز بیروں سے لدی ہوئی تھیں...... شیر خان کوٹھڑی کے قریب سے ہو کر گزرا تو اسے ایک عورت کی آواز سنائی دی...... آواز کوٹھڑی کے اندر سے آ رہی تھی...... آواز عورت کے سسکیاں بھرنے کی تھی...... شیر خان دیوار کے ساتھ لگ کر سننے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ عورت کون ہے اور رو کیوں رہی ہے...... ایک مرد کی آواز آئی...... آواز نے ڈانٹ کر کہا۔

"رونا دھونا بند کرو...... اس سے کچھ نہیں ہو گا۔"

عورت نے روتے ہوئے کہا۔

"میری عزت برباد نہ کرو...... میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔"

ایک دوسرے مرد کی آواز آئی۔

"تمہاری عزت برباد کرنے کے لئے تو ہم تمہیں یہاں اٹھا کر لائے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی دونوں مرد قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے...... عورت نے کہا۔

"یاد رکھو...... میں مسلمان ہوں...... میری عزت خراب کرنے کی کوشش کرو گے تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہو گا۔"

ایک مرد نے عورت کو گالی دے کر کہا۔

"مسلمانوں کے تو ہم جانی دشمن ہیں...... ہم ایک ایک کر کے بھارت میں تم سب مسلمانوں کو ختم کر دیں گے۔"

شیر خان سمجھ گیا کہ یہ وہ راشٹریہ سیوک سنگھ ایسی کسی کٹر ہندو جماعت کے آدمی ہیں اور مسلمان عورت کی زندگی برباد کرنے والے ہیں...... اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مسلمان عورت کو ان کافروں سے ہر حالت میں بچائے گا...... اتنے میں ایک ہندو نے دوسرے ہندو سے کہا۔

"بہاری! جا کر ڈھارے میں رکھی ہوئی شراب کی بوتل لے آؤ۔"

کوٹھڑی کا دروازہ دوسری جانب تھا...... دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو شیر خان جلدی سے پیچھے ہٹ کر ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا...... یہاں سے اسے کوٹھڑی کا دروازہ نظر آ رہا تھا...... اس نے دیکھا کہ ایک موٹی توند والا دھوتی پوش ہندو کوٹھڑی میں سے نکلا اس طرف چل پڑا جدھر کیکر کے درختوں کا ایک ذخیرہ سا تھا...... شیر خان نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے...... وہ اس آدمی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

یہ آدمی جس کا نام بہاری تھا کیکر کے درختوں میں جا کر ایک جگہ بیٹھ گیا اور

جھاڑیوں کو اِدھر اُدھر ہٹانا شروع کر دیا...... شیر خان کو معلوم تھا کہ یہ آدمی جس راستے سے گیا ہے اسی راستے سے واپس آئے گا، چنانچہ شیر خان ایک درخت کے پیچھے گھات لگا کر کھڑا ہو گیا...... اس آدمی بہاری نے جھاڑیوں میں سے ایک بوتل نکالی اور واپس کوٹھڑی کی طرف چلنے لگا۔

شیر خان ایسے کمانڈو کے لئے یہ ایک بڑا ہی آسان شکار تھا...... صرف اتنی احتیاط کی ضرورت تھی کہ اس آدمی کے گلے سے آواز نہ نکلنے پائے...... اس کام کا شیر خان ماہر تھا...... بہاری بوتل اٹھائے بڑے مزے سے گنگناتا ہوا چلا آ رہا تھا...... جیسے ہی وہ اس درخت کے قریب سے گزرنے لگا جہاں شیر خان گھات لگائے ہوا تھا تو اچانک کسی کے بازو کے آہنی شکنجے نے اس کی گردن کو اپنی لپیٹ میں لے کر زور سے ایک جھٹکا دیا...... اس کے بعد کیا ہوا؟ بہاری کو اس کی کوئی خبر نہ ہو سکی...... گردن کا منکا ٹوٹ جانے سے وہ مسلمانوں کا ازلی دشمن بے جان ہو کر زمین پر پڑا تھا۔

شیر خان نے شراب کی بوتل اُٹھالی...... لاش کو وہیں پڑا رہنے دیا اور کوٹھڑی کی دیوار کی اوٹ میں آکر کھڑا ہو گیا...... اندر سے عورت کے رونے اور التجائیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں...... اندر صرف ایک ہی کافر رہ گیا تھا...... شیر خان اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا...... خود وہ کوٹھڑی کے اندر اس لئے نہیں جانا چاہتا تھا کہ کوئی پتہ نہیں تھا کہ یہ آدمی مسلح ہو...... اس کے پاس اسلحہ بھی ہو اور وہ مسلمان عورت کو ہی گھبرا کر مار ڈالے...... شیر خان جانتا تھا کہ بہاری کو جب دیر ہو گئی تو یہ دوسرا کافر اس کی تلاش میں کوٹھڑی سے باہر ضرور آئے گا۔

اور ایسا ہی ہوا...... کچھ ہی دیر بعد کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی جس نے دھوتی اور میلی سی بنیان پہنی تھی...... توند نکلی ہوئی تھی...... اس کے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ نہیں تھا...... اس نے بہاری کو آواز دی۔

"دیر کیوں لگا رہے ہو بہاری...... بوتل لے کر آتے کیوں نہیں؟"

شیر خان بوتل ہاتھ میں لئے دیوار کی اوٹ سے نکل کر اس کے سامنے آگیا اور بولا۔

"بہاری نے شراب کی یہ بوتل بھیجی ہے۔"

اُدھیڑ عمر کا ہندو پھٹی پھٹی آنکھوں سے شیر خان کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم...... تم کون ہو؟"

اس نے حیران ہو کر پوچھا...... شیر خان دو قدم چل کر اس کے قریب آگیا اور بولا۔

"میں اس مسلمان عورت کا بھائی ہوں جس کو تم اٹھا کر یہاں لائے ہو۔"

اُدھیڑ عمر ہندو نے گھبرا کر بہاری کو آواز دی...... شیر خان نے کہا۔

"بہاری تمہاری آواز نہیں سن سکتا...... وہ مر چکا ہے...... میں نے اسے مار دیا ہے...... اب تمہاری باری ہے۔"

اس آدمی نے پلک جھپکنے میں دھوتی کے ڈب میں سے چاقو نکال کر اس کا بٹن دبایا اور چاقو کھل گیا...... یہ کمانڈو چاقو تھا...... اس نے کہا۔

"تمہاری موت تمہیں اپنی بہن کے پاس لے آئی ہے۔"

آدمی اناڑی تھا...... کسی خاص زاویئے سے شیر خان پر وار کرنے کی بجائے اس نے بالکل سامنے سے شیر خان پر وار کر دیا...... اس اناڑیوں والے وار کو بچانا شیر خان کے لئے بڑی معمولی بات تھی...... دوسرے ہی لمحے اس آدمی کی چاقو والی کلائی شیر خان کے پنجے کی گرفت میں تھی...... شیر خان نے ایک زوردار جھٹکا دیا...... چاقو اس آدمی کے ہاتھ سے اُچھل کر دُور جا گرا...... باہر سے آتی آوازیں سن کر کوٹھڑی میں جو عورت تھی وہ دروازے میں آکر کھڑی ہو گئی تھی اور سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

شیر خان اس کافر کو آسانی سے ہلاک کر سکتا تھا، مگر اس کے دل میں رحم آگیا...... اس نے صرف اتنا ہی کیا کہ اس کے سر پر پیچھے سے ایک خاص جگہ پر زوردار ہاتھ مارا...... وہ شخص بے ہوش ہو کر گر پڑا...... شیر خان نے چاقو اٹھایا...... اسے بند کر کے جیب میں رکھا اور عورت کے پاس جا کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں بہن! میں مسلمان ہوں...... مجھے اپنا بھائی ہی سمجھو...... تم کہاں رہتی ہو؟ میں خود اس شہر میں اجنبی ہوں...... تم جہاں کہو گی میں تمہیں وہاں پہنچانے کی کوشش کروں گا۔"

عورت کی عمر تیس برس سے اوپر لگتی تھی...... رنگ سانولا تھا...... اس نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی...... وہ شیر خان کو اپنا نجات دہندہ جان کر اس کی طرف احسان مند نگاہوں سے دیکھ رہی تھی...... کہنے لگی۔

"بھائی! تم میرے لئے فرشتہ رحمت بن کر آئے ہو...... تم نہ آتے تو جانے میرے ساتھ کیا کچھ نہ ہوتا۔"

شیر خان نے کہا۔

"بی بی! مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہیں کہاں چھوڑ دوں جہاں تم اپنے بھائی بہنوں کے پاس پہنچ سکو؟"

عورت نے کہا۔

"میں تمہیں بتاتی ہوں...... مجھے میرے گھر پہنچا دو۔"

عورت نے چادر اوڑھی اور شیر خان کے ساتھ جنگل میں ایک طرف چل پڑی...... شیر خان خاموشی سے اس کے ساتھ جا رہا تھا...... اس نے مزید اس عورت سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی...... حقیقت میں اسے اپنی پڑی ہوئی تھی اور خود وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا، لیکن اس عورت کو اس کے گھر پہنچانا ضروری تھا...... غصے کی حالت میں وہ ایک کافر کا خون بھی کر چکا تھا، لیکن اگر وہ بہاری کو ہلاک نہ کرتا تو اس عورت کو بچا کر لے جانا مشکل تھا۔

عورت بھی خاموشی سے شیر خان کے ذرا آگے آگے چل رہی تھی...... ایک دو فرلانگ چلنے کے بعد جنگل ختم ہو گیا اور کھیت آ گئے...... کھیتوں کی دوسری طرف کچھ مکان نظر آ رہے تھے...... عورت نے ان مکانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہاں ہمارا مکان ہے۔"

کھیتوں کے پار خالی جگہ پر چند ایک اک منزلہ کوارٹر نما مکان بنے ہوئے تھے......

شیر خان چاروں طرف ماحول کا جائزہ لیتا اس عورت کے ساتھ جا رہا تھا...... اسے اپنا خطرہ تھا کہ کہیں اس طرف بھی پولیس اس کی تلاش میں موجود نہ ہو، مگر ان مکانوں کے آس پاس کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا...... عورت ایک مکان کے پاس آ کر تیز تیز چلنے لگی...... پھر دوڑ کر مکان کے بند دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارنے لگی۔

"نازی! نازی! دروازہ کھولو...... میں ہوں حشمت۔"

شیر خان ایک طرف ہو کر کھڑا تھا اور ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا...... مکان کا دروازہ ایک دم سے کھل گیا اور ایک اُدھیڑ عمر کی عورت جو نوکرانی لگتی تھی نمودار ہوئی...... دونوں بے اختیار ہو کر ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں اور دونوں رونے لگیں......

شیر خان نے آگے بڑھ کر اس عورت سے کہا۔

"بی بی! تم اپنے گھر پہنچ گئی ہو...... میں اب جاتا ہوں۔"

عورت نے جس نے اپنا نام حشمت بتایا تھا شیر خان کو ہاتھ جوڑ کر کہا۔

بھائی جان! میں آپ کو اس طرح نہیں جانے دوں گی...... اندر آ جائیں۔

اور وہ عورت نوکرانی کے ساتھ جلدی سے مکان کے اندر داخل ہو گئی......

شیر خان بھی تکلف میں آ کر مکان کے اندر چلا گیا سامنے چھوٹا سا صحن تھا جس میں ایک تخت پوش بچھا ہوا تھا...... حشمت نے چادر تخت پوش پر ڈالتے ہوئے نوکرانی سے پوچھا۔

"میرا بھائی رجب علی کہاں ہے؟"

نوکرانی نے کہا۔

"وہ اور احمد علی صبح سے تمہاری تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔"

عورت حشمت، نے شیر خان سے کہا۔

"اب تم بھی میرے چھوٹے بھائی ہو...... میں تمہیں اپنے بھائیوں سے ملائے

بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

شیر خان سمجھ گیا کہ یہ عورت اپنے بھائیوں کو اس بات کا ثبوت مہیا کرنا چاہتی ہے کہ اسے جو ہندو بد معاش اغوا کر کے لے گئے تھے وہ شیر خان کی مدد سے اپنی عزت بچا کر ان کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہے، مگر وہ زیادہ دیر وہاں رُکنا بھی نہیں چاہتا تھا...... اس نے کہا۔

"تمہارے بھائی پتہ نہیں کب واپس آئیں...... مجھے جلدی جانا ہے۔"

عورت حشمت نے کہا۔

"وہ لوگ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے...... آپ اندر چل کر بیٹھیں۔"

پھر اس نے نوکرانی سے کہا۔

"نازی! میرے بھائی کے لئے چائے بناؤ...... جلدی۔"

شیر خان وہاں بیٹھنا نہیں چاہتا تھا، لیکن اسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہاں سے نکل کر اسے کہاں جانا ہے...... کس طرف جانا ہے...... وہ یہ سوچ کر اندر کمرے میں آ گیا کہ اس عورت کے بھائی مسلمان ہیں اور وہ شیر خان کے احسان مند بھی ہوں گے...... شاید ان کے ذریعے جموں کشمیر پہنچنے کا کوئی سبب پیدا ہو جائے...... یہ درمیانے درجے کی فیملی تھی...... کمرے میں فرش پر دری بچھی ہوئی تھی...... تین چار کرسیاں اور ایک میز رکھی تھی...... دیوار کے ساتھ ایک چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا...... عورت حشمت بھی اندر آ گئی...... شیر خان کرسی پر بیٹھ گیا۔

حشمت سامنے چارپائی پر بیٹھ گئی...... شیر خان نے پوچھا۔

"یہ کافر تمہیں کیوں اٹھا کر لے گئے تھے؟ کیا ان کے ساتھ تمہارے بھائیوں کی کوئی دشمنی ہے؟"

حشمت کہنے لگی۔

"بھائی جان کیا کہوں...... کیا نہ کہوں...... راشٹریہ سیوک سنگ کے ہندوؤں نے

یہاں کے مسلمانوں کو ایک ایک کر کے ختم کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے...... میرے دونوں بھائیوں رجب علی اور احمد علی کا چھوٹا سا کاروبار تھا...... ہندوؤں نے ان کی دکان کو آگ لگا دی اور کئی بار ان پر قاتلانہ حملہ بھی کیا...... کچھ مسلمان تو یہاں سے دلی میرٹھ کی طرف ہجرت کر گئے مگر میرے بھائیوں نے سیوک سنگ کے غنڈوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ٹھان لی، مگر حکومت ہندوؤں کی ہے...... دونوں بھائی پھر بھی ڈٹے رہے...... آج صبح صبح میں بستر سے اٹھ کر چائے بنانے کچن میں گئی تو دو ہندو غنڈوں نے اچانک مجھے دبوچ لیا اور میری ناک پر گیلا رومال رکھ کر دبایا...... میں نے دو چار سانس لئے اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا...... اس سے آگے کے واقعات آپ کو معلوم ہی ہیں۔"

اتنے میں حشمت بی بی کے دونوں بھائی رجب علی اور احمد علی بھی آ گئے...... دونوں نوجوان تھے...... احمد علی بڑا تھا اور مضبوط جسم والا تھا...... بہن کو دیکھ کر انہوں نے اسے گلے لگا لیا اور پھر شیر خان کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر بہن سے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ برا سلوک تو نہیں ہوا؟"

حشمت نے شیر خان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اگر میرا یہ بھائی عین وقت پر آ کر میری مدد نہ کرتا تو میری عزت برباد ہو جاتی۔"

احمد علی نے شیر خان کو گھور کر دیکھا اور پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"میرا نام شکیل ہے...... مجھے لدھیانے جانا تھا...... ٹرین نہ پکڑ سکا...... لاری بھی اس وقت کوئی نہیں جاتی تھی...... سوچا دوسری سڑک پر سے کوئی گزرتی ہوئی لاری یا بس پکڑ لوں گا...... جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ تمہاری بہن کی سسکیوں کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔"

اس کے بعد شیر خان نے ساری داستان بیان کر دی، لیکن اس نے یہ نہ بتایا کہ

اس نے دوسرے ہندو غنڈے بہاری کو قتل کر دیا ہے، اس کے بارے میں یہی کہا کہ وہ بھاگ گیا تھا...... احمد علی بولا۔

"شکیل بھائی! تم نے ہم پر ہمارے خاندان پر بہت بڑا احسان کیا ہے...... شاید اس کا بدلہ ہم ساری زندگی نہ اتار سکیں۔"

شیر خان بولا۔

"میں نے اپنی ایک مسلمان بہن کی عزت بچائی ہے، یہ میرا دینی فرض بھی تھا۔"

حشمت کے دونوں بھائی رجب علی اور احمد علی کرسیوں پر بیٹھ گئے...... رجب علی کہنے لگا۔

"ہم نے سیوک سنگ والوں کا ایک ایک اڈہ چھان مارا تھا، مگر جب تم ہمیں کہیں نظر نہ آئیں تو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر ہم سیوک سنگ کے غنڈوں کے ہیڈ کوارٹر کو بموں سے اُڑا دیں گے...... خود بھی اُڑ جائیں گے اور ان کو بھی اُڑا دیں گے۔"

احمد علی بولا۔

"ہم دستی بم لینے گھر پر آئے تھے کہ تم نظر آ گئیں...... خدا کا شکر ہے کہ ہماری بہن خیریت سے گھر واپس آ گئی۔"

اتنے میں ملازمہ نے چائے لا کر رکھ دی...... حشمت نے اسے کہا۔

"نازی! بسکٹ بھی لاؤ۔"

احمد علی نے صدری کی جیب میں سے پیسے نکال کر کہا۔

"بازار سے کچھ برفی اور گلاب جامن لے آؤ۔"

شیر خان نے کہا۔

"نہیں نہیں احمد بھائی...... مجھے ڈاکٹروں نے مٹھائی کھانے سے منع کیا ہوا ہے...... میں ایک دو بسکٹ کھا لوں گا۔"

"شکیل بھائی! آپ لدھیانے میں کیا کرتے ہیں...... کہیں ملازم ہیں یا اپنا کاروبار ہے؟"

شیر خان نے جواب دیا۔

"پلاسٹک کے سامان کی چھوٹی سی دکان ہے...... مال لینے کے سلسلے میں اکثر دلی میرٹھ انبالے کا چکر لگانا پڑتا ہے۔"

نوکرانی نے پلیٹ میں بسکٹ لا کر رکھ دیئے...... اتنے میں ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکا دوڑتا ہوا اندر آیا...... اس کا سانس پھول رہا تھا...... آتے ہی بولا۔

"ماموں! منگل داس کا بھائی بہاری قتل ہو گیا ہے...... اس کی لاش جنگل میں پڑی ملی ہے...... ان لوگوں نے تمہارے خلاف تھانے میں رپٹ لکھوا دی ہے۔"

احمد علی اور رجب علی اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے...... انہوں نے اپنی بہن حشمت سے کہا۔

"آپا! تم برقعہ پہن کر فوراً یہاں سے سیدھی سٹیشن پر جاؤ اور دلی جانے والی کسی بھی گاڑی میں سوار ہو کر دلی خالہ کے ہاں پہنچ جاؤ۔"

پھر اس نے لڑکے کو جو پیغام لے کر آیا تھا کہا۔

"بوبی! تم آپی کے ساتھ سٹیشن پر جاؤ۔"

لگتا تھا کہ ان لوگوں کو اسی قسم کے ہنگامی حالات کی عادت ہو چکی ہے...... حشمت بی بی نے اسی وقت دوسرے کمرے میں جا کر سفید پرانا برقعہ پہنا اور لڑکے کے ساتھ تیزی سے باہر نکل گئی...... شیر خان نے سوچا کہ اسے بھی وہاں سے نکل جانا چاہئے...... پھر خیال آیا کہ پولیس اس مکان کی طرف آ رہی ہو گی، ہو سکتا ہے کہ دوسرا ہندو غنڈہ جس کو شیر خان نے سر پر مکا مار کر بے ہوش کیا تھا پولیس کے ساتھ ہی ہو...... وہ تو شیر خان کو پہچان لے گا...... احمد علی نے شیر خان سے کہا۔

"شکیل بھائی! تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔"

شیر خان بولا۔

"میرا خیال ہے مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا چاہئے...... میں لاری اڈے کی طرف جاتا ہوں۔"

احمد علی سمجھ دار آدمی تھا، وہ سمجھ گیا تھا کہ جس ہندو غنڈے کے بارے میں شیر خان نے کہا تھا کہ وہ بھاگ گیا تھا اصل میں اسے شیر خان نے قتل کر دیا تھا اور وہ بہاری ہی تھا...... احمد علی نے کہا۔

"شکیل بھائی! اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ بہاری غنڈہ تمہارے ہاتھوں قتل ہوا ہے...... یوں تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے، بہتر یہی ہے کہ ابھی تم ہمارے ساتھ ہی ایک محفوظ جگہ پر چلے چلو...... موقع پا کر ہم خود تمہیں لدھیانے پہنچا آئیں گے۔"

شیر خان اُلجھن میں پھنس گیا تھا...... رجب علی نے شیر خان سے کہا۔

"آجاؤ شکیل بھائی! پولیس آ گئی تو ہم سب مارے جائیں گے۔"

اور وہ شیر خان کو ساتھ لے کر مکان کے پچھلے کمرے کی کھڑکی سے کود کر کھیتوں میں دوڑ پڑے...... شیر خان بھی ان کے ساتھ ہی دوڑ رہا تھا...... دوسرے ہندو غنڈے سے چھینا ہوا کمانڈو چاقو شیر خان کی جیب میں تھا...... دوڑتے دوڑتے وہ مٹی کے ایک بہت بڑے ٹیلے کے پاس پہنچ گئے...... وہاں سے وہ ایک کچے راستے پر آ گئے...... یہاں وہ تیز تیز چلنے لگے...... آگے ایک پکی مگر چھوٹی سڑک آ گئی...... یہاں وہ سانس لینے کے لئے رُک گئے...... رجب علی بولا۔

"احمد بھائی! یہاں سے ہمیں کوئی سواری مل سکتی ہے۔"

احمد علی بولا۔

"ہم رُک نہیں سکتے...... چلتے چلو...... راستے میں کوئی ٹیکسی رکشا مل گیا تو ٹھیک ہے۔"

پکی سڑک کی دونوں جانب کھیتوں میں اونچی فصل کھڑی تھی...... کھیت ختم ہو گئے تو بائیں جانب ایک اجاڑ سا میدان اور دائیں جانب ریل کی پٹڑی آ گئی...... ریل کی پٹڑی کو کراس کر کے وہ دوسری جانب اُتر گئے۔

کچھ دُور چلنے کے بعد ایک خشک برساتی نالہ آ گیا جس کے اوپر پل بنا ہوا تھا...... پل پر سے ہو کر یہ لوگ دوسری طرف آ گئے...... کچھ دُور کسی کالونی کے مکانات نظر آ رہے تھے...... کھیتوں میں ایک جگہ احمد علی نے کہا۔

"یہاں بیٹھ جاؤ۔"

پھر اس نے اپنے چھوٹے بھائی رجب علی سے کہا۔

"راجو! فوراً مرزا صاحب کے گھر جاؤ اور انہیں ہمارے بارے میں بیان کرو کہ ہمیں ان کے تحفظ کی ضرورت ہے۔"

رجب علی ابھی جاتا ہوں کہہ کر آبادی کے مکانوں کی طرف چل پڑا...... تھوڑی ہی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس نے چادر سے اپنا جسم ڈھانپ رکھا تھا اور بغل میں ایک گٹھڑی سی تھی...... آتے ہی وہ شیر خان اور احمد علی کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"مرزا صاحب گھر پر ہی ہیں...... آجاؤ بھیا! مگر یہ چادریں جسم پر لپیٹ لو۔"

انہوں نے چادریں اچھی طرح سے اپنے جسموں کے گرد لپیٹ لیں اور آبادی کے مکانوں کی طرف چلنے لگے...... مرزا صاحب کا مکان آبادی کے دوسرے کنارے پر کھیتوں کے پاس تھا...... دو منزلہ پرانے ٹائپ کا مکان تھا...... باہر ایک بکری بندھی ہوئی تھی...... صحن میں مرغ کے بولنے کی آواز آ رہی تھی...... احمد علی نے شیر خان سے کہا۔

"مرزا صاحب! ہماری جماعت کے آدمی ہیں، مگر یہ راز سوائے ہمارے اور کسی کو معلوم نہیں ہے...... اوپر سے انہوں نے راشٹریہ سیوک سنگ والوں کے ساتھ بھی تعلقات بنا کر رکھے ہوئے ہیں...... یہاں ہمیں صحیح صورت حال معلوم ہو جائے گی۔"

مکان کے ایک نیم روشن چھوٹے سے کمرے میں اُدھیڑ عمر کا ایک سانولا سا آدمی چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا...... احمد علی رجب علی اور شیر خان اندر داخل ہو گئے...... اس آدمی نے شیر خان کی طرف غور سے دیکھا۔

"یہ صاحب کون ہیں احمد علی؟"

احمد علی بولا۔

"مرزا صاحب! ابھی بتاتا ہوں۔"

وہ تینوں چارپائی کے سامنے رکھے ہوئے مونڈھوں پر بیٹھ گئے...... اس کے بعد احمد علی نے مرزا صاحب کو شیر خان کے بارے میں بتایا کہ ان کا نام شکیل میاں ہے اور انہوں نے ہی ہماری بہن کو منگل داس اور بہاری غنڈوں کے چنگل سے نکال کر گھر پہنچایا تھا...... مرزا صاحب نے پوچھا۔

"اور بہاری کو کس نے قتل کیا تھا؟"

احمد علی نے کہا۔

"اس بارے میں شکیل بھائی ہی کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں...... ان کا کہنا ہے کہ بہاری جنگل میں بھاگ گیا تھا۔"

مرزا صاحب نے شیر خان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"شکیل بیٹا! جو حقیقت ہے بیان کر دو...... یہاں ہم سب اپنے ہی خاندان کے آدمی ہیں۔"

شیر خان سمجھ گیا تھا کہ ان لوگوں کو پتہ چل گیا ہے کہ میں نے ہی بہاری کا خون کیا ہے...... ان سے یہ بات چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، چنانچہ اس نے کہا۔

"حقیقت یہی ہے مرزا صاحب کہ میں نے ہی اس ہندو غنڈے بہاری کو قتل کیا تھا...... اگر میں اسے قتل نہ کرتا تو میرے لئے حشمت بی بی کی عزت بچانی مشکل ہو سکتی تھی۔"

مرزا صاحب نے حقے کا کش لے کر کہا۔

"تم بہادر اور دلیر آدمی ہو...... ہمیں تمہاری قدر ہے"

پھر انہوں نے احمد علی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"حشمت بیٹی کہاں ہے اس وقت؟"

احمد علی نے کہا۔

"اسے میں نے بوبی کے ساتھ سٹیشن پر بھیج دیا ہے...... وہ کسی نہ کسی گاڑی میں بیٹھ کر دلی روانہ ہو جائے گی۔"

"ٹھیک کیا۔" مرزا صاحب بولے۔

رجب علی کہنے لگا۔

"منگل داس غنڈے نے ہمارے خلاف بہاری کے قتل کے الزام میں پرچہ درج کرایا ہے۔"

"پرچہ درج کرانے سے کیا ہوتا ہے۔" مرزا صاحب بولے...... "ان کے پاس کیا ثبوت ہے کہ بہاری کو تم میں سے کسی نے قتل کیا ہے۔"

احمد علی نے کہا۔

"مگر مرزا صاحب یہ ان ہندو غنڈوں کی حکومت ہے...... راشٹریہ سیوک سنگ حکومت پر چھائی ہوئی ہے...... وہ لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" مرزا صاحب نے کش لے کر کہا۔ "تم لوگ روپوش ہو جاؤ، اس کے بعد دیکھ لیں گے کیا کرنا ہے۔"

رجب علی نے کہا۔

"میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں منگل داس کا بھی کام تمام کر دینا چاہئے...... یہ شخص مسلمانوں کا جانی دشمن اور انبالے میں آر ایس ایس کے غنڈوں کا لیڈر ہے۔"

مرزا صاحب بولے۔

"نہیں نہیں برخوردار! اس طرح حالات اور خراب ہو جائیں گے...... ہم
عقل سے کام لے کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔"

شیر خان خاموش بیٹھا ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا...... جب مرزا صاحب
اپنی بات ختم کی تو اس نے مرزا صاحب سے کہا۔

"میرا لدھیانے واپس جانا بہت ضروری ہے...... وہاں میرا سارا کاروبار ہے۔..
مجھے کسی طرح یہاں سے نکال دیجئے...... آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

احمد علی نے مرزا صاحب سے کہا۔

"شکیل بھائی ٹھیک کہہ رہا ہے...... اس نے ہمارے ساتھ نیکی کی ہے ہم نہیں
چاہتے کہ ہمارے ساتھ یہ بھی کسی مصیبت میں پھنس جائے۔"

مرزا صاحب کہنے لگے۔

"تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔"

اس کے بعد انہوں نے شیر خان کی طرف دیکھا اور بولے۔

"عزیز من! آج کا دن یہاں گزار لو...... رات کو تمہارے لدھیانے پہنچانے
کوئی نہ کوئی بندوبست کر دیں گے، لیکن تمہیں اپنا حلیہ بدل کر یہاں سے نکلنا ہوگا
کیونکہ دوسرے غنڈے نے جس کا نام منگل داس ہے تمہیں دیکھا ہوا ہے اور وہ جانتا
ہے کہ تم نے ہی بہاری کو قتل کیا تھا۔"

شیر خان کے لئے بظاہر یہ کوئی اتنا سنگین مسئلہ نہیں تھا، لیکن یہ واردات اس کے
حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی تھی، چنانچہ اس نے مرزا صاحب کی تجویز کو قبول کرتے
ہوئے کہا۔

"آپ جس طرح کہتے ہیں میں ویسے ہی کروں گا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ انبالے
سے میں کسی لاری یا ٹرین میں سوار نہ ہوں، کیونکہ یہاں ان جگہوں پر پولیس ضرور
موجود ہوگی۔"

مرزا صاحب بولے۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں...... تم فکر نہ کرو...... تمہیں بڑی حفاظت کے ساتھ
انبالے سے نکال دیا جائے گا۔"

دن کا باقی کا حصہ شیر خان نے اسی مکان میں گزارا...... جب رات ہو گئی تو مرزا
صاحب نے شیر خان سے کہا۔

"شکیل میاں! ہمارے آدمیوں نے ہمیں جو خبر دی ہے اس کے مطابق اس کالونی
کے باہر بھی پولیس اور سی آئی ڈی موجود ہے۔"

احمد علی بھی وہاں موجود تھا، وہ کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے شکیل کو سادھو بن کر یہاں سے نکلنا چاہئے...... دوسرا کوئی بھی
حلیہ مناسب نہیں رہے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" مرزا صاحب نے کہا۔

شیر خان بولا۔

"لیکن سادھوؤں والا لباس اور وگ وغیرہ کہاں سے آئے گی؟"

احمد علی نے جواب دیا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... سب انتظام ہو جائے گا۔"

مرزا صاحب نے اسی وقت ایک خاص آدمی کو دوڑا دیا...... وہ ایک گھنٹے کے بعد
ایک گٹھڑی بغل میں دبائے واپس آ گیا...... اس گٹھڑی میں سادھوؤں والا زرد لمبا چولا،
ترشول، سر پر لگانے کے لئے لمبے بالوں کی وگ اور ماتھے پر لگانے والا تلک کی ڈبی سب
کچھ موجود تھا۔

آدھی رات شروع ہوتے ہی شیر خان نے اپنا بھیس تبدیل کر لیا...... زرد رنگ کا
لمبا چولا پہن لیا...... سر پر وگ لگا لی...... ماتھے پر تلک لگا لیا...... گلے میں منکوں کی مالا
ڈال لی اور پورا سادھو بن گیا...... مرزا صاحب اور احمد علی اسے دیکھ رہے تھے...... احمد

علی نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس حلئے میں تمہیں کوئی نہیں پہچان سکے گا۔"

مرزا صاحب بولے۔

"شکیل میاں! تمہاری پتلون قمیض اور بوٹ وغیرہ ایک الگ گٹھڑی میں تمہارے ساتھ جو آدمی جائے گا اس کے پاس موجود ہوں گے محفوظ مقام پر پہنچنے کے بعد تم سادھوؤں والے کپڑے اتار کر اپنے کپڑے پہن لو گے۔"

اتنے میں وہاں ایک اور آدمی آ گیا...... دبلا پتلا سا تھا...... اس نے کھدر کا کرتہ پاجامہ پہنا ہوا تھا اور سر پر پرانی گاندھی کیپ تھی...... مرزا صاحب نے شیر خان سے کہا۔

"یہ آدمی تمہارے ساتھ جائے گا۔"

پھر انہوں نے آنے والے آدمی سے پوچھا۔

"شاہ جی باہر کی کیا صورت حال ہے؟"

وہ کھدر پوش آدمی بولا۔

"مرزا جی! صورت حال یہ ہے کہ لدھیانہ جالندھر کی طرف جی ٹی روڈ پر پولیس جگہ جگہ چیکنگ کر رہی ہے...... ریلوے سٹیشن پر بھی پولیس کے علاوہ سی آئی ڈی کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔"

احمد علی بھی کمرے میں آ گیا تھا...... اس نے نووارد سے پوچھا۔

"شاہ جی! تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

اس آدمی نے کہا۔

"میری رائے میں شکیل بھائی کو ان حالات میں لدھیانے کا رُخ نہیں کرنا چاہئے۔"

"پھر کیا کرنا چاہئے؟" مرزا صاحب نے پوچھا۔

شاہ جی بولے۔

"میرے خیال میں انہیں یہاں سے میرٹھ یا دلی کی طرف نکل جانا چاہئے اور

وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز لدھیانہ جائیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

احمد علی نے کہا۔

"لیکن میرٹھ یا دلی جانے کے لئے بھی ان کا ریلوے سٹیشن پر جانا ضروری ہے اور وہاں پولیس موجود ہے۔"

شاہ جی کہنے لگے۔

"اس کا حل میں نے یہ سوچا ہے کہ میں اس وقت رات کے اندھیرے میں انہیں اپنے گاؤں لے جاؤں گا...... وہاں یہ رات رہیں گے...... دوسرے دن میں انہیں یکے میں بٹھا کر انبالے سے آگے دلی کی طرف کرت گڑھ کے سٹیشن پر لے جاؤں گا...... وہاں دلی جانے والی پسنجر ٹرین کھڑی ہوتی ہے...... شکیل بھائی کو میں اسی میں بٹھا دوں گا...... آگے ان کی مرضی ہے چاہے میرٹھ اتر جائیں یا سیدھا دلی چلے جائیں۔"

مرزا صاحب نے شیر خان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"شکیل میاں! میرے خیال میں یہ تجویز بڑی معقول ہے اور ان حالات میں اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے...... میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم میرٹھ اترنے کی بجائے سیدھا دلی کی طرف نکل جاؤ...... وہ بڑا شہر ہے...... وہاں سے تمہیں لدھیانے کی فلائٹ بھی آسانی سے مل جائے گی، کیا خیال ہے؟"

شیر خان کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکلنا چاہتا تھا، کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے...... میں ایسے ہی کروں گا۔"

احمد علی نے کہا۔

"پیسوں کی تم فکر نہ کرنا۔"

پھر اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر شیر خان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس حقیر سی رقم کو قبول کرو...... ہم تمہاری بہت خدمت کرنا چاہتے تھے مگر تم نے ہمیں موقع ہی نہیں دیا۔"

شیر خان نے کہا۔

"میرے پاس پیسے ہیں...... آپ تکلیف نہ کریں۔"

احمد علی بولا۔

"شکیل بھائی! اگر تم نے اس چھوٹی سی رقم کو قبول نہ کیا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا...... مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر یہ لفافہ اپنے پاس رکھ لو۔"

شیر خان پیسے نہیں لینا چاہتا تھا مگر ان لوگوں نے زبردستی اس کے لمبے سادھوؤں والے کرتے کی جیب میں لفافہ ڈال دیا، جو آدمی وہاں آیا تھا اور جس کو سب لوگ شاہ جی کہہ کر بلاتے تھے، اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے اب شکیل بھائی کو میرے ساتھ نکل چلنا چاہئے...... یہ وقت فرار ہونے کے لئے بڑا مناسب ہے۔"

احمد علی شیر خان کو گلے لگ کر ملا...... رجب علی بھی دوسرے کمرے سے آ گیا...... اس نے بھی شیر خان کو گلے لگا لیا اور کہنے لگا۔

"بھائی جان! آپ کا شکریہ ادا کرنے کے واسطے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

شیر خان نے کہا۔

"ایسی بات نہ کہیں...... میں نے کچھ نہیں کہا...... ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنا دینی فرض انجام دیا ہے...... انشاء اللہ پھر ملاقات ہو گی۔"

شیر خان نے سب سے ہاتھ ملایا...... خدا حافظ کہا اور شاہ جی کے ساتھ سادھوؤں والے حلئے میں ترشول ہاتھ میں پکڑے مرزا صاحب کے مکان سے باہر نکل آیا۔

❁ ❁ ❁

باہر رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

شاہ جی شیر خان کے کپڑوں کی چھوٹی سی گٹھڑی بغل میں دبائے آگے آگے چل رہے تھے شیر خان اس کے پیچھے چل رہا تھا...... انبالے کی اس مضافاتی کالونی سے نکلنے کے بعد اندھیرے میں وہ ایک طرف کھیتوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگے...... کھیت کافی دُور تک چلے گئے تھے...... کھیتوں کے آگے میدان سا شروع ہو گیا...... ایک کتا بھونکتا ہوا ایک طرف کو بھاگ گیا...... شیر خان نے شاہ جی سے پوچھا۔

"آپ کا گاؤں یہاں سے کتنی دُور ہو گا؟"

شاہ جی نے کہا۔

"چھ سات کوس کے فاصلے پر ہے...... آپ تھک تو نہیں جائیں گے؟"

اس آدمی کو کیا معلوم کہ شیر خان کس مٹی کا بنا ہوا ہے...... وہ تو اسے پلاسٹک کا کاروبار کرنے والا ایک عام دکاندار ہی سمجھ رہا تھا...... شیر خان نے جواب دیا۔

"میں بالکل نہیں تھکوں گا...... مجھے پیدل چلنے کی بڑی عادت ہے۔"

ساہ جی شیر خان کو رات کے اندھیرے میں ویران ویران علاقوں میں لے جا رہے تھے...... رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی، جب وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے...... گاؤں میں کسی جگہ روشنی نہیں ہو رہی تھی...... گاؤں کے باہر ایک طرف چھوٹی سی کوٹھڑی بنی ہوئی تھی...... کوٹھڑی کے باہر درخت کے نیچے ایک گھوڑا بندھا

ہوا تھا...... پاس ہی ایک یکہ اپنے بموں کے دونوں بانس اوپر کو اٹھائے کھڑا تھا...... شاہ جی شیر خان کو اس کوٹھڑی کے پاس لے آئے اور کہنے لگے۔

"ہم دن نکلنے سے پہلے پہلے اس یکے میں بیٹھ کر یہاں سے چل دیں گے...... آپ ایک ڈیڑھ گھنٹہ سو جائیں تو آپ تازہ دم ہو جائیں گے...... میں آپ کو آکر جگا دوں گا۔"

شاہ جی شیر خان کو کوٹھڑی کے باہر چھوڑ کر چلے گئے...... کوٹھڑی کا آدھا دروازہ کھلا تھا شیر خان کوٹھڑی کے اندر چلا گیا...... کوٹھڑی میں اندھیرا تھا...... شیر خان نے اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر دیکھا...... اندر ایک خالی چارپائی بچھی ہوئی تھی...... وہ اس پر لیٹ گیا، اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دل میں خدا کے حضور دعا مانگنے لگا کہ یا اللہ پاک! مجھے خیر خیریت سے کشمیر پہنچا دے تاکہ میں اپنے کشمیری مجاہدین بھائیوں کے شانہ بشانہ بھارتی فوج کے خلاف جہاد میں حصہ لے سکوں۔

اگرچہ شیر خان کافی پیدل چلنے کی وجہ سے تھک گیا تھا مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی...... اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ابھی تک وہ خطرے کی حدود سے باہر نہیں نکلا تھا...... چارپائی پر لیٹے لیٹے اس کے ذہن میں ہر قسم کے خیال آ رہے تھے...... رات گزرتی جا رہی تھی...... کمانڈو چاقو اس نے احمد علی اور رجب علی کے گھر پر ہی چھوڑ دیا تھا...... انہوں نے شیر خان کو جو لفافہ دیا تھا شیر خان نے اسے بھی کھول کر نہیں دیکھا تھا کہ اس میں کتنی رقم ہے۔

گھنٹہ سوا گھنٹہ گزر گیا...... اسے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی...... وہ اٹھ کر بیٹھ گیا...... پھر جلدی سے کوٹھڑی کے دروازے کو ذرا سا کھول کر باہر دیکھا...... تاروں کی دُھندلی روشنی میں اسے کوئی آدمی آتا نظر آیا، مگر یہ آدمی شاہ جی ہی تھے...... اس نے کوٹھڑی میں آکر شیر خان کو آواز دی۔

"شکیل بھائی! جاگ رہے ہو؟"

شیر خان اس دوران چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا تھا...... کہنے لگا۔

"جاگ رہا ہوں شاہ جی! کب چلنا ہے؟"

شاہ جی نے کہا۔

"یکہ جوتنے لگا ہوں...... اس کے بعد چل پڑیں گے۔"

یکے کے آگے گھوڑے کو جوتنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا...... شیر خان کوٹھڑی کے باہر آکر بیٹھ گیا تھا...... جب یکہ تیار ہو گیا تو دونوں اس میں سوار ہوئے اور یکہ کھیتوں میں ایک طرف چل پڑا ان کی منزل انبالے سے آگے میرٹھ کی جانب کرت گڑھ نام کا کوئی ریلوے سٹیشن تھا...... کچے راستے پر آکر یکے کی رفتار شاہ جی نے تیز کر دی...... پو پھٹ رہی تھی جب دُور سے کرت گڑھ سٹیشن کے سگنل کی سرخ روشنی نظر آنے لگی، شاہ جی نے کہا۔

"گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد امرتسر سے دلی جانے والی پسنجر ٹرین یہاں آکر ٹھہرتی ہے...... تم دلی ہی چلے جاؤ تو بہتر ہو گا۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں بھی دلی جانے کی سوچ رہا ہوں۔"

یکہ کرت گڑھ سٹیشن کے باہر ایک طرف رُک گیا...... شاہ جی کہنے لگے۔

"میں ٹکٹ لے کر ابھی آتا ہوں۔"

شیر خان نے کہا۔

"مجھ سے پیسے لیتے جائیں۔"

شاہ جی بولے۔

"میرے پاس ہیں۔"

اگرچہ بھارت میں ریل میں سفر کرتے ہوئے سادھو سنیاسی لوگ ٹکٹ نہیں خریدتے اور انہیں بلا ٹکٹ سفر کرنے کی اجازت ہوتی ہے...... اس کے باوجود شیر خان ٹکٹ خرید کر سفر کرنا چاہتا تھا...... وہ خواہ مخواہ کی مشکل میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا...... شاہ

جی ٹکٹ لے کر آگئے...... اسے شیر خان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ بھائی...... اپنا خیال رکھنا...... یہ دلی تک کا ٹکٹ ہے۔"

شاہ جی نے شیر خان سے ہاتھ ملایا...... خدا حافظ کہا اور یکے کو لے کر واپس چل پڑے...... شیر خان سٹیشن کے پلیٹ فارم پر آ کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا...... معمولی سا دیہاتی سٹیشن تھا...... رات کے سناٹے میں پلیٹ فارم دُور تک خالی پڑا تھا...... شیر خان کو ایسے لگا جیسے اس سٹیشن پر کبھی کوئی گاڑی نہیں آئی، لیکن آخر ریلوے سٹیشن تھا اور شاہ جی کے علاوہ مرزا صاحب نے بھی کہا تھا کہ دلی جانے والی پسنجر ٹرین یہاں آ کر تھوڑی دیر ٹھہرتی ہے۔

پلیٹ فارم پر بیٹھے بیٹھے اچانک شیر خان کو خیال آگیا کہ شاہ جی اپنے ساتھ اس کے جو کپڑے گٹھڑی میں باندھ کر ساتھ چلے تھے وہ انہیں دینے یاد نہیں رہے...... شیر خان کو بھی اس افراتفری میں اپنے کپڑوں کا خیال نہیں آیا تھا، مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا...... اسے سادھوؤں کے بھیس میں ہی اب دلی تک سفر کرنا تھا...... آسمان پر صبح کی سپیدی نمودار ہونا شروع ہوگئی کہ دُور سے ریل گاڑی کی سیٹی کی آواز سنائی دی...... اس دوران پلیٹ فارم پر کوئی دوسرا مسافر بھی نہیں آیا تھا...... صرف شیر خان ہی ایک مسافر تھا...... سیٹی کی آواز کے ساتھ ہی کسی جانب سے ایک آدمی نمودار ہو گیا...... اس کے ہاتھ میں سرخ سبز روشنی والی لالٹین تھی۔

کچھ دیر کے بعد ایک پسنجر ٹرین آ کر پلیٹ فارم پر ٹھہر گئی۔

ٹرین مسافروں سے بھری ہوئی تھی...... اکثر مسافر سو رہے تھے...... شیر خان ایک ڈبے میں داخل ہو کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... ٹرین بمشکل ایک منٹ کے لئے رکی اور چل پڑی دن نکل آیا تھا جب ٹرین میرٹھ پہنچی...... شیر خان سادھو کے بھیس میں اپنے ڈبے میں ہی بیٹھا رہا...... میرٹھ کے سٹیشن پر کافی رش تھا...... ریلوے پولیس کے دو چار سپاہی بھی نظر آ رہے تھے...... ایک طرف ملٹری پولیس کے دو جوان بھی

اسے دکھائی دیئے...... ٹرین کافی دیر رُکی رہی...... ڈبے میں اور مسافر داخل ہوگئے...... ڈبہ مسافروں سے بھر گیا...... ٹرین خدا خدا کر کے چلی تو شیر خان نے اطمینان کا سانس لیا...... اب آگے بڑا سٹیشن دلی ہی تھا ٹرین ہر چھوٹے سٹیشن پر رُک رہی تھی...... دن کے بارہ بج چکے تھے جب شیر خان دلی پہنچا۔

سٹیشن سے وہ جلدی سے باہر آگیا...... اس نے سٹیشن کے باہر آتے ہی ایک خالی رکشا لیا اور ڈرائیور سے ایک خاص علاقے میں جانے کے لئے کہا...... اس خاص علاقے کا ہم یہاں نام نہیں بتائیں گے...... وہاں ان کی تنظیم کا ایک خاص آدمی رہتا تھا...... وہ آدمی اسے گھر پر ہی مل گیا...... شیر خان نے وہاں پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ سادھوؤں والا لباس اتار کر منہ ہاتھ دھویا اور پتلون بش شرٹ پہن لی...... اس کی تنظیم کے آدمی کا اصلی نام بھی ہم بعض مصلحتوں کی وجہ سے نہیں لکھیں گے...... آپ اس کا نام خالد رکھ لیں۔

دونوں مجاہدوں نے کھانا کھایا...... اس کے بعد شیر خان کہنے لگا۔

"یہ بتاؤ کہ کشمیر پہنچنے کیلئے سب سے محفوظ ذریعہ ان حالات میں کیا ہو سکتا ہے۔"

خالد کہنے لگا۔

"شیر خان! سب سے محفوظ ذریعہ تو ہوائی جہاز ہی ہو سکتا ہے...... ٹرین کا سفر ایک تو لمبا ہے...... دوسرے راستے میں جگہ جگہ چیکنگ کا خطرہ ہے...... میرا مشورہ تو یہی ہے کہ تم یہاں سے سرینگر کی فلائٹ میں فسٹ کلاس کی ٹکٹ لے کر سوار ہو جاؤ...... فسٹ کلاس میں تم زیادہ محفوظ ہو گے۔"

شیر خان کو یہ تجویز بڑی مناسب محسوس ہوئی...... دلی سے سرینگر تک کی فلائٹ میں سیٹ بک کرانے کے لئے اسے ایک ہفتہ انتظار کرنا پڑا...... اس دوران وہ اپنے مجاہد ساتھی خالد کے مکان پر ہی رہا...... ایک ہفتے کے بعد اسے دلی سے سرینگر کی فلائٹ میں سیٹ مل گئی۔ یہ فسٹ کلاس کی سیٹ تھی۔

شیر خان بغیر کسی پریشانی کے سرینگر پہنچ گیا...... یہاں سے وہ اپنے ساتھی مجاہدوں کے ٹھکانے پر آ گیا...... کمانڈو ارسلان سے بڑی دیر بعد ملاقات ہوئی تھی...... دونوں پرانے کمانڈو دوست بڑی گرم جوشی سے ملے...... ایک دوسرے کے حالات پوچھے اور نمکین چائے کی پیالیاں لے کر ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

شیر خان نے پوچھا۔

''میں کافی دنوں تک کشمیر کے محاذ سے دور رہا ہوں، لیکن اخباروں میں مجھے اپنے مجاہدین کی سرگرمیوں کا کچھ نہ کچھ حال احوال معلوم ہو جاتا تھا۔''

کمانڈو ارسلان نے چائے کا گھونٹ بھرنے کے بعد کہا۔

''شیر خان! تم بڑے صحیح وقت پر آئے ہو، ہمیں اس وقت تمہاری سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔''

شیر خان نے پوچھا۔

''معلوم ہوتا ہے کوئی بڑا اہم مشن ہے۔''

ارسلان نے کہا۔

''ہاں! ایسی ہی بات ہے...... تم چائے ختم کر لو، پھر اطمینان سے بات کریں گے۔''

چائے پینے کے بعد کمانڈو ارسلان شیر خان کو ایک چھوٹی سی لکڑی کی دیواروں والی کوٹھڑی میں لے آیا جہاں ایک چارپائی کے علاوہ دو تین کرسیاں اور ایک چھوٹی پرانی میز پڑی تھی...... ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا...... کھڑکی میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی...... کھڑکی میں سے جنگل کے درخت بھی دکھائی دے رہے تھے...... یہ مجاہدین کا خفیہ ٹھکانہ ایک پہاڑی جنگل میں واقع تھا...... کمانڈو ارسلان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ پیر پنجال کے فوجی کیمپ میں اسلحہ اور گولہ بارود کی ایک بہت بڑی کھیپ پہنچا دی گئی ہے جس کے ساتھ بھارت کی مہاراشٹر رائفلز کے تین

کرنل اور دو بریگیڈیئر بھی کیمپ میں آ گئے ہیں...... اسلحہ کی اس بھاری کھیپ میں آگ لگانے والے خطرناک راکٹ بھی بھاری مقدار میں ہیں جو ظاہر ہے کشمیری مسلمانوں کے مکانوں کو آگ لگا کر تباہ کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں گے...... ہم نے اس کیمپ کو اُڑانے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔''

شیر خان نے کہا۔

''میں نے پیر پنجال کا بھارتی فوجی کیمپ دیکھا ہوا ہے...... وہ کافی بلندی پر ہے اور اس کے ارد گرد ایسی کوئی پہاڑی نہیں ہے جہاں سے ہم کیمپ پر راکٹ فائر کر سکیں۔''

کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

''ہم نے اس بات کے پیش نظر ہی ایک دوسرا منصوبہ تیار کیا ہے...... اس کے لئے ہمیں کسی پہاڑی ٹیلے کی پوزیشن سے کیمپ پر راکٹ فائر کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

شیر خان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کیا کہیں سے کوئی ہیلی کاپٹر ہاتھ لگ گیا ہے جس پر بیٹھ کر کیمپ پر راکٹ فائر کئے جائیں گے؟''

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

''اس مشن میں ہمیں کسی ہیلی کاپٹر کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''تو پھر ٹارگٹ پر اٹیک کیسے ہو گا؟'' شیر خان نے پوچھا۔

ارسلان کہنے لگا۔

''یہ سربکف مشن ہو گا...... ہمارا ایک مجاہد انتہائی دھماکہ خیز مواد ٹرک میں بھر کر بھارتی مشین گنوں کی بوچھاڑوں میں کیمپ میں داخل ہو گا اور اسلحہ اور گولہ بارود کے سٹور کی دیوار سے جا کر ٹکرا جائے گا...... اس کے بعد وہاں جو کچھ ہو گا تم بخوبی اس کا اندازہ لگا سکتے ہو...... ہمارا سربکف مجاہد شہید ہو جائے گا لیکن اس کی شہادت دشمن کو

نا قابل تلافی نقصان پہنچائے گی۔"

شیر خان اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ایسی شہادت کا رتبہ حاصل کرنے کے لئے یہ مجاہد بلکہ ہر کلمہ گو مسلمان ہر لمحے تیار رہتا ہے اور وہ اسے اپنی زندگی اور آخرت کی بیش بہا سعادت سمجھتا ہے، چنانچہ اس بارے میں ارسلان سے مزید کوئی بحث نہ کی...... صرف اتنا پوچھا۔

"انتہائی دھماکہ خیز مواد سے بھرا ہوا ٹرک فوجی کیمپ کے اندر جانا آسان کام نہیں ہے...... اس کے لئے ہمیں بڑی احتیاط اور سمجھ داری سے کام لینا پڑے گا۔"

کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"ہم نے بہت سوچ سمجھ کر ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد یہ منصوبہ تیار کیا ہے...... ہم نے اس جگہ کا بھی تعین کر لیا ہے جہاں سے ہم بارودی ٹرک حاصل کریں گے اور پھر ہمارا مجاہد اسے خود ڈرائیو کر کے کیمپ کے اندر لے جا کر ایمونیشن ڈپو کی دیوار سے ٹکرا دے گا۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"یہ مشن کب شروع کرنے کا ارادہ ہے؟"

ارسلان نے کہا۔

"پیر پنجال کی پہاڑیوں پر برف باری کا انتظار ہے...... یہ مشن برف باری میں شروع کیا جائے گا۔

کمانڈو ارسلان نے اس مشن کے لئے مجاہدوں کا انتخاب کر لیا ہوا تھا...... یہ ارسلان اور شیر خان کو ملا کر کل چھ مجاہدوں کی پارٹی تھی...... اسلحہ وغیرہ کا بھی پورا انتظام ہو چکا تھا، چنانچہ اس سے اگلے ہی روز یہ پارٹی پیر پنجال کی پہاڑیوں کی جانب روانہ ہو گئی...... یہ لوگ دیہاتی لباس میں تھے اور خچروں پر سفر کر رہے تھے...... یہ لوگ رات کے وقت اپنے خفیہ ٹھکانے سے چلے تھے...... وہ رات اور اس سے اگلا دن پہاڑی

جنگلوں میں سفر کرتے گزر گیا...... دوسرے دن رات کے وقت پارٹی پیر پنجال کی پہاڑیوں میں پہنچ گئی۔

ایک خاص پہاڑی پہلے سے چن لی گئی تھی جہاں ایک چھوٹا سا غار بھی تھا اور بیس فٹ نیچے پہاڑی سڑک گزرتی تھی جو فوجی کیمپ کو جاتی تھی...... اس سڑک پر سے اکثر فوجی ٹرک آتے جاتے رہتے تھے...... چھ کے چھ مجاہد پہاڑی غار میں آ کر چھپ گئے...... ان میں وہ مجاہد بھی تھا جس نے ٹرک گولہ بارود کے ذخیرے سے ٹکرا کر شہید ہونا تھا...... اس کا نام غلام حسین تھا...... وہ خوبصورت کشمیری جوان تھا...... شرعی داڑھی تھی...... پابند صوم وصلوٰۃ تھا...... شہید ہونے کے خیال سے اس کے چہرے پر ہر وقت ایک نور سا برستا رہتا تھا۔

ارسلان دُوربین لے کر ٹیلے کے غار کے دہانے پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... موسم سرد تھا...... برف نہیں گر رہی تھی، مگر آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے...... ارسلان نے دُوربین شیر خان کو دیتے ہوئے کہا۔

"نیچے دیکھو...... نیچے وہ پکی سڑک ہے جو بھارتی فوج نے کانوائیوں کی نقل و حرکت کے لئے خاص طور پر چوڑی اور پختہ کی ہوئی ہے۔"

شیر خان دُوربین لگائے نیچے پہاڑی سڑک کو غور سے دیکھ رہا تھا...... اتنے میں سڑک پر سے ایک جیپ اور پھر ایک فوجی ٹرک بھی گزر گیا...... کمانڈو شیر خان نے دُوربین آنکھوں کے آگے سے ہٹاتے ہوئے ارسلان سے پوچھا۔

"ظاہر ہے اس مشن کے لئے ہمیں بھارتی فوجی ٹرک استعمال کرنا ہو گا...... یہ ٹرک ہم کہاں سے لائیں گے؟"

ارسلان کہنے لگا۔

"یہ ٹرک میں اور تم...... یعنی ہم دونوں اغوا کر کے لائیں گے۔"

"یہ فوجی ٹرک ہم کہاں سے اغوا کریں گے؟"

شیر خان کے اس سوال پر ارسلان نے کہا۔

”اسی سڑک پر سے اغوا کریں گے...... باقی تمہیں بہت جلد سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

شیر خان نے ایک اور سوال کیا۔

”دھماکہ خیز مواد کہاں رکھا ہوا ہے؟“

ارسلان نے کہا۔

”اسی غار میں رکھا ہے...... یہ کام ہم نے تین روز پہلے ہی کر دیا تھا...... میرے ساتھ آؤ...... میں تمہیں دکھاتا ہوں۔“

کمانڈو ارسلان اور شیر خان پہاڑی غار کے اندر چلے گئے...... غار میں کافی آگے جا کر ایک کشادہ دالان سا تھا جس کی دیوار کے ساتھ میزوں پر جدید ترین دھماکہ خیز مواد رکھا تھا جس کو اغوا کئے جانے والے ٹرک میں رکھنا تھا اور اس ٹرک نے کیمپ کے اندر ایمونیشن ڈپو سے ٹکرا کر وہاں تباہی مچانی تھی...... وہاں سے بھارت کا فوجی کیمپ ایک پہاڑی کے دامن میں دکھائی دے رہا تھا...... کمانڈو ارسلان نے شیر خان کو دھماکہ خیز مواد دکھایا...... یہ بارود کی شکل میں نہیں تھا بلکہ کیمیکلز کی شکل میں تھا...... شیر خان نے ڈبے میں سے شیشے کی لمبی لمبی نلکیاں بڑی احتیاط سے نکال کر ان کا جائزہ لیا۔

ارسلان نے کہا۔

”یہ دھماکہ خیز کیمیکلز فرانس کی وزارت دفاع کی دریافت ہے...... اسے ہم یہاں ایک بھارتی فوجی کیمپ میں ٹرائی کر چکے ہیں...... توقع سے زیادہ کامیاب نتیجہ برآمد ہوا تھا۔“

شیر خان نے نلکیاں ڈبے میں احتیاط سے رکھتے ہوئے کہا۔

”میں سمجھ گیا ہوں۔“

اور وہ دونوں غار سے نکل کر اس کے دہانے پر پہاڑی دیوار کی آڑ میں بیٹھ گئے......

شیر خان دُوربین لگا کر دوسری پہاڑی کے دامن میں بھارتی فوجی کیمپ کو غور سے دیکھنے لگا...... اس کیمپ سے وہ واقف تھا اور یہاں ایک مشن میں وہ بیس بھارتی فوجی ہلاک کر چکا تھا...... بھارتی فوجی کیمپ کے گیٹ پر دو فوجی پہرہ دے رہے تھے...... کافی بڑا کیمپ تھا...... تین جانب فوجی بیرکیں تھیں۔

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

”کیمپ کے گیٹ سے دائیں جانب تمہیں کچھ فاصلے پر ایک دیوار نظر آ رہی ہو گی...... یہ ایمونیشن ڈمپ کی دیوار ہے...... ٹرک اسی دیوار سے جا کر ٹکرائے گا...... دیوار کے قریب ہی جو بیرک ہے اس بیرک میں فوجی دفاتر ہیں جہاں مہاراشٹر رائفلز کے کرنل اور بریگیڈیئر بیٹھتے ہیں اور ساتھ والی بیرک میں فوجی ہر وقت موجود ہوتے ہیں...... ٹرک کے دھماکے سے ایمونیشن کے ذخیرے میں دھماکہ ہو گا اور سب سے پہلے مہاراشٹر رائفلز کے فوجی افسر اور بیرکوں میں موجود بھارتی سپاہی اُڑ جائیں گے...... اس کے بعد جو تباہی مچے گی اس کا ہم شاید اندازہ نہیں لگا سکتے۔“

اسی رات کے بارہ بجے کے بعد پیر پنجال کی پہاڑیوں پر برف گرنا شروع ہو گئی...... مجاہدوں کو اسی کا انتظار تھا...... کمانڈو ارسلان نے مجاہدوں کو الرٹ کر دیا اور اسلحہ چیک کرنے کا حکم دیا...... اس نے شیر خان سے کہا۔

”یہ بڑا اچھا شگون ہے کہ برف باری آدھی رات کے بعد شروع ہوئی ہے...... ہم منہ اندھیرے اپنے مشن کا آغاز کریں گے...... اس وقت تک جو برف گر چکی ہو گی وہ نرم ہو گی اور ہمیں اپنی نقل و حرکت میں آسانی رہے گی۔“

شیر خان نے پوچھا۔

”ہماری پوزیشنیں کہاں ہوں گی؟“

ارسلان نے نیچے سڑک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہم سڑک پر پیچھے کی طرف کم سے کم ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہوں گے......

منہ اندھیرے ایک بھارتی فوجی ٹرک تازہ سبزیاں اور دودھ وغیرہ لے کر آتا ہے۔۔۔۔۔ ہم اس ٹرک کو اغوا کریں گے۔"

جب مجاہدوں نے اپنا اپنا اسلحہ چیک کر لیا تو کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"کیمیکلز کے کریٹ اٹھاؤ اور نیچے چلو۔"

چاروں مجاہدوں نے غار میں رکھے ہوئے انتہائی دھماکہ خیز کیمیکلز کے چاروں کریٹ اپنے کندھوں پر رکھے اور گرتی برف میں غار میں سے نکل کر پہاڑی کی ڈھلان اترنے لگے۔۔۔۔۔ انہیں وہ جگہ دکھا دی گئی تھی جہاں جا کر انہوں نے یہ سامان رکھنا تھا۔

ان کے جانے کے بعد کمانڈو ارسلان اور شیر خان بھی پہاڑی پر سے نیچے اترنے لگا۔

برف گر رہی تھی، چونکہ برف ابھی تازہ اور نرم تھی اس لئے انہیں ڈھلان پر اترتے وقت کسی قسم کی دقت نہیں ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ برف رات بھر یا دن بھر گرنے کے بعد جب رُک جاتی ہے اور سرد ہوا چلتی ہے تو پھر گری ہوئی برف جم کر سخت ہو جاتی ہے اور اس پر چلنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔۔۔۔۔ پاؤں ہر قدم پر پھسل جاتا ہے۔۔۔۔۔ رات اندھیری تھی۔۔۔۔۔ راستہ انہیں معلوم تھا۔۔۔۔۔ وہ ٹیلے کی عقب کی جانب سے ڈھلان اتر رہے تھے۔۔۔۔۔ نیچے آنے کے بعد وہ بل کھاتی پہاڑی سڑک کے ساتھ ساتھ پیچھے کی طرف چلنے لگے۔

وہ سڑک سے اتر کر درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر چل رہے تھے۔۔۔۔۔ مجاہد ان سے آگے نکل چکے تھے۔۔۔۔۔ پیچھے شیر خان اور ارسلان چل رہے تھے۔۔۔۔۔ دونوں کے پاس سٹین گنیں تھیں۔۔۔۔۔ انہوں نے ہڈ کیپ والی گرم جیکٹیں پہن رکھی تھیں جو گرتی برف میں برف کے ساتھ ہی کیموفلاج ہو رہی تھیں اور دُور سے انہیں دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔۔۔۔۔ اتنے میں پیچھے سے کسی فوجی ٹرک کی آواز آئی۔۔۔۔۔ ارسلان اور شیر خان وہیں بیٹھ گئے اور پہاڑی سڑک کو غور سے دیکھنے لگے، جہاں سڑک پیچھے جا کر ایک ٹیلے کی طرف مڑ جاتی تھی وہاں کچھ دیر کے بعد ٹرک کی ہیڈ لائٹس کی روشنی

نمودار ہوئی۔

پھر ایک فوجی ٹرک پوری آواز سے آہستہ آہستہ چلتا سڑک پر آ گیا۔۔۔۔۔ یہاں چڑھائی تھی۔۔۔۔۔ ٹرک کی رفتار ہلکی تھی۔۔۔۔۔ جب ٹرک ان کے سامنے اوپر سڑک پر سے گزر گیا تو دونوں ارسلان اور شیر خان اُٹھ کھڑے ہوئے۔

شیر خان نے کہا۔

"صبح کے وقت کوئی فوجی کانوائے نہ آ جائے، اس کا مسئلہ بن جائے گا۔"

ارسلان نے جھاڑیوں میں چلتے ہوئے کہا۔

"اگر کانوائے آ بھی گیا تو دیکھا جائے گا۔۔۔۔۔ جیسی صورت حال بنے گی ویسے ہی کریں گے۔"

چلتے چلتے آخر وہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سڑک ایک ٹیلے کے پہلو کی طرف مڑ جاتی تھی۔۔۔۔۔ یہی جگہ پہلے سے رجسٹر کی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ چاروں مجاہد وہاں پہنچ چکے تھے اور اپنی اپنی پوزیشن میں تھے۔۔۔۔۔ ارسلان اور شیر خان نے دھماکہ خیز کیمیکلز کے چاروں کریٹ چیک کئے، انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ ایک جانب رکھ دیا گیا تھا۔۔۔۔۔ یہ کیمیکلز اس قدر حساس تھے کہ ذرا سی ٹھوکر لگنے سے پھٹ سکتے تھے۔

چاروں مجاہد سڑک کے نیچے جھاڑیوں کے پیچھے قریب قریب ہی چھپے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ شیر خان اور ارسلان مجاہد غلام حسین کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔۔۔۔۔ شیر خان نے غلام حسین سے کہا۔

"غلام حسین! تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں زندگی میں ہی اپنی شہادت کی بشارت مل گئی ہے۔"

غلام حسین نے اپنی جیکٹ کی ہڈ کیپ کے اندر سر کے ساتھ کفن کے طور پر سفید رومال لپیٹ رکھا تھا جس پر پاک کھریا مٹی سے کلمہ شریف لکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔ غلام حسین کے چہرے پر نور برس رہا تھا۔۔۔۔۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سر! میں اپنی خوش بختی پر جس قدر بھی ناز کروں کم ہے کہ میں تھوڑی دیر بعد شہید ہو جاؤں گا اور اپنی جان اسلام اور جہاد کشمیر کے لئے قربان کر دوں گا۔"

ارسلان نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑی سربلندی کی بات ہے...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کا درجہ عطاء فرمائے۔"

"آمین!" کمانڈو شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

اب انہیں اس بھارتی فوجی ٹرک کا انتظار تھا جسے منہ اندھیرے وہاں سے گزرنا تھا...... برف گر رہی تھی...... یہ لوگ دو درختوں کے نیچے چھپ کر بیٹھے تھے...... وہ دھیمی آواز میں کبھی کبھی کوئی بات کر لیتے تھے...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد ارسلان اور شیر خان اپنی اپنی گھڑیوں پر بھی نگاہ ڈال لیتے تھے۔

انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی محسوس ہو رہی تھیں، مگر یہ مجاہد اس قسم کے انتظار کے عادی تھے...... رات گزرتی چلی جا رہی تھی...... ایک بار ارسلان نے گھڑی پر وقت دیکھا تو مجاہدوں سے کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ...... کریٹ سڑک کے کنارے نیچے لے جاؤ۔"

"اسی وقت مجاہدوں نے دھماکہ خیز کیمیکلز کے چاروں کریٹ بڑی احتیاط سے اپنے اپنے کندھوں پر اٹھائے اور قدم قدم سنبھل سنبھل کر چل کر سڑک پر ایک جگہ آ کر انہیں سڑک کی ڈھلان پر جھاڑیوں میں چھپا کر رکھ دیا...... اس کے ساتھ ہی وہ سٹین گنیں لے کر وہیں پوزیشن لے کر بیٹھ گئے۔

مجاہد غلام حسین ارسلان کے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا...... کمانڈو شیر خان بھی وہیں بیٹھا تھا...... ان سب کی نظریں سڑک پر اس جگہ لگی ہوئی تھیں جہاں سڑک ٹیلے کی اوٹ میں مڑ جاتی تھی...... کمانڈو ارسلان نے شیر خان سے دھیمی آواز میں کہا۔

"میرا خیال ہے بھارتی ٹرک کے نمودار ہونے میں چند منٹ ہی رہ گئے ہیں......

اس کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"ٹرک میں کتنے فوجی ہوتے ہیں؟"

ارسلان نے کہا۔

"ہم نے پوری چھان بین کی ہوئی ہے، اس ٹرک میں صرف دو بھارتی فوجی ہوتے ہیں جو اگلی سیٹوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔"

اس دوران ارسلان نے اپنے دو مجاہدوں کو اشارہ کیا...... دونوں مجاہد اسی وقت اپنی پوزیشنوں سے نکل کر سڑک پر آ گئے...... وہ اپنے ساتھ درخت کے ایک بہت بڑے ٹھن کو گھسیٹ کر لائے تھے...... یہ ٹھن انہوں نے پہلے ہی سے درخت پر سے کاٹ کر وہاں چھپایا ہوا تھا...... درخت کا ٹھن انہوں نے سڑک کے درمیان ڈال دیا...... سڑک زیادہ چوڑی نہیں تھی...... درخت کے ٹھن نے سڑک بلاک کر دی...... اس کے بعد دونوں مجاہد دوڑ کر اپنی اپنی پوزیشن میں چلے گئے۔

کمانڈو ارسلان نے شیر خان کو سمجھا دیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے...... یہ وقت، یہ لمحے بڑے ہیجان خیز تھے...... سب مجاہدوں کی نظریں بل کھاتی سڑک کے موڑ پر لگی ہوئی تھیں جو گرتی برف میں سفید ہو گئی ہوئی تھی...... ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی...... برف اب ہلکی ہو گئی تھی...... شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"خدا کرے کہ ٹرک آ جائے۔"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"ٹرک ضرور آئے گا...... وہ روزانہ سپلائی لے کر آتا ہے۔"

پھر اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور کہا۔

"اس کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

دوسرے ہی لمحے دُور پیچھے پہاڑیوں میں گھوں گھوں کی آواز اُبھری، ارسلان

نے کہا۔

"شیر خان! ٹرک آرہا ہے۔"

جہاں مجاہد گھات لگائے بیٹھے تھے وہاں تک سڑک کی چڑھائی تھی جس کی وجہ سے فوجی ٹرک پورا زور لگا کر گھوں گھوں کی آواز نکالتا آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا، جس وقت ٹرک کسی ٹیلے کی اوٹ میں چلا جاتا تو اس کے انجن کی آواز مدہم پڑ جاتی...... ٹیلے کی اوٹ سے نکلتا تو آواز پھر صاف سنائی دینے لگتی...... آہستہ آہستہ یہ آواز قریب ہوتی جا رہی تھی...... پھر آواز زیادہ قریب سے سنائی دینے لگی...... کمانڈو ارسلان نے شیر خان سے کہا۔

"الرٹ شیر خان! ٹرک کسی بھی وقت نمودار ہو سکتا ہے۔"

اور پھر بل کھاتی سڑک جہاں پہاڑی کا موڑ گھومتی تھی وہاں ٹرک کی روشنی نمودار ہوئی...... مجاہدوں کی گرفت اپنی اپنی سٹین گنوں پر مضبوط ہو گئی...... انہیں اپنے دل کی دھڑکنوں کی آواز سنائی دینے لگی...... سڑک کے موڑ پر ٹرک کی ہیڈ لائٹس کی روشنی زیادہ تیز ہو گئی...... ٹرک کے انجن کی آواز بھی زیادہ شور کے ساتھ سنائی دینے لگی...... اس کے بعد ایک ٹرک موڑ مڑ کر سڑک پر آگیا۔

ٹرک آہستہ آہستہ آرہا تھا...... اس کی روشنیوں میں گرتی برف صاف نظر آنے لگی تھی...... مجاہدوں کی عقابی نگاہیں سڑک پر مرکوز ہو چکی تھیں...... جیسے ہی ٹرک اس جگہ آیا جہاں سڑک پر درخت کے کٹے ہوئے ٹہن نے سڑک بلاک کر رکھی تھی تو ٹرک کو بریک لگی اور وہ رُک گیا...... اس کا انجن چل رہا تھا...... کسی فوجی کی آواز سنائی دی...... دوسرے لمحے ایک فوجی اگلی سیٹ کی کھڑکی کھول کر باہر کودا...... اس کے کندھے سے رائفل لٹک رہی تھی...... اس کے ساتھ ہی دوسرا فوجی بھی ٹرک میں سے نکل کر سڑک پر آگیا...... وہ درخت کے موٹے ٹہن کو پکڑ کر ایک طرف گھسیٹنے لگے تاکہ سڑک صاف ہو جائے...... ارسلان اور شیر خان کو اسی لمحے کا انتظار تھا...... انہوں

نے دونوں فوجیوں کو اپنے نشانے میں لے لیا ہوا تھا۔

جیسے ہی بھارتی فوجی درخت کے ٹہن کو گھسیٹنے لگے...... ارسلان اور کمانڈو شیر خان کی سٹین گنوں سے ایک ایک برسٹ فائر ہوا اور دونوں بھارتی فوجی وہیں اُلٹ کر ڈھیر ہو گئے...... اس کے ساتھ ہی ارسلان اور شیر خان اور مجاہد غلام حسین گھات میں سے نکل کر سڑک پر آگئے...... غلام حسین اور شیر خان دوڑ کر ٹرک کے پیچھے کی طرف گئے...... ان کی سٹین گنوں کا رُخ ٹرک کے پچھلے حصے کی جانب تھا...... کمانڈو ارسلان نے دونوں گرے ہوئے بھارتی فوجیوں کو پاؤں کی ٹھوکر سے ہلایا...... دونوں مر چکے تھے۔

اسی دوران سڑک کے نیچے سے دو مجاہد دوڑ کر اوپر آگئے اور انہوں نے درخت کے ٹہن کو گھسیٹ کر سڑک کی دوسری طرف ڈال دیا...... ٹرک میں اور کوئی فوجی نہیں تھا...... مرے ہوئے بھارتی سپاہیوں کی لاشیں بھی سڑک کی دوسری طرف پھینک دی گئیں...... ارسلان نے مجاہدوں سے کہا۔

"کریٹ لاؤ...... جلدی۔"

فوجی ٹرک کی بتیاں گل کر دی گئی تھیں...... غلام حسین جلدی سے ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... مجاہد ایک ایک کریٹ کو اٹھا کر لے آئے...... شیر خان ارسلان اور دوسرے مجاہدوں نے منصوبے کے مطابق دھماکہ خیز کیمیکلز کے چاروں کریٹ مجاہد غلام حسین کے پاؤں کے قریب رکھ دیئے...... یہ ایسی خطرناک جگہ تھی کہ جہاں ذرا سی ٹھوکر لگنے سے چاروں کریٹ ایٹم بم کی طرح پھٹ کر تباہی مچا سکتے تھے...... ان کا اسی جگہ رکھنا ضروری تھا۔

چاروں مجاہدوں نے باری باری غلام حسین کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر عقیدت سے چوما اور کلمہ پاک کا ورد کرتے پیچھے ہٹ گئے...... کمانڈو شیر خان اور ارسلان نے باری باری مجاہد غلام حسین کے ماتھے کو چوم کر کلمہ پاک پڑھا...... کمانڈو

ارسلان نے کہا۔

"میرے شیر! جاؤ...... جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے گئے ہیں۔"

مجاہد غلام حسین نے بسم اللہ پڑھ کر انجن سٹارٹ کیا...... بتیاں روشن کیں اور ٹرک ہلکی ہلکی گرتی برف باری میں سڑک پر آگے کی طرف چل پڑا۔

جیسے ہی ٹرک آگے بڑھا...... ارسلان اور شیر خان مجاہدوں کو ساتھ لے کر سڑک سے نیچے اترے اور تیز تیز قدموں سے اپنے سامنے والے ٹیلے کی چڑھائی چڑھنی شروع کر دی...... وہ ٹیلے کے اوپر جاکر کھڑے ہوگئے...... آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں میں سحر کا ہلکا ہلکا اُجالا جھلکنا شروع ہو گیا تھا...... مدہم سرمئی رنگ کی دُھند سی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی...... برف باری رُک گئی تھی...... مجاہدوں کی نظریں سامنے والی پہاڑی کی ڈھلان پر جمی ہوئی تھیں، جہاں نیچے دامن میں بھارتی فوجی کیمپ تھا...... کیمپ ڈھلان کی اوٹ میں تھا۔

انہیں نیچے پہاڑی سڑک نظر نہیں آرہی تھی مگر اس فوجی ٹرک کی گھوں گھوں کی آواز برابر آرہی تھی جسے مجاہد غلام حسین چلا رہا تھا اور جسے کچھ ہی دیر بعد فوجی کیمپ میں جاکر بھیانک تباہی مچانی تھی...... مجاہدوں کے کان ٹرک کی آواز پر لگے ہوئے تھے...... انہیں یہی ڈر تھا کہ کہیں ٹرک راستے میں خراب نہ ہو جائے۔

لیکن ٹرک سحر کے دُور ہوتے اندھیرے میں برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑی سڑک پر بھارتی فوجی کیمپ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا...... سڑک کی ڈھلان شروع ہو گئی تھی اور ٹرک کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی...... مجاہد غلام حسین نے دونوں ہاتھوں سے فوجی ٹرک کا تھرکتا ہوا سٹیرنگ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا...... فوجی کیمپ قریب ہوتا جا رہا تھا...... مجاہد غلام حسین کی شہادت کی مبارک گھڑی قریب آتی جا رہی تھی...... اس کے دل میں اللہ کا خیال تھا اور لب پر درود و سلام تھا...... سڑک نے ایک پہاڑی کا چکر کاٹا تو سامنے بھارتی فوجی کیمپ کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔

مجاہد غلام حسین نے ٹرک کی رفتار اور تیز کر دی...... کیمپ کے گیٹ پر کھڑے فوجی گارڈز نے ٹرک کو دُور سے دیکھا تو سمجھ گئے کہ سپلائی لانے والا ٹرک آگیا ہے...... انہوں نے گیٹ کھول دیا...... ٹرک اتنی تیزی سے گیٹ میں سے گزرا کہ دونوں فوجی حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے...... وہ یہی سمجھے کہ ٹرک کے بریک فیل ہوگئے ہیں۔

ٹرک کو غلام حسین نے گولہ بارود کے ذخیرے والی دیوار کی طرف تیزی سے موڑ دیا...... دوسرے لمحے ایک دھماکہ ہوا اس کے ساتھ ہی دوسرا دھماکہ ہوا اور پھر فوجی کیمپ میں قیامت بپا ہو گئی...... ہر طرف آگ ہی آگ تھی...... دھماکے ہی دھماکے تھے...... چیخ و پکار تھی...... بارود کا دھواں ہی دھواں تھا...... بیرکوں کے پرخچے اُڑ گئے تھے...... ان کے ساتھ کیمپ میں مقیم تمام بھارتی فوجیوں کے بھی پرخچے اُڑ گئے تھے۔

جب دُور پیچھے پہاڑی ٹیلے پر موجود کمانڈو ارسلان، شیر خان اور دوسرے تین مجاہدوں نے دھماکوں کی دہشت ناک آوازوں کے ساتھ پہاڑیوں میں سے آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل بلند ہوتے دیکھا تو ان سب نے ایک ساتھ ہاتھ اوپر اٹھا کر شہید غلام حسین کے ایصال ثواب کے لئے فاتحہ پڑھی اور چہروں پر ہاتھ پھیر دیا...... کمانڈو ارسلان نے بھی اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیر کر کہا۔

"چلو شیرو! مجاہد غلام حسین کی شہادت نے ہمیں بھی سرخرو کر دیا۔"

یہ لوگ صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

ان کا مشن کامیاب ہو چکا تھا...... اس اہم بھارتی فوجی کیمپ کی تباہی بھارتی حکومت کے لئے ایک بہت بڑا صدمہ اور شکست تھی...... اس خفت کو مٹانے کے واسطے جیسا کہ بھارتی فوج مقبوضہ کشمیر میں کیا کرتی ہے، جگہ جگہ نہتے کشمیریوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا گیا...... بے گناہ کشمیری نوجوانوں اور بوڑھوں اور بچوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی...... خواتین کو ہراساں کیا جانے لگا...... کمانڈو ارسلان زخمی شیر کی طرح

بپھر گیا...... اس نے شیر خان سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ شیر خان کو کوٹھڑی میں لے گیا...... چارپائی پر بیٹھتے ہی بولا۔

"یہ سب کچھ بریگیڈیئر جگ موہن کے اشارے پر ہو رہا ہے...... وہ اپنی شکست کا بدلہ بے گناہ کشمیری نوجوانوں اور خواتین کا بے دریغ خون بہا کر لینا چاہتا ہے...... میں ایسا نہیں ہونے دوں گا...... میں اس درندے سے کشمیریوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا بدلہ لوں گا۔"

شیر خان نے ارسلان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

اس وقت شیر خان کی آنکھوں میں بھی خون اترا ہوا تھا...... انہیں جو رپورٹ ملی تھی اس کے مطابق دوپہر تک بریگیڈیئر جگ موہن کے حکم سے گیارہ کشمیری جوانوں کو گرفتار کرنے کے بعد جنگل میں لے جا کر شہید کیا جا چکا تھا۔

جس علاقے میں مجاہدین کا خفیہ ٹھکانہ تھا بریگیڈیئر جگ موہن کا ہیڈ کوارٹر بھی اسی علاقے میں تھا...... کمانڈو ارسلان اور کمانڈو شیر خان اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھے...... شیر خان نے ارسلان سے کہا۔

"تم نے کیا سوچا ہے؟"

"ارسلان نے شیر خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"

"میں بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔"

شیر خان نے کہا۔

"ہم کل دن نکلنے سے پہلے اس شیطان کو جہنم میں پہنچا دیں گے...... میں خود اسے قتل کروں گا۔"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"میں کچھ اور سوچ رہا ہوں...... اس جلاد کو ہم ایک ہی بار قتل کر سکتے ہیں اور وہ ایک ہی بار قتل ہونے سے مر جائے گا...... میں چاہتا ہوں کہ میں اسے بار بار قتل کروں...... وہ ہر ہر لمحے موت کی اذیت کے مرحلے سے گزرے...... اسے ایک ہی بار قتل کر دینا اس کے لئے کوئی سزا نہیں ہو گی۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"میں بریگیڈیئر جگ موہن کو اغوا کرنا چاہتا ہوں۔"

شیر خان ارسلان کے چہرے کی طرف تکنے لگا۔

"وہ کس لئے؟" اس نے پوچھا۔

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"خواہ مخواہ اس مشکل میں کیوں پڑتے ہو؟ ہم اسے ویسے ہی ختم کر دیتے ہیں۔"

کمانڈو ارسلان بولا۔

"میں جانتا ہوں ہم ایسا کر سکتے ہیں، مگر میں ایسا نہیں کرنا چاہتا...... میں اسے ایک ہی بار نہیں مارنا چاہتا...... جب سے یہ جلاد وادی میں آیا ہے اس نے سینکڑوں کشمیریوں کا خون کیا ہے...... میں جو کرنا چاہتا ہوں...... مجھے کرنے دو...... تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس مشن میں تم میرا ساتھ دو گے یا نہیں؟"

شیر خان نے کہا۔

"یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا...... میں جہاد کشمیر کے ہر مشن میں تمہارے ساتھ ہوں اور جب تک زندہ ہوں ساتھ رہوں گا۔"

ارسلان نے مسکرا کر شیر خان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"دوست! میں جانتا ہوں تم ایسا ہی کرو گے۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہارا پلان کیا ہے؟ بریگیڈیئر جگ موہن کو ہلاک کرنا آسان ہے لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسے اغوا کرنے میں بہت سی مشکلات پیش ہو سکتی ہیں...... وہ کیمپ کمانڈر بھی ہے...... بروقت مسلح سیکیورٹی گارڈ کی گاڑیاں اس کے آگے پیچھے ہوتی ہیں...... وہ اکیلا کہیں باہر نہیں نکلتا۔"

ارسلان کہنے لگا۔

"مجھے معلوم ہے۔"

"پھر تمہارے دماغ میں منصوبہ کیا ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔

ارسلان بولا۔

"میرے ذہن میں جو منصوبہ ہے اس کے مطابق ہمیں بریگیڈیئر جگ موہن کو اغوا کرنے کے لئے کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔"

کمانڈو شیر خان نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا وہ خود بخود ہاتھ باندھ کر ہمارے پاس آجائے گا؟"

ارسلان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے بالکل درست کہا شیر خان...... وہ خود بخود ہی ہمارے پاس ہاتھ باندھ کر آجائے گا۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں...... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

کمانڈو ارسلان نے شیر خان کے کندھے کو دباتے ہوئے کہا۔

"اپنا کان میرے قریب لاؤ۔"

شیر خان نے کان ارسلان کے قریب کر دیا...... ارسلان نے اس کے کان میں کوئی

بات کی جس پر شیر خان نے کسی قدر تعجب کے ساتھ ارسلان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"اچھی سکیم ہے۔"

ارسلان نے کہا۔

"اس سلسلے میں میں پوری رپورٹ حاصل کر لوں گا کہ بریگیڈیئر جگ موہن کی اکلوتی بیٹی کانونٹ کے سکول میں کس وقت جاتی ہے...... کس وقت واپس آتی ہے اور سکول میں وہ کب تک رہتی ہے...... اس کی تم فکر نہ کرو۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ بریگیڈیئر کی بیٹی ہے اور یہاں کے حالات کے پیش نظر اس کے ساتھ سکول جاتے اور سکول سے واپس آتے وقت سکیورٹی گارڈ ضرور ہوتے ہوں گے۔"

"ضرور ہوتے ہوں گے۔" ارسلان نے جواب دیا...... "اس کے باوجود ہمیں اپنے منصوبے کو کامیاب بنانا ہوگا، کیونکہ اس پہلی کامیابی کے بغیر ہمارا مشن کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

کمانڈو ارسلان نے بریگیڈیئر جگ موہن کی اکلوتی جوان بیٹی کی سکول کی اور دوسری سوشل مصروفیات کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک سراغ رساں مجاہد کی ڈیوٹی لگائی...... اس نے دو دن کے بعد آ کر رپورٹ دے دی...... اس کی رپورٹ کے مطابق بریگیڈیئر جگ موہن کی اکلوتی بیٹی کا نام سونالی تھا...... وہ صبح پونے نو بجے کانونٹ جاتی تھی اور سوا بارہ بجے تک کانونٹ میں رہتی تھی...... سکیورٹی فورس کے مسلح بھارتی فوجیوں کی گاڑی اسے کانونٹ لے جاتی تھی اور کانونٹ سے واپس لاتی تھی...... اس کے علاوہ اس لڑکی کی کوئی سوشل مصروفیات نہیں تھیں...... وہ زیادہ وقت اپنے بنگلے پر ہی گزارتی تھی...... وہیں اس کی سہیلیاں آجاتی تھیں جن کے ساتھ وہ ٹینس وغیرہ کھیلتی تھی...... جب یہ تفصیل ارسلان نے کمانڈو شیر خان کو بیان

کی تو اس نے کہا۔

"تم نے جو تفصیل بیان کی ہے سونالی کی مصروفیات کی ان سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں کچھ اور سوچنا پڑے گا...... کوئی دوسرا ذریعہ تلاش کرنا ہوگا۔"

ارسلان نے کہا۔

"بریگیڈیئر کی بیٹی سونالی کی ایک مصروفیات کے بارے میں میں نے تمہیں نہیں بتایا۔

"وہ بھی بتادو۔" شیر خان نے کہا۔

کمانڈو ارسلان بولا۔

"سونالی ہر منگل وار کی شام کو مندر میں پوجا کرنے جاتی ہے...... یہ مندر ان کے بنگلے سے جنوب کی جانب واقع ہے...... یہ کوئی باقاعدہ مندر نہیں ہے...... ایک ویشنو بھگت ہندو ٹھیکیدار نے اپنے بنگلے کے ایک کمرے میں ویشنو بھگوان کی مورتی رکھ کر اسے مندر میں بدل دیا ہوا ہے...... ہر منگل کی منگل فوجی اور غیر فوجی افسروں کی عورتیں وہاں شام کے وقت پوجا پاٹھ کرنے آتی ہیں...... بریگیڈیئر جگ موہن کی بیٹی سونالی وہیں پوجا کرنے جاتی ہے...... ہم وہیں سے اسے اٹھانے کی کوشش کریں گے اور یہ کوشش نہیں ہوگی بلکہ ہمیں اسے ہر حالت میں اٹھا کر لے جانا ہوگا۔"

شیر خان بولا۔

"اس کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ جب وہ مندر میں آتی ہے تو اس کے ساتھ سیکورٹی فورس کا کیا انتظام ہوتا ہے...... وہ کس راستے سے آتی ہے...... ٹھیکیدار کی کوٹھی کے مندر میں کتنی دیر تک رہتی ہے...... اس کوٹھی کا محل وقوع کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"اس کے لئے خود ہمیں موقع پر جاکر سراغ رسانی کرنی ہوگی اور ہم بھیس بدل کر جائیں گے۔"

ایک دن چھوڑ کر منگل کا دن آتا تھا...... ٹھیکیدار کی کوٹھی ارسلان نے دیکھی ہوئی تھی...... دوپہر کے بعد کمانڈو شیر خان اور کمانڈو ارسلان نے کشمیری لکڑہاروں کا حلیہ بدلا...... ایک ایک چھوٹی کلہاڑی اپنے پاس رکھ لی...... لمبے گرم چولے یعنی فرن پہن لئے...... پاؤں میں مونجھ کی جوتیاں پہن لیں اور درختوں سے کاٹی ہوئی شاخوں کا بندھا ہوا ایک ایک چھوٹا گٹھا اپنے پاس رکھ لیا...... انہوں نے اپنے سراغ رسانی کے مشن کے بارے میں دوسرے مجاہدوں کو خبردار کر دیا تھا...... یہ نہیں بتایا تھا کہ سراغ رسانی کا یہ مشن کس مقصد کے لئے اختیار کیا جارہا ہے۔"

سورج غروب ہونے سے کافی پہلے جب سونالی کے مندر جانے کا وقت ہوگیا تو دونوں کمانڈو مجاہد لمبے پرانے بوسیدہ سے کوٹ اوپر پہن کر خاموشی سے اپنے ٹارگٹ کی طرف چل پڑے...... ارسلان شیر خان کو گائیڈ کر رہا تھا...... پہاڑی ٹیلے کی ڈھلان پر جگہ جگہ برف جمی ہوئی تھی...... درختوں کے اوپر کی شاخیں بھی سفید برف میں چھپی ہوئی تھیں...... سرد ہوا چل رہی تھی...... دونوں مجاہد کمانڈوز نے شاخوں کے بندھے ہوئے چھوٹے چھوٹے گٹھے کلہاڑیوں میں پھنسا کر کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے...... جنگل کا یہ علاقہ سنسان تھا...... وہ ایک شارٹ کٹ راستے سے ہو کر جارہے تھے، چنانچہ دس پندرہ منٹ کے بعد ہی وہ پہاڑی جنگل کے علاقے سے نکل کر ایک چھوٹی سڑک پر آگئے۔

ارسلان نے شیر خان سے کہا۔

"یہی سڑک ٹھیکیدار کے بنگلے کی طرف جاتی ہے جہاں بریگیڈیئر جگ موہن کی بیٹی سونالی پوجا کے لئے ہر منگل کی شام کو آتی ہے...... آج بھی منگل وار ہے...... وہ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی وہاں آجاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے اس کے ساتھ اس کی ماتا وغیرہ تو ضرور ہوتی ہوگی۔" شیر خان نے کہا۔

ارسلان بولا۔

"اس بارے میں مجھے کوئی حتمی رپورٹ نہیں ملی ہے..... ہو سکتا ہے اس کی کوئی سہیلی ساتھ ہو یا اس کی ماتا بھی ہو سکتی ہے، لیکن سیکورٹی گارڈ اس کے ساتھ ضرور ہوتے ہیں۔"

شیر خان نے کہا۔

"ابھی ٹارگٹ پر پہنچ کر معلوم ہو جائے گا کہ سونالی کے ساتھ کون کون ہوتا ہے۔"

وہ سڑک کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے..... کہیں کہیں برف گھاس پر ابھی تک جمی ہوئی باقی تھی..... سڑک پر برف کہیں نہیں تھی..... وہاں کمیٹی کے ٹرک نے نمک ڈال دیا تھا جس نے برف کو پانی بنا کر پگھلا دیا ہوا تھا..... سڑک پر کوئی آمدورفت نہیں تھی..... کسی کسی وقت کوئی گاڑی گزر جاتی تھی یا کوئی مزدور قسم کا کشمیری سامنے سے آتا اور ان کے قریب سے گزر جاتا تھا..... مزدور کو دیکھ کر ارسلان اور شیر خان کشمیری میں باتیں شروع کر دیتے تھے..... جب وہ برہمن ٹھیکیدار کی مندر والی کوٹھی کے قریب پہنچے تو کمانڈو ارسلان نے دُور سے شیر خان کو کوٹھی دکھائی اور کہا۔

"یہ ہے وہ کوٹھی جہاں بریگیڈیئر جگ موہن کی بیٹی منگل کی منگل پوجا کرنے آتی ہے۔"

یہ کشادہ لان والی بڑی سی کوٹھی تھی جس کی چار دیواری پر درختوں نے سایہ ڈال رکھا تھا..... گیٹ پر لوہے کا جنگلا چڑھا ہوا تھا، جہاں ایک ڈوگرہ چوکیدار گن لئے پہرہ دے رہا تھا..... ارسلان اور شیر خان دیہاتی لکڑہاروں کے بھیس میں تھے..... وہ سڑک کے کنارے درختوں کے نیچے جھک کر گری پڑی درختوں کی ٹہنیاں ایک جگہ اکٹھی کرنے لگے..... مندر والی کوٹھی کے دائیں بائیں بھی کوٹھیاں تھیں..... شیر خان اور ارسلان زمین پر گری پڑی شاخیں اٹھانے کے بہانے کوٹھی کے عقب میں آ گئے..... یہاں انہوں نے دیکھا کہ کوئی کوٹھی نہیں تھی..... ایک ڈھلان تھی۔

ڈھلان جہاں ختم ہوتی تھی وہاں درخت اور جھاڑیاں تھیں..... کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کوٹھی کے گیٹ کے سامنے چلے جانا چاہئے..... سونالی کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔"

دونوں کمانڈو کوٹھی کے سامنے والے درختوں میں آکر لکڑیاں اکٹھی کرنے لگے..... پھر ان لکڑیوں کو چھوٹی کلہاڑیوں سے آہستہ آہستہ کاٹنے لگے، لیکن ان کی نگاہیں برابر کوٹھی اور کوٹھی کی طرف آتی سڑک کا جائزہ لے رہی تھیں..... سونالی کسی بھی وقت آسکتی تھی..... کوٹھی کے اندر سے گھنٹیوں کی اور بھجن کیرتن کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

کچھ گاڑیاں پہلے سے کوٹھی کے احاطے میں کھڑی تھیں..... ایک سیاہ رنگ کی کار سڑک پر آتی نظر آئی تو ارسلان نے شیر خان کو سرگوشی کی۔

"میرا خیال ہے بریگیڈیئر جگ موہن کی بیٹی اسی کار میں ہے۔"

کوٹھی کا گیٹ بند تھا..... چوکیدار اندر سے جھانک کر عورتوں آدمیوں کو پہچان کر گیٹ کھولتا تھا..... اس دوران کمانڈو شیر خان اور ارسلان لکڑیاں چنتے سڑک کے کنارے پر آ گئے تھے تاکہ کار میں بیٹھی بریگیڈیئر کی بیٹی کو دیکھ سکیں..... کار کوٹھی کے پاس آکر رُک گئی..... شیر خان اور ارسلان نے بڑے غور سے دیکھا..... پچھلی سیٹ پر ایک نوجوان لڑکی گلابی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس ہاتھ میں پوجا کی تھالی لئے بیٹھی تھی..... اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کی بھاری بدن کی عورت بیٹھی تھی..... چوکیدار کار کے پاس آیا..... اس نے ایک نظر جھانک کر کار میں دیکھا اور پھر دوڑ کر کوٹھی کا گیٹ کھول دیا..... اس نے بریگیڈیئر جگ موہن کی بیٹی سونالی اور اس کی ماتا جی کو پہچان لیا تھا..... کار کوٹھی میں داخل ہو گئی۔

شیر خان اور ارسلان لکڑیاں اکٹھی کرنے کوٹھی کے عقب کی جانب آ گئے.....

ارسلان نے کہا۔

"یہی لڑکی سونالی تھی...... ڈوگرہ چوکیدار نے بھاگ کا گیٹ کھول دیا تھا...... اس کا مطلب ہے کہ اس نے بریگیڈیئر کی بیٹی کو پہچان لیا تھا۔"

شیر خان نے کہا۔

"ہمارے پاس بریگیڈیئر کی بیٹی کا فوٹو ضرور ہونا چاہیئے تھا، تاکہ کوئی شک شبہ نہ رہے۔"

ارسلان بولا۔

"اس کا مجھے خیال نہیں آیا...... میں کل کسی ذریعے سے اس کی فوٹو حاصل کرنے کی کوشش کروں گا...... چلو اب واپس چلتے ہیں۔"

دونوں جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے چلتے ہوئے اپنے ٹھکانے پر واپس آگئے...... ارسلان نے اسی وقت اپنے ایک خاص آدمی مجاہد دستگیر کو بلوایا اور اسے کہا۔

"دستگیر! ہمیں بریگیڈیئر جگ موہن کی بیٹی سونالی کی کوئی فوٹو چاہیئے...... کیا تم پیدا کر سکتے ہو؟"

مجاہد دستگیر نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور بولا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کانونٹ سکول میں پڑھتی ہے۔"

"ہاں" ارسلان نے کہا۔ "وہ کانونٹ میں ہی پڑھتی ہے...... سکول کے آفس میں اس کی کوئی نہ کوئی تصویر ضرور ہوگی...... کیا وہاں اپنا کوئی آدمی ہے؟"

دستگیر نے نفی میں سر ہلایا اور کہا۔

"نہیں...... کانونٹ میں اپنا کوئی آدمی نہیں ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"لیکن اس لڑکی سونالی کی فوٹو کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔"

دستگیر نے کہا۔

"کیا نام بتایا آپ نے لڑکی کا؟ سونالی۔"

"ہاں...... سونالی۔" ارسلان بولا۔

مجاہد دستگیر کہنے لگا۔

"مجھے کل کا دن دے دیجئے...... میں پوری کوشش کروں گا کہ سونالی کی کوئی تصویر مل جائے۔"

دوسرا دن گزر گیا...... تیسرا دن بھی گزر گیا...... دوسرے دن کی شام کو مجاہد دستگیر نے پاسپورٹ سائز کی ایک رنگین فوٹو لا کر کمانڈو ارسلان کو دی اور بولا۔

"یہ سونالی کا فوٹو ہے...... میں نے کرشنا فوٹو سٹوڈیوز سے حاصل کیا ہے...... وہاں سونالی امتحان کے دنوں میں اپنی تصویر اتروانے گئی تھی...... کرشنا فوٹو سٹوڈیوز میں اپنا ایک آدمی ملازم ہے...... یہ اسی نے لا کر دی ہے۔"

ارسلان نے فوٹو شیر خان کو دکھائی...... شیر خان غور سے تصویر کو دیکھ رہا تھا...... کہنے لگا۔

"یہ وہی لڑکی ہے جو اس روز سیاہ کار میں پوجا کی تھالی لئے بیٹھی تھی۔"

جب اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ سیاہ گاڑی میں ٹھیکیدار کی کوٹھی میں جو لڑکی گئی تھی وہ سونالی ہی تھی تو ارسلان کہنے لگا۔

"اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ لڑکی کو اغوا کیسے کیا جائے؟ یہ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی باڈی گارڈ نہیں ہوتا...... صرف ایک عورت اس کے ساتھ ہوتی ہے جو اس کی والدہ ہی ہو سکتی ہے۔"

شیر خان بولا۔

"میں حیران ہوں کہ یہاں کے مخدوش حالات کو دیکھتے ہوئے بریگیڈیئر جگ موہن نے اپنی بیٹی کے ساتھ باڈی گارڈ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

ارسلان بولا۔

"میرا خیال ہے گارڈ تو اس کے ساتھ ضرور رہتے ہوں گے لیکن اس وقت سونالی پوجا پاٹھ کرنے جا رہی تھی...... اس لئے شاید اس کے بریگیڈیئر باپ نے گارڈز کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔"

شیر خان نے کہا۔

"بہر حال یہ تو معلوم ہو گیا کہ سونالی منگل کی شام کو یہاں آتی ہے...... ہمیں اس منگل کی شام کو سونالی کو ہر حالت میں اغوا کرنا ہو گا...... اس کا باپ جلاد جگ موہن کشمیریوں کے مکانوں کو آگ لگوا رہا ہے اور بے گناہ کشمیریوں کو پکڑ پکڑ کر ان کے خون سے ہولی کھیل رہا ہے۔"

ارسلان کہنے لگا۔

"اگر ہم نے صحیح منصوبہ بندی کی اور پوری احتیاط کے ساتھ قدم اٹھایا تو ہماری کامیابی یقینی ہے، لیکن ہمارے ساتھ دو آدمی ضرور ہونے چاہئیں۔"

"اس کا بندوبست میں نے کر لیا ہے۔" شیر خان بولا۔

مجاہد دستگیر اور حسن علی ہمارے ساتھ جائیں گے...... ان دونوں کے نشانے بڑے پکے ہیں، ہو سکتا ہے وہاں ہمیں فائرنگ بھی کرنی پڑ جائے۔"

کمانڈو ارسلان بولا۔

"یہ تم نے بڑا درست فیصلہ کیا ہے...... میں بھی مجاہد دستگیر اور مجاہد حسن علی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس مشن پر ان دونوں کو ساتھ لے جانا ضروری ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"اگر ہم سونالی کو اٹھا لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کو ہمیں اس خفیہ ٹھکانے پر نہیں رکھنا چاہئے۔"

"اس کا بھی میں نے سوچ لیا ہے۔" ارسلان بولا...... "ہم اسے ایک دوسری جگہ پر رکھیں گے...... وہاں پہلے سے ہمارا ایک آدمی موجود ہو گا۔"

شیر خان نے سر کو سوچنے کے انداز میں آہستہ سے ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے لگتا ہے کہ سونالی کے ساتھ سکیورٹی گارڈ ضرور ہوتے ہوں گے...... پچھلی منگل کو کوئی وجہ ہو گئی ہو گی کہ وہ نہیں آئے، ہو سکتا ہے اس منگل کی شام کو سکیورٹی گارڈ ساتھ ہوں۔"

"کوئی فکر نہیں" ارسلان نے کہا...... "ہم پورا انتظام کر کے جائیں گے اور سب سے پہلے گھات میں بیٹھ کر سکیورٹی گارڈز کو ختم کریں گے...... اس کے بعد وہاں میدان صاف ہو گا۔"

اگلے منگل تک ارسلان اور کمانڈو شیر خان تیاریوں میں مصروف رہے...... انہوں نے ہر امکان کو سامنے رکھتے ہوئے پورا انتظام کر لیا تھا، چنانچہ منگل کے روز سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے وہ اپنے دو مجاہدوں کو ساتھ لے کر ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

چاروں مجاہد دیہاتی لکڑہاروں کے بھیس میں تھے۔

اپنی تیز رفتار جیپ جو چاروں طرف سے بند تھی انہوں نے ٹارگٹ سے تھوڑے فاصلے پر ایک جگہ درختوں کے نیچے کھڑی کر دی تھی...... چاروں مجاہد مسلح تھے...... انہوں نے اپنی اپنی سٹین گنیں اپنے لمبے کرتوں کے اندر چھپائی ہوئی تھیں...... ارسلان کی جیب میں ایک چھوٹی سی شیشی اور سفید رومال بھی تھا...... شیشی میں کلوروفارم تھا...... وہ بریگیڈیئر کی بیٹی سونالی کو وہاں سے بے ہوش کر کے لے جانا چاہتے تھے تاکہ وہ شوروغل نہ مچا سکے۔

مجاہد دستگیر اور مجاہد حسن علی کو کمانڈو ارسلان نے مندر والی کوٹھی کے سامنے درختوں کے پیچھے ایک جگہ بٹھا دیا...... ان کا کام صرف اتنا تھا کہ اگر کار کے آگے یا پیچھے سیکیورٹی والوں کی گاڑی ہو تو وہ اس گاڑی پر اندھادھند فائرنگ کر کے سیکیورٹی گارڈ کو فوراً ہلاک کر دیں...... اگر سیکیورٹی گارڈ ساتھ نہ ہوں تو وہیں درختوں کی اوٹ میں بیٹھ کر ارسلان اور شیر خان کو کور دیں یعنی ان کو ہنگامی صورت حالات میں فائرنگ کر کے اپنی حفاظت میں رکھیں، کیونکہ وہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے...... کوٹھی کے چوکیدار کے پاس بھی بندوق تھی...... وہ بھی ان پر فائرنگ کر سکتا تھا۔

کمانڈو ارسلان نے دستگیر کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ جونہی وہ بریگیڈیئر کی بیٹی سونالی کو اغوا کریں وہ فوراً اس جگہ پہنچے جہاں انہوں نے بند جیپ کھڑی کر رکھی

تھی...... شیر خان نے ارسلان سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ سونالی کے ڈرائیور کے پاس بھی اسلحہ ہو...... ہمیں سب سے پہلے اسے ختم کرنا ہوگا۔"

ارسلان بولا۔

"ڈرائیور کے پاس اسلحہ ہو یا نہ ہو لیکن اسے پہلے ختم کرنا بہت ضروری ہوگا...... آخر وہ ایک فوجی افسر کا ڈرائیور ہے، وہ بھی ریٹائرڈ فوجی ہو سکتا ہے...... وہ ضرور مقابلے پر اتر آئے گا اور مجھے یقین ہے کہ اس کے پاس پستول وغیرہ ضرور ہوگا۔"

پھر اس نے شیر خان سے کہا۔

"میں سونالی اور اس کی ماتا کو سنبھال لوں گا...... تم ڈرائیور کو سنبھالنا...... اس کا انتظار نہ کرنا کہ ڈرائیور پستول نکالتا ہے یا نہیں...... اسے فوراً ختم کر دینا۔

شیر خان نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔"

اس کے بعد چاروں مجاہد اپنی اپنی پوزیشنوں پر چلے گئے...... مجاہد دستگیر اور مجاہد حسن علی مندر والی کوٹھی کے سامنے سڑک کے پار ایک درخت کے نیچے بیٹھے لکڑیاں اکٹھی کر کے ان کا گٹھا بنا رہے تھے، جبکہ کمانڈو شیر خان دیہاتی لکڑہارے کے لباس مین کوٹھی کے گیٹ کے دائیں جانب ایک درخت کے نیچے خشک پتے اکٹھے کر رہا تھا...... کمانڈو ارسلان ذرا آگے اور گیٹ کے قریب کھرپی سے گھاس کاٹنے میں مصروف تھا...... چاروں مجاہد تھوڑی دیر بعد سڑک پر نگاہ ڈال لیتے تھے۔

دو تین گاڑیاں آ کر کوٹھی کے اندر چلی گئی تھیں...... ان میں سونالی نہیں تھی...... دوسری عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں...... اتنے میں سڑک پر دور سے ایک فوجی جیپ آتی دکھائی دی...... ارسلان اور شیر خان اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ سیکیورٹی گارڈز کی جیپ ہے...... دوسری جانب مجاہد دستگیر اور حسن علی نے بھی سیکیورٹی گارڈز کو دیکھ لیا

تھا...... اس کے پیچھے پیچھے ایک سیاہ گاڑی آ رہی تھی جس میں بریگیڈیئر کی بیٹی سونالی اور اس کی ماں بیٹھی تھیں...... دستگیر اور حسن علی نے درخت کے پیچھے فوراً پوزیشنیں سنبھال لیں...... اب انہیں صرف ارسلان کے سگنل کا انتظار تھا...... یہ سگنل ارسلان نے سٹین گن کا ہوائی برسٹ فائر کر کے دینا تھا۔

اور یہ اسی صورت میں سگنل دینا تھا کہ جب سکیورٹی گارڈز سونالی کی گاڑی کے ساتھ ہوں گے...... ارسلان نے سکیورٹی گارڈز کے پیچھے دیکھا...... پیچھے سونالی کی گاڑی آ رہی تھی...... شیر خان نے بھی یہ سب کچھ دیکھ لیا تھا اور وہ چوکس ہو گیا تھا...... سکیورٹی کار سب سے پہلے کوٹھی کے گیٹ کے پاس آ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی اور اس کے اندر سے تین باڈی گارڈ نکل کر کھڑے ہو گئے...... ان سب کے پاس برین گنیں تھیں...... مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ تینوں باڈی گارڈ ایک جگہ ساکت کھڑے نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں سے ایک لپک کر سونالی کی گاڑی کے پاس آ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا اور دوسرے دو باڈی گارڈ مسلسل حرکت کر رہے تھے اور ارد گرد کا جائزہ لے رہے تھے۔

ارسلان کو معلوم تھا کہ ان چلتے پھرتے ٹارگٹوں پر شاید حسن علی اور مجاہد دستگیر اتنی دُور سے صحیح نشانہ نہیں لگا سکیں گے اور ان کا ایک بھی نشانہ خطا گیا تو تینوں باڈی گارڈز ارد گرد اندھا دھند فائرنگ شروع کر دیں گے اور اس دوران ڈرائیور گاڑی میں ہی بریگیڈیئر کی بیٹی کو لے کر وہاں سے نکل جائے گا اور ان کا مشن ناکام ہو جائے گا۔

یہ سب کچھ ایک سیکنڈ میں ارسلان نے سوچ لیا تھا...... جیسے ہی ایک باڈی گارڈ سونالی کی گاڑی کے پاس آ کر رُکا ارسلان نے سٹین گن نکال کر اس پر برسٹ فائر کیا...... باڈی گارڈ الرٹ نہیں تھا...... وہ گر پڑا...... اس دوران شیر خان نے دوسرے باڈی گارڈز پر سٹین گن کی بوچھاڑیں فائر کر کے انہیں بھی گرا دیا...... ڈرائیور نے فوراً انجن سٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو پیچھے کر ہی رہا تھا کہ ارسلان نے قریب آ کر اس کی کھوپڑی بھی اُڑا دی۔

ڈوگرہ چوکیدار نے بندوق کا فائر کیا مگر ارسلان بچ گیا...... شیر خان نے ایک برسٹ مار کر ڈوگرہ چوکیدار کو بھی وہیں ڈھیر کر دیا...... مجاہد دستگیر نے سکیورٹی گارڈز کو گرتے دیکھا تو فوراً اس طرف کو بھاگا جہاں ان کی جیپ کھڑی تھی...... کمانڈو شیر خان نے سٹین گن کا رُخ گاڑی کے اندر پچھلی سیٹ کی طرف کر دیا...... پچھلی سیٹ پر سونالی اور اس کی ماں سہمی ہوئی بیٹھی خوف کے مارے کانپ رہی تھیں...... کمانڈو ارسلان نے لپک کر کلوروفارم میں بھیگا ہوا رومال سونالی کی ناک کے ساتھ لگا کر دبا دیا...... شیر خان نے دروازہ کھول دیا...... سونالی نے ذرا سی مزاحمت کی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

سونالی کی ماں کی یہ حالت تھی کہ وہ جیسے ساکت ہو گئی تھی...... اس کا خون دہشت کے مارے خشک ہو چکا تھا...... ارسلان نے سونالی کو گاڑی میں سے کھینچ کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور شیر خان سے چلا کر کہا۔

"مجھے کور دو۔"

اسے خطرہ تھا کہ دوسری کوٹھیوں کی طرف سے کوئی فائرنگ نہ شروع کر دے...... کوٹھیوں میں سے کچھ لوگ برآمدوں میں آ کر کھڑے ہو گئے تھے، مگر وہ سارے کے سارے سہمے ہوئے تھے...... شیر خان نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی...... اس نے ایک دو برسٹ اِرد گرد کی کوٹھیوں کے اوپر فائر کئے تو لوگ گھبرا کر کوٹھیوں کے اندر بھاگ گئے۔

ارسلان سونالی کو کاندھے پر ڈالے درختوں کی طرف دوڑا...... شیر خان اس کے پیچھے تھا مگر پیٹھ ارسلان کی طرف کئے ہوائی فائرنگ کرتا ایک ایک قدم کر کے الٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہا تھا...... جب وہ سڑک پار کر گیا، رُخ بدل کر اس نے بھی ارسلان کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا...... تھوڑی دیر بعد ہی وہ درختوں میں سے نکل کر اس جگہ آ گئے جہاں حسن علی اور دستگیر پہلے سے موجود تھے اور جیپ کے مجاہد ڈرائیور نے انجن سٹارٹ کیا ہوا تھا...... انہوں نے سونالی کو بند جیپ کے اندر ڈالا...... ارسلان، شیر خان

اور دستگیر جیپ کے اندر بیٹھ گئے...... دروازہ زور سے بند کیا اور اس کے ساتھ ہی جیپ ایک دم ایک دھچکے کے ساتھ وہاں سے نکل گئی۔

کمانڈو شیر خان ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

ڈرائیور مجاہد کو معلوم تھا کہ اسے جیپ لے کر کہاں جانا ہے...... یہ خاص خفیہ جگہ جہاں انہیں سونالی کو لے جانا تھا وہاں سے دُور پہاڑیوں میں واقع تھی...... جیپ عام راستے سے ہٹ کر طوفانی رفتار کے ساتھ ٹیکریوں اور جنگلاتی علاقے میں سے گزر رہی تھی...... نیم برف پوش علاقہ تھا...... کہیں برف کے ڈھیر تھے تو کہیں برف پگھل چکی تھی...... شام کا اندھیرا چھا گیا تھا...... جیپ کے اندر کی مدہم بتی روشن کر دی گئی تھی...... سونالی بے ہوش تھی...... کمانڈو ارسلان مجاہد دستگیر اور مجاہد حسن علی وہیں بیٹھے تھے...... ڈرائیور کی سیٹ والی چھوٹی کھڑکی کھول دی گئی تھی جس میں سے تازہ اور ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی...... کمانڈو ارسلان نے کھڑکی کے قریب ہو کر ڈرائیور سے کہا۔

”اتنی تیز گاڑی نہ چلاؤ...... راستہ ٹھیک نہیں ہے۔“

ڈرائیور نے جیپ کی رفتار کم کر دی...... وہ واردات کی جگہ سے کافی دُور ویران پہاڑی علاقے میں نکل آئے تھے...... جیپ ایک ٹیلے کی چڑھائی چڑھ کر دوسری طرف اُتر گئی...... یہاں درختوں کے درمیان جیپ آہستہ ہو گئی اور پھر وہ ایک طرف گھوم کر کھڑی ہو گئی۔

سامنے اونچی جگہ تھی...... اندھیرا ہو چکا تھا...... اونچی جگہ پر ایک لالٹین جل رہی تھی...... جیپ کے رُکتے ہی ایک مجاہد اوپر سے اتر کر آ گیا...... کمانڈو ارسلان مجاہدوں کے ساتھ جیپ سے باہر آ گیا تھا...... شیر خان بھی باہر نکل آیا تھا...... جو آدمی اوپر سے اتر کر نیچے آیا تھا ارسلان نے اس سے کہا۔

”لڑکی کو اوپر لے جاؤ۔“

مجاہد حسن علی اور دستگیر بھی اس آدمی کے ساتھ ہو گئے...... انہوں نے جیپ

کے اندر سے بے ہوش لڑکی کو نکالا اور اسے اوپر لے گئے، جہاں لالٹین روشن تھی...... ارسلان نے جیپ کے ڈرائیور سے کہا۔

”جیپ لے جاؤ۔“

پھر اس نے شیر خان سے کہا۔

”خدا کا شکر ہے کہ ہمارا مشن کامیاب رہا۔“

شیر خان نے اوپر لالٹین کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اوپر اور کون کون ہے؟“

ارسلان بولا۔

”صرف ایک مجاہد ہے...... وہ ہر وقت یہیں رہتا ہے...... اوپر آ جاؤ۔“

چبوترے کے اوپر پیچھے ہٹ کر لکڑی کا ایک مکان تھا...... مکان کے اندر بھی لالٹین کی روشنی ہو رہی تھی...... لکڑی کے فرش والے ایک بوسیدہ سے کمرے میں سونالی چارپائی پر پڑی تھی...... اسے کچھ کچھ ہوش آ رہا تھا...... شیر خان اور ارسلان اس کی چارپائی کے سامنے لکڑی کے سٹولوں پر بیٹھ گئے...... مجاہد دستگیر اور حسن علی دروازے کے پاس سٹین گنیں تھامے کھڑے تھے۔

ارسلان نے سونالی کو ہوش میں آتے دیکھا تو حسن علی سے کہا۔

”حسن! تم دروازہ بند کر کے دوسری طرف کھڑے ہو جاؤ اور اسد جو سے کہو پانی کا گلاس اور چائے دے جائے۔“

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے ہمیں سونالی کو اپنے چہرے نہیں دکھانے چاہئیں...... ہمیں چہروں کو چھپا لینا چاہیے۔“

ارسلان بولا۔

”شیر بھائی! اب کس کس سے اور کہاں تک چہرے چھپائیں گے...... کشمیر میں تو

بھارت کی سات ڈویژن فوج موجود ہے۔"

"تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔" شیر خان نے جواب دیا۔

اتنے میں بریگیڈیئر کی بیٹی سونالی کو ہوش آگیا...... اس نے اپنے سامنے شیر خان اور ارسلان کو دیکھا تو گھبرا کر اٹھنا چاہا مگر نقاہت کی وجہ سے اٹھ نہ سکی...... ارسلان نے کہا۔

"ابھی تم آرام کرو۔"

سونالی کو معلوم تھا کہ یہ لوگ اسے اٹھا کر یہاں لے آئے...... اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے...... کپکپاتے ہونٹوں سے بولی۔

"مجھے کچھ نہ کہنا...... میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"سونالی! تم جو سمجھ رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے...... ہم تمہیں کسی بری نیت سے یہاں نہیں لائے۔"

سونالی نے روتے ہوئے کہا۔

"پھر مجھے کیوں لائے ہو؟ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں...... مجھے میرے ماتا پتا کے پاس پہنچا دو۔"

کمانڈو ارسلان بولا۔

"ہم تمہیں یہاں کس لئے لائے ہیں؟ یہ تمہیں بتا دیا جائے گا...... ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے...... یہاں تم ہماری مہمان ہو اور یاد رکھو ایک مسلمان جب کسی مسلمان کو اپنا مہمان کہتا ہے تو مہمان کی عزت اس کی اپنی عزت بن جاتی ہے۔"

اسد جو پانی اور چائے لے کر آگیا...... ارسلان نے سونالی کو پانی کا گلاس دیتے ہوئے کہا۔

"تھوڑا پانی پی لو۔"

"میں کچھ نہیں پیوں گی۔" سونالی نے غصے میں کہا۔

ارسلان بولا۔

"ہم جاتے ہیں...... یہ پانی اور تمہارے لئے چائے اور کچھ بسکٹ یہیں رکھے ہیں۔"

اور شیر خان اور ارسلان اٹھ کر کمرے سے نکل گئے...... باہر آکر ارسلان نے حسن علی سے کہا۔

"تم دروازے کے باہر پہرہ دو گے اور دستگیر تم مکان کے گرد گشت لگاتے رہو گے۔"

ارسلان اور شیر خان مکان کے کونے والے دوسرے کمرے میں آکر بیٹھ گئے...... کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"شیر خان! اب ہمارے مشن کا دوسرا مرحلہ شروع ہونے والا ہے جو پہلے مرحلے سے زیادہ اہم اور زیادہ حساس ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"مجھے اس بات کا احساس ہے...... انشاء اللہ دوسرا مرحلہ بھی کامیابی سے طے کر لیں گے۔"

ارسلان بولا۔

"میں اسد جو کو اس کے گاؤں بھیج رہا ہوں...... اس کا گاؤں یہاں سے تھوڑی دُور ہی ہے...... وہ اپنی بوڑھی والدہ کو یہاں لے آئے گا...... سونالی کے پاس ایک عورت کی موجودگی ضروری ہے...... وہ اس کی زیادہ بہتر طریقے سے دیکھ بھال کر سکے گی۔"

"یہ اچھا خیال ہے کیونکہ ابھی کچھ پتہ نہیں کہ سونالی کو یہاں کب تک رہنا ہو گا۔"

چنانچہ کمانڈو ارسلان نے اسی وقت اسد جو کو اپنی والدہ کو لانے کے لئے گاؤں روانہ کر دیا...... عشاء کی نماز کے وقت سے پہلے پہلے وہ اپنی والدہ کو لے کر آگیا...... ارسلان اس کی والدہ کو لے کر خود سونالی کے پاس گیا اور اسے کہا۔

"یہ میری خالہ ہے...... یہ تمہارے آرام کا خیال رکھے گی۔"

سونالی نے کوئی جواب نہ دیا اور منہ دوسری طرف کر لیا...... ارسلان نے اسد جو کی والدہ کو سب کچھ سمجھا دیا تھا...... اسد جو کی والدہ کے ہاتھوں ہی اس نے سونالی کے لئے اندر کھانا بھجوا دیا اور ایک خاص پیغام بھیج کر کچھ مجاہد منگوا لئے جن کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ ارد گرد جنگل میں پھیل جائیں اور حالات پر کڑی نگاہ رکھیں کہ کوئی باہر کا اجنبی آدمی تو اِدھر چل پھر نہیں رہا۔

وہ رات گزر گئی۔

دوسرے دن ارسلان اکیلا ہی سونالی کے پاس گیا...... اسد جو کی والدہ نے خود سونالی کو غسل خانے میں لے جا کر اس کا منہ ہاتھ دُھلایا تھا اور اسے تھوڑا بہت ناشتہ بھی کروا دیا تھا...... ارسلان کو دیکھ کر سونالی نے کہا۔

"آخر آپ لوگ مجھے کب تک یہاں قید میں رکھیں گے؟"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"زیادہ دن نہیں رکھیں گے اور تم جتنے دن بھی یہاں رہو گی تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

سونالی نے کہا۔

"یہی تکلیف کم نہیں ہے کہ نہ میں اپنے ماتا پتا سے مل سکتی ہوں نہ وہ مجھے مل سکتے ہیں...... بھگوان جانے میرے بغیر ان کا کیا حال ہو رہا ہو گا۔"

کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"ہم نے تمہارے ماتا پتا کو پیغام بھجوا دیا ہے کہ تم یہاں خیریت سے ہو اور تمہاری عزت آبرو محفوظ ہے۔"

سونالی نے کہا۔

"آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

ارسلان نے کہا۔

"ہم جو چاہتے ہیں اس کے بارے میں تمہارے پتا بریگیڈیئر جگ موہن سے ہماری گفت و شنید ہو رہی ہے...... جیسے ہی ہماری بات چیت کا کوئی نتیجہ بر آمد ہوا ہم تمہیں تمہارے پتا جی کے حوالے کر دیں گے۔"

سونالی نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکیاں لے کر رونے لگی...... کمانڈو ارسلان خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گیا...... دوسرا دن اور دوسری رات بھی گزر گئی...... اسی دوران کمانڈو ارسلان کے چھوڑے ہوئے آدمیوں نے خبر دی کہ بریگیڈیئر جگ موہن کی بیٹی کے اغوا ہو جانے کے بعد بھارتی فوج کے ظلم و ستم کا سلسلہ زیادہ شدید ہو گیا ہے اور کئی بے گناہ کشمیریوں کو گرفتار کرنے کے بعد ان پر تشدد کیا جا رہا ہے...... یہ سن کر ارسلان نے شیر خان سے کہا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہئے۔"

اس وقت دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا...... ارسلان اور شیر خان بھیس بدل کر اپنی خفیہ کمین گاہ سے نکل گئے، جو بھی ان کا قریبی شہر تھا وہاں آ کر ارسلان نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے بریگیڈیئر کے آفس کا ٹیلی فون نمبر ڈائل کر دیا...... کمانڈو شیر خان ٹیلی فون بوتھ سے چند قدم دُور ایک جگہ چھپ کر کھڑا تھا...... دوسری طرف سے کسی نے بارعب آواز میں کہا۔

"لیس!"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"بریگیڈیئر جگ موہن سے میری بات کراؤ۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں بریگیڈیئر جگ موہن بول رہا ہوں۔"

تم کون ہو؟

کمانڈو ارسلان نے زیادہ بارعب آواز میں کہا۔

"میں وہ بول رہا ہوں جس کے قبضے میں اس وقت تمہاری بیٹی ہے۔"

بریگیڈیئر اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا تھا...... جیسے ہی اس نے یہ جملہ سنا اس نے فون اپنے منہ سے ہٹا کر ایک فوجی کو جو اسی مقصد کے لئے ہر وقت اس کے سامنے کرسی پر دوسرے ٹیلی فون کے پاس بیٹھا رہتا تھا اشارہ کیا...... دوسرے فوجی نے اسی وقت بٹن دبا کر ایکسچینج روم کو سگنل کر دیا کہ چیک کرو یہ فون کال شہر میں کہاں سے آ رہی ہے اور جو بھی فون کر رہا ہے اسے فوراً قابو میں کیا جائے، اس کا انتظام بریگیڈیئر کے آفس میں پہلے سے کر دیا گیا تھا۔

اس بات سے کمانڈو ارسلان غافل نہیں تھا...... اس نے ٹیلی فون پر جب دیکھا کہ ایک لمحے کی خاموشی طاری ہو گئی ہے اور دوسری طرف سے بریگیڈیئر کا کوئی جواب نہیں آیا تو اس نے کہا۔

"جگ موہن! میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ یہ نہ سمجھ سکوں کہ تم نے میری ٹیلی فون کال ڈی ٹیکٹ کرنے کے لئے خفیہ سگنل دے دیا ہے...... اس وقت تو میں فون بند کرتا ہوں...... دوسری بار فون کروں گا تو بات ہو گی۔"

اور کمانڈو ارسلان نے فون بند کر دیا...... ٹیلی فون بوتھ سے نکل کر شیر خان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"بریگیڈیئر نے فون ڈی ٹیکشن کنٹرول کو اشارہ کر دیا تھا...... یہاں سے فوراً نکل چلو۔"

دونوں مجاہد کمانڈو وہاں سے نکل گئے۔

جب وہ وہاں سے کافی دُور چلے گئے تو کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں فون پر بات نہیں کرنی چاہئے...... اس میں ایک تو خطرہ ہے دوسرے پوری تفصیل سے بات نہیں ہو سکے گی۔"

کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"اگر ہم نے بریگیڈیئر کی فریکوئینسی معلوم کر کے وائرلیس پر بات کی تو اس کو ہماری فریکوئینسی کا علم ہو جائے گا جو میں نہیں چاہتا کہ اسے معلوم ہو۔"

"پھر ایک ہی صورت ہے۔" شیر خان نے کہا۔

"وہ کیا؟" ارسلان نے پوچھا۔

شیر خان بولا۔

"ہمیں کسی پہاڑیوں میں کسی دُور دراز جگہ پر جا کر وائرلیس پر بریگیڈیئر سے بات کرنی چاہئے اور ہر بار جگہ بدل لینی چاہئے۔"

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔" ارسلان نے جواب دیا۔

وہ دن انہوں نے گزار دیا...... وہ بریگیڈیئر کی تشویش میں اضافہ کرنا چاہتے تھے...... اس سے اگلے روز شیر خان اور ارسلان چھوٹا ریڈیو ٹرانسمیٹر لے کر اپنی خفیہ کمیں گاہ سے نکل کر وہاں کئی میل دُور ایک دوسرے پہاڑی جنگل میں آ گئے...... یہاں ارسلان نے بریگیڈیئر جگ موہن کے فوجی ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا اور ڈیوٹی افسر سے کہا۔

"اپنے بریگیڈیئر جگ موہن سے میری بات کراؤ اسے کہو کہ مجھے اس کی بیٹی کے بارے میں ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

ڈیوٹی افسر نے اسی وقت بریگیڈیئر جگ موہن سے رابطہ کیا اور کہا۔

"سر! آپ کے لئے ایک ضروری پیغام ہے۔"

دوسرے لمحے ارسلان کو جگ موہن کی آواز آئی۔

"کون بول رہا ہے؟"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"وہی بول رہا ہے جس نے ایک دن پہلے تمہیں فون کیا تھا۔"

بریگیڈیئر جگ موہن نے کہا۔

"دیکھو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے فون کو ڈی ٹیکٹ نہیں کروں گا...... مجھے بتاؤ کہ میری بیٹی کہاں ہے...... تم نے اسے کیوں کڈنیپ کیا ہے۔"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"تمہاری بیٹی ابھی تک ہمارے پاس محفوظ ہے...... اسے کچھ نہیں ہوا، لیکن اگر تم نے ہمارے مطالبات نہ مانے تو اسے بہت کچھ ہو سکتا ہے...... ہم تمہیں اس کی عزت آبرو کی ضمانت نہیں دے سکتے۔"

بریگیڈیئر کی تشویش بھری آواز آئی۔

"دیکھو...... میں تمہارے مطالبات پر پوری ذمے داری سے غور کروں گا، مگر میری بیٹی کو کچھ نہ کہنا۔"

ارسلان نے کہا۔

"اگر تم ہمارے مطالبات پر غور کرتے رہے تو میں تمہاری بیٹی کی ذمے داری نہیں لے سکتا۔"

جگ موہن نے جلدی سے کہا۔

"غور سے میرا مطلب یہ نہیں تھا جو تم سمجھ رہے ہو...... میں تمہارے مطالبات تسلیم کرلوں گا...... بتاؤ تمہارے مطالبات کیا ہیں۔"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"ہمارا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ اس وقت تک تمہاری فوج نے جتنے بے گناہ کشمیریوں کو پکڑ کر قید میں ڈال رکھا ہے اور ان پر تشدد کیا جارہا ہے انہیں فوری طور پر رہا کیا جائے۔"

جگ موہن کی آواز آئی۔

"میں تمہارے اس مطالبے کو تسلیم کرتا ہوں...... میں آج ہی ان تمام کشمیریوں کی رہائی کا حکم جاری کردوں گا...... تمہارا دوسرا مطالبہ کیا ہے؟"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"دوسرا مطالبہ تمہیں اس وقت بتایا جائے گا جب ہمارے کشمیری بھائیوں کو تم رہا کردو گے۔"

اور ارسلان نے وائرلیس کا بٹن دبا کر اوف کر دیا...... شیر خان نے پوچھا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"

ارسلان بولا۔

"کہہ رہا تھا کہ میں آج ہی ان تمام لوگوں کی رہائی کا حکم دے رہا ہوں جن کو پکڑ کر جیل میں بند کیا گیا ہے۔"

"کیا وہ ایسا کر سکے گا؟" شیر خان نے سوال کیا۔

ارسلان نے کہا۔

"وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے...... ہمیں کل پتہ چل جائے گا کہ گرفتار شدہ ہمارے کشمیری بھائی جیل سے آزاد ہوئے ہیں یا نہیں، اس کے بعد جگ موہن سے آگے بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے...... ہمیں کل کا دن دیکھ لینا چاہئے۔" شیر خان نے کہا...... اس کے فوراً بعد دونوں کمانڈو مجاہد ریڈیو ٹرانسمیٹر تھیلے میں ڈال کر وہاں سے واپس اپنی کمین گاہ کی جانب روانہ ہوگئے...... اگلے روز سارے علاقے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ بھارتی فوج نے ان تمام کشمیریوں کو رہا کر دیا ہے جنہیں بریگیڈیئر کی بیٹی کے غائب ہو جانے کے بعد شبے میں گرفتار کیا گیا تھا...... یہ خبر مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے پر پہنچی تو شیر خان نے ارسلان سے کہا۔

"جگ موہن نے ہمارا ایک مطالبہ تو پورا کر دیا۔"

ارسلان نے کہا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے۔"

مجاہد حسن علی بولا۔

"لیکن اس نے بھارتی حکومت کو اس کا کیا جواز پیش کیا ہوگا؟"

ارسلان نے کہا۔

"یہ وہ جانے اور بھارتی حکومت جانے...... ہمارے آدمی آزاد ہو گئے ہیں...... ہمیں یہی چاہئے تھا۔"

دوسری طرف بریگیڈیئر جگ موہن سارا دن کمانڈو ارسلان کی فون کال کا انتظار کرتا رہا...... وہ بہرحال اپنی بیٹی کے بارے میں پریشان تھا...... یہ بات ابھی تک اس نے حکام بالا سے خفیہ رکھی ہوئی تھی کہ اس کی بیٹی کو جن لوگوں نے اغوا کیا ہے ان کے ساتھ اس کا رابطہ قائم ہو چکا ہے...... فوج سونالی کی تلاش میں برابر جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی مگر اب نہ تو وہ کسی کے گھر کو آگ لگاتی تھی اور نہ کسی کو گرفتار کرتی تھی...... بریگیڈیئر نے خاص طور پر حکم دے رکھا تھا کہ صرف مشکوک جگہوں کی تلاشی لی جائے...... کسی کو گرفتار نہ کیا جائے اور کسی مکان کو نذر آتش نہ کیا جائے۔

کمانڈو ارسلان نے دوسرے اور تیسرے دن بھی جگ موہن سے رابطہ قائم نہ کیا...... جگ موہن کی پریشانی انتہا کو پہنچ چکی تھی...... چوتھے روز ارسلان نے شیر خان کو ساتھ لیا اور دُور جنگل کے ایک ویران مقام پر جا کر ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے بریگیڈیئر جگ موہن سے رابطہ قائم کیا تو دوسری طرف سے بریگیڈیئر جگ موہن نے کسی قدر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میری بیٹی ٹھیک ہے ناں؟ میں نے تمہارے کہنے پر تمام کشمیریوں کو رہا کر دیا ہے...... اب تم کیا کہتے ہو؟" میرا مطلب ہے تمہارا دوسرا مطالبہ کیا ہے۔

ارسلان نے سب کچھ پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا...... اس نے کہا۔

"اب ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے...... ہم تمہاری بیٹی کو چھوڑ رہے ہیں، مگر تم خود اسے لینے آؤ گے۔"

بریگیڈیئر نے کہا۔

"میں تیار ہوں...... تم جہاں کہو گے میں آجاؤں گا۔"

ارسلان نے کہا۔

"لیکن ایک بات کا خیال رہے...... تم اکیلے آؤ گے...... تمہارے ساتھ اور کوئی آدمی نہیں ہوگا...... اگر تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی اور اپنے ساتھ چھپا کر فوجی سپاہی لے آئے تو یاد رکھو تمہیں تمہاری بیٹی سونالی کی لاش ہی ملے گی۔"

بریگیڈیئر نے کہا۔

"نہیں نہیں...... میں کسی کو اپنے ساتھ نہیں لاؤں گا، میں بالکل اکیلا آؤں گا...... مجھے بتاؤ...... میں کہاں آؤں؟"

ارسلان نے کہا۔

"یہ ہم تمہیں کل اسی وقت بتائیں گے۔"

اور ارسلان نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا اور شیر خان کی طرف دیکھا...... شیر خان نے کہا۔

"ابھی تک ہماری سکیم بالکل ٹھیک جا رہی ہے۔"

ارسلان نے کہا۔

"فکر نہیں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

دوسرے دن ٹھیک اسی وقت کمانڈو ارسلان نے بریگیڈیئر جگ موہن سے رابطہ پیدا کرنے کے بعد کہا۔

"کیا تم آنے کے لئے تیار ہو؟"

جگ موہن بے تابی سے بولا۔

"میں ابھی اسی وقت آنے کو تیار ہوں...... کیا تم میری بیٹی کو ساتھ لائے ہو؟"

ارسلان بولا۔

"جب تم آؤ گے تو تمہیں تمہاری بیٹی مل جائے گی۔"

جگ موہن نے پوچھا۔

"مجھے کہاں آنا ہوگا؟"

ارسلان نے اسے ایک خاص جگہ بتائی اور کہا۔

"یاد رکھو...... ہمارے آدمی اردگرد موجود ہوں گے...... اگر تم لوگوں نے کوئی گڑبڑ کی تو سب سے پہلے تمہاری بیٹی سونالی کو ہلاک کیا جائے گا...... اس کے بعد تمہارے سمیت تمہارا ایک بھی فوجی زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔"

بریگیڈیئر جگ موہن بولا۔

"میں بھگوان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اکیلا آؤں گا اور میرے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں ہوگا...... پلیز میری بات پر یقین کرو۔"

ارسلان نے اسے وقت اور جگہ بتادی اور اسے جس طرح آنا تھا اور جو کچھ کرنا تھا سب بتادیا...... اگلے روز کمانڈو ارسلان، کمانڈو شیر خان اور چاروں مجاہد پوری طرح سے مسلح ہو کر اس مقام پر پہنچ گئے جہاں ایک گھنٹے بعد بریگیڈیئر جگ موہن آنے والا تھا۔

تمام مجاہدوں نے اپنے چہرے نقاب میں چھپا رکھے تھے...... چاروں مجاہد اِردگرد درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے...... صرف شیر خان اور ارسلان جیپ کے پاس رہے...... جیپ وہی تھی جس میں وہ سونالی کو اٹھا کر لائے تھے...... اس وقت سونالی ان کے ہمراہ نہیں تھی...... حقیقت میں ارسلان اور شیر خان نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا...... ان کے منصوبے سے باقی کے مجاہد بھی واقف تھے۔

کمانڈو ارسلان نے جگ موہن کو سہ پہر تین بجے کا وقت دیا تھا...... اس روز آسمان پر صبح ہی سے بادل چھانے لگے تھے...... اس وقت تک مطلع پوری طرح سے ابر آلود ہو چکا تھا...... سرد ہوا چلنے لگی تھی...... معلوم ہوتا تھا کہ کسی وقت بھی برف باری شروع ہو سکتی ہے...... پہاڑی جنگل میں درختوں کے درمیان ایک کھلی جگہ تھی...... وہاں ایک جانب مجاہدوں کی بند جیپ کھڑی تھی...... جیپ کا ڈرائیور اپنی سیٹ پر

خاموش بیٹھا تھا...... سردیوں کی شام آہستہ آہستہ چلی آ رہی تھی...... بادلوں کی وجہ سے وقت سے پہلے ہی ہلکا ہلکا اندھیرا چھا رہا تھا...... ٹھیک وقت پر ایک جانب درختوں کے درمیان ایک انسان آتا دکھائی دیا...... یہ بریگیڈیئر جگ موہن تھا...... اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا رکھے تھے...... کمانڈو ارسلان اور شیر خان جیپ کے قریب کھڑے تھے...... انہوں نے اس آدمی کو آتے دیکھ لیا تھا...... اخباروں میں انہوں نے بریگیڈیئر کی تصویر دیکھ رکھی تھی...... انہوں نے اسے پہچان لیا تھا...... پھر بھی جب وہ قریب آیا تو ارسلان نے سٹین گن کا رُخ اس کی طرف کر دیا اور پوچھا۔

"تمہارا نام؟"

جگ موہن نے کہا۔

"بریگیڈیئر جگ موہن مشرا۔"

"اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ" ارسلان نے کہا۔

بریگیڈیئر نے اسی وقت جیب سے بٹوہ نکال کر کھولا اور اس میں سے اپنا فوجی شناختی کارڈ نکال کر ارسلان کو دیا...... ارسلان نے شناختی کارڈ پر لگی ہوئی فوٹو کو غور سے دیکھا...... یہ بریگیڈیئر جگ موہن ہی تھا...... اس نے شناختی کارڈ بریگیڈیئر کو واپس کر دیا اور شیر خان نے کہا۔

"اس کی تلاشی لو۔"

شیر خان نے بریگیڈیئر کی تلاشی لی اور ارسلان سے کہا۔

"اس کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔"

بریگیڈیئر بولا۔

"میں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں نہتا ہوں گا اور اکیلا آؤں گا...... یقین کرو...... میں بالکل اکیلا آیا ہوں...... میری بیٹی سونالی کہاں ہے؟"

ارسلان نے کہا۔

"ہم تمہیں تمہاری بیٹی کے پاس ہی لے جا رہے ہیں...... جیپ میں بیٹھ جاؤ۔"

بریگیڈیئر خاموشی سے جیپ میں داخل ہو گیا...... ارسلان نے جیپ کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی اور دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے...... ارسلان نے جیپ سٹارٹ کر دی اور شام کے بڑھتے ہوئے دُھندلکے میں جیپ مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئی...... جب جیپ جنگل سے باہر نکلی اور سامنے وہ راستہ نظر آنے لگا جو اس جنگل میں جاتا تھا جہاں مجاہدین کا خفیہ ٹھکانہ تھا تو ارسلان نے جیپ روک دی اور شیر خان سے کہا۔

"اندر جا کر اپنا کام کر آؤ۔"

شیر خان نیچے اتر کر جیپ کی بیک میں آیا...... کنڈی کھولی اور سٹین گن کا رخ اندر کی طرف کر کے دیکھا کہ بریگیڈیئر جگ موہن سیٹ پر سر جھکائے بیٹھا تھا...... اس نے مایوسی کے ساتھ شیر خان کی طرف دیکھا...... شیر خان نے چہرہ نقاب میں چھپایا ہوا تھا...... اس نے کہا۔

"دونوں ہاتھ پیچھے کر کے اوندھے لیٹ جاؤ۔"

بھارتی بریگیڈیئر گھبرایا ہوا تھا...... کہنے لگا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

شیر خان نے کہا۔

"کچھ نہیں...... جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔"

بھارتی بریگیڈیئر نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر کئے اور دونوں سیٹوں کے درمیان اوندھا لیٹ گیا...... شیر خان نے جیب سے سیاہ رومال نکالا اور بریگیڈیئر کی آنکھوں پر اسکی پٹی کس کر باندھ دی اور کہا۔

"اب بیٹھ جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی وہ جیپ سے نکل آیا اور دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی

لگا دی...... اگرچہ جیپ بند تھی اور اندر سے باہر کچھ نظر نہیں آتا تھا...... صرف ڈرائیور کی سیٹ کے پاس چھوٹی کھڑکی تھی جو کمانڈو ارسلان نے پہلے ہی بند کر رکھی تھی...... اس کے باوجود وہ بھارتی بریگیڈیئر کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے اپنی کمین گاہ تک لے جانا چاہتے تھے...... اب جیپ خفیہ کمین گاہ کی طرف روانہ ہو گئی...... آدھ گھنٹے کے بعد جیپ خفیہ ٹھکانے سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ گھنے درختوں کے درمیان کھڑی ہو گئی...... ارسلان اور شیر خان نے دروازہ کھول کر بھارتی بریگیڈیئر کو باہر نکلنے کے لئے کہا۔

بریگیڈیئر جگ موہن جیپ کے دروازے کے پاس آیا تو شیر خان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے نیچے اتار دیا...... بریگیڈیئر کہنے لگا۔

"اگر تمہارا ارادہ مجھے شوٹ کرنے کا ہے تو پلیز مجھے مارنے سے پہلے میری بیٹی سے ایک بار ضرور ملا دو۔"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"اگر تمہیں قتل کرنا ہوتا تو تمہیں یہاں تک لانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کام تو ہم اسی جگہ کر سکتے تھے جہاں تم جیپ میں سوار ہوئے تھے۔"

بریگیڈیئر نے کوئی سوال نہ پوچھا اور کمانڈو شیر خان کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ چلنے لگا...... مجاہد حسن علی اور دوسرے مجاہد پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے...... انہوں نے بھارتی بریگیڈیئر کو ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں لے جا کر چارپائی پر بٹھا دیا اور اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی...... بریگیڈیئر نے کوٹھڑی کا جائزہ لیا اور ارسلان سے پوچھا۔

"میری بیٹی کہاں ہے؟"

ارسلان نے کہا۔

"وہ ابھی آ جاتی ہے...... تھوڑا انتظار کرو۔"

کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے باہر ایک نقاب پوش مجاہد کو پہرے پر کھڑا کر دیا

گیا...... کمانڈو ارسلان اور شیر خان اس کوٹھڑی میں آ گئے جہاں سونالی بند تھی......
سونالی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی...... اسد جو کی والدہ اس کے پاس بیٹھی اس سے باتیں
کر رہی تھی...... کمانڈو ارسلان اور شیر خان اندر آئے تو خالہ خاموشی سے باہر نکل
گئی...... ارسلان اور شیر خان نے اب نقاب اتار دیئے تھے...... سونالی اٹھ کر بیٹھ گئی......
اتنے دن کوٹھڑی میں قید رہنے کی وجہ سے اس کا چہرہ اتر گیا تھا...... اس نے کمزور سی
آواز میں پوچھا۔

”آپ لوگ مجھے کب تک یہاں قید رکھیں گے؟ آپ کیا چاہتے ہیں۔“

ارسلان نے کہا۔

”تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے ناں؟“

سونالی کہنے لگی۔

”یہی تکلیف بہت ہے کہ میں آپ لوگوں کی قید میں ہوں...... ماتا پتا سے جدا
ہوں...... بھگوان جانے میری جدائی میں ان کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔“

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

”ان کشمیری ماؤں، بہنوں کی اذیت کا اندازہ لگاؤ جن کے بیٹوں اور بھائیوں کو
تمہارے باپ کے حکم سے بے دردی سے شہید کر دیا جاتا ہے...... تمہیں تو یہاں
صرف قید ہی کیا گیا ہے...... تمہارے ساتھ کسی قسم کا برا سلوک نہیں کیا گیا......
تمہیں کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔“

سونالی پڑھی لکھی لڑکی تھی، کہنے لگی۔

”میں نے ہمیشہ پتاجی کو بے گناہ کشمیری مرد عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا
ہے، مگر میں کیا کر سکتی ہوں...... اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔“

ارسلان نے کہا۔

”ہمارے ساتھ آؤ۔“

”کہاں؟“ سونالی نے حیران سی ہو کر پوچھا۔

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

”کیا تم اپنے ظالم باپ سے نہیں ملو گی؟“

”پتاجی کہاں ہیں؟“ سونالی نے چارپائی سے اترتے ہوئے کہا۔

ارسلان بولا۔

”وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“

کوٹھڑی سے نکل کر دوسری کوٹھڑی کی طرف جاتے ہوئے شیر خان اور ارسلان
نے چہرے کو دوبارہ نقاب سے ڈھک لیا...... کسی وجہ سے وہ اس بھارتی بریگیڈیئر کو اپنا
چہرہ نہیں دکھانا چاہتے تھے...... دونوں کمانڈو مجاہد سونالی کو اس کوٹھڑی میں لے گئے
جہاں سونالی کا باپ چارپائی پر سر جھکائے بیٹھا تھا...... کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تو اس نے سر
اٹھا کر دیکھا...... کوٹھڑی میں لالٹین جل رہی تھی...... اسے اپنی بیٹی سونالی نظر آئی تو وہ
بے اختیار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے سے لپٹ گئے...... سونالی
رو رہی تھی...... بریگیڈیئر کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے...... ارسلان اور شیر خان
سامنے والی چارپائی پر بیٹھے خاموش نظروں سے باپ بیٹی کی ملاقات کا منظر دیکھ رہے
تھے...... جب دونوں کے دل کا غبار کچھ ہلکا ہوا تو بھارتی بریگیڈیئر نے سونالی کو اپنے پاس
بٹھا لیا اور اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بیٹی! تم بڑی کمزور ہو گئی ہو۔“

اس کے جواب میں کمانڈو ارسلان کہنے لگے۔

”بیٹی سے یہ پوچھو کہ اسے یہاں کسی نے کچھ کہا تو نہیں؟ اس سے کسی قسم کی کوئی
بدسلوکی تو نہیں ہوئی؟ اور اس کی عزت آبرو پر کسی نے حملہ تو نہیں کیا؟“

بھارتی بریگیڈیئر نے اپنی بیٹی کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا...... سونالی نے کہا۔

”پتاجی! میں یہاں بالکل ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے میں اپنے بھائیوں کے

درمیان رہ رہی ہوں...... مجھے یہاں سوائے اس کے اور کوئی تکلیف اور کوئی دُکھ نہیں تھا کہ میں ماتاجی اور پتاجی سے دُور تھی۔“

بریگیڈیئر نے ارسلان اور شیر خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں آپ لوگوں کے کردار کو سلیوٹ کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے میری بیٹی کو پورا تحفظ دیا۔“

کمانڈو شیر خان بولا۔

”ہم مسلمان ہیں...... ہم دشمن کی ماؤں بہنوں کا بھی احترام کرتے ہیں...... ہمارے دین نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔“

بھارتی بریگیڈیئر نے ندامت کے احساس کے ساتھ کہا۔

”مجھے معاف کردیں۔“

پھر اس نے ارسلان سے کہا۔

”رات ہوگئی ہے...... سونالی کی ماتا گھر میں سخت پریشان ہو رہی ہوگی...... مجھے اور سونالی کو گھر بھجوانے کا انتظام کردیجئے۔“

ارسلان کہنے لگا۔

”اس وقت تو مشکل ہے...... یہ کام اب صبح کو ہی ہو سکے گا...... رات آپ ہمارے مہمان بن کر یہاں گزاریں گے...... آپ باپ بیٹی یہاں باتیں کریں...... ہم آپ کے لئے کھانا بھجوا دیتے ہیں۔“

بھارتی بریگیڈیئر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کمانڈو ارسلان اور شیر خان تیزی کے ساتھ کوٹھڑی سے نکل گئے...... دونوں باپ بیٹی کو اسی کوٹھڑی میں کھانا بھجوا دیا گیا...... دونوں کھانا کھانے کے بعد دیر تک باتیں کرتے رہے...... پھر اسد جو کی والدہ کوٹھڑی میں آگئی...... اس نے سونالی سے کہا۔

”بیٹی اب اپنی کوٹھڑی میں آکر آرام کرو...... رات کافی ہوگئی ہے۔“

سونالی نے باپ کو اُداس نظروں سے دیکھا...... بھارتی بریگیڈیئر کا چہرہ پریشان تھا...... سونالی خالہ کے ساتھ چلی گئی...... بھارتی بریگیڈیئر کی کوٹھڑی کے دروازے کو باہر سے چٹخنی لگا کر ایک کمانڈو مجاہد کا پہرہ لگا دیا گیا...... صبح منہ اندھیرے پروگرام کے مطابق کمانڈو ارسلان اور کمانڈو شیر خان اُٹھ بیٹھے...... مجاہد حسن علی اور مجاہد دستگیر پہلے سے جاگ رہے تھے...... ارسلان نے مجاہد دستگیر سے کہا۔

”لڑکی کو تم بند جیپ میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے جاؤ گے...... تمہیں معلوم ہی ہے کہ اسے کہاں پہنچانا ہے۔“

مجاہد دستگیر بولا۔

”میں جانتا ہوں...... انشاء اللہ لڑکی کو اسی جگہ پہنچا دیا جائے گا۔“

ارسلان نے کہا۔

”اب جا کر لڑکی کو لے آؤ...... جیپ تیار ہے ناں؟“

”بالکل تیار ہے سر!“ مجاہد دستگیر نے جواب دیا۔

اس کے بعد کمانڈو ارسلان اور شیر خان وہاں سے چلے گئے...... ابھی رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا...... مجاہد دستگیر سیدھا سونالی کی کوٹھڑی کے باہر آگیا...... وہاں باہر ایک مجاہد پہرہ دے رہا تھا...... اس نے دستگیر کو دیکھ کر دروازے کی کنڈی اتار دی...... مجاہد دستگیر نے دروازہ پر دستک دی...... دو تین بار دستک دینے کے بعد اندر سے سونالی کی نیند بھری آواز آئی۔

”کون ہے؟“

مجاہد نے کہا۔

”میں ہوں...... باہر آؤ...... تمہیں تمہارے گھر لے کر جانا ہے۔“

”ابھی آئی۔“ سونالی نے جلدی سے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد سونالی دروازہ کھول کر باہر آگئی...... اس نے باہر آتے ہی

پہلا سوال یہ کیا۔

"پتاجی کہاں ہیں؟"

مجاہد دستگیر نے کہا۔

"وہ تمہیں تمہارے گھر پر ہی مل جائیں گے۔"

"کہاں وہ...... کیا وہ رات کو میرے بغیر ہی چلے گئے تھے؟"

سونالی نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا...... مجاہد دستگیر بولا۔

"بی بی! سوال مت کرو...... اپنے ماتا پتا کے پاس جانا چاہتی ہو تو خاموشی سے میرے ساتھ آجاؤ۔"

سونالی ان لوگوں کے شفاف کردار کو سمجھ چکی تھی...... وہ خاموشی سے مجاہد دستگیر کے ساتھ چل پڑی...... وہ اسے درختوں میں اس جگہ لے آیا جہاں بند جیپ کھڑی تھی...... جیپ کے اندر والی کھڑکی بھی بند کر دی گئی تھی تاکہ سونالی کو باہر کچھ نظر نہ آسکے...... مجاہد دستگیر نے جیپ کا عقبی دروازہ کھول کر سونالی سے کہا۔

"اندر بیٹھ جاؤ۔"

سونالی نے پوچھا۔

"بھائی! تم مجھے میرے گھر ہی لے جا رہے ہو ناں؟"

مجاہد دستگیر نے کہا۔

"بی بی! تم ابھی تک نہیں سمجھ سکی کہ ہم کس مٹی کے بنے ہوئے لوگ ہیں؟ خاموشی سے بیٹھ جاؤ...... دن نکلنے سے پہلے پہلے مجھے تمہارے گھر پر تمہیں پہنچانا ہوگا۔"

سونالی سر جھکائے جیپ میں داخل ہو گئی...... مجاہد نے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی...... آگے آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا...... انجن سٹارٹ کیا اور جیپ شہر کی جانب چل پڑی...... مجاہد دستگیر جیپ کو ایسے جنگلاتی راستوں سے لے جا رہا تھا جو شارٹ کٹ راستے تھے...... جب جیپ شہر کی طرف جانے والی سڑک پر آئی تو سحر کا

ہلکا ہلکا اُجالا نمودار ہو رہا تھا...... مجاہد دستگیر نے کھلی سڑک پر آتے ہی جیپ کی رفتار تیز کر دی...... آدھے گھنٹے میں وہ اس جگہ پر آ گیا جہاں سے سڑک چھوٹا سا موڑ گھوم کر اس کوٹھی کے سامنے سے گزرتی تھی جس کوٹھی کے باہر سے سونالی کو اُٹھایا گیا تھا...... مجاہد نے جیپ ایک طرف کھڑی کی...... جلدی سے اتر کر پیچھے آیا...... دروازہ کھولا اور اندر جھانک کر سونالی سے کہا۔

"باہر آ جاؤ بی بی!"

سونالی جلدی سے باہر نکل آئی اور دن کے پھیلتے اُجالے میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مجاہد دستگیر نے کہا۔

"یہاں سے تھوڑا آگے جاؤ گی تو موڑ گھوم کر وہ بنگلہ آ جائے گا جہاں تم منگل کی شام کو پوجا کرنے آتی ہو...... اب جاؤ۔"

مجاہد دستگیر نے دروازہ بند کیا اور تیز قدموں سے چل کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا...... انجن سٹارٹ ہی تھا...... اس نے گیئر بدلا...... جیپ کو سڑک پر موڑا اور تیزی سے واپس روانہ ہو گیا۔

سونالی سڑک پر آگے کو چل پڑی...... کچھ دُور چلنے کے بعد سڑک ایک طرف مڑ گئی...... اب اس کے سامنے بائیں جانب کوٹھیاں دکھائی دینے لگیں...... سونالی نے ان کوٹھیوں کو فوراً پہچان لیا...... ان میں وہ کوٹھی بھی تھی جہاں وہ منگل کی شام کو پوجا کرنے ماتاجی کے ساتھ آتی تھی اور یہ حادثہ ہو گیا...... وہ تیز تیز چلنے لگی...... اب اسے حوصلہ ہو گیا تھا کہ وہ واقعی آزاد ہے...... اسے یقین تھا کہ اس کا باپ گھر پہنچ چکا ہوگا، لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ان مجاہدوں نے دونوں کو الگ الگ کیوں بھیجا ہے...... شاید اس میں ان کی کوئی مجبوری ہو...... یہ سوچ کر سونالی کچھ مطمئن ہو گئی۔

پہلے اس نے سوچا کہ کسی کوٹھی میں جا کر گھر فون کر دے، مگر کوٹھیوں پر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... وہ اس خیال سے چلتی گئی کہ شاید آگے کوئی آٹو رکشا مل

جائے۔۔۔۔۔ اتنے میں اسے اپنے پیچھے کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔۔۔۔۔ سونالی نے رُک کر پیچھے دیکھا۔۔۔۔۔ ایک فوجی ٹرک آرہا تھا۔۔۔۔۔ سونالی جلدی سے سڑک کے درمیان کھڑی ہو کر دونوں بازو ہلانے لگی۔۔۔۔۔ یہ ٹرک مہاراشٹر رائفلز کی ایک انفنٹری بٹالین کا ہی تھا جو سونالی کے باپ کی اپنی رجمنٹ تھی۔۔۔۔۔ فوجی ڈرائیور نے ایک عورت کو سڑک کے درمیان کھڑے ہو کر رُکنے کا اشارہ کرتے دیکھا تو اس نے سونالی کے قریب پہنچ کر بریک لگادی۔

جیسے ہی ٹرک رُکا سونالی دوڑ کر ڈرائیور کے پاس گئی اور کہا۔

"میرا نام سونالی ہے۔۔۔۔۔ میں کیمپ کمانڈر بریگیڈیئر جگ موہن کی بیٹی ہوں۔۔۔۔۔ مجھے فوراً میرے بنگلے پر پہنچادو۔"

فوجی سپاہی نے یہ سنا تو فوراً نیچے اُتر آیا۔۔۔۔۔ ساتھ والی سیٹ کا دروازہ کھول کر کہا۔

"بہن جی! بیٹھ جائیں۔۔۔۔۔ میں لانس نائیک گنگارام ہوں۔۔۔۔۔ میں آپ کو ابھی گھر پہنچائے دیتا ہوں۔"

سونالی ٹرک میں بیٹھ گئی اور ٹرک سونالی کے گھر کی طرف چل پڑا۔

جب سونالی کے پتا بریگیڈیئر جگ موہن کے بنگلے کے سامنے ٹرک رُکا تو گیٹ پر جو فوجی جوان پہرہ دے رہے تھے وہ ٹرک کے پاس آگیا۔۔۔۔۔ اس نے سونالی کو پہچان لیا اور کچھ گھبراہٹ اور کچھ حیرانی کے ساتھ بولا۔

"بی بی جی جلدی سے اندر چلیں۔۔۔۔۔ ماتا جی کا رو رو کر برا حال ہو رہا ہے۔"

سونالی نے گیٹ کی طرف تیز قدموں سے جاتے ہوئے گارڈ سے پوچھا۔

"پتا جی آگئے ہیں؟"

"مجھے معلوم نہیں بی بی جی!" فوجی جوان نے جواب دیا۔

سونالی نے دوڑتے ہوئے کوٹھی کا لان عبور کیا اور برآمدے میں آکر گھنٹی کا بٹن دو تین بار دبایا۔۔۔۔۔ پھر اس نے زور زور سے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔۔۔۔۔ اتنے

میں دروازہ کھلا اور سامنے سونالی کی پریشان حال ماں کھڑی تھی۔۔۔۔۔ دونوں ماں بیٹی روتے ہوئے ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔۔۔۔۔ گھر میں سب بیدار ہو گئے۔۔۔۔۔ ایک خوشی کا ماحول بھی تھا اور کہرام سا بھی مچ گیا تھا۔۔۔۔۔ جب ذرا دل کا غبار ہلکا ہوا تو سونالی نے ماں سے پوچھا۔

"پتا جی کہاں ہیں؟"

ماں نے کہا۔

"وہ تو تمہیں لینے گئے ہوئے ہیں بیٹی!"

"مگر انہوں نے تو کہا تھا کہ پتا جی گھر پہنچ گئے ہوں گے۔"

"کس نے کہا تھا بیٹی؟" ماں نے غمزدہ آواز میں پوچھا۔

سونالی نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا اور رونے لگی۔۔۔۔۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا باپ ابھی تک وہیں قید ہے جہاں سے چھوٹ کر وہ آرہی ہے۔

بھارتی بریگیڈیئر مجاہدین کی قید میں ہی تھا۔۔۔۔۔ جب دن کافی نکل آیا اور مجاہد دستگیر نے بھی واپس آکر کمانڈو ارسلان کو بتایا کہ وہ بریگیڈیئر کی بیٹی کو اس کے گھر چھوڑ آیا ہے تو کمانڈو ارسلان اور شیر خان بھارتی بریگیڈیئر کی کوٹھڑی میں آگئے۔۔۔۔۔ وہ پریشانی کی حالت میں چھوٹی سی کوٹھڑی میں ٹہل رہا تھا۔۔۔۔۔ دونوں مجاہدوں کو دیکھتے ہی بولا۔

"آپ لوگ ہمیں کب گھر واپس پہنچا رہے ہیں؟"

کمانڈو ارسلان اور شیر خان سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

ارسلان نے کہا۔

"تمہاری بیٹی گھر پہنچ گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" بریگیڈیئر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔" ارسلان بولا۔۔۔۔۔ "ہم نے صبح صبح اس کے یعنی تمہارے بنگلے کے گیٹ کے پاس چھوڑ دیا ہے۔۔۔۔۔ اس وقت اپنی ماتا کے پاس ہو گی۔"

"لیکن۔" بریگیڈیئر بولا...... "لیکن تم نے تو ہم دونوں کو اکٹھے بھیجنا تھا۔"

"کیوں؟" جگ موہن نے پوچھا۔ "تم نے جو مطالبہ کیا تھا وہ میں نے پورا کر دیا تھا...... پھر مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے۔"

کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"یہ تمہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا۔"

اتنا کہہ کر ارسلان اور شیر خان باہر جانے کے لئے اٹھے تو بھارتی بریگیڈیئر نے کہا۔

"تم لوگ جھوٹ بولتے ہو...... تم نے میری بیٹی کو بھی یہیں یرغمالی بنا کر رکھا ہوا ہے۔"

ارسلان نے کہا۔

"تھوڑی دیر میں تمہاری بیٹی سے بات کرادی جائے گی...... پھر تمہیں یقین آجائے گا۔"

یہ کہہ کر دونوں مجاہد باہر نکل گئے۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی...... چند روز پہلے جو برف گری تھی وہ پگھل چکی تھی...... درختوں میں ہلکی ہلکی سر دُھند پھیلی ہوئی تھی...... دونوں دوست کمانڈو ایک درخت کے پاس پتھروں پر بیٹھ گئے...... کمانڈو شیر خان نے ارسلان سے پوچھا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"بھارتی بریگیڈیئر کے بارے میں؟" ارسلان نے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"ہاں۔"

کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"میں اس جلاد سے اپنے ان کشمیری بھائیوں کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں جنہیں اس کے فوجیوں نے اذیتیں دے کر شہید کر دیا ہے۔"

کمانڈو شیر خان نے فوراً کوئی جواب نہ دیا...... ایک دو لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ ہمارے شہید تو واپس نہیں آئیں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" ارسلان نے شیر خان کی طرف دیکھ کر اس سے سوال کیا......

شیر خان بولا۔

"اگر بدلہ ہی لینا ہے تو پھر کس کا انتظار کر رہے ہو...... ہمیں فوراً اسے ختم کر دینا چاہئے۔"

ارسلان کہنے لگا۔

"میں نے سارا کھیل صرف اس جلاد کو اپنے قبضے میں کرنے کے لئے رچایا تھا...... اب میں اس سے پورا پورا انصاف کروں گا اور جس طرح اس نے بے گناہ کشمیری نوجوانوں، بوڑھوں اور بچوں کو بے دردی سے شہید کیا ہے، میں اسی طرح اسے موت کے حوالے کر دوں گا، لیکن پہلے میں چاہتا ہوں کہ اس کی بیٹی سے اس کی بات کرادوں تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ ہم لوگ دشمن کی عورتوں کا بھی احترام کرتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر ارسلان کونے والی کوٹھڑی میں گیا اور وہاں سے چھوٹا ریڈیو ٹرانسمیٹر لے آیا...... کہنے لگا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں ایک بار پھر بھارتی بریگیڈیئر کی کوٹھڑی میں آگئے...... اب انہوں نے اپنے چہرے نقاب میں نہیں چھپائے ہوئے تھے، کیونکہ وہ اس وحشی جلاد کو ٹھکانے لگانے کا تہیہ کر چکے تھے...... ارسلان نے جاتے ہی جگ موہن سے کہا۔

"ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے مکان پر بھی ایک خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر موجود ہے...... مجھے اس کی فریکوئینسی بتاؤ...... میں سونالی سے تمہاری بات کرانا چاہتا ہوں تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہاری بیٹی کو گھر پہنچا دیا گیا ہے۔"

بھارتی بریگیڈیئر نے ارسلان کو فریکوئینسی بتادی...... ارسلان نے اس فریکوئینسی کو ٹرانسمیٹر اون کر کے ملایا تو دوسری طرف سے وائرلیس آپریٹر کی آواز آئی...... ارسلان نے کہا۔ "بات کرو" اور ساتھ ہی ریڈیو ٹرانسمیٹر بریگیڈیئر جگ موہن کے آگے کر دیا...... اس نے جلدی سے کہا۔

"میں بریگیڈیئر جگ موہن بول رہا ہوں...... کیا میری بیٹی سونالی گھر پہنچ گئی ہے۔"

دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز آئی۔

"یس سر! میڈم تھوڑی دیر پہلے گھر پہنچ گئی ہیں۔"

"اس سے میری بات کرادو۔"

جگ موہن نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے...... جب وہ تین چار باتیں کر چکے تھے تو کمانڈو ارسلان نے ٹرانسمیٹر لے کر اسے بند کر دیا او جگ موہن سے کہا۔

"اب تمہیں یقین آگیا ہوگا۔"

وہ کہنے لگا۔

"ہاں...... مگر مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟"

ارسلان نے جواب میں کہا۔

"تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

اور دونوں مجاہد باہر نکل گئے...... اس کے بعد بھارتی جلاد کے لئے کوٹھڑی میں ناشتہ بھجوایا گیا...... ناشتے میں چائے بھی ساتھ ہی تھی...... چائے میں ایک ایسی بے ذائقہ دوائی ملادی گئی تھی جس سے آدمی کم از کم ایک گھنٹے تک بے ہوش ہو جاتا تھا...... بھارتی بریگیڈیئر کو اس بات کی تسلی ہو گئی تھی کہ اس کی بیٹی عزت و آبرو کے ساتھ گھر واپس جاچکی ہے...... اب اسے اپنی فکر تھی...... ابھی تک وہ یہ معمہ حل نہیں کر سکا تھا

کہ ان لوگوں نے اب اسے کس لئے یرغمالی بنایا ہوا ہے...... زیادہ سے زیادہ وہ یہی سمجھ سکا تھا کہ یہ لوگ اس کو یرغمالی بنا کر اس سے ایک دو اور شرطیں منوانا چاہتے ہیں...... وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ مجاہد کوئی ایسی شرط نہ بتادیں جس کو پورا کرنا اس کے اختیار میں نہ ہو...... ناشتہ کرتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ چائے بھی پی رہا تھا۔

جب وہ چائے پی چکا تو اٹھ کر ٹہلنے اور سوچنے لگا کہ یہ کیا شرطیں پیش کر سکتے ہیں...... ٹہلتے ٹہلتے اس کو ایک چکر سا آیا اور وہ چارپائی پر بیٹھ گیا...... وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو دبانے لگا...... بے ہوشی کی دوائی نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا...... اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے دباتے اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی...... وہ گھبرا کر اُٹھنے لگا مگر اس سے اٹھا نہ گیا اور وہ وہیں ایک طرف کو گر پڑا۔

پندرہ منٹ بعد کمانڈو ارسلان اور شیر خان اندر آئے...... انہوں نے دیکھا کہ بھارتی بریگیڈیئر اور نہ جانے کتنے بے گناہ کشمیریوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے والا جلاد بے ہوش پڑا تھا...... ارسلان نے پہرے پر کھڑے مجاہد کو آواز دی...... وہ فوراً اندر آگیا...... اس نے مجاہد سے کہا۔

"اسے اٹھا کر پرانی باولی پر لے چلو۔"

وہ خود دونوں یعنی کمانڈو ارسلان اور کمانڈو شیر خان خفیہ کیمپ گاہ سے نکل کر عقبی جنگل میں آگئے...... یہاں ایک جگہ ایک کافی گہری باولی ہوا کرتی تھی، جو اب سوکھ چکی تھی...... اس کے دہانے کا قطر دو ڈھائی فٹ تھا اور اس خیال سے اس کے اوپر پتھر کی ایک سل رکھ کر منہ بند کر دیا گیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں کوئی اس میں گر نہ پڑے...... یہ باولی ایک اندھے کنوئیں کی طرح تھی اور اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کے اندر زہریلے بچھو رہتے ہیں۔

ارسلان اور شیر خان باولی کے پاس ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے...... اتنے میں دو مجاہد بے ہوش بھارتی بریگیڈیئر کو اٹھائے وہاں آگئے اور انہوں نے اسے زمین پر ڈال

دیا...... ارسلان نے کہا۔

"باولی کے منہ پر سے سل ہٹادو۔"

فوراً مجاہدوں نے آگے بڑھ کر پتھر کی سل ایک طرف ہٹادی...... ارسلان نے کہا...... "اب اس بھارتی جلاد کو اٹھا کر باولی میں پھینک دو۔"

دونوں مجاہدوں نے بھارتی بریگیڈیئر کو اٹھایا...... اسے باولی کے دہانے کے پاس لے گئے اور پھر اسے باولی میں گرادیا...... باولی کے اندر اس کے گرنے سے آواز پیدا ہوئی اور پھر گہری خاموشی چھاگئی...... ارسلان کے حکم پر مجاہدوں نے پتھر کی سل باولی کے دہانے پر رکھ کر اسے بند کردیا...... کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"آپ لوگ باولی کے قریب رہ کر کم از کم شام تک اس کی نگرانی کریں گے...... اس کے بعد یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔"

شیر خان خاموشی سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا...... ارسلان نے اسے ساتھ لیا اور دونوں خفیہ کیمپ گاہ میں واپس آگئے۔

اس روز شام کو کمانڈو ارسلان اور کمانڈو شیر خان کو تنظیم کی دلی شاخ کے لیڈر کا خفیہ پیغام موصول ہوا جس میں ان دونوں کو فوری طور پر دلی بلایا گیا تھا...... یہ پیغام وصول کرنے کے بعد ارسلان نے شیر خانؔ سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے وہاں کوئی ایمر جنسی پیدا ہوگئی ہے...... ہمیں آج رات ہی یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"میں تیار ہوں۔"

رات کا اندھیرا ہوجانے کے بعد دونوں نے جموں کے دیہاتیوں والا حلیہ بنایا اور خفیہ کیمپ گاہ سے نکل کھڑے ہوئے...... ایک خاص مقام تک وہ جنگل میں پیدل چلتے رہے...... اس کے بعد مجاہد حسن جیپ لے کر موجود تھا...... وہ جیپ میں بیٹھ گئے......

جیپ رات کی تاریکی میں ایک چھوٹی پہاڑی سڑک پر دوڑتی چلی گئی...... ایک خاص علاقے میں پہنچ کر انہوں نے مجاہد حسن کو واپس بھیج دیا اور ایک ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگے...... یہ علاقے دونوں کمانڈوں مجاہدوں کے دیکھے بھالے تھے...... ٹیلے کی دوسری جانب ایک پہاڑی قصبہ تھا...... رات کے گیارہ بج رہے تھے...... ارسلان کہنے لگا۔

"یہاں سے جموں کے لئے لاری ہمیں منہ اندھیرے ہی مل سکتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" شیر خان نے کہا۔ "ہم یہاں جنگل میں کسی جگہ انتظار کرتے ہیں۔"

وہ سڑک سے ہٹ کر ایک جگہ درختوں کے نیچے بیٹھ گئے...... شیر خان کہنے لگا۔

"ارسلان! تم کچھ دیر کے لئے سو جاؤ...... میں جاگ کر پہرہ دیتا ہوں...... اس کے بعد تم جاگ کر پہرہ دینا اور میں کچھ دیر آرام کرلوں گا۔"

"اچھا خیال ہے۔"

اور کمانڈو ارسلان وہیں گھاس پر لیٹ گیا...... تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی...... وہ گہری نیند سو چکا تھا...... کمانڈو جب اپنی مہم پر مصروف عمل ہوتے ہیں تو اس قسم کے موقعوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے...... انہیں جب کبھی ایسا موقع ملتا ہے فوراً تھوڑی دیر سو جاتے ہیں...... دو گھنٹے کے بعد ارسلان کی اپنے آپ آنکھ کھلی، تاریکی میں اس نے شیر خان سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ ضرور سویا ہوں۔"

شیر خان نے مسکرا کر کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔"

ارسلان اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"اب تم آرام کرلو۔"

اور شیر خان بھی وہیں لیٹ گیا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی سو گیا...... کمانڈو

ارسلان بیٹھا سوچ رہا تھا کہ لیڈر نے انہیں دلی کس لئے بلایا ہے...... کوئی اہم کام ہی ہوگا، ورنہ کشمیر کے محاذ سے کسی کمانڈو مجاہد کو پیچھے نہیں بلایا جاتا...... دلی میں ان کے کچھ رضاکار کمانڈو ہر وقت موجود رہتے ہیں...... کوئی بڑا حساس مشن ہوگا جس کے لئے لیڈر نے اپنے ہاں کے آدمیوں کو چھوڑ کر صرف ارسلان اور شیر خان کو خاص طور پر دلی بلایا تھا۔

ارسلان اور شیر خان کے پاس بھارتی کرنسی کی شکل میں کافی رقم موجود تھی کہ وہ جالندھر یا امرتسر سے بذریعہ طیارہ بھی دلی جا سکتے تھے، مگر بھارتی بریگیڈیئر جگ موہن کے گم ہو جانے اور اس کی بیٹی کے اغوا اور اس کی واپسی کے بعد ایئر پورٹ پر خاص طور پر سکیورٹی سخت کر دی گئی تھی، چنانچہ انہوں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ جموں شہر سے براستہ پٹھان کوٹ امرتسر جانے والی بس نہیں پکڑیں گے، اس کی بجائے وہ شہر سے باہر جموں سری نگر روڈ پر کافی دُور آگے جا کر امرتسر جانے والی بس میں سوار ہوں گے، اس طرح وہ جموں میں پولیس کی چیکنگ سے بچ جائیں گے۔

چنانچہ منہ اندھیرے وہ قصبے کے لاری اڈے پر آگئے...... یہاں سے جموں جانے والی لاری میں سوار ہو گئے...... اس وقت ابھی صبح نہیں ہوئی تھی، پچھلی رات کا اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا تھا...... ارسلان نے پرانے کمبل اور شیر خان نے ایک میلے سے کھیس کی بکل مار رکھی تھی۔

❁ ❁ ❁

لاری کا سفر کافی لمبا تھا۔

باقی رات انہیں راستے میں ہی گزر گئی...... اگلا سارا دن لاری پہاڑیوں میں سفر کرتی رہی...... سہ پہر ہوئی تو لاری جموں توی کے نیم پہاڑی نیم میدانی علاقے میں داخل ہو چکی تھی...... جموں شہر سے دو تین میل ادھر ہی کمانڈو ارسلان اور شیر خان لاری سے اتر گئے اور سڑک سے ہٹ کر غیر آباد علاقے میں چل پڑے...... انہیں جموں شہر سے آگے پٹھان کوٹ امرتسر جانے والی سڑک پر پہنچنا تھا...... دونوں اس نیم پہاڑی علاقے سے بخوبی واقف تھے...... راستے میں ایک جگہ سے توی کا دریا آگیا...... یہاں دریا ایک بڑی ندی کی شکل میں تھا...... ایک پل پر سے انہوں نے دریا پار کیا اور دوسری طرف چل پڑے...... سورج غروب ہو رہا تھا جب وہ ایک سڑک پر نکل آئے...... یہ سڑک امرتسر پٹھان کوٹ روڈ تھی...... جموں شہر سے وہ تین چار میل آگے نکل آئے تھے...... یہاں سڑک کے کنارے ایک جگہ بیٹھ کر وہ جموں سے آنے والی اور امرتسر جانے والی لاری کا انتظار کرنے لگے...... کوئی آدھے گھنٹے کے بعد ایک لاری دُور سے آتی دکھائی دی۔

کمانڈو ارسلان نے اسے ہاتھ کا اشارہ کیا...... لاری ان کے قریب آکر رُک گئی...... دونوں اس میں سوار ہو گئے...... جموں شہر کی سخت چیکنگ سے تو وہ بچ گئے تھے...... اب ایک ہی خطرہ تھا کہ راستے میں چیک پوسٹ نہ ہو، کیونکہ ایک تو یہ سارا

حساس علاقہ تھا...... دوسرے پیر پنجال کے فوجی کیمپ کی واردات ہو چکی تھی جہاں کشمیری مجاہدوں نے پورے بھارتی فوجی کیمپ کو اُڑا دیا تھا۔

پٹھان کوٹ کے اڈے پر پولیس ضرور موجود تھی مگر باقاعدہ مسافروں کی چیکنگ نہیں ہو رہی تھی...... ارسلان اور شیر خان لاری میں ہی بیٹھے رہے...... یہاں سے لاری روانہ ہوئی تو امرتسر تک خاص بات نہ ہوئی اور وہ امرتسر پہنچ گئے۔ دلی جانے کے لئے وہ جالندھر کی بجائے امرتسر سے ٹرین پکڑنا چاہتے تھے...... جموں سے جالندھر تک ایک تو راستہ بڑا خطرناک تھا اور کسی جگہ بھی لاری کھڑی کروا کر ملٹری پولیس مسافروں کو چیک کر سکتی تھی...... دوسرے جالندھر شہر کے لاری اڈے پر ہر وقت سی آئی ڈی والے موجود ہوتے تھے جن کی تیز نگاہیں دیہاتی لباس میں بھی مجاہدین کو پہچان لیتی تھیں۔

دلی جانے والی ٹرین امرتسر ہی سے تیار ہوتی تھی...... امرتسر میں انہوں نے ایک معمولی سے ہوٹل بلکہ ڈھابے میں کھانا کھایا...... ڈھابہ بھارت کے پنجاب میں دکان کی طرز کا ہوٹل ہوتا ہے جہاں ویشنو کھانا یعنی صرف دال بھاجی ملتی ہے...... گوشت وغیرہ وہاں نہیں پکایا جاتا...... سٹیشن کے آس پاس کے ڈھابے ساری رات کھلے رہتے ہیں۔ وہ اِدھر اُدھر چلنے پھرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے، چنانچہ ڈھابے کے اندر ہی مٹی کے گلاسوں میں چائے منگوا کر بیٹھے رہے...... یہ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ ٹرین صبح چھ بجکر بیس منٹ پر دلی جاتی ہے۔ اس وقت رات کے چار بج چکے تھے...... یعنی پو پھٹ چکی تھی، مگر موسم سردیوں کا تھا جس کی وجہ سے ابھی اندھیرا ہی تھا۔

ٹرین روانہ ہونے سے بیس منٹ پہلے وہ سٹیشن پر آ گئے...... اب وہ الگ الگ ہو گئے تھے...... ساتھ ساتھ نہیں چل رہے تھے...... انہیں دلی تک ٹرین میں الگ الگ بیٹھ کر سفر کرنا تھا...... انہوں نے اپنے اپنے طور پر ٹکٹ لئے اور پلیٹ فارم پر آ گئے...... ٹرین کھڑی تھی...... مسافروں کا کافی رش تھا...... دونوں الگ الگ ڈبوں میں

سوار ہو گئے...... ٹرین اپنے وقت پر روانہ ہو گئی...... راستہ خیریت سے کٹ گیا اور کمانڈو ارسلان اور کمانڈو شیر خان دلی پہنچ گئے۔

دلی سٹیشن کے باہر آ کر وہ ایک بار پھر مل گئے...... اپنی تنظیم کی دلی شاخ کے خفیہ دفتر کا انہیں علم تھا...... وہ ایک آٹو رکشا میں سوار ہو کر ایک خاص علاقے میں آ گئے جس کا نام ہم مصلحت کی وجہ سے نہیں بتائیں گے...... وہ تنظیم کے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں آ گئے...... یہاں تنظیم کا پارٹی لیڈر ان کا انتظار کر رہا تھا...... جیسے ہی وہ دونوں لیڈر سے ملے...... لیڈر نے کہا۔

"تم نہا دھو کر تازہ دم ہو جاؤ...... پھر باتیں ہوں گی۔"

ارسلان اور شیر خان نہا کر تازہ دم ہو گئے اور لیڈر کے چھوٹے سے کمرے میں آ کر اس کے پاس بیٹھ گئے...... اس نے چائے اور بسکٹ وغیرہ منگوا رکھے تھے...... لیڈر پیالیوں میں خاموشی سے چائے انڈیلنے لگا...... کمانڈو ارسلان نے شیر خان کی طرف دیکھا...... شیر خان نے ذرا کھنکھارتے ہوئے لیڈر سے کہا۔

"سر! آپ کا پیغام ملتے ہی ہم کشمیر سے چل پڑے تھے۔"

لیڈر آہستہ سے بولا۔

"تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔"

جب شیر خان نے بات شروع کر دی تو ارسلان نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"سر! کوئی ایمرجنسی پیدا ہو گئی ہے؟"

پارٹی لیڈر کہنے لگا۔

"چائے پی کر تر و تازہ ہو جاؤ...... پھر باتیں کریں گے۔"

کچھ دیر تک لیڈر ارسلان اور شیر خان سے کشمیر کے محاذ پر مجاہدوں کی سرفروشانہ سرگرمیوں کی باتیں کرتا رہا...... اس کے بعد اس نے کہا۔

"یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں اس وقت ایٹمی طاقت بن چکے ہیں...... بھارت کے عزائم جارحانہ ہیں، جبکہ پاکستان محض اپنے دفاع کی خاطر ایٹمی میدان میں اترا ہے...... سب سے پہلے ایٹمی دھماکہ بھارت نے کیا تھا...... خدا کا شکر ہے کہ پاکستان نے بھی اس کے جواب میں ایٹمی دھماکہ کر دیا اور بھارت بھیگی بلی کی طرح بیٹھ گیا، ورنہ ایٹمی دھماکے کے بعد اس کا لہجہ ہی بدل گیا تھا اور اس نے پاکستان کو دھمکیاں دینی شروع کر دی تھیں...... پاکستان کے دھماکے کے بعد بھارت کا لہجہ معمول پر آگیا اور وہ دوستی اور بھائی چارے کی باتیں کرنے لگا، لیکن اندر سے وہ اپنی ایٹمی صلاحیتوں کو مزید بڑھانے کی خاطر ایٹمی میزائلوں اور نیوکلر وار ہیڈ پر کام کرتا رہا۔

پاکستان کی انٹیلی جنس بھارت کے ان مذموم اور جارحانہ عزائم سے بے خبر نہیں ہے، لیکن ہم دشمن کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں...... ہمیں اس کے اندر کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔

لیڈر نے چائے کا ایک گھونٹ لیا اور رومال سے ہونٹ صاف کرنے کے بعد بولا۔

"ہماری انٹیلی جنس دشمن کے پیٹ میں بیٹھی ہوئی ہے اور ہمیں دشمن کے مذموم عزائم کی ایک ایک پل کی رپورٹ ملتی رہتی ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ہمیں دو دن پہلے ایک خفیہ اطلاع ملی ہے جس کی رو سے بھارت کے ایٹمی کمیشن نے ایک ایسے نیوکلر وار ہیڈ پر کام شروع کر دیا ہے جو ایک انتہائی تیز رفتار میزائل کی شکل میں ہو گا اور جس میں یہ صلاحیت ہو گی کہ دو ہزار میل کے دائرے میں اگر کسی بھی جگہ سے کوئی ایٹمی میزائل چھوڑا جائے گا تو وہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ فضا میں پرواز کرتے ہوئے اس میزائل کو فائر کئے جانے کے فوراً بعد وہیں، تباہ کر دے گا...... ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ اس کے جواب میں پاکستان نے اس کا کوئی توڑ دریافت کیا ہے یا نہیں، لیکن ہم اپنے طور پر بھارت کے اس انتہائی برق رفتار اور خطرناک ترین میزائل شکن ایٹمی میزائل کا

فل کمپیوٹر ڈیٹا پاکستان تک پہنچانا چاہتے ہیں تاکہ پاکستان جو عالم اسلام کا قلعہ ہے...... اپنا پورا پورا دفاع کر سکے اور پاکستان کا سبز ہلالی پرچم آزاد فضاؤں میں لہراتا رہے۔"

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"سر! مجھے یقین ہے کہ پاکستان دشمن کے ان خطرناک عزائم سے بے خبر نہیں ہے اور ہمارے سائنس دان دشمن کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے پوری سرگرمی سے کام کر رہے ہوں گے۔"

لیڈر کہنے لگا۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہو رہا ہو گا...... اس کے باوجود ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے طور پر جہاد کشمیر کی کاز اور استحکام پاکستان کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں ضرور کریں۔"

کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"سر! اس ایٹمی کمپیوٹر ڈیٹا کی پوزیشن کیا ہے؟"

لیڈر نے کہا۔

"اس کی پوزیشن یہ ہے کہ اسے کمپیوٹرائزڈ کر دیا گیا ہے، لیکن دشمن نے احتیاط کے طور پر اس کی ایک ماسٹر کاپی تیار کر کے رکھ لی گئی ہے...... ہم دشمن کو اس کے اس ایٹمی ڈیٹا سے محروم نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ سب کچھ کمپیوٹروں میں فیڈ ہو چکا ہے...... ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس ایٹمی ڈیٹا کی ایک کاپی ڈسک کسی طرح ہمارے پاس آجائے اور ہم اس کی دو تین کاپیاں نکال کر ایک کاپی پاکستان میں پہنچا دیں اور باقی کاپیاں ہم کسی انتہائی محفوظ جگہ پر چھپا کر رکھ لیں...... یہ ہماری اخلاقی میدان میں بھی بہت بڑی فتح ہو گی...... اس سے نہ صرف بھارت کی خفیہ ایجنسیوں کا وقار خاک میں مل جائے گا، بلکہ کشمیری مجاہدین کا مورال بھی بلند ہو گا۔"

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"سر! ہمیں یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ ایٹمی ڈیٹا کی ڈسک کی کاپیاں کہاں کہاں رکھی گئی ہیں...... ہم کمپیوٹر میں فیڈ کیا ہوا ڈیٹا تو نہیں اُڑا سکتے، لیکن اس کی ڈسک سر توڑ کوشش کر کے حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

لیڈر کہنے لگا۔

"ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ بھارتی ایٹمی ڈیٹا کی اس وقت کتنی ڈسکیں بھارت کے اٹامک کمشن کی تحویل میں ہیں، لیکن ایک اطلاع ہم تک ضرور پہنچ چکی ہے۔"

"وہ کیا ہے سر؟" کمانڈر ارسلان نے پوچھا۔

لیڈر نے کہا۔

"وہ اطلاع یہ ہے کہ اس ایٹمی ڈیٹا ڈسک کی ماسٹر کاپی انڈین اٹامک انرجی کمیشن کے دلی ہیڈ کوارٹر سے اٹامک کمیشن کے مدراس ہیڈ کوارٹر میں لے جائی جا رہی ہے۔ آپ کا مشن یہ ہو گا کہ آپ اس ایٹمی ڈیٹا ڈسک کی ماسٹر کاپی کو دلی اور مدراس کے راستے میں ہی اپنے قبضے میں کر لیں گے۔"

یہاں کمانڈو شیر خان نے ایک سوال اٹھایا...... اس نے کہا۔

"سر! ماسٹر کاپی کے گم ہو جانے کے بعد یقینی طور پر بھارت کی انٹیلی جنس یہی سمجھے گی کہ ان کا ایٹمی راز چرا کر پاکستان پہنچا دیا گیا ہے...... اس صورت حال میں بھارت کے ایٹمی سائنس دان اس ماسٹر کاپی کے فیڈ کئے ہوئے کمپیوٹر ڈیٹا میں بعض ایسی ٹیکنیکل تبدیلیاں کر دیں گے جس کے بعد ہمارے ہاتھ آئی ہوئی ایٹمی راز کی ڈسک کا ڈیٹا بیکار ہو جائے گا۔"

کمانڈو ارسلان نے شیر خان کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"سر! شیر خان کا کہنا بالکل صحیح ہے...... ہمیں کسی ایسی ترکیب پر عمل کرنا ہو گا کہ بھارت کی انٹیلی جنس اور بھارت کے اٹامک کمیشن کو یہ علم ہی نہ ہو سکے کہ ایٹمی ڈیٹا ڈسک کا راز کسی دوسرے ملک تک پہنچ چکا ہے اور ڈسک بھی ہمارے ہاتھ آ جائے۔"

لیڈر نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ ہمیں یہ نکتہ معلوم نہیں تھا؟ ہمیں معلوم تھا کہ ایٹمی راز والی ڈسک غائب ہو جانے کے بعد بھارت کا ایٹمی کمیشن لازمی طور پر ایٹمی میزائل کے نیوکلر ڈیٹا میں بعض ایسی ٹیکنیکل تبدیلیاں کر دے گا کہ ہمارے ہاتھ آئی ہوئی ڈسک اور ایٹمی راز بیکار ہو جائے گا۔"

کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

"سر! پھر اس کا کیا حل آپ نے سوچا ہے؟"

لیڈر کہنے لگا۔

"اس کا حل ہم نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا اور جو حل ہم نے سوچا ہے وہ آپ کے مشن کا سب سے اہم حصہ ہے۔"

ارسلان نے پوچھا۔

"سر! کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ وہ حل کیا ہے؟"

"کیوں نہیں؟" لیڈر نے کہا۔ "وہ حل آپ کو بتانا انتہائی ضروری ہے...... کیونکہ اگر آپ نے اس ترکیب پر عمل نہ کیا تو آپ کا مشن بے فائدہ ہو گا...... بیکار ہو گا لیکن ہم نے جو حل سوچ رکھا ہے وہ ابھی آپ کو نہیں بتایا جائے گا، کیونکہ ابھی ہمیں یہ حتمی طور پر معلوم نہیں ہے کہ یہ ایٹمی ڈسک دلی سے مدراس کب اور کس ذریعے سے پہنچائی جا رہی ہے...... عام طور پر اس قسم کا خفیہ ڈیٹا ایک ہیڈ کوارٹر سے دوسرے ہیڈ کوارٹر میں کمپیوٹر کے ذریعے ٹرانسمٹ کیا جاتا ہے، لیکن اس ایٹمی راز کی ڈسک کی ماسٹر کاپی ہمیشہ کوئی ذمے دار افسر سکیورٹی ٹیم کی حفاظت میں خود لے کر جاتا ہے...... سب سے پہلے ہمیں یہ سراغ لگانا ہے کہ ایٹمی راز کی ڈسک کس روز دلی سے مدراس لے جائی جا رہی ہے اور کسی ذریعہ سفر سے لے جائی جا رہی ہے۔"

کمانڈو شیر خان بولا۔

"سر! جہاں تک میرا خیال ہے اسے بذریعہ ہوائی جہاز لے جایا جائے گا...... اتنے اہم راز اور اہم ترین خفیہ ڈیکومنٹ کے لئے کوئی زمینی ذریعہ سفر اختیار نہیں کیا جاسکتا...... ہمارا اپنا بھی یہی خیال ہے کہ یہ ماسٹر کاپی ایئر انڈیا کی کسی فلائٹ میں مدراس پہنچائی جائے گی۔"

ارسلان نے یہاں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سر! میرا خیال ہے کہ اتنا اہم ڈاکومنٹ یعنی یہ ماسٹر کاپی انڈین اٹامک کمیشن عام ایئر انڈیا کی فلائٹ میں بھیجنے کی غلطی نہیں کریں گے...... وہ بڑی آسانی سے اسے انڈین ایئر فورس کے کسی طیارے میں بھیج سکتے ہیں۔"

لیڈر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انڈیا کی انٹیلی جنس اتنی بے وقوف نہیں ہے، اسے معلوم ہے کہ کشمیری مجاہدین کی انٹیلی جنس سارے بھارت میں پھیلی ہوئی ہے اور ہمارے آدمی بھارت کے ہر ایئرپورٹ پر موجود ہوتے ہیں اور جب وہ اٹامک کمیشن کے کسی سویلین آفیسر کو انڈین ایئر فورس کے طیارے میں سوار ہوتے دیکھیں گے تو قدرتی طور پر انہیں شک پڑے گا کہ اس فلائٹ کے ذریعے کوئی اہم راز لے جایا جارہا ہے اور مجاہد اس جہاز کو تباہ کرنے کی ضرور کوشش کریں گے...... اگر جہاز کو تباہ نہ کیا جاسکا تو کم از کم مجاہدین کی انٹیلی جنس اس سویلین اٹامک آفیسر کے پیچھے ضرور لگ جائے گی، چنانچہ مجھے یقین ہے کہ یہ ماسٹر کاپی ایئر انڈیا کی کسی عام فلائٹ میں مدراس پہنچائی جائے گی۔ اگر اٹامک کمیشن کے سویلین آفیسر کو کوئی مجاہد دیکھ بھی لے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ کسی سرکاری یا نجی کام سے دوسرے مسافروں کے ساتھ مدراس جارہا ہے اور اسی طرح سے بھارت کے ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی مکمل حفاظت کے ساتھ دلی سے مدراس پہنچادی جائے گی۔"

کمانڈو شیر خان نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"سر! فرض کرلیا کہ بھارت اپنے اہم ترین ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی ایئر انڈیا کی عام

فلائٹ میں ہی مدراس بھیجتا ہے...... اس صورت میں ہم کون سی ایسی حکمت عملی اختیار کریں گے کہ ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی بھی ہمارے قبضے میں آجائے اور بھارت کی انٹیلی جنس کو یہ بھی علم نہ ہو کہ اس کا ایک اہم ایٹمی راز چرالیا گیا ہے؟"

لیڈر نے ہنس کر کہا۔

"شیر خان! میں جانتا ہوں تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو، لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میں اس منصوبے کا راز ابھی آپ لوگوں کو نہیں بتاؤں گا جو ہم نے سوچ رکھا ہے، لیکن وقت آنے پر سب سے پہلے وہ منصوبہ آپ دونوں کو ہی بتایا جائے گا، کیونکہ اس پر عمل آپ نے ہی کرنا ہے۔" پہلے ہمیں یہ معلوم کر لینے دو کہ یہ ایٹمی ماسٹر کاپی کب اور کس طریقے سے دلی سے مدراس پہنچائی جارہی ہے۔"

دلی میں مجاہدوں کی تنظیم کے خفیہ سراغ رساں بڑی گرم جوشی سے یہ معلوم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی کب اور کس ذریعے سے مدراس بھیجی جارہی ہے...... کمانڈو ارسلان اور شیر خان تنظیم کی خفیہ کیمپ گاہ میں ہی رہے...... اس نئے مشن کے شروع ہونے تک لیڈر نے انہیں ہدایت کررکھی تھی کہ ان کا وہاں چھپے رہنا ہی ٹھیک ہے...... لیڈر نہیں چاہتا تھا کہ اس دوران باہر کا کوئی آدمی ان میں سے کسی کی شکل دیکھے...... اس طرح ان کے مشن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

تین دن گزر گئے...... چوتھے دن شام کو اپنا ایک مجاہد کیمپ گاہ پر آیا اور اس نے لیڈر کو بتایا کہ چار دن بعد ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی ایک سویلین ٹرانسپورٹ طیارے کے ذریعے دلی سے مدراس لے جائی جارہی ہے...... اس وقت ارسلان اور شیر خان بھی وہاں موجود تھے...... لیڈر نے جاسوس مجاہد سے پوچھا۔

"جو آدمی ماسٹر کاپی لے جارہا ہے اس کا بائیوڈیٹا کیا ہے؟"

مجاہد ایک ایک بات کی خبر لے کر آیا تھا...... اس نے کہا۔

"ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی اٹامک انرجی کمیشن کا ایک بوڑھا ہیڈ کلرک لے جارہا

ہے...... ان لوگوں نے کسی سائنس دان کو جان بوجھ کر نہیں بھیجا کہ اسے دیکھ کر کسی کو شک نہ پڑ جائے کہ طیارے میں کوئی خفیہ ایٹمی دستاویز لے جائی جا رہی ہے...... اس ہیڈ کلرک کا نام سریش پانڈے ہے...... اس کی عمر ساٹھ پینسٹھ کے درمیان ہے...... میں اس کی ایک فوٹو بھی لایا ہوں۔"

اور مجاہد نے بٹوے میں سے ایک چھوٹے سائز کی فوٹو نکال کر لیڈر کو دی......

لیڈر نے فوٹو کو غور سے دیکھا...... پھر ارسلان اور شیر خان کو دے دی...... وہ بھی فوٹو غور سے دیکھنے لگے...... یہ سریش پانڈے یعنی انرجی کمیشن کے ہیڈ آفس کے ہیڈ کلرک کی پاسپورٹ سائز کی فوٹو بھی...... مجاہد جاسوس کہنے لگا۔

"یہ تصویر ہم نے اس فوٹو سٹوڈیو سے حاصل کی ہے جہاں سے اس نے اپنا شناختی کارڈ دوبارہ جاری کروانے کے لئے بنوائی تھی۔"

لیڈر نے کہا۔

"ہمیں اس کی تین کاپیاں چاہئیں۔"

مجاہد بولا۔

"کل آپ کو مل جائیں گی...... یہ آپ اپنے پاس ہی رکھیں...... اس کا نیگیٹو فوٹو سٹوڈیو میں موجود ہے...... ہم اس کی تین مزید کاپیاں نکلوالیں گے۔"

لیڈر نے پوچھا۔

"یہ ٹرانسپورٹ طیارہ دلی کے ایئر پورٹ سے کس وقت روانہ ہوگا؟"

مجاہد جاسوس نے جیب سے چھوٹی سی نوٹ بک نکال لی تھی...... اس کے ایک صفحے پر نگاہ ڈالنے کے بعد کہنے لگا۔

"یہ طیارہ چار دن بعد رات کے ڈیڑھ بجے دلی سے پرواز کرے گا...... اسے خاص طور پر ایک فرضی صنعت کار کے نام سے چارٹرڈ کیا گیا ہے جس کے بارے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں انڈیا کی قدیم تاریخی نوادرات لے جائی جا رہی ہیں۔"

لیڈر نے سراغ رساں مجاہد سے کہا۔

"ہمیں اس ہیڈ کلرک سریش پانڈے کے بارے میں پوری معلومات درکار ہوں گی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔"

مجاہد بولا۔

"میں اس بارے میں پورا پتہ کر کے آیا ہوں، بلکہ میں نے اس کے سرکاری مکان کا ایک فوٹو بھی اتار لیا ہے۔"

مجاہد نے ایک لفافے میں سے دوسری تصویر نکال کر لیڈر کو دی...... اس کے ساتھ ایک کاغذ بھی تھا جس پر سریش پانڈے کے مکان کا پورا ایڈریس لکھا ہوا تھا......

لیڈر نے یہ چیزیں ایک نظر دیکھیں اور ارسلان اور شیر خان کی طرف بڑھا دیں۔

لیڈر کہنے لگا۔

"یہ آدمی سریش پانڈے ایک بڑی اہم دستاویز لے جا رہا ہے اور اس کی فلائٹ کا ٹائم آدھی رات کے بعد کا ہے...... ظاہر ہے اسے اٹامک انرجی کمیشن کی گاڑی گھر سے ایئر پورٹ پہنچائے گی۔"

مجاہد سراغ رساں نے کہا۔

"سرسری طور پر ہمیں پتہ چلا ہے کہ اٹامک کمیشن اس معاملے میں بے حد احتیاط سے کام لے رہا ہے...... اس خیال سے کہ آدھی رات کو اٹامک کمیشن کی گاڑی میں ایک ہیڈ کلرک کو آتے دیکھ کر ایئر پورٹ پر موجود مجاہد تنظیم کی انٹیلی جنس کو شک نہ پڑے...... سریش پانڈے کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ رات کے وقت ٹیکسی پکڑ کر ایئر پورٹ پہنچے...... دلی میں ساری رات ٹیکسیاں چلتی رہتی ہیں اور ہر علاقے میں رات کے کسی بھی وقت ٹیکسی آسانی سے مل جاتی ہے۔"

اس موقع پر کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"اس آدمی کے ساتھ سکیورٹی کا کیا انتظام ہوگا؟"

سراغ رساں مجاہد نے کہا۔

”ہمیں جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق سریش پانڈے کے ساتھ سکیورٹی گارڈ ضرور ہوں گے لیکن یہ سکیورٹی گارڈ ایک تو ایئرپورٹ پر اسے اپنی حفاظت میں لیں گے اور دوسرے یہ گارڈ سویلین کپڑوں میں ہوں گے اور سریش پانڈے سے دُور دُور رہیں گے۔“

ایسے لگ رہا تھا کہ لیڈر کسی گہری سوچ میں ہے...... جب سراغ رساں مجاہد نے بتایا کہ سکیورٹی گارڈ ایئرپورٹ پر اسے اپنی حفاظت میں لیں گے تو اس نے گہری سوچ سے ذرا سا چونکتے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ سریش پانڈے ماسٹر کاپی لے کر جب اپنے کوارٹر یا فلیٹ سے رات کے وقت نکلے گا تو اس وقت اس کے ساتھ سکیورٹی گارڈ نہیں ہوں گے۔“

مجاہد بولا۔

”ہماری اطلاع تو یہی ہے کہ سکیورٹی گارڈ ایئرپورٹ پر اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور طیارے میں ساتھ ہی سفر کریں گے۔“

لیڈر نے کہا۔

”ٹھیک ہے...... اس مشن نے خود ہمیں کامیابی کا راستہ دکھا دیا ہے...... اب ایک اور بات جاننا ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہ دستاویز یعنی بھارتی ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی سریشن پانڈے کیسے لے جا رہا ہے؟ ظاہر ہے اس کے ساتھ کوئی سیکریٹ فائل بھی ہو گی...... خالی ڈسک تو نہیں ہو گی...... وہ اسے جیب میں ڈال کر نہیں لے جائے گا۔“

سراغ رساں مجاہد نے کہا۔

”ہم نے اس ہیڈ کلرک سریش پانڈے کا جو مشاہدہ کیا ہے اس کے مطابق یہ شخص ہمیشہ اپنے ساتھ ایک بریف کیس رکھتا ہے جس میں وہ دفتر کے بعض ضروری کاغذات فلیٹ پر لاتا ہے اور صبح دفتر جاتے وقت ساتھ ہی لے جاتا ہے۔“

لیڈر نے خاص طور پر کہا۔

”ہمیں کل ہی اس آدمی کے بریف کیس کی ایک دو تین تصویریں چاہئیں...... یہ فوٹو مختلف زاویوں سے اعلیٰ ترین کیمرے سے اتاری جانی چاہئیں تاکہ ہم اسے بڑے سائز میں کر کے اس کا پوری طرح سے مشاہدہ کر سکیں...... یاد رکھنا اس بریف کیس نے اس مشن میں بڑا اہم کردار ادا کرنا ہے...... یہ فوٹو ہمیں کل شام تک مل جانے چاہئیں۔“

”انشاءاللہ! آپ کو مطلوبہ تصویریں مل جائیں گی۔“

مجاہد نے کہا۔

”میں خود لے کر آ جاؤں گا۔“

اس کے بعد مجاہد سراغ رساں چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد لیڈر نے ارسلان اور شیر خان سے کہا۔

”کل صبح تمہیں آفس ٹائم سے ایک آدھ گھنٹہ پہلے اس ہیڈ کلرک سریش پانڈے کے علاقے میں اس کے فلیٹ کے سامنے پہنچ جانا ہو گا...... ایک تو تمہیں اس کی شکل و صورت کو اچھی طرح سے شناخت کرنا ہو گا۔ دوسرے تمہیں اس کے بریف کیس کا بھی اچھی طرح سے جائزہ لینا ہو گا، مگر یہ سارا کام تم نے دُور زیادہ دُور نہیں مناسب فاصلے پر رہ کر کرنا ہو گا...... اس کے علاوہ تمہیں اس علاقے کا مشاہدہ کرنا ہو گا کہ وہاں ٹیکسی سٹینڈ کہاں پر ہے...... یہ معلوم کرنا ہو گا کہ رات کے وقت وہاں ٹیکسی آسانی سے دستیاب ہوتی ہے یا نہیں...... اگر دستیاب ہوتی ہے تو کہاں سے مل جاتی ہے وغیرہ وغیرہ...... ہو سکتا ہے سریش پانڈے جب دفتر جانے کے لئے گھر سے نکلے تو اس وقت ہمارا کوئی مجاہد بھی اپنے طاقتور کیمرہ لئے سریش پانڈے کے بریف کیس کی تصویریں اتارنے کے لئے آس پاس کہیں موجود ہو...... تم صرف سریش پانڈے کی شکل کو اپنے ذہن میں اچھی طرح سے بٹھاؤ گے اور اس کے بریف کیس کا پورا پورا مشاہدہ کرو گے...... اس کے بعد تم یہاں واپس آ جاؤ گے۔“

"اوکے سر!" ارسلان بولا۔

دلی میں سرکاری دفاتر کا ٹائم صبح نو بجے سے پانچ بجے تک کا تھا...... کمانڈو ارسلان اور شیر خان صبح صبح بیدار ہو گئے...... انہوں نے اپنے حلیئے میں صرف یہ تبدیلی کی کہ نقلی مونچھیں لگالیں اور خفیہ کمیں گاہ سے نکل کر ایک جگہ سے آٹو رکشا میں سوار ہوئے اور اس علاقے میں آگئے جہاں اٹامک کمیشن کے ہیڈ کلرک سریش پانڈے کا فلیٹ تھا...... فلیٹ کا پورا ایڈریس ان کے پاس موجود تھا...... یہ نئی دلی کا فیشن ایبل علاقہ تھا اور یہاں سرکاری ملازمین کے لئے فلیٹ بنے ہوئے تھے...... یہ فلیٹ چھ منزلہ تھے۔

ارسلان اور شیر خان نے کھدر کا کرتہ پاجامہ پہن رکھا تھا...... گرم کوٹ کے اوپر ایک گرم چادر بھی اوڑھ رکھی تھی...... انہوں نے سریش پانڈے کا فلیٹ دیکھ لیا تھا...... پھر فلیٹ کی عمارت کے سامنے چھوٹے سے پارک میں اس طرح بیٹھ گئے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں...... ٹھیک وقت پر ایک ادھیڑ عمر آدمی فلیٹ میں سے نکلا...... ارسلان اور شیر خان نے اسے فوراً پہچان لیا...... یہ وہی آدمی تھا جس کی فوٹو انہوں نے رات کو دیکھی تھی...... اس نے پرانا ڈھیلا ڈھالا گرم سوٹ پہنا ہوا تھا...... سر پر ہندوانہ گول کالی ٹوپی تھی...... نظر کی عینک لگی ہوئی تھی...... اس کے ہاتھ میں کالے رنگ کا چھوٹے سائز کا بریف کیس تھا...... گلے میں گلوبند لپیٹ رکھا تھا...... وہ آہستہ آہستہ چلتا جب ارسلان اور شیر خان کے قریب سے گزرا تو دونوں نے اس کے بریف کیس کو بڑے غور سے دیکھا...... یہ ادھیڑ عمر شخص سریش پانڈے تھا...... سریش پانڈے جب پندرہ بیس قدم آگے نکل گیا تو ارسلان اور شیر خان بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

دفتروں کا وقت ہو چکا تھا...... سڑک پر ٹریفک جاری تھی...... سریش پانڈے سڑک پر آکر بس سٹاپ کے سائبان کے نیچے آکر بنچ پر بیٹھ گیا...... ارسلان اور شیر خان کچھ فاصلے پر کھڑے اس کو دیکھنے لگے...... اتنے میں بس آگئی...... سریش پانڈے بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ بس میں سوار ہو گیا اور بس چل پڑی......

ارسلان نے شیر خان سے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں جن چیزوں کے مشاہدے کے لئے کہا گیا تھا ان کا مشاہدہ ہم نے کر لیا ہے۔"

شیر خان نے جواب دیا۔

"مشاہدہ تو کر لیا ہے، لیکن ابھی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ لیڈر کا منصوبہ کیا ہے...... یعنی ہم اس شخص سے ماسٹر کاپی کیسے حاصل کر سکیں گے...... ماسٹر کاپی اس شخص سے چھین لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہوگا کہ ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی سریش پانڈے کے پاس بھی رہے اور ہمارے پاس بھی آجائے...... یعنی وہ اور انٹیلی جنس یہی سمجھے کہ ماسٹر کاپی چوری نہیں ہوئی۔"

شیر خان نے مسکرا کر کہا۔

"یہ مسئلہ میری سمجھ میں بھی ابھی تک نہیں آیا...... بہر حال اس راز پر سے لیڈر کے پردہ اٹھانے کے بعد ہی کچھ پتہ چلے گا۔" میرا خیال ہے اب ہمیں واپس چلنا چاہئے...... ہمیں زیادہ لوگوں میں چلنے پھرنے سے منع کیا گیا ہے۔"

اور دونوں مجاہد کمانڈو واپس خفیہ کمیں گاہ کی طرف چل دیئے...... وہاں آکر انہوں نے لیڈر کو رپورٹ کی اور بتایا کہ انہوں نے سریش پانڈے کو بھی شناخت کر لیا ہے...... اس کا مکان بھی دیکھ لیا ہے اور اس کے بریف کیس کا بھی اچھی طرح سے مشاہدہ کیا ہے۔

شام ہوئی تو سراغ رساں مجاہد سریش پانڈے کے بریف کیس کی مزید تصویریں لے کر آگیا...... یہ تصویریں دور کھڑے ہو کر بڑے طاقتور زوم لینز سے اتاری گئی تھیں اور بے حد صاف تھیں...... بریف کیس جس کمپنی نے بنایا تھا کونے میں ایک طرف لکھا ہوا اس کا نام بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔

لیڈر نے سراغ رساں مجاہد سے کہا۔

"ہمیں بالکل اسی طرح کا ایک نیا بریف کیس چاہئے۔"

مجاہد بولا۔

"مل جائے گا...... کرافورڈ مارکیٹ میں اس کمپنی کے بریف کیس مل جاتے ہیں...... میں کل لے آؤں گا۔"

لیڈر نے مجاہد سراغ رساں سے اس ٹرانسپورٹ طیارے کے بارے میں گفتگو شروع کر دی جس کے ذریعے ایٹمی ڈیٹا کی ماسٹر کاپی مدراس لے جائی جا رہی تھی......

لیڈر نے پوچھا۔

"یہ طیارہ ایئرپورٹ کے کس ہینگر میں کھڑا ہوتا ہے؟"

مجاہد بولا۔

"سارے ٹرانسپورٹ طیارے ہینگر نمبر 3 میں ہی رات کو کھڑے کئے جاتے ہیں...... میرا خیال ہے یہ ٹرانسپورٹ طیارہ جس میں ایٹمی راز والی ماسٹر کاپی لے جائی جا رہی ہے یہ بھی ہینگر نمبر 3 میں ہی کھڑا کیا جاتا ہوگا۔"

لیڈر نے کہا۔

"خیال نہیں...... ہمیں تصدیق شدہ اطلاع ملنی چاہئے کہ خاص طور پر یہ ٹرانسپورٹ طیارہ کون سے ہینگر میں رات کو پارک کیا جاتا ہے اور اس ہینگر کا حدود اربع کیا ہے...... وہاں رات کو سکیورٹی کی صورت حال کیا ہوتی ہے۔"

سراغ رساں مجاہد بولا۔

"ٹھیک ہے سر! یہ ساری تصدیق شدہ اطلاعات آپ کو کل ہی مل جائیں گی۔"

اگلے دن سراغ رساں مجاہد آیا تو پلاسٹک کے شاپر بیگ میں بریف کیس تھا...... اس نے بریف کیس لیڈر ارسلان اور شیر خان کو دکھایا...... یہ بالکل نیا بریف کیس تھا اور ہو بہو ویسا ہی تھا جیسا بریف کیس سریش پانڈے کے پاس تھا...... کونے میں اسی طرح کمپنی کا نام اور ان کا مونوگرام بنا ہوا تھا۔

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"سریش پانڈے کے پاس جو بیگ ہم نے دیکھا ہے وہ اتنا نیا نہیں تھا...... ذرا پرانا لگتا تھا۔"

لیڈر کہنے لگا۔

"اس نئے بریف کیس کو پرانا بنا دیا جائے گا...... اسے ہو بہو ویسا ہی لگنا چاہئے جیسا بریف کیس سریش پانڈے کے پاس ہے۔"

اس کے بعد لیڈر نے مجاہد سراغ رساں سے اس ٹرانسپورٹ طیارے کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا جس میں سریش پانڈے کے بریف کیس میں بند کر کے ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی مدراس پہنچائی جا رہی تھی...... لیڈر نے پوچھا۔

"اس طیارے کے بارے میں تمہاری رپورٹ کیا ہے؟"

سراغ رساں مجاہد نے کہا۔

"اس خاص ٹرانسپورٹ طیارے کا نمبر L-119 ہے...... یہ دو انجنوں والا بڑا جیٹ طیارہ ہے۔"

"جہاں رات کو یہ طیارہ کھڑا کیا جاتا ہے اس کی پوزیشن کیا ہے؟" لیڈر نے پوچھا۔

مجاہد کہنے لگا۔

"اس کی پوزیشن یہ ہے کہ ہینگر نمبر 3 میں یہ طیارہ رات کو پارک ہوتا ہے...... ہینگر جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں بہت بڑا ہے...... اس کا صرف ایک ہی بڑا گیٹ ہے جو کمپیوٹر کی مدد سے کھلتا اور بند ہوتا ہے...... اس کے علاوہ ہینگر بند ہو یا کھلا ہو وہاں چوبیس گھنٹے فوجی گارڈ کا پہرہ ہوتا ہے۔"

لیڈر نے پوچھا۔

"ہینگر کے روشن دان کتنے ہیں اور زمین سے ان کی بلندی کتنی ہے؟"

مجاہد نے کہا۔

"روشن دان میں نے گنے نہیں...... دس ایک ضرور ہوں گے، مگر زمین سے ان کی اونچائی ساٹھ ستر فٹ سے کم نہیں ہے، کیونکہ ہینگر کی دیواریں بہت اونچی ہیں اور روشن دان چھت کے قریب بنائے گئے ہیں...... ہر روشن دان پر لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔"

لیڈر خاموش ہو گیا...... وہ کچھ سوچ رہا تھا...... کمانڈو شیر خان اور ارسلان اس کے قریب بیٹھے تھے...... وہ بھی خاموش تھے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ لیڈر اپنے منصوبے کے مطابق مجاہد سراغ رساں سے معلومات حاصل کر رہا ہے...... لیڈر نے مجاہد سے کہا۔

"تمہیں یہ معلوم ہے کہ طیارے میں جو نوادرات کے کریٹ جا رہے ہیں وہ کس کمپنی کے ذریعے بھجوائے جا رہے ہیں؟"

مجاہد نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"سر! یہ تو پتہ کرنا پڑے گا۔"

لیڈر نے کہا۔

"یہ تمہیں کل دن کے گیارہ بجے تک ہر حالت میں پتہ کرنا ہو گا، کیونکہ ہمارے پاس وقت کم ہے۔"

مجاہد بولا۔

"میں پتہ کر لوں گا۔"

لیڈر نے کہا۔

"ایک تو یہ پتہ کرنا ہو گا کہ نوادرات کی کمپنی نے سارا مال ایئر پورٹ تک پہنچانے کا ٹھیکہ کس کمپنی کو دیا ہے اور دوسرے یہ کہ مال کے کریٹ کس جگہ سے ٹرکوں پر لاد کر ایئر پورٹ تک لے جائے جائیں گے...... یہ بہت ہی ضروری ہے، اس بارے میں ہمیں پوری تفصیل چاہئے۔"

مجاہد سراغ نے کہا۔

"میں پوری معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

وہ چلا گیا...... مجاہد کے جانے کے بعد لیڈر ارسلان اور کمانڈو شیر خان کی طرف متوجہ ہوا...... کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہو گے کہ آخر میرا منصوبہ کیا ہے؟ پلان کیا ہے؟ اب وقت آگیا ہے کہ میں اپنا پلان تمہیں بتا دوں کیونکہ اس پلان، اس منصوبے کو تم لوگوں نے ہی کامیاب بنانا ہے۔"

اس کے بعد لیڈر نے دونوں کمانڈو مجاہدوں کو اپنا پورا منصوبہ بتایا اور کہا۔

"میرے نزدیک یہی ایک طریقہ ہے جس پر اگر ہم عمل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی...... بھارت کی ایٹمی راز کی ماسٹر کاپی بھی ہمارے ہاتھ آجائے گی اور بھارت کی انٹیلی جنس کبھی سوچ بھی نہیں سکے گی کہ ان کا ایٹمی راز چوری ہو گیا ہے۔"

کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"سر! آپ کا پلان واقعی بہت سوچ سمجھ کر تیار کیا گیا ہے...... ہم اسے کامیاب بنانے کے لئے اپنی جان تک لڑا دیں گے۔"

"لیڈر نے کہا۔

"تمہیں اپنی جان لڑانی ہی ہو گی، کیونکہ اس کے سوائے دوسرا کوئی چارہ بھی نہیں ہے...... یہ ایک طرح سے ہم ایک تیر سے دو نشانے لگائیں گے۔"

پھر اس نے کمانڈو شیر خان سے اس کی رائے پوچھی تو اس نے کہا۔

"سر! اس منصوبے کے دو تین مرحلے بڑے نازک ہیں اور ہمیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑے گا، لیکن آپ ہم پر اعتماد کر سکتے ہیں، انشاء اللہ! ہم اس امتحان میں پورے اتریں گے۔"

"انشاء اللہ!" لیڈر نے شیر خان کی تائید کی۔

کمانڈوار سلان کہنے لگا۔

"سریش پانڈے کے بریف کیس اور طیارے میں لادے جانے والے کریٹوں میں سے کسی ایک کریٹ پر جو ہم دھماکہ خیز مواد چسپاں کریں گے اس کے بارے میں ہمیں یقین ہونا چاہئے کہ وہ وقت پر ہمیں دھوکا نہیں دے گا، کیونکہ یہ سارا کام ریموٹ کنٹرول نے کرنا ہے۔"

لیڈر نے کہا۔

"ہمارے پاس جو دھماکہ خیز مواد ہے وہ انتہائی جدید اور قابل اعتماد ہے، لیکن کسی اتفاق سے بچنے کی خاطر ہم اس لئے دو جگہوں پر یہ دھماکہ خیز مواد لگا رہے ہیں...... یہ مواد ایک ہلکے نسواری رنگ کی سکاچ ٹیپ کی شکل میں ہوگا...... ایک ٹیپ ٹرانسپورٹ طیارے میں رکھے جانے والے کسی کریٹ کے ساتھ چسپاں کی جائے گی اور دوسری ٹیپ ہم اس بریف کیس میں رکھ دیں گے جو سریش پانڈے اپنے ہاتھ میں لے کر طیارے میں سوار ہوگا...... اگر فرض کر لیا کہ کسی ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے ایک ٹیپ جام ہو جاتی ہے، وہ نہیں پھٹتی تو دوسری کا دھماکہ ضرور ہوگا...... یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبائیں اور اس کے سگنلز کی رینج میں موجود دھماکہ خیز مواد کو آگ نہ لگے۔"

ارسلان نے پوچھا۔

"ریموٹ کنٹرول کی رینج کتنی ہے؟ کیونکہ طیارہ تو ٹیک آف کرتے ہی سپیڈ پکڑے گا۔"

لیڈر نے کہا۔

"جو ریموٹ کنٹرول ہمارے ہاتھ میں ہوگا اس کے سگنلز کی رینج کم از کم پانچ کلو میٹر ہے اور ہم ٹیک آف کے بعد طیارے کو زیادہ دُور نکلنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

اس کے بعد لیڈر نے اٹھ کر الماری میں سے ایک گتے کا ڈبہ نکالا اور اسے کھول کر اس میں سے ہلکے نسواری کلر کی ایک سکاچ ٹیپ نکالی...... سکاچ ٹیپ باریک سفید کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی...... اس کے ساتھ ہی ڈبے میں ایک ریموٹ کنٹرول بھی تھا، لیڈر نے کہا۔

"یہ وہ سکاچ ٹیپ ہے جس کے دھماکے کی شدت کا تم اندازہ نہیں کر سکتے...... یوں سمجھ لو کہ اس ٹیپ میں ایک چھوٹے ایٹم بم جتنی طاقت ہے...... میں چاہتا ہوں کہ وقت سے پہلے پہلے ہم جتنا کام کر سکتے ہیں کر ڈالیں۔"

اس نے الماری میں سے وہ بریف کیس نکالا جو مجاہد سراغ رساں مارکیٹ سے خرید کر لایا تھا...... اسے اس طریقے سے تھوڑا تھوڑا میلا کر دیا گیا تھا کہ وہ پرانا لگنے لگا تھا...... نئے بریف کیس کی جو چمک ہوتی ہے وہ غائب ہو گئی تھی...... لیڈر نے بریف کیس کھول دیا...... اس میں موٹی موٹی تین چار فائلیں پڑی تھیں...... لیڈر نے کہا۔

"یہ بیکار قسم کی ردی ہے...... انہیں صرف اس لئے بریف کیس میں ڈالا گیا ہے کہ بریف کیس وزنی معلوم ہو، لیکن اس کا وزن اتنا ہی ہوگا جتنا عام طور پر ہوا کرتا ہے تاکہ سریش پانڈے کو کسی قسم کا شک نہ پڑے۔"

اب ہم اس میں دھماکہ خیز ٹیپ چسپاں کریں گے۔

لیڈر نے سب سے پہلے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا...... کہنے لگا۔

"اگرچہ ریموٹ کنٹرول کا مین بٹن اس وقت دبانے سے بھی حرکت نہیں کر سکتا...... پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔"

لیڈر نے سکاچ ٹیپ کو بڑی احتیاط سے کھولا اور بریف کیس کے اندر چاروں کناروں کے ساتھ ساتھ دھماکہ خیز مواد والی ٹیپ چسپاں کر دی، اس نے کہا۔

"اس ٹیپ کی اتنی طاقت ہے کہ پھٹنے کے بعد یہ طیارے کے آدھے سے زیادہ حصے کے پرخچے اُڑا سکتی ہے۔"

ٹیپ کو لگانے کے بعد لیڈر نے دوبارہ چیک کیا...... پھر اسے بند کر کے الماری کے اندر رکھ دیا اور کمانڈو شیر خان سے کہا۔

"شیر خان! اب یہ تمہاری ہوشیاری اور عقل پر منحصر ہے کہ تم کس طرح سریش پانڈے کا ایٹمی راز والا بریف کیس اپنے قبضے کر کے اس کی جگہ یہ بریف کیس رکھتے ہو؟"

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"سر! انشاءاللہ میں اس آزمائش پر بھی پورا اتروں گا۔"

اس کے بعد لیڈر نے ارسلان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"ارسلان! تم جہاد کشمیر کے ایک سر فروش مجاہد ہو...... تم نے محاذ جنگ سے ہٹ کر بھی کشمیر کی آزادی کی کاز کے لئے بڑی نمایاں خدمات انجام دی ہیں...... اس وقت تمہاری خداداد صلاحیتوں کے مظاہرے کی ضرورت ہے۔"

کمانڈو ارسلان نے جواب دیا۔

"سر! خدا نے چاہا تو میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔"

لیڈر بولا۔

"جو کام تمہیں سونپا جا رہا ہے اسے تمہیں ہر حالت میں پورا کرنا ہے اور اس ہوشیاری اور حاضر دماغی سے کرنا ہے کہ کام بھی پورا ہو جائے اور کسی کو ذرا سا شک بھی نہ پڑے۔"

"انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا۔" ارسلان بولا۔

لیڈر نے دھماکہ خیز سکاچ ٹیپ اور ریموٹ کنٹرول گتے کے ڈبے میں ڈال کر بڑی احتیاط کے ساتھ الماری میں واپس رکھ دیا اور کہنے لگا۔

"باقی تفصیلات کل سراغ رساں مجاہد کے آنے کے بعد طے کی جا سکیں گی۔"

سراغ رساں مجاہد عین وقت پر دوسرے روز دن کے دس بجے کمیں گاہ میں پہنچ

گیا...... اس وقت لیڈر، کمانڈو ارسلان اور کمانڈو شیر خان وہاں موجود تھے...... لیڈر نے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے جو ذمے داری تمہیں سونپی گئی تھی تم نے اسے بڑی خوبی سے نبھایا ہو گا...... کیا رپورٹ لائے ہو؟"

سراغ رساں مجاہد کہنے لگا۔

"سر! میری معلومات کے مطابق حکومت نے جس کمپنی کو نوادرات سپلائی کرنے کا آرڈر دیا تھا وہ کمپنی خود ہی سارا مال ایئرپورٹ پر پہنچا رہی ہے...... اس نے کسی دوسری کمپنی کو مال گودام سے نکال کر ایئرپورٹ پہنچانے کا ٹھیکہ نہیں دیا۔"

لیڈر نے پوچھا۔

"اس کمپنی کا گودام کس جگہ پر ہے؟"

مجاہد نے کہا۔

"ان کا گودام ایئرپورٹ کے راستے میں ہی ہے...... میں گودام کو دیکھ کر آیا ہوں...... مدراس جانے والے سرکاری سامان کے بارہ کریٹ گودام میں پہنچا دیئے گئے ہیں...... وہاں سے فلائٹ کے ایک دن پہلے یہ کریٹ ایئرپورٹ پہنچائے جائیں گے۔"

لیڈر نے پوچھا۔

"کیا تم نے اس کی تصدیق کر لی ہے کہ یہ وہی کریٹ ہیں جو مدراس جانے والے ٹرانسپورٹ طیارے L-119 میں لوڈ کئے جائیں گے؟"

سراغ رساں مجاہد نے کہا۔

"سر! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی کام ادھورا نہیں کیا...... میں نے انوائس کی فائل میں لگی ہوئی سامان کی لسٹ خود دیکھی ہے...... یہ وہی بارہ کریٹ ہیں، جو ٹرانسپورٹ طیارے L-119 پر لوڈ کئے جائیں گے۔"

لیڈر نے کہا۔

"گڈ! اب یہ بتاؤ کہ جس گودام میں یہ کریٹ بند ہیں اس کی پوزیشن کیا ہے...... ظاہر ہے یہ کوئی سرکاری گودام نہیں ہے...... وہاں فوجی گارڈ کا پہرہ نہیں ہوگا۔"

سراغ رساں مجاہد بولا۔

"سر! یہ کافی بڑا گودام ہے...... وہاں صرف ایک بوڑھا چوکیدار پہرہ دیتا ہے...... وہ صرف رات کے دس بجے تک ہوتا ہے...... اس کے بعد چلا جاتا ہے۔"

لیڈر نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ رات کے دس بجے کے بعد گودام کے باہر کوئی چوکیدار نہیں ہوتا؟"

مجاہد نے کہا۔

"سر! میں رات گیارہ بجے سے بارہ بجے تک گودام کے قریب رہ کر جائزہ لیتا رہا ہوں...... گودام کے بڑے دروازے پر دو بڑے تالے لگے ہوتے ہیں اور سو واٹ کا بلب ساری رات جلتا رہتا ہے...... چونکہ گودام کے قریب سے ایئرپورٹ جانے والی بڑی سڑک گزرتی ہے جس پر ساری رات ٹریفک جاری رہتی ہے، اس لئے رات کو گودام پر چوکیداری کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔"

لیڈر نے مسکرا کر کہا۔

"ہمارے راستے کی ایک بہت بڑی رکاوٹ اپنے آپ دُور ہو گئی ہے...... اب تم ایسا کرو کہ تمہارے پاس کوئی دوسرا کام ہے تو اس میں مصروف ہو جاؤ، لیکن اس دوران اگر کوئی ایمرجنسی کی صورت حال [illegible] گئی تو فوراً آ کر ہمیں خبر کر دینا۔"

"فکر نہ کریں سر! میں پوری نگرانی کرتا رہوں گا۔"

اتنا کہہ کر سراغ رساں مجاہد چلا گیا...... لیڈر کہنے لگا۔

"صورت حال تھوڑی سی بدل گئی ہے...... اب تم دونوں کو مشن کے پہلے مرحلے پر جانا ہوگا آج رات تم میں سے کوئی ایک اس گودام کا جا کر جائزہ لے گا جہاں مدراس

لے جانے والے نوادرات کے بارہ کریٹ پڑے ہیں...... تمہیں اس زاویئے سے گودام کو دیکھنا ہوگا کہ تم کس طرح گودام کے اندر داخل ہو گے...... اندر داخل ہونے کا کوئی نہ کوئی راستہ تمہیں ہر حالت میں تلاش کرنا ہوگا...... پہلے یہ کام مکمل کر لو...... اس کے بعد دوسری بات کریں گے۔"

سراغ رساں مجاہد نے گودام کا پورا محل وقوع انہیں بتا دیا تھا...... کمانڈو ارسلان دلی آتا جاتا رہتا تھا...... اس نے وہ جگہ دیکھی ہوئی تھی جہاں یہ گودام واقع تھا، چنانچہ اس رات کے گیارہ بجے کے بعد کمانڈو ارسلان اور شیر خان معمولی مزدوروں والا حلیہ بنا کر گودام کی طرف روانہ ہو گئے...... وہ آٹو رکشے پر آئے تھے اور گودام والی سڑک سے کافی پیچھے ایک جگہ اتر گئے تھے۔

یہ سڑک سیدھی ایئرپورٹ کو جاتی تھی...... اس پر آدھی رات کے وقت بھی گاڑیاں آ جا رہی تھیں...... وہ دونوں سڑک سے ہٹ کر گودام کے عقب میں آ کر ایک جگہ اندھیرے میں بیٹھ گئے...... ان کے اِردگرد کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا...... اندھیرے میں کچھ درخت خاموش کھڑے تھے...... کچھ فاصلے پر سڑک پر سے گزرتی گاڑیوں کی آواز آ رہی تھی۔

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"ارسلان! تم اسی جگہ بیٹھے رہو...... میں گودام کا جائزہ لیتا ہوں۔"

ارسلان وہیں اندھیرے میں بیٹھا رہا...... شیر خان اٹھ کر گودام کی عقبی دیوار کے پاس آ گیا...... وہاں اندھیرا تھا...... گودام کا دروازہ دوسری جانب سڑک کی طرف تھا...... دروازے کے اوپر بلب روشن تھا...... شیر خان گودام کی دیوار کے بالکل قریب آ گیا...... اس نے اوپر نگاہ ڈالی...... گودام کی دیوار کافی اونچی تھی اور چھت کے قریب اسے ایک روشن دان نظر آ رہا تھا...... وہ دیوار کے ساتھ لگ کر چلتا دوسری جانب آ گیا۔

یہاں بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا...... اندھیرے میں شیر خان کو دیوار میں ایک تختہ

سا لگا ہوا دکھائی دیا...... شیر خان نے اور نزدیک ہو کر دیکھا تو وہ ایک چھوٹا دروازہ تھا...... یہ پرانی طرز کا دروازہ تھا جس پر پرانی وضع کا تالا پڑا تھا...... معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ دروازہ استعمال میں نہیں ہے اور اسے بند کر کے تالا لگا دیا گیا ہے...... بس یہی دروازہ ان کے لئے اُمید کی آخری کرن تھی۔

شیر خان اندھیرے میں جھک کر چلتا ارسلان کے پاس گیا اور بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

ارسلان اُٹھ کر شیر خان کے پیچھے پیچھے چل پڑا...... شیر خان نے گودام کی دیوار کے پاس آکر اسے پرانا دروازہ دکھایا اور سرگوشی میں کہا۔

"یہی ایک جگہ ہے جہاں سے ہم اندر داخل ہونے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

ارسلان بولا۔

"لیکن اس پر تالا پڑا ہے اور ہمیں تالا نہیں توڑنا۔"

شیر خان نے کہا۔

"ہم اسے کھولنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح کھولیں گے کہ دوبارہ اس طرح بند بھی کر دیں کہ کسی کو دیکھ کر بالکل معلوم نہ ہو کہ تالا کھولا گیا تھا۔"

ارسلان کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں لیڈر سے مشورہ کرنا چاہئے...... مجھے یقین ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔"

تالے کو دونوں نے بڑے غور سے دیکھ کر اس کی شکل اپنے ذہن میں بٹھالی تھی...... وہ رات کے اندھیرے میں ہی کمیں گاہ پر واپس آگئے...... لیڈر جاگ رہا تھا...... جب اسے صورت حال سے آگاہ کیا گیا تو وہ کہنے لگا۔

"کل رات مجاہد کبیر خان تمہارے ساتھ جائے گا...... وہ ہر قسم کا تالا کھولنے اور بند کرنے میں ماہر ہے...... میں اسے صبح ہی بلالوں گا...... وہ پہلے جا کر تالا دیکھ آئے

گا...... اس طرح اسے تالا کھولنے میں آسانی ہو جائے گی۔"

صبح صبح ہی کبیر خان پہنچ گیا...... دُبلا پتلا سانولا نوجوان تھا...... آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی...... دلی کا رہنے والا بڑا سرفروش مجاہد تھا...... لیڈر نے اسے ساری بات سمجھا کر گودام کی طرف بھیج دیا...... دو گھنٹے بعد کبیر خان واپس آگیا، کہنے لگا۔

"شاہ جی! میں نے تالا دیکھ لیا ہے...... سمجھ گیا ہوں اسے کس طرح کھولنا ہے۔"

لیڈر نے کہا۔

"تم رات کو شیر خان اور ارسلان کے ساتھ جاؤ گے اور خود ہی تالا کھول کر دو گے۔"

"کوئی بات نہیں شاہ جی!"

جب رات ہو گئی تو کمانڈو ارسلان، شیر خان اور لیڈر نے اکٹھے رات کا کھانا کھایا...... اس کے بعد لیڈر دونوں کو دوسرے چھوٹے سے کمرے میں لے آیا...... وہاں الماری میں دھماکہ خیز ٹیپ وغیرہ رکھی ہوئی تھی...... لیڈر نے الماری میں سے دھماکہ خیز ٹیپ نکال کر کمانڈو شیر خان کو دی اور کہا۔

"اس ٹیپ کو ہر کریٹ پر اس طرح سے چپکانا ہے کہ باہر سے دیکھنے پر کسی کی نظر نہ پڑے...... یہ کام بڑی مہارت سے کرنا ہو گا، اگر ذرا سی کسی کی اس پر نگاہ پڑ گئی تو اس کو شبہ پڑ سکتا ہے کہ یہ ہر کریٹ پر سکاچ ٹیپ کس نے چپکا دی ہے...... باقی تم خود سمجھدار ہو اور اس طرح کی مہموں کا وسیع تجربہ رکھتے ہو۔"

پھر اس نے کمانڈو ارسلان سے کہا۔

"تمہیں بھی ساتھ رہ کر ایک ایک چیز کا خیال رکھنا ہو گا...... آتی دفعہ دروازے پر تالا لگانا مت بھولنا اور کبیر خان گودام کے باہر تمہاری حفاظت کرے گا...... اسے اپنے ساتھ اندر لے جانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ ٹھیک ہے؟"

"یس سر!" ارسلان نے کہا۔

کچھ دیر کے بعد کبیر خان بھی آگیا...... اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیوں کا ایک گچھا نکال کر لیڈر کو دکھایا۔

"ان میں سے ایک نہ ایک چابی اس تالے کو ضرور لگ جائے گی۔"

"اور اگر نہ لگی تو؟" کمانڈو شیر خان نے پوچھا۔

کبیر خان نے ہنس کر کہا۔

"تو پھر مجھے ایک اور گر آتا ہے تالا کھولنے کا۔"

لیڈر نے کہا۔

"کبیر خان! وقت پر کوئی پرابلم نہیں پڑنی چاہئے۔"

کبیر خان بولا۔

"شاہ جی! اپنے اللہ پر اور اس کے بعد مجھ پر بھروسہ رکھیں...... تالا کھلے گا اور ضرور کھلے گا۔"

ارسلان اور شیر خان نے ایک ایک خاموش نالی والا آٹومیٹک پستول بھی ساتھ رکھ لیا...... دونوں نے چھوٹی مگر تیز روشنی والی ایک ایک ٹارچ بھی جیب میں ڈال لی تھی...... لباس انہوں نے قمیص پتلون اور اوپر بند گلے کا سیاہ سویٹر اور سیاہ اونی ٹوپی ہی رکھا...... مزدوروں والا حلیہ بنانے کی ضرورت نہیں تھی...... کبیر خان دلی میں اپنی ٹیکسی چلاتا تھا...... وہ اپنی ٹیکسی لے آیا...... آدھی رات کو تینوں سرفروش اللہ کا نام لے کر اپنے مشن پر روانہ ہوگئے۔

کبیر خان دلی کا سرفروش مجاہد تھا...... وہ ایک نسبتاً ویران راستے سے لے کر گیا جہاں رات کو گشتی پولیس کی چیکنگ کا خطرہ نہ ہونے کے برابر تھا...... ٹارگٹ پر پہنچ کر کبیر خان نے ٹیکسی ٹارگٹ سے کچھ دور ایک جگہ اندھیرے میں کھڑی کر دی اور تینوں مجاہد سرفروش ٹیکسی سے نکلے اور مال گودام کی طرف اندھیرے میں آگے بڑھے...... وہ خاموش تھے...... آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ گودام کے سامنے بند

دروازے کے اوپر بجلی کا بلب جل رہا تھا...... ایئرپورٹ کی طرف جاتی سڑک پر تھوڑی تھوڑی ٹریفک بھی چل رہی تھی...... تینوں سرفروش مال گودام کے عقب میں آکر اندھیرے میں اس کی دیوار کے پاس بیٹھ گئے...... کبیر خان سرگوشی میں بولا۔

"میں جا کر تالا کھولتا ہوں۔"

ارسلان اور شیر خان اسی جگہ اندھیرے میں بیٹھے رہے جبکہ کبیر خان اُٹھ کر جھکا جھکا مال گودام کی بائیں طرف والی دیوار کے پاس آکر اس کے ساتھ لگ گیا...... وہ دن کے وقت آکر دروازے کو دیکھ چکا تھا جو بند تھا اور جس پر تالا لگا ہوا تھا۔

کبیر خان نے جیب سے چابیوں کا چھوٹا گچھا نکالا اور ایک ایک کر کے تالے میں چابیاں لگانے لگا...... رات کی تاریکی میں کچھ فاصلے پر سے ارسلان اور شیر خان کو کبیر خان کا دُھندلا سا سایہ نما جسم دکھائی دے رہا تھا...... ارسلان نے آہستہ سے کہا۔

"کوئی چابی لگ جانی چاہئے...... ہمارے مشن کی کامیابی کا دارومدار تالا کھلنے پر ہی ہے۔"

شیر خان بولا۔

"کبیر خان کاریگر آدمی لگتا ہے۔"

انہیں کسی کسی وقت تالے کو چابی لگانے کی آواز سنائی دے جاتی تھی...... ایئرپورٹ والی سڑک پر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کوئی نہ کوئی گاڑی گزر جاتی تھی...... جب گاڑی گزر جاتی تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی...... کبیر خان کو پندرہ بیس منٹ لگ گئے...... ارسلان بولا۔

"میں جا کر پتہ کرتا ہوں۔"

شیر خان نے ارسلان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا دباتے ہوئے کہا۔

"وہ آ رہا ہے۔"

اندھیرے میں انہیں کبیر خان اپنی طرف آتا نظر آیا...... وہ قریب آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"تالا کھل گیا ہے...... چابی میں نے تالے میں ہی لگی رہنے دی ہے...... واپسی پر تالا بند کر کے چابی ساتھ لیتے آنا...... میں اسی جگہ بیٹھ کر ماحول پر نگاہ رکھوں گا...... کوئی خطرہ ہوا تو منہ سے کوئل کی ہلکی سی آواز نکالوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ارسلان نے کہا۔

اور دونوں کمانڈو مجاہد اُٹھے اور مال گودام کی طرف بڑھے...... گودام کے چھوٹے دروازے پر گئے تو ٹٹول کر دیکھا...... تالا کنڈے میں کھل کر لٹکا ہوا تھا...... شیر خان نے تالے کو نکال کر زنجیر اتاری اور تالا اسی طرح کنڈے میں لٹکا دیا...... پھر دروازے کو ذرا سا اندر کو دبایا...... چرچراہٹ کی آواز پیدا ہوئی...... دروازہ ایک مدت سے بند تھا جس کی وجہ سے جام ہو گیا تھا...... ارسلان نے کہا۔

"آہستہ سے کھولو۔"

شیر خان نے بڑی احتیاط کے ساتھ دروازے کو آہستہ آہستہ اندر کی طرف دبانا شروع کیا...... تھوڑی سی چرچراہٹ کی آواز آتی اور دروازہ ذرا سا پیچھے کو ہو جاتا...... دو تین منٹ کے بعد دروازے کا ایک پٹ کھل گیا...... اندر سے لکڑی کے کھوکھوں کی خاص بو والی گرم ہوا باہر کو نکلی...... شیر خان نے جیب سے چھوٹی ٹارچ نکال کر روشن کر لی اور دونوں کمانڈو ایک دوسرے کے آگے پیچھے گودام میں داخل ہو گئے۔

گودام میں مال سے بھرے ہوئے لکڑی کے کھوکھے اور بھری ہوئی بوریاں انبار کی شکل میں ایک طرف لگی ہوئی تھیں...... دروازہ انہوں نے بند کر دیا تھا...... ٹارچ ارسلان نے بھی روشن کر لی تھی...... یہ چھوٹی ٹارچ تھی اس کی روشنی جہاں ڈالی جاتی تھی صرف وہیں روشنی ہوتی تھی...... انہوں نے نوادرات کے کریٹ تلاش کرنے شروع کئے...... کافی بڑا گودام تھا...... کافی سامان گودام کی دیواروں کے ساتھ لگا ہوا تھا...... کچھ سامان ڈھیروں کی شکل میں درمیان میں لگا تھا...... ایک طرف سامان لانے لے جانے والی گاڑی کھڑی تھی۔

آخر تلاش کرتے کرتے انہیں ایک طرف دیوار کے ساتھ لگے لکڑی کے کریٹ نظر آگئے...... قریب جاکرانہوں نے ٹارچیں روشن کر کے ان کا جائزہ لیا...... یہ لمبے سائز کے چھوٹے سائز کے کریٹ تھے...... یہ دیکھ کران کے چہروں پر مسرت کی لہر سی دوڑ گئی کہ ہر کریٹ پر ایک جانب سرخ رنگ سے طیارے کا نمبر L-119 لکھا ہوا تھا......ارسلان نے کہا۔

"یہی وہ کریٹ ہیں۔"

شیر خان نے جیب سے دھماکہ خیز سکاچ ٹیپ والا لفافہ نکال کر ایک کریٹ پر ٹارچ کے ساتھ رکھ دیا...... لفافے میں سے سکاچ ٹیپ نکالی اور کریٹ کا ایک بار پھر جائزہ لیا......ارسلان کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کریٹ کے نیچے ٹیپ چپکانی چاہئے۔"

شیر خان نے دیکھا کہ ہر کریٹ کے اوپر والے ڈھکن کا لکڑی کا تھوڑا سا حصہ آگے کو نکلا ہوا تھا......اس نے اس آگے کے حصے پر انگلی رکھ کر کہا۔

"ہم اس بڑھے ہوئے ڈھکن کے نیچے ٹیپ چپکادیں گے...... اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑے گی۔"

اور شیر خان نے اپنا کام شروع کر دیا...... وہ ٹیپ کھول کر ایک کریٹ کے ڈھکن کے نیچے چاروں طرف چپکاتا اور پھر دوسرے کریٹ پر آجاتا،اس طرح جتنی جلدی یہ کام ہو سکتا تھا اس نے مکمل کرلیا...... جب بارہ کے بارہ کریٹوں پر دھماکہ خیز ٹیپ چپکادی گئی تو دونوں نے اپنی اپنی ٹارچ کی روشنی میں ایک بار پھر کریٹوں پر چپکی ہوئی ٹیپ کو جھک کر دیکھا......جب ان کی تسلی ہوگئی تو شیر خان بولا۔

"اب واپس چلو۔"

وہ دروازے کو تھوڑا سا کھول کر گودام سے باہر نکل آئے...... باہر آتے ہی شیر خان نے دروازے کے پٹ کو آہستہ سے بند کیا اور دوبارہ تالا ڈال کر چابی تالے

میں سے نکال لی...... کبیر خان اندھیرے میں آس پاس چل پھر کر نگرانی کر رہا تھا...... اس نے اندھیرے میں دونوں کو باہر آتے دیکھا تو جہاں اسے بٹھایا گیا تھا وہاں آکر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

ارسلان اور شیر خان اس کے پاس آگئے......ارسلان نے کہا۔

"کام ہو گیا ہے کبیر خان...... چلو۔"

اس نے چابی کبیر خان کو پکڑادی اور وہ رات کی تاریکی میں تیز تیز چلتے گودام کے عقب والے علاقے سے باہر نکل کر اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھے...... ٹیکسی کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سڑک کے کنارے کھڑی تھی...... وہ ٹیکسی میں سوار ہوئے...... کبیر خان نے انجن سٹارٹ کیا اور ٹیکسی چل پڑی...... خفیہ کمین گاہ پر جاکر انہوں نے لیڈر کو اپنی کارگزاری سے آگاہ کیا......لیڈر نے پوچھا۔

"واپسی پر ہر شے کو اچھی طرح سے چیک کر لیا گیا تھا؟"

شیر خان بولا۔

"جی ہاں...... ہم دونوں نے چیک کر کے پوری تسلی کر لی تھی...... بارہ کے بارہ کریٹوں پر دھماکہ خیز ٹیپ اس طرح چپکادی گئی ہے کہ دن کے وقت کریٹوں کو جہاز پر لے جاتے وقت اس پر کسی کی نگاہ پڑنے کا امکان نہیں ہے۔"

لیڈر نے کہا۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اب آپ لوگ آرام کریں...... باقی پروگرام کل طے کیا جائے گا۔ کبیر خان!"

"جی شاہ جی؟" کبیر خان نے کہا۔

لیڈر نے اسے ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

"تم کل دس گیارہ بجے تک یہاں پہنچ جانا۔"

"آجاؤں گا شاہ جی!" کبیر خان نے جواب دیا۔

"اب تم بھی جاکر آرام کرو۔" لیڈر نے کہا۔

کبیر خان خدا حافظ کہہ کر چلا گیا...... رات گزر گئی...... اگلے دن ناشتے کے بعد ارسلان، شیر خان اور لیڈر ایک جگہ بیٹھ گئے...... لیڈر کہنے لگا۔

"شیر خان! اب اس مشن کا سب سے نازک اور سب سے اہم مرحلہ شروع ہونے والا ہے...... مجھے یقین ہے کہ تم اس میں سے بھی کامیابی کے ساتھ گزر جاؤ گے۔"

"انشاءاللہ۔"

کمانڈو شیر خان نے جواب میں کہا۔

اس موقع پر کمانڈو ارسلان کہنے لگا۔

"ان کے ساتھ میرے جانے کی تو ضرورت نہیں ہے؟"

لیڈر نے کہا۔

"نہیں...... اگر ایسی بات ہوتی تو میں تمہیں ضرور ساتھ جانے کو کہتا...... شیر خان کے ساتھ کوئی نہیں ہوگا...... یہ کام اسے اکیلے ہی کرنا ہوگا...... ہم کچھ فاصلے پر کھڑے ہوں گے۔"

لیڈر نے تھوڑا توقف کیا...... پھر کہنے لگا۔

"وہ لمحہ آ گیا ہے جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا...... یعنی ہماری اطلاع کے مطابق کل رات ایک بجے کے بعد ایٹمی کمپیوٹر ڈیٹا کی خفیہ ماسٹر کاپی ڈسک کی شکل میں دلی سے ٹرانسپورٹ طیارے L-119 کے ذریعے دلی سے مدراس لے جائی جا رہی ہے اور ہمیں یہ خفیہ ماسٹر کاپی ایئرپورٹ کے راستے میں ہی اپنے قبضے میں کرنی ہے...... کس طریقے سے اپنے قبضے میں کرنی ہے؟ وہ شیر خان کو اچھی طرح سے معلوم ہے...... کبیر خان اپنی ٹیکسی کل شام کو ہی تمام کاغذات کے ساتھ یہاں چھوڑ جائے گا...... شیر خان کے واسطے وہ ٹیکسی ڈرائیور کی استری کی ہوئی الگ وردی بھی ساتھ لائے گا جس کو شیر خان یہیں سے پہن کر روانہ ہوگا...... ہم یعنی میں اور ارسلان ایک

دوسری گاڑی میں پیچھے پیچھے جائیں گے...... تاکہ اگر کوئی ہنگامی صورت حال پیدا ہو جائے تو ہم فوراً ایکشن میں آ جائیں...... پھر بے شک لاٹھی ٹوٹ جائے مگر سانپ کو ضرور مار دیں گے۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"ہمیں کل یہاں سے کس وقت روانہ ہونا ہوگا؟"

لیڈر بولا۔

"طیارے کی فلائٹ کا ٹائم رات کے ایک بجے کے بعد مقرر کیا گیا ہے...... صحیح ٹائم ظاہر نہیں کیا گیا، لیکن ہم رات کے پورے بارہ بجے جائے واردات یعنی اپنے ٹارگٹ پر پہنچ جائیں گے...... شیر خان ٹیکسی لے کر سریش پانڈے کے فلیٹ سے کچھ فاصلے پر کسی جگہ چھپا رہے گا...... جیسے ہی سریش پانڈے ایٹمی ڈیٹا کی سیکرٹ ماسٹر کاپی لے کر اپنے فلیٹ سے نکلے گا...... شیر خان ٹیکسی سٹارٹ کر دے گا، جب سریش پانڈے بریف کیس اٹھائے بلڈنگ کے گیٹ سے باہر آ کر فٹ پاتھ پر ٹیکسی سٹینڈ کی طرف جائے گا، شیر خان ٹیکسی اس کے قریب لے جا کر روک دے گا اور سریش پانڈے کو ٹیکسی میں سوار کروا کر ایئرپورٹ کی طرف چل پڑے گا...... اس کے بعد شیر خان نے جو کچھ کرنا ہے اسے بتا دیا گیا ہے۔"

لیڈر نے شیر خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"شیر خان! اس مشن کا یہ سب سے نازک مرحلہ ہے...... تمہیں ہر قدم پوری ہوش مندی سے اٹھانا ہوگا...... ہم مناسب فاصلے پر تمہارے پیچھے آ رہے ہوں گے۔"

کبیر خان دوسرے روز دن کے وقت ہی اپنی ٹیکسی اور ٹیکسی کے کاغذات وغیرہ لا کر دے گیا...... اس میں شیر خان کی ڈرائیوروں والی وردی بھی تھی جو اس زمانے میں ٹیکسی ڈرائیوروں کے لئے پہننی ضروری ہوتی تھی...... سارا دن یہ لوگ ایک طرح سے اپنے مشن کے آخری اور انتہائی اہم مرحلے کی ریہرسل کرتے رہے...... رات کو

تینوں نے مل کر کھانا کھایا اور تیز کافی کے دو دو پیالے پیے تاکہ نیند نہ آئے...... کبیر خان ایک دوسری ٹیکسی لے کر رات کے دس بجے خفیہ کمیں گاہ پر پہنچ گیا...... ٹھیک گیارہ بجے رات شیر خان نے ٹیکسی ڈرائیوروں والی وردی پہن کر سر پر ٹوپی اوڑھ لی...... اس ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کو اٹھانے سے نیچے خالی جگہ تھی...... اس خالی جگہ میں نقلی بریف کیس، یعنی وہ بریف کیس جس میں انتہائی زبردست دھماکہ خیز مادہ لگا ہوا تھا اور جو سریش پانڈے کے بریف کیس کی ہو بہو نقل تھی...... پچھلی سیٹ کے نیچے خالی جگہ میں چھپا کر رکھ دیا گیا۔

یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا جا رہا تھا...... شیر خان نے جو ڈرامہ کھیلنا تھا یہ اس ڈرامے کا ایک حصہ تھا...... لیڈر اور ارسلان نے معمولی سے کپڑے پہن لئے...... یعنی پاجامہ بند گلے کا سویٹر اور گرم کوٹ...... ارسلان نے سویٹر کے اوپر گرم جیکٹ پہن لی تھی...... انہوں نے خاموش نالی والے بھرے ہوئے پستول بھی ساتھ لے لئے تھے، یعنی جن پر سائی لینسر لگے ہوئے تھے...... رات کے گیارہ بج کر چالیس منٹ پر یہ خطرناک قافلہ اپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو گیا...... شیر خان ٹیکسی لے کر آگے آگے جا رہا تھا...... اس نے ٹیکسی کے اوپر سرخ روشنی جو ٹیکسی کی نشانی ہوتی ہے، بجھا رکھی تھی تاکہ کوئی دوسرا آدمی ہاتھ دے کر ٹیکسی کو نہ روکے...... ایک پستول شیر خان نے بھی اپنی وردی میں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

اس کے پیچھے مناسب فاصلے پر ایک پرانی بند جیپ چلی آ رہی تھی، اس جیپ کو کبیر خان ڈرائیو کر رہا تھا...... جیپ میں لیڈر اور کمانڈو ارسلان بیٹھے ہوئے تھے...... ریموٹ کنٹرول ارسلان کے کوٹ کی اندرونی جیب میں تھا...... دونوں گاڑیاں دلی کی الگ تھلگ غیر معروف اور خالی خالی سڑکوں پر سے تیز رفتاری سے گزرتی ہوئی اس علاقے میں آ گئیں جہاں اٹامک کمیشن کے ادھیڑ عمر ہیڈ کلرک اور کمیشن کے سب سے قابل اعتماد آدمی سریش پانڈے کا فلیٹ تھا۔

اس جگہ کا پہلے سے تعین کر دیا گیا تھا جہاں ان لوگوں نے آگے پیچھے اپنی گاڑیاں کھڑی کرنی تھیں...... اس علاقے کے فلیٹوں میں کہیں کہیں روشنیاں ہو رہی تھیں...... رات کے بارہ بج چکے تھے...... سردی کی وجہ سے لوگ کمروں میں بند سو رہے تھے یا ضروری کاموں میں مصروف تھے...... ہر طرف خاموشی تھی...... سریش پانڈے کے فلیٹ پر بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی...... صرف ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی...... سریش پانڈے ایئرپورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا...... شیر خان نے فلیٹ کی بلڈنگ کے گیٹ سے کافی پیچھے سڑک سے اتار کر ٹیکسی اندھیرے میں کھڑی کر دی...... شیر خان کی ٹیکسی سے کوئی پچاس فٹ پیچھے اندھیرے میں کبیر خان نے جیپ کھڑی کر دی...... جیپ میں کبیر خان کے علاوہ ارسلان اور لیڈر بھی موجود تھے...... وہ اس فلیٹ کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں سے کچھ دیر بعد سریش پانڈے نے باہر نکلنا تھا۔

ایک ایک سیکنڈ ایک ایک منٹ بن کر گزر رہا تھا...... لیڈر نے دوسری بار گھڑی پر نگاہ ڈال کر کہا۔

”اس وقت تک سریش پانڈے کو نکل آنا چاہئے۔“

ان کی گاڑی سے آگے پچاس فٹ کے فاصلے پر شیر خان بھی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ٹکٹکی باندھے سریش پانڈے کے فلیٹ کی بلڈنگ کے گیٹ کو دیکھ رہا تھا...... ٹھیک بارہ بج کر پندرہ منٹ پر شیر خان کو اُدھیڑ عمر سریش پانڈے فلیٹ کے چھوٹے دروازے میں سے نکل کر اپارٹمنٹ بلڈنگ کے گیٹ کی طرف آتا نظر آیا...... شیر خان نے ٹیکسی کے اوپر جو سرخ روشنی بجھی ہوئی تھی اسے روشن کر دیا اور گاڑی کا انجن سٹارٹ کر دیا...... وہ سریش پانڈے پر نگاہ رکھے ہوئے تھا...... سریش پانڈے نے گرم کوٹ کے اوپر گلے میں گرم مفلر لپیٹ رکھا تھا...... سر پر ہندوؤں والی کالی گول ٹوپی تھی...... ایک ہاتھ میں بریف کیس تھا...... دوسرا ہاتھ ڈھیلی ڈھالی پتلون کی جیب میں

تھا...... وہ آہستہ آہستہ چلتا گیٹ سے باہر آکر سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر چل پڑا...... اس کا رُخ آگے چوک میں ٹیکسی سٹینڈ کی طرف تھا...... شیر خان ٹیکسی کو ایک خاص رفتار سے چلاتے ہوئے سریش پانڈے کے قریب سے گزر گیا...... پھر چند قدم آگے جا کر اس نے ٹیکسی روک دی...... اتنے میں سریش پانڈے ٹیکسی کے قریب آگیا تھا...... شیر خان نے ٹیکسی میں سے باہر نکل کر کہا۔

"سر! مجھے ایئرپورٹ پر جانا ہے...... اگر آپ ایئرپورٹ پر جانا چاہتے ہیں تو بیٹھ جائیے۔"

اور اس کے ساتھ ہی شیر خان نے بڑی مستعدی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا...... سریش پانڈے نے ایک باوردی ٹیکسی ڈرائیور اس کی خالی ٹیکسی کو دیکھا تو بولا۔

"تمہارا میٹر تیز تو نہیں چلتا؟"

شیر خان نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"سر! ہمارا میٹر دلی کارپوریشن سے پاس شدہ ہے...... ہم مسافروں سے کبھی زیادہ کرایہ نہیں لیتے...... آپ کو اگر مجھ پر اعتبار نہیں ہے تو چوک میں سے کوئی دوسری ٹیکسی لے لیجئے۔"

یہ کہہ کر شیر خان ٹیکسی کا دروازہ بند کرنے لگا تو سریش پانڈے نے کہا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے...... چلو...... مجھے ایئرپورٹ پہنچادو، مگر ٹیکسی تیز چلانا...... مجھے جلدی پہنچنا ہے۔"

شیر خان نے سریش پانڈے کو یہ کہہ کر اگر مجھ پر اعتبار نہیں تو کوئی دوسری ٹیکسی لے لیجئے، بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا...... اگر سریش پانڈے یہ کہہ کر آگے چل پڑتا کہ ٹھیک ہے میں چوک سے کوئی دوسری ٹیکسی لے لیتا ہوں تو سارے کئے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا اور ان کا مشن خاک میں مل جاتا، لیکن سریش پانڈے پر اپنا اعتماد جمانے کے لئے ایسا کہنا ضروری تھا...... یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ اُدھیڑ عمر سریش پانڈے نے

کوئی دوسری ٹیکسی لینے کا خیال دل سے نکال دیا اور شیر خان کی ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔

شیر خان کی جان میں جان آگئی۔

سریش پانڈے پچھلی سیٹ پر بائیں جانب ہو کر بیٹھا تھا اور اس نے وہ بریف کیس جس میں بھارت کے ایٹمی راز کی ماسٹر ڈسک رکھی ہوئی تھی اپنی داہنی جانب سیٹ پر رکھ دیا تھا...... شیر خان جلدی سے ٹیکسی نکال کر لے گیا۔

سریش پانڈے کو ٹیکسی میں سوار ہوتے اور ٹیکسی کو آگے کی طرف روانہ ہوتے لیڈر ارسلان اور کبیر خان نے دیکھ لیا تھا...... انہوں نے بھی پچاس فٹ کا فاصلہ رکھ کر اپنی جیپ کو اس کے پیچھے لگا دیا...... جیپ کی بتیاں انہوں نے بجھادی ہوئی تھیں...... شیر خان کی ٹیکسی خالی سڑک پر چلی جا رہی تھی...... سریش پانڈے نے پچھلی سیٹ پر سے کہا۔

"گاڑی ذرا تیز چلاؤ...... مجھے جلدی پہنچنا ہے۔"

شیر خان نے سوچی سمجھی سکیم کے مطابق کہا۔

"سر! میری گاڑی میں تھوڑا سا نقص ہے...... آپ کہتے ہیں تو میں سپیڈ تیز کر دیتا ہوں۔"

اور شیر خان نے سپیڈ بڑھادی...... وہ یہی چاہتا تھا...... فلیٹوں والے کسی قدر روشن علاقے سے نکلنے کے بعد ٹیکسی ایئرپورٹ کی طرف جاتی سڑک پر آگئی...... شیر خان کوئی ایسی جگہ دیکھ رہا تھا جہاں کھمبوں پر جلتی مرکری لائٹوں کی روشنی نہ ہو، چنانچہ اس نے دو کھمبوں کے درمیان ایک نیم روشن جگہ دیکھ لی اور وہاں پہنچتے ہی گاڑی کے انجن میں کوئی ایسا نقص ڈال دیا کہ انجن میں سے دو تین عجیب سی آوازیں نکلیں اور شیر خان نے گاڑی کو جلدی سے سڑک پر سے اتار کر بریک لگادی۔

"کیا ہوا؟" پچھلی سیٹ پر بیٹھے سریش پانڈے نے پوچھا۔

شیر خان نے دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"سر! میں اس لئے گاڑی کی سپیڈ تیز نہیں کرتا تھا...... لیکن آپ فکر نہ کریں. میں آپ کو وقت پر ایئرپورٹ پہنچادوں گا۔"

یہ کہہ کر شیر خان جلدی سے گاڑی کے سامنے آگیا...... اس نے گاڑی کا بو اوپر اٹھایا اور جھک کر کچھ دیکھنے لگا...... بونٹ کی وہ سلاخ جس کے سہارے بونٹ کو ک کیا جاتا تھا انہوں نے پہلے ہی نکال رکھی تھی...... شیر خان نے ایک ہاتھ سے بونٹ ا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے انجن میں یونہی پرزوں کو ٹھیک کر رہا تھا...... پھر اس بونٹ کے پیچھے سے سر نکال کر سریش پانڈے سے کہا۔

"سر! آپ کو تکلیف تو ہوگی مگر میرے بونٹ کی سلاخ ٹوٹ گئی تھی...... آ اگر ایک منٹ کے لئے یہاں آکر بونٹ کو اوپر اٹھالیں تو میں انجن کا نقص ابھی دُور کر دیتا ہوں۔"

وہاں آس پاس کوئی دوسری ٹیکسی دکھائی بھی نہیں دے رہی تھی...... سریش پانڈے کو مجبوراً ٹیکسی سے نکلنا پڑا...... اس نے بریف کیس پچھلی سیٹ پر ہی رہنے دیا او خود کھڑکی کھول کر شیر خان کے پاس آکر کہنے لگا۔

"تم لوگ اسی طرح مسافروں کو پریشان کرتے ہو...... گاڑی نکالنے سے پہلے اس کی چیکنگ کیوں نہیں کرتے؟"

شیر خان بولا۔

"سر! آپ فکر نہ کریں...... میں ایک منٹ میں اسے ٹھیک کئے دیتا ہوں...... آپ ذرا بونٹ کو سہارا دیں۔"

سریش پانڈے نے بادل نخواستہ دونوں ہاتھوں سے بونٹ اوپر اٹھادیا...... شیر خان جھک کر انجن میں کسی تار کو نکالنے کی کوشش کرنے لگا...... پھر جلدی سے پیچھے ہٹ کر بولا۔

"تار کا پیچ ڈھیلا ہو گیا...... ابھی اسے کس دیتا ہوں...... پیچ کس لے آؤں......

پیچھے سیٹ کے نیچے اوزاروں میں پڑا ہے۔"

یہ کہہ کر اس سے پہلے کہ سریش پانڈے کو یہ سوچنے کا وقت ملتا کہ پچھلی سیٹ پر اس کی انتہائی سیکرٹ دستاویز والا بریف کیس پڑا ہے شیر خان تیز تیز چلتا پیچھے گیا...... کھڑکی کھول کر اندر کو جھکا...... پچھلی سیٹ کو ذرا اوپر اٹھایا...... اس کے اندر جو دھماکہ خیز ٹیپ والا بریف کیس پڑا تھا اسے نکال کر اوپر والی سیٹ پر رکھا اور اوپر والی سیٹ کا ماسٹر کاپی والا بریف کیس سیٹ کے نیچے رکھ دیا اور وہیں سے ایک بڑا پیچ کس نکال کر اپنے آپ بولتا ہوا بونٹ کی طرف بڑھا۔

"سر! شما کر دیجئے گا...... میں نے آپ کو بڑی تکلیف دی ہے...... کل اس کا پرزہ ہی بدلوالوں گا۔"

سریش پانڈے کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ ٹیکسی ڈرائیور ایک انتہائی اہم کمانڈو مشن پر ہے اور اس نے اس کے بریف کیس کو دوسرے بریف کیس سے بدل دیا ہے...... دوسری بات یہ تھی کہ شیر خان نے یہ کام اتنی تیزی اور مہارت سے کر دیا تھا کہ اسے بمشکل پندرہ سیکنڈ لگے تھے...... اس کام کی اس نے ایک سو ایک مرتبہ ریہرسل کر رکھی تھی...... شیر خان پیچ کس لے کر انجن پر جھک گیا اور یونہی ایک پیچ کو تھوڑا سا کس دینے کے بعد سریش پانڈے کے ہاتھوں سے بونٹ خود پکڑ لیا اور بولا۔

"بس مہاراج! اب آپ تشریف رکھیں...... میں نے نقص دُور کر دیا ہے۔"

سریش پانڈے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا اور ٹیکسی ڈرائیور کو برا بھلا کہتا پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا...... سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے بریف کیس کو دیکھا...... اس کا بریف کیس اسی طرح پچھلی سیٹ پر پڑا تھا، مگر نہیں جانتا تھا کہ یہ وہ بریف کیس نہیں ہے جس کو لے کر اور جس میں ایٹمی ڈیٹا کے راز کی ماسٹر کاپی ڈال کر وہ اپنے فلیٹ سے نکلا تھا...... یہ اس کے بریف کیس کی ہو بہو نقل تھا...... وہ دوسرا بریف کیس تھا جس میں مجاہدوں نے خوفناک دھماکہ خیز مواد والی ٹیپ اندر لگا رکھی تھی اور اس کا وزن درست رکھنے کی

خاطر یونہی دو تین بیکار فائلیں اس کے اندر رکھ دی تھیں۔

شیر خان جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی سٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھایا اور بولا۔

"سر! دیکھ لینا گاڑی اب ہوا سے باتیں کرے گی...... دس منٹ میں ایئرپورٹ پہنچادوں گا۔"

اور شیر خان نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی...... شیر خان نے گہرا سانس لیا......

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس قدر نازک، اس قدر اہم اور خطرناک مرحلے میں سے وہ اتنی آسانی کے ساتھ اور اتنی جلدی گزر گیا ہے۔

اس سارے ڈرامے کو شیر خان کی ٹیکسی سے پیچھے آتے لیڈر اور ارسلان نے بھی دیکھ لیا تھا...... جب شیر خان نے گاڑی سڑک سے اتار کر کھڑی کی تھی اور لیڈر کے اشارے پر کبیر خان نے بھی جیپ ایک طرف کھڑی کر دی تھی...... پھر جو کچھ ہوا، یعنی شیر خان کا باہر نکل کر گاڑی کے بونٹ تک جانا...... بونٹ کو اٹھانا...... پھر کچھ کہنا اور اس کے بعد ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر سے نکل کر سریش پانڈے کا شیر خان کی طرف جانا...... پھر سریش پانڈے کا بونٹ کو سہارا دینا اور شیر خان کا پچھلی سیٹ کی طرف جانا...... یہ سارا منظر ارسلان اور لیڈر نے مضطرب نگاہوں سے دیکھا تھا...... لیڈر نے آہستہ سے کہا تھا۔

"خدا کرے کہ شیر خان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہو۔"

پھر جب انہوں نے شیر خان کو ٹیکسی کا دروازہ بند کرتے بونٹ کی طرف جاتے دیکھا تو ارسلان نے کہا۔

"مجھے یقین ہے شیر خان نے اپنا کام کر دیا ہے۔"

اس کے بعد جب ٹیکسی کا بونٹ شیر خان نے گرادیا اور سریش پانڈے واپس پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور ٹیکسی چل پڑی تھی تو لیڈر نے کہا تھا۔

"میرا خیال ہے کام ہو گیا ہے...... کبیر خان، جیپ پیچھے لگادو۔"

اور کبیر خان نے ایک خاص فاصلہ رکھ کر جیپ کو شیر خان کی ٹیکسی کے پیچھے لگادیا تھا...... شیر خان بالکل مطمئن ہو کر ٹیکسی کو خالی سڑک پر کافی سپیڈ پر لئے جا رہا تھا...... سریش پانڈے پچھلی سیٹ پر گاڑی کی رفتار سے مطمئن ہو کر بیٹھا تھا...... وہ بریف کیس جس میں دھماکہ خیز بارودی مادہ لگا ہوا تھا اس نے اپنا بریف کیس سمجھ کر اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا تھا۔

دُور سے ایئرپورٹ کی روشنیاں نظر آنے لگیں...... شیر خان نے بلند آواز میں کہا۔

"دیکھ لیں سر! میں نے آپ کو دس منٹ میں پہنچادیا ہے۔"

سریش پانڈے نے کوئی جواب نہ دیا...... ٹیکسی ایئرپورٹ کے گیٹ پر آکر رُک گئی...... یہاں گاڑیوں کی چیکنگ ہوتی تھی...... گارڈ نے آگے بڑھ کر سریش پانڈے کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔

"سر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

اس دوران دوسرا گارڈ لمبے راڈ والے ڈی ٹیکٹر سے گاڑی کی ڈکی کھول کر یہ چیک کر رہا تھا کہ گاڑی میں کوئی بم وغیرہ تو نہیں رکھا ہوا...... اسے کیا خبر تھی کہ اسی گاڑی میں ایک ایسی خطرناک بم ٹیپ کی شکل میں بریف کیس کے اندر چپکا دیا گیا ہے کہ جس کو دنیا کا کوئی ڈی ٹیکٹر چیک نہیں کر سکتا...... اس دوران سریش پانڈے نے کوٹ کی جیب میں سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر گارڈ کو دکھایا تو اس نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ ایسا سرکاری شناختی کارڈ تھا کہ جس کو دیکھ کر کوئی بھی سریش پانڈے کو نہیں روک سکتا تھا...... شیر خان نے بھی گاڑی کے لائسنس اور رجسٹریشن کے کاغذ نکال کر ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے...... جب گارڈ نے سریش پانڈے کا شناختی کارڈ دیکھ کر "ٹھیک ہے سر" کہا تو شیر خان نے کاغذات بڑھاتے ہوئے کہا۔

"سر! یہ میرا لائسنس ہے۔"

گارڈ بولا۔

"آگے بڑھو۔"

اور شیر خان نے ٹیکسی آگے بڑھادی۔

اس دوران پیچھے آنے والی جیپ کبیر خان نے کافی پیچھے ایک طرف کھڑی کر دی تھی...... لیڈر اور ارسلان بڑی تشویش کے ساتھ ٹیکسی کی چیکنگ ہوتے دیکھ رہے تھے...... یہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا، لیکن یہ مرحلہ بھی جب خیریت سے گزر گیا اور شیر خان کی ٹیکسی ایئرپورٹ کی حدود میں داخل ہو گئی تو لیڈر نے سانس لے کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔"

اس کے فوراً بعد لیڈر نے کبیر خان سے کہا۔

"کبیر خان! گاڑی نکال کر پیچھے لے چلو۔"

کبیر خان نے وہیں سے گاڑی کو موڑا اور اسے لے کر ایئرپورٹ کی دائیں جانب ایک کچی سڑک پر آگیا...... وہ جگہ پہلے سے طے کر لی گئی تھی جہاں جیپ کو کھڑی کر کے انہیں شیر خان کی واپسی کا انتظار کرنا تھا...... شیر خان نے ٹیکسی ڈیپارچر لاؤنج کے باہر روک دی اور جلدی سے باہر نکل کر سریش پانڈے کے لئے دروازہ کھول دیا...... سریش پانڈے نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"کتنے پیسے بنے ہیں تمہارے؟"

نقلی بریف کیس سریش پانڈے نے ایک ہاتھ سے اپنے سینے کے ساتھ لگا رکھا تھا...... شیر خان نے سوچا کہ اسے معلوم ہی نہیں اس نے اپنی موت کو سینے کے ساتھ لگایا ہوا ہے...... اس نے کہا۔

"سر! پندرہ روپے بنے ہیں؟"

سریش پانڈے نے جیب سے بٹوہ نکال کر شیر خان کو گن کر پندرہ روپے دیئے

اور کہا۔

"اس میں تمہارا ٹپ بھی شامل ہے؟"

شیر خان نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں سر!"

شیر خان اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا...... اس نے میٹر کو گھما کر نارمل کیا اور سریش پانڈے پر ایک نگاہ ڈالی...... اُدھیڑ عمر سریش پانڈے اپنی موت والے بریف کیس کو سینے سے لگائے نپے تلے قدم اٹھاتا ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھ رہا تھا...... شیر خان نے ٹیکسی آگے بڑھادی...... ایئرپورٹ کی حدود سے نکلنے کے بعد اس نے گاڑی کو اسی سڑک پر ڈال دیا جس سڑک پر تھوڑی دیر پہلے کبیر خان ارسلان اور لیڈر جیپ لے کر گئے تھے...... کبیر خان جیپ کو چلاتے ہوئے کافی آگے نکل گیا تھا۔

ایئرپورٹ کی روشنیاں ان کی دائیں جانب پیچھے رہ گئی تھیں...... یہ کچی سڑک آگے جا کر بائیں طرف نئی کالونی کی طرف مڑ جاتی تھی...... ان کی بائیں جانب قد آدم خاردار باڑ لگی ہوئی تھی جس پر فاصلے فاصلے پر بتیاں روشن تھیں...... یہ ایئرپورٹ کے رن وے کی حد بندی تھی...... ان کی جیپ وہاں سے بھی آگے نکل گئی اور ایک ایسی جگہ پر آکر درخت کے نیچے رُک گئی جہاں کچھ فاصلے پر سے جہاز اترتے اور ٹیک آف کرتے دُور سے نظر آجاتے تھے...... لیڈر نے کبیر خان سے کہا۔

"تم شیر خان کے آنے پر ٹیکسی لے کر واپس چلے جاؤ گے۔"

ٹھیک ہے شاہ جی! کبیر خان بولا۔

جیپ کی ساری بتیاں بجھادی گئی تھیں...... وہ درخت کے نیچے رات کے اندھیرے میں سڑک پر پیچھے کی جانب دیکھ رہے تھے...... شیر ان نے اس سڑک پر واپس ان کے پاس آنا تھا...... اسے معلوم تھا کہ انہوں نے اس جگہ ملاپ کرنا ہے...... شیر خان نے بھی اپنی ٹیکسی کی بتیاں بجھا رکھی تھیں...... ٹیکسی کی چھت والی لال بتی

پہلے ہی سے بجھی ہوئی تھی...... جب مسافر ٹیکسی میں بیٹھتا ہے تو ڈرائیور چھت والی لال بتی بجھادیا کرتے ہیں...... سریش پانڈے کے اترنے کے بعد شیر خان نے لال بتی روشن نہیں کی تھی...... اسے ضرورت ہی نہیں تھی...... اس کی ٹیکسی نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سڑک پر دُور سے گاڑی کے انجن کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی اور کبیر خان بولا۔

"شیر خان آرہا ہے۔"

ارسلان اور لیڈر جیپ میں بیٹھے سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھے...... اس سڑک پر بجلی کا کوئی کھمبا نہیں تھا...... رات کی تاریکی میں سڑک پر دُور سے انہیں ایک گاڑی آتی دکھائی دی...... گاڑی کے انجن کی آواز بھی قریب ہوتی جارہی تھی...... کبیر خان بولا۔

"سر! یہ میری گاڑی کی آواز ہی ہے۔"

دوسرے لمحے شیر خان کی گاڑی اندھیرے میں سے نکل کران کی جیپ کے پاس آکر کھڑی ہوگئی...... شیر خان گاڑی سے جلدی سے باہر نکل آیا...... ارسلان لیڈر اور کبیر خان بھی جیپ میں سے نکل کران کے پاس آگئے۔

"کام ہو گیا؟" لیڈر نے جلدی سے پوچھا۔

شیر خان نے کہا۔

"سب ٹھیک ہو گیا سر! دھماکہ خیز مواد والا بریف کیس سریش پانڈے کے پاس ہے اور اس کا بریف کیس پچھلی سیٹ کے نیچے پڑا ہے۔"

لیڈر نے اس وقت پچھلی سیٹ کو اوپر اٹھا کر نیچے دیکھا...... سیٹ کے اندر بریف کیس پڑا تھا...... لیڈر نے بریف کیس نکال کر اسے غور سے دیکھا اور کبیر خان سے کہا۔

اسے کھول۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر بریف کیس کی چابی الگ الگ ہوتی ہے اور اس بریف کیس کی چابی سریش پانڈے اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا...... کبیر خان تالے کھولنے کا ماہر تھا اور وہ ایک خاص اوزار اس مقصد کے لئے ساتھ لے کر آیا تھا...... اس نے اسی وقت بریف کیس کو کھول دیا...... ارسلان اور لیڈر ٹیکسی کے اندر بیٹھ گئے تھے...... کبیر خان اور شیر خان ٹیکسی کے باہر کھڑے تھے...... لیڈر نے چھوٹی ٹارچ کی روشنی میں بریف کیس میں رکھے کاغذات کو اُلٹنا پلٹنا شروع کیا تو اسے ایک بادامی رنگ کا لفافہ نظر آیا...... اس نے لفافے کو کھولا تو اس میں سے کمپیوٹر کی ایک ڈسک نکلی جو ایک اور لفافے میں بند کر کے رکھی گئی تھی...... لیڈر نے ڈسک کے درمیان میں لکھے ہوئے کوڈ نمبروں کو غور سے دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"شیر خان! یہی وہ ماسٹر کاپی کی ڈسک ہے جس کی ہمیں ضرورت تھی۔"

لیڈر نے ڈسک کو لفافے میں ڈالا اور لفافہ بند کر کے اپنے کوٹ کی اندر کی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا اور کبیر خان سے کہا۔

"کبیر خان! تم ٹیکسی لے کر فوراً واپس چلے جاؤ۔"

کبیر خان اسی وقت ٹیکسی میں بیٹھا اور اسے سٹارٹ کر کے وہاں سے نکل گیا...... لیڈر، ارسلان اور شیر خان جیپ میں آکر بیٹھ گئے...... لیڈر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا...... ارسلان اور شیر خان اس کے ساتھ والی ایک ہی کشادہ سیٹ پر بیٹھے تھے...... لیڈر نے جیپ سٹارٹ کر دی اور اسے وہاں سے آگے نکال کر جہاں کھیت شروع ہو جاتے تھے وہاں لا کر ایک گھنے درخت کی اوٹ میں کھڑی کر دی...... جیپ کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں...... جیپ کا رُخ کھیتوں کی طرف تھا، جہاں سے ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے پر ایئر پورٹ کا رن وے آکر ختم ہو جاتا ہے اور جہاز کافی پیچھے سے ٹیک آف کر جاتے تھے، جس ٹرانسپورٹ طیارے کو دیکھنے کے لئے یہ لوگ وہاں چھپ کر بیٹھے تھے اسے بھی یہیں سے ٹیک آف کرنا تھا...... جہاز کی فلائٹ ان لوگوں کی اطلاع کے

مطابق رات ایک بجے کے بعد تھی جو ایک بجکر پندرہ منٹ یا ایک بجکر بیس منٹ ہی ہو سکتی تھی...... وہاں سے رن وے تو دکھائی نہیں دیتا تھا مگر جب کوئی بڑا جہاز اُڑان بھرنے کے لئے رن وے پر دوڑنے لگتا تھا تو وہاں سے جہاز نظر آجاتا تھا، لیکن یہ رات کا وقت تھا...... رات کے وقت انہیں صرف جہاز کی روشنی ہی دکھائی دے سکتی تھی۔

دُور سے رن وے کی دونوں جانب جلتی روشنیاں ستاروں کی طرح جھلملاتی دکھائی دے رہی تھیں...... ان میں سے کوئی بھی بات نہیں کر رہا تھا...... سب پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی...... وہ بار بار اپنی اپنی گھڑیاں دیکھ لیتے تھے...... آخر شیر خان نے خاموشی کے طلسم کو توڑتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے فلائٹ کا ٹائم ہو گیا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" لیڈر نے آہستہ سے کہا۔

سب کی نظر دُور اس جگہ لگی ہوئی تھیں جہاں سے رات کے اندھیرے میں انہیں دوڑتے ہوئے طیارے کی روشنی نظر آنی تھی...... ابھی تک وہاں کچھ بھی نہیں تھا...... سب کے دل میں ایک ہی خیال آرہا تھا کہ کہیں بریف کیس کا راز نہ کھل گیا ہو اور فلائٹ منسوخ نہ کر دی گئی ہو، مگر زبان سے اس کا کوئی بھی اظہار نہیں کر رہا تھا...... شیر خان کے دل میں بھی طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہو رہے تھے۔

اچانک دُور سے ایک جانب سے روشنی کا غبار سا گھوم کر ایک طرف کو مڑتا دکھائی دیا...... لیڈر نے چونک کر کہا۔

"طیارہ ٹیک آف پوائنٹ پر آرہا ہے۔"

اس کا اندازہ صحیح تھا...... دلی سے مدراس جانے والا ٹرانسپورٹ طیارہ L-119 رن وے پر ٹیک آف کرتے ہوئے اپنے ٹیک آف پوائنٹ کی طرف گھوم گیا تھا...... اس کی ہیڈ لائٹیں روشن تھیں...... یہی روشنی انہیں غبار کی شکل میں ایک طرف کو مڑتی ہوئی نظر آئی تھی...... دوسرے لمحے انہیں طیارے کی تیز روشنی نظر آنے

لگی...... پھر یہ روشنی بجھ گئی۔ لیڈر نے کہا۔

"طیارہ ٹیک آف کرنے والا ہے۔"

طیارہ L-119 ٹیک آف پوائنٹ پر آکر کھڑا ہو گیا تھا...... اس طیارے میں سریش پانڈے اپنا بریف کیس گود میں رکھے سیٹ پر بیٹھا تھا...... چار باڈی گارڈ جو ایئرپورٹ کے اندر سے اس کے ساتھ ہو گئے تھے اور انہوں نے سریش پانڈے کو اپنی حفاظت میں لے لیا تھا...... اس کے آگے اور پیچھے سیٹوں پر بیٹھے تھے...... یہ مسافر بردار طیارہ نہیں تھا...... مال لانے لے جانے والا طیارہ تھا مگر اس کے اندر چھ سات نشستیں بنا دی گئی تھیں...... طیارے کے دونوں ہوابازوں اور عملے کے دوسرے ارکان کو بھی علم نہ تھا کہ سریش پانڈے بریف کیس میں کیا لے جا رہا ہے...... باڈی گارڈ کو بھی صرف اتنا ہی علم تھا کہ یہ شخص اٹامک کمیشن کی کوئی بڑی اہم دستاویز ساتھ لے کر جا رہا ہے جس کی حفاظت از حد ضروری ہے۔

ان میں سے کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس وقت سریش پانڈے بریف کیس میں صرف ایک تباہ کن بم لے کر جا رہا ہے جس کے پھٹنے کے بعد طیارے کے پرخچے اُڑنے والے تھے...... وہ بارہ کے بارہ کریٹ بھی طیارے میں لدے ہوئے تھے جن کے اندر مختلف نوادرات تھے اور جن میں سے ہر کریٹ کے ڈھکنے کے اندر کی سائیڈ پر دھماکہ خیز ٹیپ چپکی ہوئی تھی...... یہ ٹیپ پچاس پچاس من وزنی ایک درجن بموں کے دھماکے سے کم شدت کی نہیں تھی۔

ٹرانسپورٹ طیارہ L-119 ٹیک آف پوائنٹ پر کھڑا تھا اور اس کے چاروں جیٹ انجن سٹارٹ ہو چکے تھے جن کی گونج ارسلان اور لیڈر اور شیر خان کو اتنے فاصلے پر بھی سنائی دے رہی تھی...... پھر ایک دم سے طیارہ پوری رفتار کے ساتھ رن وے پر دوڑنے لگا...... طیارے کی سرخ اور نیلی روشنی دُور سے قریب آتی جا رہی تھی...... پھر طیارے نے اُڑان بھری اور زمین سے بلند ہونا شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مجاہدوں

کی جیپ سے کچھ فاصلے پر ان کے اوپر سے شور مچاتا گزر گیا...... لیڈر نے طیارے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ٹرانسپورٹ طیارہ ہی ہے۔"

اس کے بعد لیڈر نے جیب میں سے ریموٹ کنٹرول نکال کر اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اس کے لاک کو کھول دیا...... یہ لاک اس کے خطرناک بٹن کو بند کرنے کے لئے لگایا جاتا تھا...... لیڈر جیپ سے باہر آیا...... شیر خان اور ارسلان بھی اس کے ساتھ ہی جیپ سے باہر آ گئے...... لیڈر نے ریموٹ کنٹرول کا رُخ جس طرف طیارہ آسمان پر پرواز کرتے ہوئے بلندی حاصل کر رہا تھا اس کی طرف کر دیا تھا...... لیڈر نے آہستہ سے کہا۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ ٹرانسپورٹ طیارہ L-119 ہی ہے یا کوئی دوسرا طیارہ ہے۔"

طیارہ رات کی تاریکی میں آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہو رہا تھا...... اس کے نیچے وائرلیس کی سرخ اور نیلی بتیاں بار بار جل رہی تھیں اور پھر لیڈر نے ریموٹ کنٹرول کا سرخ بٹن دبا دیا...... بٹن کے دبتے ہی فضا میں ایسے روشنی ہوئی جیسے بے شمار آسمانی بجلیاں ایک ساتھ چمک اُٹھی ہوں...... اس کے دو سیکنڈ بعد دو زبردست دھماکوں کی آواز سے رات کا سناٹا درہم برہم ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ طیارے کے جلتے ہوئے ٹکڑے تیزی سے زمین کی طرف گر رہے تھے۔

لیڈر نے ریموٹ کنٹرول جیب میں رکھا اور کہا۔

"یہاں سے نکل چلو۔"

تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کی جیپ رات کے سناٹے میں دلی شہر کی دُور سے نظر آتی روشنیوں کی طرف بھاگی جا رہی تھی...... آدھے گھنٹے کے بعد وہ اپنی خفیہ کمیں گاہ میں داخل ہو رہے تھے...... اس وقت رات کے تین بجنے والے تھے...... لیڈر نے

چھوٹے سے کمرے میں آتے ہی ایٹمی کمپیوٹر ڈیٹا کی ماسٹر کاپی والی ڈسک جیب سے نکالی...... لفافے میں سے ڈسک کو نکال کر اس کا بھرپور جائزہ لیا اور شیر خان سے کہا۔

"یہ اصلی ماسٹر کاپی ہی ہے...... کل میں اسے اپنے دوسرے خفیہ ٹھکانے میں لے کر جاؤں گا اور اسے کمپیوٹر میں ڈال کر اس کو فیڈ کر دوں گا تاکہ اگر ڈسک گم بھی ہو جائے تو اس کا ڈیٹا ہمارے پاس محفوظ رہے...... اب ہمیں سو جانا چاہئے...... کسی قسم کی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اور وہ وہیں ایک طرف پڑ کر سو گئے...... اپنے مشن کی کامیابی کے بعد انہیں بڑی گہری نیند آئی اور وہ دوسرے دن دس گیارہ بجے تک سوئے رہے...... جب اٹھے تو کبیر خان اخبار لئے وہاں موجود تھا...... اس نے لیڈر کو اخبار دیا...... اخبار میں شہ سرخی کے ساتھ جہاز کی تباہی کی خبر چھپی ہوئی تھی...... نیچے صرف اتنا ہی لکھا تھا کہ رات دلی ایئرپورٹ سے ایک ٹرانسپورٹ طیارہ L-119 فنی خرابی کے باعث پرواز کے تھوڑی دیر بعد ہی تباہ ہو گیا...... اسے دہشت گردی کی کارروائی نہیں سمجھا جا رہا...... ایئرپورٹ کے ذمے دار ذرائع کا کہنا ہے کہ یہ حادثہ جہاز کے ایک انجن میں اچانک آگ بھڑک اٹھنے اور پھر پٹرول کی ٹینکی کے پھٹنے سے ہوا ہے۔

لیڈر نے کہا۔

"بھارتی حکومت کو یہی کہنا چاہئے تھا...... وہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اس جہاز میں ایک انتہائی اہم خفیہ دستاویز لے جائی جا رہی تھی۔"

جہاز کی تباہی کی خبر اٹامک کمیشن کے ہیڈ آفس میں پہنچی تو اسی وقت کمیشن کے ڈائریکٹر جنرل کو وزیر دفاع کے بنگلے پر طلب کر لیا گیا۔

وزیر دفاع نے ڈائریکٹر جنرل کو پہلا سوال یہ کیا۔

"اٹامک کمپیوٹر ڈیٹا ہمارے ماسٹر پلانٹ میں فیڈ ہو چکا تھا؟"

ڈی جی نے کہا۔

"جی ہاں...... ہم اس طرف سے کیسے غافل رہ سکتے تھے...... ہم نے سیکرٹ ایٹمی ڈیٹا کو سات جگہوں پر فیڈ کیا ہوا ہے...... جہاز کے کریش ہو جانے کی وجہ سے اگر اس کی ماسٹر کاپی ضائع ہو گئی ہے تو کیا ہوا...... اس قسم کے حادثات کے پیش نظر ہم نے ایٹمی ڈیٹا اپنے پاس فیڈ کر کے محفوظ کر کے رکھ لیا تھا۔"

وزیر دفاع نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ کریش کیوں ہوا؟ ہم اس کی پوری پوری انکوائری کریں گے...... ہمیں یہ دہشت گردی کا واقعہ لگتا ہے...... ہم نے ایئر پورٹ کے آدھے عملے کو معطل کر دیا ہے۔"

بھارتی حکومت کو علم ہی نہیں تھا کہ جس ایٹمی راز کو انہوں نے اپنے خیال میں جہاز کے تباہ ہو جانے کے باوجود اپنے پاس چھپا کر رکھا ہوا تھا وہ راز ماسٹر کاپی کمپیوٹر ڈسک کی شکل میں کشمیری مجاہدین کے پاس پہنچ چکا تھا اور چونکہ حکومت اور انڈین اٹامک انرجی کمیشن کو پورا یقین تھا کہ ان کا انتہائی خفیہ ایٹمی راز ابھی تک ان کے پاس محفوظ ہے اور ماسٹر کاپی کی ڈسک کسی دوسرے ملک کے ہاتھ لگنے کی بجائے سریش پانڈے کے ساتھ ہی جہاز میں جل کر راکھ ہو گئی ہے، اس لئے انہیں اس ایٹمی فارمولے میں کسی قسم کی فنی تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اور کمانڈو ارسلان، شیر خان اور لیڈر یہی چاہتے تھے اور جو کچھ وہ چاہتے تھے وہ اس میں کامیاب ہو گئے تھے...... اسی دن لیڈر اپنی دوسری خفیہ کمیں گاہ میں پہنچ گیا...... وہاں اس نے جاتے ہی ایٹمی سیکرٹ والی ماسٹر کاپی کو کمپیوٹر میں فیڈ کر کے اس کو اپنے پاس محفوظ کر لیا...... اب یہ ماسٹر کاپی انہیں پاکستان پہنچانی تھی تا کہ پاکستان اپنے دشمن ہمسایہ ملک کی پاکستان دشمن سرگرمیوں سے باخبر رہے اور ان کا توڑ دریافت کر سکے...... بھارت کے پاکستان دشمن جارحانہ عزائم کے خلاف یہ اقدامات انتہائی ضروری تھے اور پاکستان کے دفاع کا تقاضا بھی یہی تھا۔

اسی رات لیڈر نے خصوصی میٹنگ کی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ایٹمی راز کی کمپیوٹر

ماسٹر کاپی کمانڈو شیر خان لے کر پاکستان جائے گا...... اس مہم کے سلسلے میں شیر خان کو دلی سے پہلے کشمیر جانا تھا اور پھر وہاں سے بارڈر کراس کر کے پاکستان پہنچنا تھا...... یہ ایک تو لمبا سفر تھا دوسرے دلی سے جموں کشمیر تک راستے میں سی آئی ڈی نے طیارے کے کریش کے بعد اپنا پورا جال پھیلا دیا ہوا تھا...... اس کی پوری رپورٹیں لیڈر کے خفیہ ہیڈ کوارٹر تک پہنچ رہی تھیں...... کمانڈو ارسلان نے کہا۔

"شیر خان کو پاکستان پہنچانے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا؟"

"دوسرے طریقے بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس وجہ سے ہمارے سامنے کئی مسائل آ سکتے ہیں...... میرے نزدیک شیر خان کو آزاد کشمیر کی پہاڑیوں میں ہی کسی جگہ سے کنٹرول لائن عبور کرنی ہو گی...... کیوں شیر خان تمہارا کیا خیال ہے؟"

شیر خان اچھی طرح جانتا تھا کہ لیڈر کی تجویز انتہائی معقول ہے، اس نے کہا۔

"سر! میں آپ کی تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔"

لیڈر کہنے لگا۔

"لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا ہو گا کہ اس بار تم اکیلے ہی اس مہم پر نہیں جا رہے ہو گے تمہارے ساتھ ایک ایسے قیمتی راز کی دستاویز بھی ہو گی جس کو پاکستان پہنچانا از حد ضروری ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں اس مہم کی اہمیت سے واقف ہوں سر! آپ مطمئن رہیے...... یہ دستاویز انشاء اللہ بہت جلد پاکستان کے متعلقہ حکام کے پاس ہر حالت میں اور بہت جلدی پہنچ جائے گی۔"

"انشاء اللہ!"

لیڈر اور کمانڈو ارسلان نے بیک زبان ہو کر کہا...... ارسلان کہنے لگا۔

"جموں کشمیر تک میں تمہارے ساتھ ہی ہوں گا...... اس کے بعد البتہ تمہیں خود

سفر کرنا ہوگا۔"

شیر خان بولا۔

"وہ میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔"

لیڈر نے کہا۔

"ایٹمی ڈیٹا کی اس ماسٹر کاپی کو سنبھال کر رکھنا۔"

شیر خان نے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں...... میں اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ حفاظت کروں گا۔"

دوسرا دن سفر کی تیاری میں گزر گیا۔

شیر خان نے کمپیوٹر کی ڈسک کو لفافے میں بند کر کے لفافے کو ایک لمبے رومال میں لپیٹا اور پھر اسے اپنے پیٹ کے ساتھ بنیان کے اندر باندھ لیا تھا...... دلی سے کمانڈو ارسلان اور شیر خان رات کے وقت گاڑی میں سوار ہوئے...... دوسرے دن صبح کے وقت وہ امرتسر پہنچ گئے...... اس دفعہ بھی وہ جالندھر کی بجائے امرتسر سے وایا پٹھان کوٹ جموں تک سفر کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جالندھر کا علاقہ حساس علاقہ تھا اور وہاں خطرہ زیادہ تھا...... امرتسر میں شیر خان کو صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ دہشت گرد بھوشن کی پارٹی کا کوئی آدمی اسے دیکھ نہ لے، کیونکہ ان لوگوں کا ہیڈ کوارٹر امرتسر میں ہی تھا۔

اس خطرے سے بچنے کے لئے شیر خان نے یہ کیا کہ اس نے گلوبند سے اپنا آدھا چہرہ چھپالیا...... ارسلان اس کے ساتھ تھا...... دونوں سٹیشن پر اترنے کے فوراً بعد امرتسر پٹھان کوٹ سروس کے لاری اڈے پر آگئے اور الگ جگہ پر بیٹھ گئے...... سردیوں کا موسم تھا...... ان پہاڑی علاقوں کی طرف لوگ کم سفر کرتے تھے...... صرف لوکل یعنی دکاندار اور سرکاری لوگوں کا ہی زیادہ آنا جانا تھا...... انہیں لاری کے لئے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا...... ایک لاری ابھی پوری بھری بھی نہیں تھی کہ وہ جموں کی طرف روانہ ہوگئی...... ارسلان اور شیر خان الگ الگ سیٹوں پر لاری میں بیٹھے تھے...... وہ کسی

قسم کا اسلحہ وغیرہ ساتھ لے کر نہیں چلے تھے...... اسلحہ لے کر جموں پٹھان کوٹ کے علاقے میں سفر کرنا ان کے لئے خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔

وہ خیریت سے جموں پہنچ گئے۔

جموں سے انہوں نے ایک دوسری لاری پکڑی جس نے انہیں سرینگر پہنچادیا...... راستے میں معمولی سی ایک جگہ چیکنگ ہوئی لیکن خیریت ہی رہی...... سرینگر اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچے۔ کر ایک دن بعد کمانڈو شیر خان نے آزاد کشمیر کی جانب اپنا خطرناک سفر شروع کر دیا...... یہ بڑا دشوار گزار اور خطرناک سفر تھا...... کنٹرول لائن کی دونوں جانب دونوں ملکوں کی فوجوں نے مورچے سنبھال رکھے تھے، لیکن کمانڈو شیر خان کے ساتھ ایک گائیڈ تھا جو اسے بڑے خفیہ اور نسبتاً کم خطرے والے علاقے میں سے لے جارہا تھا...... ایک جگہ آکر گائیڈ نے کہا۔

"یہاں سے تمہیں اکیلے ہی سفر کرنا ہوگا...... یہ ایک کھائی تم دیکھ رہے ہو...... اس کی دوسری جانب آزاد کشمیر کی پہاڑی شروع ہو جاتی ہیں۔"

گائیڈ شیر خان کو چھوڑ کر واپس چلا گیا...... شیر خان کھائی میں اتر گیا...... کھائی کے دونوں کنارے اونچے تھے اور وہاں کافی جیسے پنجابی میں کانے کہتے ہیں ان کی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں...... کھائی خشک تھی اور چھوٹے بڑے پتھر ہر طرف بکھرے ہوئے تھے...... شیر خان اس علاقے سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا...... وہ کھائی کے کنارے کی اونچی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے چلا جارہا تھا...... اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ یہ نو مینز لینڈ، بھارت کا بارڈر ہے یا پاکستان کا بارڈر ہے۔

اچانک اسے دھماکوں کی دھیمی دھیمی گونج سنائی دینے لگی...... وہ رُک گیا...... اس نے کان لگا کر سنا...... یہ توپ کے گولوں کے دھماکے تھے اور گولے کہیں دُور پھٹ رہے تھے...... کنٹرول لائن پر بھارت کی فوج آزاد کشمیر کے علاقے میں کنٹرول لائن کے پار گولہ باری کرتی ہی رہتی تھی...... اس کے بعد دوسری طرف سے بھی گولے

آکر پھٹنے لگے...... ان گولوں کے دھماکے قریب سنائی دے رہے تھے...... یہ آزاد کشمیر کی فوج کی جوابی گولہ باری تھی...... اس وقت کنٹرول لائن عبور کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا...... شیر خان وہیں جھاڑیوں کے پاس بیٹھ گیا اور گولہ باری بند ہونے کا انتظار کرنے لگا...... کوئی ایک گھنٹے کے بعد دونوں طرف سے گولہ باری رُک گئی۔

شیر خان اُٹھ کر چلنے لگا۔

کھائی آگے جاکر بائیں جانب مڑ گئی...... جہاں کھائی مڑتی تھی شیر خان وہاں جاکر رُک گیا...... وہ سوچنے لگا کہ کھائی سے باہر نکلے یا کھائی کے اندر ہی چلتا جائے...... کچھ پتہ نہیں تھا کہ کھائی جو دائیں طرف مڑتی ہے آگے جاکر کہاں نکل آتی ہے...... آخر اس نے کھائی سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا...... اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کا دُھندلکا آہستہ آہستہ گہرا ہو رہا تھا...... شیر خان کھائی سے باہر نکل آیا۔

کھائی کے کنارے پر آتے ہی وہ بیٹھ گیا اور گہری ہوتی شام کے دُھندلکے آہستہ آہستہ گہرے ہو رہے تھے...... شیر خان کھائی سے باہر آیا۔

کھائی کے کنارے پر آتے ہی وہ بیٹھ گیا اور گہری ہوتی شام کے دُھندلکے میں سامنے کی جانب دیکھنے لگا...... سردی کی وجہ سے دُھند درختوں کے درمیان پھیلنے لگی تھی...... جب اندھیرا ذرا گہرا ہو گیا تو شیر خان اٹھا اور سامنے کی سمت چل پڑا...... یہ جنگلاتی علاقہ تھا...... دونوں جانب اونچی اونچی پہاڑیاں تھیں...... شیر خان رات کی تاریکی میں ایک خاردار باڑھ کے قریب آکر رُک گیا...... یہ کنٹرول لائن کی باڑھ ہی ہو سکتی تھی...... آگے جاکر باڑھ ایک جگہ سے کٹی ہوئی تھی اور وہاں کافی بڑا شگاف پڑ گیا تھا...... شاید یہاں کسی طرف سے آکر کوئی گولہ پھٹا تھا...... نیچے ایک گڑھا بھی بنا ہوا تھا جس میں سے بارود کی بو آرہی تھی...... گولے کو پھٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

شیر خان خاردار باڑ کے شگاف میں سے دوسری طرف گزر گیا...... اتنا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مقبوضہ کشمیر کی طرف سے کنٹرول لائن پار کر کے آزاد کشمیر میں

داخل ہو چکا ہے...... رات کی تاریکی میں درخت اور جھاڑیاں دُھندلی نظر آرہی تھیں...... شیر خان بے حد احتیاط سے کام لے رہا تھا...... تھوڑی دُور چل کر رُک جاتا...... اِردگرد کا جائزہ لیتا اور پھر چلنے لگتا...... اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی...... وہ وہیں جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا...... آواز قریب آرہی تھی۔

پھر اسے اندھیرے میں دو انسانی سائے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے...... قریب آئے تو یہ دونوں فوجی وردی میں تھے...... پتہ نہیں یہ بھارتی فوجی تھے یا آزاد کشمیر کی بارڈر فورس کے جوان تھے...... شیر خان سانس روکے جھاڑیوں کے پیچھے چھپا رہا...... دونوں فوجی جوان باتیں کرتے جا رہے تھے...... یہ پٹرول پارٹی تھی...... ان کی گفتگو سے شیر خان فوراً سمجھ گیا کہ یہ مسلمان ہیں...... ان میں سے ایک فوجی نے انشاءاللہ کہا تھا۔

اس کے باوجود شیر خان ان کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا...... جب دونوں جوان کافی آگے نکل گئے تو شیر خان اٹھا اور سامنے والی پہاڑی کی جانب چلنے لگا...... وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں آگیا...... گاؤں میں جو چند ایک مکان تھے وہ گولہ باری سے تباہ ہو چکے تھے اور وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا...... شیر خان آگے نکل گیا...... اسی طرح پہاڑیوں میں سفر کرتا رہا اور پھر ایک گاؤں آگیا جہاں کسی مرغ کے اذان دینے کی آواز آرہی تھی۔

ایک جانب ذرا بلندی پر چبوترے پر ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کے چھوٹے سے صحن میں لالٹین روشن تھی...... شیر خان کو ایک آدمی صحن میں چلتا پھرتا دکھائی دیا...... شیر خان نے اس طرف جانا مناسب نہ سمجھا اور ذرا فاصلے پر سے ہو کر آگے چلا گیا...... یہاں جوار کے کھیت تھے جن میں فصل کھڑی تھی...... کھیتوں کے درمیان تنگ سی پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی...... شیر خان اس پگ ڈنڈی پر چل رہا تھا کہ اچانک کھیت میں سے ایک آدمی نکل کر اس کے سامنے آگیا...... اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

”کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟“

شیر خان رُک گیا...... اس آدمی نے کھیس کی بکل ماری ہوئی تھی...... شیر خان نے کہا۔

”بھائی میں مسلمان ہوں...... اگلے گاؤں جانا ہے راستہ بھول گیا ہوں۔“

اس آدمی نے بڑے غور سے شیر خان کو دیکھا اور بولا۔

”کون سے گراں سے آئے ہو؟“

شیر خان نے یونہی ایک گاؤں کا نام لے دیا...... اس آدمی نے کہا۔

”جانا کہاں ہے؟“

شیر خان نے کہا۔

”بھائی اگر تم مجھے یہ بتادو کہ راولا کوٹ یہاں سے کس طرف ہے تو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی...... مجھے راولا کوٹ ہی جانا ہے۔“

اس آدمی نے کہا۔

”راولا کوٹ تو یہاں سے بڑی دُور ہے۔“

شیر خان نے پوچھا۔

”کوئی ایسی سڑک بتادو جہاں سے مجھے راولا کوٹ والی بس مل سکتی ہے۔“

وہ آدمی بولا۔

”رات کے اندھیرے میں تم راستے میں بھٹک جاؤ گے...... میرے ساتھ گھر چلو، رات آرام کرو...... صبح میں تمہیں ایک آدمی کے ساتھ کردوں گا وہ تمہیں وہاں چھوڑ آئے گا جہاں سے تمہیں راولا کوٹ والی لاری مل جائے گی۔“

شیر خان نے کبھی ایسا کیا نہیں تھا، مگر جانے کیوں اس نے اس آدمی پر اعتبار کرلیا اور اس کے ساتھ چل پڑا...... شاید اسے یہ خیال تھا کہ وہ آزاد کشمیر کے علاقے میں ہے...... یہاں اسے کیا خطرہ ہو سکتا ہے...... وہ آدمی اسے اپنے چھوٹے سے دیہاتی

مکان میں لے آیا...... ایک کوٹھڑی میں چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا...... اس آدمی نے کہا۔

”میرا نام جہانگیر ہے...... میں کاشتکار ہوں...... تم آرام کرو...... میں صبح آؤں گا۔“

اور وہ چلا گیا...... شیر خان نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کردیا اور بستر پر لحاف اوڑھ کر لیٹ گیا...... دُور اندیشی کا تقاضا یہی تھا کہ اسے آرام سے لحاف اوڑھ کر نہیں لیٹنا چاہئے تھا...... اسے اس آدمی کا پیچھا کرنا چاہئے تھا کہ وہ کہاں جاتا ہے، مگر شیر خان پر غفلت غالب آچکی تھی...... حالانکہ ایسی غلطی اس نے اپنی ساری کمانڈو لائن میں کبھی نہیں کی تھی۔

وہ لحاف اوڑھے چارپائی پر لیٹا ہوا تھا مگر اسے نیند نہیں آرہی تھی...... اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا کہ خدا جانے یہ آدمی کون تھا...... اسے اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے تھا، لیکن شیر خان اس کے باوجود گرم بستر میں ہی پڑا رہا...... کچھ دیر کے بعد اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا کہ خطرہ نزدیک آرہا ہے...... شیر خان جلدی سے لحاف پرے پھینک کر اُٹھ کھڑا ہوا...... جیسے ہی وہ دروازے کی طرف بڑھا اسے باہر آدمیوں کے باتیں کرنے اور قدموں کی آواز سنائی دی...... شیر خان نے جلدی سے دروازہ کھول کر باہر دیکھا...... جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا اس پر طاقتور ٹارچ کی روشنی پڑی اور ساتھ ہی کسی نے رعب دار آواز میں کہا۔

”خبردار! حرکت نہ کرنا...... ورنہ گولی سے اُڑادیں گے۔“

ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر سے نیچے ہوگئی...... اس کی ہلکی روشنی میں شیر خان نے تین فوجی جوانوں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں اور گنوں کا رُخ شیر خان کی طرف تھا...... ان کے آگے ایک اور فوجی جوان تھا جس نے ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے ہاتھ میں ٹارچ پکڑی ہوئی تھی...... تینوں فوجی وہیں پوزیشن میں کھڑے رہے...... چوتھا جوان شیر خان کے قریب آگیا...... اس نے پوچھا۔

”کون ہو تم؟“

اتنے میں ایک طرف سے وہی آدمی نمودار ہوا جس نے اپنا نام جہانگیر بتایا تھا اور جو شیر خان کو کوٹھڑی میں لے کر آیا تھا...... وہ کہنے لگا۔

"صاحب! یہ بھارت کا جاسوس ہے...... یہ ہندو ہے مگر اپنے آپ کو مسلمان بتا رہا تھا۔"

فوجی جوان نے دوسرے فوجیوں سے کہا۔

"اسے لے چلو۔"

تینوں فوجی شیر خان کی طرف بڑھے...... ایک نے شیر خان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور دوسرے فوجیوں نے شیر خان کے بازو پیچھے کر کے رسی سے جکڑ دیئے اور اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف چل پڑا...... چونکہ شیر خان کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ آزاد کشمیر کے علاقے میں ہے اور یہ آزاد کشمیر کی رجمنٹ کے جوان ہیں اس لئے اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی تھی۔

فوجی جوان شیر خان کو کچھ فاصلے پر ایک زمین دوز مورچے میں لے آئے...... یہاں آکر اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی...... وہاں ایک لالٹین روشن تھی...... جو فوجی نوجوان تھا اس کی وردی پر ایک پھول لگا تھا...... یہ لیفٹیننٹ تھا...... اس نے شیر خان سے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

شیر خان نے کہا۔

"عبدالسلام۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" نوجوان افسر نے کہا...... "تم ہندو ہو اور یہاں جاسوسی کرنے آئے ہو۔"

پھر اس نے ایک فوجی کو حکم دیا۔

"حوالدار کریم داد! اس کی تلاشی لو۔"

شیر خان کی تلاشی لی گئی تو اس کے پیٹ کے ساتھ کپڑے سے بندھی ہوئی ایٹمی ڈیٹا والی ڈسک برآمد ہوئی...... اسے دیکھ کر نوجوان افسر چونکا...... اس نے کہا۔

"یہ کیا ہے؟"

شیر خان نے کہا۔

"سر! یہ پاکستان کی بڑی قیمتی امانت ہے جسے میں جان کا خطرہ مول لے کر یہاں تک لایا ہوں...... اس میں کیا ہے؟ یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔"

نوجوان فوجی افسر نے حوالدار سے کہا۔

"اس کو ایک طرف لے جا کر دیکھو کہ یہ مسلمان ہے کہ ہندو ہے؟"

حوالدار کریم داد شیر خان کو کونے میں لے گیا اور اس کا معائنہ کرنے کے بعد بولا۔

"سر! یہ مسلمان ہے۔"

فوجی افسر نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ مسلمان بھارتی جاسوس ہے...... اسے کونے میں بٹھا دو۔"

شیر خان کو کونے میں بٹھا دیا گیا...... حوالدار کریم داد سٹین گن لئے اس کے سر پر کھڑا ہو گیا...... فوجی افسر نے ٹیلی فون کی ہتھی تین چار مرتبہ زور زور سے گھمائی اور کسی سے کہا۔

"سر! ہم نے ایک مسلمان بھارتی جاسوس پکڑا ہے جس کے پاس سے کمپیوٹر کی ایک ڈسک برآمد ہوئی ہے...... بس سر! وہ کہتا ہے یہ پاکستان کی امانت ہے۔"

یس سر!

فوجی افسر نے ٹیلی فون بند کر کے حوالدار کریم داد سے کہا۔

"کریم داد! اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو...... کیپٹن صاحب نے پیچھے ہیڈ کوارٹر میں بلایا ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

”آپ مسلمان ہیں...... آزاد کشمیر فوج کے افسر ہیں...... میری آپ سے ایک ہی درخواست ہے کہ اس کمپیوٹر ڈسک کو حفاظت سے رکھئے گا۔“

”خاموش رہو“ نوجوان فوجی افسر نے شیر خان کو جھڑک کر کہا۔

اس کے بعد شیر خان کو ایک جیپ میں بٹھا کر پیچھے لے جایا گیا...... جیپ ٹیلوں کے درمیان اونچے نیچے راستوں پر کچھ دیر چلتی رہی...... پھر ایک جگہ رُک گئی...... شیر خان کو بازو سے پکڑ کر نیچے اتارا گیا...... یہاں اسے ایک کمرے میں آزاد کشمیر کی رجمنٹ کے کیپٹن صاحب کے سامنے پیش کر دیا گیا...... شیر خان کی آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی تھی...... شیر خان نے دیکھا کہ اس کے سامنے کرسی پر ایک خوش شکل بارعب چہرے والا کیپٹن رینک کا فوجی افسر بیٹھا تھا...... جو نوجوان لیفٹننٹ شیر خان کو ساتھ لایا تھا اس نے کمپیوٹر ڈسک والا لفافہ کیپٹن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”سر! یہ ڈسک اس کی تلاشی لینے پر برآمد ہوئی ہے۔“

کیپٹن نے لفافے میں سے ڈسک کو نکال کر اسے غور سے دیکھا...... پھر اسے لفافے میں ڈال کر اپنے پاس میز پر رکھ دیا اور شیر خان سے پوچھا۔

”سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو؟ اس ڈسک میں جو کچھ ہے وہ ہمیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا...... لیکن بہتر یہی ہے کہ تم خود ہی ہمیں بتا دو کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے اور تم کس مشن پر آئے ہو...... اگر تم نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔“

شیر خان ان لوگوں کو کمپیوٹر ڈسک کے بارے میں اصل حقیقت نہیں بتا سکتا تھا اور یہ لوگ اسے آسانی سے چھوڑنے والے بھی نہیں تھے...... اسے ڈر تھا کہ اس کش مکش میں کمپیوٹر ڈسک غائب نہ ہو جائے...... شیر خان نے کچھ سوچ کر کیپٹن سے کہا۔

”سر! میں آپ کو ایک نمبر دیتا ہوں...... اس نمبر پر فون کریں۔“

کیپٹن نے پوچھا۔

”اس قسم کی چالاکیاں یہاں نہیں چلیں گی...... سیدھی طرح ہمیں سب کچھ بتا دو نہیں تو تمہیں الٹا لٹکا دیں گے...... پھر تم سب کچھ اپنے آپ بتا دو گے۔“

یہ فوجی کیپٹن بھی سچا تھا...... اسے شیر خان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہئے تھا...... اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ شیر خان کون ہے اور اپنے ساتھ کیا لے جا رہا ہے...... شیر خان نے کہا۔

”سر! میری درخواست ہے کہ آپ اس نمبر پر جو میں آپ کو دیتا ہوں فون کر لیں...... اس کے بعد آپ بے شک مجھے اُلٹا لٹکا دیں۔“

کیپٹن نے ایک لمحے کے لئے شیر خان کو گھور کر دیکھا...... پھر پوچھا۔

”یہ کس کا نمبر ہے۔“

شیر خان نے کہا۔

”سر! جس کا نمبر ہے وہ خود ہی آپ کو بتا دے گا...... پلیز آپ فون کریں...... یہ بہت ضروری ہے۔“

”نمبر بتاؤ۔“ کیپٹن نے کاغذ پنسل لے کر کہا...... شیر خان نے اسے ایک نمبر بتایا...... کیپٹن نے نمبر کاغذ پر لکھ لیا...... پھر شیر خان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

”تم فون پر کیا پیغام دینا چاہتے ہو؟“

شیر خان نے کہا۔

”انہیں کہئے کہ سیکرٹ نمبر سات سو چھیاسٹھ ہماری حراست میں ہے۔“

کیپٹن کو ابھی تک یقین تھا کہ یہ ہندوستانی جاسوس ہی ہے اور بلف چالیں چل رہا ہے......اس نے نمبر ڈائل کرتے ہوئے شیر خان سے کہا۔

"یادرکھو تمہاری کوئی بلف چال یہاں نہیں چلے گی۔"

نہیں چلے گی۔

نمبر ڈائیل ہو چکا تو کیپٹن نے ریسیور کان کے ساتھ لگالیا...... دوسری طرف سے گھنٹی بج رہی تھی...... تیسری گھنٹی پر کسی نے دوسری طرف سے پوچھا۔

"نام بتاؤ۔"

کیپٹن کو اس قسم کے سوال کی توقع نہیں تھی......اس نے کہا۔

"تم اپنا نام بتاؤ...... کون بول رہا ہے۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تم نے کس نمبر پر فون کیا ہے؟"

کیپٹن نے جھلا کر کہا۔

"جو تمہارا نمبر ہے اسی نمبر پر فون کیا ہے میں نے۔"

دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

"اگر تم نے اپنا نام نہ بتایا تو فون بند کر دیا جائے گا۔"

شیر خان نے یہ مکالمے سنے تو جلدی سے کہا۔

"سر! انہیں وہ جملہ دہرائیں جو میں نے آپ کو کہا ہے۔"

کیپٹن نے غصے میں شیر خان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"سیکرٹ نمبر چھ سو چھیاسٹھ ہماری حراست میں ہے۔"

دوسری جانب سے ایک سیکنڈ کی خاموشی کے بعد آواز آئی۔

"اس سے پوچھو جنوبی علاقے میں کیا ہو رہا ہے؟"

کیپٹن نے شیر خان سے کہا۔

"کوئی پوچھ رہا ہے کہ جنوبی علاقے میں کیا ہو رہا ہے؟"

یہ ایک خفیہ کوڈ تھا...... شیر خان کو معلوم تھا کہ اس کے جواب میں جب وہ کوڈ الفاظ میں ایک جملہ دہرائے گا تو دوسری طرف اس کی تصدیق ہو جائے گی کہ میں شیر خان ہی ہوں اور اس کے ساتھ ہی یہ کوڈ تبدیل کر دیا جائے گا، کیونکہ یہ کوڈ ظاہر ہو گیا ہو گا...... شیر خان نے کہا۔

"اسے کہو کہ محمود غزنوی نے دوار کا بڑا بت پاش پاش کر دیا ہے۔"

کیپٹن نے سخت غصے اور بیزاری کے عالم میں یہ جملہ دہراتے ہوئے کہا۔

"وہ کہہ رہا ہے کہ محمود غزنوی نے دوارکا کا بڑا بت پاش پاش کر دیا ہے۔"

اس کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اس آدمی کو اپنے پاس ہی رکھو...... ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم کہاں سے فون کر رہے ہو...... ہماری اگلی کال کا انتظار کرو۔"

کیپٹن نے فون رکھ دیا...... شیر خان نے پوچھا۔

"کیا بات ہوئی ہے؟"

کیپٹن نے جھنجھلا کر کرسی سے اُٹھتے ہوئے حوالدار سے کہا۔

"اس کو لے جا کر کوارٹر گارڈ میں بند کر دو۔"

شیر خان خاموش رہا...... حوالدار کریم داد نے آگے بڑھ کر شیر خان کو بازو سے

پکڑ کر جھٹکا دے کر اٹھایا اور کہا۔

"چلو اوئے۔"

اس کے ساتھ ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی...... کیپٹن نے فون اُٹھایا۔

شیر خان رُکنے لگا تو حوالدار نے اسے دھکا دے کر کہا۔

"جانگلی یہ تمہارا فون نہیں ہے...... چلو آگے۔"

اس دوران کیپٹن نے فون سن لیا تھا...... دوسری طرف سے ایک آواز آئی تھی۔

"میں ایریا کمانڈر...... بول رہا ہوں...... تم نے جس آدمی کو پکڑ رکھا ہے اس کو اپنی حفاظت میں لے لو...... اسے کسی قسم کی گزند نہ پہنچے...... میں میجر ملک کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں...... وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ لے آئے گا۔"

کیپٹن فوراً سمجھ گیا کہ یہ شخص ملٹری انٹیلی جنس کا کوئی افسر ہے اور کسی اہم مشن کے بعد واپس آیا ہے...... کیپٹن نے فون بند کرنے کے بعد حوالدار کریم داد سے کہا۔

"کریم داد! تم جاؤ۔"

کریم داد نے شیر خان کا بازو چھوڑ دیا اور چلا گیا...... کیپٹن نے شیر خان کے پاس آکر اس سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"آئی ایم سوری! لیکن آپ تو جانتے ہیں کہ جب تک ہمیں کوئی ثبوت نہ ملے ہمیں یہ کارروائی کرنی پڑتی ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں...... اب وہ ڈسک میرے حوالے کر دیجئے۔"

"ضرور۔" کیپٹن نے کہا۔

اور اس نے میز پر سے لفافے میں پڑی کمپیوٹر ڈسک شیر خان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں اب میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ اس ڈسک میں کیا ہے، لیکن اتنا

ضرور جان گیا ہوں کہ یہ ہمارے ملک کے لئے کوئی بے حد کارآمد ڈسک ہے۔"

"ایسا ہی سمجھ لیں۔"

شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا...... وہ کرسی پر بیٹھ گیا تھا...... کیپٹن نے اسے بتایا کہ میجر صاحب ابھی اسے لینے کے لئے آرہے ہیں...... کیپٹن نے شیر خان کے لئے چائے اور بسکٹ منگوائے...... پندرہ بیس منٹ کے بعد باہر ایک فوجی ہیلی کاپٹر کی آواز آئی...... کیپٹن نے کھڑکی میں سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"میجر صاحب آگئے ہیں۔"

ہیلی کاپٹر لینڈنگ پیڈ پر آکر رُک گیا...... اس میں سے ایک بڑے اچھے سویلین کپڑوں والا آدمی اتر کر سیدھا کیپٹن کے کمرے میں آگیا...... اس نے شیر خان کی طرف دیکھا...... دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

دونوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا...... میجر نے کہا۔

"کرنل صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں...... میرے ساتھ آجائیں۔"

اور شیر خان ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر کرنل ایس ایس سے ملنے کے لئے چلا گیا...... کرنل ایس ایس اپنے آفس میں بیٹھا تھا...... شیر خان کمرے میں داخل ہوا تو کرنل اسے اُٹھ کر ملا اور دوسرے سائیڈ روم میں لے گیا...... شیر خان نے اسے ڈسک نکال کر دی اور کہا۔

"اس کا ڈیٹا انڈیا میں ہمارے مجاہدوں کے کمپیوٹر میں فیڈ کر دیا گیا ہے...... یہ اس کی ماسٹر کاپی ہے۔"

کرنل نے لفافے میں سے ڈسک نکال کر اسے دیکھا اور کمپیوٹر کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"ا ر بارے میں ہماری انٹیلی جنس نے فل رپورٹ دے دی تھی مگر ہمیں اس پراجیکٹ کے کمپیوٹر ڈیٹے کی تلاش تھی۔"

اس نے ڈسک کو کمپیوٹر میں ڈال کر سکرین پر نگاہیں جمادیں...... شیر خان بھی کمپیوٹر کی سکرین کو دیکھ رہا تھا...... دوسرے ہی لمحے سکرین پر وہ تمام ڈیٹا اُبھرنا شروع ہو گیا جو ہمارے دشمن ملک کا ایک بہت بڑا ایٹمی راز تھا اور جس پر بھارت بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا اور جو پاکستان پر بھارت کے ایٹمی وار ہیڈ میزائلوں کے حملے کی پوری پوری ٹیکنیکل دستاویز تھی۔

کرنل ایس ایس نے پورے ڈیٹے کے مشاہدے کے بعد شیر خان سے کہا۔

"شیر خان! تم نے بہت بڑا کام کیا ہے...... اپنے وطن کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے...... ہمیں تم پر فخر ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"سر! میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

کمانڈو شیر خان نے وہ رات اور اگلا دن وہیں گزارا اور دوسری رات کو کنٹرول لائن ایک خاص مقام سے عبور کی اور سرینگر کی طرف روانہ ہو گیا...... وہ ساری رات پہاڑیوں میں سفر کرتا رہا...... اس سے اگلا دن بھی سفر میں گزر گیا...... رات کو وہ سرینگر کے مضافاتی علاقے میں تھا، جہاں سے وہ اپنی کمیں گاہ میں پہنچ گیا...... کمانڈو ارسلان اسے وہیں مل گیا...... اس نے ارسلان کو بتایا کہ مشن کامیاب رہا اور ایٹمی ڈیٹا ڈسک متعلقہ حکام تک پہنچادی گئی ہے...... ارسلان نے اور دوسرے مجاہدوں نے اسے مبارک باد دی...... ارسلان نے شیر خان سے کہا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

شیر خان نے کہا۔

"مجھے دلی جاکر لیڈر کو مشن کی کامیابی کی رپورٹ کرنی ہو گی...... یہ بہت ضروری ہے۔"

"تمہارا کب واپس جانے کا ارادہ ہے؟"

شیر خان نے کہا۔

"میرا اب یہاں کوئی کام نہیں...... میں کل رات کو ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

ارسلان نے پوچھا۔

"تم اکیلے جاؤ گے یا میں جموں تک تمہارے ساتھ جاؤں؟"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" شیر خان نے کہا۔

ارسلان کہنے لگا۔

"مجاہد اسد جو تمہیں جموں روڈ تک چھوڑ آئے گا۔"

دوسرے دن رات کو شیر خان نے تمام مجاہدوں سے مصافحہ کیا...... ارسلان کو خدا حافظ کہا اور خچر پر بیٹھ گیا...... اس کے ساتھ اسد جو بھی ایک خچر پر بیٹھا تھا...... یہ خچر پہاڑی راستوں پر بڑی آسانی سے سفر کر سکتے تھے...... دونوں مجاہد رات کی تاریکی میں اپنے سفر پر چل پڑے۔

وہ شروع رات کو چلے تھے...... تقریباً ساری رات جنگلاتی ٹیلوں میں سفر کرتے رہے...... پو پھٹ رہی تھی جب وہ اس سڑک پر پہنچ گئے جہاں سے جموں کی طرف جانے والی لاریاں گزرتی تھیں...... مجاہد اسد جو شیر خان کو سڑک پر چھوڑ کر دونوں خچر لے کر واپس چلا گیا...... شیر خان نے کھدر کا کرتہ پاجامہ اور گرم کوٹ پہن رکھا تھا...... اوپر پرانے کمبل کی بکل ماری ہوئی تھی...... اس نے اپنے پاس اتنے ہی پیسے رکھے تھے جتنے پیسوں کی اسے دلی تک ضرورت پڑ سکتی تھی...... اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چاقو یا اسلحہ وغیرہ نہیں تھا۔

بس اللہ توکل چل پڑا تھا۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جموں جانے والی لاری آ گئی...... شیر خان نے پہلے ہی ہاتھ دے رکھا تھا...... وہ لاری میں سوار ہو گیا...... جالندھر پہنچنے تک کمانڈو شیر خان کو چاروں طرف سے ہوشیار رہ کر سفر کرنا تھا...... یہ سارا علاقہ بے حد حساس

علاقہ تھا اور پولیس نے سی آئی ڈی کا جال پھیلا رکھا تھا...... وہ خیریت سے جالندھر پہنچ گیا...... جموں سے ہی وہ دلی جانے والی ٹرین میں بیٹھا تھا...... یہ ٹرین جالندھر سے ہو کر جاتی تھی...... جالندھر سے آگے اسے اتنی زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں تھی...... پھر بھی وہ اِردگرد کے ماحول کا برابر جائزہ لے رہا تھا۔

وہ دلی پہنچ گیا...... اس نے جاتے ہی لیڈر کو رپورٹ کی اور اسے اپنے مشن کی کامیابی کی خبر دی...... لیڈر نے کہا۔

مجھے تمہاری کامیابی کی خبر کل رات کو مل گئی تھی...... ایٹمی ڈیٹا والی ڈسک جہاں ہم پہنچانا چاہتے تھے وہاں پہنچ گئی ہے۔"

اس وقت کبیر خان مجاہد بھی وہاں بیٹھا تھا...... کہنے لگا۔

"یہ کام ذرا مشکل، میرا مطلب ذرا ٹیڑھا تھا، مگر اللہ کا بڑا کرم ہوا کہ سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہو گیا۔"

لیڈر نے شیر خان سے کہا۔

"رات کا کھانا ہم اکٹھے کھائیں گے...... مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے سر!" شیر خان بولا۔

رات کا کھانا لیڈر نے اپنی خفیہ کیمپ گاہ کے چھوٹے سے کمرے میں ہی منگوالیا...... شیر خان اس کے پاس بیٹھا تھا...... دونوں نے کھانا کھایا...... پھر چائے آگئی...... وہ چائے پینے لگے...... شیر خان نے پوچھا۔

"سر! آپ نے کوئی ضروری بات کرنی تھی۔"

لیڈر نے چائے کی پیالی نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہماری جہاد کشمیر کی خفیہ تنظیم بھارت میں ہر جگہ تھوڑا بہت جتنا ممکن ہو سکتا ہے کام کر رہی ہے...... بھارت کے مسلمانوں کے ساتھ یہاں کی حکومت اور کٹر ہندو جماعتیں جو وحشیانہ اور غیر انسانی سلوک کر رہی ہے وہ کوئی

ڈھکی چھپی بات نہیں ہے...... حکومت اور کٹر ہندو جماعتیں یہاں کے مسلمانوں کو ہندو بنانے کی مذموم کوششوں میں دن رات لگی ہوئی ہیں، چنانچہ ہمیں اس کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے...... دوسری طرف ہم کشمیری مسلمانوں کے حق آزادی کے لئے بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں...... جو کرہ ارض کے ہر مسلمان کا فرض ہے...... قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تمہارے ہمسائے میں مسلمانوں پر کافر ظلم کر رہے ہوں تو تم پر جہاد فرض ہو جاتا ہے...... یہ دہشت گردی نہیں ہے...... یہ جہاد ہے جو ہم اپنے دین اسلام کی خاطر کر رہے ہیں...... ہم بھارت کے عوام کے دشمن نہیں ہیں...... یہاں کے عوام خود حکومت کی لائی ہوئی مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں...... ہماری دشمنی اسلام کے دشمنوں، مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ہم مسلمانوں کی بقا اور ان کے جائز حقوق کی حفاظت کے لئے یہ جہاد کر رہے ہیں اور اپنا مقصد حاصل کرنے تک ہمارا جہاد جاری رہے گا...... خواہ اس کے لئے ہمیں کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے...... تم میری بات سمجھ رہے ہو ناں؟"

"سمجھ رہا ہوں سر!" شیر خان نے کہا...... "میں نے اپنی زندگی اس جہاد کے نام لکھ دی ہوئی ہے...... میری ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ مجھے جہاد کرتے ہوئے شہادت نصیب ہو۔"

"آمین" لیڈر نے کہا...... "یہ ہر مسلمان کی خواہش ہے...... یہ تمہید میں نے اس لئے باندھی تھی کہ جو کچھ میں تمہیں بتانے والا ہوں اس کا پس منظر واضح ہو جائے...... اب میں اصل پوائنٹ پر آتا ہوں۔"

لیڈر نے چائے کا آخری گھونٹ پینے کے بعد پیالی نیچے رکھی اور شیر خان کی طرف تھوڑا سا جھک کر کہنے لگا۔

"ہماری خفیہ اسلامی تنظیم یہاں اتنی زیادہ سرگرم نہیں ہے...... ہمارے مجاہدوں کی تعداد بھی محدود ہے...... اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم دشمن کے پیٹ میں بیٹھے

ہیں...... بھارت کی حکومت کو ہماری تنظیم کا بخوبی علم ہے اور اس کی انٹیلی جنس چوبیس گھنٹے ہمارے آدمیوں کی تلاش میں رہتی ہے، لیکن ایک تو ہمارے مجاہدوں کی تعداد محدود ہے...... دوسرے ہم بے حد احتیاط سے کام لیتے ہیں اور انتہائی اہم مشن سرانجام دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ابھی تک بھارت کی خفیہ ایجنسیاں اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود ہمارے خفیہ ٹھکانے کا آج تک سراغ نہیں لگا سکیں، لیکن تین دن پہلے ایک بڑی بد قسمتی کی بات ہو گئی ہے۔“

لیڈر ذرا خاموش ہوا تو شیر خان نے فکر مندی سے پوچھا۔

”وہ کیا سر؟“

لیڈر کہنے لگا۔

”ہمارا ایک مجاہد دلی سیکرٹریٹ سے ایک بڑا اہم خفیہ راز لا رہا تھا کہ اپنی ایک غلطی کی وجہ سے وہ راستے میں ہی پکڑا گیا...... اس کے قبضے سے وہ خفیہ راز بھی ایک کاغذ کی شکل میں برآمد ہو گیا جو اس نے ایک سیکرٹ فائل سے نقل کیا تھا...... پولیس نے اسے سی آئی اے کے حوالے کر دیا جس نے اس کو وحشیانہ اذیتیں دے کر پوچھ گچھ شروع کر دی...... ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ ہمارا مجاہد شہید ہو جائے گا، لیکن اپنی زبان نہیں کھولے گا، لیکن دوسرے ہی دن وہ سی آئی اے کے خفیہ ٹارچر سیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا...... یہ اس نے کیسے کیا؟ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے...... ہمیں صرف اتنی اطلاع ملی ہے کہ اپنا مجاہد فرار ہونے کے بعد ہمارے پاس آنے کی بجائے حیدر آباد دکن پہنچ کر زیر زمین چلا گیا ہے۔“

شیر خان بولا۔

”یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی۔“

لیڈر نے کہا۔

”لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور ٹریجڈی بھی ہو گئی ہے...... مجاہد کے فرار

ہونے کے فوراً بعد دلی کی خفیہ پولیس مجاہد کے گھر پر چھاپہ مار کر اس کی نوجوان بیوی کو پکڑ کر لے گئی ہے۔“

شیر خان کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے...... اس نے پوچھا۔

”پولیس مجاہد کی بیوی کو کہاں لے گئی ہے سر؟“

لیڈر کہنے لگا۔

”ابھی تک ہمیں اس کا پتہ نہیں چل سکا، لیکن ہمارے آدمی معلوم کرنے کی بڑی سرگرمی سے کوشش کر رہے ہیں...... جیسے ہی ہمیں پتہ چلا کہ اس بے گناہ خاتون کو پولیس نے کس جگہ قید میں رکھا ہوا ہے، ہم اسے وہاں سے نکالنے کی سر توڑ کوشش کریں گے اور اس وقت تک کوشش کرتے رہیں گے جب تک کہ مجاہد کی بیوی کو بھارتی پولیس کے چنگل سے نکال نہیں لیتے اور یہ کام تمہاری سرکردگی میں انجام دیا جائے گا۔“

شیر خان بولا۔

”سر! مجھے پوری طرح تیار سمجھیں۔“

لیڈر نے کہا۔

”مجھے پوری امید ہے کہ کل شام تک ہمیں یہ علم ہو جائے گا کہ مجاہد کی نوبیاہتا بیوی کو اغوا کرنے کے بعد بھارتی پولیس نے اسے کہاں رکھا ہوا ہے۔“

شیر خان کہنے لگا۔

”سر! میں یہیں ہوں...... جیسے ہی ہمیں اطلاع ملی میں اس بے گناہ مسلمان خاتون کو بھارتی درندوں کی قید سے نکالنے کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔“

”مجھے اپنے ہر مجاہد سے یہی امید ہے۔“ لیڈر نے کہا۔

شیر خان نے کہا۔

”لیکن سر! مجاہد کی بیوی کو تو کچھ بھی معلوم نہیں ہے وہ انڈین پولیس کو کیا

بتا سکے گی؟"

لیڈر نے کہا۔

"بھارتی خفیہ ایجنسی مجاہد کی بیوی سے یہ ضرور معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ مجاہد کو ملنے کون کون لوگ آتے تھے اور وہ کہاں کہاں جایا کرتا تھا، لیکن پولیس کا اصل مقصد مجاہد کی بیوی کو یرغمالی بنا کر مجاہد کو برآمد کرنا ہے، چنانچہ پولیس کی طرف سے کل کے اخباروں میں یہ خبر چھپوادی گئی ہے کہ فلاں نام کا ایک خطرناک مجرم جیل سے فرار ہو گیا ہے...... پولیس نے اس کی بیوی کو گرفتار کر کے اپنی تحویل میں لے لیا ہے اور اس سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے...... پولیس جانتی ہے کہ جب یہ خبر مجاہد تک پہنچے گی تو وہ بے چین ہو جائے گا، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ پولیس اس کی بیوی کو شدید تشدد کا نشانہ بنا رہی ہو گی، چنانچہ وہ اپنی بیوی کی عزت اور زندگی بچانے کے لئے ممکن ہے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دے۔"

شیر خان بولا۔

"دلی پولیس بڑا گھناؤنا کھیل کھیل رہی ہے۔"

لیڈر کہنے لگا۔

"اس لئے تو ہم چاہتے ہیں کہ مجاہد کی بیوی کو جیسے بھی ہو اور جتنی جلدی ممکن ہو پولیس کی قید سے نکال کر کسی جگہ روپوش کر دیا جائے، کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ پولیس اس وقت تک مجاہد کی بے گناہ بیوی کو نہیں چھوڑے گی جب تک کہ مجاہد اپنے آپ کو پولیس کے حوالے نہیں کر دیتا اور مجاہد کی شادی کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا۔"

شیر خان نے بڑے جذبے کے ساتھ کہا۔

"سر! مجھے بتایئے کہ مجاہد کی بیوی کا سراغ لگانے کے لئے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

لیڈر نے جواب میں کہا۔

"اس بارے میں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں...... ہم نے جن آدمیوں کو اس کام پر لگایا ہے وہ پوری تن دہی سے یہ کام کر رہے ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ پولیس اور خفیہ ایجنسی اس بے گناہ خاتون کو کہاں کہاں قید میں رکھ سکتی ہے...... انشاءاللہ دو ایک دن میں ہی اس کا سراغ مل جائے گا...... تمہارا مشن اس کے بعد شروع ہو گا۔"

شیر خان نے ایک خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ مجاہد اپنی بیوی کے دباؤ میں آ کر خود کو پولیس کے آگے پیش کر دے؟"

لیڈر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ایسا نہیں ہو گا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں آج صبح دکن سے اپنے مجاہد کا پیغام موصول ہوا ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ میری طرف سے مطمئن رہیں...... میں اس صورت حال سے گھبرا کر خود کو پولیس کے حوالے نہیں کروں گا...... چاہے مجھے بڑی سے بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔"

تھوڑے توقف کے بعد لیڈر کہنے لگا۔

"ایسا فیصلہ مجاہد نے اس وجہ سے بھی کیا ہے کہ اس کی بیوی کو ہماری خفیہ تنظیم کے کسی راز کا علم نہیں ہے...... وہ پولیس کو کچھ بھی نہیں بتا سکے گی، لیکن اگر مجاہد پولیس کے ہاتھ آ گیا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کبھی زبان نہیں کھولے گا...... تشدد برداشت کرتے کرتے مر جائے گا لیکن پولیس کو کچھ نہیں بتائے گا، لیکن اسے معلوم ہے کہ اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں ایسے ایسے انجکشن اور دوسرے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں کہ جس کی وجہ سے آدمی کا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے...... وہ نیم بے ہوش ہو جاتا ہے اور اس نیم بے ہوشی میں وہ انجکشن کے اثر کی وجہ سے اپنے سارے راز خود بخود اُگل دیتا ہے...... مجاہد صرف اسی وجہ سے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ اس کو ہمارے سارے راز معلوم ہیں...... اسے خطرہ ہے کہ کہیں خفیہ

ایجنسی والے اس کو کوئی انجکشن دے کر اس سے سارے راز معلوم نہ کر لیں اور خود مجاہد کو خبر بھی نہ ہو کہ اس نے نیم بے ہوشی میں کیا کچھ کہہ دیا ہے۔"

"یہ بہت بڑی قربانی ہے۔" شیر خان نے کہا۔

لیڈر کہنے لگا۔

"اس لئے تو ہمیں اپنے ہر مجاہد پر فخر ہے، لیکن ہم مجاہد کی بیوی کو ہر حال میں بر آمد کرنا چاہتے ہیں...... یہ ہم پر فرض عائد ہوتا ہے۔"

اس گفتگو کے بعد دو دن گزر گئے...... مجاہد کی بیوی کا کوئی سراغ نہ مل سکا کہ پولیس نے اسے کہاں رکھا ہوا ہے...... تیسرے دن شام کا وقت تھا کہ وہ مجاہد جسے کھوج لگانے کے لئے بھیجا ہوا تھا اچانک خفیہ کیمپ گاہ میں آ گیا...... شیر خان اور لیڈر اس وقت اپنے چھوٹے کمرے میں بیٹھے اسی موضوع پر باتیں کر رہے تھے...... اس مجاہد کو دیکھ کر لیڈر نے بغیر کوئی اور بات کئے پوچھا۔

"اچھی خبر ہے یا بری خبر ہے؟"

اس مجاہد نے لیڈر کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھی خبر لایا ہوں سر! اپنے سرفروش کی بیوی رتناگری کے پرانے قلعے میں قید ہے۔"

لیڈر مجاہد کا منہ تکنے لگا...... پھر پوچھا۔

"کیا تم نے اس کی تصدیق کر لی ہے؟"

مجاہد نے کہا۔

"سر! میں تصدیق کرنے کے بعد آپ کو یہ خبر دے رہا ہوں، جس آدمی نے یہ جاسوسی کی ہے وہ قلعہ رتناگری کا پرانا چوکیدار ہے...... اس نے خود مجاہد کی بیوی کو پولیس کی گاڑی میں قلعے کے اندر جاتے دیکھا ہے۔"

"اس چوکیدار کا نام کیا ہے؟" لیڈر نے پوچھا۔

مجاہد نے کہا۔

"اس کا نام رحیم خان ہے...... مجاہد کی بیوی زیب النساء کے قلعے میں لائے جانے کے بعد اب قلعے کے باہر پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا ہے اور رحیم خان کو ایک ماہ کی چھٹی دے کر گاؤں بھیج دیا گیا ہے...... رحیم خان کا گاؤں قلعے سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔"

لیڈر نے کہا۔

"کیا تم رحیم خان کو اور رحیم خان تمہیں جانتا ہے؟"

مجاہد نے کہا۔

"جی نہیں...... لیکن جس مجاہد نے مجھے یہ خبر لا کر دی ہے وہ رحیم خان کو اچھی طرح سے جانتا ہے اور رحیم خان بھی اسے جانتا ہے۔"

لیڈر نے کہا۔

"اس آدمی کا نام کیا ہے؟"

مجاہد بولا۔

"اس کا نام شاہ نواز خان ہے...... وہ ہماری تنظیم کا ہمدرد ہے۔"

"کیا تم اسے یہاں لا سکتے ہو؟" لیڈر نے پوچھا۔

مجاہد بولا۔

"وہ میرے ساتھ ہی رتناگری سے دلی آیا ہے...... میں صبح اسے لا سکتا ہوں۔"

لیڈر نے کہا۔

"ہمارے پاس وقت نہیں ہے...... یہ تم بھی جانتے ہو...... کیا تم ابھی جا کر اسے یہاں نہیں لا سکتے؟"

مجاہد بولا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں ابھی جا کر اسے لے آتا ہوں...... وہ جس حالت میں بھی ہوگا میرے ساتھ چل پڑے گا...... وہ ہماری تنظیم کا رکن نہیں ہے لیکن اس نے

وقت پڑنے پر ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا ہے۔"

لیڈر نے کہا۔

"تم ابھی جاکر اسے لے آؤ۔"

مجاہد چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شیر خان کہنے لگا۔

"میں نے رتناگری کے پرانے قلعے کا نام ضرور سنا ہے...... یہ کس جگہ پر واقع ہے؟"

لیڈر نے کہا۔

"یہ صوبہ مہاراشٹر میں واقع ہے...... کسی زمانے میں یہاں ایک مرہٹہ سردار حکومت کرتا تھا...... وقت گزرنے کے ساتھ یہ قلعہ ویران ہو گیا...... اس مرہٹہ سردار کی اولادیں بھی نہ رہیں...... قلعہ ویران ہو چکا ہے مگر اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر مہاراشٹر کی حکومت نے اس کی تھوڑی بہت مرمت کرانے کے بعد وہاں ایک چوکیدار مقرر کر دیا تھا۔"

شیر خان نے کہا۔

"مہاراشٹر تو ملک کے مغرب میں دلی سے کافی دُور ہے...... پولیس کو مجاہد کی بیوی زیب النساء کو اتنی دُور لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

لیڈر بولا۔

"پولیس اور انٹیلی جنس کو معلوم ہے کہ دلی ہماری تنظیم کا گڑھ ہے...... اسے خطرہ تھا کہ ہمارے مجاہد زیب النساء کو فرار کرانے کی کوشش کر سکتے ہیں...... اس خیال سے وہ اسے دلی سے زیادہ سے زیادہ دُور لے گئے ہیں۔"

شیر خان نے کہا۔

"اگرچہ میں نے رتناگری کا قلعہ آج تک نہیں دیکھا مگر صوبہ مہاراشٹر میرے لئے نیا نہیں ہے...... میں مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش کے علاقوں میں کافی گھوما ہوں۔"

لیڈر کہنے لگا۔

"یہ بات تمہارے مشن میں کام آئے گی۔"

ویسے یہ آدمی شاہ نواز خان بھی تمہیں کافی گائیڈ کرے گا...... اس کے علاوہ اپنا مجاہد کبیر خان بھی تمہارے ساتھ ہو گا...... وہ صوبہ مہاراشٹر میں کئی سال رہ چکا ہے اور مراٹھی زبان بول اور سمجھ لیتا ہے۔

شیر خان نے کہا۔

"لیکن کیا کبیر خان کو کمانڈو مشن کا پہلے کوئی تجربہ ہے؟"

"کافی تجربہ ہے۔" لیڈر نے کہا...... "باقی تم اسے گائیڈ کرنا...... یہ ایمرجنسی ہے...... ہمارے پاس ارسلان نہیں ہے...... اس کی جگہ تمہیں کبیر خان سے کام لینا ہو گا...... کبیر خان بڑا دلیر اور جان باز قسم کا مجاہد ہے۔"

دونوں سرفروش باتیں کرتے رہے...... نئے مشن، نئی مہم کے بارے میں صلاح مشورہ کرتے رہے...... رات کے دس بجے اپنا مجاہد شاہ نواز کو لے کر آگیا...... شاہ نواز پختہ عمر کا دُبلا پتلا آدمی تھا...... کنپٹیوں پر بال تھوڑے تھوڑے سفید ہو رہے تھے...... اس نے آتے ہی لیڈر اور شیر خان کو سلام کیا...... مجاہد نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"سر! یہ شاہ نواز ہے۔"

شاہ نواز بڑے ادب سے لیڈر کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔

"شاہ جی! حکم کریں مجھے کیا کرنا ہو گا...... اگر میں آپ کی تنظیم کے اور اسلام کے کسی کام آ سکوں تو میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

لیڈر نے کہا۔

"یہ تو تمہیں معلوم ہو چکا ہو گا کہ بھارتی پولیس ہمارے ایک سرفروش مجاہد کی بیوی کو اغوا کر کے لے گئی ہے اور اسے رتناگری کے قلعے میں بند کر دیا ہے۔"

شاہ نواز بولا۔

"جی ہاں...... یہ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے اور میں نے اپنے مجاہد کی بیگم کو پولیس کی ایک گاڑی میں قلعے کے اندر جاتے ہوئے بھی دیکھا ہے...... مجھے قلعے کے پرانے چوکیدار رحیم خان نے بتایا تھا کہ ایک مسلمان عورت کو پولیس پکڑ کر قلعے میں لے آئی ہے اور یہ کوئی جاسوس عورت لگتی ہے، کیونکہ اس کے قلعے میں آنے کے بعد قلعے کو پولیس نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے...... میں نے چوکیدار رحیم خان سے کہا تھا کہ کیا میں اپنی آنکھوں سے اس عورت کو دیکھ سکتا ہوں، اس نے کہا کہ اس عورت کو روزانہ دوپہر کے وقت قلعے سے گاڑی میں بٹھا کر کسی جگہ لے جایا جاتا ہے...... تم ایک جگہ چھپ کر بیٹھ جانا اور جب پولیس اسے لے کر جائے گی تو تم اسے دیکھ سکو گے، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اس عورت کو پولیس کی گاڑی میں سپاہیوں کے درمیان بیٹھے دیکھ لیا۔"

لیڈر نے شاہ نواز سے کہا۔

"اب تمہیں ایک کام کرنا ہوگا...... تم ہمارے دو آدمیوں کو چوکیدار رحیم خان کے گھر لے جاؤ گے...... ہمارے آدمیوں کا رحیم خان سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

شاہ نواز بولا۔

"میں حاضر ہوں جناب...... آپ کل کہیں میں کل ہی انہیں لے کر رتناگری کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" لیڈر نے کہا...... تم ایسا کرو کہ کل شام کے وقت یہاں آ جاؤ...... شیر خان اور ہمارا دوسرا مجاہد کبیر خان تمہارے ساتھ جائیں گے...... کیا ہم چوکیدار رحیم خان پر اعتبار کر سکتے ہیں؟"

شاہ نواز بولا۔

"سر! رحیم خان مرد مومن ہے...... اسلام کا عاشق ہے...... اس کی سب سے بڑی حسرت یہی ہے کہ وہ جہاد کشمیر میں حصہ لے سکے، لیکن بڑھاپے کی وجہ سے وہ

کشمیر کے محاذ پر نہیں جا سکتا...... وہ یہ کام اپنا دینی فریضہ سمجھ کر کرے گا...... میں آپ کو اس کی ضمانت دیتا ہوں۔"

لیڈر نے کہا۔

"میں یہ اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ اس مشن میں رازداری بے حد ضروری ہے...... ذرا سا بھی راز کھل گیا تو ساری عمارت نیچے گر پڑے گی اور ایک معزز خاتون کی زندگی برباد ہو کر رہ جائے گی۔"

شاہ نواز بولا۔

"سر! ایسا کبھی نہیں ہوگا...... ہم ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔" لیڈر نے کہا...... "اب تم جا سکتے ہو، کل شام کو یہاں بھی آنے کی ضرورت نہیں ہے...... شیر خان اور کبیر خان تمہیں دلی کے ریلوے سٹیشن کے تھرڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں ملیں گے...... شیر خان نے تمہیں دیکھ لیا ہے...... یہ تمہیں پہچان لے گا...... دلی سے صوبہ مہاراشٹر کے شہر کولہاپور کے لئے ٹرین رات کے سوا آٹھ بجے چھوٹتی ہے...... تم اسی ٹرین میں سفر کرو گے...... آگے تمہیں معلوم ہوگا کہ کولہاپور سے رتناگری جانے کے لئے تمہیں کون سی ٹرین یا لاری پکڑنی ہوگی۔"

"وہ سب کچھ جانتا ہوں سر! آپ بے فکر رہیں۔

"اچھا...... اب میں چلتا ہوں۔"

پھر اس نے شیر خان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"انشاءاللہ کل شام سٹیشن پر ملاقات ہوگی۔"

"انشاءاللہ۔" شیر خان نے جواب دیا۔

شاہ نواز اپنے مجاہد کے ساتھ واپس چلا گیا...... لیڈر نے شیر خان سے کہا۔

"اس مشن میں تمہیں اور کبیر خان کو جس چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے تم وہ اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے...... تمہارے خیال میں تمہیں کیا چاہئے ہوگا؟"

کمانڈو شیر خان کہنے لگا۔

"زیب النساء قلعے میں قید ہے...... یہ تو قلعے کو ایک نظر دیکھنے کے بعد ہی اندازہ ہو سکے گا کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا اور ہمیں کس چیز کی ضرورت پڑے گی...... ویسے ہمیں کچھ اسلحہ کی ضرورت ہوگی۔"

لیڈر نے کہا۔

"اسلحہ یہاں سے ساتھ لے جانے میں خطرہ ہے...... میرا خیال ہے ہمیں کبیر خان سے مشورہ کرنا ہوگا۔"

لیڈر نے اس لمحے اپنا ایک خاص آدمی بھیج کر کبیر خان کو گھر سے بلوالیا...... اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ کل شام کو اسے شیر خان کے ساتھ رتناگری جانا ہے...... جب اس سے اسلحہ وغیرہ کی بات کی گئی تو کبیر خان بولا۔

"شاہ جی! میں نے سات سال مہاراشٹر میں گزارے ہیں...... وہاں کے کچھ جانباز مسلمانوں سے میری اچھی خاصی دوستی ہے...... وہاں سے مجھے ہر قسم کا اسلحہ مل جائے گا...... کسی اور چیز کی ضرورت ہوگی تو وہ جانباز اسے بھی مہیا کر دیں گے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ایسا ہو سکے گا؟" لیڈر نے پوچھا۔

کبیر خان بولا۔

"شاہ جی! میں پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں میرے یہ جانباز مرہٹے مسلمان دوست مہاراشٹر میں مسلمان دشمن تحریک شیوسینا کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں اور ان کے پاس ہر قسم کا اسلحہ موجود ہوتا ہے...... اس کی آپ فکر نہ کریں۔"

شیر خان نے کہا۔

"اسلحہ کے علاوہ ہو سکتا ہے ہمیں کسی گاڑی مثلاً جیپ وغیرہ کی بھی ضرورت پڑ جائے۔"

"اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا...... میرے دوستوں کے پاس تین چار گاڑیاں

ہیں...... میں ان سے ایک گاڑی لے آؤں گا...... رتناگری کے جنگل میں ہی ان لوگوں کا ایک خفیہ ٹھکانہ ہے۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"یہ ہمارے حق میں اچھی بات ہوئی ہے...... باقی وہاں جانے کے بعد دیکھا جائے گا۔"

کبیر خان نے کہا۔

"ہمیں وہاں کون اپنے ساتھ لے جا رہا ہے؟"

لیڈر نے کہا۔

"شاہ نواز۔"

"بالکل صحیح مجاہد ہے۔" کبیر خان بولا۔

لیڈر کچھ سوچ کر بولا۔

"تم لوگوں کو اپنا حلیہ بدلنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہاں تمہیں کسی نے ابھی تک نہیں دیکھا...... صرف لباس بدل لینا اور پتلون کی بجائے وہاں کا پہناوا یعنی کرتہ پاجامہ اور اوپر سے گرم کوٹ پہن لینا۔"

کبیر خان بولا۔

"گرم کوٹ کی بھی ضرورت نہیں...... عام ٹھنڈ' کوٹ بھی چلے گا...... مہاراشٹر میں ان دنوں میں بھی موسم خوشگوار ہوتا ہے...... وہاں دلی والی سردی نہیں ہوتی۔"

لیڈر نے کہا۔

"روپے پیسے کی فکر کی ضرورت نہیں ہے تمہیں کل جاتے ہوئے پانچ ہزار روپے مل جائیں گے۔"

کبیر خان کہنے لگا۔

"بہت ہوں گے...... اگر ضرورت پڑ گئی تو میرے مرہٹے جانباز دوست ہماری

مدد کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" لیڈر نے کہا...... "کبیر خان تم کل دوپہر کے بعد ہی یہاں آجانا...... تم لوگوں کو کولہاپور والی گاڑی پکڑنی ہوگی جو رات کے سات اور آٹھ بجے کے درمیان کسی وقت چلتی ہے۔"

کبیر خان دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

دوسرا دن ان لوگوں کا بڑی مصروفیت میں گزرا...... دوپہر سے کچھ پہلے ہی کبیر خان خفیہ کیمپ گاہ پر پہنچ گیا...... وہ اپنے ساتھ کھدر کے دو پاجامے اور کرتے لایا تھا...... یہ کرتے پاجامے انہوں نے وہیں پہن کر اوپر کوٹ پہن لئے...... لیڈر نے شیر خان کو پانچ ہزار روپے چھوٹے اور بڑے کرنسی نوٹوں کی شکل میں دیئے...... شیر خان نے آدھی رقم کبیر خان کے حوالے کر دی...... کبیر خان نے اپنے مجاہد کی اغوا شدہ بیوی زیب النساء کو دیکھا ہوا تھا...... شیر خان کو اس کی ایک فوٹو ان کے گھر سے منگوا کر دکھا دی گئی تھی جسے شیر خان نے اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا۔

جب شام کے ٹھیک چھ بجے تو کمانڈو شیر خان اور کبیر خان اپنے لیڈر سے ہاتھ ملانے کے بعد کیمپ گاہ سے نکل کر دلی ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے...... سٹیشن پر آکر وہ سیدھے تھرڈ کلاس کے مسافر خانے کی طرف آکر ایک جگہ مسافروں کے قریب ہی بیٹھ گئے...... ان کی نگاہیں شاہ نواز کو تلاش کر رہی تھیں...... آخر وہ انہیں نظر آگیا...... شاہ نواز نے کندھے پر ایک تھیلا لٹکایا ہوا تھا...... اس نے شیر خان اور کبیر خان کو دور ہی سے دیکھ لیا تھا...... وہ ان کے پاس آکر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"ٹرین ساڑھے آٹھ بجے روانہ ہوگی...... میں انکوائری سے پتہ کر کے آرہا ہوں...... تھرڈ کلاس کے تین ٹکٹ میں نے لے لئے ہیں۔"

اور اس نے تھیلے میں سے ٹکٹ نکال کر ایک شیر خان کو اور ایک کبیر خان کو دے دیا...... شیر خان کہنے لگا۔

"ہم الگ الگ ڈبوں میں سفر کریں گے اور صرف کولہاپور پہنچنے کے بعد ہی اکٹھے ہوں گے۔"

وہ مسافر خانے میں ہی بیٹھے رہے...... وہیں انہوں نے تھوڑا بہت کھا پی لیا اور ٹھیک آٹھ بجے اٹھ کر پلیٹ فارم پر آگئے...... ٹرین پہلے سے کھڑی تھی...... وہ الگ الگ ڈبوں میں سوار ہو گئے...... ٹرین چل پڑی...... یہ سفر بھی کافی لمبا تھا...... ساری رات اور دوسرا سارا دن سفر میں گزر گیا...... دوسرے روز شام کے وقت ٹرین کولہاپور پہنچی تو وہ اپنے اپنے ڈبوں سے نکل کر ایک دوسرے کے پاس آگئے...... شاہ نواز کہنے لگا۔

"یہاں سے ہمیں رتناگری کے لئے برانچ لائن کی کوئی گاڑی پکڑنی ہوگی...... میں پتہ کر کے آتا ہوں۔"

شاہ نواز پتہ کر کے آیا اور کہنے لگا۔

"رتناگری والی پسنجر ٹرین ایک گھنٹے کے بعد یہاں سے چلے گی۔"

کبیر خان جو ان علاقوں سے اچھی طرح واقف تھا، کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم رات ہو چکی ہوگی جب رتناگری پہنچیں گے۔"

شیر خان نے کہا۔

"رات کے وقت ہمیں پرابلم پڑ سکتی ہے...... کیا رتناگری میں کوئی ہوٹل ہے جہاں ہم ٹھہر سکیں؟"

کبیر خان کہنے لگا۔

"ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے...... میں تمہیں اپنے جانباز دوستوں کے پاس لے چلوں گا...... ہمیں ان کی خفیہ کیمپ گاہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہوگی...... رات کے وقت وہاں جانا مشکل بھی ہوگا، مگر میرے ایک جانباز دوست کا اپنا مکان رتناگری میں ہے...... اس کے آموں کے باغ ہیں...... وہ کاشتکاری بھی کرتا ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"لیکن ہم اسے اپنے مشن کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" کبیر خان بولا...... "انہیں صرف بتانا ہی کافی ہوگا کہ ہم جہاد کشمیر کے ایک خاص سیکرٹ مشن پر آئے ہیں...... وہ ہم سے کچھ پوچھیں گے بھی نہیں اور ہماری ہر ممکن مدد کریں گے۔"

چنانچہ یہی طے ہوا کہ رتناگری کے لئے رات کی گاڑی ہی پکڑی جائے...... اسی پروگرام کے مطابق ایک گھنٹے بعد وہ ایک پسنجر ٹرین میں بیٹھ کر رتناگری کی جانب روانہ ہوگئے۔

رتناگری پہنچے تو کافی رات ہو چکی تھی...... کبیر خان انہیں لے کر اپنے جانباز دوست کے مکان پر آگیا...... وہ سو رہا تھا...... اسے جگایا تو وہ کبیر خان کے ساتھ دو اجنبی آدمیوں کو دیکھ کر انہیں اندر لے گیا...... کبیر خان نے مختصر الفاظ میں شاہ نواز اور کمانڈو شیر خان کا تعارف کرایا اور صرف اتنا ہی بتایا کہ یہ کشمیری مجاہد ہیں اور اس علاقے میں ایک سیکرٹ مشن پر آئے ہیں...... جانباز مرہٹے مسلمان نے بڑی گرم جوشی سے شاہ نواز اور شیر خان سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"میرے لائق کوئی بھی خدمت ہو بتایئے...... میں یہی سمجھوں گا کہ میں بھی جہاد کشمیر میں شریک ہوں۔"

کبیر خان نے کہا۔

"کمال حسن! تمہاری اور دوسرے جانبازوں کی مدد کی ہمیں ضرورت پڑے گی...... باقی باتیں صبح ہوں گی...... اس وقت ہم سفر کی وجہ سے بڑے تھکے ہوئے ہیں۔"

اس جانباز مرہٹے مسلمان کا نام کمال حسن تھا...... اس نے اسی وقت ایک کمرے میں بستر لگوا دیئے اور بولا۔ صبح ملیں گے...... اب تم لوگ آرام کرو...... جب کمال حسن چلا گیا تو شیر خان نے کبیر خان سے پوچھا۔

"کبیر خان! تمہیں پورا یقین ہے نا کہ یہ لوگ قابل اعتبار ہیں؟"

کبیر خان بولا۔

"اس بارے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے...... تمہیں خود معلوم ہو جائے گا۔"

رات انہوں نے آرام کیا...... صبح ناشتے کے وقت کمال حسن نے کبیر خان سے کہا۔

"دوست مجھے حکم کرو کہ میں اس خفیہ مشن میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں آپ سے ہرگز نہیں پوچھوں گا کہ اس مشن کی نوعیت کیا ہے...... میں جانتا ہوں کہ اس قسم کے مشن بعض اوقات اپنے آدمیوں سے بھی خفیہ رکھے جاتے ہیں۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"ہمیں کچھ اسلحہ وغیرہ کی ضرورت ہو گی۔"

کمال حسن بولا۔

"سوائے توپوں ٹینکوں کے آپ کو ہر قسم کا اسلحہ مہیا کر دیا جائے گا۔"

کبیر خان بولا۔

"فی الحال ہمیں دو پستول دو سٹین گنیں اور کچھ ہینڈ گرنیڈ کی ضرورت ہو گی۔"

کمال حسن کہنے لگا۔

"یہ سب کچھ آپ کو مل جائے گا...... کہئے تو ابھی لا دوں؟"

شیر خان بولا۔

"ابھی نہیں...... لیکن شاید کل یا پرسوں اس کی ضرورت پڑے۔"

"جب چاہیں گے آپ کو اسلحہ مل جائے گا۔" کمال حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کبیر خان کہنے لگا۔

"ابھی ہم ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں، ہو سکتا ہے دو گھنٹوں میں واپس آ جائیں...... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شام پڑ جائے۔"

کمال حسن بولا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا...... یہیں رہوں گا۔"

اس کے بعد شیر خان، کبیر خان اور شاہ نواز رتناگری کے گاؤں کی طرف چل پڑے...... راستے میں ایک جنگل پڑتا تھا...... اس جنگل کی دوسری جانب رتناگری کا چھوٹا سا گاؤں تھا...... اس گاؤں میں ہی پرانے قلعے کا بوڑھا چوکیدار رہتا تھا...... شاہ نواز انہیں چوکیدار رحیم خان سے ملوانے لے جا رہا تھا۔

بوڑھا رحیم خان ایک کچے مکان کے صحن میں املی کے درخت تلے بیٹھا ناریل کا حقہ پی رہا تھا...... شاہ نواز کو دیکھ کر بولا۔

آؤ شاہ نواز بیٹے! کیسے آنا ہوا؟"

شاہ نواز اور شیر خان اور کبیر خان السلام علیکم کہہ کر اس کے پاس بیٹھ گئے...... شاہ نواز نے کہا۔

"دادا! یہ میرے دوست ہیں اور کشمیری مجاہد ہیں...... انہیں تم سے ایک بڑا ضروری کام پڑ گیا ہے۔"

دادا رحیم خان بولا۔

"کشمیری مجاہدوں کی اگر میں کوئی خدمت کر سکوں تو یہ میری خوش قسمتی ہو گی...... بتاؤ...... کیا کام ہے؟"

بوڑھے چوکیدار رحیم خان کو مشن کے بارے میں پوری تفصیلات سے آگاہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ شیر خان نے اسے سب کچھ بتا دیا...... چوکیدار رحیم خان بڑی توجہ سے سنتا رہا...... جب شیر خان نے اپنی بات ختم کی تو رحیم خان کہنے لگا۔

"اتنا تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مجاہد کی بیوی جس کا نام آپ لوگوں نے زیب النساء بتایا ہے قلعہ رتناگری کے پولیس کیمپ میں ہی ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اسے قلعے کے اندر کہاں رکھا گیا ہے۔"

کمانڈو شیر خان نے کہا۔

"دادا! یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے۔"

رحیم خان بولا۔

"یہ میں پتہ کر لوں گا...... اس کی تم فکر نہ کرو، تم ایسا کرو کہ مجھے شام کے وقت اندھیرا ہو جانے کے بعد آ کر ملو اور میرے مکان پر مت آنا...... گاؤں کے جنوب میں جو پرانا کنواں ہے وہاں میرا انتظار کرنا...... شاہ نواز نے وہ کنواں دیکھا ہوا ہے۔"

اس کے بعد شاہ نواز کبیر خان اور شیر خان واپس جانباز کمال حسن کے مکان پر آ گئے...... کمال حسن ایک پرانا بریف کیس اٹھا کر لے آیا...... کہنے لگا۔

"اس میں کچھ اسلحہ ہے...... جو پسند ہے رکھ لو۔"

اس نے بریف کیس کھول دیا...... اس کے اندر اعشاریہ زیرو نائن کے تین آٹو میٹک پستول تھے...... میگزین تھے اور ایک درجن ہینڈ گرنیڈ تھے...... شیر خان نے کہا۔

"ان سب کی ہمیں ضرورت پڑ سکتی ہے...... باقی دو سٹین گنیں بہت ضروری ہیں۔"

کمال حسن اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا اور چادر میں لپٹی ہوئی دو سٹین گنیں اور ان کے میگزین بھی لے آیا...... کبیر خان اور شیر خان نے انہیں اچھی طرح سے چیک کیا...... کبیر خان نے شیر خان سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے نا؟"

شیر خان بولا۔

"بالکل صحیح ہے۔"

پھر شیر خان نے جانباز کمال حسن سے کہا۔

"یہ اسلحہ کسی جگہ سنبھال کر رکھ لیں...... جس وقت ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی ہم اسے لے لیں گے...... کمال حسن نے کبیر خان سے کہا۔

"کبیر بھائی! تمہیں پچھلی کوٹھڑی کا تو پتہ ہی ہے...... اس کوٹھڑی میں سوکھی لکڑیوں کے نیچے یہ بریف کیس اور دونوں سٹین گنیں پڑی ہوں گی...... جب چاہو اسے

لے جاسکتے ہو۔"

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے...... جب شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا تو شاہ نواز انہیں یعنی کبیر خان اور شیر خان کو لے کر رتناگری گاؤں کے پرانے کنوئیں کی طرف چل پڑا...... گاؤں وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھا...... وہ دس پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ گئے اور ایک طرف درخت کی اوٹ میں بیٹھ کر چوکیدار رحیم خان کا انتظار کرنے لگے...... شیر خان نے کہا۔

"خدا کرے کہ رحیم خان پوری معلومات حاصل کر چکا ہو۔"

شاہ نواز بولا۔

"خان بھائی! بوڑھا دادا رحیم خان بڑے کام کا آدمی ہے اور قلعے کا پرانا چوکیدار ہے...... اگرچہ پولیس کے حکام نے اسے گھر پر بٹھادیا ہے، مگر وہ لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں اور اس پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔"

وہ باتیں کر رہے تھے کہ انہیں درختوں میں ایک آدمی کنوئیں کی طرف آتا نظر آیا...... شاہ نواز نے کہا۔

"رحیم دادا آگئے ہیں۔"

چوکیدار رحیم خان ان کے پاس آکر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"میں نے سب کچھ پتہ کرلیا ہے...... لڑکی زیب النساء کو پولیس نے قلعے کے مشرق کی جانب دوسری منزل کی ایک کوٹھڑی میں رکھا ہوا ہے...... اس طرف نیچے کھائی ہے...... کوٹھڑی کی ایک ہی کھڑکی ہے جو اس کھائی کی طرف کھلتی ہے۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"اس کھڑکی میں سلاخیں تو نہیں لگی ہوئیں؟"

رحیم خان بولا۔

"سلاخیں نہیں لگی ہوئیں...... لیکن کھڑکی بند رہتی ہے اور اندر کی جانب کھڑکی

میں ہر وقت تالا لگا رہتا ہے، جس کی چابی کمشنر پولیس کے پاس ہوتی ہے۔"

کبیر خان جو ہر قسم کا تالا کھولنے کا ماہر تھا بولا۔

"دادا! کیا تم نے وہ تالا دیکھا ہے؟"

رحیم خان نے کہا۔

"میں وہ تالا دیکھ آیا ہوں...... اس وقت کوٹھڑی خالی تھی اور پولیس لڑکی کو پوچھ گچھ کے لئے نیچے تہہ خانے میں لے گئی ہوئی تھی۔"

کبیر خان نے کہا۔

"رحیم دادا! تم ایک کام کرو...... کل جس وقت کوٹھڑی خالی ہو تو تم کسی طریقے سے کوٹھڑی میں جاؤ اور اپنے ساتھ گندھا ہوا میدہ لیتے جانا...... وہ میدہ تالے کے ارد گرد اوپر نیچے لگا کر اسے ذرا سا دبا کر تالے کا مولڈ لے آنا...... مجھے وہ مولڈ دیکھ کر اندازہ ہو جائے کہ تالا کس قسم کا ہے...... میں اس کی چابی تیار کرلوں گا...... اس کھڑکی کا کھلنا بہت ضروری ہے...... کیا تم ایسا کر سکو گے؟"

رحیم خان بولا۔

"میں یہ کام کرلوں گا...... وہاں سبھی لوگ مجھ پر بڑا اعتبار کرتے ہیں...... انہیں مجھ پر کبھی شک نہیں پڑ سکتا کہ میں وہاں کس قسم کی سراغ رسانی کر رہا ہوں...... یہ کام میں کل ہی کرلوں گا...... آپ مجھے کل اسی وقت یہاں آکر ملنا۔"

کبیر خان بولا۔

"دادا! کل شام میں اکیلا ہی آؤں گا، لیکن میدے کے پیڑے کو زیادہ مت دبانا اور میدہ نرم نہ ہو اسے ذرا سخت ہی رکھنا۔"

رحیم خان بولا۔

"میں سمجھ گیا ہوں۔"

اس کے بعد چوکیدار رحیم خان واپس چلا گیا۔

کبیر خان کہنے لگا۔

"اگر تالے کا مولڈ مل جائے تو میں اس کی چابی تیار کر لوں گا...... میرے لئے یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔"

وہ تینوں واپس جا رہے تھے...... شیر خان نے کہا۔

"اگر کوٹھڑی کی کھڑکی کھل جائے تو ہم کھائی کی طرف سے زیب النساء کو نکال سکتے ہیں...... یہ کام مشکل ضرور ہے، مگر یہاں صرف یہی ایک صورت نظر آتی ہے...... کسی دوسرے طریقے سے زیب النساء کو وہاں سے نکالنا آسان نہیں ہے...... قلعے میں پولیس فورس کی بھاری نفری موجود ہے اور ان کے پاس کافی اسلحہ بھی ہوگا۔"

اسی طرح باتیں کرتے وہ جانباز کمال حسن کے مکان پر پہنچ گئے...... دوسرے روز شام کو کبیر خان اکیلا ہی رحیم دادا سے ملنے چلا گیا...... رحیم دادا کچھ دیر سے پہنچا...... کبیر خان آگے بڑھ کر اسے ملا اور پوچھا۔

"دادا! کام ہو گیا؟"

رحیم دادا کے ہاتھ میں مٹی کی چھوٹی سی ہانڈی تھی...... اس نے ہانڈی کبیر خان کو دیتے ہوئے کہا۔

"اس کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھو۔"

کبیر خان نے دیکھا کہ ہنڈیا کے اندر گندھے ہوئے میدے کا ایک چپکا ہوا پیڑا رکھا تھا...... اس نے اسے باہر نکالا...... اس کی ایک جانب تالے کا پورے کا پورا مولڈ بنا ہوا تھا...... کبیر خان نے کہا۔

"دادا! یہ تم نے ہماری ایک بڑی مشکل آسان کر دی ہے...... میں اسے ساتھ لے جا رہا ہوں اور کل تمہیں اس تالے کی چابی لا کر دوں گا...... تمہیں کیا کرنا ہوگا؟ یہ میں تمہیں کل بتاؤں گا۔"

کبیر خان تالے کے سانچے یعنی مولڈ کو بڑی احتیاط سے اپنے ساتھ لے گیا......

کمال حسن کے مکان پر آنے کے بعد اس نے اپنے طریقے سے مولڈ میں جلدی جم جانے والا محلول ڈال کر تالے کا ہو بہو نقش تیار کر لیا...... اب اس نے تالے کو بڑے غور سے دیکھا...... شیر خان اور کمال حسن اس کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے...... کبیر خان تالوں کا ماہر تھا کہنے لگا۔

"میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ کون سا تالا ہے...... ہمیں بازار چل کر اسی قسم کا تالا خریدنا ہوگا۔"

کمال حسن کہنے لگا۔

"رتناگری میں ایک تالوں کی دکان ہے...... میرا خیال ہے وہاں سے ہمیں اس ماڈل کا تالا مل جائے گا۔"

رتناگری کبھی ایک قصبہ ہوا کرتا تھا، مگر آزادی ملنے کے بعد یہاں باہر سے آکر لوگ آباد ہو گئے تھے اور اب یہ ایک چھوٹا سا شہر بن گیا تھا، جہاں ایک بڑی مارکیٹ بھی بن گئی تھی...... اس مارکیٹ سے ہر قسم کا سامان مل جاتا تھا، اس وقت جیپ میں بیٹھ کر شیر خان اور کبیر خان رتناگری کی مارکیٹ میں آ گئے...... یہاں نئے اور پرانے تالوں کی ایک دکان تھی...... کبیر خان نے مختلف قسم کے تالے دیکھنے شروع کر دیئے...... آخر اس نے ایک تالے کو پہچان لیا اور تالے کو ہاتھ میں لے کر بولا۔

"شیر بھائی! یہی وہ تالا ہے جو کھڑکی کے اندر لگا ہوا ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"اور اگر یہ تالا نہ ہوا تو پھر؟"

کبیر خان کہنے لگا۔

"میں اپنے تجربے کی بنا پر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہی وہ تالا ہے جس کا مولڈ رحیم دادا لایا ہے۔"

انہوں نے وہ تالا خرید لیا...... تالے کے ساتھ دو چابیاں بھی تھیں...... شام کو

کبیر خان اور شیر خان دونوں گاؤں کے باہر والے پرانے کنوئیں پر آ گئے...... تالا مع چابیوں کے کبیر خان کی جیب میں تھا...... جب اپنے وقت پر رحیم دادا وہاں آیا تو کبیر خان نے اسے تالا دکھا کر کہا۔

"اس تالے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

رحیم دادا تالے کو دیکھتے ہی بولا۔

"کبیرے! بالکل یہی تالا کھڑکی میں لگا ہوا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے دادا؟" شیر خان نے پوچھا۔

رحیم دادا بولا۔

"مجھے پورا یقین ہے۔"

شیر خان نے کہا۔

"رحیم دادا! ہم تمہیں تالے کی ایک چابی دیتے ہیں...... یہ چابی تم کوٹھڑی میں جا کر کھڑکی پر لگے ہوئے تالے کو لگاؤ گے...... اگر تالا کھل گیا تو تم تالے کو دوبارہ بند کر کے یہ چابی اپنے پاس ہی رکھو گے...... کیا تم ایسا کر سکو گے؟"

رحیم دادا کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"میں روز روز کوٹھڑی کے اندر نہیں جانا چاہتا...... اس طرح وہاں لوگوں کو شک پڑ سکتا ہے...... مجھے کل اور پرسوں کا دن دے دو...... دو دن کے بعد میں کسی بہانے کوٹھڑی میں جا کر چابی لگا کر دیکھوں گا...... تم ایسا کرنا کہ دو دن چھوڑ کر یعنی تیسرے دن اسی وقت مجھے یہاں آ کر ملنا۔"

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر شیر خان اور کبیر خان واپس آ گئے۔

❁ ❁ ❁

قلعے کے چوکیدار رحیم خان نے بڑا کام کیا۔

دو دن چھوڑ کر وہ تالے کی چابی اپنی جیب میں چھپا کر ناریل کی گڑگڑی ہاتھ میں لئے قلعے میں آ گیا...... پولیس کو معلوم تھا کہ یہ بوڑھا یہاں کا پرانا چوکیدار ہے اور اب دل بہلانے کے لئے قلعے میں آ جاتا ہے اور اپنے پرانے ساتھیوں سے مل لیتا ہے...... وہ سب اسے بے ضرر سمجھتے ہیں...... رحیم دادا اس وقت قلعے میں جاتا تھا جب اسے یقین ہوتا تھا کہ پولیس زیب النساء کو پوچھ گچھ کے لئے نیچے تہہ خانے میں لے گئی ہو گی...... مجاہد کی بیوی زیب النساء سے ہر روز دوپہر کے بعد ایک آدھ گھنٹہ پوچھ گچھ ہوتی تھی...... اس روز بھی جس وقت رحیم دادا قلعے میں آیا تو اسے پتہ چلا کہ پولیس زیب النساء کو پوچھ گچھ کے لئے لے گئی ہے...... اس کی کوٹھڑی خالی تھی اور خالی ہونے کی وجہ سے پہرہ دینے والا کانسٹیبل بھی ڈھیلا ہو گیا تھا اور سامنے کینٹین میں چائے پینے چلا گیا تھا...... رحیم دادا نے اپنا معمول بنا رکھا تھا کہ وہ قلعے کی دوسری منزل میں ہر کوٹھڑی کے باہر پہرہ دیتے کانسٹیبل کے قریب سے گزرتا اور اسے سلام کر کے اس کی خیر خیریت پوچھتا...... باقی کی دو کوٹھڑیوں میں پولیس کا دوسرا سامان وغیرہ رکھا ہوا تھا۔

اس طرح اس روز بھی وہ دوسری منزل میں سب لوگوں سے سلام دعا لیتا...... ان کی خیر خیریت معلوم کرتا زیب النساء والی کوٹھڑی کے پاس آ گیا...... کوٹھڑی کا

دروازہ کھلا تھا...... کوٹھڑی خالی تھی...... رحیم دادا نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ آس پاس دیکھا...... وہاں اسے کوئی سپاہی یا دوسرا ملازم نظر نہ آیا...... رحیم دادا جلدی سے کوٹھڑی میں داخل ہو گیا...... اس نے جیب سے چابی نکال کر بند کھڑکی والے تالے کو لگائی تو تالا کھل گیا...... رحیم دادا نے تالے کو دوبارہ بند کیا...... چابی جیب میں ڈالی اور ناریل کی گڑگڑی کے کش لگاتا کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔

اس وقت وہ کانسٹیبل جو اس کوٹھڑی کے باہر دن کے وقت گارڈ ڈیوٹی پر ہوتا تھا چائے پی کر سامنے سے آ رہا تھا...... اس نے رحیم دادا کو دیکھا تو دُور سے پوچھا۔

"دادا! کیا بات ہے اندر کیوں گئے تھے؟"

رحیم دادا نے پہلے سے ایک جواب تیار کر رکھا تھا...... اس نے کھانستے ہوئے کہا۔

"بیٹا! اس کوٹھڑی کو دیکھ کر مجھے بہت کچھ یاد آ جاتا ہے...... میری جب نئی نئی شادی ہوئی تھی تو میں اپنی بیوی کو لے کر اسی کوٹھڑی میں آ کر ٹھہرا تھا...... ابھی گاؤں میں مجھے کوئی مکان نہیں ملا تھا...... ہم نے شادی کے بعد یہاں پندرہ بیس دن گزارے تھے...... بس اس کوٹھڑی میں تھوڑی دیر پھر کر اپنی جوانی کی یادیں تازہ کر لیتا ہوں۔"

کانسٹیبل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دادا! بڑھاپے میں جوانی یاد نہ کیا کرو...... غم لگ جائے گا۔"

رحیم دادا نے گڑگڑی کا کش لگا کر کہا۔

"بیٹا! اب یاد کرنے کو اور کچھ رہا ہی نہیں۔"

اور رحیم دادا وہاں سے چل دیا...... وہ بہت خوش تھا کہ جس کام کے لئے وہ کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا وہ آسانی سے پورا ہو گیا ہے...... دوپہر کے بعد وہ قلعے سے واپس اپنے گاؤں والے مکان پر آ گیا...... اب اسے شام ہونے کا انتظار تھا...... دوسری طرف کبیر خان اور کمانڈو شیر خان بھی شام ہونے کا انتظار کر رہے تھے...... شیر خان کہہ رہا تھا۔

"اگر فرض کر لیا کہ تمہاری دی ہوئی چابی سے تالا نہیں کھلتا تو ہمیں کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنا ہو گا...... ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا چاہئے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ پولیس زیب النساء کو یہاں سے کسی دوسری جگہ لے جائے۔"

کبیر خان کہنے لگا۔

"شیر بھائی! اول تو مجھے یقین ہے کہ چابی اسی تالے کی ہے اور اگر رحیم دادا کو آج تالے میں چابی لگانے کا موقع مل گیا ہے تو تالا ضرور کھل گیا ہو گا...... اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوا تو پھر کوئی دوسرا راستہ تلاش کر لیں گے...... بہر حال ہم انشاء اللہ زیب النساء بی بی کو یہاں سے لے کر ہی جائیں گے۔"

جب شام کا اندھیرا چھانے لگا تو دونوں سرفروش گاؤں کے باہر والے پرانے کنوئیں کے پاس آ کر بیٹھ گئے...... کچھ دیر بعد رحیم دادا بھی آ گیا...... اس نے آتے ہی کہا۔

"چابی لگ گئی ہے...... تالا کھل گیا تھا۔"

شیر خان اور کبیر خان کو ایسے لگا جیسے ان کے سر پر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو...... کبیر خان نے پوچھا۔

"دادا! تم نے خود چابی لگائی تھی ناں؟"

"اور کون لگاتا؟" رحیم دادا بولا۔ "میں خود خالی کوٹھڑی میں گیا تھا...... میں نے خود کھڑکی کے تالے میں چابی لگائی اور تالا فوراً کھل گیا تھا...... بس اسی وقت میں نے تالے کو دوبارہ بند کیا اور واپس چلا آیا۔"

رحیم دادا چابی کبیر خان کو واپس دینے لگا تو اس نے کہا۔

"دادا! یہ چابی تم اپنے پاس ہی رکھو...... ایک جہاد میں تم سرخرو ہو گئے ہو...... اب تمہیں ایک اور جہاد کرنا ہو گا...... کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

رحیم دادا بولا۔

"بیٹا! قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں...... شاید میرا یہ کام خدا کو پسند آ جائے اور

میری بخشش ہو جائے...... بتاؤ مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

اب شیر خان کہنے لگا۔

"دادا! جس اسلامی جذبے کے ساتھ آپ نے یہ بات کہی ہے اس وقت پاکستان اور ہندوستان کے ہر مسلمان کو اسی جذبے کی ضرورت ہے...... یہ جذبہ جہاد ہے اور جہاد کے جذبے کی کوئی عمر نہیں ہوتی...... آپ کو اب وہ کام کرنا ہے جو صرف آپ ہی کر سکتے ہیں...... ہم میں سے کوئی نہیں کر سکتا...... اگر آپ کامیابی کے ساتھ یہ کام کر گزرے تو سمجھ لیجئے کہ ہم اپنے مجاہد کی بے گناہ بیوی کو کافروں کی قید سے چھڑا کر لے جائیں گے۔"

چوکیدار رحیم خان نے کہا۔

"بیٹا! مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا ہے؟"

شیر خان نے اسے بتایا کہ اسے کیا کرنا ہو گا اور کہا۔

"یہ کام کرنے کے فوراً بعد آپ ہمارے پاس آ جائیں گے...... ہم اسی جگہ آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے...... یہ کام کل ہو جانا چاہئے، لیکن جیسا کہ میں نے آپ سے کہا ہے اس میں مجاہد کی بیوی کو اعتماد میں لینا ضروری ہے۔"

کبیر خان کہنے لگا۔

"دادا اس کام کے لئے تمہیں اسی وقت قلعے کے اندر کوٹھڑی میں داخل ہونا ہو گا جب زیب النساء کوٹھڑی میں موجود ہو گی۔"

رحیم خان نے کہا۔

"کبیر خان! جو میں سوچ رہا ہوں وہ تم نہیں سوچ رہے...... زیب النساء کی موجودگی میں میرا قلعے کی اس کوٹھڑی میں داخل ہو کر یہ کام سرانجام دینا بہت مشکل بلکہ کسی حد تک ناممکن ہو گا، کیونکہ باہر کانسٹیبل پہرے پر موجود ہو گا...... اس کی موجودگی میں کھڑکی پر لگا ہوا تالا کھول نہیں سکوں گا۔"

شیر خان بولا۔

"تو پھر آپ کیا کریں گے؟"

رحیم خان کہنے لگا۔

"تم یہ کام مجھ پر چھوڑ دو...... میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ کل ہی یہ کام کر ڈالوں...... اگر فرض کر لیا کہ کل مجھے زیب النساء کی کوٹھڑی میں داخل ہونے کا موقع نہ ملا تو پھر اس سے اگلے دن کوشش کروں گا۔" بہر حال تم کل شام کو پرانے کنوئیں پر ضرور آ جانا...... میں یہیں آ کر تمہیں صورت حال سے آگاہ کروں گا۔"

رحیم خان اس کے بعد خدا حافظ کہہ کر اور اگلی شام آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا...... شیر خان نے کبیر سے کہا۔

"ہمیں کل صبح سورج نکلنے کے ساتھ ہی قلعے کے مشرقی دیوار کا جائزہ لینا ہو گا جہاں زیب النساء کی کھڑکی کھلتی ہے اور دوسرا اسامان بھی کل شام تک ہمیں بالکل تیار رکھنا ہو گا، کیونکہ اگر رحیم خان زیب النساء کی کوٹھڑی کی کھڑکی کھولنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر ہمیں کل رات کو ہی زیب النساء کو لے کر یہاں سے نکل جانا ہو گا۔"

کبیر خان کہنے لگا۔

"اسلحہ وغیرہ ہمارے پاس موجود ہے...... ہمیں صرف ایک نائیلون کی مضبوط رسی کی ضرورت ہے جس کے آگے آنکڑا لگا ہوا ہو، باقی جیپ ہمیں مل جائے گی، بلکہ جانباز کمال حسن خود ہمیں اپنی تیز رفتار جیپ میں بٹھا کر یہاں سے نکال کر لے جائے گا۔"

مکان پر پہنچ کر انہوں نے ساری بات مہاراشٹر کے جانباز مجاہد کمال حسن کو بیان کر دی...... وہ کہنے لگا۔

"یہ ساری چیزیں آپ کو مل جائیں گی...... میں آپ کو خود زیب النساء کے ساتھ یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا...... آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

دوسرے روز سورج نکلنے سے پہلے ہی کبیر خان اور کمانڈو شیر خان کمال حسن کے

مکان سے نکل کھڑے ہوئے...... رات کا اندھیرا ہلکا ہلکا چھٹنے لگا تھا...... وہ جنگل میں سے ہو کر رتنا گری قلعے کی مشرقی دیوار کی طرف آگئے...... ایک جگہ انہیں قلعے کی پرانی دیوار میں دوسری منزل کی بلندی پر ایک پرانے طرز کی کھڑکی دکھائی دی، جس کے پٹ بند تھے...... کبیر خان نے کہا۔

"یہی وہ کھڑکی ہے شیر بھائی۔"

"ہاں" شیر خان بولا۔ "میں دیکھ رہا ہوں...... اس پر کمند پھینکنے کے لئے ہمیں کم از کم چالیس پچاس گز لمبی مضبوط رسی کی ضرورت ہوگی۔"

"رسی جتنی لمبی چاہو گے مل جائے گی۔" کبیر خان نے کہا۔

دونوں سحر کے چھٹتے ہوئے اندھیرے میں جھک کر چلتے قلعے کی دیوار کی طرف بڑھے اور اس جگہ آکر جھاڑیوں میں بیٹھ گئے جہاں قلعے کے اِرد گرد بنائی ہوئی کھائی تھی...... یہ کھائی پرانے زمانے کی خندق تھی جو اس زمانے میں پانی سے لبالب بھری رہتی تھی...... یہ دشمنوں کے حملے سے بچاؤ کے لئے استعمال ہوتی تھی...... اب اس خندق کی ضرورت نہیں رہی تھی، کیونکہ اب فوجیں گھوڑوں پر بیٹھ کر نیزے لہراتی دشمن کے قلعے میں نہیں گھستی تھیں بلکہ اب فوجیں ہیلی کاپٹروں کے ذریعے یا پیرا شوٹوں کے ذریعے دشمن کے علاقے میں اتاری جاتی تھیں، چنانچہ اب یہ خندق ایک ویران کھائی میں بدل گئی تھی جس میں سوائے جھاڑ جھنکاڑ کے اور کچھ نہیں تھا۔

شیر خان نے کھائی میں نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کھائی کے اندر پانی نہیں ہے۔"

کبیر خان بولا۔

"نہیں...... یہ میں نے پتہ کر لیا ہے...... کہیں کہیں اس میں کیچڑ ضرور ہے مگر برسات کا پانی خشک ہو چکا ہے۔"

اسی دن جانباز کمال حسن نے شیر خان اور کبیر خان کو پچاس پچاس گز کی مضبوط

نائیلون کی کالے رنگ کی رسی کے دو گچھے مہیا کر دیئے اور اپنی سب سے اچھی حالت میں جو جیپ تھی اس کو بھی اچھی طرح سے چیک کر کے اس کی ٹینکی پٹرول سے فل کروالی...... شیر خان اور کبیر خان شام ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

اس روز بوڑھا چوکیدار رحیم خان دن کے دس بجے ہی ناریل کا چھوٹا سا حقہ جس کو گڑگڑی بھی کہتے ہیں اور صرف ناریل بھی کہتے ہیں لے کر قلعے میں چلا گیا اور زیب النساء جس کوٹھڑی میں بند تھی اس کے سامنے جو چائے کی چھوٹی سی کینٹین تھی اس کے باہر ایک طرف پتھر کے شکستہ سے ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور گڑگڑی پینے لگا۔

وہ کوٹھڑی اس سے پچاس گز کے فاصلے پر تھی جس میں زیب النساء قید تھی اور بوڑھے رحیم دادا کو معلوم تھا کہ کچھ دیر کے بعد دو مرد کانسٹیبل اور ایک لیڈی کانسٹیبل آئے گی اور زیب النساء کو کوٹھڑی سے نکال کر قلعے کے تہہ خانے میں پوچھ گچھ کے لئے لے جایا جائے گا...... وہ اسی گھڑی کا انتظار کر رہا تھا...... وہ کانسٹیبل کوٹھڑی کے باہر کھڑا تھا جس کی ڈیوٹی دن کے وقت ہوتی تھی اور جس سے رحیم دادا نے تھوڑی بہت دوستی کر لی تھی...... یہ کانسٹیبل بھی راجستھان کے گاؤں کا رہنے والا تھا اور رحیم خان یعنی بوڑھا چوکیدار بھی راجستھان کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا...... رحیم خان پرانے ستون کی اوٹ میں مزے سے بظاہر بالکل بے نیاز ہو کر بیٹھا گڑگڑی پی رہا تھا۔

اپنے وقت پر دو کانسٹیبل اور ایک لیڈی کانسٹیبل وہاں آگئے...... اسے آتے دیکھ کر پہرے پر موجود کانسٹیبل نے کوٹھڑی کے دروازے کا تالا کھول دیا...... لیڈی کانسٹیبل اندر داخل ہو گئی...... دوسرے لمحے وہ زیب النساء کو ساتھ لے کر باہر آگئی...... زیب النساء کے ایک ہاتھ کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی...... جوان دُبلی پتلی لڑکی تھی، مگر اس کی حالت خستہ ہو رہی تھی...... کپڑے میلے ہو رہے تھے...... لیڈی کانسٹیبل اور مرد کانسٹیبل زیب النساء کو لے کر چلے گئے...... کوٹھڑی کا دروازہ پہرے پر موجود کانسٹیبل نے بند کر دیا، مگر تالا نہ لگایا اور دروازے کے آگے ٹہلنے لگا۔

بوڑھا رحیم خان اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا کانسٹیبل کے پاس آ گیا...... اس کو نمسکار کرنے کے بعد حال چال پوچھا اور وہیں دروازے کی ایک جانب بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں، کہنے لگا۔

"ریٹائر ہونے والا ہوں...... اپنا راجستھانی گاؤں بڑا یاد آتا ہے...... سوچتا ہوں ریٹائر ہونے کے بعد زندگی کے باقی دن گاؤں میں ہی بسر کروں گا۔"

رحیم خان نے جان بوجھ کر اپنے وطن کی بات شروع کر دی تھی جو اس راجستھانی کانسٹیبل کا بھی وطن تھا...... وطن کسے پیارا نہیں ہوتا...... کانسٹیبل نے بھی اپنے گاؤں کی باتیں شروع کر دیں، کہنے لگا۔

"دادا! میری ابھی بڑی سروس رہتی ہے...... بھگوان جانے کب اپنے گاؤں جانا ہو گا...... ایک سال ہو گیا ہے گاؤں گئے ہوئے۔"

بوڑھے رحیم خان نے کہا۔

"چلو تمہارے بال بچے تو تمہارے ساتھ ہی رہتے ہیں ناں۔"

کانسٹیبل کہنے لگا۔

"یہاں تو میں اکیلا ہوں دادا! بال بچے تو گاؤں میں ہی ہیں۔"

"اوہو...... یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔"

بوڑھے رحیم خان نے کانسٹیبل سے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا...... کانسٹیبل بولا۔

"کیا کروں دادا! نوکری بھی تو کرنی ہے...... نوکری نہیں کروں گا تو پیچھے بال بچوں کو پیسے کون بھیجے گا۔"

کوٹھڑی کا دروازہ پوری طرح سے بند نہیں تھا...... تھوڑا سا کھلا تھا...... اس دروازے کے ایک کواڑ میں نیچے کر کے دائیں جانب بیس مربع انچ کا ایک چوکھٹا بنا ہوا تھا جس میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں...... یہ چوکھٹا اندر جھانک کر قیدی کو دیکھنے کے لئے بنایا گیا تھا، تاکہ اس کی برابر نگرانی ہوتی رہے کہ کہیں وہ خودکشی نہ کر لے...... رحیم

دادا نے اپنی جوانی کے دنوں کی باتیں شروع کر دیں اور کہنے لگا۔

"آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے مگر اپنی جوانی کے دن نہیں بھلائے جاتے...... خاص طور پر وہ جگہ تو بہت یاد آتی رہتی ہے جہاں آدمی نے شادی کے بعد اپنی دُلہن کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہو...... اس کوٹھڑی کو دیکھ کر مجھے اپنی جوانی اور اپنی سورگباش بیوی بہت یاد آتی ہے، اسی لئے میں کبھی کبھی اس کے اندر جا کر اس کی یاترا کر لیتا ہوں۔"

کانسٹیبل ہنس کر بولا۔

"دادا! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ جوانی کے دنوں کو یاد نہ کیا کرو...... غم لگ جائے گا...... اب وہ دن واپس نہیں آئیں گے۔"

رحیم خان نے آہ بھر کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا، مگر اس کوٹھڑی میں اپنی بیوی کے ساتھ گزارے ہوئے جوانی کے دن بھلائے نہیں جاتے۔"

کانسٹیبل سٹول پر بیٹھ گیا تھا...... رحیم خان نے کہا۔

"بیٹا! تم اجازت دو تو میں کوٹھڑی کے اندر جا کر اپنی شادی کے دنوں کی یاد تازہ کر لوں؟" کانسٹیبل نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"دادا! ویسے تم ہو بڑے رنگین مزاج بوڑھے...... جاؤ...... اندر جا کر پرانی یادیں تازہ کر لو۔"

رحیم خان گڑگڑی ہاتھ میں تھامے بوڑھوں کی طرح چلتا کوٹھڑی کے اندر چلا گیا...... اندر داخل ہوتے ہی وہ جلدی سے کھڑکی کے پاس آیا...... چابی جیب سے نکال کر تالے میں لگائی...... تالا کھل گیا...... چابی کو تالے سے نکال کر جیب میں رکھا اور تالے کو اسی طرح بند کر کے کھڑکی سے پرے ہٹ کر یونہی کوٹھڑی میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا...... پھر کوٹھڑی سے نکل آیا، کانسٹیبل نے اس سے پوچھا۔

"دادا! جوانی کے دن یاد کر لئے؟"

بوڑھے رحیم خان نے جواب دیا۔

"ہاں بیٹا! بس اب یہی کچھ باقی رہ گیا ہے...... اچھا چلتا ہوں...... چائے پینے کو دل کرتا ہے...... تم بھی آجاؤ میرے ساتھ بیٹا۔"

کانسٹیبل نے کہا۔

"نہیں دادا! میں ڈیوٹی پر ہوں...... تم پیئو۔"

رحیم خان بولا۔

"اچھا...... میں تمہارے لئے چائے لیتا آؤں گا کینٹین سے۔"

رحیم خان کینٹین میں جاکر ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے اسے کوٹھڑی کا دروازہ اور اس کے باہر سٹول پر بیٹھا کانسٹیبل دکھائی دے رہا تھا...... بوڑھے رحیم دادا نے گھر سے نکلتے وقت کاپی کے ایک کاغذ پر چند سطریں اُردو میں لکھ کر کاغذ تہہ کر کے اپنی صدری کی جیب میں رکھ لیا تھا...... کبیر خان سے اس نے معلوم کر لیا تھا کہ زیب النساء بی بی دس جماعتیں پڑھی ہوئی ہے...... اس کاغذ پر دادا رحیم خان نے پنسل سے یہ چند سطریں لکھی تھیں۔

"تمہیں نکالنے کے لئے مجاہد یہاں پہنچ گئے ہیں...... آج آدھی رات کے بعد وہ تمہیں یہاں سے نکال کر لے جائیں گے...... تم صرف اتنا کرنا کہ قلعے میں جب رات کے گیارہ بجے کا گھنٹہ بجے تو کوٹھڑی کی کھڑکی کا تالا اتار کر کھڑکی کا ایک پٹ کھول دینا...... میں نے تالے میں چابی لگا کر اسے پہلے ہی کھول رکھا ہے...... صرف اسے اٹکایا ہوا ہے۔" "فقط ایک مجاہد"

کچھ ہی دیر کے بعد پولیس زیب النساء کو لے کر واپس آگئی...... اسے کوٹھڑی میں بند کر کے تالا لگا دیا گیا...... رحیم دادا کینٹین میں بیٹھا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا...... جب پولیس پارٹی لَوٹ گئے پندرہ بیس منٹ گزر گئے تو اس نے کینٹین میں سے چائے کا ایک گلاس لیا اور کانسٹیبل کے پاس آکر کہا۔

"یہ لو بیٹا! یہ تمہاری چائے ہے۔"

کانسٹیبل نے چائے کا گلاس لے کر کہا۔

"دادا! تم نے بڑی تکلیف کی۔"

رحیم دادا بولا۔

"تکلیف کیسی بیٹا! تم ہمارے وطن کے رہنے والے ہو اور میرے لئے تو میرے بیٹے جیسے ہو۔"

اور رحیم دادا قریب ہی بیٹھ گیا...... وہ کوٹھڑی کے دروازے میں سلاخوں والے چوکھٹے سے چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھا تھا...... تاکہ موقع پاکر اپنا کام کر سکے...... کانسٹیبل کھڑے کھڑے چائے پی رہا تھا...... رحیم دادا نے اس کے ساتھ راجستھان کے گاؤں کی باتیں شروع کر دی تھیں...... وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کانسٹیبل کو کچھ دیر کے لئے کس طرح وہاں سے کسی طرف جانے کو کہے...... کوئی ترکیب اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

کانسٹیبل نے چائے پینے کے بعد خالی گلاس زمین پر رکھ دیا اور دو چار قدم ٹہلنے کے بعد سٹول پر بیٹھ گیا...... بوڑھے رحیم دادا کا دماغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ وہ کانسٹیبل کو تھوڑی دیر کے لئے وہاں سے کس طرح ہٹائے، لیکن قدرت نے خود ہی موقع فراہم کر دیا...... کانسٹیبل سٹول سے اُٹھتے ہوئے بولا۔

"دادا! میں پیشاب کر آؤں...... ایک منٹ میں واپس آتا ہوں...... تم یہیں رہنا۔"

رحیم دادا نے خوش ہو کر کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا...... میں یہیں رہوں گا...... تم بے فکر ہو کر جاؤ۔"

کانسٹیبل کو اس لئے بھی فکر نہیں تھی کہ زیب النساء کی کوٹھڑی پر تالا پڑا تھا اور چابی پولیس آفیسر اپنے ساتھ ہی لے گیا ہوا تھا جو کمشنر پولیس کے آفس میں پہنچ چکی تھی۔

جیسے ہی کانسٹیبل رحیم دادا کی نگاہوں سے اُوجھل ہوا، رحیم دادا نے کوٹھڑی کے دروازے میں جو سلاخوں والا چوکھٹا نیچے کر کے لگا تھا اس کی طرف منہ کر کے کہا۔

"بیٹی زیب النساء! میری بات غور سے سنو...... کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟"

زیب النساء کوٹھڑی کے کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے غم زدہ حالت بلکہ خستہ حالت میں بیٹھی خدا سے دعائیں مانگ رہی تھی...... اس نے باہر سے آتی آواز سنی تو ذرا چونکی مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا...... رحیم دادا نے دوسری بار پھر کہا۔

"بیٹی زیب النساء! کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟"

جواب دو۔

زیب النساء کچھ سمجھ نہیں سکی تھی، پھر اس نے جواب دے دیا۔

"میں سن رہی ہوں۔"

رحیم دادا نے کہا۔

"میں ایک خط تمہاری طرف پھینک رہا ہوں...... اسے غور سے پڑھنا اور اس میں جو لکھا ہے اس پر عمل کرنا...... ہم تمہارے خیر خواہ ہیں۔"

کینٹین کی جانب سے ایک ملازم لڑکا چائے کا خالی گلاس لینے آ رہا تھا...... رحیم دادا چپ ہو گیا...... لڑکا خالی گلاس لے کر چلا گیا تو رحیم دادا نے بڑی احتیاط کے ساتھ جیب میں سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر اس کا گولا سا بنایا اور دروازے کے چوکھٹے کی سلاخوں میں سے اندر پھینک دیا...... دس پندرہ سیکنڈ کے بعد ہلکی سی آواز دے کر پوچھا۔

"بیٹی! کیا تم نے خط اُٹھا لیا ہے؟"

اندر سے زیب النساء کی کمزور آواز آئی۔

"اُٹھا لیا ہے۔"

رحیم دادا بولا۔

"جو کچھ لکھا ہے ویسے ہی کرنا...... اب مجھ سے کوئی بات نہ کرنا...... پہرے دار آ رہا ہے۔"

کانسٹیبل واپس آ کر بولا۔

"دادا! کوئی افسر تو اِدھر نہیں آ گیا تھا؟"

رحیم دادا نے کہا۔

"فکر نہ کرو...... کوئی نہیں آیا تھا اور تمہارا قیدی بھی اندر ہی ہے...... بے شک نگاہ مار کر دیکھ لو۔"

کانسٹیبل سٹول پر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"دادا! گاؤں کب جا رہے ہو؟"

رحیم دادا سانس بھر کر بولا۔

"بیٹا! اب تو وہاں کی مٹی بلائے گی تو جاؤں گا...... میں تو اپنے گاؤں کی مٹی کی امانت ہوں۔"

کچھ دیر کانسٹیبل سے باتیں کرنے کے بعد رحیم خان وہاں سے چل دیا...... اس دوران کوٹھڑی میں قید مجاہد کی بیوی زیب النساء نے رحیم خان کا خط پوری طرح پڑھ لیا تھا...... خط پڑھنے کے فوراً بعد زیب النساء اٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی...... اس نے تالے کو ذرا سا ہلایا تو وہ کھل گیا...... اس نے جلدی سے تالے کو ویسے ہی کنڈے کے ساتھ لگا دیا اور کونے میں آ کر بیٹھ گئی...... اس کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے خاوند کے ساتھی مجاہد اسے نکالنے کے لئے وہاں پہنچ جائیں گے...... اس نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو فرار کے لئے بالکل تیار کر لیا...... قلعے میں ہر ایک گھنٹے کے بعد گھنٹہ بجا کر وقت کا اعلان کر دیا جاتا تھا...... اسے رات کے گیارہ بجے کے گھنٹے کا انتظار شروع ہو گیا تھا...... کچھ دیر پہلے دوپہر کے بارہ بجے کا گھنٹہ بجا تھا...... رحیم خان قلعے سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا اپنے گاؤں والے مکان کی طرف چل پڑا...... وہ خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس کے ذمے جو فرض تھا وہ اس نے ادا کر دیا ہے۔

دوسری طرف کمانڈو شیر خان اور کبیر خان اپنی تیاریوں میں مصروف تھے...... دوپہر کو ایک بار پھر وہ قلعے کی مشرقی دیوار کی جانب گئے اور دُور سے قلعے کی کھڑکی اور

بلندی کا جائزہ لے کر واپس آ گئے...... وہ زیادہ دیر وہاں رُکنا نہیں چاہتے تھے...... واپس آکر شیر خان نے جانباز کمال حسن سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں ہمیں یہاں سے نکل کر کس طرف جانا ہوگا؟"

کبیر خان جو اس سارے علاقے سے واقف تھا، ساتھ ہی بیٹھا تھا...... کمال حسن کہنے لگا۔

"یہاں سے کولہاپور کی طرف جانا ٹھیک نہیں ہوگا...... ممکن ہے زیب النساء کے فرار کے فوراً بعد قلعے کی پولیس کو پتہ چل جائے...... پولیس فوراً کولہاپور، شولاپور اور اورنگ آباد کی پولیس کو خبردار کر دے گی اور یہ سارا علاقہ ہمارے لئے خطرناک ہو جائے گا اور ہم کسی بھی جگہ پکڑے جا سکیں گے۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"پھر تمہاری کیا رائے ہے؟"

کمال حسن نے کہا۔

"میری رائے میں ہمیں یہاں سے عثمان آباد کی طرف نکل جانا چاہئے اور پھر وہاں سے حیدر آباد یا ورنگل پہنچنے کی کوشش کریں گے...... حیدر آباد میں اپنے آدمی موجود ہیں...... وہاں زیب النساء کو پورا تحفظ مل سکے گا...... عین ممکن ہے کہ اس کا مجاہد خاوند بھی وہیں پر ہو۔"

کبیر خان کہنے لگا۔

"یہ سکیم بڑی مناسب رہے گی، مگر عثمان آباد یہاں سے کافی دُور واقع ہے...... ہو سکتا ہے ہمیں راستے میں ہی صبح ہو جائے۔"

جانباز کمال حسن بولا۔

"عثمان آباد سابق ریاست دکن کی سرحد کے اندر واقع ہے اور وہاں میرا ایک دوست بھی رہتا ہے...... ہمیں وہاں آسانی سے پناہ مل جائے گی اور ہم دن وہاں چھپ

کر گزار سکیں گے...... پھر رات کی تاریکی میں ورنگل یا حیدر آباد کی طرف چل پڑیں گے...... اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اتنا محفوظ نہیں ہوگا...... اگر ہم اوپر گوالیار ناسک یا جھانسی بھوپال کی طرف چل پڑے تو ایک تو دلی تک کا سفر بڑا طویل ہے اور دوسرے یہ شہر پولیس اور سی آئی ڈی کے گڑھ ہیں...... یہاں ہر قدم پر پکڑے جانے کا خطرہ ہوگا۔"

شیر خان بولا۔

"تمہارے خیال میں اگر ہم رات کے وقت یہاں سے نکلے تو عثمان آباد کب پہنچیں گے؟"

مہاراشٹر کا جانباز مجاہد کمال حسن کہنے لگا۔

"یہاں سے نکلنے کے بعد ہم جنگل کا راستہ اختیار کریں گے...... ہمیں جنگل میں ہی صبح ہو جائے گی...... سارا دن ہم جنگل میں چھپے رہیں گے...... پھر رات کے وقت وہاں سے چلیں گے اور اگر ہم راستے میں کسی جگہ زیادہ دیر تک نہ رُکے تو میرا خیال ہے کہ ہم اگلے دن کسی بھی وقت عثمان آباد پہنچ جائیں گے۔"

کبیر خان کہنے لگا۔

"ہمیں یہی راستہ اختیار کرنا چاہئے...... دوسری کسی طرف نکلے تو اس میں خطرہ ہے۔"

شیر خان اور کبیر خان دونوں نے کمال حسن کے مشورے پر اتفاق کیا...... جب سورج غروب ہو گیا اور شام کا دُھندلکا چھانے لگا تو کبیر خان اور شیر خان رتناگری گاؤں کے پرانے کنوئیں کی جانب چل دیئے...... وہاں بوڑھا رحیم خان دادا پہلے سے بیٹھا ناریل کا حقہ ہاتھ میں لئے پی رہا تھا...... دونوں مجاہد اس کے پاس بیٹھ گئے...... اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے کوئی اس سے کچھ پوچھتا...... رحیم خان بولا۔

"سب کام ٹھیک طریقے سے ہو گیا ہے۔"

اس نے ساری بات تفصیل کے ساتھ انہیں بیان کر دی اور جیب سے بند

دھڑی کی کھڑکی کی چابی نکال کر کبیر خان کو دی اور کہا۔

"بیٹی زیب النساء کو سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے...... مجھے یقین ہے کہ آدھی رات کو جب تم میں سے کوئی کھڑکی میں سے اندر جائے گا تو زیب النساء تمہارے ساتھ فرار ہونے کے لئے تیار ہو گی۔"

شیر خان اور کبیر خان نے بوڑھے مجاہد رحیم خان کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا...... شیر خان نے کہا۔

"دادا! اگر تم اس وقت ہمارا ساتھ نہ دیتے تو شاید ہمارے لئے اپنے مجاہد کی بیوی کو یہاں سے نکال لے جانا ناممکن ہوتا۔"

بوڑھا رحیم خان کہنے لگا۔

"مجھ سے جو کچھ ہو سکتا تھا میں نے کیا...... یہ میرا دینی فرض تھا...... اگر میں نے کوئی بھلائی کا کام کیا ہے تو میری دعا ہے کہ اللہ پاک اسے قبول فرمائے...... میری دعا ہے کہ تم بیٹی کو لے کر خیر خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ جاؤ...... اب میں چلتا ہوں...... خدا حافظ!"

رحیم خان نے دونوں سے ہاتھ ملایا اور آہستہ آہستہ گاؤں کی طرف چل دیا...... شیر خان اور کبیر بھی واپس آ گئے۔

رات کے نو بجے تینوں مجاہدوں نے اکٹھے کھانا کھایا اور رات کے مشن کی تیاریوں میں لگ گئے...... جیپ کے انجن کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کر لی گئی تھی...... اس کی ٹینکی بھی فل کروالی تھی...... اس میں کھانے کے لئے خشک راشن اور پانی کی دس بارہ بوتلیں بھر کر رکھ لی تھیں...... اس کے ساتھ ہی اسلحہ بھی ایک نشست کے نیچے چھپا کر رکھ دیا تھا...... پٹرول کا ایک فالتو کین بھی بھروا کر رکھ لیا تھا...... رات کے دس بجے جیپ میں بیٹھ کر تینوں مجاہد مکان سے چل پڑے اور قلعہ رتنا گری کے قریب جو جنگل تھا، جیپ کو آہستہ آہستہ چلا کر وہاں تک لے آئے...... یہاں جنگل ختم ہو جاتا تھا اور

قلعے کی کھائی شروع ہوتی تھی...... انہوں نے جیپ درختوں کے نیچے ایک طرف کھڑی کر دی اور جیپ کے اندر ہی بیٹھ کر آدھی رات گزرنے کا انتظار کرنے لگے...... شیر خان نے اپنی کلائی والی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اگر ٹھیک گیارہ بجے زیب النساء نے کھڑکی کھول دی تو ہمیں اسی وقت کمانڈو ایکشن شروع کر دینا چاہیے۔"

کمال حسن نے کہا۔

"جب کھڑکی کھلے گی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا...... پھر مزید انتظار کرنا بیکار ہو گا۔"

رات کے گیارہ بجنے میں جب دس منٹ رہ گئے تو کمال حسن جیپ میں ہی بیٹھا رہا...... کبیر اور شیر خان جیپ سے اتر کر درختوں کے نیچے چلتے کھائی کے کنارے اس جگہ آ کر بیٹھ گئے جہاں سے انہیں کچھ ہی فاصلے پر قلعے کی دیوار پر اس کوٹھڑی کی کھڑکی دکھائی دے رہی تھی جہاں مجاہد کی بیوی قید تھی...... کھڑکی کے دونوں پٹ بند تھے اور وہ انہیں ستاروں کی مدھم روشنی میں دکھائی دے رہے تھے۔

دوسری طرف مجاہد کی بیوی زیب النساء بھی اپنی جگہ پر چوکنی ہو کر بیٹھی تھی...... اس کے کان قلعے میں رات کے گیارہ بجنے کا اعلان کرنے والے گھنٹے کی آواز پر لگے تھے، جس وقت گھنٹے نے دس بجائے تھے اس وقت بھی زیب النساء جاگ رہی تھی اور دعائیں پڑھ رہی تھی...... اس کے اندازے کے مطابق کافی وقت گزر گیا تھا...... اسے بار بار خیال آ رہا تھا کہ شاید چوکیدار گیارہ بجے کا گھنٹہ بجانا بھول گیا ہے، لیکن ایسی بات نہیں تھی...... ابھی رات کے گیارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے...... جب پندرہ منٹ بھی گزر گئے تو رات کی خاموشی میں گھنٹے نے رات کے گیارہ بجنے کا اعلان کر دیا...... آواز سنتے ہی زیب النساء اپنی جگہ سے اُٹھی...... دبے پاؤں کوٹھڑی کے بند دروازے کے پاس آ کر اس نے دروازے کی اوٹ میں ہو کر سلاخوں والے چوکھٹے میں سے باہر نگاہ ڈالی۔

رات کے وقت پہرہ دینے والا کانسٹیبل سٹول پر بیٹھا تھا...... اس کا سر آگے کو جھکا ہوا تھا، لگتا تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا ہے...... زیب النساء دبے پاؤں کھڑکی کے پاس گئی...... اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ کہ آواز پیدا نہ ہو کھڑکی پر لگا ہوا تالا ذرا سا اوپر اٹھایا اور پھر اس کو کھول کر نیچے رکھا...... آہستہ سے کھڑکی کی کنڈی اتاری اور کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے...... باہر بھی تاریکی تھی...... زیب النساء وہیں کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ انتظار کرنے لگی کہ نیچے سے کب کوئی مجاہد کسی طریقے سے اوپر آتا ہے۔

عین اسی وقت جنگل کے کنارے کھائی کے پاس جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھے کبیر خان اور شیر خان نے اپنی اپنی گھڑیوں پر نگاہ ڈالی...... ان کی گھڑیوں پر رات کے گیارہ بجکر پانچ منٹ ہو چکے تھے...... وہ اٹھ کر ذرا آگے گئے اور انہوں نے غور سے قلعے کی دیوار کو دیکھا...... شیر خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"کبیر خان! کھڑکی کھلی ہے۔"

کبیر خان نے بھی دیکھ لیا تھا کہ کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے تھے...... باتیں کرنے اور سوچنے کا وقت گزر چکا تھا...... اب ایکشن کا وقت تھا...... کبیر خان نائیلون کی رسی کے دونوں گچھے اپنے ساتھ لے آیا تھا...... وہ رسی کے گچھے کندھوں پر اٹھا کر کھائی میں اتر گئے...... رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی...... اگر کوئی قلعے کی چھت پر بھی آ جاتا تو ان دونوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا...... وہ کھائی میں اُگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں اور گھاس میں سے جلدی جلدی گزر کر کھائی کے دوسرے کنارے پر آ گئے...... وہ کھائی کے کنارے کی چڑھائی چڑھے اور کھڑکی کے عین نیچے آ کر بیٹھ گئے...... اس کے بعد کبیر خان وہیں بیٹھا رہا...... شیر خان اٹھا...... اس نے رسی کا گچھا کھول کر اس کا وہ کنارا اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑا جس کے آگے لوہے کا آنکڑا لگا ہوا تھا...... لوہے کے آنکڑے پر انہوں نے باریک رسی لپیٹ دی تھی تاکہ آنکڑا جب کھڑکی کی سِل سے ٹکرائے تو آواز پیدا نہ ہو۔

کمانڈو شیر خان تربیت یافتہ تھا...... اسے صحیح مقام پر کمند پھینکنے کا پورا تجربہ تھا...... اس نے کمند کو سیدھے ہاتھ میں لے کر چھ مرتبہ زور سے گھمایا...... پھر اللہ پاک کا نام لے کر اسے اوپر کھڑکی کی طرف اُچھال دیا...... کھڑکی دوسری جانب پر ہی تھی اور کھلی تھی...... کمند سیدھی کھڑکی کے اندر جا کر گری...... زیب النساء نے کمند اندر گرتی دیکھی تو جلدی سے اٹھ کر رسی کے سرے پر لگے ہوئے آنکڑے کو کھڑکی میں پھنسا دیا اور خود کھڑکی میں آ کر نیچے دیکھا۔

زیب النساء کو شیر خان اور کبیر خان نے بھی دیکھ لیا...... شیر خان کا خیال تھا کہ زیب النساء کو نیچے اتارنے کے لئے اسے خود اوپر جانا پڑے گا، لیکن اس نے دیکھا کہ زیب النساء کھڑکی میں آ کر بیٹھ گئی تھی...... پھر اس نے رسی کو دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑا اور پاؤں نیچے کر کے دیوار کے ساتھ لگائے اور بجائے رسی پکڑ کر نیچے کو گھسٹنے کے اس نے دونوں پاؤں قلعے کی دیوار کے ساتھ ٹکائے اور ایک ماہر کمانڈو کی طرح آہستہ آہستہ نیچے اُترنا شروع کر دیا...... آخر زیب النساء ایک مجاہد کمانڈو کی بیوی تھی...... مجاہد نے اپنی بیوی کو بعض ایسے گر سکھا دیئے ہوئے تھے جو ہنگامی صورت حال میں اس کے کام آ سکتے تھے۔

شیر خان رسی پکڑے کھڑکی کے عین نیچے کھڑا زیب النساء کو آہستہ آہستہ نیچے اترتا دیکھ رہا تھا...... جب زیب النساء نیچے آ گئی تو شیر خان نے اسے کہا۔

"بہن! میرے ساتھ آ جاؤ...... جلدی سے۔"

کبیر خان انہیں آتا دیکھ کر جلدی سے اٹھ کر جنگل کے کنارے والے درختوں کی طرف تیز تیز چل پڑا تھا...... وہ درختوں کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا...... جب شیر خان زیب النساء کو لے کر آ گیا تو کبیر خان سرگوشی میں بولا۔

"جلدی؟"

اور وہ تینوں جتنی تیز چل سکتے تھے چل کر جنگل میں اس جگہ پر آ گئے جہاں جانباز

کمال حسن جیپ سے نکل کر باہر آ گیا تھا...... شیر خان نے زیب النساء سے کہا۔

"بہن! جیپ کے اندر بیٹھ جاؤ...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

زیب النساء جلدی سے جیپ کے اندر چلی گئی...... جیپ چاروں طرف سے موٹی ترپال سے ڈھکی ہوئی تھی...... کمال حسن نے جیپ کا پچھلا دروازہ بند کر دیا اور تینوں مجاہد جیپ کی اگلی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے...... ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی کمال حسن نے انجن سٹارٹ کر کے جیپ تیزی سے آگے بڑھا دی...... جیپ درختوں کے درمیان اُگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں کو روندتی تیزی سے جا رہی تھی...... شیر خان کو یقین نہیں تھا کہ ان کا مشن اتنی جلدی اور کامیابی سے مکمل ہو جائے گا۔

جانباز کمال حسن نے جیپ کی بتیاں بجھائی ہوئی تھیں اور وہ رات کے اندھیرے میں آنکھیں کھول کر آگے کو جھک کر دیکھتے ہوئے گاڑی چلا رہا تھا...... اسے ان راستوں سے واقفیت بھی تھی...... وہ اسی علاقے کا رہنے والا تھا...... جنگل جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں زیادہ وسیع نہیں تھا...... دس پندرہ منٹ میں ہی وہ جنگل کے دوسرے کنارے سے باہر نکل آئے...... ان کا رُخ جنوب کی طرف تھا...... وہ ایک کچی سڑک پر آ گئے تھے یہاں تاروں کی دھیمی روشنی میں راستہ دُھندلا دُھندلا دکھائی دے رہا تھا...... کمال حسن نے جیپ کو کافی سپیڈ پر چھوڑ رکھا تھا...... وہ اس علاقے سے زیادہ سے زیادہ دُور نکل جانا چاہتا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ چھ سات میل کے بعد منجریا نام کا بڑا قصبہ آئے گا جہاں پولیس کی چوکی بھی ہے...... یہ کچی سڑک منجریا قصبے کے درمیان سے ہو کر جاتی تھی...... جب دُور سے منجریا قصبے کی دو چار ٹمٹماتی روشنیاں نظر آئیں تو کمال حسن نے جیپ کو سڑک پر سے اتار کر کھیتوں میں ڈال دیا...... جیپ منجریا قصبے کو بائیں جانب کافی فاصلے پر چھوڑ کر آگے نکل گئی...... یہ سطح مرتفع دکن کا علاقہ تھا، جہاں زمین سنگلاخ تھی اور اونچی نیچی تھی...... کہیں جنگل کا چھوٹا سا ٹکڑا آ جاتا اور اس کے بعد سنگلاخ نیم پہاڑی زمین

شروع ہو جاتی...... یہاں آ کر جیپ کی بتیاں روشن کر دی گئی تھیں...... رتنا گری بلکہ شولا پور سے عثمان آباد ورنگل تک سڑک بھی جاتی تھی، لیکن کمال حسن سڑک سے ہٹ کر جا رہا تھا، جہاں راستہ دشوار گزار ہو جاتا تو وہ جیپ کو سڑک پر لے آتا...... یہ دس پندرہ فٹ چوڑی ویران سی سڑک تھی...... کہیں پکی تھی...... کہیں شکستہ تھی۔

ایک جگہ جنگل میں چھوٹی سی ندی آ گئی۔

انہوں نے وہاں اتر کر منہ ہاتھ دھوئے...... پانی پیا...... زیب النساء نے بھی پانی پی کر منہ دھویا اور جیپ کے قریب بیٹھ گئی...... شیر خان اور کبیر خان اس سے باتیں کرنے لگے...... لڑکی کم زبان تھی...... بہت کم بات کرتی...... مختصر الفاظ میں کسی سوال کا جواب دیتی...... شیر خان اور کبیر خان بھی اس سے زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتے تھے...... انہوں نے اسے تسلی ضرور دی تھی کہ اس کا خاوند دکن میں ہے اور انشاء اللہ وہ حیدر آباد میں اس سے آن ملے گا...... پندرہ بیس منٹ آرام کرنے اور جیپ کے انجن کو آرام دینے اور اس میں ندی کا ٹھنڈا پانی ڈالنے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنے سفر پر چل پڑے۔

جب سورج نکلا تو کمال حسن نے دُور سے ایک گاؤں دیکھ کر جیپ ایک جگہ کھڑی کر دی اور جیپ سے اُتر کر بولا۔

"یہاں کچھ کھا پی لیں، مگر ہم زیادہ دیر نہیں رُکیں گے۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"ہم عثمان آباد سے کتنی دُور ہوں گے؟"

کمال حسن بولا۔

"آج کا سارا دن سفر میں گزر جائے گا...... انشاء اللہ ہم رات کے آٹھ نو بجے تک عثمان آباد پہنچ جائیں گے۔"

"کیا اس وقت تمہارا دوست ہمیں مل جائے گا؟" شیر خان نے پوچھا۔

کمال حسن کہنے لگا۔

"وہ گھر پر ہی ہو گا...... اسے کہاں جانا ہے...... رات ہم اس کے مکان پر گزاریں گے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد اگلے روز حیدر آباد کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔"

شیر خان نے کہا۔

"حیدر آباد میں ہماری یہاں کی تنظیم کا خفیہ ہیڈ کوارٹر جہاں پر ہے وہ جگہ مجھے معلوم ہے...... ہم سیدھے وہیں جائیں گے۔"

سنگلاخ علاقہ تھا...... چشمہ ابھی تک کوئی راستے میں نہیں آیا تھا...... ایک برساتی نالے کو بھی انہوں نے عبور کیا تھا جس کی دونوں دیواریں کافی اونچی تھیں اور پانی گہرائی میں بہہ رہا تھا...... وہ اپنے ساتھ رکھی ہوئی بوتلوں کا ہی پانی استعمال کر رہے تھے...... کہیں ناریل کے درخت آجاتے تو دو چار ناریل گرا کر ان کا پانی پی لیتے...... خشک راشن ان کے پاس موجود تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر کمال حسن ان کے ساتھ نہ ہوتا تو شیر خان ان ویران علاقوں میں بھٹک جاتا اور خدا جانے کہاں کا کہاں نکل جاتا...... دونوں سٹین گنیں جیپ کی سیٹ کے اندر بند تھیں...... ایک ایک پستول شیر خان اور کبیر خان نے اپنے پاس چھپا کر رکھا ہوا تھا...... کمال حسن اس علاقے سے لے جا رہا تھا جہاں دکن کے وسطی علاقوں کے جنگل نہیں تھے...... ان جنگلوں میں شیر، ہاتھی، چیتے کثرت سے پائے جاتے تھے...... وہ اس جنگلی علاقے سے ہٹ کر دیہاتی آبادیوں سے دُور رہ کر سفر طے کر رہا تھا۔

کمال حسن نے کہا تھا کہ ان سنگلاخ اور آبادی کے قریب والے علاقوں میں شیر چیتے آنے سے گریز کرتے ہیں...... کہیں کہیں ایک دو چیتے ضرور دکھائی دیئے تھے......

سارا دن سفر میں گزر گیا...... سورج غروب ہو رہا تھا کہ ایک جانب ریلوے لائن دکھائی دی...... کمال حسن نے کہا۔

"یہ لائن عثمان آباد ورنگل کو جاتی ہے۔"

اور وہ جیپ کو ریلوے لائن کے پہلو میں لے آیا...... بڑی سڑک وہاں سے دو فرلانگ بائیں جانب تھی...... وہ اس سڑک پر نہیں جانا چاہتا تھا...... وہاں خطرہ تھا......

شیر خان نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم عثمان آباد کے قریب پہنچ گئے ہیں۔"

کبیر خان بولا۔

"ابھی عثمان آباد کافی دُور ہے۔"

کمال حسن نے کہا۔

"دو ڈھائی گھنٹے کا سفر رہ گیا ہے۔"

ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ جاتی سڑک کچی تھی...... سورج غروب ہو گیا...... شام کا سرمئی دُھندلکا پھیلنے لگا...... دائیں جانب کچھ دُوری پر ایک سٹیشن کی روشنیاں گزر گئیں...... اس کے بعد پھر ویران علاقہ شروع ہو گیا...... رات ہو گئی...... ان مجاہدوں کا سفر جاری رہا...... رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے کہ دُور سے بہت ساری روشنیاں ٹمٹماتی نظر آنے لگیں...... یہ روشنیاں دائیں بائیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں...... کبیر خان نے شیر خان سے کہا۔

"شیر بھائی! تیار ہو جاؤ...... ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں...... یہ عثمان آباد کی روشنیاں ہیں۔"

شیر خان کہنے لگا۔

"اپنے مجاہد کا مکان یہاں کس طرف ہے؟"

کمال حسن نے کہا۔

"مکان شہر سے باہر ہے...... محفوظ جگہ ہے۔"

کمال حسن جیپ کو شہر کے باہر باہر لے جا رہا تھا...... آبادیاں ان کی بائیں جانب سے گزر رہی تھیں...... ایک جگہ کسی کالونی کی روشنیاں آ گئیں...... کمال حسن نے

جیپ ان روشنیوں سے دُور ہی ایک جگہ اندھیرے میں کھڑی کر دی اور شیر خان سے کہا۔

"یہاں سے ہم پیدل جائیں گے۔"

کمال حسن کے مجاہد دوست کا مکان اسی کالونی کے کونے پر تھا...... جیپ سے نکل کر تینوں مجاہد زیب النساء کو ساتھ لے کر اندھیرے میں ایک طرف کو چل پڑے...... کالونی کے کونے والے مکان کے صحن میں بتی روشن تھی...... باہر اندھیرا تھا...... کمال حسن شیر خان، کبیر اور زیب النساء کو اندھیرے میں ایک طرف روک کر خود مکان کے دروازے پر گیا اور گھنٹی بجائی...... تھوڑی دیر کے بعد اندر سے ایک آدمی دروازہ کھول کر باہر آیا...... کمال حسن اس کی طرف بڑھا...... دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے...... یہ کمال حسن کا دوست اور ان کی تنظیم کا مجاہد اصغر علی تھا...... دونوں مکان کے صحن میں آ کر باتیں کرنے لگے...... کمال حسن نے اسے صورت حال بتائی تو اصغر علی نے کہا۔

"انہیں اندر لے آؤ۔"

اصغر علی نے کونے والا کمرہ کھول دیا اور بتی جلا دی...... شیر خان، کبیر اور زیب النساء کمرے میں آئے تو کمال حسن نے اصغر علی سے ان کا تعارف کروایا...... اصغر علی نے کہا۔

"یہاں آپ بے فکر ہو کر بیٹھیں...... میں کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

اصغر علی چلا گیا تو کمال حسن نے شیر خان سے کہا۔

"اتفاق سے اس کے بیوی بچے اورنگ آباد گئے ہوئے ہیں...... یہ گھر میں اکیلا ہی ہے۔"

اصغر علی ایک قریبی ریستوران سے کھانا لے کر آ گیا...... اس دوران شیر خان اور کمال حسن جیپ میں سے اسلحہ وغیرہ نکال کر لے آئے تھے اور اسے کمرے کے کونے

میں بچھی ہوئی چارپائی کے نیچے چھپا دیا تھا...... کمال حسن نے اصغر علی کو اسلحے کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا۔

"یہاں کب تک قیام کا ارادہ ہے؟"

کمال حسن بولا۔

"ہماری منزل حیدر آباد ہے...... زیادہ سے زیادہ کل کا دن رہیں گے...... کل اندھیرا ہوتے ہی یہاں سے چل پڑیں گے۔"

کمال حسن بولا۔

"پھر اسلحہ وغیرہ چارپائی کے نیچے ہی رہنے دو...... یہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

کھانا کھانے کے بعد شیر خان، کبیر خان اور کمال حسن برآمدے والے کمرے میں آ گئے...... پہلے والے کمرے میں زیب النساء چارپائی پر لیٹ گئی اور اپنے خاوند سے ملاقات کی دعا مانگنے لگی۔

وہ رات اور اگلا دن انہوں نے اصغر علی کے مکان میں گزارا...... سورج غروب ہونے کے بعد جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو کمال حسن نے اصغر علی کو خدا حافظ کہا اور شیر خان کبیر اور زیب النساء کے ساتھ جیپ میں سوار ہو کر اگلی منزل حیدر آباد کی طرف روانہ ہو گیا...... اس کا مجاہد اصغر علی کو بھی علم نہیں تھا کہ رات کے وقت جب کمال حسن اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہوا تھا تو ایک مخبر نے انہیں دیکھ لیا تھا...... اس نے عثمان آباد پولیس ہیڈ کوارٹر میں جا کر اطلاع کر دی کہ اصغر علی نام کے آدمی کے مکان سے تین افراد ایک جیپ میں بیٹھ کر جنوب مشرق کی سمت روانہ ہوئے ہیں...... اور ان میں ایک عورت بھی ہے۔

مدراسی ہندو ایس ایس پی جے ناتھن کو جب یہ رپورٹ ملی تو اس کو شبہ گزرا کہ ضرور یہ وہی عورت ہے جس کے بارے میں اسے رپورٹ مل چکی تھی کہ وہ ایک کشمیری مجاہد کی بیوی ہے...... کشمیری مجاہد جیل سے فرار ہو چکا ہے اور اس کی بیوی بھی

رتنا گری کے قلعے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

ایس ایس پی جے ناتھن نے اسی وقت ایک پولیس پارٹی ترتیب دی اور مفرور مجاہد کی مفرور بیوی کی گرفتاری کے لئے تیزی سے نکل کھڑا ہوا...... مخبر نے پولیس کو بتادیا تھا کہ یہ لوگ کس طرف کو گئے ہیں...... اپنے مجاہدوں کو کوئی علم نہیں تھا کہ ان کے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے، لیکن پولیس پارٹی ابھی بہت پیچھے تھی۔

کمال حسن کی جگہ اب کبیر خان جیپ چلا رہا تھا۔

شیر خان اور کمال حسن اگلی نشستوں پر ہی بیٹھے تھے...... زیب النساء بند جیپ کے اندر تھی...... جیپ رات کے اندھیرے میں ایک ویران راستے پر چلی جا رہی تھی...... راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے جیپ کی رفتار ہلکی ہو گئی تھی، جبکہ ان کے عقب میں پولیس پارٹی کی گاڑی پکی سڑک پر پوری رفتار سے آ رہی تھی...... دونوں گاڑیوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

جب مجاہدوں کی جیپ جنگل کے وسط میں پہنچی تو انجن گرم ہو گیا اور دھواں دینے لگا...... جیپ راستے سے اتار کر درختوں کے پیچھے کھڑی کر دی گئی...... کبیر، شیر خان اور کمال حسن نیچے اتر آئے...... شیر خان پانی کی بوتلیں لینے جیپ کے اندر گیا تو اس نے زیب النساء کو بتایا کہ گاڑی کا انجن گرم ہو گیا ہے...... گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے...... کمال حسن انجن میں پانی ڈالنے لگا...... کبیر اور شیر خان جیپ کے عقب میں دروازے کے قریب ہی بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے...... انہوں نے جیپ کا پچھلا دروازہ کھول دیا تھا تاکہ زیب النساء کو بھی تازہ ہوا آتی رہے۔

کبیر خان اور شیر خان آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک شیر خان بات کرتے کرتے رُک گیا اور پیچھے جنگل میں ایک طرف دیکھنے لگا۔ کبیر خان نے پوچھا۔

”کیا بات ہے؟“

شیر خان نے کہا۔

”گاڑی کی آواز آ رہی ہے۔“

کبیر خان کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگا، پھر بولا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو...... یہ گاڑی کی آواز ہے...... شاید کوئی شکاری جیپ لے کر رات کو جنگل میں شکار کی تلاش میں نکلا ہے۔“

مگر شیر خان کا تجربہ کبیر خان سے زیادہ تھا...... اس نے کہا۔

”نہیں...... مجھے کچھ اور ہی لگ رہا ہے۔“

شیر خان جلدی سے کمال حسن کے پاس گیا اور کہا۔

”مجھے شک ہے کہ پولیس ہماری تلاش میں یہاں پہنچ گئی ہے...... یہ پولیس کی گاڑی کی آواز ہے۔“

گاڑی کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی...... کمال حسن نے کبیر سے کہا۔

”کبیر خان! گاڑی نکال کر پیچھے درختوں کی طرف لے چلو۔“

کبیر خان دوڑ کر جیپ میں بیٹھا اور اسے چلا کر ایک طرف درختوں کے نیچے اندھیرے میں لے گیا...... گاڑی کھڑی ہوتے ہی کمال حسن نے کبیر خان سے کہا۔

”زیب النساء کو درختوں کے پیچھے لے جا کر کسی جگہ چھپا دو، جلدی کرو۔“

کبیر خان فوراً زیب النساء کو جیپ سے نکال کر پیچھے درختوں میں لے گیا......

شیر خان اور کمال حسن جیپ میں سے سٹین گنیں، میگزین اور ہینڈ گرنیڈ نکال کر پندرہ بیس قدم آگے جا کر پتھروں کے پیچھے پوزیشن لے کر بیٹھ گئے...... جنگل کے درمیان سے گزرنے والا کچا راستہ ان سے پچاس گز کے فاصلے پر تھا...... گاڑی کی آواز مزید قریب آ گئی تھی۔

پیچھے درختوں میں کبیر خان جیپ کو جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپائے سٹین گن لئے پوزیشن لے کر بیٹھا ہوا تھا...... زیب النساء جیپ سے نکل کر کبیر خان کے قریب ہی ایک بڑے پتھر کی آڑ لے کر بیٹھی تھی۔

دُور سے انہیں تاریکی میں ایک گاڑی آتی دکھائی دی...... کمال حسن نے سرگوشی میں بشیر خان سے کہا۔

"یہ پولیس کی گاڑی ہی ہے۔"

شیر خان عقابی نظروں سے اندھیرے میں گاڑی کو ایک طرف رُکتے دیکھ رہا تھا...... گاڑی میں سے انہیں چار پانچ آدمی تیزی سے نکل کر اِدھر اُدھر درختوں میں چھپتے نظر آئے...... کمال حسن نے کہا۔

"میں فائر کرنے لگا ہوں۔"

شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"ذرا صبر کرو۔"

پولیس کی گاڑی آہستہ آہستہ چلتی جنگل کے راستے پر ذرا آگے آکر کھڑی ہوگئی...... یہ ایک بڑی جیپ تھی...... چار پولیس کے سپاہی ابھی تک گاڑی میں ہی تھے...... ڈرائیور کے ساتھ بھی ایک پولیس آفیسر بیٹھا تھا...... یہ ایس ایس پی جے ناتھن تھا...... پولیس کو یہ شبہ ہوگیا تھا کہ مجاہد اور مفرور لڑکی جنگل کے اسی علاقے میں کسی جگہ چھپے ہوئے ہیں لیکن پولیس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مجاہد پولیس سے صرف چند گز کے فاصلے پر مورچہ جمائے ہوئے ہیں اور ان کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کر رہے ہیں...... کمال حسن نے اپنے سامنے پولیس کو دیکھا تو اپنے جذبات پر کنٹرول نہ کر سکا اور اس نے سٹین گن کا برسٹ فائر کر دیا...... جنگل فائرنگ کے دھماکوں سے گونج اُٹھا...... جیپ میں بیٹھے ہوئے تین سپاہی ایک طرف کو لڑھک گئے...... ایس ایس پی جے ناتھن جیپ کی اگلی سیٹ سے اُچھل کر باہر آگیا اور جیپ کی آڑ لے کر پستول سے فائر کرنے لگا...... دوسرے دو سپاہی جو جیپ میں تھے اور بچ گئے تھے زمین پر لیٹ گئے اور رائفلوں سے فائرنگ شروع کر دی...... گولیاں کمال حسن اور شیر خان کے سروں کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

شیر خان بولا۔

"کمال حسن! میرے پیچھے ہو جاؤ...... اور لیٹ جاؤ۔"

شیر خان نے اوپر تلے دو ہینڈ گرنیڈ پھینکے...... دونوں دستی بم پولیس کی جیپ سے چند فٹ پیچھے گر کر پھٹے...... اچانک مجاہدوں کے عقب سے بھی اِکا دُکا رائفل کے فائر ہونے لگے۔

شیر خان نے کمال حسن سے کہا۔

"پولیس ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہی ہے...... پیچھے جیپ کی طرف آجاؤ۔"

وہ لیٹے ہوئے اُٹھے اور جھک کر دوڑتے ہوئے جیپ کی اوٹ میں آگئے جہاں کبیر خان پہلے سے پوزیشن میں تھا...... شیر خان نے کہا۔

"زیب النساء کو ساتھ لے کر ٹیلے کی اوٹ میں آجاؤ...... جلدی کرو۔"

دستی بم اور دوسرا میگزین اُٹھا کر انہوں نے زیب النساء کو اپنے درمیان لے لیا اور دائیں جانب جو ٹیلہ تھا اس کی طرف دوڑے...... پولیس کا فائر ان کے اوپر آرہا تھا...... شیر خان کے دستی بم پھینکنے سے پولیس کو مجاہدوں کی پوزیشن کا علم ہو گیا تھا، چنانچہ وہ اسی جانب فائر کر رہے تھے جہاں ان کی جیپ کھڑی تھی۔

ٹیلے کی ڈھلان کے پاس آکر مجاہدوں نے بڑے بڑے پتھروں کے پیچھے پوزیشنیں سنبھال لیں...... شیر خان نے کہا۔

"کوئی فائر نہ کرے۔"

انہوں نے فائرنگ بند کر دی...... پولیس کی طرف سے برابر فائر آرہا تھا...... گولیاں درختوں کی ٹہنیوں کو توڑتی ہوئی چیختی چلاتی ان کے اوپر سے گزر کر ٹیلے کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں...... مجاہدوں کی آڑ بڑی اچھی تھی...... شیر خان جانتا تھا کہ پولیس انہیں پکڑنے کے لئے آگے بڑھے گی اور ایسا ہی ہوا...... چند لمحوں کے بعد اندھیرے

میں مجاہدوں کو انسانی ہیولے ٹیلے کی طرف بڑھتے دکھائی دیئے...... شیر خان نے سرگوشی میں کمال حسن اور کبیر خان سے کہا۔

"جب تک میں نہ کہوں کوئی فائر نہ کرے۔"

وہ چار سپاہی تھے...... ان کے آگے ایس ایس پی جے ناتھن تھا...... یہ پانچوں سائے اندھیرے میں جھک کر ٹیلے کی طرف بڑھ رہے تھے...... وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ مجاہدوں کے درمیان مورچوں کی بالکل سیدھ میں آ رہے ہیں اور ان کی سٹین گنوں کی زد میں ہیں...... کمال حسن، کبیر خان اور شیر خان کی انگلیاں سٹین گنوں کے ٹریگروں پر تھیں...... جب پولیس پارٹی اندھیرے میں پوری طرح ان کی رینج میں آ گئی تو شیر خان نے کہا۔

"فائر۔"

اور تینوں سٹین گنیں گولیوں کی بوچھاڑ میں فائر کرنے لگیں...... چاروں سپاہی اور ایس ایس پی جے ناتھن دس دس بارہ بارہ گولیاں کھا کر وہیں دہرے ہو کر گر پڑے...... شیر خان نے فائر روک دیا۔

کبیر خان بولا۔

"شیر بھائی! اب یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

شیر خان نے کہا۔

"تھوڑا انتظار کرو...... ہمارے عقب میں کچھ سپاہی موجود ہیں۔"

جو چار سنتری رائفلیں لئے سب سے پہلے پولیس کی گاڑی سے کود کر ایک طرف کو چلے گئے تھے اور جو عقب سے فائرنگ کرتے رہے تھے...... انہوں نے برین گنوں کے دھماکے سنے تو سمجھ گئے کہ مجاہد پوری طرح مسلح ہیں...... ہینڈ گرنیڈوں کے دھماکے وہ پہلے سن چکے تھے...... آخر وہ انڈین پولیس کے سنتری تھے...... انہیں چند روپوں کی تنخواہ کی خاطر جان کا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت تھی، جبکہ مجاہدوں کے

پاس برین گنیں بھی تھیں اور دستی بم بھی تھے، انہیں اپنے ساتھی سنتریوں کی رائفلوں کے فائر بھی سنائی دینا بند ہو گئے تھے...... سپاہی سمجھ گئے کہ پولیس پارٹی پیچھے ہٹ گئی ہے...... وہ اندھیرے جنگل میں اندازے سے اس طرف بڑھنے لگے جدھر ان کی پولیس گاڑی کھڑی تھی۔

یہ چاروں سپاہی آگے بڑھتے ہوئے مجاہدوں کے بالکل سامنے آ گئے...... شیر خان نے دیکھا کہ سپاہیوں کا منہ دوسری طرف تھا اور وہ تیز تیز قدموں سے واپس جا رہے تھے...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"ان پر فائر نہ کرنا۔"

چاروں سنتری درختوں کے اندھیرے میں غائب ہو گئے...... تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز آئی...... شیر خان نے کہا۔

"وہ بھاگ رہے ہیں۔"

پولیس کی گاڑی کی آواز جب دُور ہوتے ہوتے خاموش ہو گئی تو زیب النساء جو ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں سہمی ہوئی بیٹھی تھی...... شیر خان نے اس کے پاس جا کر کہا۔

"بہن! سب ٹھیک ہے...... اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

زیب النساء جیپ میں بیٹھ گئی...... شیر خان، کبیر خان اور کمال حسن جیپ کی اگلی نشستوں پر بیٹھ گئے اور جیپ درختوں میں سے نکل کر کچے راستے پر آ گئی...... جیپ کو کمال حسن چلا رہا تھا...... شیر خان کہنے لگا۔

"جو سپاہی واپس چلے گئے ہیں انہوں نے شاید اپنے ساتھیوں کی لاشیں نہیں دیکھیں...... اگر دیکھی بھی ہیں تو وہ انہیں اسی طرح چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔"

پھر اس نے کمال حسن سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں ان سپاہیوں کو عثمان آباد پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچنے میں کتنی دیر لگ جائے گی۔"

کمال حسن نے کہا۔

"ڈیڑھ دو گھنٹے تو لگ جائیں گے۔"

شیر خان نے پوچھا۔

"ہم حیدر آباد کی حدود میں کس وقت تک پہنچ جائیں گے۔"

کمال حسن بولا۔

"ہمیں بھی اتنی دیر ہی لگے گی۔"

"تو پھر گاڑی کی رفتار تیز کر دو۔" شیر خان نے کہا۔

"ہم پولیس تک اطلاع پہنچنے سے پہلے پہلے حیدر آباد میں داخل ہو جانا چاہتے ہیں۔"

کمال حسن کہنے لگا۔

"یہ سڑک خراب ہے...... میں اسے یہاں سے نکال کر حیدر آباد والی بڑی سڑک پر لے آتا ہوں۔"

مزید آدھے گھنٹے تک ان کی جیپ جنگل کے علاقے میں سفر کرتی رہی...... اس کے بعد وہ سڑک آ گئی جو شولا پور عثمان آباد سے ورنگل سے ہوتی ہوئی حیدر آباد کو جاتی تھی...... یہ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی اور اس پر روشنی بھی نہیں تھی، لیکن سڑک پکی تھی اور خالی پڑی تھی...... سڑک پر آتے ہی کمال حسن نے جیپ کی رفتار تیز کر دی...... خطرہ صرف اس بات کا تھا کہ سڑک پر کہیں پولیس کی کوئی چیک پوسٹ نہ ہو لیکن آندھرا پردیش کے علاقے میں مجاہدین کی سرگرمیاں بہت محدود تھیں، جس کی وجہ سے پولیس نے ہائی وے پر چیکنگ کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

آسمان پر صبح کا نور جھلکنے لگا تھا...... جب دُور سے اِدھر اُدھر بکھری ہوئی روشنیاں دکھائی دینے لگیں...... کمال حسن نے کہا۔

"یہ حیدر آباد کی روشنیاں ہیں۔"

شیر خان نے ایک خاص علاقے کا نام کمال حسن کو بتایا اور کہا۔

"اپنے مجاہدوں کا خفیہ ٹھکانہ اس علاقے میں ہے۔"

تم اس علاقے میں چلو...... میں جگہ پہچان لوں گا۔

جو علاقہ شیر خان نے بتایا تھا کمال حسن جانتا تھا کہ وہ کہاں پر ہے، چنانچہ اس نے جیپ کو شہر کی طرف لے جانے کی بجائے اسے شہر کے جنوبی مضافات کی طرف ڈال دیا...... صبح کی سپیدی نمودار ہو چکی تھی، جب ان کی جیپ اس علاقے میں داخل ہو گئی جو شیر خان نے بتایا تھا...... اس علاقے میں آتے ہی شیر خان نے بعض نشانیاں پہچان لیں اور کمال حسن سے کہا۔

"یہاں سے دائیں جانب چلنا ہو گا...... آگے آموں کا ایک باغ آئے گا...... اس کی دوسری جانب کھلا میدان ہے...... وہاں سے اپنے مجاہدوں کا خفیہ ٹھکانہ زیادہ دُور نہیں ہے۔"

کمال حسن شیر خان کی رہنمائی کے مطابق جیپ چلاتا رہا...... ہم اس علاقے کا نام اور محل وقوع خفیہ رکھنا چاہتے ہیں...... آپ سمجھ لیں کہ ہمارے مجاہد زیب النساء کو لے کر اپنے حیدر آبادی مجاہدوں کے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گئے...... مجاہدوں کا لیڈر کمال الدین شیر خان سے گلے لگ کر ملا...... اس کے بعد باری باری اس نے کمال حسن اور کبیر خان سے ہاتھ ملایا...... شیر خان نے مختصر لفظوں میں کمال الدین کو اپنے کامیاب مشن کے بارے میں بتایا اور کہا۔

"ہم اپنے مجاہد کی بیوی زیب النساء کو کافروں کی قید سے نکال کر لے آئے ہیں۔"

کمال الدین کہنے لگا۔

"قدرت نے ان دونوں کا ملاپ یہاں پر لکھ دیا تھا...... تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ زیب النساء کا خاوند ہماری دوسری کمیں گاہ میں ہی ہے۔"

جب یہ خبر زیب النساء کو سنائی گئی تو اس کے غم زدہ چہرے پر خوشی کی چمک سی آ گئی...... اسی وقت خاص آدمی بھیج کر دوسری کمیں گاہ سے اپنے دلی والے مجاہد اور

زیب النساء کے خاوند کو (جس کا ہم نام ظاہر نہیں کریں گے) دوسری کمیں گاہ سے بلالیا گیا اور دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی سے کھل اُٹھے اور خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔

دوسرے ہی دن مہار اشٹر کا جانباز مسلمان مجاہد کمال حسن اور کبیر خان دونوں شیر خان سے گلے مل کر رتنا گری کی طرف روانہ ہو گئے۔...... اپنی جیپ انہوں نے کچھ دنوں کے لئے وہیں چھوڑ دی تھی اور بذریعہ ٹرین گئے تھے...... شیر خان کا وہ مشن کامیابی سے ختم ہو گیا تھا جس کو لے کر وہ اس مہم پر چلا تھا...... تین دن اپنے حیور آبادی مجاہدوں کے ہاں گزارنے کے بعد وہ بھی واپس کشمیر کے محاذ کی طرف روانہ ہو گیا، جہاں اس سے بھی زیادہ اہم مشن اس کا انتظار کر رہا تھا...... وہ میدان جہاد میں تھا اور اسے کشمیری مسلمانوں کو ان کا جائز حق خود ارادی دلانے تک قابض بھارتی فوج کے ظلم وستم کے خلاف جنگ کرتے رہنا تھا...... جہاد کرتے رہنا تھا۔